

جلد سوم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

محدث دارالعلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری

فاضل دارالعلوم دیوبند



تحفۃ القاری

شرح

صحیح البخاری

جلد سوم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ
محدث دار العلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری
فاضل دار العلوم دیوبند

ناشر
زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام ــــــ تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد سوم

تاریخ اشاعت ــــــ اگست ۲۰۱۲ء

باہتمام ــــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ــــــ زمزم پبلشرز کراچی

صفحات ــــــ ۶۰۰

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32729089

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509
- مکتبہ دار الھدیٰ، اردو بازار کراچی۔ فون: 32711814
- دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ بیت العلم 17 الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ فون: 042-37112356
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

Madrasah Arabia Islamia
1 Azaad Avenue P.O Box 9786.
Azaadville 1750 South Africa
Tel. 00(27) 14132786

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone 020-8911-9797

Islamic Book Centre
119-121 Halliwell Road, Bolton BI1 3NE
U.K.
Tel/Fax 01204-389080

Al Farooq International
68, Asfordby Street Leicester LE5-3QG
Tel 0044-116-2537640

فہرست مضامین

أبواب صفة الصلاة

كِتَابُ الْجُمُعَةِ

أَبْوَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

كِتَابُ الْعِيْدَيْنِ

أَبْوَابُ الْوِتْرِ

أَبْوَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ

أَبْوَابُ الْكُسُوفِ

أَبْوَابُ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ

أَبْوَابُ تَقْصِيْرِ الصَّلَاةِ

کِتَابُ التَّھَجُّدِ [وَالتَّطَوُّعِ]

نوافل کا بیان

كِتَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ فِيْ مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ

أَبْوَابُ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ

كِتَابُ السَّهْوِ

كِتَابُ الْجَنَائِزِ

❁ ❁ ❁

عربی ابواب کی فہرست

أبواب صفة الصلاة

كِتَابُ الْجُمُعَةِ

أَبْوَابُ صَلاَةِ الْخَوْفِ

كِتَابُ الْعِيْدَيْنِ

أَبْوَابُ الْوِتْرِ

أَبْوَابُ الإِسْتِسْقَاءِ

أَبْوَابُ الْكُسُوْفِ

أَبْوَابُ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ

أَبْوَابُ تَقْصِيْرِ الصَّلاَةِ

كِتَابُ التَّهَجُّدِ [وَالتَّطَوُّعِ]

كِتَابُ فَضْلِ الصَّلٰوةِ فِيْ مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ

أَبْوَابُ الْعَمَلِ فِي الصَّلاَةِ

كِتَابُ السَّهْوِ

كِتَابُ الْجَنَائِزِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَبْوَابُ صِفَةِ الصَّلاَةِ

نماز کی پوری ترکیب

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں کوئی عنوان نہیں رکھا، مگر شارحین نے یہ عنوان قائم کیا ہے (فتح) اور عنوان سے معنون کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ صفۃ: مصدر ہے، وَصَفَ (ض) وَصْفًا و صِفَةً کے لغوی معنی ہیں: حالت بیان کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: نماز کی پوری ترکیب، تکبیر تحریمہ سے سلام تک تمام مسائل بالترتیب اس عنوان کے تحت آتے ہیں، بلکہ نماز سے تعلق رکھنے والے بعض مسائل بھی ضمناً زیر بحث آتے ہیں۔

بَابُ إِيْجَابِ التَّكْبِيْرِ وَافْتِتَاحِ الصَّلاَةِ

نماز کے شروع میں تکبیر واجب ہے، اور اسی سے نماز شروع ہوتی ہے

باب میں واو بمعنی مع ہے یا عطف تفسیری ہے، اور یہاں تین مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: نماز کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا آغاز تکبیر تحریمہ سے ہوتا ہے اور اس پر اجماع ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ نماز کا رکن ہے یا شرط؟ جو چیز شئی کی ماہیت میں داخل ہوتی ہے وہ رکن کہلاتی ہے، جیسے رکوع، سجدے اور قیام وغیرہ اور جو چیز خارج ہوتی ہے اور ضروری ہوتی ہے وہ شرط کہلاتی ہے، جیسے طہارت اور استقبال قبلہ وغیرہ۔

تکبیر تحریمہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکن ہے یعنی نماز کی ماہیت میں داخل ہے اور حنفیہ کے نزدیک شرط ہے یعنی نماز کی ماہیت سے خارج ہے، پس ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اللہ اکبر کے ال سے نماز شروع ہوگی اور حنفیہ کے نزدیک راء سے نماز شروع ہوگی[1] یہ فقہاء کا اپنا اپنا ذوق ووجدان ہے اور ذوق کسی خاص آیت یا حدیث سے نہیں بنتا بلکہ پوری شریعت کو پیش نظر

(۱) تحفۃ الالمعی (۱۹۶:۱) میں ہے: تکبیر کا شروع حصہ نماز کا جز نہیں اور کم پر پہنچتے ہی نماز شروع ہوجاتی ہے، یہ غلط چھپا ہے، صحیح بَرْ ہے، بَرْ پر پہنچتے ہی نماز شروع ہوجاتی ہے۔

رکھ کر بنتا ہے، جیسے قواعد الفقہ عام طور پر پوری شریعت کو ملحوظ رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ ترمذی شریف کے بالکل شروع میں حدیث ہے: تحریمھا التکبیر: نماز کا تحریمہ یعنی جس نقطہ سے جائز باتیں نماز میں حرام ہو جاتی ہیں وہ تکبیر ہے، تکبیر کے پہلے حرف سے باتیں حرام ہوتی ہیں یا آخری حرف سے؟ یعنی تکبیر کے پہلے حرف سے نماز شروع ہوتی ہے یا آخری حرف سے؟ حنفیہ کا رجحان اور ذوق یہ ہے کہ آخری حرف سے یعنی بَرْ سے نماز شروع ہوتی ہے، اس لئے کہ پورے اللہ اکبر کا تلفظ کرنے کے بعد ہی تکبیر کا تحقق ہوتا ہے اور ائمہ ثلاثہ کا رجحان یہ ہے کہ تکبیر کے شروع سے یعنی اَل سے نماز شروع ہوگی، اور اس اختلاف کا ایک دوسرے مسئلہ پر اثر پڑا ہے وہ مسئلہ اگلے باب میں آرہا ہے یعنی رفع یدین اور تکبیر تحریمہ ساتھ ساتھ ہیں یا آگے پیچھے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ساتھ ساتھ ہیں اور احناف کے نزدیک رفع پہلے ہے اور تکبیر بعد میں، اور یہ اختلاف دو باتوں پر متفرع ہے۔ ایک: نماز میں رفع یدین ہے یا نہیں؟ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک نماز میں رفع یدین ہے اور احناف اور مالکیہ کے نزدیک نماز میں رفع یدین نہیں ہے۔ دوم: تکبیر تحریمہ رکن ہے یا شرط؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکن ہے اور احناف کے نزدیک شرط، چونکہ احناف کے نزدیک نماز میں نہ رفع یدین ہے اور نہ تکبیر تحریمہ نماز کا رکن ہے اس لئے انھوں نے رفع کو بھی نماز سے باہر مانا ہے اور تکبیر کو بھی۔ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ نماز کا رکن ہے اور نماز میں رفع یدین ہے اس لئے انھوں نے رفع یدین اور تکبیر کو ساتھ ساتھ رکھا ہے تاکہ وہ نماز میں شامل رہیں۔

دوسرا مسئلہ: تکبیر واجب (بمعنی فرض) ہے یا سنت مؤکدہ؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ ایجاب استعمال کیا ہے، فرض لفظ استعمال نہیں کیا۔ اور آئندہ چند ابواب کے بعد یہ مسئلہ آرہا ہے کہ نماز میں قراءت کا کیا درجہ ہے؟ وہاں بھی امام بخاریؒ نے لفظ وجوب استعمال کیا ہے، فرض استعمال نہیں کیا، پس جس کا جی چاہے وجوب کو واجب اصطلاحی کے معنی میں لے اور جس کا جی چاہے فرض کے معنی میں لے۔

تیسرا مسئلہ: ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک خاص اللہ اکبر ہی سے نماز میں داخل ہونا ضروری ہے کسی اور صیغہ سے نماز شروع نہیں ہوسکتی۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تکبیر میں ایسا اضافہ جس سے معنی میں زیادتی ہو جائز ہے، اس سے نماز شروع کرنا درست ہے، مثلاً مبتداء کی صفت لاکر اللہ الجلیل الأکبر کہا جائے یا خبر پر الف لام داخل کرکے اللہ الأکبر کہا جائے تو نماز شروع کرنا درست ہے کیونکہ اس سے معنی میں زیادتی ہوگی، پس وہ صیغے اللہ اکبر ہی کے حکم میں ہونگے۔ اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اللہ اکبر ہی ضروری ہے، اس کے علاوہ کسی اور صیغہ سے نماز شروع نہیں ہوسکتی، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اللہ اکبر، اللہ الأکبر، اللہ کبیر، اللہ الکبیر: چاروں لفظوں سے نماز شروع ہوسکتی ہے۔

اور امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ہر ذکر مشعر تعظیم سے نماز شروع کرنا صحیح ہے یعنی ہر ایسا ذکر جس سے اللہ کی بڑائی ظاہر ہو جیسے الرحمن اکبر، اللہ أجلّ، اللہ اعظم وغیرہ کلمات سے نماز شروع کرنا صحیح ہے۔ ابو العالیہ، شعبی اور ابراہیم

نخعی رحمہم اللہ کی بھی یہی رائے ہے (معارف السنن ۱:۵۴)

اوراس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ تحریمھا التکبیر میں تکبیر کے لغوی معنی مراد ہیں یا عرفی؟ ائمہ ثلاثہ عرفی معنی (اللہ اکبر کہنا) مراد لیتے ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک خاص صیغہ اللہ اکبر سے نماز میں داخل ہونا ضروری ہے کسی اور صیغہ سے نماز شروع نہیں ہوسکتی۔اور امام اعظم رحمہ اللہ تکبیر کے لغوی معنی مراد لیتے ہیں یعنی اللہ کی بڑائی بیان کرنا، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ ہر ذکر مشعر تعظیم سے نماز شروع ہوسکتی ہے، نزول قرآن کے وقت تکبیر کے یہی معنی تھے، سورۃ المدثر میں ہے: ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ اور اللہ کی بڑائی بیان کیجئے۔یہاں عرفی معنی مراد نہیں، اور سورۃ الاعلیٰ (آیت ۱۵) میں ہے: ﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى﴾: اس نے اپنے رب کا نام لیا، پس نماز پڑھی، اس میں بھی تعمیم ہے، کسی صیغہ کی تخصیص نہیں۔

اور عرفی معنی چونکہ بعد میں پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان کو نصوص میں مراد نہیں لیا جائے گا، جیسے فقہاء کی اصطلاحات فرض واجب وغیرہ نصوص میں مراد نہیں لی جاتیں کیونکہ وہ بعد میں وجود میں آئی ہیں۔

غرض یہ نص فہمی کا اختلاف ہے دلائل کا اختلاف نہیں، یعنی حدیث میں جو لفظ تکبیر ہے اس کے عرفی معنی مراد ہیں یا لغوی؟ ائمہ ثلاثہ عرفی معنی مراد لیتے ہیں، اور صیغۂ اللہ اکبر کو رکن قرار دیتے ہیں اور حنفیہ لغوی معنی مراد لیتے ہیں اور ہر ذکر مشعر تعظیم سے نماز شروع کرنے کو درست قرار دیتے ہیں، البتہ حنفیہ کے نزدیک اللہ اکبر سے نماز شروع کرنا سنتِ مؤکدہ اشد تاکید یعنی واجب جیسی سنت مؤکدہ ہے، کیونکہ یہی امت کا تعامل چلا آرہا ہے۔

سوال: صیغہ اللہ اکبر کا بھی تعامل ہے اور صیغہ السلام علیکم کا بھی، مگر حنفیہ سلام کو تو واجب کہتے ہیں اور صیغہ تکبیر کو سنتِ مؤکدہ، اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اللہ اکبر کے علاوہ دیگر کلمات جن سے نماز شروع کی جاسکتی ہے وہ سب حسن (اچھے کلمات) ہیں اور السلام علیکم کے علاوہ دوسرے طریقے جن سے نماز ختم کی جاسکتی ہے ان میں سے بعض قبیح ہیں جیسے ریح خارج کرکے نماز ختم کرنا اس لئے احناف نے صیغہ سلام کو واجب قرار دیا، تاکہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار نہ کرے، اور کرے تو نماز دوبارہ پڑھے، مزید تفصیل تحفۃ الالمعی (۱:۱۹۷) میں ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ باب میں ایک ہی حدیث ہے جو پہلے بار بار گذری ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوکر کہیں تشریف لے جارہے تھے، اچانک گھوڑا بدکا اور کھجور کے ایک تنے کے پاس سے اس طرح گذرا کہ جسم گھوڑے اور تنے کے بیچ میں آگیا اور آپ کی دائیں جانب چھل گئی، پس آپ ایک بالاخانہ میں فروکش ہوگئے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ پر تھا اور بیماری کے ایام وہیں گذارے، نماز پڑھانے کے لئے بھی مسجد میں تشریف نہیں لاتے تھے، ایک دن صحابہ بیمار پرسی کے لئے گئے اتفاق سے اس وقت آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، صحابہ نے اقتداء کرلی، اور کھڑے ہوکر اقتداء کی، آپؐ نے اشارہ سے ان کو بٹھادیا، پھر جب سلام پھیرا تو فرمایا: ''امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی

جائے، پس جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو' (الی آخرہ)

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث تین سندوں سے لکھی ہے، پہلی دو روایتیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے ہیں، اور تیسری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے، اور پہلی حدیث میں تکبیر کا ذکر نہیں۔ مگر امام بخاریؒ نے دوسری حدیث لا کر بتلایا کہ پہلی روایت میں اختصار ہے، دوسری روایت بھی حضرت انسؓ ہی کی ہے اس میں تکبیر کا ذکر ہے، اور إذا كَبَّرَ فكَبِّرُوْا سے تکبیر تحریمہ مراد ہے، تکبیرات انتقالیہ مراد نہیں، اس لئے کہ آپؐ نے قاعدہ کلیہ بیان فرما کر إذا كبر فكبروا سے تفصیل کا آغاز کیا ہے، پس اس سے تکبیر تحریمہ مراد لی جائے گی، اور كَبِّرُوْا امر ہے اور امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے، اور جب مقتدیوں پر تکبیر تحریمہ واجب ہوئی تو امام پر بدرجہ اولیٰ واجب ہوگی، کیونکہ اگر مقتدیوں پر تکبیر واجب ہو اور امام پر واجب نہ ہو تو مقتدی کا امام پر تقدم رُتبی لازم آئے گا، پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ تکبیر تحریمہ اول امام پر واجب ہے، پھر مقتدیوں پر، مگر یہ بات کہ تکبیر کے لغوی معنی مراد ہیں یا عرفی؟ اور تکبیر رکن ہے یا شرط؟ یہ باتیں حدیث سے صراحۃً ثابت نہیں ہوتیں، یہ اجتہادی مسائل ہیں جو فقہاء کرام نے طے کئے ہیں، اور ان میں اختلاف ہوا ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا۔

[۸۲-] بَابُ إِيْجَابِ التَّكْبِيْرِ وَافْتِتَاحِ الصَّلاَةِ

[۷۳۲-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَكِبَ فَرَسًا فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، وَقَالَ أَنَسٌ: فَصَلّٰى لَنَا يَوْمَئِذٍ صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُوْدًا، ثُمَّ قَالَ لَمَّا سَلَّمَ: " إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا صَلّٰى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُوْلُوْا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" [راجع: ۳۷۸]

[۷۳۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: نَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: خَرَّ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ فَرَسٍ فَجُحِشَ، فَصَلّٰى لَنَا قَاعِدًا فَصَلَّيْنَا مَعَهُ قُعُوْدًا، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَقَالَ: " إِنَّمَا الْإِمَامُ — أَوْ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ — لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُوْلُوْا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا" [راجع ۳۷۸]

[۷۳۴-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُوْلُوْا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا، وَإِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا أَجْمَعُوْنَ" [راجع: ۷۲۲]

لغت: جُحِشَ (فعل ماضی مجہول) جَحَشَ الجلدَ: کھال کو کھرچنا، خراش پیدا کرنا، چھیلنا۔

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مَعَ الِافْتِتَاحِ سَوَاءً

تکبیر تحریمہ میں نماز شروع کرنے کے ساتھ ہی دونوں ہاتھ اٹھانا

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ اور رفع یدین میں معاقبت ہے یا مقارنت؟ مقارنت کے معنی ہیں: ساتھ ساتھ ہونا اور معاقبت کے معنی ہیں: آگے پیچھے ہونا، یعنی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھائے جائیں یا پہلے ہاتھ اٹھائیں پھر تکبیر تحریمہ کہی جائے؟ شوافع وغیرہ کے نزدیک مقارنت اولیٰ ہے اور امام بخاریؒ نے امام شافعیؒ کی موافقت کی ہے، اس لئے سواءً کی قید بڑھائی ہے، یعنی دونوں عمل ساتھ ساتھ کئے جائیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک معاقبت اولیٰ ہے یعنی پہلے ہاتھ اٹھائیں پھر تکبیر کہیں، صاحب ہدایہ نے اس کی صراحت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: ہاتھ اٹھانا غیر اللہ کی کبریائی کی نفی کرنا ہے اور تکبیر اللہ کے لئے کبریائی کا اثبات ہے اور نفی: اثبات سے مقدم ہوتی ہے، جیسے لا إله إلا الله: میں پہلے نفی ہے پھر اثبات، اس لئے رفع یدین کو تکبیر سے مقدم ہونا چاہئے۔

[۸۳-] بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مَعَ الِافْتِتَاحِ سَوَاءً

[۷۳۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ أَيْضًا، وَقَالَ: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" وَكَانَ لَايَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُودِ. [انظر: ۷۳۶، ۷۳۸، ۷۳۹]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں مونڈھوں کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے، اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھ اسی طرح (مونڈھوں تک) اٹھاتے، اور سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد کہتے اور آپ سجدوں میں یہ (رفع یدین) نہیں کیا کرتے تھے۔

تشریح: امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال إذا افتتح الصلاة سے ہے، اس جملہ کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ نبی ﷺ تحریمہ کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے، مگر مسلم شریف (حدیث ۳۹۰) میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام للصلوة رَفَعَ يديه حتى تكونا بحذو منكبيه، ثم كَبَّرَ: یعنی آپؐ پہلے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر تکبیر کہتے تھے، یہ حدیث صریح ہے اور حنفیہ کی دلیل ہے ...... اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت

رفع یدین مسنون ہے یا نہیں؟ اور ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ یہ مسائل آئندہ ابواب میں آرہے ہیں۔

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا كَبَّرَ، وَإِذَا رَكَعَ، وَإِذَا رَفَعَ

تکبیر تحریمہ میں، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھ کر رفع یدین کرنا

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ نماز میں تین جگہ رفع یدین سنت ہے، تکبیر تحریمہ کے ساتھ، رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھ کر۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ اسی کے قائل ہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں کسی جگہ رفع یدین سنت نہیں، بلکہ صاحب منیۃ المصلی نے اس کو مکروہ لکھا ہے، اور علامہ جزیری رحمہ اللہ نے کتاب الفقہ (۱:۲۵۰) میں امام مالک رحمہ اللہ کی طرف بھی کراہیت کا قول منسوب کیا ہے اور ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں مکروہ نہ ہونے کی صراحت کی ہے، اور علامہ بنوری رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے (معارف السنن ۲:۴۵۸)

اب چند باتیں عرض ہیں:

پہلی بات: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ صرف دو جگہ یعنی رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھ کر رفع یدین کو سنت کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام (۱:۱۲۶) میں اس کی صراحت کی ہے۔ اور علامہ جزیریؒ نے کتاب الفقہ (۱:۲۵۰) میں امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول بیان کیا ہے، مگر شوافع تیسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کو سنت کہتے ہیں، بخاری کی حدیث ۷۳۹ میں تیسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کا ذکر ہے، شوافع نے اس کو لیا ہے۔

دوسری بات: علامہ عراقی رحمہ اللہ نے دعوی کیا ہے کہ رفع کی روایات پچاس صحابہ سے مروی ہیں، مگر عراقی رحمہ اللہ نے ان میں ان روایتوں کو بھی شامل کیا ہے جن میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے، حالانکہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین تو اجماعی ہے، ان کو رفع کی روایات میں شمار نہیں کرنا چاہئے، پس صحیح تعداد علامہ شوکانی رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق بیس ہے اور اس میں بھی نقد کی گنجائش ہے، اور علامہ کشمیری کی تحقیق کے مطابق پندرہ یا اس سے بھی کم تعداد رہ جاتی ہے اور ایسی روایات جن میں کوئی کلام نہیں صرف چھ یا سات ہیں اور ترک رفع کی صریح روایات پانچ ہیں، البتہ وہ روایات جن میں نماز کا پورا طریقہ بیان کیا گیا ہے، اور رفع یدین کے بارے میں سکوت ہے، ان کو بھی شامل کرلیا جائے تو ترک رفع کی روایات بہت ہو جائیں گی۔

تیسری بات: قائلین رفع کی سب سے مضبوط اور قوی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، جو باب میں ہے، ابن عمرؓ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ وہ آپ کے دونوں مونڈھوں کے مقابل ہو گئے، اور آپ یہ کرتے تھے جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے تھے، اور آپ

یہ کرتے تھے جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے اور کہتے تھے: سمع اللہ لمن حمدہ، اور آپ یہ سجدوں میں نہیں کرتے تھے۔

ابن عمرؓ کی یہ حدیث آپ کے دونوں راویہ: (۱) سالم اور نافع رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں اور دونوں میں چار روایتوں میں اختلاف ہوا ہے، ان میں سے ایک یہ حدیث ہے، سالم نے اس کو مرفوع کیا ہے یعنی اس کو رسول اللہ ﷺ کا فعل بتایا ہے......... اور نافع سے اس حدیث کو ایوب سختیانی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے پھر ان کے تلامذہ میں اختلاف ہے، حماد بن سلمہ نے مرفوع کیا ہے اور ابن طہمان نے موقوف، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے موقوف روایت کو صحیح قرار دیا ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

علاوہ ازیں: اس حدیث کا متن چھ طرح سے مروی ہے:

۱- امام مالک رحمہ اللہ کی مذہب کی کتاب المدونۃ الکبری (۱:۷۱) میں اس حدیث میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے۔

۲- موطا مالک (ص:۲۵) میں صرف دو جگہ رفع کا تذکرہ ہے، تحریمہ کے ساتھ اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

۳- باب کی حدیث میں تین جگہ: تحریمہ کے ساتھ، رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھ کر رفع یدین کا تذکرہ ہے۔

۴- بخاری (حدیث ۷۳۹) میں اسی حدیث میں تیسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کا ذکر ہے، اور اس کو شوافع نے لیا ہے۔

۵- امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب جزءُ رفع الیدین میں پانچ جگہ رفع یدین کا تذکرہ ہے اور پانچویں جگہ سجدہ میں جاتے وقت ہے یعنی ایک رفع تو رکوع سے اٹھتے وقت کرتے تھے اور دوسرا رفع سجدہ میں جاتے وقت کرتے تھے۔

۶- اسی حدیث میں ہر اونچ نیچ میں رفع یدین کا تذکرہ ہے، یہ حدیث طحاوی کی مشکل الآثار میں ہے اور وہاں سے فتح الباری (۲:۱۸۵) میں نقل ہوئی ہے —— غرض رفع کے قائلین کی سب سے قوی دلیل کا یہ حال ہے، اس میں شدید اضطراب ہے۔

چوتھی بات: بخاری شریف میں ترک رفع کی کوئی روایت نہیں، ترمذی شریف میں ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے تلامذہ سے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ پھر آپ نے نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ یعنی تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا (ترمذی حدیث ۲۵۶) ظاہر ہے جب ابن مسعودؓ نے نماز پڑھنے سے پہلے فرمایا تھا کہ کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ تو اب آپ کی پڑھی ہوئی نماز حکماً مرفوع ہوگئی۔ اور حدیث مرفوع میں قیاس کا دخل نہیں ہوتا، آنحضرت ﷺ کی طرف کسی بات کی نسبت علم و مشاہدہ ہی پر مبنی ہوسکتی ہے

(۱) راویہ: اس شخص کو کہتے ہیں جس کو استاذ کی تمام روایات محفوظ ہوں، سالم اور نافع رحمہما اللہ کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تمام روایات یاد تھیں۔

خیال پر مبنی نہیں ہوسکتی —— اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے اور ابن حزم ظاہری (غیر مقلد عالم) نے المحلّٰی (۸۸:۴) میں صحیح کہا ہے، اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے: باب من لم یرفع یدیہ إلا فی أول مرۃ: مگر کسی نے باب اڑا دیا ہے، تاکہ طالب علم کو دھوکا دیا جاسکے کہ ابن المبارکؒ نے ابن مسعودؓ کی جس حدیث کو لَمْ یثبت کہا ہے وہ یہی حدیث ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۵۰:۲) میں ہے۔

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں: حدیث حسن محدثین کے نزدیک بالاتفاق قابل قبول اور واجب العمل ہوتی ہے اور اس حدیث کو حسن کہنا امام ترمذیؒ کی اپنی ذاتی رائے ہے، ورنہ یہ حدیث صحیح لذاتہ ہے، یعنی حسن سے اونچے درجہ کی ہے، کیونکہ اس حدیث کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں اور اسی معیار کے ہیں، جن کی حدیث صحیح ہوتی ہے، البتہ عاصم بن کلیب سے امام بخاریؒ صرف تعلیقاً روایت کرتے ہیں، لیکن ائمہ خمسہ بلا تأمل ان کی حدیثوں کو سنداً ذکر کرتے ہیں، امام ترمذیؒ بھی مسنداً ذکر کرتے ہیں، اور ان کی تصحیح بھی کرتے ہیں، چنانچہ ترمذی شریف (۳۸:۱) باب کیف الجلوس فی التشہد میں ان کی حدیث کو حسنٌ صحیحٌ کہا ہے۔ علامہ ابن حزم نے بھی اس کو صحیح کہا ہے، پس امام ترمذی رحمہ اللہ کا اس حدیث کو صرف حسن کہنا خلاف اصول ہے۔

البتہ یہ حدیث دو طریق سے مروی ہے: ایک رفع قولی کے ساتھ، دوسرے رفع فعلی کے ساتھ۔ إن النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع إلا فی أول مرۃ: یہ قولی حدیث ہے ابن المبارک نے اس کو لم یثبت کہا ہے اور یہ طریق واقعی ثابت نہیں۔ مگر رفع فعلی والی حدیث ألا أصلی بکم إلخ نہایت قوی اور صحیح ہے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں، ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں، ابوداؤد نے اپنی سنن میں، امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں، علاوہ ازیں دیگر محدثین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

یہ حدیث درج ذیل وجوہات کی بناء پر انتہائی قوی اور راجح ہے:

(۱) اس کے راوی ابن مسعودؓ ہیں جو صحابہ کرام میں علم وتفقہ کے اعتبار سے نہایت اونچے مرتبہ کے ہیں۔

(۲) اس وقت حاضرین میں جتنے بھی صحابہ اور تابعین موجود تھے انھوں نے اس پر قطعاً کوئی نکیر نہیں کی، ان کا خاموشی کے ساتھ اس کو سن لینا یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آنحضور ﷺ کی آخری نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور کہیں رفع یدین نہیں تھا۔

(۳) یہ حدیث عبداللہ بن عمر کی اس حدیث سے زیادہ قوی ہے جس میں رفع یدین کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ خود عبداللہ بن عمر جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کا مذہب ترک رفع تھا، چنانچہ امام طحاویؒ مجاہدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو بجز تکبیر تحریمہ کے اور کسی رکن میں رفع یدین نہ کرتے تھے (شرح معانی الآثار: ۱۳۳) اور اصول حدیث کا طے شدہ ضابطہ ہے کہ اگر راوی کا اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ یا عمل ہو تو اس کی روایت کو منسوخ مانا جائے گا،

ورنہ صحابی کی عدالت کا سقوط لازم آئے گا۔

(۴) امام اوزاعی رحمہ اللہ نے مکہ معظمہ میں امام اعظم رحمہ اللہ سے رفع یدین کے مسئلہ میں مناظرہ کیا تو اس حدیث کی قوت سند کو دیکھ کر امام اوزاعیؒ کو خاموش ہو جانا پڑا، علامہ ابن ہمامؒ نے ہدایہ کی شرح فتح القدیر (۲۱۹:۱) میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے (دروس مدینہ ۲: ۵۵ مرتبہ حضرت مولانا سید مشہود حسن صاحب رحمہ اللہ ملخصا)

پانچویں بات: رفع کا ثبوت تسلیم کرنا بھی ضروری ہے اور عدم رفع کا ثبوت بھی، کیونکہ دورِ صحابہ سے دونوں باتوں کا تعامل چلا آرہا ہے، لہٰذا کسی ایک کا انکار درست نہیں، اور رفع کے سلسلہ کی روایات زیادہ ہیں اگرچہ قابل عمل ان میں سے چھ یا سات ہیں، اور ترک رفع کی روایات کم ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امت میں اسی کا تعامل زیادہ ہے اور جب کوئی چیز تعامل میں آجاتی ہے تو اس سلسلہ کی روایات کم ہو جاتی ہیں، بلکہ جب تعامل اپنی نہایت کو پہنچتا ہے تو روایات سرے سے ختم ہو جاتی ہیں کیونکہ اب روایات کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی، تعامل ہی سب سے بڑی دلیل بن جاتا ہے، مثلاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے شرقاً غرباً پوری دنیا تراویح کی بیس رکعت پڑھتی چلی آرہی ہے، پس بیس رکعت کے ثبوت کے لئے کسی روایت کی حاجت نہیں، تعامل ہی سب سے بڑی دلیل ہے، اسی طرح کلمۂ اسلام **لا إله إلا الله، محمد رسول الله** کے سلسلہ میں کوئی حدیث نہیں، اور اس کی قطعاً حاجت نہیں، کیونکہ یہ بات **طبقةً عن طبقةٍ** مروی چلی آرہی ہے، اس لئے **فلانٌ عن فلانٍ** کی حاجت نہیں رہی۔

غرض ترکِ رفع کی روایات کم اس لئے ہیں کہ امت میں زیادہ تعامل اسی کا ہے، کوفہ میں جو عساکر اسلامی کی چھاؤنی تھی اور جس میں پانچ سو صحابہ کا فروکش ہونا ثابت ہے کوئی بھی رفع یدین نہیں کرتا تھا۔ امام محمد بن نصر مروزیؒ فرماتے ہیں: ''ہم کسی شہر کے بارے میں نہیں جانتے کہ وہاں کے تمام باشندوں نے رکوع میں جھکتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین ترک کر دیا ہو، سوائے کوفہ والوں کے'' (**التعلیق الممجد** ص: ۹۱) اور باقی بلادِ اسلامیہ میں رفع کرنے والے بھی تھے اور رفع نہ کرنے والے بھی، مدینہ کی اکثریت رفع یدین نہیں کرتی تھی اور امام مالک رحمہ اللہ کے زمانہ میں بھی رفع نہ کرنے والے غالب تھے، علامہ کشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں: **وقد کان فی سائر البلاد تارکون، وکثیر من التارکین فی عهد مالك، وعلیه بنی مُختارَہ** (**نیل الفرقدین** ص: ۲۲) اور مجتہد پر عمل دیار کا اثر پڑتا ہے، چونکہ کوفہ میں رفع کرنے والا کوئی نہیں تھا، اور مدینہ منورہ میں زیادہ تعداد رفع نہ کرنے والوں کی تھی اس لئے امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ نے عدم رفع والا قول اختیار کیا، اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ بغداد اور مصر میں رہے ہیں اور وہاں رفع کرنے والے تھے اس لئے ان دونوں بزرگوں نے رفع والا قول اختیار کیا۔

چھٹی بات: بڑے دو اماموں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ رفع والی روایات دورِ اول کی ہیں اور منسوخ ہیں اور ترک رفع والی روایات بعد کی ہیں اور ناسخ ہیں، یعنی رفع نماز میں گھٹا ہے اور گھٹتے گھٹتے تکبیر تحریمہ تک چلا گیا ہے کیونکہ رفع ایک حرکت ہے

جو نماز کے منافی ہے، نماز کی حقیقت سکون ہے، ترمذی (حدیث ۳۹۵) میں حدیث ہے: الصلاۃُ تخشُّع وتضرُّع وتمسکن: سراپے کی عاجزی یعنی سر سے پیر تک پر سکون رہنے کا نام تمسکن ہے، اور صوت (آواز) میں تذلل کا نام خشوع ہے اور باطن کی عاجزی خضوع ہے یہ تین چیزیں: خشوع وخضوع اور سکون نماز کی ماہیت ہیں۔ اور مسلم شریف میں حدیث ہے کہ پہلے نماز میں ہر جگہ رفع تھا حتی کہ سلام پھیرتے وقت بھی لوگ رفع کرتے تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور آپ نے لوگوں کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: کیا بات ہے: میں آپ لوگوں کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں، بدکے ہوئے گھوڑوں کی دموں کی طرح؟ نماز میں سکون اختیار کرو! (مسلم ۱:۱۸۲ باب الامر بالسکون) غرض نماز کی حقیقت وماہیت سکون ہے اس لئے رفع یدین نماز کے منافی ہے، اس لئے نماز میں رفع یدین گھٹا ہے اور گھٹتے گھٹتے تکبیر تحریمہ تک چلا گیا ہے، اور اس کے چند قرائن ہیں:

۱- صحیح احادیث سے سجدہ میں جاتے وقت (نسائی ۱:۱۶۵) اور دونوں سجدوں کے درمیان (ابو داؤد ۱:۱۰۸) اور دوسری رکعت کے شروع میں (ابو داؤد ۱:۱۰۵) اور تیسری رکعت کے شروع میں (بخاری ۱:۱۰۲) اور ہر اونچ نیچ میں (ابن ماجہ ص:۶۲) رفع کرنا ثابت ہے، مگر نزاع رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین میں ہے، باقی تمام جگہوں میں تمام ائمہ نسخ تسلیم کرتے ہیں، یہ قرینہ ہے کہ نماز میں رفع گھٹا ہے۔

۲- جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے تلامذہ کو آنحضور ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھائی تو تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی جگہ رفع یدین نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ رفع نماز میں گھٹا ہے اور گھٹتے گھٹتے تکبیر تحریمہ تک چلا گیا ہے اور تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کرنے میں مضائقہ نہیں، کیونکہ تکبیر تحریمہ نماز سے باہر باڈر پر ہے، نماز تکبیر مکمل ہونے پر شروع ہوتی ہے۔

۳- عبداللہ بن الزبیرؓ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا تو آپؓ نے اس سے فرمایا: ایسا مت کر، یہ نبی ﷺ کا پہلے کا عمل ہے، بعد میں آپؐ نے رفع ترک فرمادیا تھا۔ (حاشیہ)

۴- مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی آپؓ نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی جگہ رفع یدین نہیں کیا، یہ حدیث طحاوی میں ہے اور اس کی سند اچھی ہے اور قائلین رفع کے استدلال کا سارا مدار ابن عمرؓ کی حدیث پر ہے جبکہ ابن عمرؓ کا عمل اپنی حدیث کے خلاف ہے، یہ واضح قرینہ ہے کہ رفع والی روایت ابن عمرؓ کے نزدیک منسوخ ہے۔

۵- اور سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ چاروں خلفاء نے رفع یدین نہیں کیا، اگر رفع یدین نبی ﷺ کا آخری عمل ہوتا تو چاروں خلفاء رفع ضرور کرتے، ایسا ممکن نہیں کہ خلفاء آپؐ کے مصلے پر کھڑے ہوتے ہی آپؐ کا عمل بدل دیں، مصنف ابن ابی شیبہ میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع نہیں کرتے تھے (معارف السنن ۲:۴۷۰) اور دوسرے دو خلفاء کے بارے میں بھی دوسری جگہ عدم رفع کی صراحت ہے ——— غرض یہ چند قرائن ہیں جن کے پیش نظر بڑے دو امام کہتے ہیں کہ رفع یدین آنحضور ﷺ کی متروک سنت ہے، آپؐ کا آخری عمل ترک رفع ہے۔

اور چھوٹے دو اماموں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نماز میں رفع بڑھا ہے اور یہ تعظیم فعلی ہے اس کے ذریعہ نماز مزین ہوتی ہے۔ نیل الفرقدین (ص:۱۰۵) میں سعید بن جبیر اور امام شافعی رحمہما اللہ کے اقوال ہیں کہ رفع نماز کی زینت ہے، اور ابن عمرؓ کی حدیث اصح مافی الباب ہے، اس لئے ان اماموں نے اس کو لیا، روایات متعارضہ میں سے اصح مافی الباب کو لیا جاتا ہے۔ اور شوافع نے ابن عمرؓ کی جس روایت میں تیسری رکعت کے شروع میں رفع کا ذکر ہے اس کو بھی لیا، کیونکہ وہ بھی صحیح ترین روایت ہے۔

آخری بات: کچھ مسائل کبار صحابہ کے زمانہ میں نہیں تھے، جب وہ دنیا سے رخصت ہوگئے اور صغار صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ آیا[1] اور دینی قیادت ان کے ہاتھ میں آئی، تب انھوں نے بعض وہ حدیثیں جو منسوخ تھیں اور مرور زمانہ کی وجہ سے لوگ ان کو بھولنے لگے تھے ان پر حفاظتِ حدیث کی غرض سے عمل شروع کیا، کیونکہ اس زمانہ میں حدیث کو محفوظ رکھنے کی یہی صورت تھی، اس زمانہ میں احادیث مدون نہیں تھیں اس لئے حدیث کو محفوظ رکھنے کا یہی طریقہ تھا کہ ان پر عمل کیا جائے، عمل کے سہارے وہ لوگوں کو یاد رہیں گی، کیونکہ جو چیز عمل میں آجاتی ہے وہ نقش کالحجر ہو جاتی ہے۔ مسلم شریف میں حدیث ہے: عبدالرحمن بن ابی لیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے پانچ تکبیریں کہیں لوگوں نے نماز کے بعد وجہ دریافت کی، آپؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے پانچ تکبیریں بھی کہی ہیں آپ لوگ اس کو یاد رکھیں (مشکوٰۃ حدیث ۱۶۵۳)

معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ کے بعض وہ اعمال جو یا تو منسوخ تھے مثلاً جنازہ میں پانچ تکبیریں کہنا اور نماز میں رفع یدین کرنا یا وہ عمل کسی وقتی مصلحت سے کیا گیا تھا جیسے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی تعلیم کے لئے آپؐ نے چند نمازوں میں آمین جہراً کہی تھی: ان پر صغار صحابہ نے بغرض حفاظتِ حدیث عمل شروع کیا، پھر چونکہ ہرنئی چیز لذیذ ہوتی ہے اس لئے کچھ لوگوں نے ان باتوں میں دلچسپی لینی شروع کی اور انھوں نے ان منسوخ یا وقتی مصلحت سے کئے ہوئے اعمال پر دائما عمل شروع کر دیا، صغار صحابہ نے بھی اپنے دور میں رفع یدین اس لئے شروع کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل جو مرور زمانہ سے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہونے لگا تھا لوگوں کے سامنے آجائے اور اس سلسلہ کی جو روایات ہیں وہ محفوظ ہو جائیں۔

[۸۴-] بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا كَبَّرَ، وَإِذَا رَكَعَ، وَإِذَا رَفَعَ

[۷۳۶-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: رَأَيْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ، حَتَّى تَكُوْنَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ حِيْنَ يُكَبِّرُ لِلرُّكُوْعِ، وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ، وَيَقُوْلُ: "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" وَلَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ. [راجع: ۷۳۵]

[۷۳۷-] حدثنا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ: أَنَّهُ رَأَى

(۱) صغار صحابہ سے مراد وہ حضرات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی حیات میں یا تو نابالغ تھے یا ابھی ابھی جوان ہوئے تھے۔

مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلَّى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَنَعَ هٰكَذَا.

ترجمہ: ابوقلابہ رحمہ اللہ سے مروی ہے: انھوں نے مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کو دیکھا جب انھوں نے نماز شروع کی تو تکبیر کہی اور رفع یدین کیا، اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو رفع یدین کیا اور جب رکوع سے سر اٹھایا تو رفع یدین کیا، اور (نماز کے بعد) بیان کیا کہ نبی ﷺ نے اس طرح کیا ہے۔

تشریح: مالک بن الحویرثؓ وفاتِ نبوی سے کئی سال پہلے مدینہ منورہ آئے تھے اور بیس دن قیام کیا تھا اور دورِ اول میں نماز میں رفع یدین تھا، اس لئے انھوں نے جو عمل دیکھا اس کو روایت کیا اور اس پر عمل کیا۔

باب: إِلَى أَيْنَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ؟

تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھائے؟

اس سلسلہ میں روایتیں مختلف ہیں، حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا روایت میں مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، اور حضرت مالک بن الحویرثؓ کی روایت میں دونوں کانوں کی محاذات تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اور انہی کی دوسری روایت میں کانوں کے اوپر کے کناروں تک ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ ہے، یہ سب روایتیں مشکوۃ شریف: باب صفۃ الصلوۃ میں ہیں، شوافع نے ابن عمرؓ اور ابوحمید ساعدیؓ کی حدیثیں لی ہیں، ان کے نزدیک مرد وزن سب مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائیں، یہی مسنون ہے۔ اور احناف نے تینوں حدیثوں کو جمع کیا ہے، ان کے نزدیک ہاتھ اس طرح اٹھائے جائیں کہ گٹے مونڈھوں کے مقابل، انگوٹھے کان کی لو کے مقابل اور انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپر کے کناروں کے مقابل ہو جائیں۔ البتہ عورتیں مونڈھوں تک ہی ہاتھ اٹھائیں، یہ ان کے لئے استر ہے یعنی اس میں پردہ زیادہ ہے۔

[۸۵-] بَابٌ: إِلَى أَيْنَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ؟

وَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدٍ فِيْ أَصْحَابِهِ: رَفَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ.

[۷۳۸-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم افْتَتَحَ التَّكْبِيْرَ فِي الصَّلَاةِ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ يُكَبِّرُ حَتّٰى يَجْعَلَهُمَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ فَعَلَ مِثْلَهُ، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَ مِثْلَهُ، وَقَالَ: "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" وَلَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ حِيْنَ يَسْجُدُ، وَلَا حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ.

[راجع: ۷۳۵]

قال أبو حميد: یہ حدیث قولی نہیں ہے بلکہ فعلی حدیث ہے، ایک مجلس میں چند صحابہ اکٹھا ہوئے تھے، حضرت ابوحمیدؓ نے کہا: مجھے نبی ﷺ کی نماز تم سے زیادہ یاد ہے، سب نے کہا: آپ نہ ہم سے پہلے مسلمان ہوئے ہیں اور نہ ہم سے زیادہ آنحضور ﷺ کی مجلس میں حاضر رہے ہیں، پھر یہ بات کیسے درست ہے؟ ابوحمید نے کہا: بایں ہمہ میرا دعوی یہی ہے، پھر انھوں نے چار رکعت پڑھ کر دکھائی اس میں انھوں نے ہاتھ مونڈھوں تک اٹھائے، راوی نے اس کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ اس حدیث کا ایک ٹکڑا باب استقبال القبلة میں بھی گذرا ہے اور تفصیل آگے (حدیث ۸۲۸) آئے گی۔

(دیکھئے: تحفۃ الالمعی ۲: ۱۰۳، حدیث: ۳۰۱)

حدیث: ابن عمرؓ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپؐ نے تکبیر سے نماز شروع کی، پس دونوں ہاتھ اٹھائے جب تکبیر کہی، یہاں تک کہ ان کو مونڈھوں کے مقابل کیا، یعنی مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے (یہی جزء ترجمۃ الباب سے متعلق ہے) اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہی تب بھی ایسا ہی کیا، اور جب سمع الله لمن حمده کہا تب بھی ایسا ہی کیا اور ربنا ولك الحمد کہا۔ اور سجدہ کے وقت ایسا نہیں کیا، اور نہ سجدوں سے سر اٹھاتے وقت ایسا کیا۔

تشریح: پہلے یہ بات بتائی ہے کہ رکوع سے اٹھتے وقت امام صرف تسمیع کہے گا اور مقتدی صرف تحمید، یہ جمہور کی رائے ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے امام ومقتدی کے درمیان ذکر تقسیم کیا ہے، فرمایا: جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو تم ربنا ولك الحمد کہو (ترمذی حدیث ۲۶۵) اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک امام ومقتدی دونوں دونوں ذکر جمع کریں گے، یہ حدیث ان کی دلیل ہے اور احناف اس کو حالتِ انفراد پر محمول کرتے ہیں۔

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ

تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ صرف دو جگہ یعنی رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین سنت ہے۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام (۱: ۱۲۶) میں بقلم خود اس کی صراحت کی ہے اور علامہ جزیریؒ نے کتاب الفقہ (۱: ۲۵۰) میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول بیان کیا ہے۔ مگر شوافع اور حنابلہ تیسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کو سنت کہتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے اور اصحاب ظواہر بھی اسی کے قائل ہیں، ان کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے جسے نافع روایت کرتے ہیں، سالم کی روایت میں تیسری رکعت کے شروع میں رفع کا ذکر نہیں، صرف نافع کی روایت میں ہے۔ ان سے یہ حدیث عبید اللہ عمری بھی روایت کرتے ہیں اور ایوب سختیانی بھی، عبید اللہ کی حدیث حکماً مرفوع ہے اور ایوب سختیانی کے تلامذہ میں اختلاف ہے، حماد بن سلمہ مرفوع کرتے ہیں اور ابراہیم بن طہمان: ایوب سختیانی سے بھی روایت کرتے ہیں اور موسیٰ بن عقبہ سے بھی اور مختصر روایت کرتے ہیں یعنی موقوف روایت کرتے ہیں، حماد

بن سلمہ کی روایت امام بخاریؒ کے جزء رفع الیدین اور سنن بیہقی میں ہے اور ابن طہمان کی روایت بھی بیہقی میں ہے اور ان دونوں روایتوں میں عند الثالثہ رفع یدین کا ذکر نہیں، صرف عبید اللہ عمری کی روایت میں عند الثالثہ رفع کا ذکر ہے، اور ان تعلیقات کے ذکر سے امام بخاری کا منشاء یہ بیان کرنا ہے کہ ابن عمرؓ کی روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے، سالم مرفوع روایت کرتے ہیں اور نافع موقوف، لیکن نافع کے طریق میں بھی رفع اور وقف دونوں صورتیں ثابت ہیں۔ غرض امام شافعیؒ نے نافع کی روایت کو نہیں لیا اور محققین شوافع نے بھی نہیں لیا، مگر عام شوافع اور تمام غیر مقلدین اس حدیث کو لیتے ہیں اور تیسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کرتے ہیں۔

فائدہ: عبید اللہ بن عمر عمری اعلی درجہ کے ثقہ راوی ہیں اور ان کے چھوٹے بھائی عبد اللہ بن عمر عمری فی نفسہ ٹھیک راوی ہیں، مگر حافظہ کی خرابی کی وجہ سے ان کی تضعیف کی گئی ہے۔

[۸۶-] بابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ

[۷۳۹-] حدثنا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرَوَاهُ ابْنُ طَهْمَانَ، عَنْ أَيُّوْبَ، وَمُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ مُخْتَصَرًا. [راجع: ۷۳۵]

وضاحت: وإذا قام من الركعتين: یہ چوتھی جگہ ہے اور یہ اضافہ صرف نافع کی روایت میں ہے، سالم کی روایت میں نہیں ہے .... ورفع ذلك: ابن عمرؓ نے اپنے اس عمل کو نبی ﷺ کی طرف بلند کیا، اب حدیث حکماً مرفوع ہوگئی .... ورواہ حماد: حماد بن سلمہ عبید اللہ کے متابع ہیں، انھوں نے بھی مرفوع روایت کی ہے .... ورواہ ابن طهمان: ابن طہمان کی روایت میں آخری جملہ رفع ابن عمر إلی النبیؐ نہیں ہے، انھوں نے حدیث مختصر یعنی موقوف روایت کی ہے۔

بابُ وَضْعِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے

نماز میں حالتِ قیام میں وضع یعنی ہاتھ باندھنا مسنون ہے یا ارسال یعنی ہاتھ چھوڑنا؟ جمہور وضع کے قائل ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ ارسال کے یعنی ہاتھ چھوڑنے کو سنت کہتے ہیں، مگر ارسال کی کوئی روایت نہیں۔ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ

القاری میں وضع کی بیس روایتیں جمع کی ہیں جن میں سے اٹھارہ مرفوع اور دو مرسل ہیں، بلکہ خود امام مالکؒ نے موطا مالک (ص:۵۵باب وضع الیدین) میں ہاتھ باندھنے کی روایت ذکر کی ہے، پھر امام مالک ارسال کو سنت کیوں کہتے ہیں؟ اس کی وجہ معلوم نہیں، شاید یہ وجہ ہو کہ ہاتھ باندھنا ٹیک لگانا ہے یعنی اس میں راحت ہے جو فرائض کی شان کے خلاف ہے، البتہ نوافل میں اس کی گنجائش ہے، چنانچہ مالکیہ کے یہاں صرف فرائض میں ہاتھ باندھنا مکروہ ہے، نوافل میں جائز ہے (بلغة السالک ۱:۱۱۸) مگر یہ نص کے مقابلہ میں قیاس ہے اس لئے مردود ہے۔

اور ہاتھ باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کا حلقہ بنائے اور بائیں ہاتھ کے پہنچے کو پکڑے، اور باقی تین انگلیاں کلائی پر پھیلی ہوئی رکھے، اور ہاتھوں کو زیر ناف اس طرح رکھے کہ ناف ہاتھوں کے بالائی حصہ سے لگی رہے، یہ طریقہ احناف کے نزدیک مسنون ہے اور شوافع کے نزدیک ناف سے اوپر اور سینہ کے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے اس طرح کہ ناف ہاتھوں کے زیریں حصہ سے لگی رہے (شرح مہذب ۳:۳۱۰) اور امام احمد رحمہ اللہ کے دونوں کے موافق اقوال ہیں (مغنی ۱:۵۱۴)

اور ائمہ اربعہ میں سے کوئی سینہ پر ہاتھ باندھنے کا قائل نہیں۔ اور ان کے درمیان اختلاف افضلیت اور عدم افضلیت کا ہے۔ ادلۂ کاملہ اور ایضاح الادلہ (مصنفہ شیخ الہند قدس سرہ) میں اس کی تفصیل ہے۔

[۸۷-] بابُ وَضْعِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فِي الصَّلوٰةِ

[۷۴۰-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ، وَقَالَ أَبُوْ حَازِمٍ: لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا يَنْمِي ذٰلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ إِسْمَاعِيْلُ: يُنْمٰى ذٰلِكَ، وَلَمْ يَقُلْ: يَنْمِي.

ترجمہ: حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: لوگ حکم دیے جاتے تھے (ہمارے نسخہ میں ناس ہے اور کیلری میں الناس ہے اور وہی بہتر ہے) اس بات کا کہ آدمی نماز میں (حالتِ قیام میں) دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھے، یعنی ہاتھ باندھنا مسنون ہے (یہ امام مالک رحمہ اللہ کی روایت ہے، مگر وہ ارسال کے قائل ہیں)

سند: ابو حازم کہتے ہیں: جہاں تک میں جانتا ہوں حضرت سہلؓ اس حدیث کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے، یعنی یہ حکم حضور ﷺ دیتے تھے، اور اسماعیل کی روایت میں یُنْمٰی مجہول ہے، یعنی یہ بات حضور ﷺ کی طرف منسوب کی جاتی تھی، کون منسوب کرتا تھا؟ یہ بات معلوم نہیں۔ بہر حال ابو حازم کی روایت میں یَنْمِی معروف ہے اور اسماعیل کی روایت میں یُنْمٰی مجہول ہے، معروف کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل کو حضرت سہلؓ منسوب کرتے تھے، اور مجہول کی صورت میں منسوب کرنے والا معلوم نہیں۔

تشریح: ذراع کے معنی ہیں: کلائی، غیر مقلدین دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی کہنی پر رکھتے ہیں، حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے، حدیث میں ہاتھ کلائی پر رکھنے کا حکم ہے، کہنی پر رکھنے کا حکم نہیں، پس ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ وہ ہے جو اوپر بیان کیا۔

بابُ الْخُشُوْعِ فِي الصَّلاَةِ

نماز میں خشوع کا بیان

خشوع کے معنی ہیں: الإقبالُ إلی الصلوۃ مع سکون الجوارح: نماز کی طرف متوجہ ہونا سراپا کے سکون کے ساتھ۔
نماز میں خشوع جمہور کے نزدیک مندوب و مستحب ہے، اور کچھ لوگ فرض کہتے ہیں، ان کی مراد خشوع کا ادنی درجہ ہے یعنی استحضار النیة: جب نماز شروع کرے تو نیت مستحضر کرے، نیت سے غافل نہ رہے، یہ خشوع کا ادنی درجہ ہے اور یہ فرض ہے اور سراپا کے سکون کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ رہنا بالاجماع مندوب و مستحب ہے۔
جاننا چاہئے کہ باب میں دو حدیثیں ہیں، پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے اور دوسری حضرت انس رضی اللہ عنہ کی، حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے دو طرح سے استدلال ہوسکتا ہے۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: هل تَرَوْنَ قِبلَتِيْ هٰهنا؟ کیا تم میرا قبلہ یہاں دیکھتے ہو؟ یعنی کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا رہا ہوں اور مجھے تمہارا کچھ حال معلوم نہیں! معلوم ہوا کہ نبی پاک ﷺ نماز پڑھاتے وقت دائیں بائیں نہیں جھانکتے تھے، یہی نماز میں خشوع ہے اور واللہ لایخفی علیَّ رکوعُکم ولا خشوعکم سے بھی استدلال کرسکتے ہیں، اس جملہ میں خشوع کی صراحت ہے، اور اگر خشوع کو بمعنی سجدہ لیں جیسا کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں خشوع کے بجائے لفظ سجود آیا ہے تو پھر استدلال صرف هل ترون قبلتي هٰهنا سے ہوگا۔

[۸۸-] بابُ الْخُشُوْعِ فِي الصَّلاَةِ

[۷۴۱-] حدثنا إسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِيْ هَاهُنَا؟ وَاللّٰهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ رُكُوْعُكُمْ وَلاَ خُشُوْعُكُمْ، وَإِنِّيْ لأَرَاكُمْ [مِنْ] وَرَاءِ ظَهْرِيْ" [راجع: ۴۱۸]

[۷۴۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " أَقِيْمُوْا الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ، فَوَ اللّٰهِ إِنِّيْ لأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِيْ — وَرُبَّمَا قَالَ: مِنْ بَعْدِ ظَهْرِيْ — إِذَا رَكَعْتُمْ وَإِذَا سَجَدْتُمْ " [راجع: ۴۱۹]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: کیا دیکھتے ہو تم میرا قبلہ یہاں؟ بخدا! مجھ پر نہ تمہارا رکوع مخفی ہے اور نہ تمہارا خشوع، میں تمہیں پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں (یہ دیکھنا بطور معجزہ تھا)

نوٹ: حدیث میں [مِنْ] مصری نسخہ سے بڑھایا ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: رکوع اور سجدے ٹھیک سے کرو، بخدا! میں تمہیں اپنے پیچھے سے — اور کبھی کہا: اپنی پیٹھ کے پیچھے سے — دیکھتا ہوں جب تم رکوع، سجدے کرتے ہو۔

بَابٌ: مَا يَقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ؟

تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھے؟

تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی ذکر مسنون نہیں، تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی قراءت شروع کردے، نہ تعوذ پڑھے نہ تسمیہ، نہ کوئی اور ذکر، دیگر فقہاء کے نزدیک اذکار مسنون ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اللّٰهم باعد الخ پڑھنا مسنون ہے، یہ دعا باب کی حدیث میں ہے، دوسرا قول اللّٰهم إني وجّهت الخ کے استحباب کا ہے، یہ دعائے توجیہ ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں ہے (مسلم ۱: ۲۶۳ باب صلوۃ النبی ودعائہ باللیل) اور حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ثنا مسنون ہے، ثنا آٹھ صحابہ سے مروی ہے (کشف النقاب ۴: ۲۶۴) مگر ہر حدیث کی سند میں کلام ہے بجز حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے، اس کے تمام روات ثقہ ہیں (نصب الرایہ ۱: ۳۱۱) نیز ثنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی موقوفاً مروی ہے، انھوں نے اپنے دورِ خلافت میں تعلیم کی غرض سے صحابہ کی موجودگی میں جہراً ثنا پڑھی ہے (مسلم ۲: ۱۷۲ باب حجۃ من قال إلخ)

جاننا چاہئے کہ یہ اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے جواز وعدم جواز کا نہیں، اور حنفیہ اور حنابلہ نے ثنا کو ترجیح اس لئے دی ہے کہ وہ مختصر ذکر ہے اور شریعت نے عام لوگوں کے لئے مختصر اذکار پسند کئے ہیں، نیز دعا کے آداب میں سے یہ بات ہے کہ اس سے پہلے اللہ کی تعریف کی جائے، تعریف کئے بغیر دعا شروع نہ کردی جائے، اس لئے ثنا پڑھنا بہتر ہے۔

تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان ذکر کی حکمت:

تمام مقتدی امام کے ساتھ نماز شروع نہیں کرسکتے، کچھ لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں اس لئے اگر امام تکبیر کے ساتھ ہی قراءت شروع کردے گا تو کچھ مقتدی استماع قرآن سے رہ جائیں گے، اس لئے تکبیر کے بعد دعائے استفتاح رکھی گئی ہے۔

مقصد باب: اس باب کا اور اس کے بعد بغیر عنوان کے جو باب آرہا ہے: ان دونوں بابوں کا مقصد یہ ہے کہ تکبیر افتتاح کے بعد اختیار ہے چاہے دعا مانگے یا ذکر کرے یا قراءت شروع کردے، اسی طرح مختلف اذکار وادعیہ کو جمع بھی کرسکتا ہے تاکہ نماز لمبی ہو، تہجد وغیرہ نوافل میں طوالت مقصود ہوتی ہے اور مختلف اذکار وادعیہ کو جمع کرنے سے یہ مقصد حاصل ہوتا

ہے، اور تکبیر و قراءت کے درمیان ہی اذکار وادعیہ نہیں ہیں، قراءت کے درمیان بھی رک کر اذکار کر سکتا ہے، دعائیں مانگ سکتا ہے اس سے بھی مقصد طوالت حاصل ہوگا۔

فائدہ: احناف کے نزدیک فرائض میں تنگی ہے اور نوافل میں گنجائش ہے اور شوافع کے نزدیک جماعت کی نماز میں تنگی ہے اور تنہا نماز میں گنجائش ہے، پس احادیث میں جو طویل اذکار آئے ہیں یا قراءت کے درمیان یا رکوع و سجود میں جو دعائیں مروی ہے وہ سب نوافل کے لئے ہیں، فرائض میں خواہ جماعت سے پڑھے یا تنہا، مقررہ اذکار ہی کرنے چاہئیں، کیونکہ فرائض اللہ کے دربار کی خاص ملاقات ہے اور نوافل پرائیویٹ ملاقات ہے، جیسے وزیر اعظم سے ملاقات کرنے جاتے ہیں تو پہلے وقت لیتے ہیں اور آداب کی رعایت کر کے حاضر ہوتے ہیں اور وقت مقررہ میں بات پوری کرتے ہیں اور جب وزیر اعظم سے ان کے گھر میں دوستانہ ملاقات کرتے ہیں تو کوئی پابندی نہیں ہوتی، جب تک چاہیں باتیں کریں اور جتنا چاہیں بیٹھیں، یہی حال فرائض و نوافل کا ہے، فرائض میں اللہ کے دربار میں باقاعدہ حاضری ہوتی ہے، پس فرائض کے لئے جو اصول وضوابط مقرر ہیں ان کی رعایت کرنا اور متعین اذکار پر اکتفا کرنا ضروری ہے اور نوافل میں آزادی ہے جس طرح چاہے پڑھے اور جہاں چاہے مانگے۔

اور شوافع کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جماعت کی نماز میں تنگی ہے، کیونکہ جماعت کی نماز میں بیمار، کمزور، بوڑھے اور ضرورت مند ہوتے ہیں اس لئے جماعت کی نماز میں مقررہ اذکار پر اکتفا کرنا چاہئے، اور تنہا نماز خواہ فرض ہو یا نفل اس میں آزادی ہے، اور نقطۂ نظر کے اس اختلاف کا متعدد مسائل پر اثر پڑا ہے اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

[۸۹-] بابٌ: مَا يَقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ؟

[۷۴۳-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَأَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلَاةَ بِـ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نبی ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہما سورۂ فاتحہ سے نماز شروع کرتے تھے۔

تشریح: امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ یہ حضرات تکبیر کے بعد معاً سورۂ فاتحہ شروع کرتے تھے، تعوذ اور تسمیہ وغیرہ کچھ نہیں پڑھتے تھے مگر یہ حدیث صریح نہیں، اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حضرات فاتحہ سے جہر شروع کرتے تھے، اس سے پہلے والے اذکار سراً پڑھتے تھے، اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ صحیح احادیث میں آنحضور ﷺ سے تکبیر و قراءت کے درمیان دعائے توجیہ یا اللّٰھم باعد یا ثناء وغیرہ پڑھنا ثابت ہے۔

[۷۴۴-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ،

قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ زُرْعَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً ــــ قَالَ: أَحْسِبُهُ قَالَ: هُنَيَّةً ــــ فَقُلْتُ: بِأَبِيْ وَأُمِّيْ يَارَسُوْلَ اللهِ! إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُوْلُ؟ قَالَ: " أَقُوْلُ: اللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ"

حدیث (۲): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ تکبیر افتتاح اور قراءت کے درمیان کچھ دیر خاموش رہتے تھے ــــ راوی کہتا ہے: میرا گمان ہے کہ حدیث میں هُنَيَّةً بھی ہے ای إسكاتة هُنيَّة: ذرا دیر کے لئے، معلوم ہوا کہ إسكاتة: مفعول مطلق نوعیت بیان کرنے کے لئے ہے ــــ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! (ای أنتَ مُفَدًّى بأبي وأمي: اور اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو آفت آپؐ پر آنی ہو وہ میرے ماں باپ پر آئے، اور آپ بچے رہیں) آپؐ تکبیر اور قراءت کے درمیان خاموش رہتے ہیں اس وقت آپؐ کیا پڑھتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ دعا پڑھتا ہوں:

دعا کا ترجمہ: اے اللہ! میرے درمیان اور میرے گناہوں کے درمیان دوری فرمادیں جتنی مشرق ومغرب کے درمیان دوری ہے، اے اللہ! مجھے کوتاہیوں سے ستھرا فرمادیں جس طرح سفید کپڑا میل سے ستھرا کیا جاتا ہے (رنگین کپڑے میں میل کا پتا ہی نہیں چلتا، لیکن سفید کپڑے میں میل جلدی ظاہر ہوتا ہے اور جب تک میل نکل نہیں جاتا آدمی دھونا بند نہیں کرتا، مجھے بھی اس طرح گناہوں سے ستھرا فرمادیں) اے اللہ! میری کوتاہیوں کو پانی سے، برف سے اور اولوں سے دھوڈالیں (ثلج: مصنوعی برف کو کہتے ہیں اور بَرَد: اولے، یہ قدرتی برف ہے، برف میں صابن کی خاصیت ہے جس طرح صابن مل کر پانی سے دھونے سے چکناہٹ دور ہوجاتی ہے اسی طرح برف مل کر پانی سے دھونے سے بھی چکناہٹ دور ہوجاتی ہے، یعنی مجھے گناہوں سے بالکل کلین (صاف) فرمادیں)

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ میں لکھا ہے کہ احادیث شریفہ میں جو طویل اذکار آئے ہیں وہ خواص کے لئے ہیں، عام مسلمانوں کے لئے وہ اذکار نہیں، عام مسلمانوں کے لئے مختصر اور آسان اذکار مشروع کئے گئے ہیں، اور جہاں کسی رکن میں ٹھہرانا مقصود ہوتا ہے وہاں مختصر ذکر بار بار کرنے کا حکم ہے، عام لوگوں کو طویل اذکار کا مکلف نہیں کیا گیا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب تک پوچھا نہیں نبی ﷺ نے ان کو بتایا نہیں، اس ضابطہ کی رو سے ثنا آسان ذکر ہے اس لئے حنفیہ اور حنابلہ نے اس کو ترجیح دی ہے۔

بابٌ

یہ باب کالفصل من الباب السابق ہے، اور اس باب میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو پہلے دو تین بار

آچکی ہے، مگر یہاں جو مضمون ہے وہ پہلے نہیں آیا، ایک مرتبہ سورج گہن ہوا، نبی ﷺ نے صلوۃ الکسوف پڑھائی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اس میں شریک تھیں، وہ نماز حضور ﷺ نے دو رکوع والی پڑھائی تھی، یعنی ہر رکعت میں دو رکوع کئے تھے، تکبیر تحریمہ کے بعد لمبا قیام کیا، پھر رکوع کیا اور لمبا رکوع کیا، پھر کھڑے ہوکر لمبا قیام کیا، پھر دوسرا طویل رکوع کیا، پھر دو سجدے کئے پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا، نماز کے بعد آپ نے تقریر فرمائی، اس میں فرمایا کہ نماز کے درمیان جنت مجھ سے قریب کی گئی، یہ عالم مثال کی جنت تھی، عالم خارجی کی جنت جدار قبلی میں نہیں آسکتی، اور ہمالیہ پہاڑ کا فوٹو آنکھ میں سما سکتا ہے۔ اس تقریر میں آپ نے فرمایا: اگر میں ہمت کرتا اور آگے بڑھ کر جنت کا کوئی خوشہ لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس کو کھاتے، پھر جہنم میرے سامنے لائی گئی پس آپ نے فرمایا: اَیْ رَبِّ وَاَنَا مَعَهُمْ: اے میرے رب! اور میں ان کے ساتھ ہوں! یہ سورۂ انفال کی آیت ۳۳ کی طرف اشارہ ہے، ارشاد ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ جب تک آپ لوگوں میں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہیں دیں گے۔ جب جہنم قریب لائی گئی تو آپ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! ابھی تو میں لوگوں میں موجود ہوں اور آپ کا وعدہ ہے کہ جب تک میں لوگوں میں موجود رہوں گا عذاب نہیں آئے گا، پس یہ جہنم سامنے کیسی آگئی! یہ دعا آپ نے قراءت کے درمیان کی تھی، پس باب ثابت ہوگیا کہ نماز میں کسی بھی جگہ ذکر و دعا کر سکتے ہیں۔

[۹۰-] بابٌ

[۷۴۵-] حدثنا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى صَلَاةَ الْكُسُوْفِ، فَقَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ، ثُمَّ رَفَعَ، ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ، ثُمَّ رَفَعَ، ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ، ثُمَّ رَفَعَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ، ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ، ثُمَّ رَفَعَ، ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: " قَدْ دَنَتْ مِنِّيَ الْجَنَّةُ حَتَّى لَوِ اجْتَرَأْتُ عَلَيْهَا لَجِئْتُكُمْ بِقِطَافٍ مِنْ قِطَافِهَا، وَدَنَتْ مِنِّيَ النَّارُ حَتَّى قُلْتُ: أَيْ رَبِّ وَأَنَا مَعَهُمْ، فَإِذَا امْرَأَةٌ ـــ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: تَخْدِشُهَا هِرَّةٌ ـــ قُلْتُ: مَا شَأْنُ هٰذِهِ؟ قَالُوْا: حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوْعًا، لَا أَطْعَمَتْهَا وَلَا أَرْسَلَتْهَا تَأْكُلُ" قَالَ نَافِعٌ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: " تَأْكُلُ مِنْ خَشِيْشِ الْأَرْضِ، أَوْ: خُشَاشِ"

[انظر: ۲۳۶۴]

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سورج گہن کی نماز پڑھائی، آپ کھڑے ہوئے پس دیر تک کھڑے رہے، پھر رکوع کیا اور دیر تک رکوع میں رہے، پھر کھڑے ہوئے اور دیر تک کھڑے رہے، پھر رکوع کیا اور دیر

تک رکوع میں رہے (یہ پہلی رکعت کا دوسرا رکوع ہے) پھر رکوع سے سر اٹھایا پھر سجدہ کیا اور دیر تک سجدہ میں رہے پھر سر اٹھایا پھر سجدہ کیا اور دیر تک سجدہ میں رہے (یہ پہلی رکعت کے دو سجدے ہیں) پھر کھڑے ہوئے اور دیر تک کھڑے رہے، پھر رکوع کیا اور دیر تک رکوع میں رہے، پھر سر اٹھایا اور دیر تک کھڑے رہے، پھر رکوع کیا اور دیر تک رکوع میں رہے (یہ دوسری رکعت کے دو رکوع ہیں) پھر سر اٹھایا پھر سجدہ کیا اور دیر تک سجدے میں رہے، پھر سر اٹھایا پھر سجدہ کیا اور دیر تک سجدے میں رہے، پھر سلام پھیرا پھر فرمایا: ''جنت اتنی میرے قریب لائی گئی کہ اگر میں ہمت کرتا تو تمہارے لئے جنت کے خوشوں میں سے کوئی خوشہ لے لیتا، اور جہنم بھی اتنی میرے قریب لائی گئی کہ میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! ابھی تو میں لوگوں میں ہوں، پس اچانک ایک عورت ہے، راوی کہتے ہیں: میرے خیال میں فرمایا: ایک بلی اس کو نوچ رہی ہے، میں نے پوچھا: اس کا کیا معاملہ ہے؟ فرشتوں نے بتایا: اس عورت نے بلی کو باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگئی، نہ تو اس کو کھلایا اور نہ چھوڑا کہ وہ کھاتی۔ نافع کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''زمین کے کیڑوں میں سے (خشیش اور خشاش دونوں کے معنی ہیں: زمین کے کیڑے)

سوال: ابھی جنت وجہنم میں کوئی نہیں گیا، پھر نبی ﷺ نے اس عورت کو جہنم میں کیسے دیکھا؟

جواب: آپؐ نے یہ منظر عالم مثال کی جہنم میں دیکھا ہے، عالم مثال ہماری اس دنیا کی فوٹو کاپی ہے اور آخرت کی بھی۔ دنیا و آخرت کی ہر چیز عالم مثال میں موجود ہے (عالم مثال کا بیان حجۃ اللہ البالغہ، مبحث اول، باب دوم، رحمۃ اللہ الواسعہ ۱:۱۸۶-۱۹۸ میں ہے)

استدلال: اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ جب جہنم قریب لائی گئی تو نبی ﷺ نے قراءت کے درمیان ہی دعا کی اور یہی باب ہے کہ نماز میں قراءت کے درمیان بھی اذکار وادعیہ کی گنجائش ہے۔ احناف کے نزدیک یہ گنجائش نوافل میں ہے اور کسوف کی نماز نفل ہے، اور شوافع کے نزدیک غیر جماعت میں ہے۔ اور نماز کسوف میں دو رکوع ہیں یا چار؟ یہ مسئلہ اپنی جگہ آئے گا۔

بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى الْأَمَامِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں آگے کی طرف (یا امام کی طرف) دیکھنا

الإمام کو بکسر الہمزہ بھی پڑھ سکتے ہیں اور بفتح الہمزہ بھی، اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ نماز میں حالت قیام میں سجدہ کی جگہ نظر رکھنا ضروری نہیں، سامنے کی طرف اور امام کی طرف دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس سے خشوع متاثر نہیں ہوتا، یہی امام مالک رحمہ اللہ کی رائے ہے، اور امام بخاریؒ نے ان کی موافقت کی ہے، اور امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: نماز میں حالت قیام میں سجدہ کی جگہ دیکھنا چاہئے، بے ضرورت سامنے کی طرف اور امام کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے، اس سے

خشوع متاثر ہوگا۔

[۹۱-] بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى الإِمَامِ فِي الصَّلاَةِ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي صَلاَةِ الْكُسُوْفِ: " رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا، حِيْنَ رَأَيْتُمُوْنِيْ تَأَخَّرْتُ"

[۷۴۶-] حدثنا مُوْسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِيْ مَعْمَرٍ، قَالَ: قُلْنَا لِخَبَّابٍ: أَكَانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقُلْنَا: بِمَ كُنْتُمْ تَعْرِفُوْنَ ذَاكَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ. [انظر: ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۷۷]

حدیث(۱): صدیقہؓ فرماتی ہیں: صلوٰۃ کسوف میں جب جہنم قریب لائی گئی تو آپؐ نے دیکھا کہ جہنم اتنی تیز بھڑک رہی ہے کہ اس کا بعض بعض کو توڑ رہا ہے۔ یہ جہنم جدارِ قبلی میں متمثل کی گئی تھی اور نبی ﷺ نے اسے دیکھا تھا، معلوم ہوا کہ سجدہ کی جگہ میں دیکھنا ضروری نہیں، سامنے بھی دیکھ سکتے ہیں، مگر یہ استدلال تام نہیں، اس لئے کہ بوقت ضرورت سامنے کی طرف دیکھ سکتے ہیں، اور جب جنت اور جہنم سامنے لائی گئیں تو یہ ایک ضرورت تھی، وہ آپؐ کے دیکھنے ہی کے لئے سامنے لائی گئی تھیں، اس لئے آپؐ نے ان کو دیکھا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپؐ پہلے سے سامنے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ غرض کوئی ضرورت پیش آئے تو سامنے کی طرف دیکھ سکتے ہیں اس سے خشوع میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن آدمی نماز پڑھ رہا ہے اور باب الظاہر(۱) کی طرف دیکھ رہا ہے تو اس سے خشوع متاثر ہوگا .... حَطَمَ (ض) حَطْمًا کے معنی ہیں: توڑنا، یعنی جہنم بہت زیادہ بھڑک رہی تھی، بعض لپٹیں بعض میں گھسی جا رہی تھیں .... حین رأیتمونی تأخرتُ: جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا، اس وقت میں نے یہ منظر دیکھا۔ یہاں سے بھی باب ثابت کر سکتے ہیں، صحابہ نے آگے کی طرف دیکھا ہے۔

حدیث(۲): ابومعمر کہتے ہیں: ہم نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر میں قراءت کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں، ہم نے پوچھا: آپ حضرات کو اس کا پتہ کیسے چلا؟ حضرت خبابؓ نے فرمایا: آپؐ کی ڈاڑھی کے ہلنے سے۔

استدلال: واضح ہے کہ صحابہ نماز میں آنحضور ﷺ کو دیکھتے تھے، معلوم ہوا کہ نماز میں مقتدی امام کی طرف دیکھ سکتا ہے، مگر یہ استدلال بھی محل نظر ہے، صحابہ نماز پڑھتے ہوئے آنحضور ﷺ کو اور آپ کی ڈاڑھی کو دیکھتے تھے یہ بھی احتمال ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ نماز شروع ہونے کے بعد جو شخص آتا وہ نماز شروع کرنے سے پہلے دیکھتا کہ امام صاحب کی

(۱) باب الظاہر: دارالعلوم دیوبند میں دارِ جدید کا ایک بڑا دروازہ ہے، جو افغانستان کے بادشاہ ظاہر شاہ کی امداد سے بنا ہے، یہ دروازہ دارالحدیث سے مغربی جانب واقع ہے ۱۲

ڈاڑھی ہل رہی ہے، اس سے اندازہ کر لیتا کہ نبی ﷺ قراءت فرمارہے ہیں، غرض حضرت خبابؓ نے نماز میں دیکھا تھا اس کی کوئی صراحت نہیں، اس لئے یہ استدلال کمزور ہے۔

[۷۴۷-] حدثنا حَجَّاجٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَنْبَأَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ يَزِيْدَ يَخْطُبُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ، وَهُوَ غَيْرُ كَذُوْبٍ، أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَامُوْا قِيَامًا، حَتَّى يَرَوْهُ قَدْ سَجَدَ. [راجع: ۶۹۰]

حدیث: ابواسحاق کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن یزید کو خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ ہم سے حضرت براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا — اور وہ جھوٹے نہیں تھے — کہ صحابہ جب نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو جب آپؐ رکوع سے سر اٹھاتے تو صحابہ کھڑے رہتے یہاں تک کہ وہ آپ کو دیکھتے کہ آپؐ نے سجدہ کیا (تب صحابہ سجدہ کرتے تھے)

تشریح:

۱- یہ حدیث پہلے (تحفۃ القاری ۲: ۵۵۴ کتاب الصلوۃ باب ۵۲ میں) گذر چکی ہے وہاں بتایا تھا کہ عبداللہ بن یزید گورنر تھے، انھوں نے دوران تقریر یہ حدیث سنائی ہے اور وھو غیر کذوب بات پر زور ڈالنے کے لئے بڑھایا ہے۔ ورنہ تمام صحابہ نقل دین میں معتبر ہیں۔ ان میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں۔

۲- جب نبی کریم ﷺ کمزور ہوگئے اور آپؐ نے محسوس کیا کہ بعض نوجوان سجدہ میں پہلے پہنچ جاتے ہیں تو آپؐ نے مقتدیوں کو ہدایت دی کہ وہ جلدی سجدے میں نہ جائیں، چنانچہ صحابہ نے احتیاط شروع کر دی، جب آپ سجدہ میں سر رکھتے تب مقتدی جھکنا شروع کرتے۔ اور نبی ﷺ نے سجدہ میں سر رکھ دیا، اس کا اندازہ صحابہ آپ کو دیکھ کر ہی کرتے ہونگے۔ معلوم ہوا کہ مقتدی سامنے کی طرف اور امام کی طرف دیکھ سکتا ہے۔

مگر یہ استدلال بھی کمزور ہے اس لئے کہ دیکھ کر ہی اس کا اندازہ کرنا ضروری نہیں، جب نبی ﷺ سجدہ میں جائیں گے تو تکبیر کہتے ہوئے جائیں گے اور سجدہ میں سر رکھتے ہی تکبیر پوری ہو جائے گی، پس مقتدی سمجھ جائیں گے کہ آپؐ نے سجدہ میں سر رکھ دیا، آنکھ سے دیکھ کر ہی اندازہ کرنا ضروری نہیں، اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جو صحابہ آپ کے دائیں بائیں یا پیچھے ہونگے وہ آپ کو کیسے دیکھیں گے؟ وہ تکبیر کے ذریعہ ہی اندازہ کریں گے، پس یہ استدلال بھی محل نظر ہے۔

[۷۴۸-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ، فَصَلَّى، فَقَالُوْا: يَا رسولَ اللهِ! رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلُ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ، فَقَالَ: "إِنِّيْ أُرِيْتُ الْجَنَّةَ، فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا، وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا"

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ کے زمانہ میں سورج گہن ہوا، پس آپؐ نے نماز پڑھی، نماز کے بعد صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے آپ کو دیکھا: آپؐ اپنی جگہ سے کوئی چیز لینے کا ارادہ کررہے ہیں، پھر ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپؐ پیچھے ہٹے (اس کی وجہ کیا تھی؟) آپؐ نے فرمایا: مجھے جنت دکھائی گئی پس میں نے اس میں سے (انگور کا) ایک خوشہ لینے کا ارادہ کیا اگر میں اس کو لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس کو کھاتے (کیونکہ جنت کی نعمتیں فنا نہیں ہوتیں)

استدلال: یہ ہے کہ صحابہ نے دورانِ نماز نبی ﷺ کو دیکھا جبھی ان کو پتہ چلا کہ آپؐ نے کچھ لینے کا ارادہ کیا اور جہنم کو دیکھ کر آپؐ پیچھے ہٹے، معلوم ہوا کہ مقتدی سامنے کی طرف اور امام کی طرف دیکھ سکتا ہے۔ مگر یہ استدلال بھی کمزور ہے، کیونکہ ساری مسجد نے آپؐ کی یہ کیفیت دیکھی تھی: اس کی کوئی دلیل نہیں، اور جو لوگ امام کے بالکل پیچھے ہوتے ہیں: وہ بغیر دیکھے بھی ان احوال سے واقف ہوجاتے ہیں، اور سوال کرنے کے لئے ایک مقتدی کا واقف ہونا کافی ہے۔

[٧٤٩-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: صَلَّى لَنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ، فَأَشَارَ بِيَدَيْهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ قَالَ: "لَقَدْ رَأَيْتُ الآنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، مُمَثَّلَتَيْنِ فِي قِبْلَةِ هَذَا الْجِدَارِ، فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ" ثَلَاثًا. [راجع: ٩٣]

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے نماز (کسوف) پڑھائی پھر آپؐ منبر پر چڑھے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے مسجد کے قبلہ کی طرف اشارہ کیا پھر فرمایا: "بخدا! میں نے ابھی جنت اور جہنم دیکھیں جب میں نے تمہیں نماز پڑھائی، دونوں نے پیکر محسوس اختیار کیا ہوا تھا مسجد کے قبلہ کی جانب میں، پس نہیں دیکھا میں نے آج جیسا اچھا اور برا دن! یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔

تشریح: مُمَثَّلَة (اسم مفعول): پیکر محسوس اختیار کی ہوئی، پیکر: صورت، محسوس: نظر آنے والی۔ یہ خارجی جنت وجہنم نہیں تھیں، بلکہ ان کا فوٹو تھا یعنی عالم مثال کی جنت وجہنم ہیں —— قولہ: فلم أر: جنت آخری درجہ کی خیر (اچھائی) ہے، اور جہنم شر (برائی) دونوں چیزیں بیک وقت دیکھیں۔

استدلال: جب جنت وجہنم جدار قبلی میں سامنے لائی گئیں تو نبی ﷺ نے ان کو دیکھا، معلوم ہوا کہ حالت قیام میں سجدہ کی جگہ ہی دیکھنا ضروری نہیں، سامنے بھی دیکھ سکتے ہیں۔

جواب: یہ ایک ضرورت تھی اور ضرورت کے وقت سامنے دیکھ سکتے ہیں، یا سامنے آنے والی چیز خود بخود نظر پڑتی ہے، پس اس سے علی الاطلاق سامنے دیکھنے کے جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔

بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا

نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا بالاتفاق مکروہ ہے، ابن حزم ظاہری اس کو مفسد صلوٰۃ کہتے ہیں، مگر کسی نے ان کی موافقت نہیں کی، اور نماز سے باہر دعا کے وقت آسمان کی طرف دیکھنا بعض کے نزدیک جائز ہے اور بعض اس کو بھی مکروہ کہتے ہیں۔

[۹۲-] بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلَاةِ

[۷۵۰-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَرُوْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَابَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُوْنَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَاتِهِمْ؟" فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِي ذٰلِكَ حَتّٰى قَالَ: "لَيَنْتَهُنَّ عَنْ ذٰلِكَ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے: کچھ لوگ اپنی نمازوں میں آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہیں، پھر آپ کی ڈانٹ سخت ہوگئی اس معاملہ میں، یہاں تک کہ فرمایا: ضرور لوگ رک جائیں ایسا کرنے سے یا اللہ تعالیٰ ان کی آنکھیں اچک لیں گے، یعنی اندھا کردیں گے۔

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے امت متفق ہے کہ نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا مکروہ تحریمی ہے .... قولہ: فاشتد قولہ فی ذلک: یعنی جملہ مابال بھی ڈانٹ تھا، مگر وہ ہلکی ڈانٹ تھی، پھر لہجہ سخت ہوگیا اور فرمایا: اس حرکت سے باز آجائیں ورنہ اندھے کردیے جائیں گے!

بَابُ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا

نماز میں بے ضرورت اِدھر اُدھر دیکھنا مکروہ ہے، ایک ہے سجدہ کی جگہ دیکھنا یا آگے دیکھنا اس کا باب گذر چکا۔ اور ایک ہے نماز میں دائیں بائیں دیکھنا، یہ مکروہ ہے، حدیث شریف میں اس کو اختلاس (ربودگی) کہا گیا ہے یعنی جھپٹ لینا۔ بچے کے ہاتھ میں روٹی تھی، چیل جھپٹ کرلے گئی یہ اختلاس ہے، نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے سے نماز ناقص ہوتی ہے۔ شیطان آدمی کی نماز میں سے کچھ حصہ جھپٹ لیتا ہے۔

[۹۳-] بَابُ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ

[۷۵۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ مَسْرُوْقٍ،

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: سَأَلْتُ رسولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم عَنِ الإلْتِفَاتِ فِي الصَّلاةِ. فَقَالَ: " هُوَ اخْتِلاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلاةِ الْعَبْدِ" [انظر: ۳۲۹۱]

حدیث: حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے نبی ﷺ سے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے فرمایا: ''وہ جھپٹ لینا ہے، شیطان بندے کی نماز میں سے جھپٹ لیتا ہے!''

[۷۵۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلی الله علیه وسلم صَلَّى فِي خَمِيصَةٍ، لَهَا أَعْلَامٌ، فَقَالَ: " شَغَلَتْنِي أَعْلَامُ هٰذِهِ، اذْهَبُوا بِهَا إِلَى أَبِي جَهْمٍ، وَأْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةٍ" [راجع: ۳۷۳]

وضاحت: یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے، اور اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں معمولی التفات یا غیر اختیاری التفات بھی نماز میں خطرہ پیدا کرتا ہے، جو شخص بالقصد دائیں بائیں دیکھتا ہے اس کی نماز ناقص ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے ایک پھول بوٹے والی چادر اوڑھ کر نماز پڑھی، نماز کے بعد وہ چادر اتار دی اور فرمایا: اسے ابوجہمؓ کے پاس لے جاؤ اور ان کی سادہ چادر انبجانیہ لے آؤ، اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ نماز میں اس چادر کے بوٹوں نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا، یہ غیر اختیاری یا معمولی التفات تھا، پھر بھی نبی ﷺ نے وہ چادر بدل لی، معلوم ہوا کہ اس سے بھی نماز میں خطرہ پیدا ہوتا ہے، مگر حضرت ابوجہمؓ کو یہ ہدایت نہیں فرمائی کہ وہ اس کو نماز میں استعمال نہ کریں، کیونکہ نزدیکاں را بیشتر بود حیرانی! اللہ کے مقبول بندوں کو زیادہ احتیاط کرنی پڑتی ہے، کسی نے کہا ہے: حَسَناتُ الأبرار سيئات المقرّبين: نیکوں کی نیکیاں مقرب بندوں کی سیئات ہیں! اس لئے نبی ﷺ نے اپنے لئے تو پسند نہیں کی مگر ابوجہمؓ کو منع بھی نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ منقش چادر اوڑھ کر یا تصویر والا مصلی بچھا کر نماز پڑھنے سے نماز ناقص نہیں ہوگی، مگر اس کا خطرہ ضرور پیدا ہوتا ہے۔

بابٌ: هَلْ يَلْتَفِتُ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ؟ أَوْ يَرَى شَيْئًا أَوْ بُصَاقًا فِي الْقِبْلَةِ

کیا ناگہانی ضرورت سے دائیں بائیں دیکھ سکتا ہے؟ یا جدارِ قبلہ میں کوئی چیز یا تھوک دیکھے

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ ضروری التفات کو مستثنیٰ کرنا چاہتے ہیں خواہ وہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری، اور باب میں تین روایتیں ہیں:

پہلی روایت حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی ہے، مرض وفات میں نبی ﷺ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے، آپؐ نے اشارہ کیا کہ رک جائیں، پھر آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بائیں جانب بٹھا دیا گیا اور آپؐ نے نیا یۃً نماز پڑھانی شروع کی، حضرت ابوبکرؓ زور

سے تکبیریں کہتے تھے۔ غرض جب آنحضور ﷺ قریب آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جھانک کر آپ کو دیکھا۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے نماز پڑھاتے ہوئے جدار قبلی میں رینٹ یا تھوک دیکھا جو خشک ہوگیا تھا، نماز کے بعد آپؐ نے بذاتِ خود اس کو کھرچ کر صاف کیا، پھر فرمایا: ''جب آدمی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتے ہیں اس لئے ہرگز کوئی شخص نماز میں سامنے کی طرف نہ تھوکے، اگر اچانک تھوکنے کی ضرورت پیش آئے تو بائیں طرف تھوکے یا پیر کے نیچے تھوکے'' اس روایت میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھاتے ہوئے جدار قبلی میں تھوک دیکھا۔

اور تیسری روایت یہ ہے کہ جس دن آنحضور ﷺ کی وفات ہوئی، آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہوئے، مسجد میں فجر کی نماز ہورہی تھی، آپؐ نے مسجد کا منظر دیکھا اور خوش ہوئے، صحابہ کو چونکہ بہت دنوں سے آپؐ کی زیارت نہیں نصیب ہوئی تھی، اس لئے وہ قریب تھے کہ خوشی سے نماز توڑ بیٹھیں، آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کریں، پھر آپؐ نے پردہ چھوڑ دیا، نماز کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر میں گئے اور باہر آکر لوگوں کو خوشخبری سنائی کہ آج آپؐ کی طبیعت بہت اچھی ہے لوگ خوش خوش گھر لوٹ گئے، اس میں بھی صراحت ہے کہ صحابہ نے نماز میں آنحضور ﷺ کو دیکھا، پس معلوم ہوا کہ ضروری التفات کی خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری گنجائش ہے۔

[۹۴-] بابٌ: هَلْ يَلْتَفِتُ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ؟ أَوْ يَرَى شَيْئًا أَوْ بُصَاقًا فِي الْقِبْلَةِ

وَقَالَ سَهْلٌ: الْتَفَتَ أَبُوْ بَكْرٍ رضى الله عنه، فَرَأَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم.

[۷۵۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: " رَأَى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، وَهُوَ يُصَلِّيْ بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ، فَحَتَّهَا، ثُمَّ قَالَ حِيْنَ انْصَرَفَ: " إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّ اللهَ قِبَلَ وَجْهِهِ، فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ أَحَدٌ قِبَلَ وَجْهِهِ فِي الصَّلَاةِ" ـــ رَوَاهُ مُوْسَى ابْنُ عُقْبَةَ، وَابْنُ أَبِيْ رَوَّادٍ، عَنْ نَافِعٍ. [راجع: ۴۰۶]

[۷۵۴-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: بَيْنَمَا الْمُسْلِمُوْنَ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ، لَمْ يَفْجَأْهُمْ إِلَّا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ، فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ وَهُمْ صُفُوْفٌ، فَتَبَسَّمَ يَضْحَكُ، وَنَكَصَ أَبُوْ بَكْرٍ رضى الله عنه عَلَى عَقِبَيْهِ، لِيَصِلَ لَهُ الصَّفَّ، فَظَنَّ أَنَّهُ يُرِيْدُ الْخُرُوْجَ، وَهَمَّ الْمُسْلِمُوْنَ أَنْ يَفْتَتِنُوْا فِيْ صَلَاتِهِمْ، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ: أَتِمُّوْا صَلَاتَكُمْ، وَأَرْخَى السِّتْرَ، وَتُوُفِّيَ مِنْ آخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ. [راجع: ۶۸۰]

قولہ: هل يَلْتَفِتُ لأمرٍ يَنْزِلُ بِه؟ کیا آدمی دائیں بائیں دیکھ سکتا ہے، کسی ایسے امر کی وجہ سے جو اس پر اترا؟ مثلاً نماز کے دوران کوئی چیز کپڑے پر گری، اس نے دیکھا کہ کیا گرا؟ یہ ضروری التفات ہے.........او یری شیئا: یا قبلہ میں کوئی

چیز دیکھی، یا تھوک دیکھا یہ بھی ضروری التفات ہے، خواہ اس کو اختیاری کہیں یا غیر اختیاری، غرض ضروری التفات کو امام بخاریؒ نے مستثنیٰ کیا ہے۔

قولہ: وھو یُصَلِّیْ بین یدی الناس: نبی ﷺ نے نماز پڑھاتے ہوئے نخامہ دیکھا، یہ غیر اختیاری التفات کی مثال ہے ...... **فحتّھا:** فا تعقیب مع الوصل کے لئے ہے یعنی نماز سے فارغ ہوتے ہی نبی ﷺ نے اس تھوک کو کھرچ دیا۔

قولہ: لم یفجأھم إلا رسولُ اللہِ: اچانک ان کے سامنے نہیں آئے مگر حضور ﷺ یعنی لوگوں نے اچانک نبی ﷺ کو دروازے پر دیکھا ...... **کشف ستر حجرۃ عائشۃ:** یہ سابقہ جملہ کی تفسیر ہے ...... **فتبسم یضحک:** نبی ﷺ پہلے مسکرائے پھر ہنسے، مسکرانا ابتدائی درجہ ہے اس سے اوپر ہنسنا ہے اور آخری درجہ قہقہہ ہے، مسکرانے میں صرف ہونٹ کھلتے ہیں، آواز پیدا نہیں ہوتی، اور ہنسنے میں آواز پیدا ہوتی ہے جس کو آدمی خود سنتا ہے دوسرا نہیں سنتا۔ اور جس ہنسنے کی آواز دوسرا سنے وہ قہقہہ ہے ...... **ونکَصَ ابوبکر:** ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آنحضور ﷺ کی آمد کی خبر ہی نہیں ہوئی تھی نماز کے بعد لوگوں نے آپؓ کو بتایا تھا اور یہاں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو دیکھا، اس لئے حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹنے لگے، یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے ...... **لِیَصِلَ لہ الصف:** تاکہ ملادیں آپؐ کے لئے صف یعنی حضرت ابوبکرؓ صف میں چلے جائیں اور آپؐ امام کی جگہ آجائیں ...... **فظن أنہ یرید الخروج:** یہ فاء ترتیب ذکری کے لئے ہے یعنی حضرت ابوبکرؓ نے یہ خیال کیا کہ نبی ﷺ نکلنا چاہتے ہیں اس لئے پیچھے ہٹنے لگے ...... **وھمَّ المسلمون:** مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ وہ نماز میں فتنہ میں مبتلا ہوجائیں یعنی نماز توڑ بیٹھیں ...... **أرخی الستر:** آپؐ نے پردہ ڈال دیا۔

بابُ وُجُوْبِ الْقِرَاءَ ةِ لِلإِمَامِ وَالْمَأْمُوْمِ، فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا:

فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، وَمَا يُجْهَرُ فِيْهَا وَمَا يُخَافَتُ

امام اور مقتدی کے لئے قراءت ضروری ہے، سبھی نمازوں میں: حضر میں بھی

اور سفر میں بھی، جہری نمازوں میں بھی اور سری نمازوں میں بھی

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ باب بہت اہم ہے، غیر مقلدین نے اس باب کو فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ سے جوڑ دیا ہے، حالانکہ اُس مسئلہ سے اس باب کا کچھ تعلق نہیں، اس لئے اس باب کو بغور پڑھنا چاہئے۔

باب کی وضاحت

باب وجوب: امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ واجب استعمال کیا ہے، فرض استعمال نہیں کیا، اور فرض وواجب کے درمیان

ائمہ ثلاثہ اور امام بخاریؒ کے نزدیک کوئی خاص فرق نہیں۔ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے، البتہ حنفیہ دونوں میں فرق کرتے ہیں وہ واجب کو فرض سے ایک درجہ نیچے رکھتے ہیں اور دیگر ائمہ کے نزدیک علی وجہ البصیرت واجب کا کوئی درجہ نہیں۔

قولہ: القراءۃ: باب میں دوسرا لفظ ہے **القراءۃ** یہ قراءت فاتحہ سے عام ہے، یہاں لمحۂ فکریہ پیدا ہونا چاہئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ فاتحہ کیوں استعمال نہیں کیا؟ قراءت قرآن تو قراءت فاتحہ سے عام ہے وہ فاتحہ اور سورت دونوں کو شامل ہے، پھر حضرتؒ نے لفظ قراءت کیوں استعمال کیا، لفظ فاتحہ کیوں استعمال نہیں کیا؟ اس سوال سے صرف نظر نہیں کر سکتے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قراءت کا مصداق سورت پڑھنا ہے، فاتحہ کو لفظ قراءت شامل نہیں، چنانچہ جتنی روایتیں حنفیہ کی دلیل ہیں، مثلاً: **إذا قرأ فأنصتوا**: ان کا مطلب ائمہ ثلاثہ یہ لیتے ہیں کہ جب امام سورت پڑھے تو مقتدی خاموش رہے، مقتدی سورت نہ پڑھے، اسی طرح: **من کان لہ إمامٌ فقراءۃُ الإمام لہ قراءۃ**: کا مطلب بھی یہی لیتے ہیں کہ امام کا سورت پڑھنا مقتدیوں کے حق میں محسوب ہے، فاتحہ کو وہ قراءت نہیں گنتے۔ احناف کی تمام دلیلوں کا ان کے پاس ایک ہی جواب ہے، مگر یہ بات ان کے لاشعور میں ہے، زبان سے وہ اس کا اعتراف نہیں کرتے، کیونکہ فاتحہ کو قراءت سے مستثنیٰ کرنا بڑا مشکل معاملہ ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ کی دلیل لوگوں کا عرف ہے، جب کسی سے پوچھتے ہیں: آج عشاء کی نماز میں امام نے کیا قراءت کی؟ تو مخاطب سورت بتاتا ہے، فاتحہ نہیں بتاتا، کیونکہ عرف میں فاتحہ قراءت میں شامل نہیں، مگر میرے خیال میں امام بخاریؒ کا یہ نظریہ نہیں، حضرت نے بالقصد لفظ قراءت استعمال کیا ہے۔

فاتحہ اور قراءت کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہے، فاتحہ پڑھنا خاص ہے اور قراءت یعنی پورے قرآن میں سے کہیں سے پڑھنا جس میں فاتحہ بھی شامل ہے عام ہے۔ اور خاص کے ضمن میں عام پایا جاتا ہے مگر عام کے ضمن میں خاص نہیں پایا جاتا، مثلاً انسان اور حیوان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، پس **ھذا إنسان** سے حیوان ہونا خود بخود ثابت ہوگا، اور **ھذا فرس** سے صرف حیوان ہونا ثابت ہوگا، انسان ہونا جو کہ خاص ہے ثابت نہیں ہوگا، اسی طرح فاتحہ کے ضمن میں قراءت خود بخود شامل ہوگی، کیونکہ فاتحہ خاص ہے اور قراءت عام ہے مگر حضرت رحمہ اللہ نے خاص لفظ استعمال نہیں کیا عام لفظ استعمال کیا ہے اور عام کے ضمن میں خاص نہیں پایا جاتا پس فاتحہ کا تذکرہ اس باب میں خصوصیت کے ساتھ نہیں کیا، اس لئے اس باب کو فاتحہ اور فاتحہ خلف الامام کے مسائل سے نہیں جوڑا جا سکتا۔

اور غیر مقلدین کا دعویٰ یہ ہے کہ مقتدی پر فاتحہ کی فرضیت بخاری شریف سے ثابت ہے، ان سے پوچھو: بخاری میں کہاں ہے؟ وہ یہی باب کھولیں گے، اب ان سے کہو کہ باب میں تو لفظ قراءت ہے، امام بخاریؒ نے قراءت کا وجوب ثابت کیا ہے فاتحہ کا لفظ کہاں ہے؟ وہ بغلیں جھانکیں گے! پھر جب ہوش آئے گا تو کہیں گے: باب میں جو تین حدیثیں ہیں ان میں سے ایک حدیث ہے: **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**: اس سے فاتحہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، ان سے

پوچھو: حدیث میں مقتدی کا لفظ کہاں ہے؟ دعوی تو یہ ہے کہ مقتدی پر فاتحہ فرض ہے۔ حدیث میں مقتدی کا لفظ کہاں ہے؟ اگر وہ کہیں کہ مَن عام ہے اس لئے حدیث مقتدی کو بھی شامل ہے تو کہو: مَن ہمیشہ عام نہیں ہوتا خاص بھی ہوتا ہے جیسے ما عام بھی ہوتا ہے اور خاص بھی ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ میں کیا ما عام ہے؟ کیا بہن بیٹی اس میں شامل ہیں؟ معلوم ہوا کہ مَا اور مَن ہر جگہ عام نہیں ہوتے اس کے لئے دلیل ضروری ہے۔

درحقیقت اس باب کا مقتدی کے فاتحہ کے مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں، اور اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حنفیہ کی موافقت کی ہے، حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ نماز میں مطلق قراءت فرض ہے اور فاتحہ اور ضم سورت واجب ہیں، پس اگر کوئی صرف فاتحہ پڑھے تو نماز ہو جائے گی کیونکہ قراءت جو فرض ہے فاتحہ کے ضمن میں متحقق ہوگئی، اور ضم سورت واجب ہے اس کے سہواً ترک سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

قولہ: للإمام والمأموم: امام پر بھی قراءت فرض ہے اور مقتدی پر بھی، منفرد کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ اس کا ذکر ضمناً آگیا، پہلے بتایا ہے کہ احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جماعت کی نماز میں امام واسطہ فی العروض ہے، یعنی جماعت کی نماز شیئ واحد ہے اور وصفِ صلوٰۃ کے ساتھ حقیقۃً امام متصف ہے، اور امام کے واسطہ سے مقتدی بالعرض متصف ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام واسطہ فی الثبوت ہے یعنی امام اور مقتدی دونوں نماز کے ساتھ بالذات اور حقیقۃً متصف ہیں، صرف اول وثانی کا فرق ہے۔ امام نماز کے ساتھ اولاً متصف ہے اور مقتدی ثانیاً، یعنی جماعت کی نماز تسبیح کے دانوں کی طرح ہے جو ایک دھاگے میں پیروئے ہوئے ہیں، تسبیح کا ہر دانہ مستقل ہے دوسرے دانہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، جماعت کی نماز کا بھی یہی حال ہے اور غالباً امام بخاریؒ کا بھی یہی رجحان ہے۔ پس امام اور مقتدی میں سے ہر ایک منفرد بھی ہوا۔

علاوہ ازیں: دلالتِ اَولیٰ سے بھی منفرد پر قراءت کا ثبوت ہو جاتا ہے، جب مقتدی پر قراءت فرض ہے تو منفرد پر بدرجۂ اولیٰ فرض ہوگی، اس لئے امام بخاریؒ نے منفرد کا تذکرہ نہیں کیا۔

اور اتصاف کی دو قسمیں ہیں: اتصاف حقیقی اور اتصاف حکمی، اتصاف حقیقی واضح ہے اور اتصاف حکمی یہ ہے کہ مقتدی کو قراءت کے ساتھ حکماً متصف مانا جائے، جیسے مدرک رکوع کو بھی فاتحہ کے ساتھ حکماً متصف مانتے ہیں، جو شخص رکوع میں شریک ہوا اس نے رکعت پالی، کیونکہ حدیث میں ہے: مدرک رکوع مدرک رکعت ہے، سوال یہ ہے کہ مقتدی نے فاتحہ کہاں پڑھی؟ جواب یہ ہے کہ امام کا پڑھنا اس کے حق میں محسوب ہے۔ غرض اتصاف حکمی کو فی الجملہ سب تسلیم کرتے ہیں، پس یہاں بھی امام کا اتصاف قراءت کے ساتھ حقیقی ہے اور مقتدی کا حکمی۔

قولہ: في الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا: تمام نمازوں میں: خواہ فرض وواجب نمازیں ہوں یا نفل، اور خواہ حضر کی نماز ہو یا سفر کی، اور خواہ سری نماز ہو یا جہری: تمام نمازوں میں قراءت فرض ہے، امام پر بھی اور مقتدی پر بھی۔ البتہ امام ومنفرد پر حقیقۃً فرض ہے اور مقتدی پر حکماً۔

ملحوظہ: نماز کی ہر رکعت علاحدہ نماز ہے، اور دو رکعتوں کا مجموعہ شفعہ (جوڑی) ہے، پس اگر کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہو کہ فرضوں کی آخری رکعتوں میں قراءت فرض نہیں، پھر فی الصلوات کلھا کیسے کہا؟ تو جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد فی الصلوات کلھا سے عام نہیں، اور فرضوں کی آخری دو رکعتوں میں قراءت واجب نہ ہونے کا مسئلہ منصوص ہے، آگے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ مسئلہ آرہا ہے (دیکھیں حدیث ۷۷۶)

قولہ: وما یُجهر: اس کا عطف الحضر پر ہے، اور فی مقدر ہے أی: وفیما یُجهر فیها، وفیما یخافت فیها۔

خلاصۂ کلام:

اس باب میں امام بخاریؒ نے تین باتیں بیان کی ہیں:

اول: ہر نمازی پر قراءت فرض ہے، نمازی تین ہیں: امام، منفرد اور مقتدی، کسی پر قراءت حقیقۃً فرض ہے، اور کسی پر حکماً۔

دوم: ہر نماز میں قراءت فرض ہے، خواہ فرض و واجب ہو یا نفل، اور خواہ سفر کی نماز ہو یا حضر کی، اور خواہ جہری نماز ہو یا سری: ہر نماز میں قراءت فرض ہے۔

سوم: مطلق قراءت فرض ہے بالتخصیص فاتحہ فرض نہیں، اور قراءت عام ہے اس کے ضمن میں فاتحہ بھی داخل ہے، پس امام بخاریؒ نے حنفیہ کی موافقت کی ہے، احناف بھی مطلق قراءت کو فرض کہتے ہیں، بالتخصیص فاتحہ کو فرض نہیں کہتے، پس باب کا فاتحہ فی الصلوٰۃ اور فاتحہ خلف الامام کے مسائل سے کچھ تعلق نہیں۔

باب کی احادیث:

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ باب میں تین حدیثیں ہیں، دوسری حدیث ہے: **لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**: اس کا باب سے تعلق یہ ہے کہ مطلق قراءت اور قراءت فاتحہ میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، مطلق قراءت عام ہے اور قراءت فاتحہ خاص ہے اور خاص کے ضمن میں عام پایا جاتا ہے۔ پس فاتحہ پڑھنے سے قراءت کا تحقق ہو جائے گا، کیونکہ خاص کے ضمن میں عام کا تحقق ہو جاتا ہے، اس طرح حدیث کا باب سے تعلق ہو جائے گا۔ اور باقی دو حدیثوں کا باب سے تعلق واضح ہے۔

پہلی حدیث کا خلاصہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے، کوفہ والوں نے حضرت عمرؓ سے ان کی چند شکایتیں کیں، ان میں سے ایک شکایت یہ تھی کہ وہ نماز ٹھیک سے نہیں پڑھاتے، حضرت عمرؓ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو گورنر بنا کر بھیجا اور حضرت سعدؓ کو واپس بلا لیا۔ جب حضرت سعدؓ آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: ابو اسحاق! کوفہ والوں نے تمہاری شکایت کی یہاں تک کہ یہ بھی شکایت کی کہ تم نماز ٹھیک سے نہیں پڑھاتے، کوفہ والوں نے شکایت کی تھی کہ شام کی نمازوں میں یعنی ظہر اور عصر میں پہلی دو رکعتوں

میں بہت دیر تک کھڑے رہتے ہیں اور آخری دو رکعتیں جلدی جلدی پڑھا دیتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے جس طرح نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح پڑھاتا ہوں اس میں ذرہ بھر کمی نہیں کرتا، پہلی دو رکعتوں میں سوجاتا ہوں یعنی طویل پڑھاتا ہوں اور آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا ہوں، آخری رکعتوں میں صرف فاتحہ ہے، اس لیے وہ ہلکی ہیں، اور پہلی رکعتوں میں ظہر میں فجر جتنی قراءت ہے اور عصر میں عشاء جتنی، اس لئے وہ لمبی ہیں، اس کو حضرت سعدؓ نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں سوجاتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپؓ کے بارے میں میرا ایسا ہی گمان تھا، آپ سنت کے خلاف نماز نہیں پڑھاتے ہونگے، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو یا چند شخصوں کو حکم دیا کہ حضرت سعدؓ کو لے کر کوفہ جاؤ، اور ہر مسجد میں نماز کے بعد سعدؓ کو کھڑا کرکے پوچھو کہ ان کے بارے میں کیا شکایتیں ہیں؟ کسی نے کوئی شکایت نہیں کی، صرف بنو عبس کی مسجد میں ایک شخص نے جس کا نام اسامہ بن قتادہ اور کنیت ابوسعدہ تھی تین شکایتیں کیں: پہلی شکایت: سعدؓ جنگ کے لیے سریے بھیجتے ہیں مگر خود شریک نہیں ہوتے —— حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو عرق النساء کی بیماری تھی، ان کے پیر میں شدید درد تھا، گھوڑے پر سوار ہونا اور میدانِ جہاد میں جانا ان کے لئے ممکن نہ تھا اسی لئے آپؓ نے جنگ قادسیہ بھی بلند جگہ پر بیٹھ کر لڑائی تھی۔

دوسری شکایت: مال کی تقسیم میں برابری نہیں کرتے اور تیسری شکایت یہ کی کہ اپنے فیصلوں میں انصاف نہیں کرتے۔ حضرت سعدؓ نے تین دعائیں دیں: اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے اور شہرت کے لئے کھڑا ہوا ہے تو اس کی زندگی لمبی کر، اس کی غریبی لمبی کر اور اس کو فتنوں سے دوچار کر، تین شکایتوں کے بدلہ میں تین بددعائیں دیں، چنانچہ اس بدنصیب کی عمر اتنی لمبی ہوئی کہ بھویں آنکھوں پر گر پڑیں، کوئی چیز دیکھنی ہوتی تو بھوؤں کو اٹھا کر دیکھتا، اور راستوں میں لوگوں سے مانگتا پھرتا اور باندیوں کو راستہ میں چھیڑتا، اس زمانہ میں شرفاء کی عورتیں بے ضرورت گھر سے نہیں نکلتی تھیں اور باندیاں گھر کی ضروریات کے لئے نکلتی تھیں وہ راستہ میں باندیوں کو چھیڑتا، لوگ اسے برا بھلا کہتے وہ جواب دیتا: سعد کی بددعا لگ گئی ہے!

اس واقعہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا ہے کہ میں نے جس طرح نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھاتا ہوں، پہلی دو رکعتوں میں بہت طویل قراءت کرتا ہوں اور دوسری دو رکعتوں میں ہلکی، معلوم ہوا کہ قراءت فرض ہے خواہ سری نماز ہو یا جہری۔ خیال رہے کہ باب کی کسی بھی ایک روایت سے سارا باب ثابت نہیں ہوگا، مختلف روایتوں سے باب کے مختلف اجزاء ثابت ہوں گے۔

تیسری حدیث: کا نام ہے: حدیث المُسِيءِ صلاتَه: (خراب نماز پڑھنے والے کا واقعہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، آپ کی مجلس ہو رہی تھی، ایک شخص آیا، اس نے تحیۃ المسجد پڑھی (نسائی میں اس کی صراحت ہے) اور ہلکی نماز پڑھی، یعنی تعدیل ارکان نہیں کیا۔ پھر وہ آنحضور ﷺ کی مجلس میں شرکت کے لئے آیا اور سلام کیا، آپ نے جواب دیا: وعلیك (یہ مختصر جواب ہے، سلام کے جواب میں صرف

وعلیك کہنا بھی کافی ہے) اور فرمایا: ''واپس جاؤ، پھر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی'' یعنی تمہاری نماز نہیں ہوئی، وہ واپس گیا اور دوبارہ نماز پڑھ کر آیا اور سلام کیا آپؐ نے جواب دیا اور وہی بات فرمائی، تین بار آپؐ نے اس کو لوٹایا، صحابہ اس کی نماز دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ وہ کیا غلطی کر رہا ہے، چنانچہ صحابہ سہم گئے اور ان پر یہ بات شاق گذری کہ جو تعدیل ارکان نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ تیسری مرتبہ کے بعد اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں تو ایسی ہی نماز پڑھنا جانتا ہوں، آپؐ مجھے سکھلائیں کہ میں کس طرح نماز پڑھوں، آپؐ نے اس کو نماز سکھلائی اور جہاں اس نے غلطی کی تھی اس کو خاص طور پر بیان کیا۔ فرمایا: جب آپ نماز پڑھنے کا ارادہ کریں تو تکبیر کہیں، پھر جہاں سے آپ کے لئے آسان ہو قرآن پڑھیں (حدیث کا یہ جزء باب سے متعلق ہے فاتحہ بالتخصیص فرض نہیں، قراءت فرض ہے) پھر رکوع کریں اور باطمینان رکوع کریں یعنی اس میں ٹھہریں پھر سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جائیں کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر سیٹ ہو جائے، پھر سجدہ کریں اور اس میں ٹھہریں پھر سر اٹھائیں اور اطمینان سے بیٹھیں، اس طرح تمام رکعتیں پڑھیں۔

باب میں یہی تین حدیثیں ہیں اور صرف دوسری حدیث میں فاتحہ کا ذکر ہے مگر مقتدی کا کوئی ذکر نہیں، اور پہلی اور تیسری حدیث میں تو سرے سے فاتحہ کا ذکر ہی نہیں اس لئے واضح طور پر یہ سمجھ لیں کہ اس باب کا فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ائمہ ثلاثہ کی موافقت نہیں کی، بلکہ احناف کی موافقت کی ہے۔

نماز کی حقیقت قراءت قرآن ہے:

حضرت نانوتوی قدس سرہ نے توثیق الکلام میں جس کی میں نے شرح لکھی ہے، جس کا نام ہے: ''کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟'' فرمایا ہے کہ نماز کی حقیقت و ماہیت قراءت ہے، قراءت ہی کے لئے نماز مشروع کی گئی ہے اور دیگر ارکان رکوع وسجود اور قیام وقعدہ وغیرہ حضوری دربار کے آداب ہیں، جیسے آدمی بادشاہ کے دربار میں جاتا ہے تو پہلے نہا دھو کر صاف ستھرا بنتا ہے، اچھے کپڑے پہنتا ہے پھر بارگاہ میں پہنچ کر سلام کرتا ہے پھر باادب درخواست پیش کرتا ہے اور جو جواب ملتا ہے اسے بغور سنتا ہے، پھر شکریہ ادا کر کے واپس چلا آتا ہے اس حاضری کا مقصد عرض معروض کرنا ہوتا ہے، باقی چیزیں حضوری دربار کے آداب ہیں۔ سورۂ فاتحہ عرضی ہے اور پورا قرآن جواب ہے، بندہ عرض کرتا ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ ہمیں سیدھا راستہ دکھایئے، پھر قرآن میں سے کہیں سے پڑھا جاتا ہے وہ جواب ہے، کیونکہ ہدایت مجموعۂ قرآن کا وصف نہیں ہے بلکہ اس کا ہر ہر جزء ہدایت ہے، اور یہ عرض معروض ہی نماز کی تمام حقیقت ہے اور وہی نماز کا اصل فرض ہے۔ اور جب قراءت یعنی عرض ومعروض کا مجموعہ فرض ہے تو احد الامرین یعنی فاتحہ اور سورت بالتخصیص واجب ہونگے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے کہ مطلق قراءت فرض ہے فاتحہ بالتخصیص فرض نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فاتحہ فرض ہے اور سورت ملانا سنت ہے، یہ عجیب بات ہے، درخواست دینا تو فرض ہے مگر اس کا جواب سننا فرض

نہیں، جی چاہے تو جواب سنے اور جی نہ چاہے تو فاتحہ پڑھ کر رکوع کر لے، جب جواب سننا ہی نہیں تو درخواست کیوں دی؟ احناف کے نزدیک درخواست دینا بھی واجب ہے اور جواب سننا بھی واجب ہے اور دونوں کا مجموعہ قراءت ہے جو فرض ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی قراءت کی فرضیت کا دعوی کیا ہے، ہر حال میں اور ہر نماز میں قراءت فرض ہے، امام ومنفرد پر بھی فرض ہے اور مقتدی پر بھی۔ امام ومنفرد پر حقیقتاً فرض ہے اور مقتدی پر حکماً، یہ اس باب کا حاصل ہے اور باب کو کماحقہ سمجھنے کے لئے اتنی تقریر کافی ہے لیکن مسئلہ میں بصیرت کے لئے چند باتیں اور عرض کرتا ہوں:

فاتحہ کا نماز سے کیا تعلق ہے؟

پہلی بات: دو مسئلے بالکل الگ الگ ہیں، ایک مسئلہ یہ ہے کہ فاتحہ کا نماز سے کیا تعلق ہے؟ نمازی کون ہے اس سے قطع نظر، ائمہ ثلاثہ رکنیت اور فرضیت کا تعلق تجویز کرتے ہیں اور احناف نے وجوب کا تعلق بیان کیا ہے، چونکہ ائمہ ثلاثہ نے فاتحہ کو غیر معمولی اہمیت دیدی ہے اس لئے ضم سورت پر اس کا اثر پڑا ہے اور ان حضرات نے اس کے سنت ہونے کی بات کہی ہے اور احناف نے توازن برقرار رکھا ہے، نفس قراءت کو فرض قرار دیا ہے اور فاتحہ اور سورت کو علی الخصوص واجب قرار دیا ہے۔

اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فاتحہ کا کس نمازی سے تعلق ہے؟ نمازی تین ہیں: امام، مقتدی اور منفرد، امام اور منفرد سے تعلق ہونے کی بات تو سبھی کہتے ہیں اور مقتدی کے بارے میں اختلاف ہے، عام طور پر ان دونوں مسئلوں میں خلط ملط ہو گیا ہے جس سے دلائل میں الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دونوں مسئلوں کو الگ الگ بیان کیا ہے اور دونوں مسئلوں کے درمیان اکتالیس ابواب کا فصل رکھا ہے، یہ بہت اچھا کیا ہے۔

پہلا مسئلہ: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کا نماز سے فرض اور رکن کا تعلق ہے اور احناف کے نزدیک واجب کا، فرض اور واجب میں عمل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، دونوں پر عمل ضروری ہے، چنانچہ دنیا کے تمام مسلمان خواہ حنفی ہوں، شافعی، مالکی، حنبلی ہوں: سب نماز میں ہر رکعت میں فاتحہ پڑھتے ہیں، فرق صرف تعبیر کا ہے، اگر حکم دلیل قطعی سے ثابت ہو تو وہ فرض کہلاتا ہے اور اگر دلیل ظنی سے ثابت ہو تو وہ واجب کہلاتا ہے، یہی فرق جانب ترک میں بھی ہے، اگر دلیل قطعی سے کسی چیز کی ممانعت ثابت ہو تو اس کو حرام کہتے ہیں اور اگر دلیل ظنی سے ممانعت ثابت ہو تو اس کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں، نیز بعض مسائل اعتقادیہ اور بعض احکام فرعیہ میں بھی فرق پڑتا ہے، فرض وحرام کا انکار کرنے والا کافر ہے اور واجب اور مکروہ تحریمی کا انکار کرنے والا گمراہ ہے، اسی طرح بعض احکام فقہیہ میں بھی فرق پڑتا ہے، مثلاً: اگر فاتحہ فرض ہے تو جو شخص عمداً یا سہواً فاتحہ نہیں پڑھے گا اس کی نماز نہیں ہوگی، اور اگر فاتحہ واجب ہے تو عمد کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہوگی اور سہو کی صورت میں سجدۂ سہو سے تلافی ہو جائے گی۔

جاننا چاہئے کہ امام مالک رحمہ اللہ اگرچہ فاتحہ کو فرض کہتے ہیں مگر وہ اس پر واجب کے احکام جاری کرتے ہیں، چنانچہ

بھول کر فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں نماز کو سجدۂ سہو کے بعد صحیح کہتے ہیں گویا امام مالک رحمہ اللہ کا ایک پیر احناف کے پالے میں بھی ہے۔

دلائل:

پہلی دلیل: حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ہے، ائمہ ثلاثہ اس سے فاتحہ کی فرضیت ثابت کرتے ہیں، اور احناف وجوب ثابت کرتے ہیں۔ احناف کے نزدیک فرضیت ثابت کرنے کے لئے آیت کا صریح اور حدیث کا متواتر ہونا ضروری ہے یعنی دلیل کا قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونا ضروری ہے، خبر واحد سے خواہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی، کیونکہ اس کا ثبوت ظنی ہوتا ہے البتہ اگر خبر واحد صحیح ہو اور دلالت قطعی ہو تو اس سے جوب ثابت ہوسکتا ہے، مذکورہ حدیث صحیح ہے اور دلالت قطعی ہے اس لئے وجوب ثابت ہوگا، اور اگر ثبوت ظنی ہو تو فرضیت ثابت نہیں ہوگی۔ اور ائمہ ثلاثہ اعلیٰ درجہ کی خبر واحد سے فرضیت ثابت کرتے ہیں، اس لئے انھوں نے اس حدیث سے فاتحہ کی فرضیت ثابت کی ہے۔

اور بعض لوگ جو حدیث کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ لا نفی کمال کا ہے، علامہ کشمیری قدس سرہ نے اس توجیہ کو پسند نہیں کیا، کیونکہ ائمہ ثلاثہ لا نفی شیٔ کا لیتے ہیں اور ہم نفی کمال کا، پس دلالت قطعی نہیں رہی، اور ثبوت تو ظنی تھا ہی پس فاتحہ کا وجوب کیسے ثابت ہوگا؟ اور ثبوت بھی ظنی ہو اور دلالت بھی ظنی ہو تو استحباب ثابت ہوتا ہے حالانکہ احناف نے اس حدیث سے فاتحہ کا وجوب ثابت کیا ہے۔

دوسری دلیل: حدیث خداج ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: مَن صَلّٰی صلوۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج غیرُ تمام (ترمذی حدیث ۳۲۲): جس نے کوئی نماز پڑھی اور اس میں فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے، ائمہ ثلاثہ خداج کا ترجمہ کرتے ہیں: نماز نہیں ہوئی اور غیر تمام کو مدرج مانتے ہیں یعنی یہ راوی نے بڑھایا ہے اس کا اعتبار نہیں، احناف کہتے ہیں: لفظ خداج کے یہ معنی صحیح نہیں، کیونکہ عورت یا جانور اگر مدت حمل پوری ہونے سے پہلے بچہ جن دے اور بچہ تام الخلق ہو تو مجرد سے خَدَجَتِ النَّاقۃُ اور خدجت المرأۃ کہتے ہیں اور اگر بچہ ناقص الخلق ہو خواہ مدت حمل پوری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو باب افعال سے استعمال کرتے ہیں، کہتے ہیں: أخدجَتِ الناقۃ: اونٹنی نے ناتمام بچہ جنا۔ بہر صورت اس لفظ کے مفہوم میں ناتمامیت کے معنی ہیں، پس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہوئی، اور غیرُ تمام: خداج کی تفسیر ہے خواہ یہ نبی ﷺ کا ارشاد ہو جیسا کہ احناف کہتے ہیں یا بعد میں کسی راوی نے بڑھایا ہو جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں، بہر صورت اس نے خداج کے معنی کی تعیین کی ہے، پس اس مسئلہ میں اختلاف دلائل کا نہیں ہے بلکہ نص فہمی اور طریق استدلال کا اختلاف ہے، انہی دونوں حدیثوں سے ائمہ ثلاثہ بھی استدلال کرتے ہیں اور احناف بھی، اختلاف صرف طریقۂ استدلال کا ہے۔

ایک اہم نحوی قاعدہ:

جو افعال لغت میں مفعول کی طرف بغیر حرف جر کے متعدی ہوتے ہیں: جب ان کو شریعت اپنی اصطلاح بناتی ہے تو وہ لازم بن جاتے ہیں، جیسے: قرأ الکتاب لغت میں متعدی ہے جب شریعت نے اس کو نماز میں قراءت کے معنی میں لیا تو وہ لازم ہوگیا، کہا جائے گا: قرأ الإمامُ جهراً: اسی طرح أوْتَرَ کے معنی ہیں: طاق بنانا، اوتر الأشیاء (چیزوں کو طاق بنایا) یہ متعدی بنفسہ ہے، پھر جب شریعت نے اس کو اپنی اصطلاح بنایا تو وہ لازم ہوگیا، کہا جائے گا: اوتر بعد العشاء، عشاء کے بعد وتر پڑھے۔

پھر جب دوبارہ ان کو متعدی بنایا جائے گا تو دوسرے افعال لازمہ کی طرح حرف جر کے ذریعہ ان کو متعدی بنائیں گے، جیسے اس حدیث میں قرأ کو فاتحۃ الکتاب کی طرف ب حرف جر کے ذریعہ متعدی کیا ہے اور حدیث فإذا خِفْتَ الصبحَ فأوْتِرْ برکعۃٍ میں فعل ایتار کو ب کے ذریعہ متعدی کیا ہے۔

اور علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے مفصل میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ شریعت جن افعال کو اپنی اصطلاح بناتی ہے، اور وہ لازم بن جاتے ہیں جب ان کو حرف جر کے ذریعہ متعدی کیا جائے گا تو ان میں اور لغت کے متعدی میں یہ فرق ہوتا ہے کہ لغت کا متعدی صرف مفعول پر واقع ہوتا ہے اور شریعت کا متعدی صرف مفعول (مجرور) پر واقع نہیں ہوتا بلکہ دوسری چیز کے ضمن میں مفعول پر واقع ہوتا ہے، پس قرأ بفاتحۃ الکتاب میں قرا صرف فاتحہ پر واقع نہیں ہوگا، بلکہ کسی دوسری چیز کے ضمن میں واقع ہوگا، اسی طرح أوْتِرْ برکعۃٍ میں اوتر صرف ایک رکعت پر واقع نہیں ہوگا بلکہ دوسری چیز کے ضمن میں ایک رکعت پر واقع ہوگا، پس اوتر برکعۃ کے معنی ہونگے: ایک رکعت کو دو رکعت کے ساتھ ملا کر طاق بناؤ اور قرأ بفاتحۃ الکتاب کے معنی ہونگے: سورت کے ساتھ فاتحہ بھی پڑھو، یعنی فاتحہ اور سورت دونوں کا پڑھنا ضروری ہے، جب دونوں کا پڑھنا ضروری ہے تو کسی ایک کو فرض نہیں کہہ سکتے، بلکہ مطلق قراءت کو فرض کہیں گے جس کے ضمن میں فاتحہ بھی آجائے گا۔

فاتحہ کا کس نمازی سے تعلق ہے؟

دوسرا مسئلہ: فاتحہ کا کن نمازیوں کے ساتھ تعلق ہے؟ نمازی تین ہیں: امام، مقتدی اور منفرد، اور نمازیں دو ہیں: سری اور جہری۔ امام اعظم، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک جہری نمازوں میں مقتدی پر نہ قراءت فرض ہے نہ فاتحہ، بلکہ تینوں ائمہ کے نزدیک مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے۔ احناف کا قول تو معروف ہے اور علامہ جزیری رحمہ اللہ نے کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ (۱:۲۳۰) میں مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں بھی کراہیت کا قول ہونے کی صراحت کی ہے، پھر امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں: جہری نماز میں مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں، خواہ مقتدی امام کی قراءت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو (کتاب الفقہ ۱:۲۵۴) اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مقتدی امام کی قراءت سن رہا ہے

تب تو فاتحہ پڑھنا جائز نہیں، اور اگر اتنا دور ہے کہ امام کی آواز اس تک نہیں پہنچ رہی تو فاتحہ پڑھنا جائز ہے۔ اسی طرح امام کے سکتوں میں بھی فاتحہ پڑھنا جائز ہے (مغنی ۱: ۶۰۵)

اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم یہ ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں، اور قول جدید یہ ہے کہ فرض ہے، لیکن محققین کا خیال یہ ہے کہ جہری نمازوں میں آپ سے وجوب کا قول ثابت نہیں، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے خاص شاگرد امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کسی مسلمان سے یہ بات نہیں سنی کہ اس نے جہری نماز میں مقتدی پر فاتحہ کو واجب کہا ہو (مغنی ۱: ۶۰۲) مگر حضرات شوافع جہری نمازوں میں بھی مقتدی پر فاتحہ فرض کہتے ہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مہذب (۳: ۳۶۴) میں دعوی کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے جہری نمازوں میں مقتدی پر فاتحہ کا وجوب ثابت ہے اور آپ کا یہ قول کتاب الام میں ہے، مگر علامہ بنوری قدس سرہ نے معارف السنن (۳: ۱۸۶) میں فرمایا ہے کہ میں نے کتاب الام میں یہ قول نہیں پایا۔

اور چونکہ سورۂ اعراف (آیت ۲۰۴) میں حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنا جائے اور خاموش رہا جائے اس لئے حضرات شوافع نے استماع وانصات کے حکم کی وجہ سے یہ طریقہ تجویز کیا ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ نہ پڑھے بلکہ امام کے سکتوں میں یا سکتۂ طویلہ میں پڑھے درانحالیکہ سکتۂ طویلہ کا ثبوت کسی ضعیف حدیث سے بھی نہیں۔ اور شوافع کا بیان کردہ فارمولہ صرف کاغذی ہے عملی دنیا میں سب امام کے ساتھ پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے قرآن کے حکم کی مخالفت لازم آتی ہے۔

سری نمازوں کا حکم:

اور سری نمازوں میں امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا مستحب ہے، فرض یا واجب نہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے اور آپ کا یہ قول ثابت ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ سے اس سلسلہ میں کوئی صریح قول مروی نہیں، اور مشائخ احناف کے اس سلسلہ میں پانچ قول ہیں: ایک قول وجوب کا بھی ہے یعنی مقتدی پر سری نماز میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ دوسرا قول ندب (استحباب) کا ہے، صاحب ہدایہ نے یہ قول امام محمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے، تیسرا قول اباحت کا ہے یعنی فاتحہ پڑھنا جائز ہے، چوتھا قول کراہیت تنزیہی کا اور پانچواں قول کراہیت تحریمی کا ہے، اور یہی قول مفتی بہ ہے۔ اور علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے صاحب ہدایہ کے قول کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کا یہ قول میں نے کتاب الآثار اور موطا میں نہیں پایا[1] اور علامہ حصکفی رحمہ اللہ (صاحب درمختار) نے فرمایا ہے کہ سری نمازوں میں بھی مقتدی کے لئے فاتحہ کی کراہیت پر ہمارے تینوں ائمہ کا اتفاق ہے، مزید تفصیل کے لئے فیض الباری (۲: ۲۷۱) اور درمختار (۲: ۲۶۶) آخر صفۃ الصلاۃ دیکھیں۔

---

(۱) علامہ کشمیری قدس سرہ نے ابن الہمام رحمہ اللہ کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ مشائخ کا کسی قول کو روایت کرنا اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے اس قول کا کسی کتاب میں ہونا ضروری نہیں (فیض ۲: ۲۶۲)

اور دلائل کا تقاضہ یہ ہے کہ مقتدی کو سری نمازوں میں بھی فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے، آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے: من کان له إمام فقراءة الإمام له قراءة: اور دوسرا ارشاد ہے: إذا قرأ فانصتوا: دونوں حدیثوں میں سری اور جہری نمازوں کے درمیان تفریق کئے بغیر مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بات بتائی گئی ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کے حق میں محسوب ہے، پس اس کے لئے قراءت کی کیا حاجت ہے؟ بلکہ اس کے لئے قراءت لاحاصل ہے (پہلی حدیث پانچ صحابہ سے مروی ہے۔ تخریج کے لئے نصب الرایہ ۲:۲ تا ۱۲ دیکھیں۔ اور دوسری حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سند سے مسلم شریف (۱:۱۷۴ باب التشهد) میں مروی ہے)

غرض جہری نمازوں میں صرف شوافع کے نزدیک مقتدی پر فاتحہ فرض ہے اور سری نمازوں میں صرف امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے اور کسی امام کے نزدیک فرض نہیں، اس لئے آدھے امام ایک طرف ہیں اور ساڑھے تین امام دوسری طرف۔

دوسری بات: ہمارے اکابر میں سے حضرت گنگوہی قدس سرہ نے بھی اس موضوع پر رسالہ لکھا ہے جو چھپ چکا ہے اور بازار میں دستیاب ہے، اس رسالہ کا نام ہے: هداية المعتدى فى قراءة المقتدى: اور حضرت نانوتوی قدس سرہ کا بھی ایک رسالہ ہے وہ رسالہ درحقیقت آپ کا ایک مکتوب ہے اور دو ناموں سے شائع ہوا ہے، ایک کا نام ہے: الدليل المحكم على عدم قراءة الفاتحة للمؤتم۔ اور دوسرا نام ہے: توثيق الكلام فى الإنصات خلف الإمام۔ یہ ایک ہی رسالہ کے دو نام ہیں، البتہ توثیق الکلام میں چند سطریں زائد ہیں اور میں نے اس کی شرح لکھی ہے: ''کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟''

هداية المعتدى کا خلاصہ:

حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اس رسالہ کا حاصل یہ ہے کہ دور اول میں امام جو کچھ پڑھتا تھا مقتدی بھی ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور یہ قرآن یاد کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ عربوں کا مزاج سن کر اور پڑھ کر حفظ کرنے کا تھا، بلکہ آج تک ان کے یہاں حفظ کا یہی طریقہ رائج ہے، یہ طریقہ ایک عرصہ تک برقرار رہا، پھر امام کے پیچھے غیر فاتحہ کو پڑھنے سے روک دیا گیا، صرف فاتحہ باقی رہا، ترمذی میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (نمبر ۳۲۰) ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی جس میں آپؐ کے لئے قراءت دشوار ہوگئی یعنی آپؐ کا ارادہ پڑھنے کا تھا مگر دل ساتھ نہیں دے رہا تھا، نماز کے بعد آپؐ نے مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ آپ لوگ امام کے پیچھے پڑھتے ہیں'' صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں، ہم پڑھتے ہیں، اس پر آپؐ نے فرمایا: لاتفعلوا إلا بأم القرآن، فإنه لاصلوة لمن لم يقرأ بها: ایسا نہ کرو مگر سورۂ فاتحہ مستثنیٰ ہے، کیونکہ اس کو پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی ـــــ قائلین وجوب فاتحہ کے پاس خاص دلیل بس یہی ایک

حدیث ہے[1] اور یہ مضطرب ہے سنداً بھی اور متناً بھی، سند میں آٹھ اور متن میں پندرہ اقوال ہیں، تفصیل معارف السنن (۳:۲۰۳) میں ہے۔

اور لا تفعلوا: فعلِ نہی ہے اور نہی مطلق: حرمت کے لئے ہوتی ہے، جس طرح امر مطلق: وجوب کے لئے ہوتا ہے، پس مطلق قراءت کی نفی ہوئی، پھر فاتحہ کا استثناء کیا، اور نہی سے استثناء اباحت کے لئے ہوتا ہے جیسے کہا جائے کہ اس جگہ کوئی نہ بیٹھے، مگر زید مستثنیٰ ہے تو زید کے لئے بیٹھنے کا صرف جواز ثابت ہوگا، وجوب ثابت نہیں ہوگا۔ پس اس حدیث سے فاتحہ کا صرف جواز ثابت ہوتا ہے وجوب وفرضیت ثابت نہیں ہوتی۔

اور حدیث شریف کا آخری حصہ فإنه لاصلوة لمن لم يقرأ بها: ایک مستقل حدیث ہے، اس حدیث کا جزء نہیں، حضرت عبادہؓ نے یا کسی راوی نے اس حدیث کے ساتھ اس کو جوڑا ہے۔ وہ مستقل حدیث ہے، اور اس باب کی دوسری حدیث ہے اس کے راوی ابن شہاب زہریؒ ہیں جس کو وہ محمود بن الربیع سے روایت کرتے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن شہاب زہری نے محمود بن الربیع سے، انھوں نے حضرت عبادہؓ سے جو حدیث لاصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب روایت کی ہے وہ اصح ہے، یعنی ابن شہاب زہری نے آخری ٹکڑا مستقل حدیث کی شکل میں روایت کیا ہے اور وہی اصح ہے، پس وہ ٹکڑا مذکورہ حدیث کا جزء نہیں۔

اور اس ٹکڑے کے اس حدیث کا جزء نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کو اس حدیث کا جزء تسلیم کرلیا جائے تو کلام نبوت کے اول وآخر میں تعارض ہوجائے گا، کیونکہ إلا بأم القرآن سے فاتحہ کی اباحت ثابت ہوتی ہے اور لاصلوة سے وجوب، اور دونوں باتوں میں تعارض ہے، اور کلام نبوت تعارض سے پاک ہوتا ہے۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا اور مقتدی کے پڑھنے پر ہر طرح سے پابندی عائد کردی گئی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک ایسی نماز سے سلام پھیرنے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جس میں آپؐ نے جہراً تلاوت فرمائی تھی، آپؐ نے دریافت کیا: کیا آپ لوگوں میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا؟ ایک شخص نے عرض کیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! میں نے پڑھا (حضرت عبادہ کی وہ حدیث جو اوپر گذری ہے اس میں بہت سے حضرات بولے تھے اور قسم کھا کر انھوں نے اپنا پڑھنا بیان کیا تھا، اور یہاں پڑھنے والا صرف ایک شخص ہے، معلوم ہوا کہ یہ حدیث بعد کی ہے اور حضرت عبادہؓ کی حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ پہلے کا ہے) آپؐ نے فرمایا: إني أقول: مالي أُنَازَعُ القرآن: میں سوچ رہا تھا: کیا بات ہے: میں قرآن میں جھگڑا کیوں کیا جارہا ہوں۔ امام کے پیچھے پڑھنا امر منکر ہے جو آنحضور ﷺ کے قلب مجلّی ومصفّی پر اثر انداز ہوا، بایں وجہ آپؐ کے دل ودماغ میں مناسبت باقی نہیں رہی، یعنی دماغ پڑھنا چاہتا تھا

(۱) قائلین وجوب فاتحہ اور مانعین وجوب فاتحہ میں سے ہر ایک کے پاس خاص حدیث صرف ایک ایک ہے، اگرچہ عام احادیث جو مقتدی اور غیر مقتدی سب کو شامل ہیں یا جن میں سری اور جہری نمازوں کے درمیان فرق نہیں کیا گیا: ہر فریق کے پاس ہیں ۱۲

مگر دل ساتھ نہیں دے رہا، اس ارشاد میں امام کے پیچھے مطلقاً قراءت کی ناپسندیدگی کا اظہار ہے، صحابہ ہوشیار تھے وہ اشارہ کو سمجھ گئے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس واقعہ کے بعد لوگ آنحضور ﷺ کے پیچھے پڑھنے سے رک گئے (رواہ الترمذی وابوداؤد)

غرض نماز کی موجودہ شکل تین مرحلوں سے گزر کر تکمیل پذیر ہوئی ہے، پہلے مقتدی کے لئے فاتحہ اور غیر فاتحہ سب کی تلاوت جائز تھی پھر غیر فاتحہ کی تلاوت منسوخ کردی گئی اور فاتحہ کی صرف اباحت باقی رہی، پھر فاتحہ کی اباحت بھی منسوخ کردی گئی اور فاتحہ اور غیر فاتحہ سب سے مقتدی کو روک دیا گیا۔ جیسے پہلے نماز میں ہر اونچ نیچ کے ساتھ رفع یدین تھا پھر وہ تدریجاً منسوخ ہوتا گیا، یہاں تک کہ تکبیر تحریمہ پر پہنچ کر رک گیا، احناف نے جس طرح یہاں آخری روایت لی ہے چنانچہ وہ تحریمہ کے علاوہ کسی جگہ رفع کے قائل نہیں، اسی طرح قراءت کے مسئلہ میں بھی انھوں نے آخری روایت لی ہے۔ اور سری اور جہری ہر نماز میں امام کے پیچھے پڑھنے کو مکروہ تحریمی کہا ہے اور امام شافعیؒ وغیرہ نے رفع یدین میں بھی درمیانی روایت لی ہے اور یہاں بھی ایسا ہی کیا ہے۔

توثیق الکلام کا خلاصہ:

فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں اصل اختلاف احناف اور شوافع کے درمیان ہے اور دونوں ہی اتنی بات بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں کہ مقتدی نماز کے ساتھ براہ راست متصف نہیں بلکہ وہ امام کے واسطہ سے متصف ہے، اور واسطہ تین قسم کا ہوتا ہے، واسطہ فی العروض، واسطہ فی الثبوت اور واسطہ فی الاثبات، واسطہ فی الاثبات حد اوسط کو کہتے ہیں جو قیاس میں ثبوت نتیجہ کا ذریعہ ہوتی ہے اور واسطہ فی العروض [1] میں وصف ایک ہوتا ہے اور اس کے ساتھ بالذات اور حقیقتاً صرف واسطہ متصف ہوتا ہے اور ذو الواسطہ بالعرض اور مجازاً متصف ہوتا ہے، جیسے ریل کا مسافر انجن کے واسطہ سے بالعرض اور مجازاً حرکت کے ساتھ متصف ہے [2] حقیقتاً صرف انجن (واسطہ) حرکت کے ساتھ متصف ہے

اور واسطہ فی العروض میں چونکہ وصف ایک ہوتا ہے اور اس سے حقیقتاً صرف واسطہ متصف ہوتا ہے اس لئے ضروریات وصف کی حاجت صرف اسی کو ہوتی ہے، ذو الواسطہ کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پس حرکت کی ضروریات مثلاً ڈیزل، پیٹرول یا کوئلہ پانی کی حاجت صرف انجن کو ہوگی مسافروں کو اور ڈبوں کو نہیں ہوگی، مسافر اگر بیمار بھی ہو اور حرکت کی طاقت نہ بھی رکھتا ہو یا سویا ہوا ہو پھر بھی ریل کے واسطہ سے متحرک ہوگا، یعنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوگا، البتہ ذو الواسطہ کا واسطہ کے احاطہ میں ہونا ضروری ہے، اگر وہ واسطہ کے احاطہ میں نہیں ہے تو متحرک نہیں ہوگا، یعنی مسافر اگر ڈبے میں ہوگا تو

---

(۱) واسطہ فی العروض یہ ہے کہ وصف کے ساتھ حقیقۃً اور بالذات صرف واسطہ متصف ہو اور ذو الواسطہ بالعرض اور مجازاً متصف ہو جیسے مسافر انجن کے واسطہ سے بالعرض اور مجازاً حرکت کے ساتھ متصف ہے حقیقتاً صرف انجن (واسطہ) حرکت کے ساتھ متصف ہے۔

(۲) حرکت سے مراد محض ہلنا نہیں، بلکہ مقصد کی طرف متوجہ ہونا ہے، مثلاً ریل کا دہلی کی طرف جانا حرکت ہے۔

دہلی پہنچے گا ورنہ نہیں پہنچے گا۔

اور واسطہ فی الثبوت [1] میں وصف متعدد ہوتے ہیں، اور اس کے ساتھ واسطہ اور ذو الواسطہ دونوں حقیقتاً متصف ہوتے ہیں، اس لئے ضروریات وصف کی حاجت دونوں کو رہتی ہے، جیسے تالا کھولنے میں ہاتھ اور چابی واسطہ ہیں اور دونوں حرکت کے ساتھ حقیقتاً متصف ہیں، پس دونوں میں حرکت کے ساتھ متصف ہونے کی صلاحیت اور قابلیت ضروری ہے، ہاتھ اگر شل ہو یا چابی وزنی ہو تو حرکت نہیں کر سکتی۔

اس تفصیل کے بعد جاننا چاہئے کہ نماز کی حقیقت و ماہیت قراءت ہے، قراءت ہی کے لئے نماز مشروع ہوئی ہے، اور دیگر ارکان رکوع و سجود، قیام و قعدہ وغیرہ حضوری دربار کے آداب ہیں، اب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ امام کو واسطہ فی العروض قرار دیتے ہیں، پس وصف قراءت کی حاجت صرف امام کو ہوگی مقتدیوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوگی، اور امام شافعی رحمہ اللہ امام کو واسطہ فی الثبوت مانتے ہیں پس وصف قراءت کی ضرورت امام و مقتدی دونوں کو ہوگی۔

امام اعظم رحمہ اللہ نے امام کو جو واسطہ فی العروض مانا ہے حضرت نانوتوی قدس سرہ نے اس کی پانچ دلیلیں بیان کی ہیں اور شرح میں میں نے پانچ دلیلیں اور بڑھائی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

۱- عربی کا قاعدہ ہے: جب مفرد کی اضافت جمع کی طرف کی جاتی ہے تو مضاف ایک ہوتا ہے اور مضاف الیہ متعدد، مثلاً: کتابھم (ان کی کتاب) ابوھم (ان کے والد) کتاب اور والد ایک ہیں اور مالک اور بیٹے متعدد ہیں، اور جب جمع کی اضافت جمع کی طرف کی جاتی ہے تو مضاف اور مضاف الیہ دونوں متعدد ہوتے ہیں، مثلاً: رَوَوْا عن آبائھم (انھوں نے اپنے باپوں سے روایت کیا) أخلوا أقلامھم (انھوں نے اپنے قلم لئے) اس میں ہر راوی کا والد الگ ہے اور ہر شخص کا قلم جدا ہے۔

غرض اضافت کی پہلی صورت میں جمع کے تمام افراد واحد (ایک چیز) میں شریک ہوتے ہیں اور دوسری صورت میں تقسیم الآحاد علی الآحاد ہوتی ہے —— اب تمام احادیث پر نظر ڈالئے اور عرف کو بھی دیکھ لیجئے سب جگہ صلوۃ الجماعۃ (جماعت کی نماز) کہا جاتا ہے کسی جگہ صَلَوَات الجماعۃ (جماعت کی نمازیں) نہیں کہا جاتا اس سے ثابت ہوا کہ کل جماعت کی نماز ایک ہے، جس کے ساتھ امام حقیقۃً اور بالذات متصف ہے اور مقتدی اس کے واسطہ سے مجازاً اور بالعرض متصف ہیں۔

۲- مشہور حدیث ہے کہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے سترہ ہے، انہیں علاحدہ سترہ گاڑنے کی ضرورت نہیں اور اس پر اجماع ہے، یہ مسئلہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام اور مقتدیوں کی نماز ایک (متحد) ہے۔

۳- ترمذی میں حدیث ہے الإمام ضامن امام مقتدیوں کی نماز کا ذمہ دار ہے، جس طرح ضمانت میں ضامن کے قرضہ ادا کرنے سے ضامن اور اصل مدیون دونوں بری ہو جاتے ہیں اور ضامن قرضہ ادا نہ کرے تو اصل مدیون پر بھی بار دین باقی

---

(۱) واسطہ فی الثبوت یہ ہے کہ واسطہ اور ذو الواسطہ دونوں حقیقۃً وصف کے ساتھ متصف ہوں مگر واسطہ اولاً متصف ہو اور ذو الواسطہ ثانیاً (بعد میں) متصف ہو، جیسے لکھنے والے کا ہاتھ اور قلم دونوں حرکت کے ساتھ متصف ہیں مگر ہاتھ پہلے اور قلم بعد میں متصف ہے۔

رہتا ہے، اسی طرح اگر امام کی نماز صحیح ہوجائے گی تو مقتدی کی نماز بھی صحیح ہوجائے گی، لیکن اگر امام کی نماز فاسد ہوجائے تو مقتدی کے ذمہ بھی نماز باقی رہ جائے گی۔

اور جس طرح ضامن کے قرضہ ادا کرنے سے وہ بری ہوجاتا ہے مگر اصل مدیون پر ضروری ہوتا ہے کہ اب وہ قرضہ بجائے قرض خواہ کے ضامن کو ادا کرے وہ بری نہیں ہوتا، بلکہ اس کا ذمہ مشغول رہتا ہے، اسی طرح جب مقتدی نے اقتداء کی نیت کی تو اب اس پر لازم ہے کہ نماز صحیح ادا کرے، اگر فاسد کردے گا تو اس کا ذمہ مشغول رہے گا لیکن امام جس نے نماز صحیح ادا کی ہے بری ہوجائے گا۔

بہرحال امام کو جب مقتدیوں کی نماز کا ضامن قرار دیا گیا تو جس طرح ضمانت میں اصل مدیون اور ضامن پر دین (قرضہ) متحد (ایک) ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی امام اور مقتدی کی نماز متحد (ایک) ہوگی، اور امام کی نماز کے فساد سے مقتدیوں کی نماز کا فاسد ہوجانا اس بات کی دلیل ہے کہ اصل نماز امام ہی کی ہے اور جس طرح سواری کی حرکت سوار کی طرف مجازاً منسوب ہوتی ہے امام کی نماز بھی مجازاً مقتدیوں کی طرف منسوب ہوگی، اور جس طرح سواری کے ٹھہرنے سے سوار کا ٹھہرنا ضروری ہے مگر سوار کے ٹھہرنے سے سواری کا ٹھہرنا ضروری نہیں اسی طرح امام کی نماز کے فساد سے سب کی نماز کا فساد ضروری ہے مگر مقتدیوں کی نماز کے فساد سے انہی کی نماز کا فساد ضروری ہوگا، امام کی نماز کا فساد لازم نہیں آئے گا۔

یہ بطور مثال میں نے تین دلیلیں ذکر کی ہیں، باقی دلیلیں: کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟ میں دیکھیں —— یہ دوسرے مسئلہ کا خلاصہ ہے اور یہ ساری بحث بخاری شریف سے غیر متعلق ہے کیونکہ امام بخاریؒ نے فاتحہ کا مسئلہ چھیڑا ہی نہیں، مگر میں نے بصیرت کے لئے یہ باتیں عرض کی ہیں۔

[۹۵-] بَابُ وُجُوْبِ الْقِرَاءَ ةِ لِلإِمَامِ وَالْمَأْمُوْمِ، فِيْ الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا: فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، وَمَا يُجْهَرُ فِيْهَا وَمَا يُخَافَتُ

[۷۵۵-] حدثنا مُوْسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: شَكَا أَهْلُ الْكُوْفَةِ سَعْدًا إِلَى عُمَرَ، فَعَزَلَهُ، وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ عَمَّارًا، فَشَكَوْا حَتَّى ذَكَرُوْا أَنَّهُ لاَ يُحْسِنُ يُصَلِّيْ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا أَبَا إِسْحَاقَ! إِنَّ هَؤُلاَءِ يَزْعُمُوْنَ أَنَّكَ لاَ تُحْسِنُ تُصَلِّيْ، قَالَ: أَمَّا أَنَا وَاللهِ! فَإِنِّيْ كُنْتُ أُصَلِّيْ بِهِمْ صَلاَةَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، مَا أَخْرِمُ عَنْهَا، أُصَلِّيْ صَلاَةَ الْعِشَاءِ فَأَرْكُدُ فِي الأُوْلَيَيْنِ، وَأُخِفُّ فِي الأُخْرَيَيْنِ. قَالَ: ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ يَا أَبَا إِسْحَاقَ! فَأَرْسَلَ مَعَهُ رَجُلاً أَوْ رِجَالاً إِلَى الْكُوْفَةِ، يَسْأَلُ عَنْهُ أَهْلَ الْكُوْفَةِ، وَلَمْ يَدَعْ مَسْجِدًا إِلاَّ سَأَلَ عَنْهُ، وَيُثْنُوْنَ عَلَيْهِ مَعْرُوْفًا، حَتَّى دَخَلَ مَسْجِدًا لِبَنِيْ عَبْسٍ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ، يُقَالُ لَهُ: أُسَامَةُ بْنُ قَتَادَةَ، يُكْنَى أَبَا سَعْدَةَ، قَالَ: أَمَّا إِذْ نَشَدْتَنَا فَإِنَّ سَعْدًا كَانَ لاَ

يَسِيْرُ بِالسَّرِيَّةِ، وَلَا يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ، وَلَا يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ: قَالَ سَعْدٌ: أَمَا وَاللّٰهِ! لَأَدْعُوَنَّ بِثَلَاثٍ: اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ عَبْدُكَ هٰذَا كَاذِبًا، قَامَ رِيَاءً وَسُمْعَةً، فَأَطِلْ عُمْرَهُ، وَأَطِلْ فَقْرَهُ، وَعَرِّضْهُ بِالْفِتَنِ، قَالَ: وَكَانَ بَعْدُ إِذَا سُئِلَ يَقُوْلُ: شَيْخٌ كَبِيْرٌ مَفْتُوْنٌ، أَصَابَتْنِيْ دَعْوَةُ سَعْدٍ، قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ: فَأَنَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ قَدْ سَقَطَ حَاجِبَاهُ عَلٰى عَيْنَيْهِ مِنَ الْكِبَرِ، وَإِنَّهُ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوَارِيْ فِي الطُّرُقِ يَغْمِزُهُنَّ. [انظر: ۷۵۸، ۷۷۰]

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوفہ والوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی، حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا۔ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا، پس کوفہ والوں نے شکایت کی (یہ فاء ترتیب ذکری کے لئے ہے) یہاں تک کہ انھوں نے یہ بھی شکایت کی کہ سعدؓ ٹھیک سے نماز نہیں پڑھاتے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کے پاس قاصد بھیج کر ان کو بلوایا، پس کہا: اے ابو اسحاق! یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپؓ ٹھیک سے نماز نہیں پڑھاتے، حضرت سعدؓ نے کہا: رہا میں تو بخدا! میں ان کو رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھاتا تھا، یعنی سنت کے مطابق نماز پڑھاتا تھا اس میں ذرا کمی نہیں کرتا تھا، میں شام کی نمازیں پڑھاتا ہوں (یہ عین کے زبر کے ساتھ عَشاء ہے عین کے زیر کے ساتھ عِشاء نہیں ہے آئندہ حدیث میں بھی یہ لفظ آرہا ہے اور کیلری میں العَشِیّ لکھا ہے، اس کے معنی ہیں: شام اور مراد ظہر وعصر ہیں) پس میں پہلی دو رکعتوں میں سوجاتا ہوں (یعنی پہلی دو رکعتیں لمبی پڑھاتا ہوں) اور آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا ہوں (آخری رکعتوں میں صرف فاتحہ ہے اس لئے وہ ہلکی ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابو اسحاق! آپ کے بارے میں میرا یہی گمان تھا کہ آپ سنت کے مطابق نماز پڑھاتے ہوں گے پھر حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو یا چند اشخاص کو حضرت سعدؓ کے ساتھ کوفہ بھیجا تاکہ وہ حضرت سعدؓ کے بارے میں کوفہ والوں سے پوچھے (انکوائری کرے) اور اس نے کوئی مسجد نہیں چھوڑی، مگر حضرت سعدؓ کے بارے میں پوچھا: اور سب لوگ ان کی تعریف کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ بنو عبس کی مسجد میں پہنچا، پس ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا جس کو اسامہ بن قتادہ کہا جاتا تھا اور جس کی کنیت ابو سعدہ تھی اس نے کہا: جب آپؓ نے ہمیں قسم دی ہے تو سنئے: سعد سریوں میں نہیں نکلتے، اور مال برابر تقسیم نہیں کرتے اور فیصلوں میں انصاف نہیں کرتے! حضرت سعدؓ نے کہا: سن، بخدا! میں ضرور تین دعائیں کروں گا: اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے، ناموری اور دکھاوے کے لئے کھڑا ہوا ہے (جو گورنر کی شکایت کرے گا اس کی شہرت ہوگی) پس لمبی فرما اس کی زندگی، اور لمبی فرما اس کی غریبی، اور اس کو فتنوں سے دوچار فرما! —— راوی کہتا ہے: پھر بعد میں جب اس سے حال پوچھا جاتا تو کہتا: ایک بہت بوڑھا فتنوں کا شکار! مجھے سعد کی بددعا لگ گئی ہے! عبدالملک کہتے ہیں: میں نے بعد میں اس کو دیکھا، بڑھاپے کی وجہ سے اس کی دونوں بھویں آنکھوں پر گر گئی تھیں اور وہ راستہ میں باندیوں کو چھیڑتا تھا، ان کے بازو دباتا تھا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ استدلال کرنا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرتے تھے، معلوم ہوا کہ ہر نماز میں خواہ سری ہو یا جہری قراءت ہے۔

[۷۵۶-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَاصَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ"

وضاحتیں:

۱- اس حدیث کا باب سے جوڑ یہ ہے کہ نفس قراءت اور قراءت فاتحہ کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہے، مطلق قراءت عام ہے اور قراءت فاتحہ خاص ہے، اور خاص کے ضمن میں عام پایا جاتا ہے، پس جس نے نماز میں فاتحہ پڑھی اس نے بالیقین قراءت کی، پس نماز میں قراءت کی فرضیت ثابت ہوئی، کیونکہ ائمہ ثلاثہ اور امام بخاریؒ کے نزدیک اعلی درجہ کی خبر واحد سے فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

سوال: اس حدیث سے تو فاتحہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، نفس قراءت کی فرضیت کس طرح ثابت ہوگی؟

جواب: اس حدیث سے نماز میں فاتحہ کی ضرورت علی وجہ الترديد ثابت ہوتی ہے، کیونکہ حدیث کا ترجمہ ہے: "اس شخص کی نماز نہیں جو فاتحہ بھی نہ پڑھے" یعنی فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھنا ضروری ہے۔ پس احد الامرین کی فرضیت ثابت ہوگی اور ضمناً ہر ایک کا وجوب ثابت ہوگا[1]

علاوہ ازیں: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث میں فصاعداً کی زیادتی بھی مروی ہے، یہ روایت مسلم (۱۶۹:۱ باب وجوب قراء ۃ الخ) میں ہے، لہٰذا حدیث سے نفس قراءت کی فرضیت ثابت ہوگی، جس کا تحقق دو چیزوں کے ضمن میں ہوگا، اور حدیث کے ترجمہ میں "بھی" بڑھانا ضروری ہوگا، تاکہ فصاعداً کا مفہوم حدیث میں شامل ہوجائے۔

[۷۵۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى، فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَرَدَّ، وَقَالَ: "ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ" فَرَجَعَ فَصَلّٰى كَمَا صَلّٰى، ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ" ثَلَاثًا. فَقَالَ: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! مَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ، فَعَلِّمْنِيْ، فَقَالَ: "إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، وَافْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلَاتِكَ كُلِّهَا" [انظر: ۷۹۳، ۶۲۵۱، ۶۶۶۷]

(۱) تحفۃ الالمعی (۱۱۵:۲) میں ہے: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے مقتدی پر فاتحہ کی فرضیت ثابت کی ہے، یہ بات شہرت کی بناء پر کہی گئی ہے، اصل بات یہاں ہے، اس باب کا مقتدی کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، اس باب سے نماز میں مطلق قراءت کی فرضیت ثابت کی ہے ۱۲

وضاحت:

۱- حدیث کا ترجمہ واضح ہے، اور تقریر کے ضمن میں آ بھی چکا ہے اور ثم اقرا ما تیسر من القرآن سے استدلال ہے کہ نماز میں مطلق قراءت فرض ہے، بالخصوص فاتحہ فرض نہیں، اگر فاتحہ فرض ہوتا تو آپ فرض کو چھوڑ کر غیر فرض کی تعلیم نہ دیتے...... حتی تطمئن راکعا: جب اتنا جھکے کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں تو رکوع ہو گیا، پھر رکوع میں ٹھہرنا بھی مطلوب ہے، اس لئے تین بار تسبیح کا حکم دیا......... حتی تعتدل قائما: اعتدال کے معنی ہیں: سیدھا کھڑا ہونا، رکوع میں ٹھہرنا مطلوب ہے اس لئے تطمئن فرمایا، اور قومہ میں ٹھہرنا مطلوب نہیں اس لئے تعتدل فرمایا، جب رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا، بدن ڈھیلا کر دیا اور ہر ہڈی اس کی جگہ میں سیٹ ہو گئی تو قومہ ہو گیا، اب سجدہ کر سکتا ہے، اسی لئے قومہ میں کوئی ذکر مشروع نہیں کیا، اور تسمیع وتحمید انتقال کے اذکار ہیں......... ثم ارفع حتی تطمئن جالسا: یہاں بھی تعتدل ہونا چاہئے تھا راوی نے تعبیر بدل دی ہے۔

۲- تعدیل ارکان یعنی رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ باطمینان ادا کرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض ہے اور احناف کے نزدیک واجب یا سنت مؤکدہ اشد تاکید (واجب جیسی سنت) ہے ائمہ ثلاثہ نے مسئلہ کا مدار اس پر رکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے حضرت خلاد رضی اللہ عنہ کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اور احناف کہتے ہیں: اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ نے نماز کا طریقہ سکھلایا پھر فرمایا: "جب تم نے اس طرح نماز پڑھی تو تمہاری نماز مکمل ہو گئی اور اگر تم نے اس میں کمی کی تو تمہاری نماز میں کمی رہی" حضرت رفاعہ (راوی حدیث) کہتے ہیں: یہ ارشاد صحابہ کے لئے پہلے ارشاد کی بہ نسبت آسان رہا، یعنی تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے جب نبی ﷺ نے بار بار نماز لوٹوائی تو صحابہ سہم گئے اور آخری ارشاد سے معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان میں کمی کرنے سے نماز میں نقص پیدا ہوگا، اس سے صحابہ کو اطمینان ہوا (ترمذی حدیث ۲۹۹)

حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے فرمایا: ائمہ ثلاثہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے جس کو سن کر صحابہ سہم گئے تھے، اور حنفیہ کا استدلال اس ارشاد سے ہے جس کی وجہ سے صحابہ کو اطمینان ہوا تھا: ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا؟ شیخ الہند قدس سرہ کا یہ قول فتح الملہم شرح مسلم میں ہے۔

> غیر مقلدین فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ کے باب سے استدلال کریں تو کہو: باب میں فاتحہ کا ذکر کہاں ہے؟ اس میں تو قراءت کی فرضیت کا بیان ہے، جو احناف کا مسلک ہے۔ اور اگر دوسری حدیث میں جو مَن ہے اس کے عموم سے استدلال کریں تو کہو: حدیث میں مقتدی کا ذکر کہاں ہے؟ اور عموم سے استدلال باطل ہے، ورنہ ﴿مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ میں مَا کے عموم سے بہن اور بیٹی کے نکاح کے جواز کا قائل ہونا پڑے گا۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ

ظہر میں قراءت کا بیان

جزل باب کے بعد اب ذیلی ابواب شروع ہورہے ہیں۔ سلف میں چند حضرات گذرے ہیں، جیسے سوید بن غفلہ، حسن بن صالح اور ابراہیم بن علیہ وغیرہ، یہ حضرات ظہر اور عصر میں قراءت کے قائل نہیں تھے۔ اس باب میں ان کی تردید ہے، ظہر اور عصر میں بھی قراءت ہے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ والوں نے ان کی شکایت کی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: میں شام کی نمازوں میں یعنی ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سوجاتا ہوں یعنی لمبی قراءت کرتا ہوں، معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر میں بھی قراءت ہے، مگر یہ اختلاف پہلے تھا اب امت کا اجماع ہے کہ ظہر اور عصر میں بھی قراءت ہے۔

[۹۶-] بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ

[۷۵۸-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ سَعْدٌ: كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلَاةَ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم صَلَاتَيِ الْعَشَاءِ، لَا أَخْرِمُ عَنْهَا، كُنْتُ أَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ، وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، فَقَالَ عُمَرُ: ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ. [راجع: ۷۵۵]

وضاحت: یہ حدیث گذشتہ باب میں تفصیل سے گذری ہے۔ اور العشاء: عین کے زبر کے ساتھ ہے، اور کیلری میں العَشِيّ ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میرا آپؓ کے بارے میں یہی گمان تھا کہ آپؓ سنت کے مطابق نماز پڑھاتے ہونگے، اس سے ظہرین میں قراءت ثابت ہوئی۔

[۷۵۹-] حدثنا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، يُطَوِّلُ فِي الْأُولَى وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ، وَيُسْمِعُ الْآيَةَ أَحْيَانًا، وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الْأُولَى، وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ، وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ.

[انظر: ۷۶۲، ۷۷۶، ۷۷۸، ۷۷۹]

وضاحت: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث یہاں پہلی بار آئی ہے، اور آئندہ چار جگہ آئے گی، اس میں خاص بات سمجھنے کی یہ ہے کہ فرائض کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت ہے، فاتحہ بھی پڑھنی ہے اور سورت بھی ملانی ہے، مگر پچھلی رکعتوں میں قراءت نہیں ہے، سورت تو بالکل نہیں ملانی اور فاتحہ سنت ہے۔ اگر کوئی فاتحہ نہ پڑھے، تکبیر وتہلیل اور تسبیح کرے یا خاموش کھڑا رہے تو بھی نماز ہوجائے گی، یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ اور یہ مضمون حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت (حدیث ۷۷۶)

میں آرہا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کی حقیقت و ماہیت قراءت قرآن ہے، اور قراءت عرض و معروض کا نام ہے، سورۂ فاتحہ میں عرضی ہے ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ پھر قرآن میں سے پڑھا جاتا ہے، یہ اس عرضی کا جواب ہے اور فرض کی پچھلی رکعتوں میں عرضی کا جواب سننا یعنی سورت ملانا واجب نہیں، پس عرضی پیش کرنا یعنی سورۂ فاتحہ پڑھنا بھی واجب نہیں۔

قولہ: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الرکعتین الأولیین: یہی باب ہے کہ ظہر میں قراءت ہے، پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ بھی پڑھنی ہے اور سورت بھی ملانی ہے، اسی طرح عصر میں بھی قراءت ہے فاتحہ اور سورت دونوں واجب ہیں۔

قولہ: یطول فی الأولی: شیخین (ابو حنیفہ و ابو یوسف) رحمہما اللہ کے نزدیک فجر میں پہلی رکعت دوسری سے لمبی کرنا اور باقی نمازوں میں دونوں رکعتیں مساوی رکھنا مسنون ہے، فجر کا وقت غفلت کا وقت ہے اس لئے پہلی رکعت لمبی کرنی چاہئے، تاکہ لوگ پہلی رکعت میں شامل ہو جائیں۔ اور امام محمد اور باقی ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک تمام نمازوں میں پہلی رکعت دوسری رکعت سے لمبی کرنا مسنون ہے، ان کی دلیل حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث ہے اور شیخین کی دلیل حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ ظہر کی دونوں رکعتوں میں تیس تیس آیتوں کے بقدر تلاوت فرماتے تھے (مسلم ۲:۱۷۲، مصری، القراءۃ فی الظہر والعصر) معلوم ہوا کہ نبی ﷺ فجر کے علاوہ نمازوں میں دونوں رکعتیں مساوی رکھتے تھے۔

قولہ: ویسمع الآیۃ أحیانا: آنحضور ﷺ ظہر و عصر میں گاہ بہ گاہ ایک آیت جہراً پڑھتے تھے، تاکہ صحابہ جان لیں کہ آپ کونسی سورت پڑھ رہے ہیں، تاکہ قراءت کی مقدار کا اندازہ ہو جائے، پس یہ حدیث ہے سنت نہیں، کیونکہ یہ عمل خاص وجہ سے کیا جاتا تھا، چنانچہ اب کوئی امام سری نماز میں کوئی آیت زور سے نہیں پڑھتا۔

[۷۶۰-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عُمَارَةُ، عَنْ أَبِيْ مَعْمَرٍ، قَالَ: سَأَلْنَا خَبَّابًا: أَكَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْرِفُوْنَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ. [راجع: ۷۴۶]

وضاحت: یہ حدیث بھی پہلے گذر چکی ہے، اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ ظہر و عصر میں قراءت ہے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعَصْرِ

عصر میں قراءت کا بیان

یہ بھی ذیلی باب ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سری نمازوں میں قراءت کے سلسلہ میں مختلف اقوال

مروی ہیں، شروع میں آپؓ سری نمازوں میں قراءت کا انکار کرتے تھے، پھر تردد ہوا، اور آخر میں اقرار پر معاملہ ٹھہرا۔ یعنی آپؓ کا آخری قول سری نمازوں میں قراءت کے وجوب کا ہے۔

جب کسی بڑے آدمی کی مختلف زمانوں کی مختلف رائیں ہوتی ہیں تو پہلے زمانہ کے طالب علم پہلی رائے لے کر جاتے ہیں، اور اسی کو آگے بڑھاتے ہیں، مگر وہ رائے کچھ عرصہ تک چلتی ہے، پھر جب آخری رائے لوگوں کے سامنے آتی ہے تو پہلی رائے ختم ہوجاتی ہے، جیسے حضرت ابن عباسؓ شروع میں متعہ کو جائز کہتے تھے، بعد میں حضرت نے رجوع کیا، مگر جو تلامذہ پہلے پڑھ کر گئے تھے وہ پہلی رائے بیان کرتے تھے، پھر آخری رائے پر معاملہ ٹھہر گیا۔

[۹۷-] بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعَصْرِ

[۷۶۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، قُلْتُ لِخَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ: أَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ قِرَاءَتَهُ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ. [راجع: ۷۴۶]

[۷۶۲-] حدثنا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ سُورَةٍ، وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا. [راجع: ۷۵۹]

وضاحت: یہ دونوں حدیثیں ابھی گذری ہیں اور استدلال واضح ہے کہ نبی ﷺ سری نمازوں میں بھی قراءت کرتے تھے، پس معلوم ہوا کہ عصر کی نماز میں بھی قراءت ہے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ

مغرب کی نماز میں قراءت کا بیان

چاروں ائمہ متفق ہیں کہ فجر وظہر میں طوال مفصل، عصر وعشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا مسنون ہے۔ البتہ ظہر میں اوساط مفصل اور عصر میں قصار مفصل کا بھی قول ہے، سورۂ ق سے سورۂ بروج تک طوال مفصل ہیں، پھر سورۂ زلزال تک اوساط مفصل، اور آخر تک قصار مفصل، یہ مشہور قول ہے، اس کے علاوہ دس گیارہ اقوال اور بھی ہیں، تفصیل علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی الاتقان میں ہے۔

اور طوال، اوساط اور قصار پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مقدار پڑھے یعنی پورے قرآن میں سے فجر وظہر میں طوال مفصل کے بقدر، عصر وعشاء میں اوساط مفصل کے بقدر، اور مغرب میں قصار مفصل کے بقدر پڑھے، یہ مطلب نہیں کہ

نمازوں میں تلاوت صرف مفصلات کی کی جائے، باقی قرآن مہجور کردیا جائے۔ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین ہر جگہ سے پڑھتے تھے۔

البتہ بے جوڑ نہیں پڑھنا چاہئے، عجمی ائمہ کو اس کا پتہ نہیں چل سکتا، اس لئے قرآن میں رکوع لگائے گئے ہیں۔ پس ایک رکعت میں یا کم از کم دو رکعتوں میں پورا رکوع پڑھنا چاہئے۔

اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ مغرب میں طویل قراءت کی بھی گنجائش ہے، نبی ﷺ نے گاہ بہ گاہ مغرب میں طویل قراءت کی ہے، مگر اس کا معمول نہیں تھا، آپؐ نے جو آخری مغرب کی نماز پڑھائی ہے اس میں والمرسلات پڑھی ہے، معلوم ہوا کہ مغرب میں طویل قراءت کا جواز ہے اور یہ جواز مستمر ہے منسوخ نہیں۔ پس یہ طویل قراءت بیانِ جواز کے لئے تھی، اور یہ حدیث ہے، احناف کے نزدیک سنت نہیں۔

مروان بن الحکم جب مدینہ کا گورنر تھا تو مغرب میں قصار مفصل پڑھتا تھا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: آپ ہمیشہ مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھتے ہیں؟ نبی ﷺ نے دو لمبی سورتوں میں سے ایک لمبی سورت مغرب میں پڑھی ہے یعنی سورۂ انعام اور سورۂ اعراف میں سے سورۂ اعراف مغرب میں پڑھی ہے۔ معلوم ہوا کہ مغرب میں لمبی سورتیں پڑھنے کا جواز ہے مگر اس کا معمول نہیں تھا، لہٰذا اگر کوئی کبھی پڑھے تو کچھ حرج نہیں۔

احناف اس طرح کی احادیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ سورۂ اعراف اور سورۂ والمرسلات میں سے قصار مفصل کے بقدر پڑھا ہوگا، مگر امام بخاری رحمہ اللہ کا دعوی یہ ہے کہ لمبی قراءت بھی نبی ﷺ سے مغرب میں ثابت ہے مگر معمول نہیں تھا، پس جواز ثابت ہوا اور یہ جواز مستمر ہے، البتہ مسنون قصار مفصل کے بقدر پڑھنا ہے۔

[۹۸-] بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ

[۷۶۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أُمَّ الْفَضْلِ سَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقْرَأُ ﴿وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا﴾ فَقَالَتْ: وَاللّٰهِ يَا بُنَيَّ لَقَدْ ذَكَّرْتَنِيْ بِقِرَاءَةِ تِلْكَ هٰذِهِ السُّوْرَةَ، إِنَّهَا لَآخِرُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، يَقْرَأُ بِهَا فِي الْمَغْرِبِ. [انظر: ۴۴۲۹]

ترجمہ: ایک مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مغرب کی نماز پڑھائی اور اس میں (دونوں رکعتوں میں) والمرسلات پڑھی، پیچھے عورتوں میں ابن عباسؓ کی والدہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا بھی تھیں نماز کے بعد انھوں نے کہا: بیٹے! تم نے مجھے نبی ﷺ کا زمانہ یاد دلا دیا۔ آپؐ نے آخری نماز مغرب کی نماز پڑھائی ہے اور اس میں سورۂ والمرسلات پڑھی ہے ...... لقد ذَكَّرْتَنِيْ: أي ذَكَّرْتَنِيْ بقراءة تلك هذه السورةَ زمنَ رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

روایات میں تعارض اور تطبیق:

حضرت ام الفضلؓ کا بیان یہ ہے کہ نبی ﷺ نے آخری نماز مغرب کی پڑھائی ہے اور پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گذری ہے کہ آپؐ نے آخری نماز ظہر کی پڑھائی ہے، علماء نے اس تعارض کو مختلف طرح سے حل کیا ہے، مثلاً:

۱- حضرت ام الفضل کی روایت میں آپ کی مسلسل امامت والی آخری نماز مراد ہے، پہلے یہ بات گذری ہے کہ مرض وفات بدھ کے دن سر کے درد سے شروع ہوا تھا اور جمعرات کی عشاء کی نماز سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امامت شروع کی تھی، پس آپ کی مسلسل امامت کی آخری نماز مغرب ہوئی اور ظہر میں آپؐ مرض کے دوران تشریف لائے تھے۔

۲- ام الفضلؓ کی مراد وہ آخری نماز ہے جو آپؐ نے شروع سے آخر تک پوری پڑھائی، اور ظہر کی نماز آپؐ نے درمیان سے خلیفہ بن کر پڑھائی تھی —— اس کے علاوہ اور طرح بھی تطبیق دی گئی ہے جو فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہیں۔

[۷٦٤-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، قَالَ: قَالَ لِيْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: مَالَكَ تَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارٍ، وَقَدْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ بِطُوْلَى الطُّوْلَيَيْنِ؟

ترجمہ: حضرت زیدؓ نے مروان سے کہا: کیا بات ہے آپ مغرب میں قصار مفصل پڑھتے ہیں حالانکہ میں نے نبی ﷺ کو دو لمبی سورتوں میں سے زیادہ لمبی سورت پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

وضاحت: طُوْلَى، اطول کا مؤنث ہے، اور طولیین طولی کا تثنیہ ہے۔ دو لمبی سورتوں سے کونسی سورتیں مراد ہیں؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں راجح قول سورۂ انعام اور سورۂ اعراف کا ہے، اور ابوداؤد کی روایت میں سورۂ اعراف کی تعیین ہے کہ آپؐ نے مغرب کی نماز میں سورۂ اعراف پڑھی تھی۔

بَابُ الْجَهْرِ فِي الْمَغْرِبِ

مغرب میں جہری قراءت ہے

جاننا چاہئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ابواب کا مقصد ہمیشہ کسی پر رد کرنا ہی نہیں ہوتا نیز مسائل خفیہ کا بیان ہی نہیں ہوتا، بلکہ امام بخاریؒ کے پیش نظر پوری شریعت کا بیان ہوتا ہے، پس بعض مسائل اگرچہ بدیہی ہوتے ہیں لیکن وہ بھی شریعت کا جزء ہوتے ہیں اس لئے امام بخاریؒ اس سلسلہ میں بھی باب قائم کرتے ہیں، تا کہ سلف سے خلف کو ساری فقہ اور سارا دین پہنچے۔

یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مغرب میں جہری قراءت ہونا بدیہی امر ہے پھر اس پر باب قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ امام بخاری کے پیش نظر سارا دین اور ساری فقہ پیش کرنا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جب مغرب

کی قراءت کاذکرآیاکہ مغرب میں لمبی قراءت بھی ہوئی ہے اوروہ لمبی قراءت نبی ﷺ کی آخری زندگی تک رہی ہے تواس سلسلہ کی اورحدیثیں بھی لائی تھیں اس لئے افادۂ مزید کے لئے نیاباب قائم کردیا،امام بخاریؒ کی عادت ہے کہ ایک باب کے تحت متعدد حدیثیں نہیں لاتے،نئے عنوان سے لاتے ہیں،تاکہ افادہ مزید ہوجائے۔

[۹۹-] بَابُ الْجَهْرِ فِي الْمَغْرِبِ

[۷۶۵-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَرَأَ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ. [انظر: ۳۰۵۰، ۴۰۲۳، ۴۸۵۴]

بَابُ الْجَهْرِ فِي الْعِشَاءِ

عشاء میں جہری قراءت ہے

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز پڑھائی اوراس میں سورۃ انشقاق پڑھی،اورسجدۂ تلاوت کیا، ابورافع رحمہ اللہ نے پوچھا: آپؓ نے سجدہ کیوں کیا؟ ابوہریرہؓ نے جواب دیا: میں نے نبی ﷺ کے پیچھے اس سورت میں سجدہ کیا ہے،اس لئے میں نے سجدہ کیااورمیں برابرسجدہ کرتارہوں گایہاں تک کہ میری آنحضور ﷺ سے ملاقات ہوجائے۔

تشریح: امام مالک رحمہ اللہ مفصلات کے سجدے یعنی سورۃ النجم،سورۃ الانشقاق اورسورۃ العلق کے سجدے نہیں مانتے،وہ کہتے ہیں: ہجرت کے بعد یہ سجدے منسوخ ہوگئے تھے،اوریہ امام مالک رحمہ اللہ کی اپنی رائے نہیں ہے،سلف سے یہ رائے چلی آرہی ہے،ائمہ کی جتنی رائیں ہیں تقریباً سب اوپر سے آئی ہیں،ائمہ نے وہ رائیں پیدانہیں کیں،سلف میں ایک رائے یہ تھی کہ مفصلات کے سجدے منسوخ ہیں،اس لئے ابورافع نے سوال کیا،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس رائے کی تردید کی کہ میں ۷ ہجری میں مسلمان ہواہوں،اورمیں نے نبی ﷺ کے پیچھے اس سورت میں سجدہ کیاہے،معلوم ہواکہ نسخ کی بات صحیح نہیں۔

غرض حضرت ابوہریرہؓ نے عشاء کی نماز میں جہراً قراءت کی اورحضرت براء رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سفرمیں عشاء کی کسی ایک رکعت میں والتین تلاوت فرمائی،معلوم ہواکہ عشاء میں جہری قراءت ہے۔

[۱۰۰-] بَابُ الْجَهْرِ فِي الْعِشَاءِ

[۷۶۶-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ، فَقَرَأَ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ، فَقُلْتُ لَهُ، قَالَ: سَجَدْتُ خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ صلى الله

عليه وسلم، فَلاَ أَزَالُ أَسْجُدُ بِهَا حَتّٰى أَلْقَاهُ. [انظر: ٧٦٨، ١٠٧٤، ١٠٧٨]

[٧٦٧-] حدثنا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيٍّ، قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ فِي سَفَرٍ، فَقَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِـ﴿التِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾ [انظر: ٧٦٩، ٤٩٥٢، ٧٥٤٦]

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ بِالسَّجْدَةِ

عشاء کی نماز میں آیتِ سجدہ پڑھنا

فرائض میں ایسی سورت پڑھنا جس میں سجدۂ تلاوت ہے: جائز ہے، اور حضور ﷺ سے ثابت ہے، امام مالک رحمہ اللہ سے کراہیت کا قول مروی ہے ان کے نزدیک فرائض میں سجدہ والی سورت نہیں پڑھنی چاہئے، امام بخاریؒ ان پر رد کررہے ہیں کہ فرائض میں سجدہ والی سورت پڑھنا ثابت ہے اور اس میں کوئی کراہیت نہیں۔

[١٠١-] بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ بِالسَّجْدَةِ

[٧٦٨-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: ثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: ثَنَا التَّيْمِيُّ، عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ، فَقَرَأَ: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ، فَقُلْتُ: مَا هٰذِهِ؟ قَالَ: سَجَدْتُ فِيهَا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ صلى الله عليه وسلم، فَلاَ أَزَالُ أَسْجُدُ فِيهَا حَتّٰى أَلْقَاهُ. [راجع: ٧٦٦]

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ

عشاء میں قراءت کا بیان

اس باب میں مقدار قراءت کا مسئلہ ہے، پہلے بتایا ہے کہ فجر وظہر میں طوال مفصل، عصر وعشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل مسنون ہیں، اور ظہر میں اوساط مفصل اور عصر میں قصار مفصل کا بھی ایک قول ہے۔

[١٠٢-] بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ

[٧٦٩-] حدثنا خَلاَّدُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: ثَنَا مِسْعَرٌ، قَالَ: ثَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ، أَنَّهُ سَمِعَ الْبَرَاءَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾ وَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ أَوْ: قِرَاءَةً. [راجع: ٧٦٧]

حدیث: حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عشاء کی نماز میں آپؐ سے والتین سنی، اتنی شاندار آواز میں آپؐ

نے پڑھی کہ میں نے اتنی شاندار آواز میں کسی اور سے نہیں سنی (والتین اوساط مفصل میں سے ہے)

بابٌ: يُطَوِّلُ فِي الْأُولَيَيْنِ، وَيَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ

پہلی دو رکعتیں دراز کرے، اور پچھلی دو رکعتیں مختصر کرے

دراز کرے: یعنی فاتحہ کے ساتھ سورت ملائے، اور حَذْفُ الشيئ کے معنی ہیں: کنارہ کی طرف سے کاٹنا یعنی سورت نہ ملائے۔ اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ فرائض کی پہلی دو رکعتیں پچھلی دو رکعتوں کی بہ نسبت دراز ہونگی، پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملائی ہے اس لئے وہ دراز ہونگی، اور پچھلی رکعتوں میں سورت نہیں ملائی، صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا ہے اس لئے وہ مختصر ہونگی، اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

[۱۰۳-] بابٌ: يُطَوِّلُ فِي الْأُولَيَيْنِ، وَيَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ

[۷۷۰-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي عَوْنٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ لِسَعْدٍ: لَقَدْ شَكَوْكَ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الصَّلَاةِ، قَالَ: أَمَّا أَنَا فَأَمُدُّ فِي الْأُولَيَيْنِ، وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، وَلَا آلُو مَا اقْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ صَلَاةِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: صَدَقْتَ، ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ، أَوْ: ظَنِّي بِكَ. [راجع: ۷۵۵]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: (کوفہ والوں نے) آپ کی ہر چیز میں شکایت کی یہاں تک کہ نماز کی بھی، حضرت سعدؓ نے کہا: رہا میں تو میں پہلی دو رکعتوں کو لمبا کرتا ہوں اور آخری دو رکعتوں میں اختصار کرتا ہوں، اور کوتاہی نہیں کرتا اس سے جس طرح میں نے نبی ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: سچ کہا آپ نے، آپ کے بارے میں یہی گمان ہے، یا فرمایا: آپ کے بارے میں میرا یہی گمان ہے۔

لغت: أَلَا يَأْلُوْ (ن) أَلْوًا: کوتاہی کرنا، کہا جاتا ہے: لَمْ يَأْلُ جُهْدًا: اس نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

بابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ

فجر میں قراءت کا بیان

فجر میں طوال مفصل مسنون ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے حجۃ الوداع میں طواف کے دوران لسانِ نبوت سے سورۂ طور سنی، آپ فجر پڑھا رہے تھے، سورۂ طور طوال مفصل میں سے ہے، یہ حدیث پہلے گذری ہے اور اس حدیث پر جو اشکال ہے وہ بھی گذرا ہے (دیکھئے: تحفۃ القاری ۲: ۲۸۹ حدیث: ۴۶۴)

[۱۰۴-] بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ

وَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: قَرَأَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالطُّورِ.

[۷۷۱-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَيَّارُ بْنُ سَلَامَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ، فَسَأَلْنَاهُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَوَاتِ، فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي الظُّهْرَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ، وَالْعَصْرَ وَيَرْجِعُ الرَّجُلُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ. وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، وَلَا يُبَالِي بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا، وَلَا الْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَيُصَلِّي الصُّبْحَ وَيَنْصَرِفُ الرَّجُلُ فَيَعْرِفُ جَلِيسَهُ، وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ أَوْ: إِحْدَاهُمَا مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ. [راجع: ۵۴۱]

وضاحت: اس حدیث میں کئی مسئلے ہیں تفصیل کتاب مواقیت الصلوۃ میں گذر چکی ہے (دیکھئے: تحفۃ القاری ۴۰۳:۲، باب ۱۱، ۴۲۸:۲، باب ۲۳، ۴۵۸:۲، باب ۳۹) اور یہاں استدلال یہ ہے کہ آپ ﷺ فجر میں ساٹھ سے سو آیتیں تلاوت فرماتے تھے یعنی بڑی آیتیں ساٹھ اور چھوٹی آیتیں سو اور متوسط آیتیں ان کے درمیان تلاوت فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ فجر میں اتنی قراءت مسنون ہے۔

[۷۷۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: فِي كُلِّ صَلَاةٍ يُقْرَأُ، فَمَا أَسْمَعَنَا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَسْمَعْنَاكُمْ، وَمَا أَخْفَى عَنَّا أَخْفَيْنَا عَنْكُمْ، وَإِنْ لَمْ تَزِدْ عَلَى أُمِّ الْقُرْآنِ أَجْزَأَتْ، وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہر نماز میں قراءت کی جائے گی، پس جن نمازوں میں نبی ﷺ نے ہمیں سنایا ہم بھی تمہیں سناتے ہیں، یعنی جن نمازوں میں نبی ﷺ نے جہراً قراءت فرمائی ہم بھی جہراً قراءت کرتے ہیں اور جن نمازوں میں آپؐ نے ہم سے چھپایا ہم بھی تم سے چھپاتے ہیں یعنی جن نمازوں میں نبی ﷺ نے سراً قراءت کی ہے ہم بھی سراً قراءت کرتے ہیں اور اگر تم فاتحہ سے زیادہ نہ پڑھو تو کافی ہے اور اگر زیادہ پڑھو تو وہ بہتر ہے۔

تشریح: یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، کسی نے سوال کیا تھا کہ دو نمازیں سری اور تین نمازیں جہری کیوں ہیں؟ حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا: جو نمازیں نبی ﷺ نے جہراً پڑھائی ہیں ہم بھی جہراً پڑھاتے ہیں اور جو نمازیں نبی ﷺ نے سراً پڑھائی ہیں ہم بھی سراً پڑھاتے ہیں۔

واقعہ: ٹورنٹو میں ایک نوجوان نے مجھ سے یہی سوال کیا کہ تین نمازیں جہری اور دو نمازیں سری کیوں ہیں؟ میں نے اس کو یہ حدیث سنائی کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے، پھر میں نے اس سے پوچھا: بتا حضرت ابوہریرہؓ

وجہ جانتے تھے یا نہیں؟ اگر تیرا خیال ہے کہ نہیں جانتے تھے تو کیا میرا علم حضرت ابو ہریرہؓ سے بڑھا ہوا ہے کہ تو مجھ سے یہ سوال کرتا ہے؟ اور اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ وجہ جانتے تھے مگر سائل کا علمی مستوی اتنا بلند نہیں تھا کہ وہ اس سوال کا جواب سمجھ سکتا، اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ نے وجہ نہیں بتائی، پس کیا تیرا علمی مستوی حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگردوں سے بڑھا ہوا ہے؟ وہ خاموش ہو گیا، پھر میں نے اس سے پوچھا: تیری شادی ہوئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے پوچھا: تم میاں بیوی گپ کب کرتے ہو، دن میں یا رات میں؟ وہ کہنے لگا: رات میں کرتے ہیں، دن میں تو ضروری بات چیت کرتے ہیں، میں نے کہا: آپ کے سوال کا یہی جواب ہے۔ دن کے مزاج میں انقباض ہے اور رات کے مزاج میں انبساط، چنانچہ دنیا میں جتنی محفلیں اور مشاعرے ہوتے ہیں: سب رات میں ہوتے ہیں، رات کے مزاج میں انبساط ہے، گانے بجانے کو خوب جی چاہتا ہے، اس لئے رات کی نمازیں جہری ہیں اور دن کی نمازیں سری۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ دن میں شور وشغب ہوتا ہے اگر مجمع بڑا ہو تو لوگوں کو کیسے قراءت سنائیں گے؟ اور رات میں سناٹا چھا جاتا ہے، قرآن پڑھا جائے تو سارا مجمع سنے گا، ان وجوہ سے دن کی نمازیں سری اور رات کی نمازیں جہری ہیں۔

وہ کہنے لگا: پھر جمعہ اور عیدین میں جہری قراءت کیوں ہے؟ میں نے کہا: تمہارے ملک میں زفاف رات ہی میں ہوتا ہے یا دن میں بھی ہوتا ہے؟ یورپ وامریکہ میں دن میں بھی رخصتی ہوتی ہے، میاں بیوی پہلی بار دن میں ملتے ہیں۔ اس نے جواب دیا: کبھی دن میں بھی رخصتی ہوتی ہے، میں نے کہا: یہ آپ کے سوال کا جواب ہے، جمعہ اور عیدین خاص مواقع ہیں اور خاص موقعوں کی بات الگ ہے، نئی شادی ہوتی ہے، دوپہر میں بیوی رخصت ہو کر آتی ہے اس خاص موقع پر دن میں بھی انبساط ہو جاتا ہے اور میاں بیوی گھنٹوں گپ کرتے ہیں، اسی طرح جمعہ اور عیدین خاص مواقع ہیں صبح سے لوگ تیاری کرتے ہیں، نہا دھو کر صاف ستھرے یا نئے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر بڑے مجمع میں حاضر ہوتے ہیں تاکہ دوگانہ ادا کریں، مجمع کے بڑے ہونے سے بھی طبیعت میں انبساط پیدا ہوتا ہے، اور بازاروں میں شور وشغب نہیں رہتا لوگ جمعہ کے وقت اور عیدین میں کاروبار بند کر دیتے ہیں، اس لئے مجمع کو قرآن سنانا ممکن ہوتا ہے، ان وجوہ سے جمعہ اور عیدین میں جہری قراءت ہے۔

حدیث میں دوسرا مسئلہ:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: نماز کی ہر رکعت میں قراءت ہے لیکن فاتحہ ضروری ہے اور سورت میں اختیار ہے ملائیں سبحان اللہ، نہ ملائیں کوئی بات نہیں۔ ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں، ان کے نزدیک فرض کی ہر رکعت میں فاتحہ فرض ہے اور پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانا سنت ہے، اور آخری رکعتوں میں سنت نہیں، حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ قول ان کی دلیل ہے۔

اور احناف کہتے ہیں: صحابی کا قول اگر حدیث مرفوع کے خلاف ہو تو اس کو نہیں لیا جاتا، خود حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی

ہے: لاصلوٰۃ إلا بقراء ۃ فاتحہ الکتاب فمازاد (ابوداؤد ۱:۱۸ باب من ترک القراء ۃ) اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فصاعداً بھی ہے، یہ حدیث مسلم شریف (۱:۱۶۹ باب وجوب قراء ۃ إلخ) میں ہے، ان احادیث کا مفاد یہ ہے کہ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا ضروری ہے اور حضرت ابوقتادہؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ صرف پہلی دو رکعتوں میں سورت ملاتے تھے (حدیث ۷۷۶) آخری دو رکعتوں میں نہیں ملاتے تھے، کیونکہ جب عرضی کا جواب سننا ضروری نہیں تو عرضی گذارنا بھی ضروری نہیں کما تقدم، اس لئے آخری رکعتوں میں فاتحہ بھی سنت ہے۔

بَابُ الْجَهْرِ بِقِرَاءَةِ صَلاَةِ الْفَجْرِ

فجر کی نماز میں جہراً قراءت کرنا

فجر میں قراءت جہری ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے طواف کرتے ہوئے لسانِ نبوت سے سورۂ طور سنی ہے، آپ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ اور باب میں ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے، اس میں ایک واقعہ ہے کہ نبی پاک ﷺ چند صحابہ کے ساتھ عکاظ نامی بازار میں تشریف لے جا رہے تھے، تاکہ وہاں دعوت کا کام کریں، راستہ میں آپ نخلہ مقام میں فجر کی نماز پڑھا رہے تھے اور جہراً قراءت فرما رہے تھے کہ جنات کا وفد وہاں پہنچا، ان کے کانوں میں قرآن کریم کی آواز پڑی، وہ رک گئے اور قرآن کریم بغور سنا اور سن کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہی وہ کلام ہے جس کی وجہ سے جنات پر پہرہ لگا ہے۔ معلوم ہوا کہ فجر کی نماز میں جہری قراءت ہے۔

[۱۰۵-] بَابُ الْجَهْرِ بِقِرَاءَةِ صَلاَةِ الْفَجْرِ

وَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: طُفْتُ وَرَاءَ النَّاسِ، وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ، يَقْرَأُ بِالطُّوْرِ.

[۷۷۳-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ أَبِيْ بِشْرٍ، هُوَ جَعْفَرُ بْنُ أَبِيْ وَحْشِيَّةَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: انْطَلَقَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، عَامِدِيْنَ إِلَى سُوْقِ عُكَاظٍ، وَقَدْ حِيْلَ بَيْنَ الشَّيَاطِيْنِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ، فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِيْنُ إِلَى قَوْمِهِمْ، فَقَالُوْا: مَا لَكُمْ؟ فَقَالُوْا: حِيْلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، وَأُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ، قَالُوْا: مَاحَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ إِلَّا شَيْءٌ حَدَثَ، فَاضْرِبُوْا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا، فَانْظُرُوْا مَا هٰذَا الَّذِيْ حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ؟ فَانْصَرَفَ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ تَوَجَّهُوْا نَحْوَ تِهَامَةَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ بِنَخْلَةَ عَامِدِيْنَ إِلَى سُوْقِ عُكَاظٍ، وَهُوَ يُصَلِّيْ بِأَصْحَابِهِ صَلاَةَ الْفَجْرِ، فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْآنَ اسْتَمَعُوْا لَهُ، فَقَالُوْا: هٰذَا وَاللّٰهِ الَّذِيْ حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، فَهُنَالِكَ حِيْنَ رَجَعُوْا إِلَى قَوْمِهِمْ، قَالُوْا: يَا قَوْمَنَا ﴿إِنَّا سَمِعْنَا

قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِيْ إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ، وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا﴾[الجن: ۱] فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّهِ صلى الله عليه وسلم﴿ قُلْ أُوْحِيَ إِلَيَّ﴾ وَإِنَّمَا أُوْحِيَ إِلَيْهِ قَوْلُ الْجِنِّ. [انظر: ۴۹۲۱]

حدیث(۱): رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف جانے کی نیت سے چلے درانحالیکہ شیاطین کے درمیان اور آسمان کی خبروں کے درمیان روک لگادی گئی تھی یعنی اس واقعہ سے پہلے جنات کو آسمان پر جانے سے روک دیا گیا تھا، اور ان پر انگارے برسائے جاتے تھے (میزائل داغے جاتے تھے) پس شیاطین اپنی قوم کی طرف لوٹے، پس قوم نے پوچھا: کیا بات ہے؟ یعنی خبریں کیوں نہیں لائے؟ انھوں نے کہا: ہمارے درمیان اور آسمان کی خبروں کے درمیان پہرہ بٹھادیا گیا ہے اور ہم پر آگ کے گولے داغے جاتے ہیں، انھوں نے کہا: تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان جو رکاوٹ پیدا ہوئی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے، لہٰذا تم مشرق ومغرب کا دورہ کرو، پس دیکھو وہ کیا نئی بات ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے؟ پس پھرے وہ لوگ جو تہامہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے، نبی ﷺ کی طرف، درانحالیکہ آپ مقام نخلہ میں تھے، اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ بازار عکاظ جانے کا ارادہ رکھتے تھے، اور آپؐ وہاں صحابہ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، پس جب ان جنات نے قرآن سنا تو وہ بغور سننے لگے، معلوم ہوا کہ آپؐ جہراً تلاوت فرمارہے تھے، یہی ترجمۃ الباب ہے، پس انھوں نے کہا: قسم بخدا! یہی وہ کلام ہے جو ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوا ہے، پس وہی جگہ ہے جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹے، کہا انھوں نے: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیک راستے کی راہنمائی کرتا ہے، پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیات اتاریں ﴿قُلْ أُوْحِيَ إِلَيَّ﴾ (سورۃ الجن) اور آپؐ کی طرف جنات کی بات ہی وحی کی گئی، یعنی جنات نے اپنی قوم میں جو رپوٹ پیش کی تھی وہ سورۃ الجن میں نازل کی گئی، اس وقت وہ جنات آپؐ سے نہیں ملے تھے، اور سورۂ احقاف (آیت ۲۹) میں ان جنات کی آمد کی اطلاع دی گئی۔

[۷۷۴-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَرَأَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْمَا أُمِرَ، وَسَكَتَ فِيْمَا أُمِرَ،﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ [مريم: ۶۴] وَ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[الاحزاب: ۲۱]

حدیث(۲): ابن عباسؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے پڑھا ان نمازوں میں جن میں آپ کو پڑھنے کا حکم دیا گیا، اور آپؐ خاموش رہے ان نمازوں میں جن میں آپ کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا، اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں، یعنی سری نماز میں اللہ تعالیٰ نے قراءت کا حکم نہیں دیا اور تمہارے لئے نبی ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے، لہٰذا تم بھی ظہرین میں قراءت مت کرو۔

تشریح: پہلے بتایا ہے کہ ابتدا میں حضرت ابن عباسؓ صرف جہری نماز میں قراءت کے قائل تھے، سری نماز میں قراءت کے قائل نہیں تھے۔ یہ حدیث اسی زمانہ کی ہے، پھر آپؓ کو مسئلہ میں تردد پیدا ہوا، اور آخر میں اقرار پر معاملہ ٹھہرا۔ غرض فجر کی نماز میں قراءت ہے، کیونکہ وہ جہری نماز ہے، اور یہی باب ہے۔

بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ السُّوْرَتَيْنِ فِيْ رَكْعَةٍ، وَالْقِرَاءَةِ بِالْخَوَاتِيْمِ، وَبِسُوْرَةٍ قَبْلَ سُوْرَةٍ، وَبِأَوَّلِ سُوْرَةٍ

ایک رکعت میں دو سورتیں جمع کرنا، اور سورتوں کے اواخر پڑھنا، اور سورتیں خلاف ترتیب پڑھنا، اور سورتوں کے اوائل پڑھنا

اس باب میں چار مسئلے ہیں: (۱) دو یا زیادہ سورتیں ایک رکعت میں جمع کرنا (۲) سورت کے آخر میں عام طور پر موعظتیں اور نصیحتیں ہوتی ہیں ان کو پڑھنا (۳) خلاف ترتیب سورتیں پڑھنا (۴) جس طرح سورت کے آخر میں جامع نصیحتیں ہوتی ہیں سورت کے شروع میں بھی جامع تمہید ہوتی ہے اس کو پڑھنا۔

اور اس باب کا مقصد ہر طرح سے قراءت کا جواز ثابت کرنا ہے یعنی جس طرح چاہو نماز میں قرآن پڑھ سکتے ہو، کراہیت واستحباب سے قطع نظر کرتے ہوئے۔

جاننا چاہئے کہ حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک ناتمام سورت کی قراءت مکروہ ہے اور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک خلاف ترتیب پڑھنا مکروہ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ یا تو ان دونوں باتوں سے متفق نہیں، اس لئے یہ باب قائم کیا ہے یا حضرتؒ کا منشا صرف جواز ثابت کرنا ہے، کراہیت واستحباب سے قطع نظر کرتے ہوئے —— باب میں پانچ آثار اور سات احادیث ہیں۔

[۱۰۶-] بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ السُّوْرَتَيْنِ فِيْ رَكْعَةٍ، وَالْقِرَاءَةِ بِالْخَوَاتِيْمِ، وَبِسُوْرَةٍ قَبْلَ سُوْرَةٍ، وَبِأَوَّلِ سُوْرَةٍ

[۱-] وَيُذْكَرُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ: قَرَأَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْمُؤْمِنُوْنَ فِي الصُّبْحِ، حَتَّى إِذَا جَاءَ ذِكْرُ مُوْسَى وَهَارُوْنَ، أَوْ: ذِكْرُ عِيْسَى أَخَذَتْهُ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ.

[۲-] وَقَرَأَ عُمَرُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلَى بِمِائَةٍ وَعِشْرِيْنَ آيَةً مِنَ الْبَقَرَةِ، وَفِي الثَّانِيَةِ بِسُوْرَةٍ مِنَ الْمَثَانِيْ.

[۳-] وَقَرَأَ الْأَحْنَفُ بِالْكَهْفِ فِي الْأُوْلَى، وَفِي الثَّانِيَةِ بِيُوْسُفَ، أَوْ يُوْنُسَ، وَذَكَرَ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ عُمَرَ الصُّبْحَ بِهِمَا.

[٤-] وَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ بِأَرْبَعِيْنَ آيَةً مِنَ الأَنْفَالِ، وَفِي الثَّانِيَةِ بِسُوْرَةٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ.

[٥-] وَقَالَ قَتَادَةُ فِيْمَنْ يَقْرَأُ بِسُوْرَةٍ وَاحِدَةٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ، أَوْ يُرَدِّدُ سُوْرَةً وَاحِدَةً فِيْ رَكْعَتَيْنِ: كُلٌّ كِتَابُ اللهِ.

۱- ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز میں سورۃ المؤمنین شروع کی، یہ اٹھارہویں پارہ کی پہلی سورت ہے، جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا تذکرہ آیا یا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ آیا تو آپ کو کھانسی اٹھی اور آپؐ نے رکوع کرلیا، یعنی آپؐ نے سورت کا اول حصہ پڑھا، پوری سورت نہیں پڑھی۔

۲- فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کی ایک سو بیس آیتیں پڑھیں، سورۂ بقرہ میں ۲۸۶ آیتیں ہیں یعنی تقریباً ایک پارہ پڑھا، اور دوسری رکعت میں مثانی [1] میں سے کوئی سورت پڑھی، غرض پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ پوری نہیں پڑھی، بلکہ اس کا شروع کا حصہ پڑھا، پس باب کا ایک جزء ثابت ہوگیا۔

۳- احنف بن قیس جو اسلامی تاریخ کے مشہور جرنیل ہیں انھوں نے نماز پڑھائی، پہلی رکعت میں پوری سورۂ کہف پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۂ یوسف یا سورۂ یونس پڑھی، پھر فرمایا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، انھوں نے بھی یہ دو سورتیں پڑھی تھیں، یعنی نماز میں دو مختلف سورتیں پڑھ سکتے ہیں۔

۴- ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی تو سورۂ انفال میں سے چالیس آیتیں پڑھیں اور دوسری رکعت میں مفصلات میں سے کوئی سورت پڑھی، اگر شروع کی چالیس آیتیں مراد ہیں تو الگ جزء اور آخر کی چالیس آیتیں مراد ہیں تو الگ جزء ثابت ہوگا۔

۵- حضرت قتادہؒ سے دو مسئلے پوچھے گئے: ایک: دو رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھیں، مثلاً پہلی رکعت میں بھی سورۂ اخلاص پڑھیں اور دوسری رکعت میں بھی وہی پڑھیں تو کیا حکم ہے؟ دوم: پہلی رکعت میں آدھی سورت پڑھیں اور باقی آدھی دوسری رکعت میں پڑھیں تو کیا حکم ہے؟ حضرت قتادہؒ نے فرمایا: کل کتاب اللہ: سب اللہ کی کتاب ہے (یہ قال کا مقولہ ہے) یعنی دونوں صورتیں جائز ہیں۔

[۷۷٤ -] وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ: عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ: كَانَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ يَؤُمُّهُمْ فِيْ مَسْجِدِ قُبَاءٍ، وَكَانَ كُلَّمَا افْتَتَحَ سُوْرَةً يَقْرَأُ بِهَا لَهُمْ فِي الصَّلَاةِ مِمَّا يَقْرَأُ بِهِ، افْتَتَحَ بِـ ﴿قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ﴾ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا، ثُمَّ

(۱) شروع کی سات یا آٹھ سورتیں (فاتحہ کے علاوہ) طوال ہیں، سورہ انفال اور سورۂ توبہ کو الگ الگ شمار کریں تو آٹھ ورنہ سات سورتیں ہیں، پھر گیارہ سورتیں مئین ہیں یعنی وہ سورتیں جن میں سو سے زیادہ آیتیں ہیں، پھر بیس سورتیں مثانی ہیں یعنی جن میں سو سے کم آیتیں ہیں، پھر مفصلات ہیں یعنی وہ سورتیں جن میں چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں، پھر مفصلات کی تین قسمیں ہیں: طوال مفصل، اوساط مفصل اور قصار مفصل ۱۲

يَقْرَأُ بِسُوْرَةٍ أُخْرَى مَعَهَا، وَكَانَ يَصْنَعُ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، فَكَلَّمَهُ أَصْحَابُهُ، وَقَالُوْا: إِنَّكَ تَفْتَتِحُ بِهَذِهِ السُّوْرَةِ، ثُمَّ لَا تَرَى أَنَّهَا تُجْزِئُكَ حَتَّى تَقْرَأَ بِأُخْرَى، فَإِمَّا أَنْ تَقْرَأَ بِهَا وَإِمَّا أَنْ تَدَعَهَا وَتَقْرَأَ بِأُخْرَى، فَقَالَ: مَا أَنَا بِتَارِكِهَا، إِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ أَؤُمَّكُمْ بِذَلِكَ فَعَلْتُ، وَإِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ، وَكَانُوْا يَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْ أَفْضَلِهِمْ، وَكَرِهُوْا أَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ. فَلَمَّا أَتَاهُمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَخْبَرُوْهُ الْخَبَرَ، فَقَالَ: " يَا فُلَانُ! مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَفْعَلَ مَا يَأْمُرُكَ بِهِ أَصْحَابُكَ؟ وَمَا يَحْمِلُكَ عَلَى لُزُوْمِ هَذِهِ السُّوْرَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ؟" فَقَالَ: إِنِّيْ أُحِبُّهَا. فَقَالَ: " حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ "

وضاحت: حدیث نمبر کے بعدم مکرر کی میم ہے، اس حدیث پر بھی غلطی سے ۷۷۴ نمبر لگ گیا ہے .... اور یہ حدیث یہاں معلق ہے، عبید اللہ عمری: امام بخاریؒ کے استاذ نہیں ہیں، اوپر کے راوی ہیں، اور یہ حدیث بخاری شریف میں اسی ایک جگہ آئی ہے، اور ترمذی (حدیث ۲۹۱۲ ابواب فضائل القرآن، باب ۱۱) میں مسند ہے، اور مسند دارمی اور مسند امام احمد میں بھی مسند ہے۔

قبا کی مسجد میں ایک انصاری صحابی امام تھے، ان کا طریقہ یہ تھا کہ ہر رکعت میں پہلے سورۂ اخلاص پڑھتے تھے پھر اس کے بعد کوئی اور سورت ملاتے تھے، ان کے مقتدیوں نے اعتراض کیا۔ امام صاحب نے کہا: میں تو اسی طرح نماز پڑھاؤں گا، تمہارا جی چاہے تو میرے پیچھے نماز پڑھو، ورنہ کوئی اور امام مقرر کرلو، وہ لوگوں میں افضل تھے، لوگ انہی کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے تھے۔ جب امام صاحب نے بات نہ مانی تو لوگوں نے بات نبی ﷺ تک پہنچائی، آپؐ نے ان سے وجہ دریافت کی، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اس سورت سے محبت ہے، آپؐ نے فرمایا: یہ محبت تمہیں جنت میں لے جائے گی، یعنی آپؐ نے ان کے عمل کو برقرار رکھا، معلوم ہوا کہ دو رکعتوں میں ایک سورت کی تکرار درست ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک انصاری صحابی مسجدِ قباء میں نماز پڑھاتے تھے، وہ جب بھی نماز میں پڑھی جانے والی کسی سورت کو پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سورۂ اخلاص سے قراءت شروع کرتے، یہاں تک کہ اس سے فارغ ہو جاتے، پھر اس کے ساتھ دوسری سورت پڑھتے، اور وہ ایسا ہر رکعت میں کرتے تھے، پس ان سے ان کے مقتدیوں نے بات کی اور کہا: آپ اس سورت سے نماز شروع کرتے ہیں پھر آپ اس سورت کو کافی نہیں سمجھتے اور دوسری سورت پڑھتے ہیں پس یا تو آپ سورۂ اخلاص پڑھیں یا اس کو رہنے دیں اور دوسری سورت پڑھیں، انھوں نے کہا: میں اس سورت کو چھوڑنے والا نہیں اگر تمہیں پسند ہو کہ میں اسی طرح امامت کروں تو میں امامت کروں اور تمہیں ناپسند ہو تو میں امامت چھوڑ دوں۔ اور لوگ ان کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور ان کے علاوہ کوئی اور امامت کرائے اس کو ناپسند کرتے تھے، پس جب ان کے پاس نبی ﷺ (قباء میں) آئے تو انھوں نے آپ کو اس کی خبر کی۔ آپؐ نے فرمایا: اے فلاں! تمہارے ساتھی تم سے جو بات کہتے ہیں اس کے کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟ اور ہر رکعت میں اس سورت کی پابندی کرنے پر تمہیں کیا چیز ابھارتی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: مجھے اس سورت سے محبت ہے، آپؐ نے فرمایا: "اس سورت سے آپ کی محبت آپ کو جنت میں لے جائے گی"

[۷۷۵-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ، فَقَالَ: قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ اللَّيْلَةَ فِي رَكْعَةٍ، فَقَالَ: هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ، لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِيْ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقْرُنُ بَيْنَهُنَّ، فَذَكَرَ عِشْرِيْنَ سُوْرَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ، سُوْرَتَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ. [انظر: ۴۹۹۶، ۵۰۴۳]

حدیث: ابووائل رحمہ اللہ سے مروی ہے: ایک شخص (نہیک بن سنان) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا: میں نے آج رات (تہجد میں) ایک رکعت میں مفصلات پڑھے، آپؓ نے فرمایا: شعر گنگنانے کی طرح گنگنایا ہوگا! بخدا! میں جانتا ہوں ان ہم مضمون سورتوں کو جن کو نبی ﷺ (ایک رکعت میں) ملایا کرتے تھے، پس آپؓ نے مفصلات کی بیس سورتوں کا تذکرہ کیا (آپ) ہر رکعت میں دو سورتیں (پڑھتے تھے)

تشریح: یہ روایت یہاں مختصر ہے، تفصیلی روایت مسلم شریف میں ہے، ایک طالب علم نے حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھا: آپ سورۃ محمد (آیت ۱۵) میں مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ کو ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں یا ی کے ساتھ من ماء غیر یاسن؟ ابن مسعودؓ نے فرمایا: کیا تو نے اس کے علاوہ سارا قرآن پڑھ لیا؟ (جو اتنی باریک بات پوچھتا ہے؟) اس نے جواب دیا: جی ہاں! میں سارا قرآن پڑھ چکا ہوں، اور اتنا پکا کرلیا ہے کہ ایک رکعت میں تمام مفصلات (سورۂ ق سے آخر تک) پڑھتا ہوں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: پڑھتا ہوگا، عورتیں جس طرح چاولوں میں سے کنکر چنتی ہیں یا کھجور کے ڈھیر میں سے جس طرح بوسیدہ کھجوریں چنی جاتی ہیں یا جس طرح شاعر اشعار گنگناتے ہیں اس طرح پڑھتا ہوگا؟! پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ تہجد میں ایک رکعت میں ہم مضمون دو سورتیں ملاتے تھے اور مجھے معلوم ہے وہ کونسی سورتیں ہیں۔ ابن مسعودؓ چونکہ اس وقت ناراض ہوگئے تھے اس لئے طلبہ نے سوال کی ہمت نہ کی، مگر انھوں نے علقمہ سے کہا: مناسب موقع دیکھ کر حضرت سے دریافت کرنا کہ رسول اللہ ﷺ کونسی سورتیں ملاتے تھے؟ جب حضرت علقمہ نے دریافت کیا تو ابن مسعودؓ نے بتایا کہ بیس سورتیں ملاتے تھے اور فلاں فلاں دو سورتیں ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔ ان سورتوں کی تفصیل ابوداؤد (حدیث ۱۳۹۶ باب تحزیب القرآن) میں ہے اور وہاں سے حاشیہ میں نقل کی ہے۔ ان سورتوں میں ترتیب نہیں ہے، معلوم ہوا کہ خلاف ترتیب بھی پڑھ سکتے ہیں، یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال ہے۔

بَابٌ: يَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

فرض کی آخری رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے

فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں احناف کے نزدیک سورت ملانا نہ مشروع ہے نہ مکروہ، اگر کوئی فاتحہ کے ساتھ

بھول کر یا جان بوجھ کر سورت ملالے تو کچھ حرج نہیں، سجدۂ سہو واجب نہیں مگر نماز مکروہ ہوگی۔ اور سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے، حاشیہ میں ابن المنذر کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے: اِقْرَأْ فِي الْأُوْلَيَيْنِ، وَسَبِّحْ فِي الْأُخْرَيَيْنِ: فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرو، اور آخری رکعتوں میں تسبیح پڑھو، یعنی آخری رکعتوں میں قراءت فرض نہیں، تسبیح وتہلیل بھی کافی ہے، بلکہ اگر تسبیح وتہلیل بھی نہ کرے، ایک رکن کے بقدر خاموش کھڑا رہے تو بھی نماز ہوجائے گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر احناف کی دلیل ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض کی ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنا فرض ہے، اور سورت ملانا سنت ہے۔

[۱۰۷-] بابٌ: يَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

[۷۷۶-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأُوْلَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ، وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ، وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ، وَيُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلَى مَالَا يُطِيْلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ، وَهٰكَذَا فِي الْعَصْرِ، وَهٰكَذَا فِي الصُّبْحِ. [راجع: ۷۵۹]

ملحوظہ: فرائض کی آخری رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھیں گے سورت نہیں ملائیں گے، مگر یہ بات اس حدیث میں نہیں ہے کہ آخری رکعتوں میں فاتحہ پڑھنا سنت ہے یا فرض؟ اس لئے اس مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے اور احناف کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ حدیث کے باقی اجزاء چند ابواب پہلے گذر چکے ہیں۔

بابٌ: مَنْ خَافَتَ الْقِرَاءَةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

ظہر اور عصر میں سرّی قراءت ہے

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ ظہر وعصر میں سری قراءت ہے، حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم داڑھی کے ہلنے سے آنحضور ﷺ کے پڑھنے کا اندازہ کرتے تھے یعنی آپ ظہر وعصر میں سراً قراءت کرتے تھے۔

[۱۰۸-] بابٌ: مَنْ خَافَتَ الْقِرَاءَةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

[۷۷۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِيْ مَعْمَرٍ، قَالَ: قُلْنَا لِخَبَّابٍ: أَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: مِنْ أَيْنَ عَلِمْتَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ. [راجع: ۷۴۶]

بابٌ: إِذَا أَسْمَعَ الإِمَامُ الآيَةَ

جب سری نماز میں امام کوئی آیت جہراً پڑھے

آنحضور ﷺ ظہر وعصر میں کبھی کوئی آیت سناتے تھے یعنی ایک آیت جہراً پڑھتے تھے اور آپ ایسا تعلیم کی غرض سے کرتے تھے تاکہ لوگ جان لیں کہ نبی ﷺ قراءت فرمارہے ہیں اور فلاں سورت پڑھ رہے ہیں، اس سے قراءت کی مقدار کا اندازہ ہوجائے گا، پس یہ عمل حدیث ہے سنت نہیں۔ چنانچہ اب دنیا میں کوئی امام ظہر وعصر میں کوئی آیت نہیں سناتا کیونکہ آپ نے یہ عمل ایک خاص وجہ سے کیا تھا، جو بعد میں باقی نہیں رہی۔

مسئلہ: اگر کوئی امام ظہر وعصر میں ایک دو آیتیں جہراً پڑھے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا، کیونکہ یہ جہراً قراءت کرنا نہیں، جہری نماز میں سراً پڑھنے سے اور سری نماز میں جہراً پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، مگر ایک دو آیتیں جہراً پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا، کیونکہ جہراً پڑھنے کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔

[۱۰۹-] بابٌ: إِذَا أَسْمَعَ الإِمَامُ الآيَةَ

[۷۷۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ مَعَهَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الأُولَيَيْنِ مِنْ صَلاَةِ الظُّهْرِ وَصَلاَةِ الْعَصْرِ، وَيُسْمِعُنَا الآيَةَ أَحْيَانًا، وَكَانَ يُطِيلُ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى.

[راجع: ۷۵۹]

بابٌ: يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى

پہلی رکعت لمبی کرے

یہ مسئلہ چند ابواب پہلے گذر چکا ہے کہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک فجر کے علاوہ تمام نمازوں میں پہلی دونوں رکعتیں مساوی ہونگی، البتہ فجر میں پہلی رکعت دوسری رکعت سے لمبی ہونی چاہئے، یہی مسنون ہے۔ اور امام محمد اور دیگر ائمہ کے نزدیک پانچوں نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے دراز کرنا مسنون ہے، جمہور کی دلیل باب کی حدیث ہے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ ظہر کی پہلی رکعت لمبی کرتے تھے اور دوسری رکعت مختصر، اور فجر میں بھی ایسا کرتے تھے۔

اور شیخینؒ کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مسلم شریف میں ہے کہ نبی ﷺ ظہر کی پہلی دو

رکعتوں میں تیس تیس آیتوں کے بقدر پڑھتے تھے، معلوم ہوا کہ فجر کے علاوہ نمازوں میں دونوں رکعتیں مساوی ہوتی تھیں، اور فجر کی پہلی رکعت دراز کرنا اس لئے مسنون ہے کہ وہ غفلت اور نیند کا وقت ہے لوگ بیدار ہو کر اور استنجے وغیرہ سے فارغ ہو کر جماعت میں آتے ہیں، اس لئے فجر کی پہلی رکعت لمبی ہونی چاہئے تاکہ لوگ پہلی رکعت میں شامل ہو جائیں۔

اور حضرت ابو قتادہؓ کی حدیث کے بارے میں شیخین فرماتے ہیں کہ ظہر وغیرہ کی پہلی رکعت ثنا، تعوذ اور تسمیہ کی وجہ سے دراز معلوم ہوتی تھی، قراءت کی وجہ سے دراز نہیں ہوتی تھی۔

[۱۱۰-] بابٌ: يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولٰى

[۷۷۹-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ، وَيُقَصِّرُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ، وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ صَلَاةِ الصُّبْحِ. [راجع: ۷۵۹]

بَابُ جَهْرِ الْإِمَامِ بِالتَّأْمِيْنِ

امام کا جہراً آمین کہنا

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک جہری نمازوں میں امام اور مقتدی سب جہراً آمین کہیں گے۔ امام بخاریؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ اور یہ باب امام کے جہراً آمین کہنے کے سلسلہ میں ہے، اور مقتدیوں کے جہراً آمین کہنے کا باب آگے آرہا ہے، اور گیلری میں جو والناس کا نسخہ ہے: وہ ٹھیک نہیں، مقتدیوں کے لئے آگے الگ باب آرہا ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک سب سراً آمین کہیں گے، اور یہ اختلاف جواز وعدم جواز کا نہیں، بلکہ اولیٰ غیر اولیٰ کا ہے۔

حدیث اور سنت کی تعیین میں اختلاف:

جاننا چاہئے کہ کبھی روایات میں تعارض ہوتا ہے اور سنت کیا ہے اور حدیث کیا ہے؟ اس کی تعیین میں اختلاف ہو جاتا ہے، جیسے رفع یدین اور ترک رفع کی روایات میں تعارض ہے، پس ان میں سے کوئی ایک منسوخ ہے اور دوسری ناسخ، اور جو منسوخ ہے وہ صرف حدیث ہے اور جو ناسخ ہے وہ سنت بھی ہے، مگر اس کو طے کرنے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہوا ہے، چھوٹے دو اماموں رفع کی روایات کو سنت کہتے ہیں اور بڑے دو امام ترک رفع کی روایات کو سنت کہتے ہیں۔ آمین کے مسئلہ میں بھی ایسا ہی اختلاف ہوا ہے، اور اتنی بات طے ہے کہ نبی ﷺ نے جہراً آمین کہی ہے، مگر آپ کا جہراً آمین کہنا سنت ہے یا کسی مصلحت سے تھا؟ اس میں اختلاف ہوا ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور امام بخاری رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ نماز کی سنت ہے اور بڑے دو اماموں کی رائے یہ ہے کہ یہ تعلیم کی غرض سے تھا، پس سنت نہیں، جیسے نبی ﷺ نے ظہر وعصر میں کبھی

کوئی آیت جہراً پڑھی ہے، مگر وہ تشریع کے مقصد سے تھا اور وہ وجہ اب باقی نہیں رہی، اس لئے اب دنیا میں کوئی امام ظہر وعصر میں آیت نہیں سناتا۔ اسی طرح آنحضور ﷺ نے آمین مصلحتاً زور سے کہی تھی، اور اب وہ مصلحت باقی نہیں رہی اس لئے آمین سراً کہیں گے، کیونکہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل سر (آہستگی) ہے۔

آمین بالجہر کی صریح روایت:

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ مسئلہ باب میں صریح دلیل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے مگر وہ روایت صحیحین میں لانے کے قابل نہیں، اس کی سند اور متن میں شعبہ اور ثوری رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ حضرت وائل اقیال یمن (یمن کے نوابوں) میں سے تھے، رسول اللہ ﷺ نے یمن کو دو پرگنوں (مِخلاف) میں تقسیم کیا تھا، ایک پرگنہ کا گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے پرگنہ کا گورنر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دونوں پرگنوں کا قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ ان حضرات کی محنت سے حضرت وائلؓ مسلمان ہوئے، پھر شوق دلانے سے مدینہ آئے اور بیس دن قیام کیا، جب وہ مدینہ سے تین دن کی مسافت پر رہ گئے تو نبی ﷺ کو وحی سے اطلاع ملی، اور جب وہ مدینہ پہنچے تو نبی ﷺ نے ان کا اعزاز واکرام کیا اور نماز کے لئے مسجد نبوی میں اپنے پیچھے جگہ متعین کی تا کہ وہ دین اور نماز سیکھیں۔

حضرت وائلؓ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو سنا، آپؐ نے ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ﴾ پڑھا اور آمین کہی اور اس کے ساتھ اپنی آواز کو کھینچا یعنی بلند آواز سے آمین کہی۔ چھوٹے دو اماموں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آمین جہراً کہنا سنت ہے۔

اس حدیث کو سلمۃ بن کہیل سے ثوری اور شعبہ روایت کرتے ہیں اور دونوں میں سند میں بھی اختلاف ہوا ہے اور متن میں بھی، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے ثوری کی روایت کو اصح کہا ہے اور شعبہ کی روایت میں تین خرابیاں بتائی ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور ان میں نہ سند میں اختلاف ہے اور نہ متن میں، اور امام ترمذی نے جو تین اعتراض کئے ہیں ان کے معقول جواب موجود ہیں، تفصیل ترمذی میں ہے (دیکھئے تحفۃ الالمعی ۱:۵۸۸)

ان میں سے ایک اختلاف متن میں ہے۔ ثوری کی روایت میں: مَدَّ بها صَوْتَه ہے جس کا مفہوم زور سے آمین کہنا ہے اور شعبہ کی حدیث میں: خَفَضَ بها صوتَه: ہے یعنی اپنی آواز پست کی، اس کا مفہوم سراً آمین کہنا ہے، مگر حقیقت میں یہ ایک حقیقت کی دو تعبیریں ہیں مَدَّ بها سر کے اعتبار سے ہے اور خَفَضَ بها جہر کے اعتبار سے یعنی نبی ﷺ نے جہراً آمین کہی سراً نہیں کہی اور شعبہؒ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جس لہجہ میں فاتحہ پڑھی تھی اس سے پست آواز کر کے آمین کہی، پس دونوں حدیثوں میں جہراً آمین کہنے کی بات ہے، صرف تعبیر کا فرق ہے اور اس کی دلیل نسائی کی حدیث ہے۔ حضرت وائلؓ کہتے ہیں: سَمِعْتُه وأنا خلفه یعنی آپؐ نے اتنی زور سے آمین کہی کہ میں نے سن لی درانحالیکہ میں آپؐ

کے پیچھے تھا (نسائی باب قول المأموم إذا عطس الخ) معلوم ہوا کہ آپؐ نے جس لہجہ میں فاتحہ پڑھی تھی اس لہجہ میں آمین نہیں کہی تھی، ورنہ ساری مسجد سنتی۔

اور حافظ ابو بشر دولابی کی کتاب الأسماء والکنی میں حدیث کے الفاظ ہیں: قرأ ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ﴾ فقال: آمین، یَمُدُّ بها صوته، ما أُراه إلا لِیُعَلِّمَنَا: حضرت وائلؓ کہتے ہیں: آپ کا جہراً آمین کہنا میرے خیال میں میری تعلیم کے لئے تھا (آثار السنن ص: ۱۲۰، الجهر بالتامین در حاشیہ)

اور معجم طبرانی میں ہے: فلما فَرَغ من فاتحة الکتاب قال: آمین، ثلاث مرات: آپؐ نے فاتحہ سے فارغ ہو کر تین مرتبہ آمین کہی۔ حافظ رحمہ اللہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تین نمازوں میں جہراً آمین کہی، یعنی بیس دن کی باقی جہری نمازوں میں سراً آمین کہی، حافظ رحمہ اللہ کی یہ شرح: مواہب لدنیہ کی شرح زرقانی (۷: ۱۱۳) میں ہے اور معجم طبرانی کی اس حدیث کے تمام روات ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ۲: ۱۱۳ ورجاله ثقات)

غرض روایت کے تمام طرق جمع کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے زور سے آمین وقتی مصلحت سے کہی تھی یعنی حضرت وائل کی تعلیم کی غرض سے کہی تھی، پس یہ حدیث ضرور ہے مگر سنت نہیں۔

اور اگر جہراً آمین کہنے کا معمول ہوتا تو روایات حد تواتر کو پہنچ جاتیں کیونکہ صحابہ نے دس سال مسجد نبوی میں حضور ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں مگر حضرت وائل کی حدیث کے علاوہ دوسری کوئی حدیث ایسی موجود نہیں جو صریح اور صحیح ہو۔ اور حضرت وائلؓ یمن کے تھے انھوں نے صرف بیس دن مدینہ میں قیام کیا ہے، اور انہی کی حدیث پر سارا مدار ہے اور کبار صحابہ جہراً آمین نہیں کہتے تھے۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں سراً آمین کہنے کی صراحت ہے (شرح معانی الآثار ۱: ۱۵۰ باب قراءۃ بسم اللہ) البتہ بعض صغار صحابہ نے اپنے دور میں جہراً آمین کہی ہے مگر ان کا یہ عمل حفاظت حدیث کی غرض سے تھا، تفصیل رفع یدین کے باب میں گذر چکی ہے۔

عقلی دلیل:

علاوہ ازیں عقل کا فیصلہ بھی یہ ہے کہ آمین سراً ہو، کیونکہ نماز میں متعدد اذکار ہیں اور قراءت کے علاوہ ہر ذکر میں بالاجماع سر سنت ہے، پس آمین میں بھی سر سنت قرار پائے گا، اور امام کی تکبیرات انتقالیہ میں جہر ضرورۃً ہے، نیز آمین دعا ہے اور دعا میں اخفا افضل ہے اللہ پاک کا ارشاد ہے ﴿اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً﴾ پکارو اپنے پروردگار کو تذلل کے ساتھ اور چپکے سے (الاعراف آیت ۵۵)

[۱۱۱-] بَابُ جَهْرِ الْإِمَامِ بِالتَّأْمِیْنِ

[۱-] وَقَالَ عَطَاءٌ: آمِیْنَ دُعَاءٌ، أَمَّنَ ابْنُ الزُّبَیْرِ وَمَنْ وَرَاءَهُ حَتّٰی إِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً.

[۲-] وَكَانَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ يُنَادِي الإِمَامَ: لَا تَفُتْنِي بِآمِيْنَ.

[۳-] وَقَالَ نَافِعٌ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَدَعُهُ، وَيَحُضُّهُمْ، وَسَمِعْتُ مِنْهُ فِي ذٰلِكَ خَيْرًا.

[۷۸۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِذَا أَمَّنَ الإِمَامُ فَأَمِّنُوْا، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ" قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: آمين. [انظر: ٦٤٠٢]

وضاحت: ابھی بتایا ہے کہ مسئلہ باب میں صریح دلیل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جہر کا سارا مدار اسی پر ہے، مگر وہ بخاری میں لانے کے قابل نہیں، اس کی سند اور متن میں ثوریؒ اور شعبہ رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہے، اور ایسی مختلف فیہ حدیث شیخین صحیحین میں نہیں لاتے، اس لئے امام بخاریؒ نے اس کی تخریج نہیں کی، اور تین آثار اور ایک حدیث لائے ہیں۔

آثار:

۱- امام بخاری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے حضرت عطاء بن ابی رباح کا اثر پیش کیا ہے۔ حضرت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خاص شاگرد ہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے استاذ ہیں، مگر ان کے قول میں تقدیم وتاخیر ہے، صحیح ترتیب فتح الباری میں ہے، حضرت عطاءؒ سے کسی نے پوچھا: کیا عبداللہ بن الزبیرؓ زور سے آمین کہتے تھے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں، امیر المؤمنین تھے اور مکہ مکرمہ ان کا دار الخلافہ تھا، حضرت عطاءؒ نے جواب دیا: عبداللہ ہی نہیں، تمام مقتدی زور سے آمین کہتے تھے، یہاں تک کہ مسجد میں شور ہو جاتا تھا (اللَّجَّة: شور، ملی جلی آوازیں) پھر حضرت عطاء نے فرمایا: آمین دعا ہے، پس جب مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم ہے تو امام کیوں محروم رہے؟ امام بھی جہراً آمین کہے گا۔ حضرت عطاء کے قول کی صحیح ترتیب یہ ہے (فتح الباری)

بہر حال حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ زور سے آمین کہتے تھے۔ حضرت عبداللہ صغار صحابہ میں سے ہیں، کبار صحابہ کا یہ عمل نہیں تھا، ابھی شرح معانی الآثار کے حوالہ سے بتایا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما جہراً آمین نہیں کہتے تھے، صغار صحابہ کے زمانہ سے یہ عمل شروع ہوا، جو ائمہ مجتہدین تک پہنچا، پھر چھوٹے دو اماموں نے یہ عمل لے لیا اور جہراً آمین کو افضل کہا، اور بڑے دو اماموں نے کبار صحابہ کا عمل لیا اور سراً آمین کو افضل کہا۔

فائدہ: تأمین کے معنی ہیں: آمین کہنا، آمین کونسی زبان کا لفظ ہے؟ اس سلسلہ میں یقین سے کوئی بات کہنا مشکل ہے، اس وقت مسلمان، یہود اور نصاریٰ تینوں یہ لفظ استعمال کرتے ہیں، البتہ مسلمان مد کے ساتھ آمین کہتے ہیں اور یہود و نصاریٰ

بغیر مد کے اَمین کہتے ہیں، اوراس کے معنی ہیں: یااللہ! دعا قبول فرما!

۲-مروان جب مدینہ منورہ کا گورنر تھا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے مؤذن تھے، اور مروان فاتحہ ختم کرکے فوراً آمین کہتا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ اس کے ساتھ آمین نہیں کہہ پاتے تھے، آمین کہنے میں اس سے پیچھے رہ جاتے تھے، اس لئے آپؓ نے مروان سے پکار کر کہا: آمین (میں موافقت) میرے ہاتھ سے نہ جانے دے! یعنی جلدی سے آمین مت کہہ، میں تیری موافقت نہیں کرپاتا، ثابت ہوا کہ مروان جو امام تھا زور سے آمین کہتا تھا۔

فائدہ: شوافع اور حنابلہ کے یہاں طریقہ یہ ہے کہ امام فاتحہ پڑھ کر سکتہ کرتا ہے پھر امام اور مقتدی سب ایک ساتھ جہراً آمین کہتے ہیں، اگر امام سکتہ نہ کرے تو وہ آمین کہنے میں آگے ہوجائے گا، اور مقتدی پیچھے رہ جائیں گے، وہ امام کی موافقت نہیں کرپائیں گے، جب کہ حدیث میں موافقت کی فضیلت آئی ہے۔ مروان سکتہ نہیں کرتا تھا فاتحہ پڑھ کر فوراً آمین کہتا تھا اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی موافقت نہیں کرپاتے تھے، اس لئے آپؓ نے مروان سے مذکورہ بات کہی۔

۳-نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آمین نہیں چھوڑتے تھے، اور لوگوں کو آمین کہنے پر ابھارتے تھے اور نافع کہتے ہیں: میں نے اس سلسلہ میں ابن عمرؓ سے فضیلت سنی ہے۔

تشریح: خیراً (فضیلت) کو خبراً (حدیث) بھی پڑھ سکتے ہیں، بیہقی میں روایت ہے کہ جب لوگ آمین کہتے تھے تو ابن عمرؓ بھی آمین کہتے تھے، اور آمین کہنے کو ابن عمرؓ سنت سمجھتے تھے: إذا أَمَّنَ الناسُ أَمَّنَ ابْنُ عمر معهم، ويرى ذلك من السنة (بیہقی) اور سنت پر عمل کرنے کا ثواب ہے پس حدیث مرفوع بن گئی، اور خبر (حدیث) ہوگئی۔

فائدہ: آنحضور ﷺ سے جہراً آمین کہنا ثابت ہے اس کا کوئی منکر نہیں، مگر آپؐ نے جو جہراً آمین کہی ہے وہ نماز کی سنت ہے یا کسی وقتی مصلحت سے تھی؟ اس میں اختلاف ہوا ہے۔ دو اماموں کی رائے میں وہ نماز کی سنت ہے اور دوسرے دو اماموں کی رائے میں وہ نماز کی سنت نہیں ہے، پس یہ نص فہمی کا اختلاف ہے دلائل کا اختلاف نہیں۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، پس جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے ساتھ موافق ہوجائے گا اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے''

تشریح: إذا أَمَّنَ الإمامُ سے استدلال کیا ہے اس کا حاصل زور سے آمین کہنا ہے، ظاہر ہے امام زور سے آمین کہے گا تبھی مقتدیوں کو پتہ چلے گا، اگر امام سراً آمین کہے گا تو مقتدیوں کو کیسے پتہ چلے گا؟ اور چونکہ حدیث میں صرف امام کا ذکر ہے اس لئے ترجمہ میں صرف امام کا تذکرہ کیا اور مقتدیوں کے جہر کے لئے آگے الگ باب لائیں گے۔

جواب: مگر یہ حدیث مختلف طرح سے مروی ہے یہاں الفاظ ہیں إذا أَمَّنَ الإمام، اور آگے الفاظ ہیں: إذا قال الإمام: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْنَ﴾ فقولوا: آمین اور ایک حدیث میں ہے: فإن الإمام يقولها اب کن لفظوں کو لیا جائے؟ اگر إذا أمن الأمام کو لیں گے تو باب ثابت ہوگا، اور اگر إذا قال الإمام: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْنَ﴾ کو

لیں گے تو باب ثابت نہیں ہوگا، ان لفظوں سے امام کا سراً آمین کہنا ثابت ہوگا، کیونکہ اگر امام جہراً آمین کہتا تو نبی ﷺ مقتدیوں کی تامین کو فاتحہ کے ختم کے ساتھ معلق نہ کرتے بلکہ امام کی آمین پر معلق کرتے۔

غرض: الفاظِ حدیث میں تعارض ہے، اور تطبیق کی صرف ایک صورت ہے کہ إذا أمّن الإمامُ کو إذا بلغ الإمام إلی التأمین کے معنی میں لیا جائے، اس صورت میں دونوں حدیثیں موافق ہو جائیں گی مگر امام بخاریؒ کا باب ثابت نہیں ہوگا۔

قولہ: فإنه مَن وافق إلخ: موافقت سے کیا مراد ہے، موافقت فی الزمان یا موافقت فی الاخلاص؟ آمین بالسر والوں کے نزدیک موافقت فی الزمان مراد ہے یعنی جس وقت فرشتے آمین کہیں اسی وقت جو آمین کہے گا اس کے گناہ معاف ہونگے اور جو خیالات میں کھویا رہے اور آمین کہنے میں دیر کرے وہ بخشش سے محروم رہے گا کیونکہ فرشتے غافل نہیں ہوتے، وہ فاتحہ ختم ہوتے ہی آمین کہیں گے پس جو شخص قراءت کی طرف متوجہ ہے وہ بروقت آمین کہے گا اور اس کی تامین ملائکہ کی تامین کے ساتھ موافق ہوگی۔

اور آمین بالجہر والوں کے نزدیک موافقت فی الاخلاص مراد ہے، یعنی جس طرح فرشتے اخلاص سے آمین کہتے ہیں مقتدی بھی اخلاص سے آمین کہیں تو ان کی مغفرت ہوگی، اور جو دکھانے سنانے کے لئے یا کسی کو چڑانے کے لئے جہراً آمین کہے اس کی مغفرت نہیں ہوگی، اور ان حضرات کو موافقت کی یہ دوسری تفسیر اس لئے کرنی پڑی کہ جہراً آمین کہنے کی صورت میں کسی کے پیچھے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، سویا ہوا بھی جاگ جاتا ہے۔

ایک واقعہ: انگریزوں کے دور کا قصہ ہے، ایک مسجد میں حنفی اور غیر مقلد ساتھ نماز پڑھتے تھے، غیر مقلد شرارت کرتے تھے، حنفیوں کو چڑانے کے لئے چلا کر آمین کہتے تھے، ان لوگوں کو ادلۂ اربعہ سے سمجھایا مگر وہ ماننے والے کہاں تھے! چنانچہ لوگوں نے پانچویں دلیل استعمال کی، پانچویں دلیل کیل دار جوتہ ہے! ایک دن جم کر ان کی پٹائی کر دی، پولیس کیس بن گیا، اور مقدمہ کورٹ میں پہنچ گیا، جج انگریز تھا۔ انگریز علم کے رسیا ہوتے ہیں، اس نے فریقین کے وکلاء سے کہا: مجھے مسئلہ سمجھاؤ، آمین بالجہر کیا ہوتی ہے، اور آمین بالسر کیا ہوتی ہے؟ وکیلوں نے کئی دن بحث کی، اور مسئلہ سمجھایا، جج نے مسئلہ سمجھ کر مندرجۂ ذیل فیصلہ لکھا:

> ”میں دونوں فاضل وکیلوں کی بحث سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ پیغمبر اسلام سے دونوں طرح آمین کہنا ثابت ہے: بالجہر بھی اور بالسر بھی، مگر آمین کہنے کی ایک تیسری قسم ہے جو پیغمبر اسلام سے ثابت نہیں، اور وہ ہے آمین بالشر یعنی لوگوں کو پریشان کرنے کے لئے چلا کر آمین کہنا، اور مسجد میں غیر مقلد یہی حرکت کرتے تھے، اس لئے وہ مجرم ہیں، اور ان کو سزا دی جاتی ہے“

اس واقعہ میں عدم اخلاص کی مثال بھی ہے، اور غیر مقلدوں کی شرارتوں سے نمٹنے کا طریقہ بھی!

قولہ: غُفِرَ لہ: پہلے بتا چکا ہوں کہ گناہ کے چار درجے ہیں: (۱) معصیۃ (نافرمانی) (۲) سَیِّئۃ (برائی) (۳) خطیئۃ (غلطی) (۴) ذنوب (نامناسب کام) نماز، روزے وغیرہ سے کونسے گناہ معاف ہوتے ہیں؟ علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے اس سلسلہ میں یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ نص میں جو لفظ آیا ہے وہ اور اس کے نیچے کے گناہ معاف ہونگے، اس سے اوپر کے گناہ معاف نہیں ہونگے، یہاں حدیث میں لفظ ذنب آیا ہے پس تامین سے اسی درجہ کے گناہ معاف ہونگے اس سے اوپر کے گناہ معاف نہیں ہونگے۔

قال ابن شہاب: ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: نبی ﷺ آمین کہتے تھے۔ امام زہریؒ کا یہ قول یا تو مرسل ہے اور زہری کے مراسیل شِبْہُ لاشییٔ ہوتے ہیں یعنی وہ صرف پرچھائیں ہوتے ہیں، حقیقت میں کچھ نہیں ہوتے، اور اگر اوپر والی سند سے اس کو جوڑیں تو اس میں جہر کی صراحت نہیں، پھر باب کیسے ثابت ہوگا؟

ملحوظہ: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث إذا أَمَّنَ الإمام پر تأمین کی فضیلت کا باب باندھا ہے، معلوم ہوا کہ اس حدیث کا آمین بالجہر اور آمین بالسر سے کچھ تعلق نہیں۔

بابُ فَضْلِ التَّأْمِيْنِ

آمین کہنے کا ثواب

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ میں کتاب الحج میں لکھا ہے کہ میدانِ عرفات میں لاکھوں آدمیوں کی دعائیں ایک ساتھ بارگاہِ ایزدی میں پہنچتی ہے اس لئے ان کے انوار لوگوں پر منعکس ہوتے ہیں، یہی بات یہاں بھی ہے، ساری مسجد کی آمین ایک ساتھ بارگاہ خداوندی میں پہنچتی ہے، اس لئے اس کے انوار پلٹتے ہیں، اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔

[۱۱۲-] بابُ فَضْلِ التَّأْمِيْنِ

[۷۸۱-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ: آمِيْنَ، وَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ: آمِيْنَ، فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى: غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی نے آمین کہی اور آسمان میں فرشتوں نے آمین کہی اور ایک کا آمین کہنا دوسرے کے آمین کہنے کے ساتھ موافق ہوگیا تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

تشریح: ابھی بتایا ہے کہ موافقت کی دو تفسیریں ہیں: موافقت فی الزمان اور موافقت فی الاخلاص، پہلی تفسیر آمین بالسر

والوں کی ہے، اور دوسری آمین بالجہر والوں کی، اور امام بخاریؒ اس باب میں امام اور مقتدی سب کے آمین کہنے کی روایت لاتے تو تامین کی فضیلت زیادہ واضح ہوتی۔

جاننا چاہئے کہ عام طور پر حدیثوں میں فی السماء نہیں ہے صرف الملائکۃ ہے اور مراد وہ فرشتے ہیں جو جماعت میں شریک ہیں، وہ نماز سے غافل نہیں ہوتے، بروقت آمین کہتے ہیں پس جو شخص نماز کی طرف متوجہ ہے اور بروقت آمین کہتا ہے اس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافق ہوتی ہے اور اس کو مذکورہ ثواب ملتا ہے، اس کی کوتاہیاں معاف کردی جاتی ہیں۔

بَابُ جَهْرِ الْمَأْمُوْمِ بِالتَّأْمِيْنِ

مقتدیوں کا جہراً آمین کہنا

اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہی حدیث ہے جو ابھی گذری، اور استدلال اس طرح ہے کہ حدیث میں امام کی جانب جو قال ہے (إذا قال الإمام) اس میں جہر معتبر ہے، کما تقدم، کیونکہ امام زور سے آمین کہے گا تبھی مقتدی اس کو سن کر آمین کہیں گے، پس مشاکلۃ مقتدیوں کی جانب میں جو فقولوا ہے (فقولوا آمین) اس میں بھی جہر معتبر ہوگا، تاکہ یکسانیت قائم رہے اور تقابل صحیح ہو۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ امام کی جانب میں جو قال ہے اس میں اگر جہر معتبر ہے تو پھر مقتدیوں کی تامین کو ﴿وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ پر معلق کیوں کیا؟ معلق کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ امام کی جانب جو قال ہے اس میں جہر معتبر نہیں، پس توافق کے لئے اور تقابل صحیح کرنے کے لئے فقولوا میں بھی جہر معتبر نہیں ہوگا۔

[۱۱۳-] بَابُ جَهْرِ الْمَأْمُوْمِ بِالتَّأْمِيْنِ

[۷۸۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِيْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِذَا قَالَ الإِمَامُ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ فَقُوْلُوْا: آمِيْنَ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ "

تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. وَنُعَيْمٌ الْمُجْمِرُ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: محمد بن عمرو بن علقمہ اللیثی نے سُمَیّ مولیٰ ابی بکر کی متابعت کی ہے۔ وہ بھی بواسطہ ابوسلمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث مرفوعاً روایت کرتے ہیں اور نعیم المُجمِر بھی سُمَیّ کے متابع ہیں، یعنی وہ بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں

وہ کہتے ہیں: ہمیں حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز پڑھائی تکبیر افتتاح کے بعد بسم اللہ پڑھی پھر سورہ فاتحہ پڑھی اور ﴿وَلاَ الضَّالِّیْنَ﴾ کے بعد آمین کہی، اور نماز کے بعد فرمایا: میں نے تمہیں نبی ﷺ جیسی نماز پڑھائی ہے، یعنی یہ حدیث حکماً مرفوع ہے، صراحتاً مرفوع نہیں، اس لئے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نسخہ کا نون بنا ہوا ہے یعنی یہ عبارت ایک نسخہ میں ہے، یہ دونوں حدیثیں بیہقی میں ہیں اور دوسری حدیث نسائی میں بھی ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں (عمدۃ ۶: ۵۳)

بَابٌ: إِذَا رَكَعَ دُوْنَ الصَّفِّ

جب صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کرلے

ایک شخص مسجد میں آیا، جماعت ہو رہی تھی، امام رکوع میں جا چکا تھا، اس نے سوچا اگر صف میں پہنچ کر تکبیر کہونگا تو امام رکوع سے سر اٹھالے گا اور میری رکعت فوت ہو جائے گی، اس لئے اس نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع کرلیا اور امام کو رکوع میں پالیا تو اس کو رکعت مل گئی، مگر اس نے برا کیا، پھر خواہ تنہا صف کے پیچھے نماز پوری کرے، یا آگے کی صف پوری کر کے لوگ اس کے ساتھ مل جائیں یا وہ ایک یا دو قدم چل کر صف میں پہنچ جائے ہر صورت میں اس کی نماز درست ہے، مگر اس نے برا کیا، اسے صف میں پہنچ کر تکبیر کہنی چاہئے تھی، پھر اگر امام کو رکوع میں پاتا تو ٹھیک تھا، ورنہ بعد میں نماز پوری کرتا۔

[۱۱۴] بَابٌ: إِذَا رَكَعَ دُوْنَ الصَّفِّ

[۷۸۳-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنِ الأَعْلَمِ: وَهُوَ زِيَادٌ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ: أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ رَاكِعٌ، فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلاَ تَعُدْ!"

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ نبی ﷺ تک پہنچے درانحالیکہ آپ رکوع میں تھے، انھوں نے صف میں پہنچنے سے پہلے (تکبیر تحریمہ کہہ کر) رکوع کرلیا (پھر اسی حال میں چل کر صف میں مل گئے) نماز کے بعد انھوں نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی، آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہاری حرص بڑھائیں مگر آئندہ ایسا نہ کرنا"

دو راویوں کا تعارف: سند میں ایک راوی ہیں: أعلم، ان کا نام زیاد بن حسان ہے، أعلم ان کا لقب ہے۔ اعلم کے معنی ہیں: ہونٹ پھٹا، ان کا ہونٹ پھٹا ہوا تھا اس لئے ان کا یہ لقب پڑ گیا اور بَکْرۃ کے معنی ہیں: چرخی، ابو بکرۃ یعنی چرخی والا، یہ بڑے درجہ کے صحابی ہیں، جب نبی ﷺ نے طائف کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو اندر کچھ غلام تھے جو مسلمان تھے، جب قلعہ بند ہو گیا تو وہ اندر پھنس گئے، حضرت ابو بکرہؓ نے چرخی کا آئیڈیا پیش کیا اور سب غلاموں کو قلعہ سے نیچے اتار دیا

اور آخر میں خود بھی اتر آئے اور اسلامی لشکر میں شامل ہوگئے، اس لئے آپؓ کا لقب أبو بکرۃ (چرخی والا) پڑ گیا۔

بَابُ إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ

رکوع میں تکبیر پوری کرنا

یہ یکے بعد دیگرے دو باب ہیں، ان کا مقصد کیا ہے؟ حاشیہ میں کئی اقوال لکھے ہیں، میرے نزدیک صحیح مطلب یہ ہے کہ رکوع میں اور سجدوں میں جاتے وقت بھی تکبیریں ہیں، آگے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے کہ چار رکعتوں میں بائیس تکبیریں ہیں، اور ہر رکعت میں پانچ تکبیریں: رکوع میں جاتے ہوئے، قومہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے، سجدہ سے اٹھتے ہوئے، پھر سجدہ میں جاتے ہوئے، پھر سجدہ سے اٹھتے ہوئے یہ کل پانچ تکبیریں ہوئیں، اور ایک تکبیر تحریمہ اور دوسری قعدہ اولیٰ سے تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت، پس کل بائیس تکبیریں ہوئیں۔

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جھکتے ہوئے تکبیر نہیں کہتے تھے، یعنی جہراً تکبیر نہیں کہتے تھے، سراً کہتے تھے، خلفاء راشدین میں سب سے زیادہ عمر حضرت عثمانؓ کی ہوئی ہے اور سب سے لمبی خلافت بھی آپؓ کی ہے، آپؓ بارہ سال خلیفہ رہے ہیں، حضرت عمرؓ دس سال خلیفہ رہے ہیں، جب حضرت عثمانؓ بوڑھے ہوگئے تو آپؓ نے جھکتے ہوئے جہراً تکبیر کہنا چھوڑ دیا۔ جھکتے ہوئے زور سے تکبیر کہنا ضروری نہیں، لوگ امام کو دیکھ کر انتقال کریں گے البتہ اٹھتے وقت تکبیر کہنے کی اہمیت ہے ورنہ لوگوں کو امام کے انتقال کا پتہ کیسے چلے گا؟

اور قاعدہ ہے: الناس علی دین ملوکھم: چنانچہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ کے امراء بھی یہی کام کرنے لگے، باب میں مطرف کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سنت کے مطابق خفض ورفع کی ساری تکبیریں جہراً کہتے تھے، نماز کے بعد حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے مطرف سے کہا: اس شخص نے مجھے نبی ﷺ کی نماز یاد دلا دی، معلوم ہوا کہ خفض میں بھی جہراً تکبیر کہنا سنت ہے۔

باب کا مقصد: جب قیام سے رکوع میں یا قومہ سے سجدے میں جائیں گے اور تکبیر کہیں گے تبھی بائیس کی تعداد پوری ہوگی، اگر خفض میں تکبیریں نہیں کہیں گے نہ سراً نہ جہراً تو بائیس کی تعداد پوری نہیں ہوگی۔ إتمام التکبیر فی الرکوع کا یہی مطلب ہے یعنی جب آپ قیام سے رکوع میں جائیں تو تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں تاکہ بائیس تکبیروں کی تعداد پوری ہو۔ اور حاشیہ میں جو مختلف اقوال لکھے ہیں ان میں سب سے اچھی بات یہ ہے کہ جب آپ قیام سے جھکنا شروع کریں تو تکبیر کہنا شروع کریں، اور رکوع میں پہنچتے ہی تکبیر پوری کردیں، آج کل کے عرب ائمہ کی طرح نہ کریں، وہ پہلے رکوع اور سجدہ میں جاتے ہیں پھر تکبیر کہتے ہیں، یہ صحیح نہیں۔

[۱۱۵-] بَابُ إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَفِيهِ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ.

[۷۸۴-] حدثنا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: صَلَّى مَعَ عَلِيٍّ بِالْبَصْرَةِ، فَقَالَ: ذَكَّرَنَا هَذَا الرَّجُلُ صَلَاةً كُنَّا نُصَلِّيهَا مَعَ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَذَكَرَ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَفَعَ وَكُلَّمَا وَضَعَ.[انظر: ۷۸٦، ۸۲٦]

[۷۸۵-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ، فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ: إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم.[انظر: ۷۸۹، ۷۹۵، ۸۰۳]

وضاحت: مسئلہ باب میں دو حدیثوں کے حوالے ہیں: ایک: ابن عباسؓ کی حدیث کا، دوسری: مالکؓ کی حدیث کا، یہ دونوں حدیثیں اگلے ابواب میں آرہی ہیں۔

حدیث(۱): مطرف کہتے ہیں: (قال کا فاعل مطرف ہیں) عمران بن حصینؓ نے حضرت علیؓ کے پیچھے بصرہ میں نماز پڑھی (صلّی کا فاعل حضرت عمرانؓ ہیں) پس حضرت عمرانؓ نے کہا: اس شخص نے ہمیں وہ نماز یاد دلادی جو ہم نبی ﷺ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، پھر حضرت عمرانؓ نے بتایا کہ نبی ﷺ جب بھی سر اٹھاتے اور جب بھی سر جھکاتے تو تکبیر کہتے تھے۔

حدیث(۲): حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروان کے مؤذن تھے، جب وہ کہیں جاتا تو حضرت ابوہریرہؓ نماز پڑھاتے تھے، اور نماز کے بعد فرماتے: میں تمہیں بالکل نبی ﷺ جیسی نماز پڑھاتا ہوں۔

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ قیام سے رکوع میں جاتے ہوئے، قومہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے اور جلسہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہنی چاہئے، تاکہ بائیس کی تعداد پوری ہو۔

بَابُ إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي السُّجُودِ

سجدوں میں تکبیر پوری کرنا

قومہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے بھی امام کو جہراً تکبیر کہنی چاہئے، تاکہ بائیس کی تعداد پوری ہو۔

[۱۱٦-] بَابُ إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي السُّجُودِ

[۷۸٦-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللهِ

قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَا وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ كَبَّرَ، وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ أَخَذَ بِيَدِي عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، فَقَالَ: قَدْ ذَكَّرَنِي هٰذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم، أَوْ قَالَ: لَقَدْ صَلّٰى بِنَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم.

[راجع: ۷۸٤]

[۷۸۷-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ رَجُلًا عِنْدَ الْمَقَامِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ، وَإِذَا قَامَ، وَإِذَا وَضَعَ، فَأَخْبَرْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: أَوَلَيْسَ تِلْكَ صَلَاةَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم؟! لَا أُمَّ لَكَ!

وضاحت: مطرف کی روایت ابھی گذری ہے، اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حرم مکی میں نماز پڑھائی، اور ہر خفض ورفع میں تکبیر کہی، عکرمہ کو حیرت ہوئی، اور انھوں نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا تذکرہ کیا، ابن عباسؓ نے فرمایا: کیا یہ نبی ﷺ کی نماز نہیں ہے؟! تیرے لئے ماں نہ ہو یعنی تیری ماں مرے! أَوَلَيس میں ہمزہ استفہام انکاری کا ہے اور لا أم لك: محاورہ اور کلمۂ زجر ہے۔

بَابُ التَّكْبِيرِ إِذَا قَامَ مِنَ السُّجُوْدِ

جب سجدوں سے اٹھے تو تکبیر کہے

سجدوں سے سر اٹھاتے وقت بھی تکبیر کہنی چاہئے، اور قومہ اور جلسہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے بھی تکبیر کہنی چاہئے، تاکہ بائیس کی تعداد پوری ہو۔

[۱۱۷-] بَابُ التَّكْبِيرِ إِذَا قَامَ مِنَ السُّجُوْدِ

[۷۸۸-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ، فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِيْنَ تَكْبِيرَةً، فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّهُ أَحْمَقُ، فَقَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ! سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ صلى الله عليه وسلم وَقَالَ مُوْسَى حَدَّثَنَا أَبَانُ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ. [راجع: ۷۸۷]

[۷۸۹-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُوْلُ: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" حِيْنَ يَرْفَعُ

صُلْبَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ: " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِي، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا حَتَّى يَقْضِيَهَا. وَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوسِ – وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ، عَنِ اللَّيْثِ: " وَلَكَ الْحَمْدُ"

[راجع: ۷۸۵]

حدیث (۱): عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے مکہ میں ایک بوڑھے آدمی کے پیچھے نماز پڑھی (یہ حضرت ابو ہریرہؓ تھے) پس انھوں نے بائیس تکبیریں کہیں، میں نے ابن عباس سے کہا: وہ شخص احمق ہے! ابن عباس نے فرمایا: تیری ماں تجھے گم کرے! یعنی تو مر جائے (یہ محاورہ ہے، ابن عباسؓ نے ہلکا سا ڈانٹا ہے) وہ ابوالقاسم ﷺ کی سنت ہے .... اس حدیث کو موسیٰ بواسطہ ابان بھی حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں، ان کی روایت میں تحدیث کی صراحت ہے، اور ہمام کی روایت میں قتادہ نے عکرمہ سے بصیغہ عن روایت کیا ہے۔

حدیث (۲): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب نماز شروع کرنے کا ارادہ کرتے تو تکبیر (تحریمہ) کہتے، جب نماز شروع کرتے، پھر تکبیر کہتے جب رکوع کرتے، پھر کہتے سمع اللہ لمن حمدہ جب اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاتے، پھر کھڑے ہونے کی حالت میں کہتے: ربنا لک الحمد (یہ امام شافعیؒ کی دلیل ہے ان کے نزدیک امام تسمیع وتحمید دونوں کہے گا) پھر تکبیر کہتے جب آپ گرتے، پھر تکبیر کہتے جب سجدہ سے سر اٹھاتے، پھر تکبیر کہتے جب سجدہ کرتے، پھر تکبیر کہتے جب سجدہ سے سر اٹھاتے، پھر سب رکعتوں میں ایسا ہی کرتے، یہاں تک کہ نماز پوری فرماتے اور تکبیر کہتے جب بیٹھنے کے بعد (قعدۂ اولیٰ کے بعد) دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے (پس چار رکعتیں اور بائیس تکبیریں ہوئیں) ـــــ اور لیث کے دوسرے شاگرد عبداللہ بن صالح کی روایت میں واؤ کے ساتھ ولک الحمد ہے۔

بَابُ وَضْعِ الْأَكُفِّ عَلَى الرُّكَبِ فِي الرُّكُوعِ

رکوع میں ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھنا

پہلے رکوع میں تطبیق کی جاتی تھی، دونوں ہاتھوں کو معافی مانگنے والے کی طرح ملا کر گھٹنوں کے بیچ میں داخل کرنے کا نام تطبیق ہے، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی صراحت ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ تلامذہ کو نماز پڑھائی اور تطبیق کی، کسی نے یہ بات حضرت سعدؓ سے ذکر کی تو انھوں نے فرمایا: ہم پہلے ایسا کیا کرتے تھے مگر بعد میں اس سے روک دیئے گئے، اور ہم حکم دیئے گئے کہ ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھیں (ترمذی حدیث ۲۵۸) تمام ائمہ کے نزدیک رکوع کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیاں پھیلا کر گھٹنوں پر اس طرح رکھی

جائیں کہ گویا ان کو پکڑ رکھا ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے تطبیق کر کے اس لئے دکھائی تھی کہ تلامذہ رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے واقف ہو جائیں، اور اس کی حفاظت کریں، کیونکہ تمام احادیث کی حفاظت ضروری ہے، اگرچہ وہ منسوخ ہوں اور اس زمانہ میں یاد رکھنے کا طریقہ عمل کر کے دکھانا تھا، وہ اوقع فی النفس ہوتا ہے، تفصیل رفع یدین کے باب میں گذر چکی ہے۔

[۱۱۸-] بابُ وَضْعِ الأَكُفِّ عَلَى الرُّكَبِ فِي الرُّكُوْعِ

وَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدٍ فِيْ أَصْحَابِهِ: أَمْكَنَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ.

[۷۹۰-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِيْ يَعْفُوْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مُصْعَبَ بْنَ سَعْدٍ يَقُوْلُ: صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ أَبِيْ، فَطَبَّقْتُ بَيْنَ كَفَّيَّ، ثُمَّ وَضَعْتُهُمَا بَيْنَ فَخِذَيَّ، فَنَهَانِيْ أَبِيْ، وَقَالَ: كُنَّا نَفْعَلُهُ، فَنُهِيْنَا عَنْهُ، وَأُمِرْنَا أَنْ نَضَعَ أَيْدِيَنَا عَلَى الرُّكَبِ.

قال أبو حميد: یہ حوالہ پہلے بھی دو مرتبہ گذرا ہے اور یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جو آگے (حدیث ۸۲۸) آرہی ہے، ابو حمید نے اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں کہا: نبی ﷺ نے (رکوع میں) اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر جما کے رکھے، معلوم ہوا کہ رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھیں گے، ارسال (ہاتھوں کو کھلے چھوڑنا) سنت نہیں، اور ترمذی (حدیث ۲۵۹) میں ہے: فوضع يديه على ركبتيه كأنه قابض عليه: ابو حمیدؓ نے اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے گویا ان کو پکڑے ہوئے ہیں، یعنی پکڑنے کی ہیئت بنائی، اور یہی مسنون طریقہ ہے: دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھیلا کر گھٹنوں پر رکھیں، اور پکڑنے کی ہیئت بنائیں، مگر کس کر پکڑیں نہیں، اور فقہ کی بعض کتابوں میں جو پکڑنے کو لکھا ہے وہ صحیح نہیں۔

حدیث: مصعب بن سعد کہتے ہیں: میں نے اپنے ابا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے برابر میں نماز پڑھی، اور میں نے دونوں ہتھیلیاں ایک دوسرے سے ملا کر دونوں رانوں کے بیچ میں رکھیں، پس مجھے میرے ابا نے اس سے منع کیا اور فرمایا: ہم (دورِ اول میں) ایسا کرتے تھے پھر ہمیں اس سے روک دیا گیا اور ہمیں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

تشریح: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو اپنے تلامذہ کو تطبیق کر کے دکھائی تھی وہ منسوخ عمل کو یاد رکھنے کے لئے عمل کر کے دکھایا تھا، جیسے صغار صحابہ نے رفع یدین کر کے دکھایا اور آمین بالجہر کیا، جبکہ خلفائے راشدین نے نہ رفع یدین کیا ہے نہ آمین بالجہر، پس عام مسلمان بھی یہ دونوں کام نہیں کرتے تھے، مگر جب صحابہ نے یہ عمل کر کے دکھایا تو كلُّ جديدٍ لذيذ کی رو سے کچھ لوگوں نے اس میں دلچسپی لینی شروع کی اور اس کا رواج ہو گیا، اور تطبیق میں کسی نے دلچسپی نہیں لی تو اس کا رواج نہیں ہوا، بلکہ اکابر صحابہ نے وضاحت کردی کہ یہ عمل پہلے تھا، اور رفع یدین اور آمین بالجہر کی کسی نے وضاحت نہیں کی، اس لئے بعد میں وہ عمل مسنون ہو گئے۔ بہر حال یہ نقطہ یاد رکھنا ضروری ہے، پہلے رفع یدین کی بحث میں بھی میں نے یہ بات بیان کی ہے۔

بَابٌ: إِذَا لَمْ يُتِمَّ الرُّكُوعَ

جب رکوع اچھی طرح نہ کرے

ابھی ابوابُ صفۃِ الصلاۃ چل رہے ہیں اور کتاب الجمعۃ تک چلیں گے، درمیان میں چند ابواب تعدیل ارکان سے متعلق ہیں۔ کیونکہ تعدیلِ ارکان نماز کا اہم جزء ہے اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں تفصیلی ابواب قائم کئے ہیں۔

اب دو مسئلے سمجھنے ہیں:

پہلا مسئلہ: امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک تعدیل ارکان یعنی رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ باطمینان ادا کرنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی، امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے۔ اور امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک تعدیل ارکان فرض نہیں، پھر جرجانی رحمہ اللہ نے اس کو سنت قرار دیا ہے اور کرخی رحمہ اللہ نے واجب، یہ دونوں ائمہ: فقہاء احناف میں سے ہیں اور امام طحاوی رحمہ اللہ کے معاصر ہیں، پس کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک تعدیل ارکان کے تارک پر سجدۂ سہو واجب ہوگا اور جرجانی رحمہ اللہ کے نزدیک سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا، اور احناف کے یہاں مفتی بہ قول یہ ہے کہ تعدیل ارکان سنتِ مؤکدہ اشد تاکید (واجب جیسی سنت) ہے اس میں دونوں قول آ گئے، پس اگر کوئی تعدیل ارکان نہ کرے تو وقت کے اندر نماز واجب الاعادہ ہے، اور وقت کے بعد اعادہ مستحب ہے۔

دوسرا مسئلہ: قومہ اور جلسہ طویل رکن ہیں یا قصیر؟ رکوع تو طویل رکن ہے، چنانچہ جب آدمی اتنا جھکا کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ سکتے ہیں تو رکوع ہوگیا، پھر رکوع میں ٹھہرنا بھی مطلوب ہے اس لئے تسبیح اور تسبیح کی تکرار مشروع کی، تاکہ اس کے سہارے رکوع میں ٹھہرا جا سکے، اسی طرح سجدہ بھی طویل رکن ہے جب ماتھا اور ناک یا دونوں میں سے ایک زمین پر رکھ دیا تو سجدہ ہوگیا، پھر سجدہ میں ٹھہرنا بھی مطلوب ہے، چنانچہ تسبیح اور تسبیح کی تکرار مشروع کی۔ مگر قومہ اور جلسہ طویل رکن ہیں یا قصیر؟ اس میں اختلاف ہے احناف اور شوافع کے نزدیک یہ دونوں مختصر رکن ہیں، جب رکوع اور سجدہ سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہوگیا یا بیٹھ گیا اور بدن ڈھیلا چھوڑ دیا، اور ہر ہڈی اس کی جگہ سیٹ ہوگئی تو قومہ اور جلسہ ہوگیا، اب سجدہ کر سکتا ہے، ٹھہرنا ضروری نہیں، اور دلیل یہ ہے کہ اگر یہ طویل رکن ہوتے تو شریعت ان کے لئے بھی کوئی ذکر مشروع کرتی۔ اور ذکر چھوٹا ہوتا تو اس کی تکرار مشروع کرتی جبکہ نوافل میں تو قومہ اور جلسہ کے لئے اذکار مروی ہیں، مگر فرائض میں ایسا کوئی ذکر مروی نہیں، معلوم ہوا کہ یہ دونوں مختصر رکن ہیں۔

اور حنابلہ کے نزدیک رکوع وسجود کی طرح قومہ اور جلسہ بھی طویل رکن ہیں، ان کی دلیل حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو آگے تیسرے باب میں آرہی ہے، چنانچہ حرم کے ائمہ جتنی دیر رکوع اور سجدہ میں ٹھہرتے ہیں اتنی دیر قومہ اور جلسہ میں ٹھہرتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی ہمارے بعض ائمہ بھی ایسا کرتے ہیں، حالانکہ وہ اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں،

پس دوسروں کے لئے مسئلہ سمجھے بغیر ان کی پیروی کرنا صحیح نہیں۔

مسئلہ: جاننا چاہئے کہ نماز میں موالات واجب ہے یعنی دو رکنوں کے درمیان فصل نہیں ہونا چاہئے، ورنہ سجدہ سہو واجب ہوگا۔ لہٰذا اگر کوئی قومہ میں دیر تک خاموش کھڑا رہتا ہے یا جلسہ میں خاموش بیٹھا رہتا ہے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، البتہ کوئی ذکر کرتا رہے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا اور امام کے پیچھے مقتدی کی غلطی معاف ہے، اس کی ذمہ داری امام پر ہے۔

[۱۱۹-] بَابٌ: إِذَا لَمْ يُتِمَّ الرُّكُوْعَ

[۷۹۱-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ، قَالَ: رَأَى حُذَيْفَةُ رَجُلًا لَا يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ، قَالَ: مَا صَلَّيْتَ! وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللهُ مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۳۸۹]

ترجمہ: زید بن وہب کہتے ہیں: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع سجدے ٹھیک سے نہیں کر رہا تھا یعنی رکوع وسجود میں تعدیل نہیں کر رہا تھا، حضرت حذیفہؓ نے نماز کے بعد اس سے کہا: تیری نماز نہیں ہوئی! اور اگر تو ایسی ہی نماز پڑھتا ہوا مر گیا تو تیری موت اس فطرت (اسلام) پر نہیں ہوگی، جس پر اللہ عزوجل نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔

تشریح: تعدیل ارکان کو فرض کہنے والوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے جو رکوع وسجود میں تعدیل نہیں کر رہا تھا فرمایا کہ تیری نماز نہیں ہوئی! معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان فرض ہے۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے ناقص کو کالعدم فرض کر کے کلام کیا ہے، وعید کے موقع پر ایسا کرتے ہیں، اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ حدیث المُسِیئ صلوتَه میں نبی ﷺ نے حضرت خلاد رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: وإن انتقصتَ منه شيئا انتقصتَ من صلوتك: یعنی تعدیل نہ کرنے کی صورت میں نماز تو ہو جائے گی مگر ناقص ہوگی، معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان فرض نہیں، اور حضرت حذیفہؓ نے ناقص کو کالعدم فرض کر کے کلام کیا ہے۔

بابُ استِوَاءِ الظَّهْرِ فِي الرُّكُوْعِ

رکوع میں پیٹھ سیدھی کرنا

استواء کے معنی ہیں: سیدھا کرنا، رکوع میں سر اور کمر کو اس طرح ایک لیول پر کر لینا کہ ارتفاع وانخفاض باقی نہ رہے: استواء ہے۔ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے جو نماز پڑھ کر دکھائی تھی اس میں اس طرح رکوع کیا تھا کہ آپ نے اپنی کمر توڑ دی تھی۔ ھَصَرَ کے معنی ہیں: توڑ دینا، یعنی کمر اس طرح سیدھی کرنا کہ ارتفاع وانخفاض باقی نہ رہے، یہ ھَصَر کا مفہوم ہے، اتمامِ رکوع (اچھی طرح رکوع کرنے) کے لئے یہ ضروری ہے ورنہ نماز ناقص ہوگی۔

[۱۲۰-] بَابُ اسْتِوَاءِ الظَّهْرِ فِي الرُّكُوْعِ

وَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدٍ فِيْ أَصْحَابِهِ: رَكَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ.

بَابُ حَدِّ إِتْمَامِ الرُّكُوْعِ، وَالاِعْتِدَالِ فِيْهِ وَالاِطْمَأْنِيْنَةِ

رکوع تام کرنے کی اور اس میں اعتدال واطمینان کی حد

والاعتدال فیہ: عطف تفسیری ہے، اور الاطمأنینۃ اسی کے ہم معنی ہے، اس کے لئے دوسرا لفظ کبری میں طُمأنینۃ (طاء کے زبر اور پیش کے ساتھ) ہے، اردو میں بھی یہ دونوں لفظ طمانیت اور اطمینان مستعمل ہیں، اور ابھی بتایا ہے کہ رکوع تام ہے اتنا جھکنے کا کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں، پھر رکوع میں ٹھہرنا اعتدال واطمینان ہے اور یہ بھی مطلوب ہے اسی لئے تسبیح اور تسبیح کی تکرار مشروع کی گئی ہے۔

[۱۲۱-] بَابُ حَدِّ إِتْمَامِ الرُّكُوْعِ، وَالاِعْتِدَالِ فِيْهِ وَالاِطْمَأْنِيْنَةِ

[۷۹۲-] حدثنا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي الْحَكَمُ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: كَانَ رُكُوْعُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَسُجُوْدُهُ، وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ — مَاخَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ — قَرِيْبًا مِنَ السَّوَاءِ. [انظر: ۸۰۱، ۸۲۰]

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رکوع، اور آپؐ کے سجدے، اور سجدوں کا درمیان یعنی جلسہ اور جب آپؐ رکوع سے اپنا سر اٹھاتے یعنی قومہ —— قیام وقعود کے علاوہ —— تقریباً یکساں تھے (یہ احناف اور شوافع کا ترجمہ ہے اور حنابلہ ترجمہ کرتے ہیں: تقریباً برابر تھے)

تشریح:

۱- احناف اور شوافع نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ آنحضور ﷺ کے ارکان اربعہ میں تناسب اور یکسانیت ہوتی تھی، اور وہ قراءت کے اعتبار سے تھی، فجر میں قراءت طویل ہے اس لئے ارکان اربعہ بھی طویل ہوتے تھے، اور مغرب میں قراءت کم ہے اس لئے ارکانِ اربعہ بھی مختصر ہوتے تھے اور تہجد میں آپؐ قراءت بہت طویل فرماتے تھے، ایک رکعت میں سورۂ بقرہ اور دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران پڑھتے تھے، اس لئے ارکانِ اربعہ بھی بہت لمبے ہوتے تھے، چنانچہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپؐ کے رکوع وسجود پچاس آیتوں کے بقدر ہوتے تھے (متفق علیہ، مشکوۃ حدیث ۱۱۸۸)

اور حنابلہ حدیث کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ کے ارکانِ اربعہ زمانہ کے اعتبار سے برابر ہوتے تھے، یعنی رکوع اور سجدے میں اگر آپؐ دس سکنڈ ٹھہرتے تھے تو قومہ اور جلسہ میں بھی دس سکنڈ ٹھہرتے تھے اور اسی کو یعنی ارکانِ اربعہ میں زمانہ

کے اعتبار سے برابری کو وہ تعدیل کہتے ہیں۔ اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں مگر ان کا خیال صحیح نہیں کیونکہ اگر حدیث کا یہ مطلب ہوتا تو رکوع وسجود کی طرح قومہ اور جلسہ کے لئے بھی اذکار مسنون کیے جاتے، اور ان کو مکرر پڑھنے کا حکم دیا جاتا، جبکہ شریعت نے ان جگہوں میں اذکار مسنون نہیں کیے، اور نبی ﷺ سے ان جگہوں میں جو طویل اذکار مروی ہیں وہ نوافل کے لئے ہیں۔ فرائض کے لئے شریعت ہلکے اور آسان اذکار تجویز کرتی ہے تاکہ ہر مسلمان اس کو بآسانی یاد کر سکے اور پڑھ سکے اور جہاں کسی رکن میں ٹھہرانا مقصود ہوتا ہے وہاں اسی مختصر ذکر کو مکرر پڑھنے کی ہدایت دی جاتی ہے۔ شریعت کا یہ مزاج دلیل ہے کہ نبی ﷺ سے قومہ اور جلسہ میں جو طویل اذکار مروی ہیں وہ فرائض کے لئے نہیں ہیں، وہ اذکار نفل نماز کے لئے اور خواص امت کے لئے ہیں۔

۲- ما خلا القیامَ و القعودَ: سے حنابلہ کے سمجھے ہوئے مطلب کی تائید ہوتی ہے مگر یہ زیادتی محفوظ نہیں، اس لئے کہ اس حدیث کو شعبہ رحمہ اللہ سے بدل بن المحبّر کے علاوہ ابوالولید محمد بن جعفر، معاذ العنبری، ابن المبارک، ابن علیہ، یحییٰ قطان اور حفص بن عمر وغیرہ ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے اور سوائے بدل کے کوئی راوی یہ ٹکڑا نہیں بڑھاتا اور بدل کی دارقطنی نے تضعیف کی ہے (معارف السنن ۳: ۵۴)

۳- اور فتح الباری میں ہے کہ قیام سے قومہ اور قعود سے جلسہ مراد ہے قراءت والا قیام اور قعدہ اولیٰ یا ثانیہ مراد نہیں۔ پھر حافظ رحمہ اللہ نے ابن القیم کے حوالہ سے اس کی تردید کی ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ جملہ مہمل ہو جاتا ہے، ابھی تو کہا تھا کہ ارکان اربعہ یعنی رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ برابر ہوتے تھے پھر قومہ وجلسہ کا استثناء کرنا مہمل بات ہے، مگر حافظؒ نے بھی کوئی مطلب بیان نہیں کیا، بس تردید کر کے گذر گئے ہیں اور میں نے اوپر جواب دیا کہ یہ استثناء محفوظ نہیں، شعبہؒ سے متعدد ائمہ حدیث نے یہ حدیث روایت کی ہے، بدل کے علاوہ کوئی اس حدیث میں یہ جملہ نہیں بڑھاتا اور بدل کی دارقطنی نے تضعیف کی ہے۔

غرض حنابلہ قومہ اور جلسہ کو رکن طویل قرار دیتے ہیں اور ترجمہ کرتے ہیں: چاروں ارکان زمانہ کے اعتبار سے برابر ہوتے تھے اور احناف وشوافع رکن قصیر قرار دیتے ہیں اور ترجمہ کرتے ہیں: چاروں ارکان تقریباً یکساں ہوتے تھے، یعنی ان چاروں ارکان میں یکسانیت ہوتی تھی، پس یہ نص فہمی کا اختلاف ہے، اس لئے جس کو جس امام سے عقیدت ہے اس کی پیروی کرے۔

بَابُ أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهُ بِالْإِعَادَةِ

جس نے رکوع صحیح نہیں کیا تھا اس کو نبی ﷺ نے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا

اس باب میں حدیث المسيء صلوته ہے جو پہلے (صفۃ الصلوۃ باب ۹۵ میں) گذر چکی ہے، نبی ﷺ نے حضرت خلادؓ کو تین بار نماز لوٹانے کا حکم دیا، وہ تعدیل ارکان نہیں کر رہے تھے۔ الذی لایتم رکوعہ بالاعادۃ میں اشارہ ہے کہ نبی ﷺ نے اعادہ کا حکم تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے دیا تھا، معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان فرض ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔

اور حنفیہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے تنبیہ کے طور پر اعادہ کروایا تھا، جیسے ایک شخص کی لنگی ٹخنوں سے نیچے تھی، آپؐ نے اس کو دوبارہ وضوء کرنے کا حکم دیا، وہ وضوء کر کے لنگی اونچی باندھ کر آیا، معلوم ہوا کہ آپ کسی بات پر تنبیہ کرنے کی غرض سے بھی اعادہ کا حکم دیتے تھے، حضرت خلادؓ کو بھی اسی بناء پر دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا، مگر جب غلطی ان کی سمجھ میں نہ آئی اور انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو ایسی ہی نماز پڑھنا جانتا ہوں آپؐ مجھے سکھلائیں، پس آپؐ نے نماز سکھلائی اور آخر میں فرمایا: ''اگر آپ تعدیل ارکان میں کمی کریں گے تو نماز ناقص ہوگی''

[۱۲۲-] بَابُ أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي لَايُتِمُّ رُكُوْعَهُ بِالإِعَادَةِ

[۷۹۳-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سَعِيْدٌ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى، ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَرَدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم السَّلَامَ، فَقَالَ: "ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ" فَصَلَّى، ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "ارْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ" ثَلَاثًا، فَقَالَ: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ، فَعَلِّمْنِيْ، قَالَ: "إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلَاتِكَ كُلِّهَا" [راجع: ۷۵۷]

ملحوظہ: اس حدیث کا ترجمہ اور شرح صفۃ الصلوۃ باب ۹۵ میں پڑھیں۔

بَابُ الدُّعَاءِ فِي الرُّكُوْعِ

رکوع میں دعا کرنا

سجدوں کی طرح رکوع میں بھی دعا کی گنجائش ہے، ایک حدیث ہے: أَمَّا الركوعُ فَعَظِّمُوْا فيه الربَّ: رکوع میں اللہ کی بڑائی بیان کرو، اس حدیث سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ رکوع محل دعا نہیں، اس لئے کہ اس حدیث میں حصر نہیں ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے باب قائم کر کے اشارہ کیا کہ رکوع بھی محل دعا ہے، سجدہ کی طرح رکوع میں بھی دعا کر سکتے ہیں۔

[۱۲۳-] بَابُ الدُّعَاءِ فِي الرُّكُوْعِ

[۷۹٤-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهِ وَسُجُوْدِهِ: "سُبْحَانَكَ

اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي" [انظر: ۸۱۷، ۴۲۹۳، ۴۹۶۷]

وضاحت: اللّٰھم اغفرلی: دعا ہے، اور یہ دعا آپ نے رکوع میں کی ہے، پس باب ثابت ہوگیا، اور یہ نوافل کا ذکر ہے، آنحضور ﷺ نوافل میں رکوع میں یہ ذکر کرتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا برابر میں لیٹی ہوئی ہوتی تھیں، وہ یہ ذکر سنتی تھیں، فرائض میں تو صدیقہ عورتوں کی صف میں ہونگی، اور نبی ﷺ محراب میں، پس آپ رکوع میں کیا ذکر کر رہے ہیں اس کو صدیقہ کیسے سنیں گی؟ اس لئے یہ ذکر نفلوں کا ہے فرضوں کا نہیں۔

بَابُ مَايَقُوْلُ الْإِمَامُ وَمَنْ خَلْفَهُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ؟

رکوع سے سر اٹھا کر امام اور مقتدی کیا ذکر کریں؟

امام تسمیع وتحمید دونوں کو جمع کرے، اس طرح کہ رکوع سے قیام کا آغاز تسمیع سے کرے اور بالکل سیدھا ہونے کے بعد تحمید کرے، پس تسمیع وظیفۂ نہوض ہے، اور تحمید وظیفۂ اعتدال مقتدی بھی یہی کریں، شوافع اسی کے قائل ہیں، اور امام اعظم کے نزدیک امام صرف تسمیع کرے اور مقتدی صرف تحمید، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو، یہ حدیث پہلے گذری ہے، آپ نے امام اور مقتدی کے درمیان ذکر تقسیم کیا ہے اور صاحبین کے نزدیک امام تسمیع وتحمید دونوں کرے اور مقتدی صرف تحمید کریں، کیونکہ مذکورہ حدیث کا ماسیق لاجلہ الکلام صرف مقتدیوں کو تحمید کا حکم دینا ہے، امام کے تعلق سے حدیث ساکت ہے اور عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ امام کو بھی تحمید کرنی چاہئے، کیونکہ اس نے تعریف کرنے کا اعلان کیا ہے، پس خود بھی اس پر عمل کرنا چاہئے، میرا صاحبین کے قول پر عمل ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک امام ومقتدی: دونوں ذکر جمع کریں گے۔

اور امام بخاریؒ نے باب میں ومن خلفہ کا اضافہ کیا ہے مگر حدیث میں مقتدی کا تذکرہ نہیں کہ وہ بھی تسمیع وتحمید کو جمع کرے گا، ہوسکتا ہے امام بخاریؒ نے توافق بین الامام والماموم کے قاعدہ سے استدلال کیا ہو، یعنی امام ومقتدی کے درمیان یکسانیت ہونی چاہئے اور امام کا تسمیع وتحمید کو جمع کرنا حدیث میں مصرح ہے، پس مقتدی کو بھی دونوں ذکر جمع کرنے چاہئیں۔

اور یہ قاعدہ کہ امام ومقتدی کے درمیان مشاکلت ہونی چاہئے حدیث إنما جُعل الإمام لیؤتم بہ اور حدیث صَلُّوا کما رأیتمونی أصلی سے ماخوذ ہے، نبی ﷺ امام ہیں اور مقتدیوں کو حکم دے رہے ہیں کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو، معلوم ہوا کہ امام اور مقتدیوں کے درمیان توافق ہونا چاہئے، جب یہ بات ہے تو تابع کے لئے الگ سے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، جو حکم امام کا ہے وہی حکم مقتدیوں کا ہے، تابع متبوع کو دیکھے گا اور اس کے عمل کی طرح عمل کرے گا، اس طرح ومن خلفہ کا جزء ثابت ہوگا۔

[۱۲۴-] بَابُ مَايَقُوْلُ الْإِمَامُ وَمَنْ خَلْفَهُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ؟

[۷۹۵-] حدثنا آدمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا قَالَ: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" قَالَ: "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا رَكَعَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ يُكَبِّرُ، وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ قَالَ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ. [راجع: ۷۸۵]

ترجمہ اور وضاحت: نبی ﷺ جب سمع الله لمن حمده کہتے تو اللّٰهم ربنا ولك الحمد کہتے یعنی دونوں کو جمع کرتے، اور جب امام دونوں کو جمع کرے گا تو توافق بین الامام والمأموم کے قاعدہ سے مقتدی بھی جمع کریں گے، مگر نبی ﷺ امام ہونے کی حالت میں جمع کرتے تھے اس کی کوئی دلیل نہیں، ممکن ہے منفرد ہونے کی حالت میں جمع کرتے ہوں، اور نبی ﷺ جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اور جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے، یعنی ہر خفض ورفع میں آپ تکبیر کہتے تھے، پس امراء کا طریقہ سنت کے خلاف ہے۔

فائدہ: تحمید چار طرح سے مروی ہے (۱) صرف واؤ کے ساتھ: ربنا ولك الحمد (۲) واؤ کے بغیر: ربنا لك الحمد (۳) صرف اللّٰهم کے ساتھ: اللّٰهم ربنا لك الحمد (۴) دونوں کے ساتھ: اللّٰهم ربنا ولك الحمد، مگر ابن القیم رحمہ اللہ اللّٰهم اور واو کے اجتماع کو تسلیم نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں: احادیث سے دونوں کو جمع کرنا ثابت نہیں (زادالمعاد ۱: ۲۲۰) مگر اس حدیث میں اللّٰهم اور واو کا اجتماع ہے اور اللّٰهم ربنا لك الحمد (بغیر واؤ کے) مسلم شریف (۱: ۱۹۰) میں مروی ہے اور ربنا لك الحمد (بغیر اللّٰهم اور واؤ کے) اور ربنا ولك الحمد (اللّٰهم کے بغیر) بخاری (حدیث ۷۸۹ و ۸۰۳) میں مروی ہیں۔

بَابُ فَضْلِ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کی فضیلت

باب کی حدیث میں نبی ﷺ نے امام اور مقتدی کے وظائف تقسیم کئے ہیں، امام کا وظیفہ تسمیع ہے اور مقتدی کا تحمید، اور تقسیم اشتراک کے منافی ہے، مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر تحمید کی فضیلت کا باب رکھا ہے تاکہ تقسیم وظائف کی طرف قاری کا ذہن نہ جائے، اور جب اس طرف سے ذہن ہٹا دیا تو حضرتؒ نے اوپر جو دعوی کیا ہے کہ امام اور مقتدی دونوں ذکر جمع کریں: یہ دعوی قاری کے لئے قابل قبول ہو جائے گا، ورنہ حدیث پڑھ کر قاری کے لئے لمحۂ فکریہ پیدا ہوگا اور وہ غور کرے گا کہ جب نبی ﷺ نے وظائف تقسیم کئے ہیں تو آپ دونوں ذکر جمع کیوں کرتے تھے؟ جب وہ غور کرے گا تو اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ نبی ﷺ امام ہونے کی حالت میں دونوں ذکر جمع کرتے تھے اس کی کوئی دلیل نہیں، منفرد ہونے کی حالت میں جمع کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے، اور یہی مطلب قرین صواب ہے، تاکہ دونوں حدیثیں ایک دوسرے کے موافق

ہوجائیں، اوران میں کوئی تعارض باقی نہ رہے۔

[۱۲۵-] بَابُ فَضْلِ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ

[۷۹۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِذَا قَالَ الإِمَامُ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُوْلُوْا: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ" [انظر: ۳۲۲۸]

بَابٌ

قومہ میں اذکار وادعیہ کی گنجائش ہے

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ قومہ میں تسمیع وتحمید کے بعد اذکار وادعیہ کی گنجائش ہے، یہ بات نبی ﷺ سے ثابت ہے، مگر یہ رواتب کے طور پر نہیں تھا، بلکہ کبھی کبھار کا عمل تھا، مگر اس سے قومہ میں اذکار وادعیہ کا جواز نکلا، پس یہ باب کالفصل من الباب السابق نہیں ہے، بلکہ تشحیذ اذہان کے لئے یہ باب رکھا ہے، پس طلبہ کو یہاں باب لگانا چاہئے، گیلری میں القنوت لکھا ہے، پس باب لگائیں گے بابُ القنوت یا بابُ القنوت فی القومۃ (قومہ میں دعا کرنے کا بیان)

[۱۲۶-] بَابٌ

[۷۹۷-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَأُقَرِّبَنَّ صَلَاةَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَكَانَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ يَقْنُتُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُخْرَى مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَصَلَاةِ الْعِشَاءِ وَصَلَاةِ الصُّبْحِ بَعْدَ مَا يَقُوْلُ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَيَدْعُوْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَلْعَنُ الْكُفَّارَ.

[انظر: ۸۰۴، ۱۰۰۶، ۲۹۳۲، ۴۵۶۰، ۴۵۹۸، ۶۲۰۰، ۶۳۹۳، ۶۹۴۰]

حدیث(۱): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا: میں ضرور تم سے نبی ﷺ کی نماز کو قریب کروں گا، یعنی تمہیں نبی ﷺ جیسی نماز پڑھاؤں گا، اس زمانہ میں تعلیم کا یہی طریقہ تھا، صحابہ عمل کرکے دکھاتے تھے اور تابعین اس کو محفوظ کرتے تھے، فعلی تعلیم اوقع فی النفس ہوتی ہے، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ظہر، عشاء اور فجر کی نمازوں میں تسمیع کے بعد دعا مانگی، آپؓ نے مؤمنین کے حق میں دعا کی اور کفار پر لعنت بھیجی (یہی جزء ترجمہ سے متعلق ہے)

تشریح:

۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تو نماز پڑھ کر دکھائی تھی اب اس کو الفاظ کا جامہ راوی پہنائے گا، جیسے حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی ایک مجلس میں چار رکعت پڑھ کر دکھائی تھی، پھر اس کو الفاظ کا جامہ راوی نے پہنایا تھا، کیونکہ

اس کے بغیر روایت کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

۲- جس طرح حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز پڑھ کر دکھائی ہے ابوحمید ساعدی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے بھی دکھائی ہے، اس میں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ رواۃ نے ان حضرات کی نمازوں میں سے خاص اجزاء ہی بیان کئے ہیں، عام اجزاء جو سبھی مسلمانوں کی نمازوں میں ہوتے ہیں ان کو بیان نہیں کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی جگہ رفع یدین نہ کرنا آپؓ کی نماز کا خاص جزء تھا، راوی نے اسی کو بیان کیا ہے، حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی نماز میں رفع یدین کرنا، مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا، جلسہ استراحت کرنا اور قعدۂ اخیرہ میں تورک کرنا اہم اجزاء تھے، راوی نے انہی کو بیان کیا ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نماز میں فرض کی آخری رکعت کے قومہ میں قنوت پڑھنا اہم جزء تھا جو عام مسلمانوں کی نمازوں میں نہیں تھا، اس لئے راوی نے اس کو بیان کیا ہے۔

آنحضور ﷺ نے فرائض کی آخری رکعت کے قومہ میں قنوت نازلہ پڑھا ہے، مگر وہ آپؐ کا دائمی عمل نہیں تھا، وقتی مصلحت سے تھا، پس وہ سنت راتبہ نہیں، مگر مرور زمانہ کے ساتھ لوگ اس عمل کو بھولنے لگے، اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز میں قنوت نازلہ پڑھ کر دکھایا تاکہ لوگ آنحضور ﷺ کے اس عمل سے واقف ہو جائیں اور اس کی حفاظت کریں، منسوخ اور وقتی مصلحت سے کیا ہوا عمل سنت نہیں ہوتا، اس پر عمل نہیں کیا جاتا، مگر حفاظت ان کی بھی ضروری ہے، وہ کتابوں کا دور نہیں تھا اور حفاظت کا بہترین طریقہ عمل کر کے دکھانا تھا جو چیز عمل کر کے دکھادی جاتی ہے وہ ذہن سے نہیں نکلتی اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ نے عمل کر کے دکھایا تاکہ لوگ اس کو محفوظ کریں۔

۳- لفظ قنوت کے بہت سے معانی ہیں۔ ترمذی باب طول القنوت کے حاشیہ میں اس کے بہت سے معانی لکھے ہیں، ان میں سے ایک معنی: دعا ہیں، پھر قنوت دو ہیں: راتبہ اور نازلہ، راتبہ وہ قنوت ہے جو ہمیشہ پڑھا جاتا ہے اور نازلہ: وہ قنوت ہے جو اس وقت پڑھا جاتا ہے جب کوئی آفت نازل ہو۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک فجر کی دوسری رکعت میں پورے سال جو قنوت پڑھا جاتا ہے وہ قنوت راتبہ ہے اور وہ ان کے نزدیک سنت ہے، اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک فجر کی نماز میں قنوت راتبہ نہیں ہے، پس اگر کوئی حنفی کسی شافعی یا مالکی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو خاموش کھڑا رہے۔

اور ایک قنوت نازلہ ہے جب مسلمانوں پر کوئی افتاد آپڑے تو یہ قنوت پڑھا جاتا ہے اور اس کی مشروعیت پر امت کا اجماع ہے، اور تیسرا قنوت: قنوت وتر ہے، یہ بھی قنوت راتبہ ہے، یہ پورے سال پڑھنا چاہئے یا صرف رمضان میں؟ اس میں اختلاف ہے جو اپنی جگہ آئے گا۔

۴- جس طرح فاتحہ میں دو مسئلے الگ الگ ہیں، ایک: فاتحہ کا نماز سے کیا تعلق ہے؟ نمازی کون ہے اس سے قطع نظر، دوم: فاتحہ کا کس نمازی سے تعلق ہے؟ ان دونوں مسئلوں کے دلائل میں خلط ملط ہو گیا ہے جس کی وجہ سے مسئلہ الجھ گیا ہے۔ پس اگر دونوں مسئلے الگ الگ کر دیئے جائیں اور دونوں کے دلائل بھی جدا جدا کر دیئے جائیں تو مسئلہ آسانی سے سمجھ میں

آجائے گا، یہاں بھی یہی ہوا ہے، قنوت راتبہ اور قنوت نازلہ کے دلائل باہم ایسے الجھ گئے ہیں کہ ان کو الگ الگ کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متضاد روایتیں مروی ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی متضاد روایتیں مروی ہیں، کتاب کا حاشیہ دلائل سے بھرا پڑا ہے، قیمتی حاشیہ ہے، حنفیہ اور حنابلہ نے مسئلہ میں دوٹوک فیصلہ کیا ہے کہ فجر میں نبی ﷺ سے یا صحابہ سے قنوت پڑھنے کی جتنی روایتیں ہیں وہ سب قنوت نازلہ سے تعلق رکھتی ہیں، وہ قنوت راتبہ کی روایتیں نہیں ہیں، اور امام مالک اور امام شافعی نے تقسیم کی ہے، بعض روایتوں کو قنوت نازلہ پر محمول کیا ہے اور بعض کو قنوت راتبہ پر، اور انھوں نے مسئلہ طے کردیا کہ فجر کی نماز میں پورے سال قنوت راتبہ پڑھنا مستحب یا سنت ہے۔

۵- حاشیہ میں ابو مالک اشجعی رحمہ اللہ کی اپنے والد حضرت طارق اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، آپؐ نے قنوت نہیں پڑھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، انھوں نے بھی قنوت نہیں پڑھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے انھوں نے بھی قنوت نہیں پڑھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، انھوں نے بھی قنوت نہیں پڑھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے انھوں نے بھی قنوت نہیں پڑھا، پھر فرمایا: بیٹے! یہ بدعت ہے، یہ روایت نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی میں ہے اور امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ متعدد صحیح احادیث میں آنحضور ﷺ سے فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا مروی ہے اور حضرت طارق رضی اللہ عنہ نے اس کو بدعت کہا ہے، پس حضرت طارقؓ کے قول کو قنوت راتبہ پر محمول کریں گے جس کا پڑھنا آنحضور ﷺ سے اور خلفائے راشدین سے ثابت نہیں۔

۶- آنحضور ﷺ نے خاص حالات میں فجر میں قنوت نازلہ پڑھا ہے مگر صغار صحابہ نے جب دیکھا کہ مرور زمانہ سے لوگ آنحضور ﷺ کے اس عمل کو بھول رہے ہیں تو انھوں نے کبھی کبھی اس پر عمل شروع کیا تاکہ لوگ اس کو محفوظ رکھیں مگر چونکہ ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے اس لئے بعض لوگوں نے اس میں دلچسپی لینی شروع کی اور وہ یہ عمل بغیر سبب کے ہمیشہ کرنے لگے، ابو مالک کے علاقہ میں بھی بعض لوگ یہ قنوت دائماً پڑھنے لگے تھے اس لئے انھوں نے بھی پڑھا، جس کو ان کے والد نے بدعت قرار دیا۔

۷- بیرِ معونہ کے واقعہ میں ستر صحابہ شہید کئے گئے تھے، وہ سب غرباء اور حفاظ قرآن تھے، آنحضور ﷺ کو اس کا سخت رنج ہوا اور آپؐ نے ایک ماہ تک فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھا، بعض قبائل کے لئے بددعا کی اور جو نادار صحابہ مکہ میں پھنس گئے تھے اور کفار کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے ان کے حق میں دعا کی، ایک مہینہ کے بعد آیت: ﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْأَمْرِ شَیْئٌ﴾ نازل ہوئی، تو آپؐ نے قنوت پڑھنا بند کردیا۔

۸- باب میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایتیں ہیں، انھوں نے فجر میں اور دوسری نمازوں میں قنوت پڑھا ہے، اور دونوں سے اس کے خلاف بھی مروی ہے وہ روایتیں حاشیہ میں ہیں، پس لامحالہ یہی تطبیق دینی ہوگی کہ

ان حضرات نے جو قنوت کی نفی کی ہے وہ قنوت راتبہ کی نفی کی ہے، اور جو قنوت پڑھا ہے وہ قنوت نازلہ پڑھا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ بھی مغرب میں قنوت راتبہ کے قائل نہیں، اور ان دونوں حضرات نے مغرب وظہر میں بھی قنوت پڑھا ہے، پس وہ لامحالہ قنوتِ نازلہ ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے قنوت میں کفار کے لئے بددعا کی ہے اور بددعا قنوت نازلہ میں کی جاتی ہے قنوت راتبہ میں نہیں کی جاتی۔

مسئلہ: جو کافر مر چکا ہے اور اس کا کفر پر مرنا یقینی ہے جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ اس پر لعنت بھیج سکتے ہیں اور جس کافر کے کفر پر مرنے کی کوئی یقینی دلیل نہیں یا جو کافر ابھی زندہ ہے، اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں، البتہ بالعموم کفار پر لعنت بھیج سکتے ہیں، قنوتِ نازلہ میں عام کفار کے لئے بددعا کی جاتی ہے معین کفار کے لئے بددعا نہیں کی جاتی۔ اور نبی ﷺ نے قنوتِ نازلہ میں جو متعین اشخاص پر لعنت بھیجی تھی وہ آپ کی خصوصیت تھی، آپؐ صاحب وحی تھے، آپ کو ان کے انجام کی خبر دی گئی تھی۔

[۷۹۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ الْقُنُوتُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْفَجْرِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قنوت فجر اور مغرب میں تھا یعنی نبی ﷺ نے فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھا ہے اور اس پر قیاس کر کے تمام جہری نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں اور حاشیہ میں حضرت انسؓ سے قنوت کی نفی بھی مروی ہے، پس اس کو قنوت راتبہ پر محمول کریں گے۔

[۷۹۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُجْمِرِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى بْنِ خَلَّادٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي يَوْمًا وَرَاءَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ، قَالَ: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" قَالَ رَجُلٌ: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: "مَنِ الْمُتَكَلِّمُ؟" قَالَ: أَنَا، قَالَ: "رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِينَ مَلَكًا يَبْتَدِرُونَهَا، أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ.

حدیث: حضرت رفاعہؓ کہتے ہیں: ہم ایک دن نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب آپؐ نے رکوع سے سر اٹھایا تو کہا: سمع الله لمن حمده ایک شخص نے یہ ذکر کیا ربنا ولك الحمد حمداً كثيرا طيبا مباركاً فيه جب آپ نے نماز پوری کی تو پوچھا: نماز میں کون بولا؟ اس شخص نے عرض کیا: میں بولا، آپؐ نے فرمایا: میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا جو ان کلمات کی طرف جھپٹے کہ ان میں سے کون ان کلمات کو سب سے پہلے لکھے۔

تشریح: نبی ﷺ نے اس ذکر کو شاندار ذکر قرار دیا، اس کے باوجود کسی نے قومہ میں یہ ذکر نہیں لکھا کیونکہ من المتكلم؟ سے ناگواری ٹپکتی ہے، آپؐ نے اس کو نماز میں بولنا قرار دیا ہے، مگر قومہ میں اذکار وادعیہ کی گنجائش نکلی، اور یہی مقصود باب ہے۔

بَابُ الطُّمَأْنِيْنَةِ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ

جب رکوع سے سر اٹھائے تو اطمینان سے کھڑا ہو

قومہ اور جلسہ کے لئے اذکار وادعیہ نہیں ہیں، اور تسمیع وتحمید وتکبیر انتقال کے اذکار ہیں، مگر قومہ اور جلسہ میں اعتدال فرض یا سنتِ مؤکدہ اشد تاکید ہے، اور اعتدال وتعدیل کے لغوی معنی ہیں: درستگی، ٹھیک سے کرنا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: تمام اعضاء اپنی حالت کی طرف لوٹ جائیں، اور ہر ہڈی اپنی جگہ میں سیٹ ہوجائے، حدیث میں اس کے لئے تعبیر ہے حتی تَسْتَوِیَ قائِمًا: پس جب بالکل سیدھا کھڑا ہوگیا تو اعتدال ہوگیا، اب سجدہ میں جاسکتے ہیں پھر رکوع وسجود میں ٹھہرنا بھی مطلوب ہے، اس لئے تسبیح اور اس کی تکرار مشروع کی اور قومہ وجلسہ میں ٹھہرنا مطلوب نہیں، اس لئے کوئی ذکر مشروع نہیں کیا۔

البتہ نوافل میں جبکہ نماز طویل کرنا مقصود ہو، قومہ اور جلسہ طویل کیا جاسکتا ہے، مگر یہ طول ذکر کے ساتھ ہونا چاہئے، خاموش کھڑے رہنے سے سجدہ سہو لازم آئے گا، اس لئے کہ ارکان میں موالات شرط ہے۔

اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں تعدیل کا ادنی درجہ ذکر کیا ہے مگر باب کی احادیث میں مختلف درجات کا بیان ہے، باب کی زیادہ تر حدیثیں نوافل کے بارے میں ہیں، اور نوافل میں زیادہ سے زیادہ ٹھہرنے کی کوئی حد نہیں، ایک حدیث میں ہے: حَتّٰى نَقُوْلَ إِنَّهُ نَسِيَ: نبی ﷺ نوافل میں قومہ میں اتنی دیر ٹھہرتے تھے کہ ہم خیال کرتے تھے کہ شاید آپ سجدہ کرنا بھول گئے۔

اور دوسری حدیث میں ہے: قریباً من السَّواء: یعنی رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ کے درمیان تناسب ہوتا تھا، اگر آپ مختصر نماز پڑھتے اور رکوع وسجدہ مختصر کرتے تو قومہ اور جلسہ میں نہیں ٹھہرتے تھے اور قیام طویل ہوتا اور رکوع اور سجود پچاس آیتوں کے بقدر کرتے تو قومہ اور جلسہ میں بھی ٹھہرتے اور طویل ذکر کرتے۔

[۱۲۷-] بَابُ الطُّمَأْنِيْنَةِ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ

وَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدٍ: رَفَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم رَأْسَهُ وَاسْتَوَى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ.

[۸۰۰-] حدثنا أَبُو الْوَلِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ ثَابِتٍ، قَالَ: كَانَ أَنَسٌ، يَنْعَتُ لَنَا صَلَاةَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: فَكَانَ يُصَلِّيْ، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَامَ حَتّٰى نَقُوْلَ: قَدْ نَسِيَ. [انظر: ۸۲۱]

وضاحت: پہلی حدیث جو تعلیقاً ذکر کی گئی ہے وہ حقیقت میں فعلی حدیث ہے، حضرت ابوحمید ساعدیؓ نے نماز پڑھ کر دکھائی تھی، راوی نے اس کو قولی حدیث بنایا ہے کہ نبی ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا اور سیدھے کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ ریڑھ کی ہڈی کا ہر مہرہ اس کی جگہ کی طرف لوٹ گیا۔ فَقَار: فَقَارَة کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: ریڑھ کی ہڈی کا مہرہ، یہی

استدلال ہے اور باب میں اسی کا ذکر ہے۔

حدیث: ثابت بنانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ ہمارے سامنے آنحضور ﷺ کی نماز کی حالت بیان کیا کرتے تھے (فرمایا کرتے تھے) نبی ﷺ نماز پڑھتے تھے پس جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اتنی دیر کھڑے رہتے کہ ہم سوچتے کہ آپ بالیقین سجدہ کرنا بھول گئے، یہ نوافل کا بیان ہے جب کہ آپ بہت لمبی نماز پڑھتے تھے۔

[۸۰۱-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: كَانَ رُكُوْعُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَسُجُوْدُهُ، وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوْعِ، وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيْبًا مِنَ السَّوَاءِ.
[راجع: ۷۹۲]

وضاحت: یہ حدیث چند ابواب پہلے گذری ہے نبی ﷺ کے ارکان اربعہ: رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ کے درمیان تناسب ہوتا تھا، اس حدیث کو شعبہ رحمہ اللہ سے ابو الولید نے روایت کیا ہے ان کی حدیث میں ماخلا القیام والقعود کا استثناء نہیں ہے، شعبہؒ سے اور بھی ائمہ حدیث اس کو روایت کرتے ہیں، ان کی حدیثوں میں بھی یہ استثناء نہیں، صرف بدل بن المحبّر کی روایت میں یہ استثناء ہے اور دار قطنی نے اس کی تضعیف کی ہے۔

[۸۰۲-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، قَالَ: كَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ يُرِيْنَا كَيْفَ كَانَ صَلَاةُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم؟ وَذَاكَ فِيْ غَيْرِ وَقْتِ صَلَاةٍ، فَقَامَ فَأَمْكَنَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَمْكَنَ الرُّكُوْعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَأَنْصَبَ هُنَيَّةً، قَالَ فَصَلَّى بِنَا صَلَاةَ شَيْخِنَا هَذَا أَبِيْ يَزِيْدَ. وَكَانَ أَبُوْ يَزِيْدَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الْآخِرَةِ اسْتَوَى قَاعِدًا، ثُمَّ نَهَضَ. [راجع: ۶۷۷]

حدیث: ابو قلابہؒ کہتے ہیں: مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ ہمیں دکھایا کرتے تھے کہ نبی ﷺ کی نماز کیسی تھی؟ اور یہ بات نماز کے وقت کے علاوہ میں تھی یعنی فرض پڑھ کر نہیں بلکہ نفل پڑھ کر دکھاتے تھے (چنانچہ ایک دن) آپؓ کھڑے ہوئے، پس قیام کو جمایا یعنی دیر تک کھڑے رہے پھر رکوع کیا اور رکوع کو جمایا، پھر اپنا سر اٹھایا پس تھوڑی دیر سیدھے کھڑے رہے (یہی قومہ کی تعدیل ہے اور یہی جلسہ کی بھی تعدیل ہے) اِنْصَبَ کے معنی ہیں: ریڑھنا اور هُنَيَّة (مفعول مطلق) کے معنی ہیں: تھوڑی دیر یعنی تمام اعضاء کو ان کی جگہ کی طرف لوٹایا، اور کشمیری میں اَنْصَتَ ہے یعنی تھوڑی دیر خاموش رہے۔

ابو قلابہ کہتے ہیں: پس ہمیں نماز پڑھائی ہمارے ان حضرت کی طرح نماز پڑھانا یعنی ابو یزید عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی طرح نماز پڑھائی، اور ابو یزید جب (پہلی اور تیسری رکعت کے) دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو ٹھیک سے بیٹھ جاتے تھے یعنی جلسہ استراحت کرتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تھے ــــ جلسہ استراحت مسنون ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ آگے (باب

۱۳۲ میں) آرہا ہے۔

باب: يَهْوِي بِالتَّكْبِيرِ حِينَ يَسْجُدُ

جب سجدہ کرے تو تکبیر کے ساتھ گرے

چاروں فقہاء اس پر متفق ہیں کہ تکبیراتِ انتقالیہ ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کی حالت میں کہی جائیں گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ فرماتے ہیں: یھوی بالتکبیر حین یسجد: جب سجدہ کرے تو تکبیر کے ساتھ گرے یعنی قومہ سے سجدہ میں جھکتے ہی تکبیر شروع کردے۔ ھوی (ض) ھویا: کے معنی ہیں: گرنا، قرآن کریم میں ہے: ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ﴾ ای سقط مگر آج کل عرب ائمہ انتقال کے دوران تکبیر نہیں کہتے بلکہ دوسرے رکن میں منتقل ہونے کے بعد تکبیر کہتے ہیں، یہ طریقہ حدیث اور فقہاء کے اجماع کے خلاف ہے (دیکھئے تحفۃ القاری ۲: ۵۵۵)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے زمین پر ہاتھ رکھنے چاہئیں یا گھٹنے؟ ابن عمرؓ پہلے ہاتھ رکھتے تھے پھر گھٹنے، امام مالکؒ اسی کو مسنون کہتے ہیں اور دیگر ائمہ کے نزدیک پہلے گھٹنے پھر ہاتھ رکھنے مسنون ہیں۔ ابن عمرؓ کا فعل امام مالکؒ کی دلیل ہے اور ان کی دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ابو داؤد (۱: ۱۲۲ مصری کیف یضع رکبتیہ؟) میں ہے، وہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے اور چاہئے کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں سے پہلے رکھے'' آخری جملہ: وَلْيَضَعْ يديه قبل ركبتيه سجدہ میں جانے کا طریقہ ہے یا پہلے جملہ کی شرح ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سجدہ میں جانے کا طریقہ ہے اور جمہور کہتے ہیں: یہ پہلے جملہ کی شرح ہے اس لئے کہ اونٹ جب بیٹھتا ہے تو پہلے اگلے دونوں پیر موڑ کر زمین پر رکھتا ہے اور جانوروں کے اگلے پیر انسانوں کے ہاتھوں کے بمنزلہ ہیں، اور اس سے نبی ﷺ نے منع کیا ہے، علاوہ ازیں یہ آخری جملہ محفوظ نہیں، محمد بن عبد اللہ بن الحسن سے عبد اللہ بن نافع، اور عبد العزیز بن محمد دراوردی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، اور صرف عبد العزیز اس ٹکڑے کو بڑھاتے ہیں، عبد اللہ بن نافع اس ٹکڑے کو ذکر نہیں کرتے، اور عبد اللہ: دراوردی سے زیادہ معتبر ہیں، حافظ رحمہ اللہ نے تقریب میں تحریر فرمایا ہے کہ دراوردی دوسروں کی کتابوں سے حدیث بیان کرتے تھے، جس کی وجہ سے ان سے غلطی ہو جاتی تھی (ص: ۳۵۸) اور عبد اللہ کی کتاب صحیح تھی (ص: ۳۲۶) لہٰذا آخری جملہ دراوردی کا وہم ہے، یا ابن عمرؓ کا فعل عذر پر محمول ہے، معذور اس طرح سجدے میں جا سکتا ہے اور جمہور کی دلیل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جب آپؐ نے سجدہ کیا تو گھٹنوں کو اپنے ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھا اور جب سجدہ سے سر اٹھایا تو ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے پہلے اٹھایا، اس حدیث میں بھی کلام ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۲: ۶۵) میں ہے۔

[۱۲۸-] باب: يَهْوِيْ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ يَسْجُدُ

وَقَالَ نَافِعٌ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ.

[۸۰۳-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، وَأَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُكَبِّرُ فِيْ كُلِّ صَلَاةٍ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ وَغَيْرِهَا، فِيْ رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ، فَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُوْلُ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، ثُمَّ يَقُوْلُ: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَ، ثُمَّ يَقُوْلُ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ حِيْنَ يَهْوِيْ سَاجِدًا، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الْجُلُوْسِ فِي الْاِثْنَتَيْنِ، وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ، حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلَاةِ، ثُمَّ يَقُوْلُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ إِنِّيْ لَأَقْرَبُكُمْ شَبَهًا بِصَلَاةِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، إِنْ كَانَتْ هٰذِهِ لَصَلَاتَهُ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا. [راجع: ۷۸۵]

[۸۰۴-] قَالَا: وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: وَكَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، يَقُوْلُ: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" يَدْعُوْ لِرِجَالٍ فَيُسَمِّيْهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ، فَيَقُوْلُ: "اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ، وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِيْ رَبِيْعَةَ، وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ، وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ" وَأَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِنْ مُضَرَ، مُخَالِفُوْنَ لَهُ. [راجع: ۷۹۷]

اثر: حضرت ابن عمرؓ اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں سے پہلے رکھا کرتے تھے، یہ ان کے شاگرد اور مولیٰ نافع کا بیان ہے، یہ حضرت کا بڑھاپے کا عمل ہے، اس زمانہ میں آپؓ میلین اخضرین کے درمیان بھی چلتے تھے، دوڑتے نہیں تھے، اور قعدہ میں چارزانو بیٹھتے تھے، یہ حدیث چند ابواب کے بعد آرہی ہے، اُسی کمزوری کے زمانہ میں سجدہ میں پہلے ہاتھ پھر گھٹنے رکھتے تھے۔ معذور کے لئے ایسا کرنے کی گنجائش ہے۔

حدیث: اس حدیث کو ابن شہاب زہریؒ دو اساتذہ سے: ابوبکر بن عبدالرحمن سے اور ابوسلمۃ بن عبدالرحمن سے روایت کرتے ہیں، اور یہ بائیس تکبیروں والی روایت ہے جو پہلے آچکی ہے۔

قولہ: فی کل صلاۃ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہر نماز میں خواہ فرض ہو خواہ غیر فرض، اور خواہ رمضان کی نماز ہو یا غیر رمضان کی: ہر اونچ نیچ میں تکبیر کہا کرتے تھے۔

قولہ حین یقوم: اس حدیث میں لفظ حین بار بار آیا ہے اس کا مفہوم ہے: انتقال کے دوران تکبیر کہنا۔

قولہ: قبل أن یسجد: حضرت ابوہریرہؓ رکوع سے اٹھتے وقت پہلے تسمیع کہتے تھے پھر سیدھے کھڑے ہوکر تحمید کہتے تھے، یہ منفرد کا عمل ہے، اور امام دونوں کو جمع کرے گا یا صرف تسمیع کہے گا؟ اس میں اختلاف ہے۔

قولہ: حین یھوی ساجدا: یہاں باب ہے، سجدہ میں گرتے وقت یعنی انتقال کے دوران تکبیر کہتے تھے۔

قولہ: ثم یقول حین ینصرف: نماز سے فارغ ہوکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! بیشک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ساتھ تم میں سب سے زیادہ مشابہ ہوں، بے شک یہ البتہ آپ کی نماز تھی یہاں تک کہ آپ دنیا سے جدا ہوئے۔

(حدیث ۸۰۴) **قالا**: ابن شہاب زہریؒ کے دو استاذ ہیں اس لئے تثنیہ کی ضمیر لائے ہیں، اور یہ اوپر والی سند ہی سے مروی ہے، مضمون کے فرق کی وجہ سے نمبر الگ ڈالا ہے۔

قولہ: وکان رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم حین یرفع رأسہ یقول: نبی صلی اللہ علیہ وسلم (فجر کی نماز میں) دوسری رکعت کے قومہ میں قنوتِ نازلہ پڑھا کرتے تھے، اس میں ولید بن الولید، سلمۃ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کی رستگاری کے لئے خاص طور پر، اور کمزور مسلمانوں کے لئے عام طور پر جو مکہ میں پھنس گئے تھے اور ہجرت نہیں کرسکتے تھے دعا کرتے تھے، اور کفار کے لئے عام طور پر اور بعض قبائل واشخاص کے لئے خاص طور پر بددعا کرتے تھے، یہاں تک کہ آیت کریمہ: ﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْأَمْرِ شَیْئٌ﴾ نازل ہوئی پس آپ نے قنوت بند کردیا۔

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (رکوع) سے اپنا سر اٹھاتے تھے تو کہا کرتے تھے: "اللہ تعالیٰ سنتے ہیں اس کی بات جو ان کی تعریف کرتا ہے، اے ہمارے رب! اور آپ کے لئے تعریف ہے" دعا فرماتے چند اشخاص کے لئے، پس ان کو مشخص کرتے ان کے ناموں کے ساتھ، چنانچہ فرماتے: اے اللہ! ولید بن ولید کو (یہ خالد بن ولیدؓ کے بھائی ہیں) اور سلمہ بن ہشام کو (یہ ابوجہل کے بھائی ہیں) اور عیاش بن ابی ربیعہ کو (یہ خالد بن الولید کے چچازاد بھائی ہیں) اور کمزور مؤمنین کو۔ اے اللہ! قبائل مُضر پر اپنا روندنا یعنی پکڑ سخت کردے، اور اس پکڑ کو یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی قحط سالیوں جیسی قحط سالیاں بنا ــــ اور اس زمانہ میں مدینہ سے مشرق کی جانب مضر قبائل آباد تھے، اور وہ آپ کے کٹر مخالف تھے۔

[۸۰۵-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ – غَيْرَ مَرَّةٍ – عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُوْلُ: سَقَطَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ فَرَسٍ – وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: مِنْ فَرَسٍ – فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ نَعُوْدُهُ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَصَلَّى بِنَا قَاعِدًا وَقَعَدْنَا – وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: صَلَّيْنَا قُعُوْدًا – فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ: " إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا"

كَذَا جَاءَ بِهِ مَعْمَرٌ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: لَقَدْ حَفِظَ، كَذَا قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَلَكَ الْحَمْدُ.

حَفِظْتُ مِنْ شِقِّهِ الْأَيْمَنِ، فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ – وَأَنَا عِنْدَهُ – فَجُحِشَ سَاقُهُ الْأَيْمَنُ. [راجع: ۳۷۸]

وضاحت: یہ حدیث بار بار آچکی ہے اور وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا: باب سے متعلق ہے۔ نبی ﷺ جب سجدہ فرماتے تھے تو جھکتے ہوئے تکبیر کہتے تھے جیسا کہ ابھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گذرا، پس لوگوں کو بھی جھکتے ہوئے تکبیر کہنی چاہئے، یہ اس حدیث سے استدلال ہے۔

قولہ: کذا جاء به معمر؟: کذا سے پہلے ہمزۂ استفہام محذوف ہے، ابن عیینہؒ نے اپنے شاگرد علی بن المدینیؒ سے پوچھا: کیا تم نے معمر سے یہ حدیث سنی ہے؟ معمر بھی امام زہری کے شاگرد ہیں، علی بن المدینیؒ نے کہا: جی ہاں، میں نے معمر سے یہ حدیث سنی ہے (ان کی روایت بھی آپ کی روایت کی طرح ہے، ان کی روایت میں بھی ولك الحمد (واؤ کے ساتھ) ہے ابن عیینہؒ نے کہا: ان کو حدیث یاد ہے، زہری نے ولك الحمد کہا ہے (زہری کے بعض تلامذہ لیث وغیرہ کی حدیث میں واؤ کے بغیر لك الحمد ہے)

قولہ: حفظت إلخ (ایک نسخہ میں شروع میں واؤ بھی ہے، وہ نسخہ زیادہ واضح ہے)

اور ابن عیینہؒ کہتے ہیں: مجھے خوب یاد ہے: زہریؒ نے نمن شقه الأیمن کہا تھا، پھر جب ہم زہری کے پاس سے نکلے تو ہمارے ایک رفیق درس ابن جریج نے ساقه الأیمن کہا، حالانکہ میں (ابن عیینہؒ) ابن شہاب زہری کے پاس تھا، مجھے شقه الأیمن کے الفاظ اچھی طرح یاد ہیں، اور یہی صحیح بھی ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ کی دائیں جانب کمر سے پنڈلی تک سارا پیر چھل گیا تھا، صرف پنڈلی نہیں چھلی تھی، لفظ شق عام ہے اور ساق خاص ہے۔

بَابُ فَضْلِ السُّجُوْدِ

سجدوں کی فضیلت

اس باب میں ایک لمبی حدیث ہے جو یہاں پہلی مرتبہ آئی ہے اور جلد ثانی میں دو مرتبہ اور آئے گی، اس میں سجدے کی فضیلت اور اہمیت کا بیان ہے، اعضاء سجود جہنم کی آگ سے محفوظ رہیں گے یعنی اگر کسی وجہ سے کسی مسلمان کو جہنم میں جانا پڑا تو اعضاء سجود نہیں جلیں گے، یہ سجدہ کی آخری درجہ کی فضیلت ہے —— قارئین کی سہولت کے لئے حدیث چند ٹکڑوں میں لکھی جاتی ہے۔

[۱۲۹-] بَابُ فَضْلِ السُّجُوْدِ

[۸۰۶-] حدثنا أَبُوْالْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، وَعَطَاءُ ابْنُ يَزِيْدَ اللَّيْثِيُّ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُمَا: أَنَّ النَّاسَ قَالُوْا: يَارسولَ اللهِ! هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: "هَلْ تُمَارُوْنَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُوْنَهُ سَحَابٌ؟" قَالُوْا: لاَ، يَارسولَ اللهِ! قَالَ: "فَهَلْ تُمَارُوْنَ فِي [رُؤْيَةِ]

الشَّمْسِ لَيْسَ دُوْنَهَا سَحَابٌ؟" قَالُوْا: لَا، قَالَ: " فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذٰلِكَ"
" يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَقُوْلُ: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الشَّمْسَ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الْقَمَرَ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الطَّوَاغِيْتَ، وَتَبْقٰى هٰذِهِ الْأُمَّةُ فِيْهَا مُنَافِقُوْهَا، فَيَأْتِيْهِمُ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ: أَنَا رَبُّكُمْ. فَيَقُوْلُوْنَ: هٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا، فَإِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ، فَيَأْتِيْهِمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَيَقُوْلُ: أَنَا رَبُّكُمْ. فَيَقُوْلُوْنَ: أَنْتَ رَبُّنَا، فَيَدْعُوْهُمْ.

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سعید اور عطاء کو خبر دی کہ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: "کیا تمہیں چودھویں کے چاند میں کچھ شبہ رہتا ہے، جب کہ اس کے ورے بادل نہ ہو، یعنی مطلع صاف ہو، صحابہ نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: کیا تمہیں سورج کے دیکھنے میں شک رہتا ہے جب کہ اس کے ورے بادل نہ ہو، صحابہ نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: بیشک تم اسی طرح (شک وشبہ کے بغیر) اللہ عزوجل کو دیکھو گے۔

قیامت کے دن لوگ اکٹھے کئے جائیں گے پھر پروردگار عالم فرمائیں گے: جو جس کو پوجتا تھا چاہئے کہ وہ اس کے پیچھے جائے، پس ان میں سے بعض سورج کے پیچھے جائیں گے اور ان میں سے بعض چاند کے پیچھے جائیں گے، اور ان میں سے بعض سرکش طاقتوں کے پیچھے جائیں گے، اور یہ امت باقی رہ جائے گی اس میں اس کے منافق بھی ہونگے، پس اللہ عزوجل (غیر معروف صورت میں) ان کے پاس آئیں گے اور فرمائیں گے: میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے: یہ ہماری جگہ ہے، یہاں تک کہ ہمارے پاس ہمارا رب آئے یعنی ہم اپنی جگہ ٹھہرے رہیں گے، جب ہمارے پروردگار آئیں گے تو ہم ان کو پہچان لیں گے، (آپ ہمارے رب نہیں ہیں، البتہ منافقین اس کو اپنا رب مان کر اس کے پیچھے ہولیں گے اور جہنم میں پہنچ جائیں گے) پس ان کے پاس اللہ عزوجل (معروف صورت میں) آئیں گے اور فرمائیں گے: میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے: آپ ہمارے رب ہیں پھر اللہ عزوجل ان کو بلائیں گے (اور یہ امت اللہ کے ساتھ جنت میں جائے گی)

تشریح:

۱- اللہ تعالیٰ کا دیدار: سب سے بڑی نعمت ہے، جس سے اہل جنت کو نوازا جائے گا، یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے، اور قرآن پاک میں اہل ایمان کو اس کی بشارت دی گئی ہے ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ بہت سے چہرے اس دن بارونق ہونگے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے (سورۃ القیامۃ آیات ۲۲و۲۳) اور کفار کے بارے میں ہے: ﴿إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ وہ لوگ اس دن (قیامت کے دن) اپنے رب سے پردے میں رکھے جائیں گے (سورۃ المطففین آیت ۱۵) یعنی ان کو اللہ کا دیدار نصیب نہیں ہوگا۔ اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، اور یہ مفہوم منطوق سے ثابت ہے کما مر اس لئے وہ معتبر ہے۔

البتہ خوارج، معتزلہ اور بعض مرجئہ آخرت میں دیدارِ الٰہی کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں: مرئی کے لئے جسم ہونا، سفید یا زرد وغیرہ کوئی رنگ دار ہونا، اور آنکھوں کی سیدھ میں ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نہ جسم ہیں، نہ ان کا کوئی رنگ ہے، نہ وہ کسی جہت میں ہیں، پھر ان کو کیسے دیکھا جاسکتا ہے؟ مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مرئی ہونا یعنی دکھنا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اور صفات کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، نیز صفات کے بارے میں "کیسے" کا سوال مہمل سوال ہے، پس بغیر کیف کے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ جنتیوں کو جنت میں اللہ عزوجل کی زیارت نصیب ہوگی۔

علاوہ ازیں: اللہ تعالیٰ جنت میں جنتیوں کو بہت سی ایسی قوتیں عطا فرمائیں گے جو اس دنیا میں عطا نہیں ہوئیں، ان کو ایسی آنکھیں عطا ہونگی جن کی قوت اتنی محدود اور کمزور نہیں ہوگی، جتنی اس دنیا میں ہے، پس رویت کے لئے اس دنیا میں جو شرائط ہیں وہ وہاں نہیں ہونگے، وہاں بغیر مقابلہ اور جہت کے اللہ جل شانہ کے جمال کا نظارہ ممکن ہوسکے گا، اور جس طرح چودھویں کا چاند جب سر پر ہوتا ہے تو اس کے دیکھنے والوں کو رویت میں ذرا شک نہیں رہتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والے بھی بیشک اللہ پاک ہی کی زیارت کریں گے ان کو اس معاملہ میں ادنیٰ شک نہیں ہوگا۔

۲- اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین وآخرین کو ایک سرزمین میں جمع کریں گے، پھر رب العالمین تجلی فرمائیں گے اور فرمائیں گے: جو دنیا میں جس کی پیروی کرتا تھا وہ اس کے ساتھ ہولے، چنانچہ سورج کے پجاری سورج کے ساتھ، چاند کے پجاری چاند کے ساتھ، صلیب کے پجاری صلیب کے ساتھ، مورتیوں کے پجاری مورتیوں کے ساتھ اور شیاطین کے پجاری شیاطین کے ساتھ ہولیں گے (طواغیت: طاغوت کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: (۱) بدی وشرارت کا سرغنہ (۲) سرکش جس کے رگ وپے میں ایذاء رسانی رچی بسی ہو (۳) شیاطین (۴) بت) اور یہ امت باقی رہ جائے گی اس میں منافقین بھی ہونگے، پس اللہ عزوجل غیر معروف صورت میں ان کے سامنے ظاہر ہونگے اور فرمائیں گے: میرے پیچھے آؤ، میں تمہارا معبود ہوں، میں تمہیں جنت میں لے چلتا ہوں، مؤمنین کہیں گے: ہم تم سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اور یہ ہماری جگہ ہے یعنی ہم یہیں اپنے رب کا انتظار کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ ہمارے پاس ہمارے پروردگار آئیں (اور منافقین اس کے ساتھ ہوجائیں گے، یہ میں بڑھا رہا ہوں حدیث میں نہیں ہے، اب مخلص مسلمان ہی رہ جائیں گے) تب دوبارہ اللہ عزوجل معروف صورت میں ظاہر ہونگے، اور فرمائیں گے: میں تمہارا رب ہوں، میری پیروی کرو، مؤمنین اپنے رب کو پہچان لیں گے اور پیروی کریں گے۔

فائدہ: پہلی مرتبہ اللہ پاک انجانی شکل میں مؤمنین کے سامنے اس لئے ظاہر ہونگے کہ ان کا امتحان ہو کہ وہ اپنے رب کو پہچانتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ انجانی شکل ہونے کی وجہ سے مؤمنین پناہ مانگیں گے، مؤمنین اندھادھند کسی کے پیچھے چلنے والے نہیں ہیں، وہ حق کو ٹھوک بجا کر اور پہچان کر اختیار کرتے ہیں۔ البتہ منافق اس صورت کے ساتھ ہوجائیں گے اور وہ جہنم میں پہنچ جائیں گے۔

وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ، فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ يَجُوْزُ مِنَ الرُّسُلِ بِأُمَّتِهِ، وَلاَ يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ إِلاَّ الرُّسُلُ، وَكَلاَمُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ: اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ، وَفِيْ جَهَنَّمَ كَلاَلِيْبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ، هَلْ رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ؟ قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ، غَيْرَ أَنَّهُ لاَ يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلاَّ اللهُ، تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ، فَمِنْهُمْ مَنْ يُوْبَقُ بِعَمَلِهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يُخَرْدَلُ، ثُمَّ يَنْجُوْ، حَتَّى إِذَا أَرَادَ اللهُ رَحْمَةَ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، أَمَرَ اللهُ الْمَلاَئِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوْا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ، فَيُخْرِجُوْنَهُمْ، وَيَعْرِفُوْنَهُمْ بِآثَارِ السُّجُوْدِ، وَحَرَّمَ اللهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ السُّجُوْدِ، فَيَخْرُجُوْنَ مِنَ النَّارِ، فَكُلُّ ابْنِ آدَمَ تَأْكُلُهُ النَّارُ إِلاَّ أَثَرَ السُّجُوْدِ، فَيَخْرُجُوْنَ مِنَ النَّارِ قَدِ امْتَحَشُوْا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيَاةِ، فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ.

ترجمہ: اور پل صراط دوزخ کے بیچ رکھا جائے گا (نبی ﷺ فرماتے ہیں) پس میں تمام پیغمبروں سے پہلے اپنی امت کے ساتھ پل صراط سے گذروں گا، اس دن پیغمبروں کے علاوہ کوئی بات نہیں کر سکے گا اور اس دن پیغمبروں کی بات یہ ہوگی: اے اللہ! حفاظت فرما! حفاظت فرما! اور دوزخ میں سعدان[1] کے کانٹوں کی طرح آنکڑے ہونگے، کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: وہ آنکڑے اسی سعدان کے کانٹوں کی شکل کے ہونگے، مگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ان کی بڑائی کی مقدار نہیں جانتا، یعنی وہ آنکڑے کتنے بڑے ہوں گے اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا، وہ آنکڑے لوگوں کو ان کے اعمال کے اعتبار سے جھپٹ لیں گے، پس ان میں سے بعض اپنے (برے) عمل کی وجہ سے ہلاک ہوجائیں گے یعنی تا ابد جہنم میں رہیں گے اور بعض چکنا چور ہوجائیں گے پھر بچ جائیں گے۔ یعنی جہنم میں پہنچ جائیں گے، مگر کسی وقت ان کی نجات ہوگی، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ دوزخیوں میں سے بعض پر رحم کرنا چاہیں گے تو فرشتوں کو حکم دیں گے کہ وہ ہر اس بندے کو جہنم سے نکال لیں جو اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا، پس فرشتے ان کو نکالیں گے اور ان کو سجدوں کے نشان سے پہچانیں گے اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر سجدے کی جگہ کو حرام کردیا ہے (یہی ٹکڑا ترجمۃ الباب سے متعلق ہے) پس یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے، چنانچہ آدمی کے سارے بدن کو آگ کھاچکی ہوگی سوائے سجدہ کی نشان کے۔ پس یہ لوگ کوئلے کی طرح جلے ہوئے دوزخ سے نکلیں گے، پھر ان پر آب حیات ڈالا جائے گا تو اس طرح ابھر آئیں گے جس طرح دانہ نالے کے کوڑے میں اگ آتا ہے۔

لغات: ظَهْرَانَ: ظَهْر کی جمع ہے: کمر، پیٹھ (مونڈھے سے سرین تک) ظَهْرَانَيْ کے آخر سے نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے گرا ہے یعنی جہنم کے اِس سرے سے اُس سرے تک پل رکھا جائے گا .... جاز (ن) الْمَوْضِعَ: گذرنا، پار کرنا

(۱) سعدان: ایک خاردار پودہ ہے، جو اونٹوں کے لئے بہترین چارہ ہے اور اسی سے مثل ہے مَرْعًى وَلاَ كَالسَّعْدَانِ: چراگاہ مگر سعدان جیسی نہیں، یہ مثل اس شخص کے لئے ہے جو کم پر قناعت کرتا ہے (مصباح)

.........كَلالِيب: كُلاّب کی جمع ہے: درخت کا کانٹا، دانت اکھاڑنے کا زنبور......... خَطَفَ (ض،س) الشيئَ خَطفًا: اچک لینا، کھینچ لینا...... وَبِقَ (س) وَبَقًا: ہلاک ہونا...... خَرْدَلَ اللحمَ: گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرنا...... اِمْتَحَشَ: گرمی یا آگ کی وجہ سے جھلس جانا...... الحبة: دانہ، بیج...... حَمِيل: سیلاب کا کنارے پر ڈالا ہوا کوڑا۔

تشریح:

۱- عالم دو ہیں: دنیا اور آخرت، الدنیا: الأدنیٰ کا مؤنث ہے، جس کے معنی ہیں: الأقرب اور یہ الدار کی صفت ہے جس کو موصوف کے قائم مقام کیا گیا ہے پس الدار الدنیا کے معنی ہیں: قریبی دنیا، یعنی وہ عالم جو ہم سے قریب ہے، کتنا قریب ہے؟ جتنا مچھلی سے تالاب قریب ہے، پانی مچھلی کے چاروں طرف ہے، اسی طرح ہم اس دنیا میں سموئے ہوئے ہیں، دنیا ہمارے چاروں طرف ہے۔

اور دوسری دنیا کے لئے لفظ الآخرۃ ہے، یہ الآخر کا مؤنث ہے اور یہ بھی الدار کی صفت ہے اور موصوف کے قائم مقام ہے، اور الآخر کے معنی ہیں: پرے کی دنیا، یعنی اُس طرف کی دنیا جو ہم سے دور ہے۔

اور یہ دونوں عالم حادث ہیں یعنی پہلے ناپید تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو موجود کیا، پہلے عالم آخرت کو پیدا کیا، پھر ہماری یہ دنیا پیدا کی، اور دو دنیاؤں کے بیچ میں آڑ ضروری ہے، مرنے کے بعد جو قبر کی زندگی ہے وہ اس جہاں اور اُس جہاں کے درمیان حدِ فاصل ہے اور اسی کا نام عالم برزخ اور عالم قبر ہے، عالم برزخ اس دنیا کا حصہ ہے کیونکہ قبر سے قیامت کے دن نکل کر ہمیں اسی دنیا میں آنا ہے، عربی میں اس کو معاد (واپس لوٹنا) کہتے ہیں، قیامت اسی دنیا میں قائم ہوگی، وہ اس دنیا کا آخری دن ہوگا اور وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ سورۃ المعارج (آیت ۴) میں ہے: ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ إِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ﴾ پھر اسی دنیا میں حساب وکتاب ہوگا پھر تمام لوگ اس دنیا سے آخرت میں منتقل ہونگے، اور ایک دنیا سے دوسری دنیا میں جانے کے لئے پل (برج) رکھا جائے گا، وہ جہنم کی پیٹھ پر بچھایا جائے گا جس سے گذر کر سب کو آخرت میں جانا ہوگا، نیک بندے اس سے تیز ہوا کی طرح یا بجلی کے کوندنے کی طرح یا تیز رفتار اونٹ یا گھوڑ سوار کی طرح سے گذر جائیں گے اور بدکاروں کو آنکڑے جہنم میں کھینچ لیں گے، وہ عذاب سے دوچار ہونگے۔

۲- اور امیگریشن (انتقالِ وطن کی کارروائی) اس دنیا کے آخری دن میں اس لئے ہوگی کہ حساب کتاب صرف مکلف مخلوقات کا ہی نہیں ہونا، غیر مکلف مخلوقات کا بھی حساب ہوگا، حدیث میں ہے کہ بے سینگ بکری کے لئے سینگ دار بکری سے بدلہ لیا جائے گا، پھر غیر مکلف مخلوقات کو مٹی بنا دیا جائے گا، اس لئے اسی زمین پر سب کا حساب کتاب ہوگا۔

ایک ملک سے دوسرے ملک جاتے ہیں تو امیگریشن کی کارروائی عام طور پر دوسرے ملک کے بارڈر پر ہوتی ہے، مگر کبھی جس ملک سے چلتے ہیں وہاں کارروائی ہو جاتی ہے، جیسے کناڈا سے امریکہ جانے والوں کا امیگریشن ٹورنٹو میں ہو جاتا ہے اسی طرح آخرت میں داخل ہونے والوں کا امیگریشن اسی دنیا میں ہوگا، اور اس کی وجہ وہ ہے جو اوپر بیان کی گئی۔

۳- جہنم میں صرف کفار ہی نہیں جائیں گے نافرمان مسلمان بھی جائیں گے، پھران کو رحمت الٰہی پہنچے گی، پس اللہ عزوجل کے حکم سے فرشتے ان کو جہنم سے نکال لیں گے، اور اعضائے سجود سے ان کو پہچانیں گے، جہنم کی آگ میں جل کران کا سارا بدن کوئلہ ہو چکا ہوگا مگر اعضائے سجود محفوظ ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے جہنم پر اعضائے سجود کو حرام کردیا ہے، یہ سجدہ کی آخری درجہ کی فضیلت ہے، پھران لوگوں پر آب حیات ڈالا جائے گا، وہ خوبصورت ہو جائیں گے اور جس طرح سیلاب کے ساتھ بہہ کر آئے ہوئے کوڑے میں بیج آتا ہے اور خوبصورت پیلے پیلے پتے نکل آتے ہیں اسی طرح ان لوگوں پر جہنم کا کچھ اثر باقی نہیں رہے گا، پھر وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

ثُمَّ يَفْرُغُ اللَّهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ، وَيَبْقَى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ - وَهُوَ آخِرُ أَهْلِ النَّارِ دُخُولًا الْجَنَّةَ - مُقْبِلًا بِوَجْهِهِ قِبَلَ النَّارِ، فَيَقُولُ: يَارَبِّ اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ، فَقَدْ قَشَبَنِي رِيْحُهَا، وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا، فَيَقُولُ: هَلْ عَسَيْتَ إِنْ فُعِلَ ذَلِكَ بِكَ أَنْ تَسْأَلَ غَيْرَ ذَلِكَ؟ فَيَقُولُ: لَا، وَعِزَّتِكَ! فَيُعْطِي اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ مَايَشَاءُ مِنْ عَهْدٍ وَمِيثَاقٍ، فَيَصْرِفُ اللَّهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ. فَإِذَا أَقْبَلَ بِهِ عَلَى الْجَنَّةِ رَأَى بَهْجَتَهَا، سَكَتَ مَاشَاءَ اللَّهُ أَنْ يَسْكُتَ، ثُمَّ قَالَ: يَارَبِّ قَدِّمْنِي عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: أَلَيْسَ قَدْ أَعْطَيْتَ الْعُهُودَ وَالْمِيثَاقَ، أَنْ لَا تَسْأَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنْتَ سَأَلْتَ؟ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! لَا أَكُونُ أَشْقَى خَلْقِكَ، فَيَقُولُ: فَمَا عَسَيْتَ إِنْ أُعْطِيتَ ذَلِكَ أَنْ لَا تَسْأَلَ غَيْرَهُ؟ فَيَقُولُ: لَا، وَعِزَّتِكَ! لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَ ذَلِكَ، فَيُعْطِي رَبَّهُ مَاشَاءَ مِنْ عَهْدٍ وَمِيثَاقٍ، فَيُقَدِّمُهُ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ، فَإِذَا بَلَغَ بَابَهَا فَرَأَى زَهْرَتَهَا وَمَا فِيهَا مِنَ النَّضْرَةِ وَالسُّرُورِ، فَيَسْكُتُ مَاشَاءَ اللَّهُ أَنْ يَسْكُتَ. فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ. فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ: وَيْحَكَ يَا ابْنَ آدَمَ! مَا أَغْدَرَكَ؟ أَلَيْسَ قَدْ أَعْطَيْتَ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ أَنْ لَا تَسْأَلَ غَيْرَ الَّذِي أُعْطِيتَ؟ فَيَقُولُ: يَارَبِّ! لَاتَجْعَلْنِي أَشْقَى خَلْقِكَ، فَيَضْحَكُ اللَّهُ مِنْهُ، ثُمَّ يَأْذَنُ لَهُ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ لَهُ: تَمَنَّ، فَيَتَمَنَّى حَتَّى إِذَا انْقَطَعَتْ أُمْنِيَّتُهُ، قَالَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ: زِدْ مِنْ كَذَا وَكَذَا، أَقْبَلَ يُذَكِّرُهُ رَبُّهُ، حَتَّى إِذَا انْتَهَتْ بِهِ الْأَمَانِيُّ، قَالَ اللَّهُ: لَكَ ذَلِكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ"

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ لِأَبِي هُرَيْرَةَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " قَالَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ: لَكَ ذَلِكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ" قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: لَمْ أَحْفَظْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِلَّا قَوْلَهُ:" لَكَ ذَلِكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ" قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ:" ذَلِكَ لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ" [انظر: ۶۵۷۳، ۷۴۳۷]

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہو جائیں گے، اور ایک شخص جنت اور دوزخ کے بیچ میں باقی رہے گا ____ درانحالیکہ وہ جنت میں داخل ہونے کے اعتبار سے آخری جہنمی ہوگا ____ وہ اپنے چہرے کے ذریعہ دوزخ کی طرف متوجہ ہوگا یعنی اس کا منہ دوزخ کی طرف ہوگا، وہ عرض کرے گا، اے پروردگار! میرا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر

دیں، اس کی بدبو نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے اور اس کی لپٹوں نے مجھے جلا دیا ہے، پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اگر کیا جائے تیرے ساتھ یہ معاملہ تو ہوسکتا ہے تو کوئی اور سوال کرے؟ وہ عرض کرے گا: نہیں، آپ کی عزت کی قسم! پس وہ اللہ عزوجل کو دے گا وہ عہد و پیمان جو چاہے گا پس اللہ تعالیٰ اس کا منہ جہنم کی طرف سے پھیر دیں گے پھر جب وہ چہرے کے ساتھ جنت کی طرف متوجہ ہوگا (اور) اس کی تر و تازگی دیکھے گا تو جتنا اللہ کو منظور ہوگا خاموش رہے گا، پھر عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! مجھ کو جنت کے دروازے کی طرف بڑھا دیں، پس اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے: کیا تو نے عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ پہلے سوال کے علاوہ کوئی سوال نہیں کرے گا؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں آپ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب کیوں ہوؤں! پس اللہ فرمائیں گے: اگر میں تیری یہ درخواست بھی پوری کر دوں تو ہوسکتا ہے تو کچھ اور مانگے؟ وہ عرض کرے گا: نہیں آپ کی عزت کی قسم! میں اس کے علاوہ آپ سے کچھ نہیں مانگوں گا، پس وہ اپنے پروردگار کو دے گا وہ عہد و پیمان جو وہ چاہے گا، پس اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے دروازے کی طرف بڑھا دیں گے، پس جب وہ جنت کے دروازے پر پہنچے گا اور جنت کی بہار اور جنت میں جو فرحت و رونق ہے اس کو دیکھے گا تو جتنا اللہ چاہیں گے خاموش رہے گا، پھر عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! مجھے (بس) جنت میں داخل فرما دیں (مجھے جنت میں اور کچھ نہیں چاہئے) پس اللہ عزوجل فرمائیں گے: او باؤلے انسان! تو کس قدر بے وفا ہے! کیا تو نے عہد و پیمان نہیں دیا تھا کہ جو چیز تجھ کو دی گئی ہے اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں مانگے گا، وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! آپ مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہ بنائیں! پس اللہ تعالیٰ اس کی اس بات سے ہنسیں گے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دیں گے، پھر اس سے فرمائیں گے: تمنا کر، پس وہ تمنا کرے گا یہاں تک کہ جب اس کی تمنائیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ عزوجل فرمائیں گے: یہ بھی تمنا کر اور یہ بھی تمنا کر خود پروردگار اس کو یاد دلائیں گے یہاں تک کہ جب اس کی آرزوئیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تیرے لئے یہ اور اس کے ساتھ اس کے مانند ہے۔

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ''تیرے لئے یہ ہے اور اس کا دس گنا'' حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے محفوظ نہیں کیا مگر آپ کا ارشاد: ''تیرے لئے یہ ہے اور اس کے مانند اس کے ساتھ'' یعنی دوگنا۔ حضرت ابو سعیدؓ نے کہا: میں نے آپؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''یہ تیرے لئے ہے اور اس کا دس گنا''

تشریح: دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، پہلے **مثلہ معہ** فرمایا ہوگا، پھر وحی آئی اور **عشرۃ أمثالها** فرمایا، کیونکہ یہ مضمون آپؐ نے بار بار بیان کیا ہے، یا یہ کہا جائے کہ ذکر عدد نفی ما عدا کو مستلزم نہیں، کیونکہ چھوٹا عدد بڑے عدد کے ضمن میں آجاتا ہے۔

لغات: **قَشَبَ** (ض) **فلانا ریحُ کذا**: کسی چیز کی بدبو کا کسی کو تکلیف دینا .... **الذَّکاء**: آگ کی لپٹ، شعلہ، جلتا ہوا انگارہ .... **عَسَی**: افعال مقاربہ میں سے ہے اور **هل**: استفہامیہ ہے اور حدیث میں دونوں ہم معنی ہیں اور آگے ما

بھی استفہامیہ ہے یعنی کیا امید ہے کہ تو اور کوئی چیز نہیں مانگے گا؟......... عهد و میثاق: ہم معنی ہیں: عہد و پیمان.........
البھجۃ: خوشی، شادمانی......... الزَّھرۃ: چمک دمک، بہار......... النَّضرۃ: چمک دمک، بہار، شادابی......... ضحك: ہنسنا، یہ اللہ کی صفت ہے اور ازقبیل متشابہات ہے، اس کو ایک حد تک ہی سمجھا جا سکتا ہے، اس کی پوری حقیقت نہیں سمجھ سکتے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی یہ ادا پسند آئے گی۔

بابٌ: يُبْدِيْ ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِيْ فِي السُّجُوْدِ

سجدے میں بازو پہلو سے اور پیٹ ران سے جدا رکھے

أَبْدَى الشيئَ: ظاہر کرنا......... الضَّبع: بازو (ہاتھ کے بالائی آدھے حصہ تک) ھما ضَبْعَان: دو بازو......... جافاہُ: دور کرنا......... سجدہ میں پیٹ ران سے، بازو پہلو سے اور کلائیاں زمین سے علاحدہ رکھنا مسنون ہے، اچھی طرح سجدہ کرنے میں یہ باتیں شامل ہیں۔

[۱۳۰-] بابٌ: يُبْدِيْ ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِيْ فِي السُّجُوْدِ

[۸۰۷-] حدثنا يَحْيَى بْنُ [عَبْدِ اللهِ بْنِ] بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ بَكْرُ بْنُ مُضَرَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيْعَةَ، عَنِ ابْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ، حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ، وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ نَحْوَهُ. [راجع: ۳۹۰]

ترجمہ: عبد اللہ بن مالک سے مروی ہے: نبی ﷺ جب نماز پڑھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کشادہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ آپؐ کے بغل کی سفیدی ظاہر ہوتی تھی ـــــ امام لیث کہتے ہیں: مجھ سے جعفر بن ربیعہ نے اسی طرح بیان کیا، تحدیث کی صراحت کے لئے یہ سند لائے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث ثیاب المصلی (تحفۃ القاری ۲: ۲۲۳ باب ۲۷) میں گذر چکی ہے، جب لمبے ہو کر سجدہ کریں گے تب پیٹ ران سے الگ رہے گا اور بازو کھولیں گے تب وہ پہلو سے الگ رہیں گے اور پیشانی اور ناک زمین پر اچھی طرح لگیں گے، مگر باجماعت نماز میں دائیں بائیں کا خیال کر کے ہاتھوں کو کھولنا چاہئے۔

بابٌ: يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ

پیروں کے کناروں کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھے

نماز میں قبلہ کی طرف سے توجہ بالکل نہیں ہٹنی چاہئے حتی کہ سجدہ میں بھی جب قبلہ کی طرف منہ رکھنے کی کوئی صورت نہیں

پیروں کو موڑ کر انگلیاں قبلہ کی طرف رکھنی چاہئیں، ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے جب نماز پڑھ کر دکھائی تھی تو پیروں کو موڑ کر انگلیاں قبلہ کی طرف کی تھیں، تفصیل (تحفۃ القاری ۲:۲۲۳ میں) گذر چکی ہے۔

[۱۳۱-] بابٌ: يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ

قَالَهُ أَبُوْ حُمَيْدِ السَّاعِدِيُّ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

بابٌ: إِذَا لَمْ يُتِمَّ سُجُوْدَهُ

جب اچھی طرح سجدے نہ کرے

جس طرح صحتِ صلوٰۃ کے لئے ٹھیک سے رکوع کرنا ضروری ہے، سجدہ بھی ٹھیک سے کرنا ضروری ہے۔ امام بخاریؒ وغیرہ کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے، تفصیل گذر چکی ہے۔

[۱۳۲-] بابٌ: إِذَا لَمْ يُتِمَّ سُجُوْدَهُ

[۸۰۸-] حدثنا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ: أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهُ وَلَا سُجُوْدَهُ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ، قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ: مَا صَلَّيْتَ. قَالَ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ: وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۳۸۹]

ملحوظہ: اس حدیث کی شرح صفۃ الصلاۃ باب ۱۱۹ میں گذر چکی ہے۔

بابُ السُّجُوْدِ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ

سات ہڈیوں پر سجدہ کرنا

جب کوئی سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں: چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں قدم، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک سجدہ میں ساتوں اعضاء زمین پر لگنے ضروری ہیں، اگر ایک عضو بھی زمین پر نہیں لگے گا تو سجدہ نہیں ہوگا، اور نماز باطل ہوگی، دیگر ائمہ کے نزدیک سجدہ کی حقیقت ہے: طرفِ اعلیٰ یعنی سر کو طرفِ اسفل یعنی پاؤں کے لیول پر لے آنا، حالت قیام میں پاؤں کا جو حصہ زمین سے لگا ہوا ہوتا ہے اس کے لیول پر سر لے آنا محال ہے اس لئے مجازاً پیروں کی انگلیاں مراد لی جائیں گی، اسی طرح طرفِ اعلیٰ یعنی سر کا بالکل اوپر کا حصہ بھی زمین پر لگانا ناممکن ہے ورنہ پیر اوپر ہو جائیں گے، اس لئے یہاں بھی مجازاً جبہہ (پیشانی) اور ناک مراد لی جائے گی، اور دیگر اعضاء کی

یعنی گھٹنوں اور ہاتھوں کی حیثیت مددگار اعضاء کی ہے تاکہ یکدم زمین پر گر نہ پڑے، پس سجدہ کی ماہیت میں ان عضاء کا دخل نہیں، اس لئے اگر کوئی شخص پورے سجدے میں دونوں گھٹنے اور دونوں ہاتھ زمین سے نہ لگائے تو بھی سجدہ صحیح ہوگا مگر نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اور قدمین اور ماتھے اور ناک میں سے کسی ایک کا کم از کم ایک رکن کے بقدر زمین سے لگنا ضروری ہے، ورنہ سجدہ نہ ہوگا اور نماز باطل ہوگی، اور قدمین اور ماتھے اور ناک میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے۔

فائدہ (۱): عوام میں جو مشہور ہے کہ سجدے میں اگر دونوں پیر زمین سے اٹھ جائیں تو نماز باطل ہو جائے گی، اس کی حقیقت یہ ہے کہ اگر پورے سجدے میں دونوں پیر زمین سے اٹھے رہے ایک رکن کے بقدر بھی کوئی ایک پیر زمین پر نہ لگا تو سجدہ نہیں ہوا اور نماز باطل ہوگئی، اور اگر ایک رکن کے بقدر کوئی ایک پیر زمین پر لگنے کے بعد دونوں پیر اٹھا دیئے تو نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی، اور ایک رکن کی مقدار تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے بقدر ہے۔

فائدہ (۲): فقہ میں جو سجدہ کی تعریف کی گئی ہے کہ سجدہ سر کو زمین پر رکھنے کا نام ہے: یہ تعریف عوام کی سہولت کے لئے ہے اصل تعریف وہ ہے جو اوپر بیان کی گئی، پس ہوائی جہاز میں، چاند پر، یہاں تک کہ آسمان و زمین کی درمیانی فضا میں بھی سجدہ کا تحقق ہو جائے گا۔

[۱۳۳-] بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ

[۸۰۹-] حدثنا قَبِيْصَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أُمِرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ، وَلاَ يَكُفَّ شَعْرًا وَلاَ ثَوْبًا: الْجَبْهَةِ، وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ. [انظر: ۸۱۰، ۸۱۲، ۸۱۵، ۸۱۶]

[۸۱۰-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "أُمِرْنَا أَنْ نَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، وَلاَ نَكُفَّ شَعْرًا وَلاَ ثَوْبًا. [راجع: ۸۰۹]

[۸۱۱-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيْلُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيْدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ ابْنُ عَازِبٍ، وَهُوَ غَيْرُ كَذُوْبٍ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّيْ خَلْفَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَإِذَا قَالَ: "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ، حَتَّى يَضَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم جَبْهَتَهُ عَلَى الْأَرْضِ. [راجع: ۶۹۰]

حدیث (۱): ابن عباسؓ سے مروی ہے: نبی ﷺ حکم دیئے گئے کہ آپ سات اعضاء پر سجدہ کریں، اور بالوں کو اور کپڑوں کو نہ روکیں، یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پیر۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ہمیں سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم (نماز میں) بالوں کو اور کپڑوں کو نہ روکیں۔

تشریح: امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ اُمِرَ اور اُمِرْنَا سے استدلال کیا ہے کہ سجدے میں ساتوں اعضاء زمین سے لگنے ضروری ہیں، اور جواب یہ ہے کہ ہر امر وجوب کے لئے نہیں ہوتا، امر مختلف مراتب کے لئے مستعمل ہے، کب وجوب کے لئے ہے اور کب غیر وجوب کے لئے اس کی تعیین دوسرے قرائن سے کی جائے گی۔

مسئلہ: نماز میں پائینچے یا آستین چڑھانا یا کرتے کا دامن کمر سے باندھنا کپڑا روکنے کی مثال ہے اس طرح کپڑا روک کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور بال باندھ کر نماز پڑھنے کی کراہیت کا حکم مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتوں کے لئے اولیٰ اور مستحب یہ ہے کہ وہ بال باندھ کر نماز پڑھیں، تاکہ نماز میں بالوں کے کھلنے کا اندیشہ نہ رہے، عورت کے اگر چوتھائی بال نماز میں کھل گئے اور ایک رکن کے بقدر کھلے رہے تو نماز فاسد ہوجائے گی، یہ مسئلہ علامہ محمود خطاب سُبکی رحمہ اللہ نے ابوداؤد کی شرح المنهل العذب المورود (۵:۴۷) میں لکھا ہے اور وہاں سے میں نے ''ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں'' میں نقل کیا ہے۔

حدیث (۳): یہ حدیث دو بار گذر چکی ہے، حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آنحضور ﷺ جب تک زمین پر پیشانی نہیں رکھ دیتے تھے ہم جھکنا شروع نہیں کرتے تھے، معلوم ہوا کہ سات اعضاء میں پیشانی بھی ہے اور اس کو زمین پر رکھنا واجب ہے اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔

بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الْأَنْفِ

سجدہ میں ناک زمین سے لگانا

سجدہ میں پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر جما کر لگانا چاہئے، اگر کوئی شخص صرف پیشانی لگائے تو امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، اور جمہور کے نزدیک کراہیت تحریمی کے ساتھ صحیح ہوجائے گی، اور صرف ناک لگانے کی صورت میں امام اعظم رحمہ اللہ کے علاوہ تمام ائمہ بشمول صاحبین نماز کو درست قرار نہیں دیتے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک نماز صحیح ہوگی مگر بلا عذر ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ تمام حدیثوں میں زمین پر جبہہ (پیشانی) رکھنے کا حکم ہے، اس لئے اس کو رکھے بغیر نماز نہیں ہوگی، اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جبہہ اور ناک حکماً ایک عضو ہیں اور ایک عضو کا بعض حصہ لگانا کافی ہے پس صرف پیشانی یا صرف ناک لگانا کافی ہے، البتہ دونوں کو لگانا اولیٰ اور افضل ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ساتوں اعضاء زمین پر لگانے ضروری ہیں، اور پیشانی اور ناک حکماً ایک عضو ہیں، پس دونوں کو لگانا ضروری ہے صرف پیشانی یا صرف ناک لگانے سے نماز نہیں ہوگی۔

[۱۳۴-] بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الْأَنْفِ

[۸۱۲-] حدثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، عَلَى الْجَبْهَةِ- وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ- وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ، وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعْرَ" [راجع: ۸۰۹]

وضاحت: نبی ﷺ نے سات اعضاء گنائے جن پر سجدہ کیا جاتا ہے اور پیشانی کا ذکر کر کے ناک کی طرف اشارہ کیا۔ جمہور کہتے ہیں: اس اشارہ سے پیشانی کی تحدید مقصود ہے یعنی پیشانی سے ناک تک جبہہ ہے پس سجدہ میں دونوں کو زمین پر رکھنا ضروری ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تحدید مقصود نہیں، بلکہ ناک اور پیشانی کا ایک عضو ہونا بیان کرنا مقصود ہے اور ہر عضو کو سارا رکھنا ضروری نہیں، بعض حصہ بھی اگر کسی عضو کا رکھ دیا جائے تو کافی ہے۔ لہذا صرف پیشانی یا صرف ناک رکھنے سے بھی نماز ہو جائے گی، پس یہ نص فہمی کا اختلاف ہے۔

لغت: کَفَتَ (ض) کَفْتًا وَکِفَاتًا الثوبَ: کپڑے کو سمیٹنا۔

بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الْأَنْفِ فِي الطِّيْنِ

کیچ میں ناک پر سجدہ کرنا

اس باب میں کوئی خاص مسئلہ نہیں، ایک حدیث ہے اس کی وجہ سے یہ باب باندھا ہے اور اکثر نسخوں میں باب نہیں ہے اور پر والے باب ہی سے حدیث متعلق ہے۔

حدیث: ایک رمضان میں نبی ﷺ نے شب قدر کی تلاش میں شروع رمضان سے اعتکاف کیا، دس رمضان کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی کہ اس عشرہ میں شب قدر نہیں آئی، شب قدر آگے ہے، چنانچہ آپ نے دوسرے عشرہ کا بھی اعتکاف کیا، بیس رمضان کو پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی کہ اس عشرہ میں بھی شب قدر نہیں آئی، چنانچہ بیس رمضان کی صبح کو آنحضور ﷺ نے تقریر فرمائی کہ میں نے شب قدر کی تلاش میں شروع رمضان سے اعتکاف کیا ہے، اور مجھے شب قدر کی خبر دی گئی تھی، مگر میں بھول گیا ہوں بس اتنی بات یاد رہ گئی ہے کہ شب قدر طاق راتوں میں ہے اور شب قدر کی صبح کو میں کیچ میں سجدہ کروں گا اور ان دو عشروں میں یہ علامت نہیں پائی گئی، اس لئے شب قدر آخری عشرہ میں ہے، پس جو لوگ اعتکاف سے اٹھ گئے ہیں وہ واپس آجائیں، پھر اکیسویں شب میں بارش ہوئی اور محراب میں سجدہ کی جگہ پانی ٹپکا، مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی اور مسجد میں چراغ نہیں جلتا تھا اس لئے جب آپ نے فجر کی نماز پڑھائی اور سجدہ کیا تو کیچ میں سر پڑا اور پیشانی اور ناک گارے سے سن گئے، معلوم ہوا کہ شب قدر گذر گئی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ سجدے میں صرف پیشانی نہیں رکھتے تھے، ناک بھی لگاتے تھے۔ یہی اس باب کا مقصد ہے۔

[۱۳۵-] بابُ السُّجُوْدِ عَلَى الأَنفِ فِي الطِّيْنِ

[۸۱۳-] حدثنا مُوْسى، قَالَ: ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيىٰ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، قَالَ: انْطَلَقْتُ إِلَى أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، فَقُلْتُ: أَلاَ تَخْرُجُ بِنَا إِلَى النَّخْلِ نَتَحَدَّثُ؟ فَخَرَجَ، قَالَ: قُلْتُ: حَدِّثْنِيْ مَا سَمِعْتَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، قَالَ: اِعْتَكَفَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْعَشْرَ الأُوْلَ مِنْ رَمَضَانَ، وَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ، فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ، فَقَالَ: إِنَّ الَّذِيْ تَطْلُبُ أَمَامَكَ، فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ الأَوْسَطَ، وَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ، فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ: إِنَّ الَّذِيْ تَطْلُبُ أَمَامَكَ، فَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خَطِيْبًا صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ مِنْ رَمَضَانَ، فَقَالَ: " مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَلْيَرْجِعْ، فَإِنِّيْ أُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَإِنِّيْ نُسِّيْتُهَا، وَإِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ فِيْ وِتْرٍ، وَإِنِّيْ رَأَيْتُ كَأَنِّيْ أَسْجُدُ فِيْ طِيْنٍ وَمَاءٍ" وَكَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ جَرِيْدَ النَّخْلِ، وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ شَيْئًا، فَجَاءَتْ قَزَعَةٌ فَأُمْطِرْنَا، فَصَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ عَلَى جَبْهَةِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَرْنَبَتِهِ، تَصْدِيْقَ رُؤْيَاهُ. [راجع: ۶۶۹]

ترجمہ: ابوسلمہؒ کہتے ہیں: میں (چند طالب علموں کے ساتھ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس گیا (وہ اپنے کھجوروں کے باغ میں کام کررہے تھے) میں نے عرض کیا: کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں نکلتے کسی کھجور کے باغ کی طرف کہ ہم باتیں کریں؟ یعنی کسی کھجور کے درخت کے پاس بیٹھ کر ہم حدیثیں پڑھیں پڑھائیں؟ پس حضرت ابوسعیدؓ نکلے یعنی کام چھوڑ کر ایک درخت کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ ابوسلمہؒ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: ہم سے شب قدر کے بارے میں بیان کیجئے جو آپؓ نے نبی ﷺ سے سنا ہے۔ پس حضرت ابوسعیدؓ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرہ کا اعتکاف فرمایا، اور ہم نے آپؐ کے ساتھ اعتکاف کیا (جب پہلا عشرہ پورا ہوا تو) حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور بتلایا کہ جس چیز کی آپؐ کو تلاش ہے وہ آگے ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے درمیانی عشرہ کا اعتکاف فرمایا، اور ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ اعتکاف کیا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور بتلایا کہ جس چیز کی آپ کو تلاش ہے وہ آگے ہے، پس نبی ﷺ بیس رمضان کی صبح کو تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے آپؐ نے فرمایا: ''جس نے (پہلے عشرہ کا) نبی ﷺ کے ساتھ اعتکاف کیا ہے: چاہئے کہ وہ واپس آجائے (پہلے عشرہ کا اعتکاف کرکے بعض حضرات اٹھ گئے تھے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ واپس آجائیں اور آخری عشرہ کا اعتکاف کریں) اس لئے کہ مجھے شب قدر دکھائی گئی ہے اور میں اس کو بھلا دیا گیا ہوں اور وہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے اور میں دکھایا گیا ہوں کہ گویا میں مٹی اور پانی میں سجدہ کررہا ہوں'' اور مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی اور ہم آسمان میں کچھ نہیں دیکھتے تھے، یعنی مطلع بالکل صاف تھا، پس ایک بدلی آئی اور بارش ہوئی، پس ہمیں نبی ﷺ نے (فجر کی) نماز پڑھائی، یہاں تک کہ میں نے نبی ﷺ کی پیشانی اور ناک کے بانسے پر مٹی اور پانی کا

اثر دیکھا یعنی دونوں اعضاء کیچ سے سن گئے تھے، (اور) آپ کے خواب کی تصدیق ہوگئی!

تشریح: أَرْنَبَة: ناک کا بانسہ، ناک کا نرم حصہ ختم ہوکر جہاں سے سخت حصہ شروع ہوتا ہے وہ بانسہ کہلاتا ہے۔ ارنبہ کے گارے سے سننے کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے سجدہ میں ناک دبا کر رکھی تھی۔

بَابُ عَقْدِ الثِّيَابِ وَشَدِّهَا، وَمَنْ ضَمَّ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ إِذَا خَافَ أَنْ تَنْكَشِفَ عَوْرَتُهُ

کپڑا مضبوط باندھنا، اور جس نے اپنی طرف کپڑا ملایا جب ستر کھلنے کا اندیشہ محسوس کیا

یہ مسئلہ کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں گذر چکا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک ہی کپڑا ہے تو وہ اسے کمر پر یا سینہ پر یا گردن میں حسب گنجائش باندھے اور اگر کپڑے میں گنجائش ہو تو اس میں لپٹ کر نماز پڑھے تا کہ ستر کھلنے کا اندیشہ نہ رہے۔

باب میں عَقْدٌ اور شَدٌّ کے معنی ہیں: باندھنا۔ وَمَنْ ضَمَّ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ: یعنی نہ باندھے تو کپڑا لپیٹ کر رکھے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ ستر کھلنے کا اندیشہ ہو۔

سوال: تعدیل ارکان کے ابواب چل رہے ہیں، کپڑا باندھنے کا باب یہاں کیوں لائے ہیں؟

جواب: اگر ایک کپڑا ہو اور وہ بھی چھوٹا ہو تو حالت قیام میں تو کشف عورت کا اندیشہ نہیں ہوتا مگر رکوع وسجود میں کشف عورت کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے یہ باب لائے کہ پہلے سے کپڑا باندھ کر یا ملا کر رکھے تا کہ رکوع وسجود میں کشف عورت کا اندیشہ نہ رہے، گویا رکوع وسجود صحیح کرنے میں کپڑا باندھنے یا ملا کر رکھنے کا دخل ہے، کپڑا باندھ کر یا ملا کر رکھے گا تبھی سجدہ صحیح ہوگا ورنہ کشف عورت ہوگا اور نماز باطل ہو جائے گی۔

[۱۳۶-] بَابُ عَقْدِ الثِّيَابِ وَشَدِّهَا، وَمَنْ ضَمَّ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ إِذَا خَافَ أَنْ تَنْكَشِفَ عَوْرَتُهُ

[۸۱٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، قَالَ: أَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهُمْ عَاقِدُوْ أُزْرِهِمْ مِنَ الصِّغَرِ عَلَى رِقَابِهِمْ، فَقِيْلَ لِلنِّسَاءِ: لَا تَرْفَعْنَ رُؤُسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوْسًا [راجع: ۳٦۲]

وضاحت: یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے (تحفۃ القاری ۲: ۱۸۸ کتاب الصلوٰۃ باب ٦) حضرت سہل کہتے ہیں: لوگ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، درانحالیکہ ان کی لنگیاں چھوٹی ہونے کی وجہ سے ان کی گردنوں پر بندھی ہوئی ہوتی تھیں، معلوم ہوا کہ اگر کپڑا ایک ہو اور تنگ ہو اور اس میں نماز پڑھنی ہو تو باندھ کر نماز پڑھنی چاہئے، تا کہ نہ کشف عورت ہو اور نہ نماز فاسد ہو۔

اور دوسری بات حضرت سہل نے یہ بیان فرمائی کہ مسجد نبوی میں مرد وزن ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے جہاں مردوں کی

صفیں ختم ہوتی تھیں وہاں سے عورتوں کی صفیں شروع ہوجاتی تھیں، درمیان میں کوئی پردہ نہیں تھا، اور صحابہ عام طور پر ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے اور جب ایک کپڑے میں نماز پڑھیں گے تو سجدہ میں پیچھے سے آدمی آدھا ننگا معلوم ہوگا اس لئے عورتوں کو یہ تاکید کی گئی تھی کہ جب تک مرد سجدہ سے سر نہ اٹھالیں عورتیں سجدہ سے سر نہ اٹھائیں، آج کل لوگ پتلون پہن کر نماز پڑھنے آتے ہیں اور کرتا نہیں پہنتے، اس میں ان کے جسم کا پچھلا حصہ صاف عریاں محسوس ہوتا ہے، ان کو خاص طور پر یہ حدیث سنائی جائے، اور صحابہ جو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے وہ ان کی مجبوری تھی، پس جو لوگ پتلون پہن کر مسجد میں آئیں وہ کرتا پہن کر آئیں تاکہ نیم عریاں معلوم نہ ہوں۔

بابٌ: لَا يَكُفُّ شَعْرًا

نماز میں بالوں کو نہ روکے

یہ مسئلہ بھی چند ابواب پہلے گذر چکا ہے کہ مردوں کے لئے بال باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور عورتوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ بال باندھ کر نماز پڑھیں، اس لئے کہ اگر چوتھائی بال نماز میں کھل گئے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

[۱۳۷-] بابٌ: لَا يَكُفُّ شَعْرًا

[۸۱۵-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أُمِرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، وَلَا يَكُفَّ شَعْرَهُ وَلَا ثَوْبَهُ. [راجع: ۸۰۹]

بابٌ: لَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں اپنا کپڑا نہ روکے

یہ مسئلہ بھی گذر چکا ہے کہ نماز میں کپڑا روکنا ممنوع ہے، آستین یا پائینچے چڑھا کر یا کرتے کا دامن کمر میں باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ کپڑا پہننے کی نامناسب ہیئت ہے، اور نماز زینت کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ چنانچہ کپڑا روکنے کی ممانعت کی گئی۔

[۱۳۸-] بابٌ: لَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ فِي الصَّلَاةِ

[۸۱۶-] حدثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: ثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، وَلَا أَكُفَّ شَعْرًا وَلَا ثَوْبًا."

[راجع: ۸۰۹]

لغت: لفظ شَعَر کو عین کے زبر کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں اور سکون کے ساتھ بھی، عام طور پر سکون کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

بَابُ التَّسْبِيْحِ وَالدُّعَاءِ فِي السُّجُوْدِ

سجدوں میں اللہ کی پاکی بیان کرنا اور دعا مانگنا

چند ابواب پہلے (صفۃ الصلوۃ باب ١٢٣) ایک باب آیا ہے کہ رکوع میں دعا کی گنجائش ہے، اب دوسرا باب آیا کہ سجدہ میں بھی دعا کی گنجائش ہے، اگر کوئی سجدہ میں دعا کرے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

[١٣٩-] بَابُ التَّسْبِيْحِ وَالدُّعَاءِ فِي السُّجُوْدِ

[٨١٧-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْصُوْرٌ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُكْثِرُ أَنْ يَقُوْلَ فِي رُكُوْعِهِ وَسُجُوْدِهِ: "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللَّهُمَّ اغْفِرْ لِيْ" يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ. [راجع: ٧٩٤]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ بکثرت رکوع وسجود میں کہا کرتے تھے: آپ کی ذات پاک ہے، اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور آپ اپنی خوبیوں کے ساتھ ہیں، اے اللہ! میری بخشش فرما" قرآن کی تاویل کرتے ہیں یعنی قرآن کے حکم پر عمل کرتے تھے، اس ذکر میں تسبیح ہے اور آخری حصہ دعا ہے، اور آپ اس طرح سورۂ نصر کے آخری آیت پر عمل کرتے تھے، ارشاد پاک ہے: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ اس آیت پاک میں دو امر ہیں: ایک: اللہ کی پاکی بیان کریں اللہ کی تعریف کے ساتھ۔ دوم: یہ دعا کریں کہ اللہ آپ کو اپنے فضل میں ڈھانک لے۔ سبحانك اللّٰهم ربنا: میں پہلے حکم پر عمل ہے اور وبحمدك: کے ذریعہ تسبیح کے ساتھ حمد کو ملایا ہے، اور اللّٰهم اغفرلی میں فاستغفرہ پر عمل کیا ہے، اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ رکوع وسجود میں بکثرت یہ ذکر ودعا کیا کرتے تھے۔

فائدہ: غین، فاء اور راء: کے مادہ کے معنی ہیں: ڈھانکنا، چھپانا، لڑائی میں سر پر جو لوہے کا خود پہنتے ہیں اس کو عربی میں مِغفَر کہتے ہیں کیونکہ وہ سر کو چھپاتا ہے اور زد سے بچاتا ہے اور استغفار میں س ت طلب کے لئے ہیں، پس اس کے معنی ہیں: اللہ سے دعا کرنا کہ اللہ اپنی رحمت میں ڈھانک لے، یہ استغفار کی حقیقت ہے، پس استغفار کے لئے گناہ ضروری نہیں اگر دعا کرنے والا گنہ گار ہے تو اس کے استغفار کا مطلب یہ ہے کہ میرا گناہ معاف فرما کر مجھے اپنی عنایت ومہربانی میں ڈھانپ لیں، اور اگر معصوم ہے تو دعا بدرجۂ اولی قبول ہوگی، لہٰذا ذہن میں یہ اشکال نہیں آنا چاہئے کہ نبی ﷺ تو معصوم ہیں پھر آپ کو استغفار کا حکم کیوں دیا گیا؟ اس لئے کہ استغفار کے لئے گناہ ضروری نہیں۔

بابُ الْمُکْثِ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ

دو سجدوں کے درمیان ٹھہرنا

قومہ کے سلسلہ میں جو تفصیل گذری ہے وہی تفصیل یہاں بھی ہے، پہلے سجدہ سے اٹھ کر جب سیدھا بیٹھ گیا، اور بدن ڈھیلا چھوڑ دیا، یہاں تک کہ ہر ہڈی اس کی جگہ سیٹ ہوگئی تو جلسہ کی تعدیل ہوگئی، اور نوافل میں جب نماز لمبی کرنا مقصود ہو تو جلسہ میں ٹھہر کر ذکر و دعا بھی کر سکتا ہے، مگر یہ تعدیل میں شامل نہیں، تفصیل صفۃ الصلاۃ (باب ۱۲۷) میں گذر چکی ہے۔

لغت: مُکث میں میم کا ضمہ پڑھیں تو کاف ساکن ہوگا، اور زبر پڑھیں تو کاف مفتوح ہوگا۔

[۱۴۰-] بابُ الْمُکْثِ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ

[۸۱۸-] حدثنا أبو النعمان، قال: حدثنا حماد، عن أیوب، عن أبی قلابة: أن مالك بن الحویرث قال لأصحابه: ألا أنبئكم صلاة رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ قال: وذاك فی غیر حین صلاة، فقام ثم ركع فكبر، ثم رفع رأسه، فقام هنیة ثم سجد، ثم رفع رأسه هنیة، ثم سجد ثم رفع رأسه هنیة فصلی صلاة عمرو بن سلمة شیخنا هذا، قال أیوب: كان یفعل شیئا لم أرهم یفعلونه، كان یقعد فی الثالثة أو: الرابعة.

[راجع: ۶۷۷]

[۸۱۹-] [قال:] فأتینا النبی صلی الله علیه وسلم، فأقمنا عنده. فقال: " لو رجعتم إلی أهالیكم، صلوا صلاة كذا فی حین كذا، وصلوا صلاة كذا فی حین كذا، فإذا حضرت الصلاة فلیؤذن أحدكم، ولیؤمكم أكبركم" [راجع: ۶۲۸]

وضاحت: یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے (حدیث نمبر ۸۰۲) مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ نے اپنے تلامذہ کو آنحضور ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھائی آپؐ قومہ اور جلسہ میں تھوڑی دیر ٹھہرے، ھُنَیّۃ کے معنی ہیں: ذرا دیر، یہی تعدیل ہے اور پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھا کر پہلے تھوڑی دیر بیٹھے پھر اگلی رکعت کے لئے کھڑے ہوئے، یعنی جلسۂ استراحت کیا، اس مسجد کے امام عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بھی جلسہ استراحت کرتے تھے۔

ایوب سختیانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت عمرو بن سلمہؓ جو جلسہ استراحت کیا کرتے تھے یا مالک بن الحویرثؓ نے جو جلسہ استراحت کر کے دکھایا مسلمانوں میں اس کا رواج نہیں تھا، پس جلسۂ استراحت نماز کی سنت نہیں، معذوری کا عمل ہے۔

حضرت مالکؓ بیس دن مدینہ میں ٹھہرے ہیں اس زمانہ میں نبی ﷺ نے کسی عذر سے جلسہ استراحت کیا ہے، حضرت مالکؓ نے اس کو محفوظ کیا، اس پر عمل کیا اور تلامذہ کو دکھایا مگر آپ کا یہ عمل بربنائے عذر تھا، نماز کی یہ سنت نہیں، چنانچہ مسلمانوں

میں یہ عمل رائج نہیں تھا مگر شوافع اس کو سنت کہتے ہیں، تفصیل چند ابواب کے بعد آرہی ہے۔

قولہ: فی الثالثۃ أو الرابعۃ: یہ شک راوی ہے اور صحیح فی الثالثۃ ہے یعنی تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے اٹھ کر جلسہ استراحت کیا کرتے تھے پھر اگلی رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔

حضرت مالکؓ اپنے چچا زاد بھائی اور قبیلہ کے دیگر افراد کے ساتھ علم حاصل کرنے کے لئے مدینہ منورہ آئے تھے اور بیس دن ٹھہرے تھے، وہ سب نوجوان تھے، جب نبی ﷺ نے محسوس کیا کہ ان کو گھر والے یاد آرہے ہیں تو آپؐ نے لوٹنے کی اجازت دیدی اور تاکید فرمائی کہ سفر میں جب نماز کا وقت ہوجائے تو کوئی بھی اذان دے اور جماعت سے نماز پڑھنا اور جو بڑا ہے وہ امامت کرے — لو تمنی کا ہے، نبی ﷺ نے خواہش ظاہر کی ہے کہ تم گھر چلے جاؤ تو بہتر ہے — صلوا صلاۃ کذا فی حین کذا: یہ چلتے وقت آپؐ نے نماز کے اوقات کی تعلیم دی ہے۔

[۸۲۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الزُّبَيْرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: كَانَ سُجُوْدُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَرُكُوْعُهُ وَقُعُوْدُهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيْبًا مِنَ السَّوَاءِ. [راجع: ۷۹۲]

[۸۲۱-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: إِنِّيْ لَا آلُوْ أَنْ أُصَلِّيَ بِكُمْ كَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ بِنَا. قَالَ ثَابِتٌ: كَانَ أَنَسٌ يَصْنَعُ شَيْئًا لَمْ أَرَكُمْ تَصْنَعُوْنَهُ: كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَامَ حَتَّى يَقُوْلَ الْقَائِلُ: قَدْ نَسِيَ، وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتَّى يَقُوْلَ الْقَائِلُ: قَدْ نَسِيَ. [راجع: ۸۰۰]

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں کوتاہی کرتا میں کہ نماز پڑھاؤں میں جس طرح میں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھاتے دیکھا ہے، ثابت بنانی کہتے ہیں: حضرت انسؓ ایک ایسا عمل کرتے تھے جو میں تمہیں کرتے ہوئے نہیں دیکھتا، جب وہ رکوع سے سر اٹھاتے تو قومہ میں اتنی دیر کھڑے رہتے کہ خیال گذرتا کہ شاید سجدہ کرنا بھول گئے، اور دو سجدوں کے درمیان یہاں تک ٹھہرتے کہ کہنے والا کہے: بالیقین دوسرا سجدہ کرنا بھول گئے۔

تشریح: پہلے بتایا ہے کہ جب نبی ﷺ نفل نماز لمبی پڑھتے تھے تو قومہ وجلسہ میں دیر تک ٹھہرتے تھے، مگر یہ بات تعدیل کے مفہوم میں شامل نہیں۔

بَابٌ: لَايَفْتَرِشُ ذِرَاعَيْهِ فِي السُّجُوْدِ

سجدوں میں کلائیاں زمین پر نہ بچھائے

کلائی: ہتھیلی اور کہنی کا درمیانی حصہ۔ سجدے میں کلائیاں زمین پر نہیں بچھانی چاہئیں، حدیث میں سات اعضاء پر سجدہ

کرنے کا حکم ہے ان میں یدین یعنی ہتھیلیاں ہیں لہٰذا سجدہ میں ہتھیلیاں ہی رکھنے چاہئیں، کلائیاں زمین پر نہیں بچھانی چاہئیں۔

[۱۴۱-] بَابٌ: لَا يَفْتَرِشُ ذِرَاعَيْهِ فِي السُّجُوْدِ

وَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدٍ: سَجَدَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، وَوَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا.

[۸۲۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " اعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ، وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ"[راجع: ۲۴۱]

حضرت ابوحمیدؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے سجدہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ رکھے درانحالیکہ آپ نے نہ ہاتھوں کو بچھایا نہ ان کو سکیڑا یعنی نہ زمین پر کلائیاں بچھائیں نہ بازؤں کو پہلوؤں سے لگایا، سجدہ میں دونوں بازؤں کو پہلوؤں سے اور کلائیوں کو زمین سے علاحدہ رکھنا چاہئے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: سجدے ٹھیک سے کیا کرو اور تم میں سے کوئی شخص اپنے ہاتھ کتے کے ہاتھ بچھانے کی طرح نہ بچھائے۔

تشریح: یہاں اعتدال کا مطلب ہے: ڈھنگ سے سجدہ کرنا اور ڈھنگ سے سجدہ کرنے میں ہاتھوں کو نہ بچھانا بھی شامل ہے، کتا اور دوسرے درندے اگلے پیر زمین پر بچھا کر بیٹھتے ہیں، سجدہ میں اس طرح ہاتھوں کو بچھانے سے منع کیا گیا، نماز میں آٹھ ہیئتیں اختیار کرنی ممنوع ہیں، ان میں سے ایک ہاتھ بچھانا بھی ہے، اور جانوروں کے ساتھ تشبیہ دینے سے مقصود تنفیر ہے، تفصیل تحفۃ القاری (۳۹۴:۲ مواقیت الصلاۃ باب ۸) میں گذری ہے۔

بَابُ مَنِ اسْتَوَى قَاعِدًا فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ ثُمَّ نَهَضَ

نماز کی طاق رکعت میں پہلے سجدہ سے اٹھ کر ٹھیک سے بیٹھ جائے، پھر اگلی رکعت کے لئے کھڑا ہو

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ جلسۂ استراحت مسنون ہے یا نہیں؟ جلسۂ استراحت یہ ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے اٹھ کر پہلے ٹھیک سے بیٹھ جائے پھر اگلی رکعت کے لئے کھڑا ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس کی سنیت کے قائل ہیں، اور دیگر فقہاء اس کو سنت نہیں کہتے، اور جن احادیث میں نبی ﷺ سے جلسۂ استراحت کرنا مروی ہے، جمہور ان کو عذر پر محمول کرتے ہیں: اگر آدمی بڑھاپے کی وجہ سے یا موٹاپے کی وجہ سے یا کسی اور عذر کی وجہ سے پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے اگلی رکعت کے لئے سیدھا کھڑا نہ ہوسکتا ہو تو پہلے بیٹھ جائے پھر ذرا آرام کر کے کھڑا ہو، البتہ تندرست آدمی کو سیدھا کھڑا ہونا چاہئے کیونکہ نبی ﷺ کی سنت مستمرہ سیدھا کھڑا ہونے کی تھی۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اکثر

احادیث میں یہی بات مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کی طاق رکعت کے سجدوں کے بعد اگلی رکعت کے لئے سیدھے کھڑے ہوتے تھے، اور خود امام احمدؒ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے (مغنی ۱:۵۲۹) اور صحابہ کا بھی یہی عمل تھا، حضرات عمر، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے جلسہ استراحت نہ کرنا مروی ہے (نصب الرایہ ۱:۳۸۹) بلکہ نوادر الفقہاء میں اور مجد بن تیمیہ نے جلسۂ استراحت کے ترک پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

علاوہ ازیں: نماز میں تمام جگہوں میں ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف انتقال کے وقت تکبیر وغیرہ کوئی ذکر رکھا گیا ہے اگر جلسہ استراحت مسنون ہوتا تو اس کے بعد بھی تکبیر یا تسمیع وتحمید یا تسلیم کے مانند ہوئی ذکر ضرور رکھا جاتا حالانکہ یہاں امام شافعی رحمہ اللہ بھی کسی ذکر کے قائل نہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جلسۂ استراحت ایک عارضی چیز اور عذر کی بنا پر تھا۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں لفظ مَنْ (موصولہ) رکھا ہے اور میں نے پہلے قاعدہ بتایا ہے کہ اگر ترجمہ میں ھل یا مَن ہو تو امام بخاریؒ اس مسئلہ کی ذمہ داری نہیں لیتے، پس باب کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جلسۂ استراحت کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں، رہی یہ بات کہ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی جلسۂ استراحت مستحب ہے یا نہیں؟ اس پر باب کی کوئی دلالت نہیں۔

[۱۴۲-] بابُ مَنِ اسْتَوَى قَاعِدًا فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ ثُمَّ نَهَضَ

[۸۲۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ اللَّيْثِيُّ: أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي، فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا.

ترجمہ: مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا، جب نبی ﷺ نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تھے تو (اگلی رکعت کے لئے) کھڑے نہیں ہوتے تھے یہاں تک کہ سیدھے بیٹھ جاتے تھے (پھر کھڑے ہوتے تھے)

تشریح: مالک بن الحویرثؓ خدمت نبوی میں بیس روز رہے ہیں ان دنوں میں آپؐ نے کسی عذر کی بنا پر جلسۂ استراحت کیا ہے، جلسۂ استراحت کرنا آپؐ کا دائمی معمول نہیں تھا اکثر صحابہ کا جلسۂ استراحت نہ کرنا اس کے سنت نہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

بابٌ: كَيْفَ يَعْتَمِدُ عَلَى الْأَرْضِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَةِ؟

جلسۂ استراحت کے بعد کھڑا ہو تو زمین پر کس طرح ٹیک لگائے؟

جلسۂ استراحت کے بعد جب اگلی رکعت کے لئے کھڑا ہو تو زمین پر ہاتھ ٹیک کر یعنی سہارا لے کر کھڑا ہو، جلسۂ

استراحت کے قائلین کے نزدیک یہ مستحب ہے۔

[۱۴۳-] بابٌ: كَيْفَ يَعْتَمِدُ عَلَى الْأَرْضِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَةِ؟

[۸۲۴-] حدثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: جَاءَ نَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ فَصَلَّى بِنَا فِي مَسْجِدِنَا هٰذَا، فَقَالَ: إِنِّي لَأُصَلِّي بِكُمْ وَمَا أُرِيدُ الصَّلَاةَ، لٰكِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُرِيَكُمْ كَيْفَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي؟ قَالَ أَيُّوبُ: فَقُلْتُ لِأَبِي قِلَابَةَ: وَكَيْفَ كَانَتْ صَلَاتُهُ؟ قَالَ: مِثْلَ صَلَاةِ شَيْخِنَا هٰذَا، يَعْنِي عَمْرَو بْنَ سَلِمَةَ، قَالَ أَيُّوبُ: وَكَانَ ذٰلِكَ الشَّيْخُ يُتِمُّ التَّكْبِيرَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ عَنِ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ جَلَسَ، وَاعْتَمَدَ عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ قَامَ. [راجع: ۶۷۷]

ترجمہ: ابوقلابہؒ کہتے ہیں: ہمارے پاس مالک بن الحویرثؓ آئے، انھوں نے ہمیں ہماری اس مسجد میں نماز پڑھائی پھر فرمایا: بیشک میں البتہ تمھیں نماز پڑھا رہا ہوں اور میرا نماز پڑھانے (ہی) کا ارادہ نہیں، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تمھیں دکھاؤں کہ میں نے نبی ﷺ کو کس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے؟ ایوب سختیانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابوقلابہؒ سے پوچھا: انھوں نے کس طرح نماز پڑھائی تھی؟ ابوقلابہؒ نے کہا: ہمارے امام صاحب یعنی عمرو بن سلمہؓ کی طرح، ایوبؒ کہتے ہیں: شیخ یعنی عمرو بن سلمہ تکبیریں مکمل کہا کرتے تھے اور جب دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو (پہلے) بیٹھ جاتے تھے پھر زمین پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے (یہی جزء باب سے متعلق ہے)

تشریح: پہلے بتایا ہے کہ ایک زمانہ میں امراء نے جھکتے ہوئے تکبیریں کہنا چھوڑ دیا تھا، مگر حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سنت کے مطابق ہر رفع وخفض میں جہراً تکبیریں کہا کرتے تھے۔

اور حضرت مالک بن الحویرث اور عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہما کی نمازوں میں جلسۂ استراحت ایک انوکھی چیز تھی اس لئے حضرت ایوبؒ نے اس کو خاص طور پر بیان کیا، نماز کے باقی اجزاء تمام مسلمانوں کی نمازوں کی طرح تھے اس لئے ان کو بیان نہیں کیا، چنانچہ پہلے حضرت ایوبؒ کا قول گذرا ہے کہ جلسۂ استراحت مسلمانوں کی نمازوں میں رائج نہیں۔

بابٌ: يُكَبِّرُ وَهُوَ يَنْهَضُ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ

سجدوں سے اٹھتے ہوئے تکبیر کہنا

یہ اوپر والے باب کا مقابل باب ہے، جمہور کے نزدیک پہلی اور تیسری رکعت کے سجدوں کے بعد اگلی رکعت کے لئے تکبیر کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے بیٹھے نہیں یعنی جلسہ استراحت نہ کرے۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما طاق رکعت کے سجدوں کے بعد تکبیر کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے، اور اکثر صحابہ کا بھی یہی عمل تھا۔

[١٤٤-] باب: يُكَبِّرُ وَهُوَ يَنْهَضُ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ

وَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يُكَبِّرُ فِي نَهْضَتِهِ.

[٨٢٥-] حدثنا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: صَلَّى لَنَا أَبُوْ سَعِيْدٍ، فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ، وَحِيْنَ سَجَدَ، وَحِيْنَ رَفَعَ، وَحِيْنَ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ، وَقَالَ: هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم.

[٨٢٦-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيْرٍ، عَنْ مُطَرِّفٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ أَنَا وَعِمْرَانُ بْنُ الْحُصَيْنِ رضي الله عنه، صَلَاةً خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رضي الله عنه، فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ، وَإِذَا رَفَعَ كَبَّرَ، وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ أَخَذَ عِمْرَانُ بِيَدِيْ، فَقَالَ: لَقَدْ صَلّٰى بِنَا هٰذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم، أَوْ قَالَ: لَقَدْ ذَكَّرَنِيْ هٰذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم.

[راجع: ٧٨٤]

حدیث (۱): سعید بن الحارث کہتے ہیں: ہمیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور جہراً تکبیر کہی جب سجدوں سے اپنا سر اٹھایا اور جب سجدہ کیا اور جب سر اٹھایا اور جب دوسجدوں سے کھڑے ہوئے، پھر فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں من الرکعتین: کا مطلب یہ ہے کہ دوسجدوں کے بعد کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہی یعنی جلسۂ استراحت نہیں کیا، جمہور اسی کے قائل ہیں۔

حدیث (۲): مطرف کہتے ہیں: میں نے اور عمران بن الحصینؓ نے حضرت علیؓ کے پیچھے ایک مرتبہ نماز پڑھی، حضرت علیؓ جب سجدہ کرتے تھے تو تکبیر کہتے تھے اور جب سر اٹھاتے تھے تو تکبیر کہتے تھے اور جب دوسجدوں سے کھڑے ہوتے تھے تو تکبیر کہتے تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اس شخص نے ہمیں نبی ﷺ کی نماز پڑھائی ہے، یا فرمایا: اس شخص نے ہمیں نبی ﷺ کی نماز یاد دلا دی ہے۔

تشریح: حضرت علیؓ نے دوسجدوں سے کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہی یعنی جلسۂ استراحت نہیں کیا، اور یہی باب ہے۔

بَابُ سُنَّةِ الْجُلُوْسِ فِي التَّشَهُّدِ

قعدہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ

تعدیل ارکان کے تفصیلی ابواب پورے ہوئے، اب کتاب الجمعۃ تک صفۃ الصلوٰۃ کے باقی ابواب ہیں، اور اس

باب میں مسئلہ یہ ہے کہ قعدہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک دونوں قعدوں میں افتراش مسنون ہے یعنی بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے، اور مالکیہ کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورک مسنون ہے، وَرِك کے معنی ہیں: سرین، اور تورک کے معنی ہیں: سرین پر بیٹھنا، تورک کی دو صورتیں ہیں تفصیل ابھی آرہی ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک قعدۂ اولیٰ میں افتراش اور قعدۂ ثانیہ میں تورک مسنون ہے۔ پھر امام شافعی رحمہ اللہ مطلقاً قعدہ اولیٰ میں افتراش کو سنت کہتے ہیں اور امام احمدؒ کے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ قعدہ جس کے بعد سلام ہے اس میں تورک مسنون ہے اور ثمرۂ اختلاف نماز فجر میں ظاہر ہوگا، اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک افتراش اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تورک سنت ہوگا۔

تورک کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں اس کے نیچے سے دائیں جانب نکال دے اور سرین پر بیٹھے، یہ کیفیت حضرت ابوحمید ساعدی کی حدیث میں مروی ہے جو باب میں آرہی ہے اس کو امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں پیر دائیں جانب نکال دے اس کو امام مالک رحمہ اللہ نے لیا ہے اور یہ طریقہ عبداللہ بن الزبیر کی حدیث میں آیا ہے (مسلم ۵: ۹۷، مصری، صفة الجلوس)

دلائل: حنفیہ نے باب کی حدیث سے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے (مسلم، مشکوۃ حدیث ۷۹۱ صفة الجلوس) اور حضرت وائل کی حدیث سے (ترمذی حدیث ۲۸۷ کیف الجلوس فی التشہد) استدلال کیا ہے، ان میں بلا تفریق رسول اللہ ﷺ سے افتراش مروی ہے بلکہ حضرت سمرۃ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایات میں تورک کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت سمرۃ کی حدیث بیہقی اور مستدرک حاکم میں ہے (اعلاء السنن ۳: ۸۲) اور حضرت انسؓ کی حدیث صحیح ابن السکن اور سنن بیہقی میں ہے (بدائع الصنائع ۱: ۴۹۹) اور امام مالک رحمہ اللہ نے عبداللہ بن الزبیر کی روایت سے تمسک کیا ہے اس میں بلا تفریق تورک مروی ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا استدلال حضرت ابوحمید ساعدی کی حدیث سے ہے اس میں صرف آخری قعدہ میں تورک کا ذکر ہے۔

اور احناف نے ابن الزبیر اور ابوحمید ساعدی کی روایات کو عذر پر محمول کیا ہے یعنی جو شخص بڑھاپے، موٹاپے یا کسی اور عذر کی بنا پر افتراش نہ کر سکتا ہو وہ تورک کرے اس کے لئے یہی مسنون ہے۔

فائدہ (۱): علامہ عینی نے عمدۃ القاری (۶: ۱۰۱) میں فرمایا ہے کہ قعدہ میں مرد و عورت کے بیٹھنے کا طریقہ یکساں ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ اسی کے قائل ہیں، پس حنفیہ کے نزدیک عورت دونوں قعدوں میں افتراش کرے گی اور مالکیہ کے نزدیک تورک، مگر فقہاء احناف عام طور پر تستر کا خیال کر کے عورتوں کے لئے تورک کو مسنون قرار دیتے ہیں۔

فائدہ (۲): امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک قعدہ میں بیٹھنے کا کونسا طریقہ مسنون ہے؟ حضرت نے واضح طور پر کوئی بات نہیں کہی، مگر شارحین کا خیال ہے کہ اس باب میں امام بخاریؒ نے امام شافعیؒ کی موافقت کی ہے یعنی ان کے نزدیک بھی

قعدۂ اولیٰ میں افتراش اور قعدۂ ثانیہ میں تورک مسنون ہے۔

[۱۴۵-] بَابُ سُنَّةِ الْجُلُوْسِ فِي التَّشَهُّدِ

وَكَانَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ تَجْلِسُ فِي صَلاَتِهَا جِلْسَةَ الرَّجُلِ، وَكَانَتْ فَقِيْهَةً.

[۸۲۷-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلاَةِ إِذَا جَلَسَ، فَفَعَلْتُهُ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ، فَنَهَانِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، وَقَالَ: إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلاَةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى، وَتَثْنِيَ الْيُسْرَى، فَقُلْتُ: إِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: إِنَّ رِجْلَايَ لاَ تَحْمِلاَنِّيْ.

اثر: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں، دونوں کی کنیت ام الدرداء تھی، البتہ ایک کے ساتھ کبری اور دوسری کے ساتھ صغری لگتا ہے، ام الدرداء کبری کا نام خَیرَة تھا اور وہ صحابیہ ہیں اور ام الدرداء صغری کا نام هُجَیمَة ہے اور وہ تابعیہ ہیں، اور وہ فقیہہ تھیں، وہ قعدے میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں، اس لئے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مرد وعورت کے قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ یکساں ہے مگر فقہاء احناف عام طور پر پردہ کے خیال سے عورت کے لئے مطلقاً تورک کو مسنون قرار دیتے ہیں۔

فائدہ (۱): چاروں فقہاء نے مرد وزن کی نمازوں میں فرق کیا ہے اور یہ فرق استحباب کے درجہ کا ہے وجوب کے درجہ کا نہیں ہے، عام طور پر مردوں کے ذہنوں میں بھی اور عورتوں کے ذہنوں میں بھی یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ عورت کو ہر حال میں یہ فرق ملحوظ رکھنا چاہئے، پھر حمل کے زمانہ میں جب پیٹ بڑا ہو جاتا ہے یا عورت موٹی ہوتی ہے اور اس کے لئے زمین سے لگ کر سجدہ کرنا مشکل ہوتا ہے تو وہ بہت پریشان ہوتی ہے اس لئے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ فقہاء نے مرد وزن کی نمازوں میں جو فرق کیا ہے وہ افضلیت کا فرق ہے، پس مجبوری میں عورت مرد کی طرح سجدہ کر سکتی ہے، اس میں کوئی کراہیت نہیں۔

فائدہ (۲): جب عورت مردوں کے بیچ میں نماز پڑھے مثلاً ٹرین میں نماز پڑھے یا پلیٹ فارم پر نماز پڑھے تو اس فرق کو خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہئے اس میں تستر ہے، لیکن اگر عورت تنہا گھر میں نماز پڑھے اور وہاں کوئی مرد نہ ہو یا وہاں مرد ہو مگر عورت نے برقع اوڑھ رکھا ہو اور وہ اس فرق کو ملحوظ نہ رکھے تو کوئی کراہیت نہیں، کیونکہ اس فرق کی رعایت واجب نہیں، محض اولی اور افضل ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لڑکے کا نام بھی عبداللہ تھا اس نے حضرت ابن عمرؓ کو نماز میں چار زانو بیٹھے ہوئے دیکھا، پس وہ بھی اسی طرح بیٹھا، حالانکہ وہ جوان تھا، حضرت ابن عمرؓ نے اس کو ٹوکا اور فرمایا: نماز میں بیٹھنے کا

سنت طریقہ یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کر اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ، اس نے عرض کیا: ابا! آپ تو چارزانو بیٹھتے ہیں۔ ابن عمرؓ نے فرمایا: میرے پاؤں میرا وزن برداشت نہیں کرتے اس مجبوری میں میں چارزانو بیٹھتا ہوں۔

تشریح: حضرت ابن عمر قعدہ اخیرہ میں چارزانو بیٹھتے تھے، ان کو افتراش میں تکلیف ہوتی تھی اور صاحبزادہ جوان تھا، جب وہ قعدۂ اخیرہ میں چارزانو بیٹھا تو اس کو منع کیا، معلوم ہوا کہ پہلے قعدہ میں بھی افتراش مسنون ہے اور دوسرے قعدہ میں بھی، البتہ معذور کا حکم الگ ہے اس کے لئے جس طرح سہولت ہو بیٹھ سکتا ہے۔

[٨٢٨] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ، ح: قَالَ: وَحَدَّثَنِي اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، وَيَزِيدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ، أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا مَعَ نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، فَذَكَرْنَا صَلَاةَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ: أَنَا كُنْتُ أَحْفَظَكُمْ لِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: رَأَيْتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ، ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوَى حَتَّى يَعُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ، وَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا، وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ، فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى، وَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْأُخْرَى، وَقَعَدَ عَلَى مَقْعَدَتِهِ.

وَسَمِعَ اللَّيْثُ: يَزِيدَ بْنَ أَبِي حَبِيبٍ، وَيَزِيدُ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ، وَابْنُ حَلْحَلَةَ مِنِ ابْنِ عَطَاءٍ.

وَقَالَ أَبُو صَالِحٍ عَنِ اللَّيْثِ: كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ: قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ ابْنُ أَبِي حَبِيبٍ: أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ حَدَّثَهُ: كُلُّ فَقَارٍ.

وضاحتیں:

۱- یہ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اب تک اس کے الگ الگ اجزاء آئے ہیں اب پوری حدیث آئی ہے، صحابہ کی ایک مجلس میں نبی اکرم ﷺ کی نماز کا تذکرہ آیا، حضرت ابوحمید ساعدیؓ نے دعوی کیا کہ انہیں آنحضور ﷺ کی نماز سب سے زیادہ یاد ہے، دیگر صحابہ نے کہا: یہ کیسے ممکن ہے؟ نہ آپؓ ہم سے پہلے مسلمان ہوئے ہیں، اور نہ ہم سے زیادہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے پھر آپ کو آنحضور ﷺ کی نماز سب سے زیادہ کیسے یاد ہے؟ ابوحمید ساعدیؓ نے کہا: بایں ہمہ میرا یہی دعوی ہے، چنانچہ ساتھیوں نے نماز پیش کرنے کے لئے کہا، حضرت ابوحمید ساعدیؓ نے چار رکعت پڑھ کر دکھائی اور سب نے ان کے دعوی کی تصدیق کی، حضرت ابوحمیدؓ نے جو نماز پڑھ کر دکھائی تھی راوی نے

اس کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے، کیونکہ اس کے بغیر روایت کرنا ممکن نہیں۔

۲- اس حدیث میں متعدد مسائل ہیں جو اپنی اپنی جگہوں میں آچکے ہیں، اور حدیث شریف کا آخری جزء یہ ہے کہ نبی ﷺ پہلے قعدہ میں افتراش کرتے تھے یعنی دایاں پاؤں کھڑا کرکے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے تھے، اور دوسرے قعدہ میں تورک کرتے تھے یعنی دایاں پاؤں کھڑا کرکے بایاں پاؤں اس کے نیچے سے دائیں طرف نکال کر سرین پر بیٹھتے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے دونوں قعدوں میں اس حدیث کو لیا ہے یعنی ان کے نزدیک قعدہ اولیٰ میں افتراش اور قعدۂ ثانیہ میں تورک مسنون ہے اور تورک کی صورت بھی وہی لی ہے جو اس حدیث میں ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھا جائے اور بایاں پاؤں اس کے نیچے سے دائیں طرف نکال دیا جائے اور سرین پر بیٹھا جائے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ بلاتفریق تورک کو مسنون کہتے ہیں، مگر ان کے نزدیک تورک کی دوسری صورت ہے اور احناف نے ان احادیث کو جن میں تورک کا ذکر ہے عذر پر محمول کیا ہے۔

۳- یہ محمد بن عمرو بن عطاء کی حدیث ہے اور اس حدیث میں ترمذی (حدیث ۳۰۱) میں یہ بھی ہے کہ جس مجلس میں آنحضور ﷺ کی نماز کا تذکرہ آیا تھا اور حضرت ابوحمیدؓ نے مذکورہ دعوی کیا تھا اس مجلس میں دس صحابہ تھے، جن میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور محمد بن عمرو اپنا اس مجلس میں موجود ہونا اور واقعہ کو بچشم خود دیکھنا اور سننا بیان کرتے ہیں درانحالیکہ محمد بن عمرو کا کسی ایسی مجلس میں موجود ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس میں حضرت ابوقتادہؓ موجود ہوں اس لئے کہ حضرت ابوقتادہؓ کا انتقال ۳۸ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا ہے۔ حضرت علیؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی ہے اور محمد بن عمرو کا انتقال ۱۲۰ ہجری میں ۸۰ سال کی عمر میں ہوا ہے یعنی ان کی ولادت حضرت ابوقتادہؓ کے انتقال کے دو سال بعد ہوئی ہے — مگر چونکہ شوافع کے یہاں نماز کے اکثر مسائل کا مدار اسی حدیث پر ہے اس لئے حافظ رحمہ اللہ نے تہذیب میں اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی ہے، مگر **التلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر** میں اس اعتراض کو تسلیم کرلیا ہے۔

سند: حدیث کے بعد پہلی سند سماعت کی صراحت کے لئے لائے ہیں، امام لیث نے یزید بن ابی حبیب سے سنا ہے، اوپر بصیغۂ عن روایت تھی، اور یزید بن ابی حبیب نے محمد بن حلحلہ سے اور محمد بن حلحلہ نے محمد بن عمرو بن عطاء سے سنا ہے۔

دوسری سند: یہ بیان کرنے کے لئے لائے ہیں کہ حدیث میں فقار لفظ ہے یا قفار؟ امام لیث کے تلامذہ میں اختلاف ہے، یحییٰ بن بکیر کی حدیث میں (جو باب کے شروع میں ہے) فَقَار (بتقدیم الفاء) ہے، اس کا مفرد الفقارۃ ہے، جس کے معنی ہیں: ریڑھ کی ہڈی، کمر کی ہڈی کا مہرہ۔ اور ابوصالح کی حدیث میں قَفَار (بتقدیم القاف) ہے (یہ نسخہ کیلری میں ہے اور وہی صحیح ہے) جس کے معنی ہیں: بے آب و گیاہ زمین، ویران جگہ (مگر یہ لفظ بے معنی ہے اس لئے) امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن المبارکؒ کی روایت پیش کرکے لفظ فقار (بتقدیم الفاء) کو ترجیح دی ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ التَّشَهُّدَ الأَوَّلَ وَاجِبًا

ایک رائے میں پہلا قعدہ فرض نہیں

باب میں واجب بمعنی فرض ہے، رباعی اور ثلاثی نماز میں قعدۂ اولی فرض نہیں، اور دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ قعدۂ اولی بھول کر اگلی رکعت کے لئے کھڑے ہوگئے پھر واپس نہیں لوٹے اور آخر میں سجدۂ سہو کیا۔ اگر قعدۂ اولی فرض ہوتا تو آپ ضرور واپس لوٹتے، جیسے قعدۂ اخیرہ فرض ہے اگر کوئی بھول کر کھڑا ہوجائے تو اگلی رکعت کے سجدہ سے پہلے واپس لوٹنا ضروری ہے، غرض آنحضور ﷺ کا قعدۂ اولی چھوڑ کر اگلی رکعت کے لئے کھڑا ہوجانا پھر واپس نہ لوٹنا اور آخر میں سجدہ سہو کرنا قعدۂ اولی کے فرض نہ ہونے کی دلیل ہے۔

جاننا چاہئے کہ حنفیہ کے نزدیک قعدۂ اولی واجب ہے اگر بھول سے قعدۂ اولی رہ جائے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا اور جمہور کے نزدیک سنت ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت یہی ہے تاہم ان کے نزدیک سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اور محدثین کرام کے نزدیک علی وجہ البصیرت وجوب کوئی درجہ نہیں، اس لئے اس درجہ کے احکام پر یا تو وہ فرض کا اطلاق کرتے ہیں یا سنت کا، چنانچہ جمہور نے قعدۂ اولی کو سنت قرار دیا ہے، مگر وہ اس پر واجب کے احکام جاری کرتے ہیں، ان کے نزدیک بھی قعدۂ اولی کے تارک پر سجدۂ سہو واجب ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تو دونوں قعدے فرض ہیں۔ وہ پہلے قعدے پر بھی فرض کا اطلاق کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ سجدۂ سہو سے اس کی تلافی ہوجائے گی۔

[۱۴۶-] بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ التَّشَهُّدَ الأَوَّلَ وَاجِبًا

لِأَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَلَمْ يَرْجِعْ.

[۸۲۹-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ هُرْمُزَ: مَوْلَى بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَقَالَ مَرَّةً: مَوْلَى رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ بُحَيْنَةَ قَالَ: وَهُوَ مِنْ أَزْدِ شَنُوْءَةَ، وَهُوَ حَلِيْفٌ لِبَنِي عَبْدِ مَنَافٍ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى بِهِمُ الظُّهْرَ، فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الأُوْلَيَيْنِ، لَمْ يَجْلِسْ، فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، حَتَّى إِذَا قَضَى الصَّلاَةَ، وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيْمَهُ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، ثُمَّ سَلَّمَ.

[انظر: ۸۳۰، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۳۰، ۶۶۷۰]

راویوں کا تعارف:

۱- امام زہریؒ کے استاذ عبدالرحمن بن ہرمز کس قبیلہ کے آزاد کردہ تھے؟ امام زہریؒ نے ایک مرتبہ فرمایا: بنو عبدالمطلب

کے آزاد کردہ تھے، اور دوسری مرتبہ فرمایا: ربیعہ بن الحارث کے آزاد کردہ تھے، ربیعہ بھی عبدالمطلب کی اولاد میں ہیں۔

۲- عبداللہ بن بُحَینَۃ: کا تذکرہ پہلے آچکا ہے، بُحَینَۃ ماں کا نام ہے اور اعلام غیر متناسبہ میں ابن کا الف لکھا جاتا ہے، ہمارے نسخہ میں الف لکھا ہوا نہیں، حالانکہ الف ہونا چاہئے۔ آپؓ قبیلہ ازدشنوءۃ کے فرد تھے، امام طحاوی رحمہ اللہ بھی اسی قبیلہ کے ہیں، اور مکہ میں قبیلہ بنی عبد مناف کے حلیف تھے، اس زمانہ میں باہر والوں کو کسی بستی میں بود و باش اختیار کرنے کے لئے کسی قبیلہ کا حلیف (دوست) بننا پڑتا تھا۔ حضرت عبداللہ صحابی ہیں۔

حدیث: عبداللہ بن بُحَینَۃ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی پس آپؐ پہلی دو رکعتوں پر کھڑے ہو گئے (قعدہ میں) بیٹھے نہیں، پس لوگ بھی آپؐ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ جب آپؐ نے نماز پوری فرمائی اور لوگوں نے آپؐ کے سلام کا انتظار کیا تو آپؐ نے بیٹھے ہوئے تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔

تشریح: آنحضور ﷺ کا قعدۂ اولیٰ میں نہ بیٹھنا اور نہ واپس لوٹنا اس کے فرض نہ ہونے کی دلیل ہے اور آخر میں سجدۂ سہو کرنا اس کے واجب ہونے کی دلیل ہے اور سجدۂ سہو قبل السلام ہے یا بعد السلام؟ اس میں اختلاف ہے جو آگے آرہا ہے، یہ حدیث قبل السلام والوں کی دلیل ہے۔

بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الْأُوْلٰى

قعدۂ اولیٰ میں تشہد

یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لائے ہیں، گذشتہ باب کا حاصل یہ تھا کہ قعدۂ اولیٰ فرض نہیں، پس کوئی شبہ کر سکتا تھا کہ قعدۂ اولیٰ ہے ہی نہیں، نہ اس میں تشہد ہے، اس وہم کو دور کرنے کے لئے یہ باب لائے ہیں کہ قعدۂ اولیٰ ہے اور اس میں تشہد بھی ہے، حنفیہ کے نزدیک قعدۂ اولیٰ اور تشہد دونوں واجب ہیں اور اس کی دلیل باب کی حدیث کا یہ جملہ ہے کہ نبی ﷺ دو رکعت پر کھڑے ہو گئے درانحالیکہ آپؐ کے ذمہ بیٹھنا تھا (وعلیہ جلوس) معلوم ہوا کہ قعدۂ اولیٰ ہے اور اس میں تشہد بھی ہے۔

[۱۴۷-] بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الْأُوْلٰى

[۸۳۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرٌ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيْعَةَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ، قَالَ: صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الظُّهْرَ، فَقَامَ وَعَلَيْهِ جُلُوْسٌ، فَلَمَّا كَانَ فِيْ آخِرِ صَلَاتِهِ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، وَهُوَ جَالِسٌ. [راجع: ۸۲۹]

بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الآخِرَةِ

قعدۂ اخیرہ میں تشہد

حنفیہ کے نزدیک پہلے قعدہ میں بھی تشہد واجب ہے اور آخری قعدہ میں بھی، اور باب کی حدیث مختصر ہے، مفصل حدیث باب ۱۵۰ میں آرہی ہے۔

اور قعدۂ اخیرہ میں دعا کا محل تشہد کے بعد ہے، قعدۂ اخیرہ میں پہلے تشہد پڑھیں گے، پھر حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجیں گے پھر دعا کریں گے، آئندہ جو روایت آرہی ہے اس میں اس کی صراحت ہے۔

[۱۴۸-] بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الآخِرَةِ

[۸۳۱-] حدثنا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، قُلْنَا: السَّلاَمُ عَلَى جِبْرِيْلَ وَمِيكَائِيلَ، السَّلاَمُ عَلَى فُلاَنٍ وَفُلاَنٍ، فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلاَمُ، فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ: — فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوْهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالأَرْضِ — أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ" [انظر: ۸۳۵، ۱۲۰۲، ۶۲۳۰، ۶۲۶۵، ۶۳۲۸، ۷۳۸۱]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ہم نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو کہتے تھے: (اللہ کو سلام! یہ جملہ آگے حدیث میں آرہا ہے) جبرئیل و میکائیل کو سلام! فلاں اور فلاں کو سلام! (یعنی دوست احباب کو سلام کرتے تھے) پس رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اللہ تو خود ہی سلام ہیں (السلام اللہ کی صفت ہے پس السلام علی اللہ: حمل الشیئ علی نفسہ ہے) پس جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو چاہئے کہ کہے: "قولی عبادتیں اللہ کے لئے ہیں، اور فعلی عبادتیں، اور مالی عبادتیں، آپ پر سلام ہوائے نبی! اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں، ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر — پس جب تم یہ جملہ کہو گے تو آسمان و زمین میں جو بھی نیک بندے ہیں ان کو سلام پہنچ جائے گا — میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضور ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

تشریح:

ا-تشہد: حضرات عمر، ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر، عائشہ رضی اللہ عنہم اور دیگر متعدد صحابہ سے بیس سے زائد طرح سے مروی ہے اور ان کی روایتوں میں ایک دو لفظوں میں معمولی فرق ہے اور تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ سند کے لحاظ سے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو بقیہ روایات پر ترجیح حاصل ہے اس لئے احناف نے اس تشہد کو اختیار کیا ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباسؓ سے مروی تشہد کو لیا ہے، اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تشہد کو پسند کیا ہے، اور تمام علماء کے نزدیک احادیث میں وارد کبھی تشہد پڑھنا جائز ہے۔

کلماتِ تشہد کی وضاحت:

۱- تحیات: تَحِیَّة کی جمع ہے اس کے معنی بندوں کے تعلق سے سلام کے ہیں اور اللہ کے تعلق سے نماز کے ذریعہ نیاز مندی کے اظہار کے ہیں، تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء میں یہی معنی مراد ہیں، اور یہاں تمام قولی عبادتیں مراد ہیں۔

۲- الصَّلَوٰات: نمازیں اللہ کے لئے ہیں اور مراد تمام فعلی عبادتیں ہیں۔

۳- الطیبات: پاکیزہ چیزیں یعنی تمام مالی عبادتیں اللہ کے لئے ہیں۔

۴- حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد السلام علیك کی جگہ السلام علی النبی کہنے لگے تھے (بخاری حدیث ۶۲۶۵) مگر جمہور امت نے اس تبدیلی کو قبول نہیں کیا، کیونکہ یہ جملے شب معراج کی یادگار ہیں، اور یہ جملے پڑھے جاتے ہیں کہے نہیں جاتے، جیسے: قُلْ هو الله احد میں قُلْ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے کہا نہیں جاتا، ورنہ قل کی ضرورت نہیں تھی۔

۵- السلام علینا: اس جملہ میں گذشتہ امتوں کے صالحین بھی آگئے، پچھلی امتیں بھی نبی ﷺ کی امت ہیں، تمام انبیاء کو نبوت کا فیض آنحضور ﷺ کے واسطہ سے پہنچا ہے۔ پس آپ کی امت آپؐ کے روحانی بیٹے ہیں اور گذشتہ امتیں پوتے ہیں، اس لئے گذشتہ امتیں بھی اس جملہ میں مراد ہیں، اسی طرح فرشتے بھی اس جملہ میں شامل ہیں۔

۶- أشهد: ایمان کی تجدید کے طور پر بندہ ہر نماز میں یہ گواہی دیتا ہے۔

فائدہ: فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ تشہد شب معراج کا مکالمہ ہے، رسول اللہ ﷺ جب بارگاہ خداوندی میں پہنچے تو آپؐ نے اس طرح نذرانۂ عبودیت پیش کیا: التحیات لله و الصلوات و الطیبات: اللہ کی طرف سے جواب آیا: السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و بركاته: آپ ﷺ نے سوچا: مجھ پر تو سلام آ گیا مگر میری امت رہ گئی! اس لئے عرض کیا: السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین: مجھ پر بھی سلام ہو اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر بھی، بعد میں اس مکالمہ کو شہادتین کا اضافہ کر کے تشہد میں لے لیا گیا۔

بَابُ الدُّعَاءِ قَبْلَ السَّلَامِ

سلام سے پہلے دعا

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ میں سلام سے پہلے دعا مشروع کی گئی ہے۔ احادیث شریفہ میں جو نماز میں مطلق

دعاؤں کا ذکر آتا ہے ان کا محل قعدۂ اخیرہ ہے، کیونکہ قیام قراءت کے لئے مخصوص ہے، رکوع اور سجدے اذکار کے لئے ہیں اور قومہ جلسہ میں لمبی دعا کی گنجائش نہیں، اس لئے دعا کا محل قعدۂ اخیرہ ہے۔

اور دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ پہلے اللہ کی حمد وثنا کی جائے، پھر حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجا جائے پھر اپنے لئے دعا مانگی جائے، کیونکہ جس دعا سے پہلے درود نہیں ہوتا وہ دعا آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک دعا میں درود شامل نہیں ہوتا، دعا اوپر نہیں چڑھتی، اس لئے قعدہ میں سب سے پہلے التحیات ہے یہ حمد وثناء ہے پھر درود ہے[1]، پھر دعا ہے اور جب قعدۂ اخیرہ میں ساری دعائیں مانگ لیں تو اب سلام کے بعد دعا کی ضرورت نہیں رہی، چنانچہ نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نمازوں کے بعد ہیئت اجتماعی کے ساتھ بالالتزام دعا کرنا ثابت نہیں۔

سلام کے بعد دعا:

مگر دور اول کے تمام مسلمان نماز کے اندر دعا مانگنے پر قادر تھے، عربی ان کی مادری زبان تھی اور وہ صحیح عربی بولتے تھے، اور آج بھی بہت سے عرب علماء اس پر قادر ہیں، مگر جب اسلام عجمیوں تک پہنچا اور عرب بھی دارجہ زبان بولنے لگے تو اب عام مسلمان دعائے ماثورہ پر اکتفا کرنے پر مجبور ہوگئے اور عجمیوں کے لئے تو ماثورہ دعائیں محض اذکار بن گئیں، دعا کی شان ان میں باقی نہیں رہی، لوگوں نے ایک ماثورہ دعا یاد کرلی ہیں، جس کو بغیر سمجھے پڑھتے ہیں اس لئے علماء نے اس مشکل کا حل یہ تجویز کیا کہ نمازوں کے بعد دعائیں مانگی جائیں، ہر شخص اپنی زبان میں خوب عاجزی سے دعا مانگے اور اس نئے طریقہ کو بدعت نہیں کہیں گے کیونکہ اس کی اصل موجود ہے۔ نبی ﷺ نے فرضوں کے بعد گاہ بہ گاہ اجتماعی دعا مانگی ہے اور آپ نے فرضوں کے بعد دعا کی ترغیب بھی دی ہے۔

مگر بعد میں اس سلسلہ میں چند خرابیاں پیدا ہوگئیں، مثلاً: لوگوں نے ایک اور دعا کا اضافہ کردیا جس کو دعائے ثانیہ کہتے ہیں، اسی طرح دعا کو لازم سمجھ لیا گیا کہ گویا اس کے بغیر نماز ادھوری ہے، حالانکہ مستحب کو لازم کرلینے سے وہ مکروہ ہوجاتا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، ان کی اصلاح کرلی جائے مگر نمازوں کے بعد دعا کرنا مستحب ہے، تفصیل تحفۃ القاری کی دوسری جلد میں گذر چکی ہے (دیکھئے: کتاب الحیض باب ۲۳ باب شھود الحائض العیدین إلخ)

مسئلہ: نماز میں اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز مانگنا جو کسی انسان سے مانگی جاسکتی ہے جائز نہیں، مثلاً یہ دعا کرنا کہ اے اللہ!

---

(۱) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قعدۂ اخیرہ میں درود پڑھنا فرض ہے خواہ چھوٹا درود ہو یا بڑا، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی مگر اسلاف میں اس کا کوئی قائل نہیں، اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک جلسہ میں دعا کرنا فرض ہے اور چھوٹی سے چھوٹی دعا اللّٰھم اغفرلی ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اور یہ بات گذر چکی ہے کہ اگر دوسرے امام کے قول پر عمل کرنے سے اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آئے تو اختلاف کی رعایت مستحب ہے، لہٰذا جلسہ میں کم از کم اللّٰھم اغفرلی ضرور کہنا چاہئے، اور قعدۂ اخیرہ میں نبی ﷺ پر درود ضرور بھیجنا چاہئے، اگرچہ چھوٹا درود ہو۔

میرا فلاں عورت سے نکاح کرادے یہ جائز نہیں، اس سے نماز فاسد ہوجائے گی، یہ مطالبہ تو اعزہ واقارب اور دوست واحباب سے بھی کرسکتے ہیں، اور اگر صرف یہ دعا کرے کہ الٰہی! میرا نکاح کرادے، کسی عورت کی تعیین نہ کرے تو نماز باطل نہ ہوگی۔

فائدہ: احناف کے نزدیک نماز میں قرآن واحادیث میں جو دعائیں آئی ہیں اسی قبیل کی دعائیں مانگ سکتے ہیں اپنی طرف سے بنائی ہوئی دعائیں نماز میں نہیں مانگنی چاہئے، ہاں نماز سے باہر وہ دعائیں مانگ سکتے ہیں، اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک نماز میں ادعیہ ماثورہ بھی مانگ سکتے ہیں اور غیر ماثورہ بھی، ان کے یہاں کوئی تنگی نہیں۔

[١٤٩-] بَابُ الدُّعَاءِ قَبْلَ السَّلاَمِ

[٨٣٢-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَدْعُوْ فِي الصَّلاَةِ: "اللَّهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ، اللَّهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ" فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ: مَا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ! فَقَالَ: "إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ.

[انظر: ٨٣٣، ٢٣٩٧، ٦٣٦٨، ٦٣٧٥، ٦٣٧٦، ٦٣٧٧، ٧١٢٩]

وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ: سَمِعْتُ خَلَفَ بْنَ عَامِرٍ يَقُوْلُ: فِي الْمَسِيْحِ، وَالْمِسِّيْحِ: لَيْسَ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ، وَهُمَا وَاحِدٌ، أَحَدُهُمَا عِيْسٰى عليه السلام والآخَرُ الدَّجَّالُ.

[٨٣٣-] وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَسْتَعِيْذُ فِيْ صَلاَتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ. [راجع: ٨٣٢]

[٨٣٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ حَبِيْبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ لِرَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم: عَلِّمْنِيْ دُعَاءً أَدْعُوْ بِهِ فِيْ صَلاَتِيْ، قَالَ: " قُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا، وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ" [انظر: ٦٣٢٦، ٧٣٨٨]

حدیث (۱): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ (نفل) نماز میں دعا مانگا کرتے تھے: ''اے اللہ! بے شک میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں زندگی کی آزمائش سے اور موت کی آزمائش سے، اے اللہ! بے شک میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں گناہ سے اور قرض سے'' پس کسی نے آپؐ سے عرض کیا: کس قدر آپؐ قرض سے پناہ مانگتے ہیں! آپؐ نے فرمایا: بیشک آدمی جب مقروض

ہوجاتا ہے تو بات کرتا ہے پس جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے پس خلاف ورزی کرتا ہے۔

محمد بن یوسف فربری کہتے ہیں: میں نے خلف بن عامر سے سنا کہ مَسِیح اور مِسِّیح میں کچھ فرق نہیں، دونوں ایک ہیں، ان میں سے ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور دوسرا دجال ہے۔

لغات: المحیا اور الممات: دونوں مصدر میمی ہیں، المحیا اور الحیاۃ مترادف ہیں، اسی طرح الممات اور الموت: مترادف ہیں .... المأثم اور الإثم بھی مترادف ہیں .... المَغْرَم: قرض، دین، قرض سے مفر نہیں، ہر شخص کچھ نہ کچھ قرض دار ہوتا ہے بلکہ جو جتنا بڑا مالدار ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ مقروض ہوتا ہے، پھر آنحضور ﷺ کثرت سے قرض سے پناہ کیوں مانگتے تھے؟ کسی صحابی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا، اس کے جواب میں آنحضور ﷺ نے فرمایا: قرض گناہوں کا سبب بنتا ہے اس کی وجہ سے آدمی جھوٹ بولتا ہے، وعدہ خلافی کرتا ہے وغیرہ، اس لئے اس سے پناہ مانگنی چاہئے۔

قولہ: وقال محمد بن یوسف: یہ عبارت والآخر الدجال تک صرف ابوذر کے نسخہ میں ہے، بخاری کے عام نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے، اور ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر الفربری رحمہ اللہ بخاری شریف کے رواۃ میں سے ہیں، کہتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ سے نوے ہزار طلباء نے بخاری شریف پڑھی ہے، لیکن سب کی سندیں منقطع ہوگئیں صرف فربری رحمہ اللہ کی سند باقی ہے، انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے وفات والے سال عنفوانِ شباب میں بخاری شریف پڑھی ہے اور خلف بن عامر رحمہ اللہ ہمدانی اور حفاظ حدیث میں سے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد (فربری) کے توسط سے یہ روایت درج کی ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فربری رحمہ اللہ نے یہ بات کتاب میں بڑھائی ہو —— خلف بن عامر کہتے ہیں: مَسِیح (بالتخفیف) اور مِسِّیح (بالتشدید) میں کچھ فرق نہیں، یعنی دونوں کے معنی ایک ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب مَسِیح (بالتخفیف) ہے اور دجال کا مِسِّیح (بالتشدید)

مگر قرآن وحدیث میں مِسِّیح (بالتشدید) نہیں آیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال دونوں کے لئے مَسِیح (بالتخفیف) آیا ہے، اور مَسِیْح: فَعِیْل کا وزن ہے، مَسَحَ الشیئَ کے معنی ہیں: ہاتھ پھیرنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مَسِیح ہیں اور دجال بھی، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مَسِیح بمعنی مَاسِح (ہاتھ پھیرنے والے) ہیں آپ کے ہاتھ پھیرنے سے بیمار اچھا ہوجاتا تھا، اس لئے آپ کا یہ لقب پڑا، اور دجال مَسِیح بمعنی مَمْسُوح (ہاتھ پھیرا ہوا) ہے اس کی ایک آنکھ چوپٹ (اندھی) ہوگی اس لئے اس کا لقب بھی مسیح ہوا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہدایت ہیں اور دجال مسیح ضلالت۔

اور تورات میں دونوں مسیحوں کی خبر دی گئی تھی مگر جب مسیح ہدایت یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو یہود نے ان کو مسیح ضلالت سمجھا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا، مگر یہود کا خیال اب بھی یہ ہے کہ انھوں نے مسیح ضلالت کو کیفر کردار تک پہنچادیا، اور وہ مسیح ہدایت کا انتظار کر رہے ہیں، چنانچہ آخر زمانہ میں جب مسیح ضلالت ظاہر ہوگا تو یہود بڑھ کر اس کی پیروی کریں گے اور اسی اشتباہ کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مسیح ہدایت کو آسمان سے اتاریں

گے جو مسیح ضلالت کو قتل کریں گے۔

اور دَجّال: اسم مبالغہ ہے اس کے معنی ہیں: انتہائی فریب کار، یہ مسیح ضلالت کا لقب ہے جس کا آخر زمانہ میں ظہور ہوگا اور وہ خدائی کا دعوی کرے گا۔ دَجَلَ (ن) دَجْلاً: فریب دینا، دَجَلَ الْحَقَّ: حق پر باطل کا پردہ ڈالنا حق پوشی کرنا۔

حدیث (۲): مختصر ہے اس میں صرف مسیح دجال سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے، اور یہ حدیث بھی سابقہ سند سے مروی ہے، پس یہ حدیث بھی موصول ہے۔

حدیث (۳): حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا: نماز میں مانگنے کے لئے آپ مجھے کوئی دعا سکھلائیں، آپ نے حدیث میں مذکور دعا سکھلائی: "اے اللہ! بیشک میں نے اپنی ذات پر ظلم کیا، بے حد ظلم کرنا، اور گناہوں کو نہیں بخشتے مگر آپ، پس آپ میری بخشش فرمائیں، خاص مغفرت اپنے پاس سے اور مجھ پر مہربانی فرمائیں، بیشک آپ بڑے بخشنے والے بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں۔

بَابُ مَا يَتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ، وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ

تشہد کے بعد منتخب دعا مانگے، مگر دعا واجب نہیں

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: تشہد اور درود کے بعد بہتر سے بہتر دعا منتخب کرکے مانگنی چاہئے، يَتَخَيَّرُ کے معنی ہیں: اختیار کرے، پسند کرے، اچھی سے اچھی دعا منتخب کرکے نماز میں مانگے، اس لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز میں ادعیہ ماثورہ مانگنی چاہئیں، یا ادعیہ ماثورہ کے مشابہ دعا مانگنی چاہئے، سب سے اچھی دعائیں یہی ہیں۔

دوسرا مسئلہ: تشہد اور درود شریف کے بعد دعا کرنا فرض یا واجب نہیں، سنت یا مستحب ہے، پس اگر کوئی دعا مانگے بغیر سلام پھیر دے تو کچھ حرج نہیں۔

[۱۵۰-] بَابُ مَا يَتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ، وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ

[۸۳۵-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كُنَّا إِذَا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الصَّلَاةِ، قُلْنَا: السَّلَامُ عَلَى اللهِ مِنْ عِبَادِهِ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ. فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " لَاتَقُوْلُوْا: السَّلَامُ عَلَى اللهِ، فَإِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، وَلَكِنْ قُوْلُوْا: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ - فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمْ ذٰلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ فِي السَّمَاءِ أَوْ: بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ - أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُوْ" [راجع: ۸۳۱]

حدیث کے آخری حصہ کا ترجمہ: پھر چاہئے کہ منتخب کرے دعاؤں میں سے وہ دعا جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو، پس وہ دعا مانگے، یہی ٹکڑا باب سے متعلق ہے اور السلام علینا میں بھی ضمناً دعاء ہے پس وہ بھی باب سے متعلق ہوسکتا ہے اور اسی حدیث کی وجہ سے احناف کہتے ہیں: نماز میں یا تو ادعیہ ماثورہ مانگے اس لئے کہ اس سے بہتر کوئی دعا نہیں ہوسکتی یا ادعیہ ماثورہ کے مشابہ الفاظ سے دعا مانگے، مگر شوافع اور حنابلہ کے نزدیک کوئی تنگی نہیں، نماز میں ہر دعا مانگ سکتے ہیں۔

ملحوظہ: حدیث شریف کی مزید شرح گذشتہ سے پیوستہ باب میں آچکی ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَمْسَحْ جَبْهَتَهُ وَأَنْفَهُ حَتَّى صَلَّى

نماز سے فارغ ہونے سے پہلے پیشانی اور ناک نہ پونچھنا

کوئی شخص زمین پر کچھ بچھائے بغیر نماز پڑھ رہا ہے جب اس نے سجدہ کیا تو اس کی پیشانی اور ناک پر گرد لگ گئی، پس سجدے سے سر اٹھاتے ہی گرد صاف نہیں کرنی چاہئے، یہ گرد تواضع کا نشان ہے، اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہی فوراً صاف کرنے میں تکبر کی بُو ہے، اس لئے سلام پھیرنے کے بعد صاف کرے، نماز کے دوران صاف کرنا ٹھیک نہیں، البتہ پیشانی یا ناک پر کوئی ایسی چیز لگ جائے جو مانع سجود ہو تو پھر اس کو پونچھنا اور صاف کرنا ضروری ہے۔

دلیل: نبی ﷺ نے ایک رمضان میں فجر کی نماز میں کیچ میں سجدہ کیا، صحابہ نے نماز کے بعد پیشانی اور ناک پر کیچ کا اثر دیکھا یعنی آپ نے نماز کے دوران وہ کیچ صاف نہیں کی، پس باب ثابت ہوگیا۔

[۱۵۱-] بَابُ مَنْ لَمْ يَمْسَحْ جَبْهَتَهُ وَأَنْفَهُ حَتَّى صَلَّى

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ: رَأَيْتُ الْحُمَيْدِيَّ يَحْتَجُّ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ أَنْ لَا يَمْسَحَ الْجَبْهَةَ فِي الصَّلَاةِ.

[۸۳۶-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيٰى، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ فَقَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّيْنِ، حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّيْنِ فِيْ جَبْهَتِهِ. [راجع: ۶۶۹]

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حمیدی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نماز میں پیشانی سے گرد نہیں پونچھنی چاہئے۔ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ پانی اور مٹی (کیچ) میں سجدہ کررہے ہیں، یہاں تک کہ (سلام کے بعد) مٹی کا اثر آپ کی پیشانی میں دیکھا (اور گرد وغبار کا بھی وہی حکم ہے جو کیچ کا ہے)

بَابُ التَّسْلِيمِ

سلام پھیرنا

نماز کا آخری جزء سلام ہے، اس باب کا بس اتنا ہی مقصد ہے، نماز کے آخر میں ایک سلام ہے یا دو یا تین؟ اور سلام پھیرنا فرض ہے یا واجب؟ ان مسائل سے امام بخاری رحمہ اللہ نے تعرض نہیں کیا یہ مسائل ترمذی میں ہیں، دیکھیں۔
(تحفۃ الالمعی ۱:۱۹۶ اور ۲:۹۰)

[۱۵۲-] بَابُ التَّسْلِيمِ

[۸۳۷-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ قَالَتْ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِيْنَ يَقْضِي تَسْلِيْمَهُ، وَمَكَثَ يَسِيْرًا قَبْلَ أَنْ يَقُوْمَ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأُرَى - وَاللّٰهُ أَعْلَمُ - أَنَّ مُكْثَهُ لِكَيْ يَنْفُذَ النِّسَاءُ، قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُنَّ مَنِ انْصَرَفَ مِنَ الْقَوْمِ. [انظر: ۸۴۹، ۸۵۰]

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی ﷺ سلام پھیرتے تھے تو عورتیں کھڑی ہو جاتی تھیں، جب آپؐ کا سلام پورا ہو جاتا تھا (اور مسجد سے نکل جاتی تھیں) اور آپؐ کھڑے ہونے سے پہلے تھوڑی دیر ٹھہرے رہتے تھے۔ امام زہریؒ کہتے ہیں: میں گمان کرتا ہوں ـــــ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں ـــــ کہ آپؐ کا ٹھہرنا اس لئے ہوتا تھا کہ عورتیں نکل جائیں، اس سے پہلے کہ ان کو پائیں جو لوگ نماز سے پھریں (یعنی مسجد سے نکلنے میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط نہ ہو)

تشریح: إذا سلّم سے باب ثابت ہوا کہ نماز کے آخر میں سلام ہے۔

بَابٌ: يُسَلِّمُ حِيْنَ يُسَلِّمُ الإِمَامُ

جب امام سلام پھیرے تب مقتدی سلام پھیرے

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ سلام میں مقارنت ہونی چاہئے یا معاقبت؟ یعنی مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیرے یا بعد میں؟ امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے میں معیت اور مقارنت اولیٰ ہے اور یہی حنفیہ کی بھی رائے ہے، احناف امام کے ساتھ سلام پھیرتے ہیں اور حنابلہ کے نزدیک معاقبت اولیٰ ہے۔ حرم کے ائمہ پہلے دونوں سلام پھیرتے ہیں پھر مکبّر سلام پھیرتا ہے اور لوگ اس کے ساتھ سلام پھیرتے ہیں۔

اور باب کا یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ جب امام سلام پھیر دے تو مقتدی بھی سلام پھیر دیں، امام کے سلام پھیرنے کے

بعد دعا وغیرہ میں مشغول نہ رہیں، البتہ قعدۂ اولیٰ سے جب امام کھڑا ہو تو مقتدی تشہد پورا کر کے اٹھے، کیونکہ تشہد واجب ہے، مگر قعدۂ اخیرہ میں درود اور دعا وغیرہ واجب نہیں، اس لئے مقتدیوں کو امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دینا چاہئے، یہ بھی باب کا مقصد ہو سکتا ہے۔

[١٥٣-] بابٌ: يُسَلِّمُ حِينَ يُسَلِّمُ الإِمَامُ

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْتَحِبُّ إِذَا سَلَّمَ الإِمَامُ أَنْ يُسَلِّمَ مَنْ خَلْفَهُ.

[٨٣٨-] حدثنا حَبَّانُ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَحْمُوْدٍ هُوَ ابْنُ الرَّبِيعِ، عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَسَلَّمْنَا حِيْنَ سَلَّمَ.

[راجع: ٤٢٤]

اثر: ابن عمر رضی اللہ عنہما اس بات کو پسند کیا کرتے تھے کہ جب امام سلام پھیر دے تو مقتدی بھی سلام پھیر دیں (حضرت ابن عمرؓ کے اس اثر سے بھی دونوں باتیں نکلتی ہیں، مقارنت کی بات بھی نکلتی ہے اور یہ بات بھی نکلتی ہے کہ امام کے سلام پھیرتے ہی مقتدی سلام پھیر دیں، دعا وغیرہ میں مشغول نہ رہیں)

حدیث: یہ طویل حدیث کا ایک حصہ ہے، ایک مرتبہ نبی ﷺ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، اور ان کے گھر میں باجماعت نفل نماز ادا فرمائی، فرماتے ہیں: ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، پس ہم نے سلام پھیرا جب آپؐ نے سلام پھیرا (معلوم ہوا کہ مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیر دیں گے)

بابُ مَنْ لَمْ يَرُدَّ السَّلَامَ عَلَى الإِمَامِ، وَاكْتَفَى بِتَسْلِيمِ الصَّلٰوةِ

جس نے امام کے سلام کا جواب نہ دیا اور نماز کے سلام پر اکتفا کیا

اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ پر رد ہے، وہ فرماتے ہیں: جو امام کے بالکل پیچھے ہے وہ تین سلام پھیرے، ایک دائیں جانب کے لوگوں کو سلام کرے، ایک امام کو اور ایک بائیں جانب کے لوگوں کو، اور جو امام کے دائیں بائیں ہیں وہ دو سلام پھیریں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امام کے سلام کا جواب دینا چاہئے یعنی اس کو علاحدہ سلام کرنا چاہئے یہ بات صحیح نہیں، نماز میں دو ہی سلام ہیں اور وہ کافی ہیں۔

[١٥٤-] بابُ مَنْ لَمْ يَرُدَّ السَّلَامَ عَلَى الإِمَامِ، وَاكْتَفَى بِتَسْلِيمِ الصَّلٰوةِ

[٨٣٩-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُوْدُ

ابْنُ الرَّبِيعِ، وَزَعَمَ أَنَّهُ عَقَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا مِنْ دَلْوٍ كَانَتْ فِي دَارِهِمْ.
[راجع: ۷۷]

[۸۴۰-] قَالَ: سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ، ثُمَّ أَحَدَ بَنِي سَالِمٍ، قَالَ: "كُنْتُ أُصَلِّي لِقَوْمِي بَنِي سَالِمٍ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقُلْتُ: إِنِّي أَنْكَرْتُ بَصَرِي، وَإِنَّ السُّيُولَ تَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَ مَسْجِدِ قَوْمِي، فَلَوَدِدْتُ أَنَّكَ جِئْتَ، فَصَلَّيْتَ فِي بَيْتِي مَكَانًا أَتَّخِذُهُ مَسْجِدًا، فَقَالَ: "أَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ" فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَأَبُو بَكْرٍ مَعَهُ، بَعْدَ مَا اشْتَدَّ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَأَذِنْتُ لَهُ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى قَالَ: "أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟" فَأَشَارَ إِلَيْهِ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِي أَحَبَّ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ، فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا حِينَ سَلَّمَ. [راجع: ۴۲۴]

وضاحت: پہلی حدیث دوسری حدیث کی تمہید ہے، کبھی نبی ﷺ محمودؓ کے گھر تشریف لے گئے، اس وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی، آپؐ نے وضو کے لئے پانی طلب کیا، گھر کے کنویں سے ڈول بھر کر پانی لایا گیا آپؐ نے وضو فرمایا پھر چلو بھر کر پانی منہ میں لیا اور کلی محمودؓ کے منہ پر ڈالی، محمودؓ کہتے ہیں: مجھے نبی ﷺ یاد ہیں مجھے وہ کلی بھی یاد ہے جو آپؐ نے گھر کے کنویں کے ڈول سے بھری تھی۔ وہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عتبانؓ بدری انصاری صحابی ہیں، پھر انصار کے قبیلہ بنی سالم کے ہیں، وہ اپنے قبیلہ کے امام تھے، ان کی نگاہ کمزور ہوگئی تھی، اور ان کے گھر اور مسجد کے درمیان برساتی نالا تھا اس لئے حضرت عتبان کو برسات میں مسجد جانے میں دشواری پیش آتی تھی، چنانچہ انھوں نے اپنے گھر میں مسجد بنانے کا ارادہ کیا، اور نبی ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کسی وقت میرے گھر تشریف لائیں اور نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو مسجد بناؤں، آپؐ نے وعدہ فرمایا: پھر ایک صبح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عتبانؓ کے گھر تشریف لے گئے اور پہنچتے ہی پوچھا: کہاں چاہتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں نماز پڑھوں؟ انھوں نے گھر کے ایک کونہ کی طرف اشارہ کیا، آپؐ نے وہاں باجماعت دو نفل پڑھے۔

استدلال: اس حدیث میں تیسرے سلام کا ذکر نہیں، حضرت عتبانؓ کہتے ہیں: جب نبی ﷺ نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیرا، معلوم ہوا کہ امام کو علاحدہ سلام کرنے کی ضرورت نہیں۔

بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

نماز کے بعد اللہ کا ذکر کرنا

نماز خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی سلام پر پوری ہوجاتی ہے مگر شریعت نے سلام کے بعد بھی کچھ اذکار رکھے ہیں تاکہ سلام سے پہلے ہی توجہ نماز سے ہٹ نہ جائے، جیسے بعض نمازوں کے بعد سنن مؤکدہ رکھے ہیں تاکہ نمازی قعدہ ہی میں کاروبار

شروع نہ کردے، یہ سنتیں ان نمازوں کے بعد رکھی گئی ہیں جن کے بعد مشاغل ہیں، اسی طرح سلام کے بعد اذکار رکھے گئے ہیں، مگر یہ اذکار انفرادی ہیں، اجتماعی نہیں، پس ہیئت اجتماعی کے ساتھ جہراً ذکر کرنا درست نہیں۔

[۱۵۵-] بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

[۸٤۱-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو، أَنَّ أَبَا مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ - حِيْنَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ - كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوْا بِذٰلِكَ إِذَا سَمِعْتُهُ. [انظر: ۸٤۲]

[۸٤۲-] حدثنا عَلِيٌّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كُنْتُ أَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِالتَّكْبِيْرِ، قَالَ عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: كَانَ أَبُوْ مَعْبَدٍ أَصْدَقَ مَوَالِيْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ عَلِيٌّ: وَاسْمُهُ نَافِذٌ. [راجع: ۸٤۱]

حدیث(۱): حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں: بلند آواز سے ذکر کرنا ـــــ جب لوگ فرض نماز سے پھرتے تھے، یعنی سلام پھیرتے تھے ـــــ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھا، اور ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں جانا کرتا تھا، جب لوگ پھرتے تھے یعنی نماز سے فارغ ہوتے تھے اس ذکر کے ذریعہ جب میں اس کو سنتا تھا (ابن عباس جب بچے تھے اور نماز میں شریک نہیں ہوتے تھے تو ذکر کی آواز سن کر سمجھ جاتے تھے کہ نماز پوری ہوگئی)

حدیث(۲): ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا ختم ہونا تکبیر کے ذریعہ پہچانا کرتا تھا یعنی نبی ﷺ سلام کے بعد زور سے تکبیر کہتے تھے۔

راوی کا تعارف: عمرو بن دینار کے استاذ ابو معبد حضرت ابن عباسؓ کے مولی (آزاد کردہ) ہیں، ان کا نام نافذ ہے، وہ حضرت ابن عباسؓ کے غلاموں میں سب سے سچے اور اچھے ہیں، یہ بات علی بن المدینی نے بواسطہ سفیان بن عیینہؒ حضرت عمرو بن دینار سے روایت کی ہے۔

تشریح: ابن بطال رحمہ اللہ جو بخاری شریف کے شارح ہیں فرماتے ہیں: تمام مذاہب خواہ ان کی پیروی کی جاتی ہو جیسے مذاہب اربعہ یا ان کی پیروی نہ کی جاتی ہو جیسے دیگر مجتہدین، سب اس پر متفق ہیں کہ نماز کے بعد تکبیر یا کوئی دوسرا ذکر جہراً کرنا مستحب نہیں، صرف ابن حزم اس کو مستحب کہتے ہیں، ابن بطالؒ کا یہ قول حاشیہ میں ہے اور قیمتی ہے، بدعتیوں نے ابن حزم کے قول کو لیا ہے، مگر غیر مقلدین ابن حزم کا قول نہیں لیتے، حالانکہ وہ ان کے امام ہیں، اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نمازوں کے بعد ہمیشہ جہراً ذکر نہیں کرتے تھے بلکہ آپؐ نے گاہ بگاہ جہراً ذکر کیا ہے اور تعلیم کی غرض

سے کیا ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ نماز کے بعد کیا اذکار کرنے چاہئیں، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول بھی حاشیہ میں ہے اور قیمتی بات ہے، یہی بات احناف آمین بالجہر میں کہتے ہیں کہ آپؐ نے ہمیشہ جہراً آمین نہیں کہی، گاہ بگاہ تعلیم کی غرض سے کہی ہے، پس وہ سنت نہیں۔

[۸۴۳-] حدثنا محمد بن أبي بكر، قال: حدثنا معتمر، عن عُبيد الله، عن سُمَيّ، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، قال: جاء الفقراء إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالوا: ذهب أهل الدُّثور من الأموال بالدرجات العُلى والنعيم المقيم، يصلون كما نصلي، ويصومون كما نصوم، ولهم فضل أموال يحجون بها، ويعتمرون، ويجاهدون، ويتصدقون، فقال: " ألا أحدثكم بما إن أخذتم به أدركتم من سبقكم، ولم يدرككم أحد بعدكم، وكنتم خير من أنتم بين ظهرانيهم، إلا من عمل مثله، تسبحون، وتحمدون وتكبرون خلف كل صلاة ثلاثا وثلاثين"

فاختلفنا بيننا، فقال بعضنا: نسبح ثلاثا وثلاثين، ونحمد ثلاثا وثلاثين، ونكبر أربعا وثلاثين. فرجعت إليه، فقال: " تقول سبحان الله والحمد لله والله أكبر، حتى يكون منهن كلهن ثلاث وثلاثون "

[انظر: ۶۳۲۹]

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نادار صحابہ آنحضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: مالدار لوگ بلند درجات اور دائمی نعمتیں لے اڑے، وہ ہماری طرح نمازیں پڑھتے ہیں، ہماری طرح روزے رکھتے ہیں، اور ان کے پاس حاجت سے زیادہ مال ہے جس کے ذریعہ حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں، اور خیرات کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تم سے ایسی بات نہ بیان کروں کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو ان لوگوں کو پالو جو تم سے آگے نکل گئے ہیں، اور جو پیچھے رہ گئے ہیں وہ تم کو نہیں پاسکتے اور تم اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے اچھے ہو جاؤ، مگر جو اس کے مانند عمل کرے یعنی جو بھی تمہارے والا عمل کرے گا وہ تمہارے برابر ہو جائے گا، ہر نماز کے بعد ۳۳،۳۳، مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھا کرو۔

سمیؒ کہتے ہیں: پھر ہمارے درمیان اختلاف ہوا، بعض نے کہا: سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ کہنا چاہئے۔ چنانچہ میں ابو صالح کے پاس گیا، انھوں نے فرمایا: سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کو ۳۳،۳۳ مرتبہ کہو (پس کل ۹۹ ہوں گے)

تشریح:

۱- یہ تسبیح فقراء ہے اور اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ غریب ونادار مسلمان آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے

تھے اور انھوں نے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ! مالدار لوگ ہم سے آگے نکل گئے وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں مگر ان کے پاس حاجت سے زیادہ مال ہے اس لئے وہ حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں، خیرات کرتے ہیں، غلام آزاد کرتے ہیں، اور ہم یہ کام نہیں کرسکتے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں ایک ایسا عمل بتلاتا ہوں کہ اس کی بدولت تم اگلوں کو پالوگے اور پچھلے تمہیں نہیں پاسکیں گے مگر جو یہ عمل کرے گا وہ تمہارے برابر ہوجائے گا، پھر آپؐ نے نمازوں کے بعد ۳۳، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ اکبر پڑھنے کے لئے فرمایا۔ غرباء خوش ہوگئے، انھوں نے نمازوں کے بعد یہ تسبیح پڑھنی شروع کردی اور مالداروں کو اس کی بھنک نہیں پڑنے دی، مگر کجا ماند سرِّ ے کزو سازند محفلہا؟ مالدار صحابہ کو بھی کسی طرح خبر ہوگئی، انھوں نے بھی یہ تسبیحات پڑھنی شروع کردیں، غرباء دوبارہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مالدار صحابہ کو خبر ہوگئی، وہ بھی نمازوں کے بعد یہ تسبیحات پڑھتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ﴾: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہیں عنایت کریں، اس وجہ سے ان تسبیحات کا نام تسبیحاتِ فقراء ہے۔

۲- یہ تسبیحات عام طور پر تسبیح فاطمہ کے نام سے مشہور ہیں، مگر حقیقت میں یہ تسبیح فقراء ہے، اور تسبیح فاطمہ دوسری ہے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے پاس کہیں سے دو غلام آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: گھر کے کام تمہیں خود کرنے پڑتے ہیں، ابا کے پاس غلام آئے ہیں ایک غلام مانگ لاؤ، وہ تمہارا ہاتھ بٹائے گا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گئیں، اس وقت آنحضور ﷺ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے، وہ کچھ کہے بغیر واپس آگئیں، آنحضور ﷺ رات میں عشاء کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، اور آنے کی وجہ دریافت کی، حضرت فاطمہؓ خاموش رہیں۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے ان کو بھیجا تھا تاکہ ایک غلام مانگ کر لائیں جو گھر کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹائے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: میرا ارادہ وہ غلام فلاں فلاں یتیم بچوں کو دینے کا ہے جن کے باپ بدر میں شہید ہوگئے ہیں، البتہ میں تمہیں ایک عمل بتلاتا ہوں، رات میں سونے سے پہلے دونوں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ کر سویا کرو، اس عمل کی برکت سے تم گھر کے کاموں سے نہیں تھکوگی۔ یہ حدیث آگے بخاری میں آرہی ہے، آنحضور ﷺ نے اپنی صاحبزادی کو یہ جو عمل بتلایا ہے وہ تسبیح فاطمہ ہے اور نمازوں کے بعد جو تسبیح ناداروں کو بتائی ہے وہ تسبیح فقراء ہے اور لوگوں میں جو مشہور ہے وہ بے اصل ہے، جیسے لوگوں میں مشہور ہے کہ طلبہ مہمانانِ رسول ہیں، حالانکہ ترمذی کی حدیث (۲۴۷۴) میں ان کو اضیاف اهل الإسلام: مسلمانوں کا مہمان کہا گیا ہے یعنی تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ دین حاصل کرنے والوں کی کفالت کریں۔

۳- علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام وہ احادیث جن میں دُبر الصلوات میں دعا کرنے کا ذکر ہے ان سے قعدۂ اخیرہ مراد ہے اس لئے کہ دُبر: حیوان کا جزء ہوتا ہے پس سب جگہ قعدہ مراد لیا جائے گا اس طرح انھوں نے نمازوں کے بعد دعا کی نفی کی ہے مگر یہ خیال صحیح نہیں، اس لئے کہ دبر الحیوان میں اگرچہ دبر حیوان کا جزء ہوتا ہے مگر دُبر الشیئ میں

دبر شیٔ کا ظرف ہوتا ہے جزء نہیں ہوتا۔ مذکورہ حدیث اس کی دلیل ہے، نبی ﷺ نے دبر الصلوات میں الباقیات الصالحات پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے[1]، ظاہر ہے الباقیات الصالحات نماز کے بعد ہی پڑھے جاتے ہیں، قعدۂ اخیرہ میں نہیں پڑھے جاتے۔ خود علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی اس کے قائل نہیں، معلوم ہوا کہ دبر الصلوات سے قعدۂ اخیرہ مراد نہیں، بلکہ سلام کے بعد کا وقت مراد ہے، چنانچہ یہاں حدیث میں خلف کل صلوۃ ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں لفظ بعد رکھ کر اس خیال کی تردید کی ہے۔

۴- شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ الباقیات الصالحات فرضوں کے بعد متصلاً پڑھنے چاہئیں مگر میری ناقص رائے یہ ہے کہ دبر الصلوات میں فرضوں کے متعلقات بھی شامل ہیں، پس سنن ونوافل سے فارغ ہو کر یہ باقیات پڑھنے چاہئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ فرضوں کے بعد اللّٰھُمَّ أنت السلام ومنك السلام تبارکت ذا الجلال والإکرام پڑھنے کے بقدر بیٹھتے تھے (ترمذی حدیث ۲۹۳) اس سے زیادہ نہیں بیٹھتے تھے۔

۵- ابو صالح کے تلامذہ میں اس بات میں اختلاف ہوا کہ اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ ہے یا ۳۴ مرتبہ؟ بعض کہتے تھے: تکبیر بھی ۳۳ مرتبہ ہے اور بعض کہتے تھے ۳۴ مرتبہ ہے، سمی ابو صالح کے پاس گئے اور اس سلسلہ میں دریافت کیا، ابو صالح نے جواب دیا: تسبیح وتحمید وتکبیر ۳۳، ۳۳ مرتبہ ہیں، مگر ابو صالح کی یہ بات صحیح نہیں، متعدد مرفوع احادیث میں ۳۴ مرتبہ تکبیر کا ذکر ہے (عمدۃ القاری ۶: ۱۳۰) اور ابو صالح تابعی ہیں، اور حدیث مرفوع کے مقابلہ میں صحابی کا قول نہیں لیا جاتا، تابعی کا قول کیسے لیا جائے گا؟ البتہ ابو صالح نے ایک مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ لینے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ تسبیح وتحمید وتکبیر کو الگ الگ کہنا ضروری نہیں، تینوں کو ملا کر ۳۳ مرتبہ پڑھ لیا جائے تو بھی کافی ہے، اور ایک مرتبہ تکبیر الگ سے کہہ لیں تو سو کی تعداد پوری ہو جائے گی۔ اور آگے بخاری میں اسی حدیث میں دس دس مرتبہ کا بھی ذکر ہے، پس یہ تسبیحات ۳۳، ۳۳ اور ۳۴ مرتبہ پڑھنی چاہئیں، اور وقت میں تنگی ہو تو دس دس مرتبہ پڑھ لے۔

۶- احادیث شریفہ میں اذکار کے جو اعداد مروی ہیں ان پر اکتفا کرنا ضروری ہے یا ان پر اضافہ کر سکتے ہیں؟ ایک رائے یہ ہے کہ ان اعداد پر اکتفا کرنا ضروری ہے، ان میں نہ کمی کر سکتے ہیں نہ زیادتی، عدد معہود پر ہی ثواب موعود ملے گا۔

اور دوسری رائے یہ ہے کہ کمی کی تو گنجائش نہیں، البتہ زیادتی کر سکتے ہیں اس صورت میں ثواب موعود ملے گا اور زائد کا الگ ثواب ملے گا اور دلیل مسلم شریف کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے صبح وشام سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہا تو قیامت کے دن کوئی اس سے افضل عمل نہیں لائے گا، مگر جس نے یہ عمل کیا یا اس سے زیادہ کیا، معلوم ہوا کہ زیادتی کرنے کی صورت میں ثواب موعود ملے گا اور یہی رائے راجح معلوم ہوتی ہے۔

اس کی نظیر: ماثورہ دعاؤں میں کمی کرنے کی گنجائش نہیں مگر زیادتی کرنے کی گنجائش ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

---

(۱) اسی حدیث میں آگے (نمبر ۶۳۲۹) یہ الفاظ آرہے ہیں: تُسَبِّحُونَ في دُبُرِ كُلِّ صلوۃ إلخ۔

تلبیہ میں اضافہ کرتے تھے، اور بعض لوگ اللّٰهم انت السلام میں چند کلمات بڑھاتے ہیں وہ کلمات نبی ﷺ سے مروی نہیں، مگر ان کا اضافہ جائز ہے، کیونکہ ماثورہ اذکار میں تبدیلی کرنے کی گنجائش نہیں، مگر اضافہ کرنے کی گنجائش ہے، اسی طرح اعداد میں اضافہ کر سکتے ہیں اور اس صورت میں موعود ثواب ملے گا، واللہ اعلم

مناسبت: الباقیات الصالحات ذکر ہیں جو نمازوں کے بعد کے لئے ہیں اور باب نماز کے بعد ذکر کے بارے میں ہے، پس مناسبت واضح ہے۔

[۸٤٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: أَمْلَى عَلَيَّ الْمُغِيْرَةُ فِي كِتَابٍ إِلَى مُعَاوِيَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقُوْلُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ: " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ"

وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بِهٰذَا، وَقَالَ الْحَسَنُ: جَدٌّ: غِنًى، وَعَنِ الْحَكَمِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمِرَةَ، عَنْ وَرَّادٍ بِهٰذَا. [انظر: ۱٤۷۷، ۲٤۰۸، ۵۹۷۵، ٦۳۳۰، ٦٤۷۳، ٦٦۱۵، ۷۲۹۲]

حدیث: وراد جو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سکریٹری تھے کہتے ہیں: مجھ سے حضرت مغیرہؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنے کے لئے ایک خط لکھوایا کہ نبی ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ ذکر کیا کرتے تھے:

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یگانہ ہیں ان کا کوئی شریک نہیں، ان کے لئے حکومت اور تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اے اللہ! کوئی روکنے والا نہیں اس چیز کو جو آپ عنایت فرمائیں اور کوئی دینے والا نہیں اس چیز کو جس کو آپ روک دیں، آپ کے علاوہ مالدار کے لئے مالداری نفع بخش نہیں۔

تشریح: اس حدیث پر بعد الصلوۃ کا ترجمہ رکھ کر امام بخاریؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ ذکر نماز کے بعد کیا جائے، کیونکہ دبر الشیئ: شیئ کا ظرف ہوتا ہے جزء نہیں ہوتا۔

اور جَدّ کے دو معنی ہیں: مالداری اور کوشش۔ حدیث میں دونوں معنی ہو سکتے ہیں، اور ذا الجد کے معنی ہیں: مالدار اور کوشش کرنے والا، اور منك میں من عوض کا ہے، ای عوضاً منك، شاعر کہتا ہے:

فليتَ لنا من ماءِ زمزم شربة ❁ مُبَرَّدَةً باتت على الطُّهْيَانِ

(پس کاش میرے لئے ہوتا آب زمزم کے عوض ایک گھونٹ ÷ ٹھنڈا کیا ہوا جو رات بھر پانی ٹھنڈا کرنے کی لکڑی پر رہا ہو)

اس شعر میں من عوض کا ہے یعنی مالدار کے لئے یا کوشش کرنے والے کے لئے آپ کے علاوہ کوئی کوشش نفع بخش نہیں، دنیا میں ارب پتی، کھرب پتی ہیں، سب کچھ ان کے پاس ہے مگر وہ کچھ کھا نہیں سکتے، ڈاکٹر نے ہر چیز سے منع کر دیا ہے،

صرف دنیا کا غم کھانے کے لئے کہا ہے، ان کی مالداری ان کے کیا کام آئی؟ بلکہ اللہ عزوجل جس کی دستگیری فرمائیں مالداری اسی کے لئے نفع بخش ہے۔

سند کا بیان: شعبہؒ سفیان ثوریؒ کے متابع ہیں، وہ بھی عبدالملکؒ بن عمیر سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں اور شعبہ حَکَم سے، وہ قاسم سے اور وہ وراد سے بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، یہ سند معجم طبرانی اور ابن حبان وغیرہ میں ہے۔

جَدّ کے معنی: حضرت حسن رحمہ اللہ نے جَدّ کے معنی غِنیٰ (مالداری) کے کئے ہیں، پس ذکر میں یہی معنی مراد لئے جائیں، کوشش کے معنی نہ لئے جائیں۔

بابٌ: يَسْتَقْبِلُ الإِمَامُ النَّاسَ إِذَا سَلَّمَ

امام سلام پھیرنے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہو

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد امام کو اپنی وضع بدل دینی چاہئے، کیونکہ اس کی نیابت ختم ہوگئی، اور امام اپنی وضع بدل لے گا تو آنے والوں کو دھوکا بھی نہیں ہوگا، مگر اصحابِ ظواہر اس باب کا مقصد یہ سمجھتے ہیں کہ سلام پھیرنے کے بعد امام لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھے، چنانچہ ان کا امام سلام پھیرتے ہی لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھتا ہے، حرمین کے ائمہ کا بھی یہی طریقہ ہے گویا ان کے نزدیک یہ بیٹھنا فرض عین ہے، حالانکہ باب کا مقصد یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد امام کو اپنی وضع بدل لینی چاہئے، چاہے لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھے، چاہے اٹھ کر چلا جائے چاہے اپنی جگہ سے ہٹ کر سنتیں شروع کردے، مقصد وضع بدلنا ہے تاکہ آنے والوں کو دھوکا نہ ہو، باب کا یہ مقصد حضرت الاستاذ قدس سرہ نے بیان فرمایا ہے[1]

[۱۵۶-] بابٌ: يَسْتَقْبِلُ الإِمَامُ النَّاسَ إِذَا سَلَّمَ

[۸۴۵-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ رَجَاءٍ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ.

[انظر: ۱۱۴۳، ۱۳۸۶، ۲۰۸۵، ۲۷۹۱، ۳۲۳۶، ۳۳۵۴، ۴۶۷۴، ۶۰۹۶، ۷۰۴۷]

حدیث: حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب نبی ﷺ کوئی نماز پڑھاتے تھے تو (نماز کے بعد) اپنے چہرے کے ذریعہ ہماری طرف متوجہ ہوتے تھے، یعنی لوگوں کی طرف گھومتے تھے۔

(۱) القول النصیح فیما یتعلق بمقاصد تراجم الصحیح (۱۰۹:۲) کی عبارت یہ ہے: "نماز سے فارغ ہوکر امام اپنی وضع بدل دے، کیونکہ نیابت ختم ہوگئی، اب تو امام اور قوم دونوں مساوی حالت میں آگئے، لہٰذا اقبال الی الناس کرکے یہ بتادینا مناسب ہے کہ إنی واحد منکم واللہ اعلم"

تشریح: یہ حدیث گھوم کر بیٹھنے کے سلسلہ میں صریح نہیں، کیونکہ نبی ﷺ کا معمول تھا: آپ نماز پڑھا کر گھر میں تشریف لے جاتے تھے، پس یہ انصراف حجرہ میں جانے کے لئے بھی ہوسکتا ہے، ظاہر ہے قبلہ سے پھریں گے تبھی حجرہ میں جائیں گے، نبی ﷺ کا دائمی معمول سلام پھیرنے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھنے کا تھا: ایسی کوئی حدیث نہیں۔

[۸٤٦-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ، عَلَى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: "هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ عَزَّوَجَلَّ؟" قَالُوْا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي، كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي، وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ" [انظر: ۱۰۳۸، ٤۱٤۷، ۷۵۰۳]

حدیث: حضرت زید بن خالد جُہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے ہمیں حدیبیہ میں فجر کی نماز پڑھائی، رات میں بارش ہونے کے بعد، پس جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا: کیا جانتے ہو: اللہ عزوجل نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں (آپؐ نے فرمایا:) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صبح کی میرے بندوں نے دو حال میں، بعض مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور بعض میرا انکار کرنے والے ہیں، جس نے کہا اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان لانے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے اور جس نے کہا: فلاں اور فلاں نچھتروں کی وجہ سے بارش ہوئی وہ میرا انکار کرنے والا اور ستاروں پر ایمان لانے والا ہے۔

استدلال: اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ نبی ﷺ فجر کی نماز پڑھا کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور مذکورہ ارشاد فرمایا، پس باب ثابت ہوگیا کہ امام کو سلام کے بعد وضع بدل دینی چاہئے، کیونکہ بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر خطاب کرنا بھی وضع بدلنے کی ایک شکل ہے۔

اور حدیث سے یہ استدلال کہ امام کو سلام کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرکے بیٹھنا چاہئے: یہ استدلال خفی ہے، کیونکہ نماز کے بعد امام کو مقتدیوں سے کوئی خطاب کرنا ہوگا تو وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر ہی خطاب کرے گا، خواہ کھڑے ہوکر کرے یا بیٹھ کر، پس یہ نماز کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھنا نہیں ہے۔

[۸٤۷-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيْرٍ، سَمِعَ يَزِيْدَ بْنَ هَارُوْنَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: أَخَّرَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الصَّلَاةَ ذَاتَ لَيْلَةٍ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ، ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا، فَلَمَّا صَلَّى أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: "إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَرَقَدُوْا، وَإِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوْا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ" [راجع: ۵۷۲]

وضاحت: یہ حدیث گذر چکی ہے، ایک رات نبی ﷺ نے عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھائی، پھر لوگوں سے مختصر خطاب فرمایا، پس امام کی وضع بدل گئی اور باب ثابت ہوگیا، مگر اس حدیث سے بھی بیٹھنے پر استدلال درست نہیں، اس لئے کہ امام کو اگر خطاب کرنا ہوگا تو وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر ہی خطاب کرے گا، خواہ کھڑے ہوکر خطاب کرے یا بیٹھ کر۔

بَابُ مُكْثِ الإِمَامِ فِيْ مُصَلَّاهُ بَعْدَ السَّلَامِ

سلام کے بعد امام کا اپنی جگہ ٹھہرنا

سلام کے بعد عادۃً انصراف (جگہ بدلنا) ہوتا ہے تا کہ آنے والوں کو جماعت کا دھوکا نہ ہو، یہ انصراف سب کو کرنا ہے مقتدیوں کو بھی اور امام کو بھی، انصراف کے معنی ہیں: جگہ بدلنا، نماز کے بعد امام کو بھی جگہ بدلنی چاہئے اور مقتدیوں کو بھی اور امام کے حق میں جگہ بدلنا زیادہ مؤکد ہے۔

اس سلسلہ میں ایک حدیث ہے: لا يَتَطَوَّعُ الإمامُ في مكانِهِ: امام اپنی جگہ نفل نماز نہ پڑھے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں، اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم ہے جو ضعیف ہے نیز اس میں اضطراب بھی ہے۔ امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

مگر اس سلسلہ میں تین حدیثیں اور بھی ہیں، ایک حدیث حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: لَايُصَلِّ الإمامُ في الموضع الذي صَلَّى فيه حتى يَتَحَوَّلَ: امام اس جگہ نفل نماز نہ پڑھے جہاں اس نے نماز پڑھائی ہے، بلکہ وہاں سے ہٹ کر نماز پڑھے۔ یہ حدیث ابوداؤد میں ہے اور منقطع ہے، دوسری حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں: من السُّنَّةِ ان لا يَتَطَوَّعَ الإمامُ حَتَّى يَتَحَوَّلَ عن مكانِهِ: سنت (دینی طریقہ) میں سے یہ بات ہے کہ امام اپنی جگہ سے ہٹ کر نماز پڑھے، یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور اس کی سند اچھی ہے، اور من السنۃ کہنے سے حدیث مرفوع ہوگئی ہے اور تیسری حدیث مسلم شریف میں ہے، سائب بن یزید کہتے ہیں: میں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی، نماز کے بعد میں وہیں سنتیں پڑھنے لگا تو حضرت معاویہؓ نے مجھ سے فرمایا: إذا صَلَّيْتَ الجمعة فلا تَصِلْها بصلوةٍ حتى تَتَكَلَّم أو تَخْرُجَ فإن النبيَّ صلى الله عليه وسلم أَمَرَ بذلِك: جمعہ کی نماز پڑھ کر فوراً وہیں سنتیں مت پڑھو، جگہ بدل کر پڑھو، نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔ جب مقتدی کو جگہ بدلنے کا حکم ہے تو امام کو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ جگہ بدلنے کی حدیث صحیح نہیں اس لئے آپؒ نے یہ باب قائم کیا کہ نماز کے بعد امام اپنی جگہ سنتیں پڑھ سکتا ہے مگر مذکورہ تین حدیثیں قابل استدلال ہیں، اس لئے مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو امام کو سلام کے بعد جگہ بدل دینی چاہئے۔

[۱۵۷-] بابُ مُكْثِ الإمَامِ فِيْ مُصَلَّاهُ بَعْدَ السَّلَامِ

[۸۴۸-] وَقَالَ لَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ فِيْ مَكَانِهِ الَّذِيْ صَلَّى فِيْهِ الْفَرِيْضَةَ، وَفَعَلَهُ الْقَاسِمُ، وَيُذْكَرُ عَنْ أبِيْ هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ: " لَا يَتَطَوَّعُ الإمَامُ فِيْ مَكَانِهِ" وَلَمْ يَصِحَّ.

[۸۴۹-] حدثنا أبُوْ الْوَلِيْدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ: أنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا سَلَّمَ يَمْكُثُ فِيْ مَكَانِهِ يَسِيْرًا، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَنُرَى - وَاللهُ أعْلَمُ - لِكَيْ يَنْفُذَ مَنْ يَنْصَرِفُ مِنَ النِّسَاءِ. [راجع: ۸۷۳]

[۸۵۰-] وَقَالَ ابْنُ أبِيْ مَرْيَمَ: أخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيْدَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ، أنَّ ابْنَ شِهَابٍ كَتَبَ إِلَيْهِ، قَالَ: حَدَّثَتْنِيْ هِنْدُ ابْنَةُ الْحَارِثِ الْفِرَاسِيَّةُ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَكَانَتْ مِنْ صَوَاحِبَاتِهَا قَالَتْ: كَانَ يُسَلِّمُ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ فَيَدْخُلْنَ بُيُوْتَهُنَّ مِنْ قَبْلِ أنْ يَنْصَرِفَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم.

وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أخْبَرَتْنِيْ هِنْدُ الْفِرَاسِيَّةُ.

وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ: أخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: قَالَ: حَدَّثَتْنِيْ هِنْدُ الْقُرَشِيَّةُ.

وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ: أخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ: أنَّ هِنْدًا بِنْتَ الْحَارِثِ الْقُرَشِيَّةَ أخْبَرَتْهُ، وَكَانَتْ تَحْتَ مَعْبَدِ بْنِ الْمِقْدَادِ، وَهُوَ حَلِيْفُ بَنِيْ زُهْرَةَ، وَكَانَتْ تَدْخُلُ عَلَى أزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَقَالَ شُعَيْبٌ: عَنِ الزُّهْرِيِّ، حَدَّثَتْنِيْ هِنْدُ الْقُرَشِيَّةُ.

وَقَالَ ابْنُ أبِيْ عَتِيْقٍ: عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ الْفِرَاسِيَّةِ.

وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ: حَدَّثَهُ ابْنُ شِهَابٍ عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ، حَدَّثَتْهُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۸۳۷]

وضاحت: باب کے شروع میں حضرت الامام رحمہ اللہ نے دو آثار اور ایک ضعیف حدیث پیش کی ہے:

پہلا اثر: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جہاں فرض پڑھتے تھے وہیں نفلیں پڑھتے تھے ـــــ یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے آدم بن ابی ایاس سے باقاعدہ نہیں پڑھی، بلکہ مذاکرہ میں حاصل کی ہے، اس لئے قال سے شروع کی ہے۔

دوسرا اثر: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بھی ایسا کرتے تھے ـــــ قاسم رحمہ اللہ مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں ـــــ ان دونوں آثار سے جواز ثابت ہوتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

ضعیف حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ امام اپنی جگہ نفلیں نہ پڑھے یُذْکر (فعل مجہول) سے حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے، اور رفعہ مستقل جملہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے،

حضرت ابو ہریرہؓ کا قول نہیں ـــــ اس حدیث کی سند میں لیث بن ابی سلیم ہے، جس کی تضعیف کی گئی ہے، نیز حدیث کی سند میں اضطراب بھی ہے، اس لئے یہ حدیث قابل استدلال نہیں، مگر مسئلہ سے متعلق تین حدیثیں اور بھی ہیں جو قابل استدلال ہیں، اس لئے اپنی جگہ ٹھہرنا جائز ہے، مگر کوئی مجبوری نہ ہو تو جگہ بدلنا اولیٰ ہے۔

حدیث: چند ابواب پہلے گذر چکی ہے: نبی ﷺ نماز پڑھا کر تھوڑی دیر اپنی جگہ ٹھہرتے تھے تاکہ عورتیں مسجد سے نکل جائیں، پس یہ بیٹھنا نفلوں کے لئے نہیں تھا، نہ آپ وہاں نفلیں پڑھتے تھے، بلکہ گھر میں تشریف لے جاتے تھے اس لئے تقریب تام نہیں۔

قولہ: وقال ابن أبی مریم: یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی دوسری سند ہے اور تعلیق ہے، محمد بن یحییٰ ذُہلی نے الزہریات میں اس کو موصول کیا ہے، اور یہ حدیث مکاتبت کی مثال ہے، ابن شہاب زہری نے جعفر بن ربیعہ کو یہ حدیث لکھ کر بھیجی ہے، اور کتاب العلم کے شروع میں (تحفۃ القاری ۱: ۳۲۵) مکاتبت کا بیان گذر چکا ہے۔

قولہ: وَكَانَتْ مِنْ صَوَاحِبَاتِهَا: ہند بنت الحارث تابعیہ ہیں، وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی تھیں، اور دیگر ازواج مطہرات کے پاس بھی علم حاصل کرنے کے لئے آتی جاتی تھیں، قبیلۂ بنو فراس کی تھیں، یہ قبیلہ بنو کنانہ کا ایک بطن ہے اور بنو کنانہ قریش سے ہیں، اس لئے بعض سندوں میں الفراسیّۃ آیا ہے اور بعض میں القُرشیّۃ۔ ان میں کوئی تعارض نہیں، ان کے شوہر کا نام معبد بن المقداد ہے، ان کی بنو زہرہ سے دوستی تھی، بنو زہرہ بھی قریش ہی کا ایک بطن ہے۔

امام بخاریؒ نے چھ تعلیقات ذکر کی ہیں ان میں سے بعض میں ہند کے باپ کا نام ہے اور بعض میں نہیں ہے، اور بعض میں الفراسیۃ ہے اور بعض میں القرشیۃ۔ اور آخری تعلیق مرسل ہے، ابن شہاب زہری کہتے ہیں: قریش کی ایک عورت نے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے بیان کیا، یہ عورت ہند بنت الحارث ہی ہیں، اور یہ حدیث مرسل ہے۔

بَابٌ: مَنْ صَلّٰى بِالنَّاسِ فَذَكَرَ حَاجَتَهُ فَتَخَطَّاهُمْ

امام کو نماز کے بعد کوئی چیز یاد آئی، اس لئے وہ لوگوں کو پھاند کر گیا

سلام کے بعد دعا کے لئے ٹھہرنا ضروری نہیں، سلام پر نماز پوری ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر مقتدی یا امام کو کوئی حاجت پیش آئے تو وہ جا سکتا ہے، اور شدید حاجت ہو تو لوگوں کی گردنیں پھاند کر بھی جا سکتا ہے، اور جس حدیث میں تخطّی (گردنیں پھاندنے) کی ممانعت آئی ہے وہ بے ضرورت پھاندنے کی صورت میں ہے، مسجد میں یا سبق میں آگے جگہ خالی ہو اور پیچھے لوگ مل کر بیٹھے ہوں تو ان کی گردنیں پھاند کر آگے جانا جائز ہے، اگر تخطّی سے ان کو تکلیف ہو تو اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔

[۱۵۸-] بَابٌ: مَنْ صَلّٰى بِالنَّاسِ فَذَكَرَ حَاجَتَهُ فَتَخَطَّاهُمْ

[۸۵۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيْدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ ابْنُ

أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ، قَالَ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِالْمَدِينَةِ الْعَصْرَ، فَسَلَّمَ، فَقَامَ مُسْرِعًا، فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلَى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهِ، فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ، فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ، فَرَأَى أَنَّهُمْ عَجِبُوا مِنْ سُرْعَتِهِ، فَقَالَ: "ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا، فَكَرِهْتُ أَنْ يَحْبِسَنِي، فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ"

[انظر: ۱۲۲۱، ۱۴۳۰، ۶۲۷۵]

ترجمہ: حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کے پیچھے مدینہ میں عصر کی نماز پڑھی، آپؐ نے سلام پھیرا پس جلدی سے کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھاندتے ہوئے ایک بیوی صاحب کے حجرہ میں تشریف لے گئے، لوگ آپؐ کی جلدی سے گھبرا گئے، پھر آپؐ لوگوں کی طرف نکلے اور آپؐ نے دیکھا کہ لوگ آپؐ کی جلدی سے حیرت میں ہیں، تو آپؐ نے فرمایا: مجھے اپنے پاس کچھ سونا یاد آیا، پس میں نے ناپسند کیا کہ وہ مجھے روکے اس لئے میں نے اس کو بانٹنے کا حکم دیا۔

تشریح: تبر: وہ سونا جس کو ڈھالا نہ گیا ہو، آنحضور ﷺ کے پاس کہیں سے سونا آیا تھا، آپؐ تقسیم کرنا بھول گئے، نماز کے بعد یاد آیا تو سلام پھیرتے ہی فوراً لوگوں کی گردنیں پھاندتے ہوئے حجرہ میں تشریف لے گئے، اور وہ سونا کسی کو لا کر دیا اور تقسیم کرنے کا حکم دیا، پھر لوگوں سے جلدی کرنے کی وجہ بیان کی، کیونکہ لوگ آپؐ کی جلدی کرنے سے گھبرا گئے تھے، معلوم ہوا کہ سلام کے بعد امام ومقتدی میں سے کسی کو حاجت پیش آئے تو وہ جا سکتا ہے اور حاجت شدید ہو مثلاً پیشاب کا تقاضہ ہو تو گردنیں پھاند کر بھی جا سکتا ہے۔

ملحوظہ: ازواج مطہرات کے اکثر حجرے جدار قبلی میں تھے، اور بعض ازواج کے حجرے دوسری جانب بھی تھے، آئندہ حدیث آئے گی کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ اعتکاف میں تھے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ملنے آئیں، جب وہ جانے لگیں تو آنحضور ﷺ ان کو مسجد کے دروازہ تک چھوڑنے کے لئے تشریف لے گئے، اتفاق سے وہاں سے دو صحابی گذرے انھوں نے سلام کیا اور قدم تیز کر دیئے، آپؐ نے ان کو روکا اور فرمایا: پہچانو! یہ صفیہ ہیں۔ ان صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپؐ کے بارے میں بدگمانی کیسے کر سکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، ممکن ہے وہ تمھیں کسی بدگمانی میں مبتلا کر دے۔ معلوم ہوا کہ بعض ازواج کے حجرے دوسری جانب بھی تھے، اس لئے آپؐ لوگوں کی گردنیں پھاند کر حجرہ میں تشریف لے گئے۔

بَابُ الانْفِتَالِ وَالانْصِرَافِ عَنِ الْيَمِينِ وَالشِّمَالِ

نماز کے بعد بیٹھنے کے لئے یا لوٹنے کے لئے دائیں بائیں دونوں جانب گھومے

علامہ کشمیری قدس سرہ کی رائے یہ ہے کہ انفتال اور انصراف مترادف الفاظ ہیں، دونوں کے معنی ہیں: پھرنا، مگر ابن المُنَیِّر رحمہ اللہ جو بخاری شریف کے شارح ہیں فرماتے ہیں: اگر نمازیوں کی طرف گھوم کر بیٹھنا ہے تو یہ انفتال ہے اور گھر

جانے کے لئے گھومنا ہے تو یہ انصراف ہے، دونوں صورتوں میں دائیں بائیں کی تخصیص نہیں ہونی چاہئے۔ دائیں طرف سے عمل کرنا مستحب ہے، لیکن اگر مستحب کو ضروری سمجھ لیا جائے تو وہ مکروہ ہوجاتا ہے۔

فائدہ: مستحب پر مداومت جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً نمازوں کے بعد الباقیات الصالحات پڑھنا مستحب ہے اس پر مداومت کرنے کا کیا حکم ہے؟ جواب: مستحب پر مداومت جائز ہے، البتہ مستحب کا التزام مکروہ ہے، دائیں پیر میں پہلے جوتا پہننا، مسجد میں پہلے دایاں پیر رکھنا، دائیں طرف سے وضو شروع کرنا مستحب ہے، اس پر مداومت میں کچھ مضائقہ نہیں، لیکن اگر اس کو ضروری سمجھ لیا جائے تو مکروہ ہے اور اسی کا نام التزام ہے۔

[۱۵۹-] بَابُ الِانْفِتَالِ وَالِانْصِرَافِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشِّمَالِ

وَكَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَنْفَتِلُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ، وَيَعِيْبُ عَلَى مَنْ يَتَوَخَّى أَوْ: مَنْ تَعَمَّدَ الِانْفِتَالَ عَنْ يَمِيْنِهِ.

[۸۵۲-] حدثنا أَبُو الْوَلِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: لَا يَجْعَلْ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهِ، يَرَى أَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لَا يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَمِيْنِهِ، لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهِ.

اثر: حضرت انس رضی اللہ عنہ دائیں بائیں دونوں طرف پھرتے تھے، اور جو شخص دائیں طرف سے پھرنے کا قصد کرتا یعنی بالقصد دائیں طرف سے پھرتا اس پر اعتراض کرتے تھے کہ تیرا یہ طریقہ ٹھیک نہیں۔ یَتَوَخّٰی اور تَعَمَّدَ: دونوں کے معنی ہیں: قصد وارادہ کرنا۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے، دیکھے کہ لازم ہے اس پر دائیں طرف ہی سے پھرنا (یہی نماز میں شیطان کا حصہ بنانا ہے، کیونکہ مستحب کو لازم سمجھ لیا جائے تو وہ ناجائز ہوجاتا ہے) میں نے بارہا نبی ﷺ کو بائیں طرف سے پھرتے دیکھا ہے۔

تشریح: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ایک اہم ضابطہ ہے، اس کی جگہ جگہ ضرورت پڑے گی، آپؓ فرماتے ہیں: فرضوں سے یا سنن ونوافل سے فارغ ہونے کے بعد گھومنے کے لئے کسی ایک جہت کا التزام جائز نہیں، یہ نماز میں شیطان کا حصہ بنانا ہے، بلکہ جدھر حاجت ہو اسی جانب کو گھومنے کے لئے اختیار کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ سے نماز کے بعد دونوں جانب گھومنا ثابت ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر رسول اللہ ﷺ کو دائیں طرف حاجت ہوتی تو آپ دائیں جانب کو پھرنے کے لئے اختیار فرماتے اور بائیں جانب حاجت ہوتی تو اس طرف پھرتے (ترمذی حدیث ۲۹۸) اور اکثر ازواج مطہرات کے حجرے چونکہ محراب کی دائیں جانب تھے اس لئے آپؐ کا انصراف اکثر دائیں

جانب ہوتا تھا۔

بابُ مَاجَاءَ فِي الثُّومِ النِّيِّ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ

کچے لہسن، پیاز اور گندنے کے بارے میں روایت

الثُّومُ النِّيُّ: کچا لہسن، البَصَل: پیاز، الکُرّاث: گندنا، ایک ترکاری جو پیاز کے مشابہ ہوتی ہے، فُجل: مولی، ایسی سبزیاں اگر تنہا کافی مقدار میں کھائی جائیں تو گندی ڈکاریں آتی ہیں، اسی طرح بیڑی سگریٹ پینے سے بھی منہ سے بدبو آتی ہے، ایسی چیزیں کھا کر مسجد میں نہیں آنا چاہئے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور مصلیوں کو بھی، البتہ سلاد کے طور پر یہ چیزیں کھائی جائیں تو بدبو نہیں آتی۔ نیز پکا کر کھائی جائیں تو بھی بدبو نہیں آتی، پس ان کو کھا کر مسجد میں آسکتے ہیں، اسی طرح جس کے منہ سے بدبو آتی ہو یا کوئی بدبودار زخم ہو اس کو بھی مسجد میں نہیں آنا چاہئے، اور مسجد کے حکم میں دیگر اجتماعات ہیں، جیسے سبق کی مجلس، ذکر کی مجلس یا دیگر تقریبات: سب کا یہی حکم ہے۔

[۱۶۰-] بابُ مَاجَاءَ فِي الثُّومِ النِّيِّ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ

وَقَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ أَكَلَ الثُّومَ أَوِ الْبَصَلَ مِنَ الْجُوْعِ أَوْ غَيْرِهِ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا.

[۸۵۴-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْعَاصِمٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ - يُرِيْدُ الثُّوْمَ - فَلَا يَغْشَانَا فِي مَسْجِدِنَا" قُلْتُ: مَا يَعْنِي بِهِ؟ قَالَ: مَا أُرَاهُ يَعْنِي إِلَّا نِيْئَهُ، وَقَالَ مَخْلَدُ بْنُ يَزِيْدَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: إِلَّا نَتْنَهُ. [انظر: ۸۵۵، ۵۴۵۲، ۷۳۵۹]

[۸۵۳-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ: "مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ - يَعْنِي الثُّوْمَ - فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا"

[انظر: ۴۲۱۵، ۴۲۱۷، ۴۲۱۸، ۵۵۲۱، ۵۵۲۲]

حدیث (۱): جو شخص لہسن یا پیاز کھائے، بھوک کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اس درخت سے کھایا — آپ کی مراد لہسن ہے — وہ ہم پر نہ چھائے، ہماری مسجدوں میں یعنی مسجد میں نہ آئے، عطاء نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی ﷺ کی کیا مراد ہے؟ حضرت جابرؓ نے کہا: نہیں گمان کرتا میں نبی ﷺ کو مراد لے رہے ہیں آپ مگر اس کے کچے کو، یعنی کچا لہسن کھانا مراد ہے اور مخلد بن یزید کی حدیث میں جو ابن جریج سے مروی ہے نَتْنَه ہے یعنی ممانعت کی وجہ اس کا بدبودار ہوتا ہے، لہٰذا اگر پکا کر

اس کی بوزائل کردی جائے تو کھانے میں کچھ حرج نہیں۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر لہسن کے پودے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: ''جو اس درخت سے کھائے وہ ہرگز ہماری مسجد میں نہ آئے''

تشریح: خیبر زرخیز کھیتی باڑی والا علاقہ تھا، اور فوجیوں کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں تھا، جب انہیں بھوک لگی تو انھوں نے لہسن اکھاڑ کر کھایا، دیہاتی کھیت میں کام کرتے ہوئے شوق سے لہسن پیاز اکھاڑ کر کھاتے ہیں، بھوک میں وہ اچھی لگتی ہے، اس لئے آنحضور ﷺ نے مذکورہ ارشاد فرمایا۔

نوٹ: مصری نسخہ میں حدیثوں میں تقدیم وتاخیر ہے، ہم نے ترتیب بدل دی ہے، مگر حدیث کے نمبر نہیں بدلے، تاکہ حوالے غلط نہ ہوجائیں۔

[۸۵۵-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: قَالَ: زَعَمَ عَطَاءٌ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ زَعَمَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنْ أَكَلَ ثُوْمًا أَوْ بَصَلاً فَلْيَعْتَزِلْنَا، أَوْ: فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا، أَوْ: لِيَقْعُدْ فِيْ بَيْتِهِ"

وَأَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أُتِيَ بِقِدْرٍ فِيْهِ خَضِرَاتٌ مِنْ بُقُوْلٍ، فَوَجَدَ لَهَا رِيْحًا، فَسَأَلَ، فَأُخْبِرَ بِمَا فِيْهَا مِنَ الْبُقُوْلِ، فَقَالَ: قَرِّبُوْهَا إِلَى بَعْضِ أَصْحَابِهِ كَانَ مَعَهُ، فَلَمَّا رَآهُ كَرِهَ أَكْلَهَا، قَالَ:" كُلْ فَإِنِّيْ أُنَاجِيْ مَنْ لاَ تُنَاجِيْ" [راجع: ۸۵٤]

وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ: أُتِيَ بِبَدْرٍ، قَالَ ابْنُ وَهْبٍ: يَعْنِيْ طَبَقًا فِيْهِ خَضِرَاتٌ، وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّيْثُ، وَأَبُوْ صَفْوَانَ، عَنْ يُوْنُسَ قِصَّةَ الْقِدْرِ، فَلاَ أَدْرِيْ هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ أَوْ فِي الْحَدِيْثِ.

[۸۵٦-] حدثنا أَبُوْمَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ: مَا سَمِعْتَ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي الثُّوْمِ؟ فَقَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلاَ يَقْرَبَنَّا وَلاَ يُصَلِّيَنَّ مَعَنَا"[انظر: ٥٤٥١]

حدیث (۱): سعید بن عُفیر (امام بخاریؒ کے استاذ) عبداللہ بن وہب مصریؒ سے، اور وہ یونس بن یزید ایلی سے، اور وہ ابن شہاب زہریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ حضرت جابرؓ نے کہا کہ:

(الف) نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے لہسن یا پیاز کھائی پس چاہئے کہ وہ ہم سے علاحدہ رہے، یا فرمایا: ہماری مسجد سے علاحدہ رہے، یا فرمایا: اپنے گھر میں بیٹھے یعنی مسجد میں نہ آئے۔

(ب) اور نبی ﷺ کے پاس ایک ہانڈی لائی گئی جس میں ہری ترکاریاں تھیں، آپؐ نے ان کی بو محسوس کی تو پوچھا

(اس میں کیا ترکاری ہے؟) پس آپؐ کو وہ ترکاری بتائی گئی، جو اس ہانڈی میں تھی، پس آپؐ نے فرمایا: ''ترکاری کو نزدیک کرو'' آپؐ کے بعض صحابہ سے جو کھانے میں شریک تھے، پس جب انھوں نے آپ کو دیکھا (کہ آپؐ نے نوش نہیں فرمایا) تو (انھوں نے بھی) اس کے کھانے کو پسند نہیں کیا، پس آپؐ نے فرمایا: کھاؤ، بیشک میں ان لوگوں سے سرگوشی کرتا ہوں جن سے تم سرگوشی نہیں کرتے، یعنی میرے پاس کسی بھی وقت کوئی فرشتہ آسکتا ہے جن کو بدبو سے نفرت ہے اس لئے میں یہ ترکاری نہیں کھاتا تم کھاؤ۔

سعید بن عفیر کی سند میں یہ دو مضمون ہیں اور ابن وہب کے دوسرے شاگرد احمد بن صالح (امام بخاریؒ کے استاذ) کی روایت میں بھی یہ دونوں مضمون ہیں، مگر دوسرے مضمون میں قِدر کے بجائے بَدر ہے، اور ابن وہب نے اس کے معنی ایسے طباق کے کئے ہیں جس میں ترکاریاں ہوں۔

اور یونس اَیلی کے دوسرے شاگرد امام لیث بن سعد مصریؒ اور ابو صفوان عبداللہ بن سعید اموی ؒ کی روایتوں میں صرف پہلا مضمون ہے، ہانڈی والا مضمون نہیں ہے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ یہ امام زہریؒ کا قول ہے (مرسل روایت ہے) جو حدیث میں مدرج ہے یا مذکورہ سند ہی سے حدیث میں مروی ہے، اور شک اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ یونس کے دوسرے شاگردوں کی روایت میں یہ دوسرا مضمون نہیں ہے۔

حدیث (۲): ایک شخص نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپؓ نے لہسن کے بارے میں نبی ﷺ سے کیا سنا ہے؟ حضرت انسؓ نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اس درخت میں سے کھایا وہ نہ ہمارے قریب ہو اور نہ ہمارے ساتھ نماز پڑھے''

بَابُ وُضُوْءِ الصِّبْيَانِ وَمَتَى يَجِبُ عَلَيْهِمُ الْغُسْلُ وَالطُّهُوْرُ؟ وَحُضُوْرِهِمُ الْجَمَاعَةَ وَالْعِيْدَيْنِ وَالْجَنَائِزَ وَصُفُوْفِهِمْ

بچوں کا وضوء، اور ان پر غسل اور پاکی کب واجب ہے؟ اور ان کی جماعت، عیدین اور جنازوں میں شرکت اور ان کی صفیں

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

۱- نماز بچہ کی ہو یا بالغ کی اس کے لئے وضو لازم ہے، ہاں وجوب شرعی غسل اور طہور کا بلوغ سے شروع ہوتا ہے، پس اگر کوئی بچہ بغیر وضو کے نماز پڑھ لے تو وہ نماز نہ ہوگی اور وہ گنہ گار بھی نہ ہوگا، کیونکہ ابھی وہ مکلف نہیں۔

۲- سمجھ دار بچے مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے آسکتے ہیں، اسی طرح عیدین اور نماز جنازہ میں بھی شرکت

کرسکتے ہیں، پھر اگر بچہ تنہا ہوتو وہ مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا ہو، اور دو یا زیادہ ہوں تو مردوں کے بعد ان کی مستقل صف بنائی جائے، مجموعہ روایات سے یہ دونوں مسئلے ثابت ہیں۔

فائدہ: ناسمجھ بچے جن کو پاکی ناپاکی کا شعور نہیں، نہ وہ مسجد کا احترام جانتے ہیں، ایسے بچوں کو مسجد میں نہیں لانا چاہئے، ابن ماجہ میں مساجد کے بیان میں حدیث ہے: جَنِّبُوْا صِبْیَانَکُمْ مَسَاجِدَکُمْ: اپنے بچوں کو مسجدوں سے دور رکھو، یہ حدیث ایسے ہی ناسمجھ بچوں کے لئے ہے۔

[۱۶۱-] بَابُ وُضُوْءِ الصِّبْيَانِ وَمَتَى يَجِبُ عَلَيْهِمُ الْغُسْلُ وَالطُّهُوْرُ؟ وَحُضُوْرِهِمُ الْجَمَاعَةَ وَالْعِيْدَيْنِ وَالْجَنَائِزَ وَصُفُوْفِهِمْ

[۸۵۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنِيْ غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيَّ، قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ مَنْ مَرَّ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَلَى قَبْرٍ مَنْبُوْذٍ، فَأَمَّهُمْ، وَصَفُّوْا عَلَيْهِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَمْرٍو مَنْ حَدَّثَكَ؟ فَقَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ.

[انظر: ۱۲۴۷، ۱۳۱۹، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۶، ۱۳۳۶، ۱۳۴۰]

حدیث: شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جو نبی ﷺ کے ساتھ ایک علاحدہ بنائی ہوئی قبر کے پاس سے گذرا، پس آپؐ نے لوگوں کی امامت فرمائی اور اس قبر پر صف بنائی، سلیمان نے پوچھا: اے ابوعمرو! (شعبی کی کنیت) آپ سے یہ حدیث کس نے بیان کی؟ انھوں نے فرمایا: ابن عباسؓ نے۔

تشریح: ایک مرتبہ نبی ﷺ صحابہ کے ساتھ قبرستان کے پاس سے گذرے، آپؐ نے ایک علاحدہ قبر دیکھی، آپؐ نے اس قبر کے بارے میں دریافت کیا، بتایا گیا کہ فلاں کی قبر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: مجھے اس کی خبر کیوں نہ کی؟ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! معمولی آدمی تھا، رات کا وقت تھا، آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا، آپؐ نے فرمایا: تمہاری قبریں تاریکی سے بھری ہوئی ہوتی ہیں، میری نماز سے ان میں روشنی پیدا ہوتی ہے پھر آپؐ نے صف بنوائی اور قبر پر نماز جنازہ پڑھائی۔ اس نماز جنازہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی شریک تھے اور وہ نبی ﷺ کے عہد میں بالغ نہیں ہوئے تھے، معلوم ہوا کہ بچہ نماز جنازہ میں شریک ہوسکتا ہے، اور وہ تنہا ہو تو اس کی الگ صف نہیں بنے گی بلکہ وہ مردوں کے ساتھ صف کے کنارے پر کھڑا ہوگا۔

[۸۵۸-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ" [انظر: ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۹۵، ۲۶۶۵]

وضاحت: یہ حدیث پہلے مسئلہ کے دوسرے جز سے متعلق ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل واجب ہے، معلوم ہوا کہ وضو اور غسل کا وجوب بلوغ سے شروع ہوتا ہے، حدیث کی مزید وضاحت کتاب الجمعہ میں آئے گی۔

[۸۵۹-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ كُرَيْبٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً، فَنَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَلَمَّا كَانَ فِيْ بَعْضِ اللَّيْلِ، قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوْءً ا خَفِيْفًا، يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو، وَيُقَلِّلُهُ جِدًّا. ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ فَقُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّأَ، ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَحَوَّلَنِيْ فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهِ، ثُمَّ صَلَّى مَاشَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ، فَأَتَاهُ الْمُنَادِيْ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَامَ مَعَهُ إِلَى الصَّلَاةِ، فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

قُلْنَا لِعَمْرٍو: إِنَّ نَاسًا يَقُوْلُوْنَ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ، قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ عُبَيْدَ ابْنَ عُمَيْرٍ يَقُوْلُ: إِنَّ رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿إِنِّيْ أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ﴾[الصافات: ۱۰۲]

[راجع ۱۷۷]

وضاحت: یہ حدیث بار بار گذری ہے اور یہاں باب کے پہلے جز سے متعلق ہے، حضرت ابن عباسؓ بچے تھے، اس کے باوجود انھوں نے پہلے وضو کیا، پھر نبی ﷺ کی اقتدا کی، معلوم ہوا کہ نماز بچہ کی ہو یا بالغ کی، اس پر وضو لازم ہے۔

ترجمہ: آپؐ نے ایک مشکیزہ سے جو لٹک رہا تھا ہلکا وضو کیا (سفیان کہتے ہیں) عمرو بن دینار اس کو ہلکا کرتے تھے، اور اس کو بہت ہی کم کرتے تھے (یہ عطف تفسیری ہے) شارحین نے لکھا ہے کہ یہ تخفیف فی المرات تھی، جب آپ تہجد کے لئے بیدار ہوئے تھے تو کامل وضو کیا تھا، پھر دوران تہجد جب آپؐ سوئے تھے تو اٹھ کر ہلکا وضو کیا تھا، کیونکہ یہ وضو پر وضو تھا (تحفۃ القاری ۱:۴۵۱) اور انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں، اس کی دلیل یہ حدیث ہے، تفصیل تحفۃ القاری (۱:۴۵۱) میں گذر چکی ہے۔

[۸۶۰-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ، فَأَكَلَ مِنْهُ، فَقَالَ: " قُوْمُوْا فَلَأُصَلِّيَ بِكُمْ" فَقُمْتُ إِلَى حَصِيْرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا لُبِسَ، فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَالْيَتِيْمُ مَعِيْ، وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَرَائِنَا، فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ. [راجع: ۳۸۰]

وضاحت: یہ حدیث بھی گذر چکی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نانی مُلیکہؓ نے آنحضور ﷺ کی دعوت کی تھی، آپؐ نے کھانا تناول فرمایا، پھر گھر میں خیر و برکت کے لئے نماز پڑھنے کا ارادہ فرمایا، حضرت انسؓ نے چٹائی پانی سے دھو کر صاف کی، جو عرصہ تک استعمال کرنے کی وجہ سے میلی ہوگئی تھی، پس آپ کھڑے ہوئے، اور حضرت انسؓ اور ایک یتیم بچہ

نے آپؐ کے پیچھے صفت بنائی، اور ملیکہ رضی اللہ عنہا ان کے پیچھے کھڑی ہوئیں، پھر آپؐ نے باجماعت دو رکعتیں پڑھائیں، معلوم ہوا کہ اگر بچے ایک سے زیادہ ہوں تو ان کی الگ صف بنے گی۔

[۸٦١-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانٍ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الاِحْتِلَامَ، وَرَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ بِمِنًى، إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ، فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَأَرْسَلْتُ الأَتَانَ تَرْتَعُ، وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ. [راجع: ۷٦]

وضاحت: یہ حدیث بھی گذر چکی ہے، ابن عباسؓ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک گدھی پر سوار ہوکر منی پہنچے، اس وقت وہ قریب البلوغ تھے، نبی ﷺ منی میں دیوار کے علاوہ کی طرف نماز پڑھا رہے تھے یعنی آپؐ کے سامنے دیوار نہیں تھی بلکہ کوئی اور سترہ تھا وہ بعض صف کے سامنے سے گذرے پھر گدھی کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور صف میں کھڑے ہوگئے۔ معلوم ہوا کہ بچہ تنہا ہو تو مردوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہوگا۔

ملحوظہ: اس واقعہ کے تین مہینے کے بعد آنحضور ﷺ کی وفات ہوئی ہے، معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباسؓ نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں بالغ نہیں ہوئے تھے۔

[۸٦٢-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَعْتَمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، ح: وَقَالَ عَيَّاشٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَعْتَمَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي الْعِشَاءِ، حَتَّى نَادَاهُ عُمَرُ: قَدْ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ! فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: " إِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الأَرْضِ يُصَلِّيْ هٰذِهِ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ" وَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ يَوْمَئِذٍ يُصَلِّيْ غَيْرَ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ. [راجع: ٥٦٦]

وضاحت: یہ حدیث بھی گذر چکی ہے، ایک رات نبی ﷺ نے عشاء کی نماز میں غیر معمولی تاخیر کی، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پکارا: یا رسول اللہ! عورتیں اور بچے سو گئے، پس آپؐ نماز پڑھانے کے لئے نکلے اور آپؐ نے فرمایا: روئے زمین پر تمہارے علاوہ اس وقت یہ نماز پڑھنے والا کوئی نہیں، شرح تحفۃ القاری (۴۲۲:۲ و ۴۲۹) میں ملاحظہ کریں۔ یہاں بس یہ استدلال ہے کہ بچے بھی نماز پڑھنے کے لئے آتے تھے۔

ملحوظہ: عَیَّاش: مبالغہ کا صیغہ ہے اس کے معنی ہیں: بہت جینے والا، اردو میں یہ لفظ اور معنی میں استعمال ہوتا ہے، وہ مراد نہیں۔

[۸۶۳-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىٰ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ، سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ لَهُ رَجُلٌ: شَهِدْتَ الْخُرُوْجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: نَعَمْ، وَلَوْلَا مَكَانِيْ مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ، يَعْنِيْ مِنْ صِغَرِهِ، أَتَى الْعَلَمَ الَّذِيْ عِنْدَ دَارِ كَثِيْرِ بْنِ الصَّلْتِ، ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ أَنْ يَتَصَدَّقْنَ، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تَهْوِيْ بِيَدِهَا إِلَى حَلْقِهَا تُلْقِيْ فِيْ ثَوْبِ بِلَالٍ، ثُمَّ أَتَى هُوَ وَبِلَالٌ الْبَيْتَ. [راجع: ۹۸]

حدیث: یہ حدیث بھی گذری ہے: ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: آپؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدین میں شریک ہوئے ہیں؟ ابن عباسؓ نے کہا: جی ہاں! شریک ہوا ہوں، اور اگر میرا نبی ﷺ کے ساتھ خاص تعلق نہ ہوتا تو آپؐ مجھے اپنے ساتھ نہ لے جاتے، ابن عباسؓ کہتے ہیں: کثیر بن الصلتؓ کے گھر کے پاس جو نشان ہے (معلوم نہیں وہ کیا نشان تھا؟) وہاں آپؐ تشریف لے گئے، پھر خطبہ دیا معلوم ہوا کہ یہ عید کی نماز تھی، پھر عورتوں کے مجمع کے قریب تشریف لے گئے، پس ان کو وعظ و نصیحت فرمائی اور ان کو خاص طور پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ عورت اپنے ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کرنے لگی، وہ بلال کے کپڑے میں ڈال رہی تھی، یعنی گلے سے زیور نکال کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالنے لگی، پھر آپؐ اور بلالؓ گھر آگئے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کو عیدگاہ لے جاسکتے ہیں، مگر آج کل لوگ ایسے بچوں کو عیدگاہ لے جاتے ہیں جو نہ نماز کو سمجھتے ہیں اور نہ نماز پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں، ان کو صف میں بٹھا دیتے ہیں، جب نماز کھڑی ہوتی ہے تو وہ کھیلتے ہیں، شور کرتے ہیں، اور لوگوں کی نماز خراب کرتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں۔ ابن عباسؓ بیشک بچے تھے مگر سمجھدار تھے، ایسے سمجھدار بچوں کو لے جانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

بَابُ خُرُوْجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِاللَّيْلِ وَالْغَلَسِ

رات میں اور صبح کی تاریکی میں عورتوں کا مسجدوں میں جانا

صبح صادق کے بعد آخر رات کی تاریکی کو غلس کہتے ہیں، رات اور آخر رات کی تاریکی مظنۂ فساد ہیں، تاہم ان اوقات میں عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دی گئی، عشاء میں بھی اور فجر میں بھی، مگر یہ توسع حالات کی درستگی اور ضرورت کے وقت تھا، دورِ اول کے احوال درست تھے، نہ عورتوں میں فیشن تھا نہ مردوں میں تاکنے جھانکنے کا عیب اور اس وقت ضرورت بھی تھی، دین نیا نازل ہو رہا تھا اور مرد و زن سب احکام سیکھنے، دین اخذ کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے مکلف تھے، اس لئے عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دی گئی تھی، پھر جب ضرورت باقی نہ رہی، دین مکمل ہوگیا، اور آنحضور ﷺ دنیا سے

تشریف لے گئے اور مردوں اور عورتوں کے احوال بھی بدل گئے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کیا جانے لگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اب عورتوں کے جو احوال ہوگئے ہیں اگر ان کو آنحضور ﷺ دیکھتے تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے، جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا۔ یہ حدیث آگے (نمبر ۸۶۹ پر) آرہی ہے۔

[۱۶۲-] بَابُ خُرُوْجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِاللَّيْلِ وَالْغَلَسِ

[۸۶۴-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: أَعْتَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِالْعَتَمَةِ، حَتّٰى نَادَاهُ عُمَرُ: نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ! فَخَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ غَيْرُكُمْ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ" وَلَا يُصَلّٰى يَوْمَئِذٍ إِلَّا بِالْمَدِيْنَةِ، وَكَانُوْا يُصَلُّوْنَ الْعَتَمَةَ فِيْمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ. [راجع: ۵۶۶]

وضاحت: یہ حدیث گذر چکی ہے، ایک رات نبی ﷺ نے عشاء کی نماز میں غیر معمولی تاخیر کردی، یہاں تک کہ بچے اور عورتیں سونے لگے، پھر آپ نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے، معلوم ہوا کہ عورتیں عشاء کی نماز میں مسجد جاسکتی ہیں۔

قولہ: وکانوا یُصَلُّوْنَ: غروب شمس سے صبح صادق تک کے وقت کو تین حصوں میں تقسیم کریں تو پہلا حصہ رات کا پہلا تہائی ہے، نبی ﷺ تہائی رات پر عشاء پڑھا کرتے تھے اور لوگوں کی رعایت میں تقدیم وتاخیر بھی کرتے تھے۔

[۸۶۵-] حدثنا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى، عَنْ حَنْظَلَةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَأْذَنُوْا لَهُنَّ" تَابَعَهُ شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [انظر: ۸۷۳، ۸۹۹، ۹۰۰، ۵۲۳۸]

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری عورتیں تم سے رات میں مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دیدو۔

تشریح: جب حضرت ابن عمرؓ نے یہ حدیث بیان کی تو ان کے ایک لڑکے نے کہا: واللہ لاَنَأْذَنُ: بخدا! ہم عورتوں کو رات میں مسجد جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ حضرت ابن عمرؓ کو اس پر سخت غصہ آیا اور فرمایا: میں حدیث بیان کرتا ہوں اور تو کہتا ہے: واللہ لاَنَأْذَنُ: پھر زندگی بھر اس بیٹے سے نہیں بولے، کیونکہ یہ حدیث کا معارضہ تھا، جو جائز نہیں، لیکن کسی حدیث کو سمجھنے کے لئے سوال کرنا جائز ہے، آپ پڑھتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک بات بیان فرماتے ہیں، صحابہ اسے سمجھنے کے لئے سوال کرتے ہیں، اسی طرح صحابہ کوئی بات کہتے ہیں تو تابعین سمجھنے کے لئے سوال کرتے ہیں، یہ جائز ہے۔

ملحوظہ: عورتوں کے عیدگاہ اور مسجد جانے کے سلسلہ میں تفصیل تحفۃ القاری (۲: ۱۲۳) میں گذر چکی ہے۔

[بَابُ انْتِظَارِ النَّاسِ قِيَامَ الإِمَامِ الْعَالِمِ]

لوگ عالم امام کے کھڑے ہونے کا انتظار کریں

یہ باب ہمارے نسخہ میں نہیں ہے، مصری نسخہ میں ہے اور گیلری میں بھی لکھا ہے، اس باب کا حاصل یہ ہے کہ نماز پوری ہونے کے بعد لوگ فوراً کھڑے نہ ہو جائیں، بلکہ امام صاحب کا انتظار کریں، جب امام صاحب کھڑے ہوں تب لوگ کھڑے ہوں، تاکہ عورتیں پہلے مسجد سے نکل جائیں اور مرد وزن کا اختلاط نہ ہو۔ اور امام کے ساتھ عالم کی قید اس لئے لگائی کہ اس بات کا خیال عالم ہی کرے گا ـــــ آگے جو حدیثیں آرہی ہیں اگر ان کو گذشتہ باب سے منطبق کرنے میں دشواری پیش آئے تو ان کو اس باب سے متعلق کریں۔

[۱۶۳-] بَابُ انْتِظَارِ النَّاسِ قِيَامَ الإِمَامِ الْعَالِمِ

[۸۶۶-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي هِنْدُ بِنْتُ الْحَارِثِ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَخْبَرَتْهَا، أَنَّ النِّسَاءَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ قُمْنَ، وَثَبَتَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَمَنْ صَلَّى مِنَ الرِّجَالِ مَاشَاءَ اللهُ، فَإِذَا قَامَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَامَ الرِّجَالُ.

حدیث: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: عہد رسالت میں جب عورتیں فرضوں کا سلام پھیرتیں تو کھڑی ہو جاتیں اور رسول اللہ ﷺ اور جن لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی ہے جتنی دیر اللہ چاہتے اپنی جگہ ٹھہرے رہتے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے تو لوگ کھڑے ہوتے ـــــ یہ حدیث دونوں بابوں کے ساتھ جڑ سکتی ہے، اس لئے کہ اس حدیث سے علی الاطلاق عورتوں کا مسجد میں آنا ثابت ہوتا ہے، پس اس کے عموم میں عشاء اور فجر بھی آجائیں گی۔ اور گیلری والے باب سے انطباق واضح ہے۔

[۸۶۷-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، ح: وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَيُصَلِّي الصُّبْحَ، فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ. [راجع: ۳۷۲]

وضاحت: عمرۃ: حضرت عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ کی صاحبزادی ہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی صاحبزادی

نہیں ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خاص شاگردہ اور ذی علم خاتون تھیں، حضرت عائشہؓ سے روایت کرتی ہیں کہ عہد رسالت میں عورتیں فجر کی نماز میں شریک ہوتی تھیں، اور تاریکی میں نماز پوری ہو جاتی تھی اور تاریکی ہی میں عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی گھروں کو لوٹتی تھیں، اس وقت اتنی تاریکی ہوتی تھی کہ عورتیں پہچانی نہیں جاتی تھیں —— یہ حدیث بار بار گذر چکی ہے اور اوپر والے باب کے ساتھ متعلق ہے۔

[۸۶۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مِسْكِينٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنِّي لَأَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ، وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي، كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ"[راجع: ۷۰۷]

وضاحت: یہ حدیث بھی گذر چکی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: میں نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا نماز لمبی پڑھانے کا ارادہ ہوتا ہے مگر میں بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو میں نماز مختصر کر دیتا ہوں اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ بچہ کا رونا ماں پر شاق گذرے گا —— معلوم ہوا کہ عورتیں جماعت میں شریک ہوتی تھیں، اور حدیث کے عموم میں فجر اور عشاء بھی شامل ہیں۔

[۸۶۹-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَوْ أَدْرَكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ، كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ. فَقُلْتُ لِعَمْرَةَ: أَوَ مُنِعْنَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ.

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آج کل عورتوں نے جو نئے طریقے نکالے ہیں اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آتے تو آپؐ عورتوں کو مسجدوں سے روک دیتے، جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں مسجدوں سے روک دی گئیں، یحیٰ بن سعید کہتے ہیں: میں نے عمرہؒ سے پوچھا: کیا بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئیں؟ عمرہؒ نے کہا: ہاں۔

تشریح: عہد رسالت میں عورتیں پنج وقتہ نمازوں کے لئے مسجد آتی تھیں، اور عیدگاہ بھی جاتی تھیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ دین نیا نازل ہو رہا تھا، مرد وزن سب اس کو سیکھنے کے محتاج تھے، پھر جب یہ مقصد باقی نہ رہا، دین مکمل ہو گیا، اور لوگوں کے احوال بدل گئے، فیشن کا دور شروع ہوا، طبیعتیں شر پسند ہو گئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روکنا شروع کیا اور گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی، حضرت عمر، حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ صحابہ نے عورتوں کو سمجھایا اور مسجد میں آنے سے منع کیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے، مگر انھوں نے

حکماً نہیں روکا، صرف سمجھایا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب عہد رسالت میں عورتیں پانچوں نمازوں کے لئے مسجد نبوی میں آتی تھیں اور عیدگاہ بھی جاتی تھیں تو پھر صحابہ نے عورتوں کو اس سے کیوں منع کیا؟ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی سوال کا جواب دیا ہے کہ وہ احوال اور تھے اور بعد میں احوال بدل گئے، اور احوال بدلنے سے بعض احکام بدلتے ہیں، عورتوں نے خوش حالی کی وجہ سے جو نئے طریقے ایجاد کئے اگر وہ نبی ﷺ کے سامنے آتے تو آپ عورتوں کو ضرور روک دیتے، جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا اصل حکم یہی تھا کہ عورتیں مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آسکتی ہیں، چنانچہ وہ آتی تھیں لیکن جب عورتوں کے احوال بدلے تو بعد کے انبیاء نے عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیا، مگر آج بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی عورتیں اپنے معابد میں آتی ہیں وہ سب آزاد خیال ہیں —— مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: تحفۃ القاری (۲: ۱۲۳-۱۲۵)

بَابُ صَلَاةِ النِّسَاءِ خَلْفَ الرِّجَالِ

عورتیں مردوں کے پیچھے نماز پڑھیں

عورتوں کا مقام مردوں، بچوں اور خنثیٰ کی صفوں کے بعد بالکل آخر میں ہے، پہلے بھی یہ باب گذرا ہے، وہاں مقصد یہ تھا کہ اگر ایک ہی عورت ہوتو وہ بھی امام کے پیچھے تنہا کھڑی ہو، اگرچہ صف میں تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے، لیکن یہاں ضرورت ہے، عورت مردوں کے ساتھ صف میں کھڑی نہیں ہوسکتی، بچہ کھڑا ہوسکتا ہے، چنانچہ اگر بچہ ایک ہوتو وہ مردوں کی صف کے کنارے کھڑا ہوگا، مگر عورت صف میں مردوں کے ساتھ کھڑی نہیں ہوسکتی، اس لئے اگر عورت ایک ہی ہے تو بھی پیچھے تنہا کھڑی ہوگی۔

اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ عورت کا مقام سب سے آخر میں ہے، صاحب ہدایہ نے اس سلسلہ میں ایک حدیث بیان کی ہے: أَخِّرُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللهُ: عورتوں کو پیچھے کرو جس طرح اللہ نے ان کو پیچھے کیا ہے۔ یہ حدیث کسی کتاب میں نہیں ملی، اور میں نے پہلے بتایا ہے کہ کتب تفاسیر، کتب فقہ یا بزرگوں کے ملفوظات میں جو حدیثیں ہیں: جب تک وہ حدیث کی کسی کتاب میں قابل استدلال سند کے ساتھ نہ ملیں: ان کا اعتبار نہیں۔ ہدایہ کی حدیث کسی کتاب میں نہیں ملی، مگر مسئلہ یہی ہے کہ عورتوں کا مقام جماعت میں سب سے پیچھے ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے: وہ فرماتی ہیں: نبی ﷺ سلام پھیرنے کے بعد تھوڑی دیر اپنی جگہ رکے رہتے تھے، اور لوگ بھی بیٹھے رہتے تھے، جب عورتیں مسجد سے نکل جاتیں تب آنحضور ﷺ اٹھتے، معلوم ہوا کہ عورتوں کی صفیں مردوں کے پیچھے ہوتی تھیں۔

اور دوسرا استدلال حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، ان کی نانی ملیکہ رضی اللہ عنہا نے آنحضور ﷺ کی دعوت کی، آپؐ نے کھانا تناول فرما کر دو رکعتیں با جماعت پڑھائیں، حضرت انسؓ اور ایک یتیم نے پیچھے صف بنائی، اور ملیکہؓ ان کے پیچھے کھڑی ہوئیں، معلوم ہوا کہ عورتوں کی صف بچوں کے بعد ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی روایتیں ہیں جن میں یہ مسئلہ صراحۃً آیا ہے، یہ روایتیں ابوداؤد اور مسند احمد میں ہیں (احکام نماز ص: ۱۰۴ مولانا عبید اللہ الاسعدی)

[۱۶۴-] بابُ صَلاَةِ النِّسَاءِ خَلْفَ الرِّجَالِ

[۸۷۰-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ قَزَعَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِينَ يَقْضِيْ تَسْلِيْمَهُ، وَيَمْكُثُ هُوَ فِيْ مَقَامِهِ يَسِيْرًا قَبْلَ أَنْ يَقُوْمَ، قَالَ: نَرَى- وَاللّٰهُ أَعْلَمُ - أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ لِكَيْ يَنْصَرِفَ النِّسَاءُ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُنَّ مِنَ الرِّجَالِ"

[۸۷۱-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ إِسْحَاقَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ بَيْتِ أُمِّ سُلَيْمٍ، فَقُمْتُ وَيَتِيْمٌ خَلْفَهُ، وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا. [راجع: ۳۸۰]

وضاحت: یہ روایتیں متعدد بار گذر چکی ہیں۔ اور وہ خاتون جس نے آنحضور ﷺ کی دعوت کی تھی اور تنہا صف میں کھڑی ہو کر نماز پڑھی تھی، وہ خاتون کون تھیں؟ یہاں یہ ہے کہ حضرت انسؓ کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا تھیں اور پہلے (حدیث ۳۸۰) گذرا ہے کہ ان کی نانی ملیکہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ یہ واقعہ کے متعلقات میں اختلاف ہے اس کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے، اور راجح یہ ہے کہ وہ ملیکہ رضی اللہ عنہا تھیں، واللہ اعلم۔

بابُ سُرْعَةِ انْصِرَافِ النِّسَاءِ مِنَ الصُّبْحِ، وَقِلَّةِ مَقَامِهِنَّ فِي الْمَسْجِدِ

عورتیں فجر کی نماز پڑھ کر جلدی نکل جائیں، مسجد میں دیر تک نہ رکیں

عورتیں نماز کے بعد مسجد میں نہ رکیں، نماز سے فارغ ہو کر چل دیں، کیونکہ عورتوں کا مسجد میں آنا ایک ضرورت سے تھا، اور فقہی ضابطہ ہے کہ جو کام کسی ضرورت سے کیا جائے وہ بقدر ضرورت ہی جائز ہوتا ہے، لہٰذا نماز کے بعد عورتوں کو فوراً واپس لوٹ جانا چاہئے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عورتیں فجر میں جتنی زیادہ رکیں گی اتنی روشنی بڑھتی جائے گی اس لئے بہتر یہ ہے کہ نماز کے بعد جلدی نکل جائیں، اور عشاء میں جتنی تاخیر کریں گی تاریکی بڑھے گی، اور وہ تاریکی پردہ کا کام کرے گی، اس لئے عشاء کا تذکرہ نہیں کیا، فجر کی تخصیص کے ساتھ باب قائم کیا، ورنہ حکم پانچوں نمازوں کے لئے عام ہے۔

[۱٦٥-] بَابُ سُرْعَةِ انْصِرَافِ النِّسَاءِ مِنَ الصُّبْحِ، وَقِلَّةِ مَقَامِهِنَّ فِي الْمَسْجِدِ

[۸۷۲-] حدثنا يَحْيَى بْنُ مُوْسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّي الصُّبْحَ بِغَلَسٍ، فَيَنْصَرِفْنَ نِسَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ، لَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ، أَوْ: لَا يَعْرِفُ بَعْضُهُنَّ بَعْضًا. [راجع: ۳۷۲]

ملحوظہ: اس حدیث کی شرح مواقیت الصلوۃ باب ۲۷ (تحفۃ القاری ۲: ۳۳٦) میں پڑھیں۔

بَابُ اسْتِئْذَانِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا بِالْخُرُوْجِ إِلَى الْمَسْجِدِ

مسجد میں جانے کے لئے عورت شوہر سے اجازت لے

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ مسجد جانے کے لئے عورت شوہر کی اجازت کی محتاج ہے، خواہ نماز پڑھنے کے لئے جائے یا وعظ سننے کے لئے۔ البتہ شوہر کو شریعت نے اجازت دینے کا پابند کیا ہے اور حدیث میں مسجد کی قید نہیں ہے، مگر اسماعیلی کی کتاب میں مسجد کا ذکر ہے —— اور عورتوں کو مسجد جانا چاہئے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں تفصیل کتاب الحیض (تحفۃ القاری ۲: ۱۲۳) میں گذر چکی ہے۔

[۱٦٦-] بَابُ اسْتِئْذَانِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا بِالْخُرُوْجِ إِلَى الْمَسْجِدِ

[۸۷۳-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "إِذَا اسْتَأْذَنَتِ امْرَأَةُ أَحَدِكُمْ فَلَا يَمْنَعْهَا" [راجع: ۸٦٥]

وضاحت: یہ حدیث چند ابواب پہلے گذری ہے، جب ابن عمرؓ نے یہ حدیث سنائی کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد جانے کی اجازت مانگے تو وہ اس کو نہ روکے" تو آپؓ کے ایک صاحبزادے نے معارضہ کیا اور کہا: واللہ لَنَأْذَنُ ابن عمرؓ اس سے اتنے ناراض ہوئے کہ اس لڑکے سے بولنا چھوڑ دیا۔

ملحوظہ: کتاب الاذان سے یہاں تک مسلسل ابواب کا نمبر چل رہا ہے، حالانکہ کتاب الاذان کے بعد صفة الصلاة کے ابواب ہیں، ان کے نمبر علاحدہ ہونے چاہئیں، مگر ہم نے ابواب کے نمبر نہیں بدلے، تاکہ حوالہ ملانے میں دشواری نہ ہو۔

﴿الحمد للہ! کتاب الصلوۃ (ابواب صفة الصلوۃ) کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كِتَابُ الْجُمُعَةِ

بَابُ فَرْضِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کی نماز فرض ہے

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالىٰ: ﴿إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوْا الْبَيْعَ﴾

آیت: ارشاد پاک ہے: (اے ایمان والو) جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کے لئے پکارا جائے یعنی جمعہ کی پہلی اذان ہو تو تم اللہ کی یاد کی طرف چل دو، اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، اگر تم کو کچھ سمجھ ہو۔

یہاں دو باتیں سمجھ لیں:

پہلی بات: نماز جمعہ بالاجماع فرض ہے اور آیت کریمہ سے چار طرح سے فرضیت ثابت ہوتی ہے:

۱- جمعہ کے لئے اذان کی مشروعیت: اذان صرف فرائض کے لئے مشروع کی گئی ہے، واجبات وغیرہ کے لئے اذان مشروع نہیں کی گئی، پس جمعہ کے لئے اذان کی مشروعیت دلیل ہے کہ جمعہ فرض ہے۔

۲- اذان ہونے پر جمعہ کے لئے چل دینا واجب ہے، یہاں سَعْیٌ کے معنی ہیں: چل دینا[1]، طلبہ سَعْیٌ کے معنی دوڑنے کے کرتے ہیں جو صحیح نہیں، سعی کے معنی اگرچہ دوڑنے کے بھی آتے ہیں، حدیث ہے: إذا أقيمت الصلاة فلا تأتوها وانتم تَسْعَوْنَ: اس حدیث میں سعی کے معنی دوڑنے کے ہیں، مگر آیت میں دوڑنے کے معنی نہیں، بلکہ جمعہ کے لئے چل دینا مراد ہے، کیونکہ جب پنج وقتہ نمازوں کے لئے دوڑ کر آنے کی ممانعت ہے تو جمعہ کے لئے بدرجہ اولیٰ ممانعت ہوگی، جمعہ میں سارا شہر جامع مسجد میں آتا ہے، اب اگر شہر کے سارے لوگ دوڑ کر آئیں گے تو تماشہ ہو جائے گا۔ پس آیت میں سعی کے معنی جمعہ کے لئے چل دینے کے ہیں، اذان ہوتے ہی جمعہ کے لئے چل دینے کا وجوبی حکم جمعہ کی فرضیت کی دلیل ہے۔

۳- جمعہ کی اذان پر کاروبار بند کر دینے کا وجوبی حکم بھی جمعہ کی فرضیت کی دلیل ہے۔

(۱) قرآن کریم میں ہے: ﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعىٰ﴾ اى عَمِلَ: اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی یعنی کسی دوسرے کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا (النجم ۳۹) اس آیت میں سعی بمعنی عمل ہے، دوڑ کر عمل کرنا مراد نہیں ۱۲

۴-خیر کا شہود جمعہ میں منحصر ہونا ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ یہ حصر اضافی ہے یعنی کاروبار یا گھر میں بیٹھے رہنے سے جمعہ میں حاضر ہونا بہتر ہے ـــــ غرض اس آیت کریمہ سے مذکورہ چار طرح سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، اور حدیث میں تو صاف لفظ فُرِضَ ہے، جس سے استدلال واضح ہے۔

دوسری بات: جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے، یہ دن امم سابقہ پر بھی پیش کیا گیا تھا مگر انہیں جمعہ کا انتخاب کرنے کی توفیق نہیں ملی، یہ فخر نبی ﷺ کی برکت سے اسی امت کو حاصل ہوا ہے۔

اس کی تفصیل: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کو ہفتہ میں ایک دن اجتماعی عبادت کے لئے مقرر کرنے کا حکم دیا تھا اور دن کی تعیین انہی کے حوالے کی گئی تھی، چنانچہ یہود نے اپنے اجتہاد سے بار کا انتخاب کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اشارہ دیا کہ بار نہیں کوئی اور دن منتخب کرو کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو جمعہ کا دن پسند ہے، مگر یہود کا خیال تھا کہ جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ تخلیقِ کائنات سے فارغ ہوئے ہیں اور بار کا دن بے بار رہا ہے اس لئے اس دن کاروبار بند رکھنا چاہئے، اور اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا چاہئے، چنانچہ بار ہی کا دن ان کے لئے طے کردیا گیا، سورۃ النحل (آیت ۱۲۴) میں ہے: ﴿إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ﴾: بار کا دن صرف ان لوگوں پر لازم کیا گیا جنھوں نے اس میں اختلاف کیا، یعنی اپنے پیغمبر کے اشارے کی خلاف ورزی کی۔

اور عیسائیوں نے اتوار کے دن کا انتخاب کیا، ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اتوار کے دن تخلیق کا عمل شروع ہوا ہے اس لئے شکر وامتنان کی بجا آوری کے لئے وہی دن موزون ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ان کو اشارہ کیا کہ آگے بڑھو مگر انھوں نے پیچھے رہنا پسند کیا اس لئے ان کو پیچھے کردیا گیا، چنانچہ عمل کے اعتبار سے اتوار ہی ان کے حق میں برحق قرار پایا۔

پھر جب اس امت کا دور آیا تو اس نے خود ہی جمعہ کا انتخاب کیا، اور نبی ﷺ نے اس کی تائید فرمائی، پس یہی دن اس امت کے حق میں برحق قرار پایا جو نفس الامر میں بھی اللہ کو پسند تھا، اور یہ سب توفیق خداوندی سے ہوا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت اسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ صحابی ہیں، مدینہ میں اسلام کی اشاعت میں ان کی مساعی کا بڑا حصہ ہے، ان کی وفات ہجرت کے بعد جلد ہوگئی ہے، اس لئے تاریخ اسلام میں وہ مشہور نہیں ہیں۔ انھوں نے ایک مرتبہ مسلمانوں کو مدینہ سے باہر ایک باغ میں جمع کیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے؟ اور وہ کس حال میں ہیں؟ جب سب حضرات جمع ہوئے تو مسلمانوں کی تعداد توقع سے زیادہ نکلی، سب ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوئے، حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے ایک بکرا ذبح کرکے سب کی دعوت کی، اتفاق سے یہ جمعہ کا دن تھا، کھانا کھا کر سب نے جماعت سے دوگانہ شکر ادا کیا اور مشورہ ہوا کہ آئندہ بھی ہفتہ میں ایک بار جمع ہونا چاہئے، اور اللہ کا شکر بجالانا چاہئے، اور دوگانہ ادا کرنا چاہئے، پھر یہ بات زیر غور آئی کہ کس دن جمع ہونا چاہئے؟ سب نے جمعہ کے دن کی رائے دی اور وجہ یہ بیان کی کہ ہم اہل کتاب سے پیچھے کیوں رہیں، دین کے کاموں میں ہمیں ان سے ایک دن آگے رہنا چاہئے، اس طرح جمعہ کے

دن کا انتخاب عمل میں آیا۔ ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب بھی جمعہ کی اذان سنتے تو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے خیر کرتے، ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے بتایا کہ حضرت اسعد رضی اللہ عنہ ہی نے سب سے پہلے مسلمانوں کو جمع کر کے فلاں مقام میں جمعہ قائم کیا ہے جبکہ مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد چالیس تھی (ابوداؤد حدیث ۱۰۶۹ باب الجمعۃ فی القری)

یہاں مدینہ منورہ میں حضرت اسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ نے پہلا جمعہ پڑھایا، اُدھر مکہ مکرمہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں سفید آئینے جیسی کوئی چیز تھی اس میں ایک سیاہ نقطہ تھا، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا: یہ جمعہ ہے، آپؐ نے پوچھا: جمعہ کیا ہے؟ فرمایا: تمہارے لئے اس میں خیر ہے، آپؐ نے پوچھا: اس میں کیا خیر ہے؟ فرمایا: وہ آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے روزِ عید ہے اور یہود و نصاریٰ تمہارے پیچھے ہیں یعنی ان کی عبادت کے دن بعد میں ہیں، آپؐ نے پوچھا: اس دن میں کیا خصوصیت ہے؟ فرمایا: اس میں ایک ساعتِ مرجوّہ ہے (اس کی تفصیل آئندہ (باب ۳۷) میں آرہی ہے) آپؐ نے پوچھا: اس میں یہ سیاہ نقطہ کیا ہے؟ فرمایا: یہی وہ ساعت مرجوّہ ہے جو جمعہ کے دن میں ہے اور یہ سید الایام ہے، قیامت کے دن ہم اس کو یوم المزید کہیں گے، پھر مشک کے ٹیلوں والی جنت میں جمعہ کے دن دربارِ خداوندی کا تذکرہ کیا، اور حضرت جبرئیل نے یہ بھی بیان فرمایا کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ جنتیوں کو کس طرح مزید نعمتوں سے نوازیں گے، یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ (۲: ۱۵۰ فصل الجمعۃ) میں ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کے کچھ ہی روز بعد رسول اللہ ﷺ کا ایک والا نامہ جمعہ قائم کرنے کے بارے میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نام پہنچا کہ نصف النہار کے بعد سب مل کر بارگاہِ خداوندی میں دوگانہ ادا کیا کرو۔ اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے —— غرض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے محض اپنے اجتہاد سے جمعہ قائم کیا، اور جمعہ کے دن کا انتخاب ایک ایسی فضیلت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خاص کیا ہے، کسی بھی دوسری امت کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔ فَلِلّٰہِ الحمد و الشکر!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۱- کِتَابُ الْجُمُعَةِ

[۱-] بابُ فَرْضِ الْجُمُعَةِ

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالیٰ: ﴿إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلاَةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوْا الْبَيْعَ، ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [الجمعة: ۹] فَاسْعَوْا: فَامْضُوْا.

[۸۷۶-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ الزِّنَادِ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ هُرْمُزَ

الأَعْرَجَ مَوْلَى رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: "نَحْنُ الآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا، ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِيْ فُرِضَ عَلَيْهِمْ، فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ، فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهُ، فَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ، الْيَهُوْدُ غَدًا وَالنَّصَارَى بَعْدَ غَدٍ" [راجع: ۲۳۸]

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم (دنیا میں وجود کے اعتبار سے) آخری امت اور قیامت کے دن (حساب وکتاب اور دخولِ جنت کے اعتبار سے) پہلی امت ہیں۔ بایں ہمہ کہ وہ لوگ ہم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں، یعنی یہ ایک فضیلت ان کو ضرور حاصل ہے، مگر یہ کوئی بڑی فضیلت نہیں، جیسے سارے انبیاء پہلے گذرے ہیں اور سید الانبیاء بعد میں آئے ہیں مگر سب سے افضل آپ ہی ہیں اور دیگر انبیاء کا تقدم زمانی ایک فضیلت ضرور ہے مگر وہ کوئی بڑی فضیلت نہیں۔ پھر یہ جمعہ ان کا وہ دن ہے جو ان پر مقرر کیا گیا تھا مگر انھوں نے اس میں (انبیاء سے) اختلاف کیا یعنی ان کی بات نہیں مانی، پس ہمیں اللہ نے اس دن کا راستہ دکھایا، پس لوگ عبادت کے دن میں ہمارے پیچھے ہیں، یہود آئندہ کل ہیں اور نصاریٰ آئندہ پرسوں۔

تشریحات:

۱- فَاسْعَوْا کی تفسیر فَامْضُوْا سے کر کے امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا کہ یہاں سعی کے معنی دوڑنے کے نہیں ہیں، بلکہ چلنے کے ہیں، یعنی اذانِ جمعہ سن کر جمعہ کے لئے چل دو۔

۲- **قوله: نحن الآخرون السابقون يومَ القيامة:** یعنی ہم دنیا میں وجود کے اعتبار سے یہود ونصاریٰ کے بعد ہیں، لیکن قیامت کے دن حساب وکتاب اور دخولِ جنت کے اعتبار سے ان سے آگے ہونگے، کیونکہ ہم دنیا میں عبادت کے اعتبار سے ان سے آگے ہیں، پس قیامت کے دن جنت میں ہم پہلے جائیں گے۔

۳- بَيْدَ: حرفِ استثناء ہے اور کہتے ہیں کہ غیر کے ہم معنی اور ہم وزن ہے، مگر یہ سرسری بات ہے، وزن تو ایک ہے مگر معنی میں فرق ہے، غیر محض استثناء کے لئے ہے یعنی اس کے ذریعہ مذکور میں سے کوئی چیز نکالی جاتی ہے، جیسے جاء نی القومُ غیر زید یعنی زید کے علاوہ ساری قوم آئی، اور بَيْدَ کے ذریعہ جو چیز نکالی جاتی ہے وہ بالکلیہ نہیں نکالی جاتی، بلکہ اس میں گونہ فضیلت باقی رہتی ہے[1] یعنی یہود ونصاریٰ صرف ایک بات میں بڑھے ہوئے ہیں اور وہ بات یہ ہے کہ ان کو ہم سے

(۱) مشہور حدیث ہے: أنا أفصحُ العرب بَيْدَ أنّي من قريش: میں عربوں میں سب سے بڑا فصیح ہوں، بایں ہمہ کہ میں قریشی ہوں قریش: متمدن قبیلہ تھا، اس لئے ان کی زبان فصیح نہیں رہی تھی، متمدن اقوام کا دوسری اقوام کے ساتھ ملنا جلنا ہوتا ہے، اس لئے ان کی زبان خالص نہیں رہتی، صحراء نشیں قبائل کی زبان ہی فصیح ہوتی ہے، اور آپ نے بنوسعد میں پرورش پائی تھی، جو صحراء نشیں قبیلہ تھا اور عرب کا فصیح ترین قبیلہ تھا، اس لئے آپ عربوں میں فصیح ترین تھے، مگر قریش کو دیگر قبائل پر گونہ فضیلت حاصل تھی، اس لئے آپ نے قریش کا استثناء فرمایا اور ان کے لئے ایک مزیت ثابت کی، اسی فضیلت کی وجہ سے آپ قریشی ہیں، مگر زبان آپ کی نہیں بگڑی، کیونکہ آپ بنوسعد میں پلے بڑھے ہیں، بہر حال بَيْدَ سے ایسی چیز کا استثناء کیا جاتا ہے جو فی الجملہ حامل فضیلت ہو، پس بالکلیہ استثناء نہیں ہوتا ۱۲

پہلے کتاب دی گئی، مگر یہ کوئی خاص فضیلت نہیں، بڑی فضیلت دخولِ جنت ہے، اور اس میں ہم آگے ہونگے۔

۴—قولہ: ثم ھذا: پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ہمارے دو امتیاز ہیں:

ایک: یہ کہ اس امت نے اپنے نبی کی مخالفت نہیں کی، یہود و نصاری نے اپنے اپنے انبیاء کی مخالفت کی، ہماری اللہ نے جمعہ کی طرف راہ نمائی کی: کا یہی مطلب ہے۔

دوم: ہم اگرچہ وجود کے اعتبار سے بعد میں ہیں مگر حقیقت میں پہلے ہیں اس لئے کہ ہماری عبادت کا دن جمعہ کا دن ہے، اور یہود و نصاری کے عبادت کے دن ہمارے ایک دو دن بعد ہیں۔

۵—قولہ: فُرِضَ عَلَيْهِمْ: ان پر مقرر کیا گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ یہود و نصاری بھی جمعہ کا دن منتخب کریں مگر معاملہ چونکہ ان کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا اس لئے جو بھی دن انھوں نے مقرر کیا وہی دن ان کے حق میں برحق قرار پایا، یہ بات شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمائی ہے، ہفتہ میں اجتماعی عبادت کے لئے کسی دن کی تعیین کا مسئلہ اجتہادی تھا، اور اجتہاد امتوں کو کرنا تھا، انبیاء کو صرف تائید کرنی تھی، اور اجتہادی امور میں نفس الامر کے اعتبار سے حق ایک ہوتا ہے مگر عمل کے اعتبار سے حق متعدد ہوتے ہیں، جیسے ائمہ اربعہ کے اختلافی مسائل: نفس الامر کے اعتبار سے حق ایک ہے اور جو بھی مجتہد اس کو پالیتا ہے اس کو دوہرا اجر ملتا ہے مگر عمل کے اعتبار سے ہر رائے برحق ہے، چنانچہ جو صواب چوک جاتا ہے وہ بھی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

اس کی نظیر: بدر کے قیدیوں کا مسئلہ ہے، جو صحابہ کے سپرد کیا گیا تھا، چند حضرات کی رائے تھی کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، اور چند کی رائے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی تھی، چنانچہ نبی ﷺ نے اسی رائے کو اختیار فرمایا، اس کے بعد آیت نازل ہوئی: ﴿لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ مگر قرآن نے اس فدیہ کو حلال رکھا کیونکہ معاملہ صحابہ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسی طرح یہود و نصاری نے جن دنوں کا انتخاب کیا وہی ان کے حق میں برحق قرار پائے (رحمۃ اللہ ۳: ۵۷۲)

بَابُ فَضْلِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَهَلْ عَلَى الصَّبِيِّ شُهُوْدُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَوْ عَلَى النِّسَاءِ؟

جمعہ کے دن غسل کی اہمیت، اور کیا بچوں اور عورتوں پر جمعہ کی نماز کے لئے آنا ضروری ہے؟

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: جمعہ کے دن غسل کی اہمیت، ائمہ اربعہ کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، اور اصحاب ظواہر (غیر مقلدین) ہر بالغ پر خواہ مرد ہو یا عورت، پاک ہو یا حائضہ، نفساء، دیہاتی ہو یا شہری، مقیم ہو یا مسافر: غسل جمعہ فرض کہتے ہیں، مگر صحت جمعہ کے لئے شرط نہیں کہتے، پس غسل کئے بغیر اگر کوئی جمعہ پڑھے گا

تو جمعہ صحیح ہوگا البتہ جمعہ کے دن غسل نہیں کرے گا تو ترک فرض کا گناہ ہوگا۔

قائلینِ وجوب جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس پر ترجمہ میں لفظ فضل رکھ کر حضرت رحمہ اللہ نے اشارہ کیا کہ یہ حدیث وجوب اور فرضیت کے بیان کے لئے نہیں ہے بلکہ غسل کی اہمیت بیان کرنے کے لئے ہے، اسی لئے جمہور بشمول امام بخاریؒ جمعہ کے دن غسل کی سنیت کے قائل ہیں، صرف غیر مقلدین اس کو واجب (بمعنی فرض) کہتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: کیا عورتوں اور بچوں پر جمعہ کی نماز فرض ہے؟ جواب: جمعہ صرف مردوں پر فرض ہے اور مردوں میں سے بھی بعض مستثنیٰ ہیں، جیسے بیمار اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں، اسی طرح عورتوں پر بھی فرض نہیں اور بچوں پر تو فرض ہونے کا سوال ہی نہیں، لیکن اگر عورتیں نماز جمعہ میں شریک ہو جائیں تو وقت کا فرض ادا ہو جائے گا جیسے بیمار اور مسافر نماز جمعہ میں آجائیں تو وقت کا فرض ادا ہو جائے گا۔

[۲-] بابُ فَضْلِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَهَلْ عَلَى الصَّبِيِّ شُهُوْدُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَوْ عَلَى النِّسَاءِ؟

[۸۷۷-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ " [انظر: ۸۹۴، ۹۱۹]

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص جمعہ کے لئے آئے چاہئے کہ وہ نہا کر آئے۔

تشریح: فَلْيَغْتَسِلْ: امر غائب ہے، اصحاب ظواہر نے اس کو وجوب کے لئے لیا ہے، اور غسل جمعہ کو واجب قرار دیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی طرف بھی وجوب کا قول منسوب کیا گیا ہے۔ اور جمہور کے نزدیک یہ امر استحباب کے لئے ہے، کیونکہ امر غائب ڈھیلا ڈھالا امر ہوتا ہے، پھر دیگر دلائل بھی ہیں جو غسل کے عدم وجوب پر دلالت کرتے ہیں، اس لئے جمعاً بین الادلہ اس امر کو استحباب پر محمول کیا جائے گا۔

[۸۷۸-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضى الله عنه بَيْنَمَا هُوَ قَائِمٌ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، إِذْ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ الْأَوَّلِيْنَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَنَادَاهُ عُمَرُ: أَيَّةُ سَاعَةٍ هٰذِهِ؟ قَالَ: إِنِّي شُغِلْتُ، فَلَمْ أَنْقَلِبْ إِلَى أَهْلِي حَتَّى سَمِعْتُ التَّأْذِيْنَ، فَلَمْ أَزِدْ [عَلَى] أَنْ تَوَضَّأْتُ، فَقَالَ: وَالْوُضُوْءُ أَيْضًا! وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَأْمُرُ بِالْغُسْلِ. [انظر: ۸۸۲]

حدیث: اس درمیان کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے: اچانک نبی ﷺ کے اصحاب میں سے شروع میں ہجرت کرنے والوں میں سے ایک صاحب آئے (یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے) حضرت عمرؓ نے (خطبہ ہی

میں) فرمایا: یہ آنے کا کیا وقت ہے؟ (أیّۃ کلمہ استفہام ہے ۃ مدورہ کے بغیر بھی مذکر ومؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، قرآن میں ہے: ﴿بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ أرض مؤنث سماعی ہے، اور أیّ مذکر استعمال ہوا ہے) ان آنے والے صاحب نے عرض کیا: میں مشغول تھا، پس نہیں لوٹا میں گھر والوں کی طرف یہاں تک کہ میں نے اذان سنی اور میں نے وضو پر زیادتی نہیں کی، یعنی میں بازار میں تھا، وقت کا خیال نہیں رہا، یہاں تک کہ اذان ہوگئی، اذان سننے کے بعد گھر لوٹ کر بس وضو کیا اتنی دیر ہوئی ہے، اس سے زیادہ میں نہیں رکا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اور وضو بھی! یعنی صرف وضو کر کے آئے ہو، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ نبی ﷺ غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔

تشریح: جن لوگوں کے نزدیک غسل واجب نہیں ان کی ایک دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہے، اگر غسل واجب ہوتا تو اولاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غسل کئے بغیر نہ آتے، ثانیاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو بیٹھنے نہ دیتے، واپس کرتے کہ جاؤ غسل کر کے آؤ، اور اگر حضرت عمرؓ حکم نہ دیتے تو مسجد صحابہ سے بھری ہوئی تھی کوئی نہ کوئی نکیر کرتا کہ آپ کا صرف وضو کر کے آنا صحیح نہیں، آپ جائیں اور غسل کر کے آئیں، پس اجماع سکوتی ہوا کہ جمعہ کے دن غسل واجب نہیں اور فلیغتسل کا امر استحباب پر محمول ہے۔

فائدہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روزانہ صبح غسل کرتے تھے، یہ بات آپ کے مولیٰ حمران نے بیان کی ہے اور وہ روایت مسلم میں ہے (بحوالہ معارف السنن ۴: ۳۲۵) پس حضرت عثمانؓ تو غسل کئے بغیر نہیں آئے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان کو واپس نہ بھیجنا اور کسی صحابی کا نکیر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ غسل جمعہ فرض نہیں، کیونکہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کی اس عادت سے واقف نہیں تھے، ان کا فرمانا کہ صرف وضو کر کے آئے ہو، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم دیا کرتے تھے، یہ ارشاد دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ ان کی روزانہ غسل کرنے کی عادت سے واقف نہیں تھے، ورنہ ان کے صبح میں کئے ہوئے غسل کو کافی گردانتے، کیونکہ قائلین وجوب کے نزدیک بھی غسل کی طہارت سے جمعہ پڑھنا ضروری نہیں۔

[۸۷۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ" [راجع: ۸۵۸]

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ کے لئے ضروری ہے"

تشریح:

۱- اس حدیث سے باب کے دوسرے جز پر استدلال کیا ہے کہ عورتوں اور بچوں پر جمعہ میں آنا ضروری نہیں، کیونکہ لفظ محتلم کے معنی ہیں: بالغ مرد، پس بچے اور عورتیں نکل گئیں۔

۲- اس حدیث میں لفظ واجب آیا ہے جس سے اصحابِ ظواہر کے فہم کی تائید ہوتی ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ واجب کے دو معنی ہیں: واجب شرعی اور واجب فی المروۃ۔ یہاں واجب فی المروۃ مراد ہے یعنی بڑے مجمع کا تقاضہ ہے کہ وہاں نہا دھو کر اور نظافت وصفائی کے ساتھ جانا چاہئے، شرعی وجوب مراد نہیں۔

اور صحیح بات وہ ہے جو حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی ہے کہ یہ حکم مخصوص حالات کے لئے تھا، جبکہ مسجدِ نبوی چھپر تھی، چھت نیچی تھی، لوگ اون کے کپڑے پہنتے تھے، بذاتِ خود کھیتوں میں کام کرتے تھے، ملک گرم تھا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ لوگ کھیتوں سے جمعہ کے وقت سیدھے مسجد میں آئے وہ پسینہ میں شرابور تھے، جس سے تعفن پیدا ہوا، جب آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو آپؐ نے بدبو محسوس کی، پس حکم دیا کہ کھیتوں سے سیدھے مسجد نہ آیا کرو، پہلے گھر جاؤ، غسل کرو، کپڑے بدلو پھر مسجد میں آؤ، پھر جب حالات بدل گئے، مسجدِ نبوی کشادہ ہوگئی، کھیتوں میں کام کرنے کے لئے غلام مل گئے، کپڑے بھی اون کے نہ رہے تو حکم بدل گیا، اب غسل کی وہ سخت تاکید نہ رہی، اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ مخصوص حالات میں غسل واجب تھا، پھر جب حالات بدلے تو وجوب باقی نہ رہا، اب اگر حالات پلٹیں تو وجوب لوٹ آئے گا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آئندہ بخاری میں آرہی ہے اور ابن عباسؓ کی حدیث طحاوی میں ہے)

فوائد:

۱- امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک غسل نمازِ جمعہ کے لئے سنت ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ کے دن کے لئے سنت ہے اور ثمرۂ اختلاف یہ ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں، مثلاً دیہاتی اور عورتیں ان کے لئے بھی جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک صرف ان لوگوں کے لئے سنت ہے جن پر جمعہ فرض ہے یا وہ جمعہ میں حاضر ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص جمعہ پڑھ کر غسل کرے تو بالاجماع سنت ادا نہیں ہوگی، یہاں ثمرۂ اختلاف ظاہر نہیں ہوگا۔

۲- امام مالکؒ کے نزدیک غسل کی طہارت سے جمعہ پڑھنے ہی سے سنت ادا ہوگی اگر غسل کے بعد وضو ٹوٹ گیا، اور نیا وضو کر کے جمعہ پڑھا تو سنت ادا نہیں ہوگی، باقی ائمہ کے نزدیک غسل کی طہارت سے جمعہ پڑھنا ضروری نہیں، طحاوی (۱:۹۱) میں عبد الرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل مروی ہے کہ وہ جمعہ سے پہلے غسل کرتے تھے پھر اگر وضو ٹوٹ جاتا تو وضو کر کے جمعہ پڑھتے نیا غسل نہیں کرتے تھے۔ یہ جمہور کی دلیل ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کی کوئی خاص دلیل میرے علم میں نہیں ہے۔

بابُ الطِّيبِ لِلْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن خوشبو لگانا

بڑے مجمع میں حاضر ہونے سے پہلے نظافت کا خیال کرنا پسندیدہ امر ہے، جمعہ میں بھی بڑا مجمع ہوتا ہے اس لئے

نہادھوکر، بدن کا میل کچیل صاف کرکے، مسواک کرکے، صاف ستھرے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر نماز پڑھنے کے لئے جانا چاہئے، جب سب لوگ نہادھوکر اور خوشبو لگا کر آئیں گے تو مسجد معطر ہوجائے گی، اور ذکر واذکار اور نماز میں خوب طبیعت لگے گی، اور کام کاج کے کپڑوں میں اور پسینہ میں شرابور آئیں گے تو فضا بدبودار ہوجائے گی، اور وہاں وقت گذارنا دوبھر ہوجائے گا، ابھی بتایا تھا کہ دورِ اول میں جب مسجدِ نبوی چھپرتھی، چھت نیچی تھی، کھیتوں میں لوگ بذاتِ خود کام کرتے تھے اور اون کے کپڑے پہنتے تھے: ایک دن کھیتوں میں سے لوگ سیدھے مسجد میں آئے وہ پسینہ میں شرابور تھے، جس سے تعفن پیدا ہوا اور نبی ﷺ نے مسجد میں بدبو محسوس کی تو آئندہ غسل کرکے آنے کا حکم دیا، یہ حکم اگرچہ مخصوص احوال میں تھا مگر اس کا استحباب اب بھی باقی ہے اس لئے جمعہ کے ہر شخص کو نہادھوکر، صاف ستھرے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر آنا چاہئے۔

[۳-] بابُ الطِّيبِ لِلْجُمُعَةِ

[۸۸۰-] حدثنا عليٌّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ سُلَيْمٍ الأَنْصَارِيُّ، قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيْدٍ، قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ، وَأَنْ يَسْتَنَّ، وَأَنْ يَمَسَّ طِيْبًا إِنْ وَجَدَ"

قَالَ عَمْرٌو: أَمَّا الْغُسْلُ فَأَشْهَدُ أَنَّهُ وَاجِبٌ، وَأَمَّا الاِسْتِنَانُ وَالطِّيْبُ فَاللّٰهُ أَعْلَمُ: أَوَاجِبٌ هُوَ أَمْ لاَ؟ وَلٰكِنْ هٰكَذَا فِي الْحَدِيْثِ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: هُوَ أَخُوْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، وَلَمْ يُسَمَّ أَبُوْ بَكْرٍ هٰذَا، رَوَى عَنْهُ بُكَيْرُ بْنُ الأَشَجِّ، وَسَعِيْدُ بْنُ أَبِي هِلاَلٍ، وَعِدَّةٌ، وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ يُكْنَى بِأَبِي بَكْرٍ وَأَبِي عَبْدِ اللّٰهِ. [راجع: ۸۵۸]

وضاحتیں:

۱- اشهد: گواہی دیتا ہوں میں۔ شہادت میں قسم کا مفہوم ہوتا ہے، عمرو کہتے ہیں: میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ پر گواہی دیتا ہوں یعنی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے یہ حدیث سنی ہے، اور حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ پر گواہی دیتا ہوں یعنی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے یہ ارشاد آپؐ سے سنا ہے، اس طرح مؤکد لفظ کبھی صحابی اقتضائے مقام سے استعمال کرتے تھے، پھر شاگرد نے بھی وہ لفظ استعمال کرلیا۔

۲- حدیث میں تین مسئلے ہیں: (۱) جمعہ کے دن غسل کرنا (۲) مسواک کرنا (۳) خوشبو لگانا، اگر خوشبو موجود ہو، دوسرے سے مانگنے کی ضرورت نہیں۔ عمرو کہتے ہیں: غسل کرنا تو بالیقین واجب ہے اور مسواک کرنا اور خوشبو لگانا واجب ہے یا نہیں؟ یہ مجھے معلوم نہیں! حدیث میں ایسا ہی ہے۔

محدثین کا کام حدیث روایت کرنا ہے اور اس میں سے احکام نکالنا مجتہدین کا کام ہے، اگر محدثین حکم لگائیں گے تو وہی

کریں گے جو عمرو کر رہے ہیں، مسواک کرنا اور خوشبو لگانا بالا جماع واجب نہیں، پس پہلا حکم بھی جو اس کا قرین ہے واجب نہیں، اور حدیث میں احسان ونیکوکاری کا واجب مراد ہے یعنی بڑے مجمع کا تقاضہ یہ ہے کہ وہاں نہا دھو کر نظافت وصفائی کے ساتھ جانا چاہئے، شرعی وجوب مراد نہیں۔

۳- شعبہ رحمہ اللہ کے استاذ ابوبکر بن المنکدر، محمد بن المنکدر کے بھائی ہیں، محمد بن المنکدر کی کنیت ابو عبداللہ بھی تھی اور ابوبکر بھی، پس کوئی یہ خیال کرسکتا تھا کہ یہ محمد بن المنکدر ہیں۔ یہاں بجائے نام کے کنیت آگئی، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ دھوکا نہیں ہونا چاہئے، یہ محمد بن المنکدر نہیں ہیں بلکہ ان کے بھائی ہیں ان کا نام ہی ابوبکر تھا، دوسرا کوئی نام نہیں تھا، ان سے بکیر بن الاشج اور سعید بن ابی ہلال وغیرہ متعدد ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں۔

بابُ فَضْلِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن کی اہمیت

حدیث باب سے یہ چند وجوہ جمعہ کی اہمیت نکلتی ہے: (۱) جمعہ کے دن اہتمام سے غسل کرنے کا حکم (۲) خوشبو لگانے کی، اچھے کپڑے پہننے کی اور مسواک وغیرہ کی تاکید (۳) تبکیر یعنی صبح سویرے جمعہ کے لئے جانے کی فضیلت (۴) اونٹ، گائے اور مینڈھا وغیرہ صدقہ کرنے کا ثواب یعنی عبادت بدنیہ کے بدلہ میں عبادت مالیہ کا ثواب: ان تمام باتوں سے جمعہ کے دن کی فضیلت نکلتی ہے۔

[٤-] بابُ فَضْلِ الْجُمُعَةِ

[٨٨١-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ، ثُمَّ رَاحَ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ"

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جو جمعہ کے دن نہایا جنابت کے نہانے کی طرح (غسل منصوب بنزع خافض ہے ای کغسل الجنابۃ اور مراد اچھی طرح نہانا ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں: اس جملہ میں اشارہ ہے کہ بیوی سے صحبت کر کے نہائے) پھر وہ (پہلی گھڑی میں) مسجد گیا تو اس نے ایک اونٹ صدقہ کیا، اور جو دوسری گھڑی میں گیا اس نے گویا گائے صدقہ کی، اور جو تیسری گھڑی میں گیا اس نے گویا سینگ دار مینڈھا صدقہ کیا اور جو چوتھی گھڑی میں گیا اس نے گویا مرغی صدقہ کی

(اورنسائی کی روایت میں اس سے پہلے بطخ کا بھی ذکر ہے) اور جو پانچویں گھڑی میں گیا اس نے گویا انڈا صدقہ کیا (اورنسائی کی روایت میں اس سے پہلے چڑیا کا بھی ذکر ہے) پھر جب امام خطبہ کے لئے نکلا تو فرشتے حاضر ہو جاتے ہیں، وہ خطبہ سنتے ہیں یعنی اب جو آتا ہے اس کا اندراج نہیں ہوتا، نہ اس کے آنے کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

تشریحات:

۱- قَرَّبَ کے معنی مجمع بحار الأنوار میں أهدی تقرباً إلی الله تعالیٰ کئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے کسی کو کوئی چیز دینا، خواہ وہ ذبیحہ کا گوشت ہو، زندہ جانور ہو یا کوئی اور چیز ہو، اور بَدَنَةً (بڑے جانور) میں اونٹ، گائے، بھینس سب شامل ہیں، لیکن یہاں اونٹ مراد ہے کیونکہ وہ بقرۃ کے مقابلہ میں آیا ہے۔

۲- امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ گھڑیاں زوال سے شروع ہوتی ہیں اور وہ لحظات خفیفہ ہیں یعنی زوال کے بعد فوراً پہلی گھڑی شروع ہوتی ہے پھر دوسری اور تیسری یکے بعد دیگرے گھڑیاں شروع ہوتی ہیں، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں لفظ رَاحَ ہے جس کے معنی زوال کے بعد جانے کے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ گھڑیاں زوال کے بعد سے شروع ہوتی ہیں، نیز آنحضور ﷺ بھی زوال کے بعد فوراً منبر پر تشریف لاتے تھے، پس معلوم ہوا کہ یہ لحظات خفیفہ ہیں۔

اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں: یہ گھڑیاں جمعہ کے دن صبح صادق سے شروع ہوتی ہیں، ایک حدیث میں بَكَّرَ وَابْتَكَرَ آیا ہے (ترمذی حدیث ۵۰۵) بَكَّرَ کے معنی ہیں: صبح کے وقت جانا اور ابْتَكَرَ اس کی تاکید ہے یعنی بالکل صبح میں جانا اور امام مالک رحمہ اللہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ راح جب غدا کے مقابلہ میں آئے تو اس کے معنی شام کے وقت جانے کے ہوتے ہیں اور جب تنہا آئے تو اس کے معنی مطلق جانے کے ہوتے ہیں، خواہ شام میں جائے یا صبح میں۔ اور یہاں راح تنہا آیا ہے پس اس کے معنی مطلق جانے کے ہیں اس لئے جمہور کے نزدیک یہ گھڑیاں جمعہ کے دن صبح صادق کے بعد فوراً شروع ہوتی ہیں اور لمبی گھڑیاں ہیں۔

بابٌ

یہ باب کالفصل من الباب السابق ہے۔ باب کی حدیث سے بھی اوپر والے باب (جمعہ کے دن کی اہمیت) پر استدلال کیا جا سکتا ہے، البتہ استدلال کی نوعیت بدل جائے گی، اس لئے باب سے فصل کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خطبہ کے دوران آئے تو ان کو ڈانٹ پڑی، ڈانٹ کسی اہم چیز کے فوت کرنے ہی پر پڑتی ہے، معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

[۵-] بابٌ

[۸۸۲-] حدثنا أبو نُعَيمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى: هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي

هُرَيْرَةَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَيْنَمَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ، فَقَالَ عُمَرُ: لِمَ تَحْتَبِسُوْنَ عَنِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: مَاهُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ النِّدَاءَ فَتَوَضَّأْتُ، فَقَالَ: أَلَمْ تَسْمَعُوْا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِذَا رَاحَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ؟" [راجع: ۸۷۸]

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: دریں اثنا کہ جمعہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے، اچانک ایک صاحب آئے، پس حضرت عمرؓ نے پوچھا: آپ لوگ نماز سے کیوں رکتے ہو؟ پس ان صاحب نے کہا: نہیں ہے وہ مگر یہ بات کہ سنی میں نے اذان پس وضو کیا میں نے، پس حضرت عمرؓ نے کہا: کیا تم نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لئے آئے تو غسل کرے؟

تشریح:

۱- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جب میرے ذمہ سعی الی الجمعہ فرض ہوئی تو میں نے صرف وضو کیا اس سے زیادہ نہیں رکا، اذان سے پہلے جمعہ کے لئے چلنے کا حکم نہیں، کسی بھی کام میں مشغول رہ سکتے ہیں اور اذان کے بعد چل دینا ضروری ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اذان کے بعد صرف وضو کیا ہے اور وضو نماز کے متعلقات میں سے ہے۔ پس حضرت عثمانؓ تھوڑی دیر دینی ضرورت سے رکے ہیں، اپنی ضرورت سے نہیں رکے۔

۲- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی قسم کے تجربات کی وجہ سے اپنے دورِ خلافت میں ایک اذان کا اضافہ کیا، کیونکہ مدینہ کی آبادی دور تک پھیل گئی تھی اور لوگوں میں دینی جذبہ کم ہو گیا تھا، زیادہ تر صحابہ وفات پا چکے تھے اور تابعین کی تعداد بڑھ گئی تھی لوگ اذان سے پہلے نہیں آتے تھے اور پہلے آنے کا حکم بھی نہیں تھا، اس لئے حضرت عثمانؓ نے ایک اذان کا اضافہ کیا، وہ اذان زَورَاء مقام پر دی جاتی تھی جو مسجد نبوی سے متصل بازار میں کوئی بلند جگہ تھی تا کہ لوگ اذان سن کر آ جائیں پھر کچھ دیر بعد حضرت عثمانؓ خطبہ دینے کے لئے تشریف لاتے تھے، تفصیل آگے (باب ۲۱ میں) آ رہی ہے۔

بَابُ الدُّهْنِ لِلْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن تیل لگانا

تنظیف کا اصل تعلق تو غسل سے ہے اور مسواک کرنا، اچھے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا اور بالوں میں تیل ڈالنا زائد تنظیف ہے اور جب اصل تنظیف یعنی غسل کرنا واجب نہیں تو زائد تنظیف کیسے واجب ہو سکتی ہے؟

[٦-] بَابُ الدُّهْنِ لِلْجُمُعَةِ

[۸۸۳-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، عَنِ ابْنِ وَدِيْعَةَ،

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ، أَوْ: يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ، فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الإِمَامُ: إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الأُخْرَى"[انظر: ۹۱۰]

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:" جو بھی شخص جمعہ کے دن نہائے، اور جہاں تک اس کے بس میں ہو پاکی حاصل کرے، اور گھر کے تیل میں سے لگائے یا فرمایا: گھر کی خوشبو میں سے لگائے یعنی جو تیل خوشبو میسر ہو لگائے، کسی سے مانگنے کی ضرورت نہیں، پھر جمعہ کے لئے چلے، اور دو آدمیوں کے درمیان جدائی نہ کرے (بلکہ جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے) پھر جو اللہ نے اس کے نصیب میں رکھا ہے وہ (نفل) نماز پڑھے، پھر جب امام خطبہ دے تو خاموش رہے، تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس جمعہ اور دوسرے (گذشتہ) جمعہ کے درمیان ہوئے ہیں۔

[۸۸٤-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ طَاوُسٌ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: ذَكَرُوْا أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" اغْتَسِلُوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَاغْسِلُوْا رُؤُوْسَكُمْ، وَإِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا جُنُبًا، وَأَصِيْبُوْا مِنَ الطِّيْبِ" قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَمَّا الْغُسْلُ فَنَعَمْ، وَأَمَّا الطِّيْبُ فَلَا أَدْرِيْ.[انظر: ۸۸۵]

حدیث: طاؤس کہتے ہیں: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا: لوگ یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:"جمعہ کے دن نہاؤ اور اپنے سروں کو دھوؤ یعنی خوب اچھی طرح نہاؤ، اگرچہ تم جنبی نہ ہوؤ، اور خوشبو لگاؤ (اس روایت کے بارے میں کیا رائے ہے؟) ابن عباسؓ نے فرمایا: رہا غسل تو وہ صحیح ہے اور رہی خوشبو تو وہ مجھے معلوم نہیں۔

تشریح: طاؤس رحمہ اللہ نے ابن عباسؓ سے حدیث کی توثیق چاہی ہے، ابن عباسؓ نے غسل والے مضمون کی تصدیق کی اور خوشبو والے مضمون کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی، مگر یہ مضمون بھی صحیح ہے، دیگر روایات سے یہ مضمون بھی ثابت ہے۔

[۸۸۵-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مَيْسَرَةَ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ ذَكَرَ قَوْلَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: أَيَمَسُّ طِيْبًا أَوْ دُهْنًا إِنْ كَانَ عِنْدَ أَهْلِهِ؟ فَقَالَ: لَا أَعْلَمُهُ.[راجع: ۸۸٤]

حدیث: حضرت ابن عباسؓ نے جمعہ کے دن غسل کرنے کی مرفوع حدیث بیان کی، طاؤسؒ نے پوچھا: کیا خوشبو یا تیل لگائے اگر گھر میں موجود ہو، ابن عباس نے کہا: مجھے اس کا علم نہیں (یہ اوپر والا واقعہ ہی ہے، بس انداز بدلا ہوا ہے اور یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے)

بَابٌ: يَلْبَسُ أَحْسَنَ مَا يَجِدُ

جمعہ کے دن اچھے سے اچھے کپڑے جو موجود ہوں پہنے

جمعہ کے دن عمدہ سے عمدہ لباس پہن کر جمعہ پڑھنے کے لئے جانا چاہئے، یہ مستحب ہے۔ باب میں ما موصولہ ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے ای احسن ما یجدہ:

باب میں یہ حدیث ہے کہ مسجد نبوی کے دروازے پر دکانیں لگتی تھیں، اصل مارکیٹ تو شہر سے باہر جہاں عید پڑھتے تھے وہاں لگتی تھی، لیکن جمعہ کے دن مسجد نبوی کے سامنے بھی مارکیٹ لگتی تھی۔ اس مارکیٹ میں ایک مرتبہ ریشمی سوٹ بکنے کے لئے آئے، وہ شاندار سوٹ تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ان میں سے ایک سوٹ خرید لیں، تاکہ جمعہ کے دن اور وفود سے ملتے وقت آپ اس کو زیب تن فرمائیں، معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن زیب وزینت مستحب ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: یہ سوٹ وہی لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، چنانچہ بات ختم ہوگئی پھر کچھ وقت کے بعد نبی ﷺ کے پاس کہیں سے ویسے ہی ریشمی سوٹ آئے، آپ نے ان کو صحابہ میں تقسیم کیا، ایک سوٹ حضرت عمرؓ کے پاس بھی بھیجا، حضرت عمرؓ اس کو لے کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اس دن آپ نے فرمایا تھا کہ یہ سوٹ وہی لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں! نبی ﷺ نے فرمایا: "میں نے پہننے کے لئے یہ جوڑا نہیں بھیجا" یعنی قاعدہ سمجھایا کہ ملکیت کے لئے استعمال ضروری نہیں، مرد کے لئے سونا اور ریشم حرام ہے، مگر مرد سونے اور ریشم کا مالک ہوسکتا ہے، اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ سوٹ اپنے ایک رضاعی بھائی کو جو مکہ میں تھا اور مشرک تھا بطور ہدیہ بھیج دیا تاکہ اسلام کی طرف اس کا دل مائل ہو۔

[۷-] بَابٌ: يَلْبَسُ أَحْسَنَ مَا يَجِدُ

[۸۸۶-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَأَى حُلَّةً سِيَرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! لَوِ اشْتَرَيْتَ هٰذِهِ فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَلِلْوَفْدِ إِذَا قَدِمُوْا عَلَيْكَ! فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ" ثُمَّ جَاءَتْ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنْهَا حُلَلٌ، فَأَعْطَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مِنْهَا حُلَّةً، فَقَالَ عُمَرُ: يَارسولَ اللهِ! كَسَوْتَنِيْهَا وَقَدْ قُلْتَ فِي حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ؟ قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنِّيْ لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا" فَكَسَاهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَخًا لَهُ بِمَكَّةَ مُشْرِكًا.

[انظر: ۹۴۸، ۲۱۰۴، ۲۶۱۲، ۲۶۱۹، ۳۰۵۴، ۵۸۴۱، ۵۹۸۱، ۶۰۸۱]

ترجمہ: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی کے دروازہ پر ایک ریشمی جوڑا بکتے دیکھا، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کاش آپؐ اس جوڑے کو خرید لیں، اور جمعہ کے دن اور وفود جب آپؐ کے پاس آئیں زیب تن فرمائیں (یہی باب ہے کہ جمعہ کے دن شاندار کپڑے پہننا مستحب ہے، اسی لئے حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا تھا) نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو وہی لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس ویسے ہی کچھ جوڑے آئے، آپؐ نے ان میں سے ایک جوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ نے یہ جوڑا مجھے پہننے کے لئے دیا ہے حالانکہ آپؐ نے عطارد کے سوٹ کے بارے میں وہ بات فرمائی تھی جو فرمائی تھی (عطارد اور سیراء ایک ہی ہیں یعنی ریشمی سوٹ) نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے یہ سوٹ آپ کو پہننے کے لئے نہیں دیا، پس حضرت عمرؓ نے وہ جوڑا اپنے ایک بھائی کو جو مکہ میں تھا اور مشرک تھا پہنایا، یعنی ان کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیا۔

بَابُ السِّوَاكِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن مسواک کرنا

اصل تجمل جمعہ کے دن نہانے سے ہوتا ہے اور مسواک کرنا، خوشبو اور تیل وغیرہ لگانا اصل زینت کے توابع ہیں یعنی زائد تنظیف ہیں، پس وہ بھی مطلوب ہیں۔

[۸-] بَابُ السِّوَاكِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

وَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَسْتَنُّ.

[۸۸۷-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِيْ، أَوْ: لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى النَّاسِ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلاَةٍ" [انظر: ۷۲۴۰]

[۸۸۸-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ الْحَبْحَابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ"

[۸۸۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، وَحُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ. [راجع: ۲۴۵]

وضاحت: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی (معلق) حدیث کتاب الجمعہ باب ۳ میں آچکی ہے۔ اور استنان کے معنی ہیں: دانتوں پر لکڑی یا انگلی پھیرنا سِنٌّ کے معنی ہیں: دانت، استنان اسی سے بنا ہے۔

حدیث (۱): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میری امت پر یا فرمایا: لوگوں پر دشواری کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا (اس کے عموم میں جمعہ بھی داخل ہے، جمعہ بھی ایک نماز ہے)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں مسواک کے بارے میں بہت کچھ تاکید کر چکا!'' (جب عام احوال میں اور عام نمازوں میں مسواک کی تاکید ہے تو جمعہ کے دن اور نماز جمعہ کے لئے تو اور زیادہ تاکید ہوگی، وہ اہم دن اور اہم نماز ہے)

حدیث (۳): حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب رات میں تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اپنے منہ کو مسواک سے رگڑتے تھے۔

تشریح: نیند میں معدے کے اَبخرے منہ میں آجاتے ہیں، جن سے منہ میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے، اس لئے بیدار ہونے کے بعد آپ خوب اچھی طرح مسواک فرماتے تھے اور صرف دانتوں پر ہی نہیں زبان پر بھی مسواک پھیرتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث گذر چکی ہے کہ آپ مسواک فرمارہے تھے اور منہ سے اُع اُع کی آواز نکل رہی تھی، ظاہر ہے صرف دانتوں پر مسواک پھیرنے سے آواز پیدا نہیں ہوتی، آواز پیدا ہونا قرینہ ہے کہ مسواک زبان پر بھی پھیری جارہی تھی، اور آپ نے یہ حدیث بھی پڑھی ہے کہ نبی ﷺ جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے، کیونکہ آپ کو یہ بات ناپسند تھی کہ ازواج مطہرات آپ کے منہ سے بو محسوس کریں، اور جمعہ کے دن مجمع بڑا ہوتا ہے پس جمعہ میں خوب منہ صاف کر کے جانا چاہئے تا کہ کسی کو بو محسوس نہ ہو۔

بَابُ مَنْ تَسَوَّكَ بِسِوَاكِ غَيْرِهِ

دوسرے کی مسواک سے مسواک کرنا

اطباء اور لوگ اس کو پسند نہیں کرتے کہ دوسرے کی استعمالی مسواک سے مسواک کی جائے، اور یہ بات نظافت اور جراثیم کے نظریہ پر مبنی ہے۔ اسلام جراثیم کا تو قائل نہیں، مگر نظافت کو اہمیت دیتا ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ باب میں مَنْ لائے ہیں اور پہلے بتایا ہے کہ مَن اور هَل کی صورت میں امام صاحب ذمہ داری قبول نہیں کرتے، مسئلہ کو دلائل کے حوالے کرتے ہیں کہ خود غور کرلو، حدیث باب سے مسئلہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ مرض وفات میں آخری وقت میں نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے اچانک حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ تازہ مسواک لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے، ابھی وہ لکڑی تھی، چبا کر مسواک نہیں بنائی گئی تھی، نبی ﷺ نے مسواک کو غور سے دیکھا، حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں، انھوں نے بھائی سے مسواک لی اور چبا کر خوب نرم کی پھر دھوئے بغیر نبی ﷺ کو دی، آپؐ نے اس سے مسواک فرمائی، پھر آپؐ نے وہ مسواک حضرت عائشہؓ کو دیدی، حضرت عائشہؓ نے دھوئے بغیر خود

مسواک کی، پھر تھوڑی دیر کے بعد روح قبض ہوگئی۔

حضرت عائشہؓ نے چبا کر مسواک بنائی، دھوئے بغیر نبی ﷺ نے اس کو استعمال فرمایا، پھر حضرت عائشہؓ نے دھوئے بغیر اس کو استعمال کیا، پس دونوں صورتوں میں تَسَوُّكَ بِسِوَاكِ غَيْرِهِ پایا گیا، پس باب ثابت ہوگیا یہ اس حدیث سے استدلال ہے، مگر:

میانِ عاشق ومعشوق رمزے است ❁ کراماً کاتبین را ہم خبرے نیست

یہ عاشق ومعشوق کے درمیان کا معاملہ ہے، جو ضابطے میں نہیں آتا، پس اس سے عام استدلال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یہ بات غور طلب ہے۔

[۹-] بَابُ مَنْ تَسَوَّكَ بِسِوَاكِ غَيْرِهِ

[۸۹۰-] حدثنا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، قَالَ: هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ: أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: دَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ، وَمَعَهُ سِوَاكٌ، يَسْتَنُّ بِهِ، فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقُلْتُ لَهُ: أَعْطِنِيْ هٰذَا السِّوَاكَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ! فَأَعْطَانِيْهِ، فَقَصَمْتُهُ، ثُمَّ مَضَغْتُهُ، فَأَعْطَيْتُهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه، فَاسْتَنَّ بِهِ، وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى صَدْرِيْ.

[انظر: ۱۳۸۹، ۳۱۰۰، ۳۷۷۴، ۴۴۳۸، ۴۴۴۶، ۴۴۴۹، ۴۴۵۰، ۴۴۵۱]

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ آئے، درانحالیکہ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی، جس سے وہ مسواک کررہے تھے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسواک تیار تھی اور حضرت عبدالرحمٰن بالفعل اس سے مسواک کررہے تھے، لیکن دوسری روایت (حدیث ۴۴۵۱) میں صراحت ہے کہ وہ ابھی لکڑی تھی، مسواک نہیں بنائی گئی تھی، حضرت عائشہؓ نے اس کو توڑ کر اور چبا کر مسواک بنایا تھا) نبی ﷺ نے اس مسواک کی طرف دیکھا، پس میں نے عبدالرحمٰنؓ سے کہا: یہ مسواک مجھے دیدو، انھوں نے مسواک مجھے دیدی، پس میں نے اس کو توڑا، پھر میں نے اس کو چبایا پھر رسول اللہ ﷺ کو دیا، آپؐ نے اس سے مسواک فرمائی درانحالیکہ آپؐ میرے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

بَابُ مَا يَقْرَأُ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ؟

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں کونسی سورتیں پڑھے؟

نبی ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۃ الٓمٓ السجدۃ اور سورۃ الدہر پڑھتے تھے، ان دونوں سورتوں میں قیامت اور اس میں پیش آنے والے احوال کا تذکرہ ہے، اور قیامت جمعہ کے دن قائم ہوگی، اسی لئے چوپائے جمعہ کے دن کان لگاتے

ہیں کہ قیامت کا صور تو نہیں پھونکا جارہا، پس جمعہ کے دن مؤمنین کے سامنے بھی قیامت کے احوال پیش کرنے چاہئیں اور ان کو بھی چوپایوں کی طرح قیامت کا تصور کرنا چاہئے۔

[۱۰-] بابُ مَا يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ؟

[۸۹۱] حدثنا أبو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: ﴿آلم تَنْزِيلُ﴾ و﴿هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ﴾ [انظر: ۱۰۶۸]

بابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرَى وَالْمُدُنِ

دیہاتوں اور شہروں میں جمعہ

الْقُرَى: الْقَرْيَةُ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: گاؤں۔ اور الْمُدُن: المدينة کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: شہر، پوری امت متفق ہے کہ نماز جمعہ کی صحت کے لئے تمدن ضروری ہے، تمدن کے لفظی معنی ہیں: شہریت، اور مرادی معنی ہیں: آبادی۔ جنگل اور بیابان میں بالاتفاق جمعہ جائز نہیں۔ البتہ دو مسئلوں میں اختلاف ہے: ایک: جمعہ کی صحت کے لئے کس درجہ کا تمدن ضروری ہے؟ دوم: جماعت میں کتنی تعداد ضروری ہے؟

مذاہب فقہاء:

۱- امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، جس میں گلی کوچے اور بازار ہوں اور کم از کم چار آدمیوں کی شرکت نماز میں ضروری ہے[1]

۲- امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی بستی ضروری ہے جس کے مکانات متصل ہوں اور اس میں ایسا بازار ہو جس سے بستی کی ضروریات پوری ہوتی ہوں اور جماعت میں کم از کم بارہ آدمی ہونے ضروری ہیں۔

۳- اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک جس بستی میں چالیس آزاد، عاقل، بالغ مرد بستے ہوں اس میں جمعہ ہوسکتا ہے اور جماعت میں بھی یہی تعداد ضروری ہے۔

(۱) شہر کو انگریزی میں سٹی (City) کہتے ہیں، جیسے میرٹھ اور سہارن پور، اس سے نیچے قصبہ ہوتا ہے، قَصَبَة کے معنی ہیں: گانٹھ، گنے اور بانس میں گانٹھیں ہوتی ہیں، ان گانٹھوں کا جو مقام ہے اس درجہ کی بستی قصبہ کہلاتی ہے، انگریزی میں اس کو ٹاون (Town) کہتے ہیں، دیوبند ٹاون ہے، پھر اس سے نیچے قریہ کبیرہ (بڑا گاؤں) ہے، یعنی مرکزی بستی جس سے آس پاس کی بستیوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہوں ۱۲

امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان کس طرف ہے؟ ان کے ترجمہ سے کوئی بات متعین طور پر کہنا مشکل ہے، البتہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ امام بخاریؒ، امام شافعیؒ کے ساتھ ہیں اور شاہ صاحب کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

دلائل:

۱- شاہ صاحب قدس سرہ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں: جمعہ کی صحت کے لئے اتنی آبادی کافی ہے جس کو قریہ (بستی) کہا جاسکے اور بستی کی دو حدیں ہیں: ادنی اور اعلی۔ اعلی حد کی تو کوئی نہایت نہیں، قرآن کریم میں بڑے بڑے شہروں پر قریہ کا اطلاق کیا گیا ہے، البتہ ادنی حد کی تعیین تین حدیثوں سے کی جاسکتی ہے، یہ احادیث اگر چہ فی نفسہ ضعیف ہیں مگر باہم مل کر قوی ہوجاتی ہیں، وہ حدیثیں درج ذیل ہیں:

پہلی حدیث: طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ پانچ شخصوں پر جمعہ نہیں: عورت، مسافر، غلام، بچے اور صحراء نشیں (کنز العمال حدیث ۲۱۰۹۶) صحراء نشیں کا تذکرہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ مستقل آبادی کے باشندوں پر جمعہ واجب ہے (یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے)

دوسری حدیث: طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جمعہ پچاس آدمیوں پر ہے، پچاس سے کم پر جمعہ نہیں (کنز العمال حدیث ۲۱۰۹۷) اس روایت سے معلوم ہوا کہ پچاس کی تعداد سے بستی کا وجود ہوجاتا ہے۔

تیسری حدیث: بیہقی نے ام عبد اللہ دوسیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جمعہ ہر بستی پر واجب ہے، (مگر یہ حدیث شاہ صاحبؒ نے پوری نہیں لکھی، اس کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے: "اگر چہ اس میں نہ ہوں مگر چار آدمی" (کنز العمال حدیث ۲۱۰۹۹) اس اضافہ کے ساتھ حدیث مفید مدعی نہیں، بلکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جو جمعہ کی صحت کے لئے چار آدمیوں کی شرط لگائی ہے، اس کی یہ دلیل ہے اور یہ حدیث درحقیقت اس صورت کے لئے ہے جب گاؤں میں حاکم موجود ہو، حدیث کے بعض طرق میں اس کی صراحت ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳: ۲۱۹) اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے پاس عدد یا دوسری شرائط کے لئے کوئی صحیح صریح نص نہیں۔

۲- اور امام مالک رحمہ اللہ کا مستدل وہ واقعہ ہے جو سورۃ الجمعہ آیت گیارہ کی تفسیر میں مروی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک جمعہ میں آپؐ خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ آیا اس نے نقارہ بجایا تو سارا مجمع منتشر ہوگیا، صرف بارہ آدمی رہ گئے، ظاہر ہے اس دن آپؐ نے انہی بارہ آدمیوں کے ساتھ جمعہ ادا فرمایا ہوگا، یہاں سے امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جماعت میں کم از کم بارہ آدمی ہونے ضروری ہیں، مگر یہ استدلال تام نہیں، مراسیل ابی داؤد میں روایت ہے کہ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب جمعہ کا خطبہ عیدین کے خطبوں کی طرح نماز کے بعد دیا جاتا تھا، تفصیل ابن کثیر میں ہے۔

حنفیہ کے دلائل:

پہلی دلیل: آیات جمعہ میں متعدد اشارے ہیں کہ قیام جمعہ کے لئے ایسا تمدن شرط ہے جہاں کے لوگوں کی معیشت کا

مدار کاروبار پر ہو، مثلاً:

۱-﴿ذَرُوا الْبَيْعَ﴾: اذان سن کر اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف چل پڑو، اور خرید وفروخت موقوف کر دو، یہ بات شہروں ہی میں ہوتی ہے، شہروں کی معیشت کا مدار کاروبار پر ہوتا ہے، اور دیہات کے لوگوں کی معیشت کا مدار کاشتکاری وغیرہ دیگر ذرائع پر ہوتا ہے۔

۲-﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ﴾: نماز پوری ہونے کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا رزق تلاش کرو، یعنی کاروبار شروع کر دو: یہ بات بھی شہر کی طرف مشیر ہے۔

۳-﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً﴾: کھیل تماشا اور مشغولیات کی چیزیں بھی شہر ہی میں ہوتی ہیں۔

غرض یہ متعدد اشارے ہیں کہ نماز جمعہ کے مخاطب شہر اور قصبات کے لوگ ہیں، جن کی معیشت کا مدار بیع وشراء پر ہوتا ہے، دیہات کے لوگ جن کی معیشت کا مدار کاشکاری وغیرہ دیگر ذرائع پر ہوتا ہے وہ جمعہ کے مخاطب نہیں۔

دوسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: لاجمعةَ ولا تشريقَ إلا في مِصْرٍ جامعٍ: جمعہ اور عیدین نہیں ہیں مگر بڑے شہر میں یعنی شہر والوں ہی پر جمعہ اور عیدین فرض ہیں۔ جاننا چاہئے کہ ایک فرضیت کا درجہ ہے اور دوسرا صحت جمعہ کا مرتبہ ہے، شہر والوں پر جمعہ فرض ہے، اگر وہ ظہر پڑھیں گے تو گناہ گار ہونگے، اور قصبات اور بڑے دیہاتوں میں جمعہ درست ہے، یعنی وہاں کے باشندے اگر جمعہ پڑھیں تو وقت کا فریضہ ادا ہو جائے گا لیکن اگر وہ ظہر پڑھیں تو بھی درست ہے، ترک فرض کا گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ جمعہ ان پر فرض نہیں۔ قہستانی میں ہے: تَقَعُ فَرْضًا في القَصَبَاتِ والقُرَى الكبيرة (شامی ۱: ۵۹۰ باب الجمعة) فرض واقع ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ان پر جمعہ فرض تو نہیں، لیکن اگر وہ جمعہ پڑھیں تو وقت کا فرض ادا ہو جائے گا۔

یہ ایک خاص فرق ہے جس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، عام طور پر لوگ اس کو نہیں جانتے، وہ شہر، قصبات اور بڑے دیہاتوں کو ایک ہی حکم میں رکھتے ہیں، اور سب پر جمعہ فرض سمجھتے ہیں۔ جمعہ فرض صرف شہر والوں پر ہے کیونکہ شہر والوں ہی کی معیشت کا مدار کاروبار پر ہوتا ہے، قصبات اور بڑے دیہاتوں کی زیادہ تر معیشت کا مدار کاشتکاری وغیرہ ذرائع پر ہوتا ہے، دیوبند قصبہ ہے یہاں آدھے سے زیادہ لوگوں کا کھیتی باڑی پر گذارہ ہے، اور بڑے دیہاتوں میں پانچ دس دوکانیں ہی ہوتی ہیں، پچانوے فیصد لوگ کاشتکاری وغیرہ پر گذارہ کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصبات اور دیہاتوں کا استثناء کر دیا، اور جمعہ صرف مصر جامع (بڑے شہر والوں) پر فرض قرار دیا، آئندہ چند ابواب کے بعد مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے حضرت عطاء رحمہ اللہ کا یہ قول آرہا ہے کہ قریہ جامعہ (اور مصر جامع) وہ بستی ہے جس میں چار باتیں پائی جائیں: آبادی بڑی ہو، وہاں امیر ہو، قاضی ہو اور مکانات متصل ہوں، جُدّہ جیسے شہر قریہ جامعہ اور مصر جامع ہیں: ذاتُ الجماعة والأمير والقاضي والدُّوْرِ المجتمعة الآخذة بعضها ببعض مثل جُدّة: غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا حاصل یہ

ہے کہ جمعہ صرف شہر والوں پر فرض ہے اور یہ حنفیہ کی دوسری دلیل ہے۔

تیسری دلیل: نبی ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں صرف مدینہ، مکہ اور جُواثی میں جو بحرین کا ایک شہر ہے: جمعہ کی اجازت دی تھی، ان تین جگہوں کے علاوہ کسی بھی جگہ جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، پس کیا پورے جزیرۃ العرب میں چالیس گھروں کی کوئی بستی نہیں تھی؟ اور روایات سے ثابت ہے کہ عہد نبوی میں قبا اور عوالی میں کہیں جمعہ قائم نہیں ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے سفر ہجرت کے موقع پر قبا میں چودہ دن قیام فرمایا ہے، اس قیام کے دوران جمعہ کا دن بھی آیا ہے، مگر جمعہ قائم نہیں کیا، جبکہ مدینہ منورہ میں آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی جمعہ قائم کیا جا چکا تھا، پس نماز جمعہ کی فرضیت کے باوجود قبا میں آپ کا جمعہ نہ پڑھنا اور نہ اہل قبا اور عوالی کو جمعہ کے قیام کا حکم دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قبا اور عوالی میں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں تھا۔ آئندہ چند ابواب کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث آرہی ہے کہ لوگ اپنے گھروں سے اور عوالی کے گاؤں سے باری باری جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں آتے تھے، ایک گھر میں دو آدمی ہوتے تو ایک آدمی ایک ہفتہ، اور دوسرا دوسرے ہفتہ آتا، معلوم ہوا کہ عوالی کی بستیوں میں نہ تو جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی گئی اور نہ جمعہ ان پر فرض قرار دیا گیا اور نہ سب کے لئے جمعہ میں حاضر ہونا ضروری ہوتا۔

[۱۱-] بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرَى وَالْمُدُنِ

[۸۹۲-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ أَبِيْ جَمْرَةَ الضُّبَعِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: إِنَّ أَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ مَسْجِدِ عَبْدِ الْقَيْسِ بِجُوَاثَى مِنَ الْبَحْرَيْنِ. [انظر: ۴۳۷۱]

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: پہلا جمعہ جو قائم کیا گیا، رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جمعہ قائم کرنے کے بعد، وہ بحرین کی بستی جواثی میں عبدالقیس کی مسجد میں ہے۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ نو مسجدیں اور بھی تھیں مگر حضور اکرم ﷺ نے کسی اور مسجد میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی، صرف مسجد نبوی میں جمعہ ہوتا تھا۔ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ مسجد عبدالقیس میں قائم ہوا یہ مسجد بحرین میں جُواثی نامی شہر میں ہے، پھر فتح مکہ کے بعد مکہ میں جمعہ قائم ہوا، ان تین جگہوں کے علاوہ کسی اور جگہ آپ نے جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ گاؤں میں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں۔

[۸۹۳-] حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَرْوَزِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "كُلُّكُمْ رَاعٍ"

وَزَادَ اللَّيْثُ: قَالَ يُوْنُسُ: كَتَبَ رُزَيْقُ بْنُ حَكِيْمٍ إِلَى ابْنِ شِهَابٍ، وَأَنَا مَعَهُ يَوْمَئِذٍ بِوَادِي الْقُرَى: هَلْ تَرَى أَنْ أُجَمِّعَ؟ وَرُزَيْقٌ عَامِلٌ عَلَى أَرْضٍ يَعْمَلُهَا، وَفِيْهَا جَمَاعَةٌ مِنَ السُّوْدَانِ وَغَيْرِهِمْ، وَرُزَيْقٌ يَوْمَئِذٍ عَلَى أَيْلَةَ، فَكَتَبَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَنَا أَسْمَعُ، يَأْمُرُ أَنْ يُجَمِّعَ، يُخْبِرُهُ أَنَّ سَالِمًا حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ: الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِيْ مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. قَالَ: وَحَسِبْتُ أَنْ قَدْ قَالَ:" وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ مَالِ أَبِيْهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

[انظر: ۲۴۰۹، ۲۵۵۴، ۲۵۵۸، ۲۷۵۱، ۵۱۸۸، ۵۲۰۰، ۷۱۳۸]

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص چرواہا (نگہبان) ہے (یہ روایت یونس اَیلی کے شاگرد حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کی ہے جس کا باقی حصہ آگے آرہا ہے)

(اس حدیث کو یونس سے امام لیث مصری بھی روایت کرتے ہیں، ان کی روایت میں یہ اضافہ ہے:) یونس کہتے ہیں: رزیق بن حکیم نے ابن شہاب زہری کو خط لکھا (یونس کہتے ہیں:) میں ان دنوں ابن شہاب کے پاس وادی القری میں تھا، انھوں نے لکھا کہ آپ کی کیا رائے ہے: میں اپنے گاؤں میں جمعہ قائم کروں؟ (رزیق کا تعارف) رزیق ایک ایسی زمین میں کام کرنے والے تھے جس کو وہ آباد کرتے تھے یعنی اس گاؤں میں ان کی کھیتی باڑی تھی وہ اس کو دیکھنے بھالنے کے لئے گاؤں میں آتے تھے، اس گاؤں میں کچھ حبشی وغیرہ رہتے تھے اور رزیق (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف سے) اَیلہ کے گورنر تھے (تعارف پورا ہوا)

پس ابن شہاب نے لکھا (لکھوایا) درانحالیکہ میں سن رہا تھا وہ ان کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ جمعہ قائم کریں، اور وہ ان کو اطلاع دے رہے ہیں کہ حضرت سالم نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا (نگہبان) ہے، (پھر آگے ابن المبارک اور امام لیث کی حدیثیں جمع ہوجاتی ہیں) اور ہر شخص اپنے ریوڑ کے بارے میں مسئول (پوچھا ہوا) ہے (یہ قاعدہ کلیہ بیان فرما کر اس پر چند جزئیات متفرع فرمائیں) امام (سربراہ مملکت) چرواہا ہے اور وہ پبلک کے بارے میں مسئول ہے، اور آدمی اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ریوڑ کے بارے میں سوال ہوگا، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں مسئولہ ہے۔ اور غلام اپنے آقا کے مال کا چرواہا ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں مسئول ہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: میرا گمان ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا: اور بیٹا اپنے باپ کے مال کا ذمہ دار ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں مسئول ہے (یہ چند جزئیات بیان فرما کر آپؐ نے پھر قاعدہ کلیہ لوٹایا) اور تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے اور ہر ایک سے اس

کے ریوڑ کے بارے میں باز پرس ہوگی (معلوم ہوا کہ وہ چند جزئیات بطور مثال تھیں ان کے علاوہ بھی جزئیات ہوسکتی ہیں مثلاً درسگاہ میں استاذ راعی ہے، مدرسہ میں مہتمم راعی ہے، پیر راعی ہے ان سب سے ان کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا)

تشریح:

۱-امیر جہاں بھی ہو جمعہ پڑھے گا اس کے لئے کوئی شرط نہیں، اس کا امیر ہونا ہی صحت جمعہ کے لئے کافی ہے، البتہ امیر جنگل میں جمعہ نہیں پڑھے گا، حجۃ الوداع میں عرفہ کا دن جمعہ کا دن تھا، مگر آنحضور ﷺ نے عرفہ میں جمعہ نہیں پڑھا، پس اگر امیر لشکر کے ساتھ سفر کررہا ہے اور وہ جنگل میں ٹھہرا تو وہاں جمعہ نہیں پڑھے گا لیکن اگر وہ کسی بستی میں ٹھہرے خواہ وہ بستی چھوٹی ہو یا بڑی تو وہ وہاں جمعہ پڑھے گا۔ حضرت رُزیق بھی امیر تھے پس ان کے لئے گاؤں میں بھی جمعہ پڑھنا جائز تھا۔

تفصیل: رزیق بن حکیم حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف سے ایلہ کے گورنر تھے، اور ان کے وطن میں ان کا فارم تھا، وہ کھیتی باڑی دیکھنے کے لئے گاؤں میں آتے تھے اور کئی دن قیام کرتے تھے، اس گاؤں میں حبشہ کے کچھ مزدور اور دوسرے لوگ آباد تھے، رزیق نے امام زہری رحمہ اللہ سے مسئلہ پوچھا کہ میں اپنے گاؤں میں جمعہ قائم کرسکتا ہوں؟ امام زہریؒ نے جواب دیا کہ کرسکتے ہو اور کرو اور حدیث الإمام راع سے استدلال کیا۔

طریقۂ استدلال یہ ہے کہ تم امیر ہو جہاں بھی رہو، اور امیر پر رعایا کے حقوق کی ذمہ داری ہے، خواہ وہ حقوق دنیوی ہوں یا دینی، دینی امور میں جہاں تمام نمازوں کے انتظام کی ذمہ داری ہے وہاں اقامتِ جمعہ کی بھی ذمہ داری ہے اس لئے تمہیں نماز جمعہ قائم کرنی چاہئے۔

یہ روایت احناف کے خلاف نہیں اس لئے کہ حضرت رزیق امیر اور گورنر تھے اور احناف کے نزدیک امیر ہر بستی میں جمعہ پڑھے گا خواہ بستی چھوٹی ہو یا بڑی، اس کے لئے کوئی شرط نہیں۔ اس کا امیر ہونا ہی صحت جمعہ کے لئے کافی ہے اور شوافع کے بیشتر دلائل امیر کے گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے ہیں پس وہ احناف کے خلاف نہیں، احناف بھی اسی کے قائل ہیں۔

۲-رَاعٍ کے معنی ہیں: چرواہا اور ریوڑ کے لئے لفظ رَعِیَّۃ ہے امام (سربراہِ مملکت) راعی (چرواہا) ہے اور پبلک رعیت (ریوڑ) ہے، ان لفظوں میں اشارہ ہے کہ چرواہا اپنے ریوڑ کے ساتھ جیسا معاملہ کرتا ہے حاکم کو بھی اپنی پبلک کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرنا چاہئے، اسی طرح شوہر، بیوی، غلام، خادم، استاذ، مہتمم اور پیر وغیرہ کا معاملہ ہے۔ چرواہا جب بکریاں چرا کر شام گھر آتا ہے تو اگر ایک بھی بکری کم ہے تو مالک چرواہے سے باز پرس کرتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن ہر شخص سے اس کے ریوڑ کے بارے میں باز پرس ہوگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور ارشاد ہے کہ اگر دجلہ یا فرات پر پانی پیتے ہوئے بکریوں کے ریوڑ پر بھیڑیا حملہ کرتا ہے اور کوئی بکری لے جاتا ہے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کریں، دجلہ اور فرات مدینہ منورہ سے سیکڑوں میل دور ہیں وہاں کوئی بھیڑیا کسی بکری پر حملہ کرتا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوف زدہ ہوتے ہیں، اس سے نگہبانی کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بابٌ: هَلْ عَلَى مَنْ لَا يَشْهَدُ الْجُمُعَةَ غُسْلٌ مِنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَغَيْرِهِمْ؟

کیا عورتوں اور بچوں وغیرہ پر غسل ہے جو جمعہ پڑھنے نہیں آتے؟

عورتیں، بچے، مریض اور دیہات کے لوگ جن پر نماز جمعہ فرض نہیں اور وہ جمعہ میں شریک ہونے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے: کیا ان پر جمعہ کے دن غسل ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں هل استفہامیہ رکھا ہے، یعنی مسئلہ کا فیصلہ نہیں کیا، باب میں جو دلائل ہیں ان میں غور کرکے آپ خود فیصلہ کریں۔

باب میں ایک تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ غسل اس شخص پر ہے جس پر جمعہ واجب ہے اور اس کی دلیل مرفوع روایت ہے کہ تم میں سے جو شخص جمعہ کے لئے آئے وہ غسل کرے، معلوم ہوا کہ جس پر جمعہ واجب نہیں اور جو جمعہ میں شریک ہونے کا ارادہ بھی نہیں رکھتا اس پر غسل نہیں۔

پھر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت لائے ہیں کہ ہر بالغ پر جمعہ کے دن نہانا واجب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ چاہے اس پر جمعہ فرض ہو یا نہ ہو، اور چاہے اس کو جمعہ میں شریک ہونا ہو یا نہ ہونا ہو جب وہ بالغ ہے تو نہانا ضروری ہے۔

اس طرح امام صاحب نے باب میں متعارض دلائل پیش کئے ہیں اور مسئلہ کا کوئی فیصلہ نہیں کیا، اور احناف کے نزدیک جواب کا مدار اس پر ہے کہ جمعہ کے دن جو غسل ہے وہ نماز جمعہ کے لئے ہے یا جمعہ کے دن کے لئے؟ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک نماز جمعہ کے لئے ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ کے دن کے لئے ہے، اور ثمرہ اختلاف عورتوں، بچوں اور دیہاتیوں میں ظاہر ہوگا، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ان کے لئے بھی غسل سنت ہے اور شیخینؒ کے نزدیک سنت نہیں، صرف ان لوگوں پر غسل ہے جن پر جمعہ فرض ہے، یا جن کا ارادہ جمعہ میں شریک ہونے کا ہے، اور احناف کے یہاں عمل امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے، مرد، عورتیں، بچے اور دیہات کے لوگ سب جمعہ کے دن نہاتے ہیں اور کپڑے دھوتے ہیں۔

پھر غسل کے مختلف درجے ہیں، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول مؤکد غسل کے بارے میں ہے، جن کو بڑے مجمع میں جانا ہے ان کو نہا دھو کر جانا چاہئے، اور جن کو جمعہ میں شریک نہیں ہونا ان کو بھی جمعہ کے دن نہانا چاہئے، مگر نہانا مؤکد نہیں، بلکہ یہ نظافت کا تقاضا ہے۔

لطیفہ: ایک پھکڑ باز مسلمان سے لالہ جی (بنیے) نے کہا: تم مسلمان ملچھ ہو، سات دن میں ایک مرتبہ نہاتے ہو، اور ہم لالہ جی روزانہ نہاتے ہیں، ہم پوتر (پاک صاف) ہیں! مسلمان نے جواب دیا: لالہ جی! تم نہاتے ہو، پھر ناشتہ کرتے ہو، پھر استنجے جاتے ہو، پھر دکان پر جاتے ہو، اور شام (کھینچ کر) تک کاروبار کرتے ہو، پھر رات میں گھر آتے ہو، کھاتے ہو، پھر سوتے ہو اور رات بھر ہوا نکالتے ہو تب صبح اٹھ کر نہاتے ہو، اور ہم مسلمان جمعہ سے جمعہ! جمعہ سے جمعہ! بتاؤ کون ملچھ ہے!

ملحوظہ: اس باب میں ایک اثر اور سات روایتیں ہیں، اثر اور دو روایتیں اوپر آگئیں، باقی آگے آرہی ہیں۔

[۱۲-] بابٌ: هَلْ عَلَى مَنْ لَا يَشْهَدُ الْجُمُعَةَ غُسْلٌ مِنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَغَيْرِهِمْ؟

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: إِنَّمَا الْغُسْلُ عَلَى مَنْ يَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ.

[۸۹۴-] حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: "مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ"

[راجع: ۸۷۷]

[۸۹۵-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ"

[راجع: ۸۵۸]

[۸۹۶-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا، وَأُوتِينَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ، فَهَذَا الْيَوْمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ، فَهَدَانَا اللهُ، فَغَدًا لِلْيَهُودِ، وَبَعْدَ غَدٍ لِلنَّصَارَى" فَسَكَتَ. [راجع: ۲۳۸]

[۸۹۷-] ثُمَّ قَالَ: "حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيهِ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ"

[انظر: ۸۹۸، ۳۴۸۷]

[۸۹۸-] رَوَاهُ أَبَانُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لِلّٰهِ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ حَقٌّ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا" [راجع: ۸۹۷]

حدیث (۸۹۶): کتاب الجمعہ کے شروع میں گذر چکی ہے وہاں بتایا تھا کہ اللہ عزوجل کو جمعہ کا دن سب سے زیادہ پسند ہے، اور یہ دن امم سابقہ پر بھی پیش کیا گیا تھا، مگر انہیں جمعہ کا انتخاب کرنے کی توفیق نہیں ملی، یہود نے سنیچر کا دن منتخب کیا اور نصاریٰ نے اتوار کا، یہ فخر نبی ﷺ کی برکت سے اس امت کو حاصل ہوا، پس یہود ایک دن پیچھے ہیں اور نصاریٰ دو دن، اور جب اس امت نے دنیا میں ان دونوں قوموں سے پہلے عبادت کی تو قیامت کے دن اس امت کا معاملہ سب سے پہلے پیش ہوگا اور جنت میں یہ امت سب سے پہلے جائے گی۔

مذکورہ ارشاد فرما کر آنحضور ﷺ خاموش ہوگئے پھر فرمایا (حدیث ۸۹۷): "ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ سات دنوں میں سے کسی ایک دن میں نہائے، اس دن اپنے سر اور جسم کو دھوئے (حق دو طرح کا ہوتا ہے: حق شرعی اور حق فی المروۃ،

یہ حق شرعی نہیں ہے، اگر حق شرعی ہوتا تو جمعہ کے دن غسل واجب ہوتا بلکہ یہ حق فی المروۃ ہے یعنی اخلاقی حق ہے کہ بندہ کو ہفتہ میں کم از کم ایک دن ضرور نہانا چاہئے۔ جمعہ کی کوئی تخصیص نہیں، مگر عام طور پر لوگ جمعہ کے دن جمعہ پڑھنے کے لئے غسل کرتے ہیں اور جو لوگ دیہاتوں میں جمعہ نہیں پڑھتے وہ بھی جمعہ ہی کے دن غسل کرتے ہیں اور یہ حدیث امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل ہے، ہر مسلمان پر یہ حق ہے، اور ابان کی حدیث (نمبر ۸۹۸) میں لِلّٰہ ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ حق شرعی نہیں اخلاقی حق ہے، اور یوماً نکرہ ہے، ہفتہ میں کسی بھی ایک دن نہانا چاہئے جمعہ کی کوئی تخصیص نہیں۔

[۸۹۹-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "ائْذَنُوا لِلنِّسَاءِ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ" [راجع: ۸۶۵]

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: "رات میں عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دو"

تشریح: اس حدیث کی باب سے تطبیق دقیق ہے، پس جاننا چاہئے کہ باب میں دو مسئلے ہیں جب تک ان کو الگ الگ نہیں کیا جائے گا حدیث کو باب کے ساتھ منطبق کرنا مشکل ہوگا۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں پر جمعہ میں شریک ہونا واجب نہیں، بچے تو غیر مکلّف ہیں اور عورتیں اگرچہ مکلف ہیں مگر ان پر جمعہ میں حاضر ہونا واجب نہیں، اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن عورتوں اور بچوں پر غسل ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث پہلے مسئلہ کی دلیل ہے، اگر عورتوں پر جمعہ واجب ہوتا تو شوہروں کو تاکید کی جاتی کہ اگر عورتیں جمعہ پڑھنے کی اجازت مانگیں تو اجازت دو، درانحالیکہ نبی ﷺ نے صرف رات میں اجازت دینے کا حکم دیا ہے، دن کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا! اور جمعہ دن میں ہوتا ہے اگر جمعہ میں شریک ہونا عورتوں پر واجب ہوتا تو آپ جمعہ میں یا دن میں اجازت کی تاکید فرماتے، معلوم ہوا کہ عورتوں پر جمعہ واجب نہیں۔

[۹۰۰-] حدثنا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَتِ امْرَأَةٌ لِعُمَرَ تَشْهَدُ صَلَاةَ الصُّبْحِ وَالْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ، فَقِيلَ لَهَا: لِمَ تَخْرُجِينَ وَقَدْ تَعْلَمِينَ أَنَّ عُمَرَ يَكْرَهُ ذَلِكَ، وَيَغَارُ؟ قَالَتْ فَمَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْهَانِي؟ قَالَ: يَمْنَعُهُ قَوْلُ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ" [راجع: ۸۶۵]

حدیث: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی صاحبہ فجر اور عشاء کی نمازیں باجماعت پڑھنے کے لئے مسجد میں آتی تھیں، ان سے کہا گیا (خود ابن عمرؓ نے کہا تھا مگر راوی کبھی خود کو غائب کر دیتا ہے) آپ گھر سے کیوں نکلتی ہیں جبکہ آپ جانتی ہیں کہ حضرت عمرؓ اس کو پسند نہیں کرتے اور ان کو غیرت آتی ہے؟ بیوی صاحبہ نے جواب دیا: عمرؓ کو

منع کرنے سے کیا چیز روکتی ہے؟ ابن عمرؓ نے کہا: ان کو نبی ﷺ کا یہ ارشاد روکتا ہے کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو (اس روایت سے بھی اسی طرح استدلال کریں گے جس طرح اوپر کی روایت سے کیا ہے، حضرت عمرؓ کی اہلیہ صاحبہ عشا اور فجر کی نمازوں میں مسجد میں آتی تھیں، جمعہ میں نہیں آتی تھیں، معلوم ہوا کہ عورتوں پر جمعہ نہیں ہے)

تفصیل: ان بیوی صاحبہ کا نام عاتکہ تھا، یہ حضرت عمرؓ کی چچازاد بہن تھیں، اور حضرت سعید بن زیدؓ جو آپؓ کے بہنوئی تھے اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں ان کی حقیقی بہن تھیں۔ بوقت عقد انھوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ وہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھیں گی، اور حضرت عمرؓ کو روکنے کا حق نہیں ہوگا، جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے اور احوال بدلنے لگے تو آپؓ نے عورتوں کو مسجد سے روکنے کا ارادہ کیا مگر یہ بیوی صاحبہ برابر مسجد میں آتی تھیں۔ حضرت عمرؓ منع نہیں کر سکتے تھے اور دوسری عورتیں کہتی تھیں: جب آپؓ کی اہلیہ آتی ہیں ہم کیوں نہ آئیں، ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی سوتلی ماں سے اس سلسلہ میں بات کی کہ آپ کے گھر سے نکلنے کو اور مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پسند نہیں کرتے، ان کو غیرت آتی ہے پس آپ گھر میں نماز کیوں نہیں پڑھتیں؟ اہلیہ نے جواب دیا: اگر عمرؓ کو غیرت آتی ہے اور ان کو میرا گھر سے نکلنا اور باجماعت نماز پڑھنا پسند نہیں ہے تو وہ مجھے منع کیوں نہیں کرتے؟ ابن عمرؓ نے کہا: آنحضور ﷺ کے مذکورہ ارشاد کی وجہ سے حضرت عمرؓ منع نہیں کرتے۔

غرض ان بیوی صاحبہ کی باجماعت نماز میں بہت دلچسپی تھی اور وہ ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتی تھیں مگر صرف رات کی نمازوں میں آتی تھیں، رات کی تاریکی پردہ کا کام کرتی ہے ﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا﴾ دن کی نمازوں میں نہیں آتی تھیں، جمعہ میں بھی نہیں آتی تھیں، معلوم ہوا کہ جمعہ میں آنا عورتوں پر واجب نہیں۔

واقعہ: جب یہ بیوی صاحبہ مسجد آنے سے باز نہ آئیں اور ان کی وجہ سے دوسری عورتیں بھی نہیں رکتی تھیں تو ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ راستہ میں کہیں چھپ کر بیٹھ گئے، جب بیوی صاحبہ وہاں سے گذریں تو آپؓ نے پیچھے سے آکر دوپٹہ کھینچا اور بھاگ گئے، اہلیہ محترمہ فجر کی نماز کے لئے مسجد جارہی تھیں اور غلس کی وجہ سے پتہ نہ چلا کہ وہ کون تھا، انھوں نے إِنَّا لِلّٰہ پڑھا اور وہیں سے واپس لوٹ گئیں اور کہنے لگیں: عمر ٹھیک کہتے ہیں واقعی زمانہ خراب آگیا ہے، پھر وہ کبھی مسجد نہ گئیں اور جب امیر المؤمنین کی بیوی گھر بیٹھ گئیں تو دوسری عورتیں بھی مسجد سے رک گئیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد پورا ہوا۔

(فیض الباری ۲: ۳۷۳)

بَابُ الرُّخْصَةِ إِنْ لَمْ يَحْضُرِ الْجُمُعَةَ فِي الْمَطَرِ

بارش میں اگر جمعہ میں نہ آئے تو اجازت ہے

ترک جمعہ کے اعذار میں سے ایک بارش بھی ہے، اگر بارش بہت ہو، مسجد میں آنے میں غیر معمولی پریشانی ہو، اور کوئی

شخص جمعہ کے بجائے گھر میں ظہر پڑھ لے تو اس کی گنجائش ہے، باب میں جو حدیث ہے وہ گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ کے گورنر تھے، ایک جمعہ میں بارش ہورہی تھی، راستے کیچ سے بھرے ہوئے تھے، آپؓ خطبہ دینے کے لئے منبر پر آئے، مؤذن نے اذان شروع کی، آپؓ نے مؤذن کو ہدایت دی کہ أشهد أن محمدا رسول الله کے بعد حی علی الصلوۃ مت کہنا بلکہ اس کی جگہ پکارنا: الصلوۃ فی الرّحال: گھروں میں نماز پڑھو، مسجد میں آنے کی ضرورت نہیں، لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی اور انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، ابن عباسؓ نے فرمایا: تمھیں حیرت کیوں ہورہی ہے؟ کیا تم چاہتے ہو کہ لوگ گھٹنوں تک کیچ میں چل کر آئیں؟ یہ رخصت مجھ سے بہتر نے دی ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے مؤذن سے یہی پکاروایا تھا۔ معلوم ہوا کہ اگر بارش کی وجہ سے مسجد میں آنے میں غیر معمولی پریشانی ہو تو نہ آنے کی اجازت ہے، گھر میں ظہر پڑھ لے۔

[۱۴] بَابُ الرُّخْصَةِ إِنْ لَمْ يَحْضُرِ الْجُمُعَةَ فِي الْمَطَرِ

[۹۰۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْحَارِثِ ابْنُ عَمِّ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِمُؤَذِّنِهِ فِي يَوْمٍ مَطِيرٍ: إِذَا قُلْتَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، فَلاَ تَقُلْ: حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ، قُلْ: صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ، فَكَأَنَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا، فَقَالَ: فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي، إِنَّ الْجُمُعَةَ عَزْمَةٌ وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ فَتَمْشُونَ فِي الطِّينِ وَالدَّحْضِ" [راجع: ۶۱۶]

قولہ: إِنْ لَمْ يَحْضُرِ الجمعة: اگر ان سے پہلے حرف جر فی پوشیدہ مانیں تو أنْ (فتح کے ساتھ) پڑھیں گے، یعنی اس بات کی اجازت ہے کہ آدمی بارش میں جمعہ کی نماز کے لئے نہ آئے۔ اور اگر حرف جر پوشیدہ نہ مانیں تو (کسرہ کے ساتھ) إِنْ پڑھیں گے......... قولہ: فَكَأَنَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا: پس گویا لوگوں نے اس بات کو اوپرا (انجانا) سمجھا، یعنی حضرت ابن عباسؓ کے اس اعلان کروانے پر ان کو حیرت ہوئی......... قولہ: إن الجمعة عَزْمَةٌ: بے شک جمعہ حق واجب ہے یعنی اگر اذان میں حی علی الصلاۃ کہا جائے گا تو جمعہ کے لئے آنا واجب ہو جائے گا، اور راستوں کی صورت حال وہ ہے جو تم جانتے ہو، اس لئے میں ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ گھٹنوں تک پانی اور کیچ میں چل کر آئیں، اس لئے میں نے یہ اعلان کرایا تا کہ جمعہ کے لئے آنا لوگوں پر واجب نہ ہو جائے۔

بَابٌ: مِنْ أَيْنَ تُؤْتَى الْجُمُعَةُ؟ وَعَلَى مَنْ تَجِبُ؟

کتنی دور سے جمعہ کے لئے آنا ضروری ہے؟ اور جمعہ کس پر واجب ہے؟

جہاں جمعہ کی اذان ہورہی ہے اس بستی والوں پر جمعہ فرض ہے یعنی باشندگانِ شہر پر جمعہ فرض ہے خواہ وہ اذان سنیں یا نہ

سنیں، اور شہر سے قریب جو علاحدہ بستیاں ہیں ان کے باشندوں پر کتنی دور تک جمعہ فرض ہے؟ اس سلسلہ میں تین قول ہیں اور یہ مسئلہ تفصیل سے ترمذی شریف میں ہے (دیکھئے: تحفۃ الالمعی ۲:۳۴۶) ایک قول یہ ہے کہ جامع مسجد کی اذان جس بستی تک سنائی دیتی ہے، وہاں تک کے لوگوں پر جمعہ کے لئے آنا فرض ہے، اس قول کی تعبیر ہے: **الجمعةُ علی من سمع النداء:** اور دوسرا قول یہ ہے کہ جو بستی اتنی دور ہے کہ شہر میں جمعہ پڑھ کر پیدل سورج غروب ہونے سے پہلے گھر پہنچ جائے اس بستی کے لوگوں پر جمعہ کے لئے شہر آنا ضروری ہے، اس قول کی تعبیر ہے: **الجمعةُ علی من آواہُ اللیلُ إلی أھلہ:** جمعہ اس شخص پر واجب ہے جس کو رات اس کے گھر والوں میں ٹھکانہ دے۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے اور انتہائی ضعیف ہے اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور پہلا قول امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے، اور احناف کے یہاں مفتی بہ قول یہ ہے کہ محل اقامت جمعہ میں رہنے والوں پر جمعہ فرض ہے، مثلاً دیوبند میں جمعہ ہوتا ہے تو دیوبند کے باشندوں پر جمعہ فرض ہے اور آس پاس جو علاحدہ بستیاں ہیں وہاں کے لوگوں پر جمعہ فرض نہیں، البتہ جو بستیاں بہت زیادہ دور نہیں ان کے باشندوں کو جمعہ پڑھنے کے لئے شہر آنا چاہئے، اور اس مسئلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی دوٹوک فیصلہ نہیں کیا، آثار پیش کئے ہیں ان کی روشنی میں فیصلہ کرنا چاہئے۔

[۱۵-] بَابٌ: مِنْ أَيْنَ تُؤْتَى الْجُمُعَةُ؟ وَعَلَى مَنْ تَجِبُ؟

[۱-] لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [الجمعة:۹]

[۲-] وَقَالَ عَطَاءٌ: إِذَا كُنْتَ فِي قَرْيَةٍ جَامِعَةٍ فَنُوْدِيَ بِالصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَحَقٌّ عَلَيْكَ أَنْ تَشْهَدَهَا، سَمِعْتَ النِّدَاءَ أَوْ لَمْ تَسْمَعْهُ.

[۳-] وَكَانَ أَنَسٌ فِي قَصْرِهِ: أَحْيَانًا يُجَمِّعُ وَأَحْيَانًا لَا يُجَمِّعُ، وَهُوَ بِالزَّاوِيَةِ عَلَى فَرْسَخَيْنِ.

[۹۰۲-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِي، فَيَأْتُوْنَ فِي الْغُبَارِ، فَيُصِيْبُهُمُ الْغُبَارُ وَالْعَرَقُ، فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ الْعَرَقُ، فَأَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِنْسَانٌ مِنْهُمْ، وَهُوَ عِنْدِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَوْ أَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هٰذَا!"

قولہ: وعلی من تجب؟: یہ عطف تفسیری ہے اور یہ ایک ہی مسئلہ ہے کہ محل اقامت جمعہ سے باہر کے رہنے والوں پر کہاں تک جمعہ فرض ہے؟

۱- آیت کریمہ: جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف چل دو، اور ابھی بتایا ہے کہ امام احمد

رحمہ اللہ نے الجمعة على من سمع النداء والا قول اختیار کیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ آیت کریمہ لکھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، اس آیت سے استدلال اس طرح ہے کہ جس نے جمعہ کی اذان سنی اگر اس پر جمعہ کے لئے آنا ضروری نہ ہو تو اذان دینے سے کیا فائدہ؟ معلوم ہوا کہ اذان کی آواز جہاں تک پہنچے وہاں تک کے لوگوں پر جمعہ کے لئے آنا ضروری ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اس میں دو قیدیں بڑھائی ہیں، ایک یہ کہ مؤذن بلند آواز ہو، دوم یہ کہ فضاء پر سکون ہو، پس جہاں تک آواز پہنچے گی وہاں تک کے لوگوں پر جمعہ میں آنا ضروری ہوگا۔

۲- حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قریہ جامعہ (بڑے شہر) کے باشندوں پر جمعہ کے لئے آنا فرض ہے، خواہ وہ اذان سنیں یا نہ سنیں، مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ کسی نے حضرت عطاء سے قریہ جامعہ کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے فرمایا: ذاتُ الجماعةِ والأمير والقاضي والدُّوْرِ المجتمعة الآخذة بعضها ببعض مثل جُدّة: ایسی بستی جس میں چار باتیں پائی جاتی ہوں وہ قریہ جامعہ ہے: (۱) وہاں بہت لوگ بستے ہوں یعنی آبادی بڑی ہو (۲) وہاں امیر ہو (۳) قاضی ہو (۴) اور اکٹھا مکانات ہوں۔ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول گذرا ہے: لاجمعةَ ولا تشريقَ إلا في مصرٍ جامعٍ: احناف نے مصر جامع کی یہی تفسیر کی ہے، ایسی بڑی بستی جس میں امیر ہو، قاضی ہو، تھانہ، عدالت اور کورٹ ہو، بازار ہو اور گلی کوچے ہوں وہ مصر جامع اور قریہ جامعہ ہے ایسے لوگوں پر جمعہ فرض ہے۔ غرض حضرت عطاء کے قول کا حاصل یہ ہے کہ محل اقامت جمعہ کے باشندوں پر جمعہ فرض ہے، مثلاً دیوبند میں جمعہ ہوتا ہے تو دیوبند کے باشندوں پر جمعہ فرض ہے، خواہ اذان سنیں یا نہ سنیں اور یہ اجماعی مسئلہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

فائدہ: لفظ جُدّہ اردو میں جیم کے زبر کے ساتھ بولتے ہیں، اصل لفظ جُدّہ (بضم الجیم) ہے جَدة (بالفتح) کے معنی ہیں: دادی، اسی لئے کسی نے وہاں قبرستان میں دادی حواء رضی اللہ عنہا کی فرضی قبر بنائی تھی، لوگ اس کی زیارت کرتے تھے، اب گورنمنٹ نے اس کو توڑ دیا ہے۔ اور جُدّة (بالضم) کے معنی ہیں: پگڈنڈی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے سمندر سے اتر کر مکہ آنے کا یہی راستہ تھا اس لئے اس کا نام جُدّة پڑا۔

۳- حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ سے دو فرسخ کے فاصلہ پر زاویہ نامی جگہ میں رہتے تھے، ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل پونے دو کلومیٹر کا ہوتا ہے یعنی حضرت انسؓ کا گھر بصرہ سے تقریباً آٹھ کلومیٹر دور تھا، آٹھ کلومیٹر تک اذان کی آواز نہیں پہنچ سکتی، اس لئے حضرت انسؓ کبھی بصرہ میں جمعہ پڑھنے کے لئے آتے تھے اور کبھی نہیں آتے تھے۔ معلوم ہوا کہ جہاں تک اذان کی آواز نہ پہنچے ان لوگوں پر جمعہ فرض نہیں۔ أحْيانًا يُجَمِّعُ کا مفہوم ہے: کبھی بصرہ میں جمعہ پڑھنے کے لئے آتے تھے واحيانًا لايُجَمِّعُ: اور کبھی جمعہ پڑھنے کے لئے نہیں آتے تھے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: لوگ اپنے گھروں سے اور عوالی سے باری باری جمعہ پڑھنے کے لئے آتے تھے، پس وہ لوگ غبار میں آتے تھے، پس ان کو غبار اور پسینہ پہنچتا تھا، پس ان کا پسینہ نکلتا تھا، پس ان میں سے ایک شخص

نبی ﷺ کے پاس آیا جبکہ آپ میرے پاس تھے، پس آپ نے فرمایا: کاش تم اپنے اس دن کے لئے پاکی حاصل کرو!

تشریح: النَّوْبة: کے معنی ہیں: باری، نمبر، اس سے دو فعل بنتے ہیں: (۱) اِنْتَابَهٗ اَمْرٌ: اس کو کوئی بات پیش آئی، کہیں گے: فلانٌ یَنْتَابُنَا: فلاں کی ہمارے پاس آمد ورفت ہے۔ (۲) تَنَاوَبَ الْاَمْرَ: کوئی کام باری باری کرنا۔ حدیث شریف میں دونوں طرح پڑھا گیا ہے یَنْتَابُوْنَ الجمعةَ بھی اور یَتَنَاوَبُوْنَ الجمعةَ بھی۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: قبا اور عوالی کے سب باشندے ہر جمعہ مدینہ نہیں آتے تھے بلکہ باری باری آتے تھے، ایک گھر میں دو آدمی ہوں تو ایک ایک ہفتہ آتا اور دوسرا دوسرے ہفتے، کیونکہ مسجد نبوی کی اذان قبا اور عوالی کے گاؤں تک نہیں پہنچتی تھی، اس لئے سارے لوگ جمعہ کے لئے نہیں آتے تھے، یہ منفی پہلو سے استدلال ہے کہ قبا اور عوالی کے سارے لوگ مسجد نبوی میں جمعہ پڑھنے کے لئے اس نہیں آتے تھے کہ وہاں تک اذان کی آواز نہیں پہنچتی تھی، اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جمعہ شہر، قصبہ اور بڑے گاؤں ہی میں ہوتا ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، ورنہ یہ گاؤں والے یا تو سارے آتے یا اپنے یہاں جمعہ قائم کرتے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں نہ تو قبا کی مسجد میں جمعہ قائم ہوا اور نہ عوالی کی کسی مسجد میں، پس معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ نہیں۔

عرب میں چاروں طرف ریت ہی ریت ہے اور گرم علاقہ ہے، حضرات صحابہ جب اپنے گھروں سے اور عوالی سے جمعہ کے لئے مسجد نبوی میں آتے تھے تو پسینہ میں شرابور ہو جاتے تھے، اور گرد آلود ہو جاتے تھے، چنانچہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اس سے پسینہ کی بو آرہی تھی، آپ نے فرمایا: کیا اچھا ہو جو تم نہا دھو کر جمعہ کے لئے آؤ!

بَابُ وَقْتِ الْجُمُعَةِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ

جمعہ کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے

جمہور کے نزدیک جمعہ کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے، دلائل نقلیہ کے علاوہ دلیل عقلی یہ ہے کہ جمعہ ظہر کا قائم مقام ہے، پس جو وقت مُنِیب (ظہر) کا ہے وہی وقت نائب (جمعہ) کا بھی ہوگا اور ایسی کوئی صریح روایت نہیں جس سے زوال سے پہلے جمعہ کا وقت ہونا ثابت ہوتا ہو۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک عیدین جس وقت پڑھی جاتی ہیں اس وقت جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ عیدین کی نمازیں دس، گیارہ بجے پڑھتے ہیں اس وقت جمعہ پڑھنا بھی جائز ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ جمہور کے ساتھ ہیں۔

باب میں تین حدیثیں ہیں: پہلی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے، اس میں لفظ راح ہے، راح کے معنی زوال کے بعد جانے کے ہیں، اور دوسری حدیث میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ زوال کے بعد جمعہ پڑھتے تھے، اور تیسری حدیث میں یہ ہے کہ صحابہ قیلولہ جمعہ کے بعد کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ زوال ہوتے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے، پھر لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ کرتے تھے۔

[۱۶-] بابُ وَقْتِ الْجُمُعَةِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ

وَكَذَا يُذْكَرُ عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، وَعَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ.

[۹۰۳-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَأَلَ عَمْرَةَ عَنِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ؟ فَقَالَتْ: قَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ النَّاسُ مَهَنَةَ أَنْفُسِهِمْ، وَكَانُوا إِذَا رَاحُوا إِلَى الْجُمُعَةِ رَاحُوا فِي هَيْئَتِهِمْ، فَقِيلَ لَهُمْ: "لَوِ اغْتَسَلْتُمْ!" [انظر: ۲۰۷۱]

[۹۰۴-] حدثنا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَمِيلُ الشَّمْسُ.

[۹۰۵-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ: كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ، وَنَقِيلُ بَعْدَ الْجُمُعَةِ. [انظر: ۹۴۰]

اثر: حضرات عمر، علی، نعمان اور عمرو بن حریث رضی اللہ عنہم کی رائے بھی یہی ہے کہ جمعہ کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے۔

حدیث (۹۰۳): مَهَنَة: کو مِهْنَة (بکسر المیم) بھی پڑھ سکتے ہیں اور مَهْنَة (بفتح المیم) بھی، یہ ماھن کی جمع ہے، اور ماھن کے معنی ہیں: خادم، صدیقہؓ فرماتی ہیں: لوگ خود اپنی خدمت کرتے تھے، یعنی لوگوں کے پاس نوکر چاکر نہیں تھے۔ لوگ اپنے کام خود کرتے تھے، کھیتوں میں بھی اور باغوں میں بھی، اور زوال کے بعد اسی حال میں جمعہ کے لئے آتے تھے۔

قولہ: وکانوا إذا راحوا: سے استدلال کیا ہے، لفظ راح کے معنی زوال کے بعد جانے کے ہیں، اور لو اغتسلتم میں لو تمنی کا ہے، یعنی آپ لوگ نہا کر آئیں تو اچھا ہو!

حدیث (۹۰۵): کُنَّا نُبَكِّرُ بالجمعة: کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صبح سویرے جمعہ پڑھا جاتا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ زوال کے بعد جلدی جمعہ پڑھا جاتا تھا، گرمیوں میں بھی تاخیر نہیں کی جاتی تھی، زوال ہوتے ہی فوراً جمعہ پڑھنا نبی ﷺ کی سنت مستمرہ ہے، اور عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے اس زمانہ میں لوگ صبح صادق کے بعد ہی سے جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد میں اکٹھا ہونا شروع ہو جاتے تھے، ایسی صورت میں تاخیر مناسب نہیں .... اور نقیل بعد الجمعة سے امام احمد رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے، نبی ﷺ کے زمانہ میں دو کھانے تھے ایک کھانا دن میں گیارہ بجے کھایا جاتا تھا، اور دوسرا مغرب کے بعد۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ جب قیلولہ جمعہ کے بعد کرتے تھے تو یقیناً نبی ﷺ اس سے پہلے یعنی دس بجے کے قریب جمعہ پڑھتے ہوں گے، معلوم ہوا کہ زوال سے پہلے بھی جمعہ جائز ہے۔ مگر یہ استدلال قوی نہیں، کیونکہ حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جمعہ کے دن صحابہ دوپہر کا کھانا اور قیلولہ وقت پر نہیں کرتے تھے بلکہ جمعہ کی وجہ سے دونوں کو مؤخر کرتے تھے، اس لئے کہ جمعہ کے لئے مسجد میں جلدی جانا صحابہ کا معمول تھا اس وقت تک کھانا تیار نہیں ہوتا تھا، اور کھانا کھا کر جمعہ پڑھنے

کے لئے جانے کی صورت میں طبیعت میں کسل بھی پیدا ہوگا، اس لئے صحابہ کھانے کو اور قیلولہ کو جمعہ کی وجہ سے مؤخر کرتے تھے۔ حدیث کا یہی مطلب ہے۔

باب: إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن جب سخت گرمی ہو

کتب فقہ میں جزئیہ ہے: لا إبراد في الجمعة وهو المختار: اس سے معلوم ہوا کہ قول مختار کے مقابل کوئی دوسرا قول بھی ہے، مگر مفتی بہ قول یہی ہے کہ پورے سال زوال ہوتے ہی فوراً جمعہ پڑھ لینا چاہئے، اور بعض علماء فرماتے ہیں: جو حکم ظہر کا ہے وہی جمعہ کا ہے، گرمیوں میں ظہر میں تاخیر کرنا مسنون ہے، پس گرمیوں میں جمعہ میں بھی تاخیر کی جائے، مگر یہ قول مفتی بہ نہیں، اور جو لوگ ہمیشہ جمعہ تاخیر سے پڑھتے ہیں ان کا عمل سنت مستمرہ کے خلاف ہے، لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہم پیچھے رہ جانے والوں کے لئے تاخیر کرتے ہیں، یہ عذر بارد ہے کیونکہ وقت کے بعد جمعہ پڑھیں گے تب بھی کچھ لوگ پیچھے رہ جائیں گے، ان کی کب تک رعایت کریں گے؟

دوسری غلطی:

بعض لوگ اذان اول اور اذان ثانی کے درمیان آدھے گھنٹے کا فصل رکھتے ہیں، چنانچہ اذان سن کر کوئی مسجد کی طرف نہیں چلتا، لوگ بدستور کاموں میں مصروف رہتے ہیں حالانکہ اذان اول کے بعد کوئی بھی کام کرنا خواہ دینی ہو یا دنیوی حرام ہے، سعی الی الجمعہ واجب ہے۔ اس لئے دونوں اذانوں کے درمیان صرف پندرہ منٹ کا فصل رکھنا چاہئے تاکہ لوگ اذان سنتے ہی مسجد کی طرف چل دیں اور گناہ سے بچیں۔

[۱۷-] باب: إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

[۹۰۶-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ خَلْدَةَ: وَهُوَ خَالِدُ بْنُ دِيْنَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُوْلُ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلاَةِ، وَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلاَةِ، يَعْنِي الْجُمُعَةَ.

وَقَالَ يُوْنُسُ بْنُ بُكَيْرٍ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ خَلْدَةَ، وَقَالَ: بِالصَّلاَةِ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْجُمُعَةَ.

وَقَالَ بِشْرُ بْنُ ثَابِتٍ: حَدَّثَنَا أَبُوْ خَلْدَةَ، قَالَ: صَلَّى بِنَا أَمِيْرٌ الْجُمُعَةَ، ثُمَّ قَالَ لِأَنَسٍ: كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي الظُّهْرَ؟

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سردی سخت ہوتی تھی تو نبی ﷺ نماز جلدی پڑھتے تھے، اور

جب گرمی سخت ہوتی تھی تو آپ وقت ٹھنڈا ہونے کے بعد نماز پڑھتے تھے (راوی کہتا ہے:) مراد لے رہے ہیں حضرت انسؓ جمعہ کو یعنی یہ حدیث نماز جمعہ کے بارے میں ہے۔

تشریح: یہ حدیث نماز جمعہ کے بارے میں ہے یا نماز ظہر کے بارے میں؟ ابوخلدہ سے یہ حدیث تین شاگرد روایت کرتے ہیں، صرف حرمی بن عمارہ کی روایت میں حدیث کے آخر میں یعنی الجمعۃ ہے، اور کسی راوی کی روایت میں یہ جملہ نہیں ہے، یونس بن بکیر کی روایت بالصلاۃ پر پوری ہو جاتی ہے، اور بشر بن ثابت کی روایت میں کچھ تفصیل ہے، وہ کہتے ہیں: کسی امیر نے جمعہ کی نماز پڑھائی، پھر اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز کس وقت پڑھتے تھے؟ حضرت انسؓ نے کہا: جب سردی سخت ہوتی تھی (الی آخرہ) اور سوال: جواب میں لوٹایا جاتا ہے، پس جواب ظہر کی نماز کے بارے میں ہے، جمعہ کی نماز کے بارے میں نہیں ہے۔

اور راوی کو غلط فہمی اس سے ہوئی ہے کہ یہ سوال وجواب جمعہ کی نماز کے بعد ہوئے تھے، اس لئے اس نے جمعہ کو ظہر پر قیاس کیا، اور حدیث کے آخر میں یعنی الجمعۃ بڑھا دیا۔ ہماری فقہ میں بھی بعض حضرات نے جمعہ کو ظہر پر قیاس کیا ہے، اور دونوں کا حکم ایک کر دیا ہے، مگر یہ قول مفتی بہ نہیں، راجح یہ ہے کہ جمعہ کو ظہر پر قیاس نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ قیاس کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مقیس میں نص نہ ہو، اور جمعہ کے بارے میں نص موجود ہے، ابھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث گذری ہے: کنا نُبَکِّرُ بالجمعۃ: ہم جمعہ جلدی پڑھا کرتے تھے، یہ حدیث گرمی سردی کو عام ہے، پس جمعہ کو ظہر پر قیاس نہیں کریں گے۔

بابُ الْمَشْيِ إِلَى الْجُمُعَةِ

جمعہ کی نماز کے لئے چل کر جانا

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ آیت کریمہ ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ میں سَعْیٌ بمعنی مَشْيٌ (چلنا) ہے چنانچہ آیت کریمہ کی تفسیر کی گئی ہے: السَّعْيُ: العَمَل والذَّهاب: سعی کے معنی عمل کرنے اور جانے کے ہیں، ارشاد پاک ہے: ﴿وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا﴾ اس نے آخرت کے لئے کام کیا، معلوم ہوا کہ سَعْیٌ کے معنی عمل کے بھی آتے ہیں —— باب میں دو مسئلے اور بھی ہیں جو آگے آئیں گے۔

[۱۸-] بابُ الْمَشْيِ إِلَى الْجُمُعَةِ

[۱-] وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾[الجمعة: ۹] وَمَنْ قَالَ: "السَّعْيُ": الْعَمَلُ وَالذَّهَابُ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا﴾ [الإسراء: ۱۹]

[۲-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَحْرُمُ الْبَيْعُ حِينَئِذٍ، وَقَالَ عَطَاءٌ: تَحْرُمُ الصِّنَاعَاتُ كُلُّهَا.

[۳-] وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ مُسَافِرٌ فَعَلَيْهِ أَنْ يَشْهَدَ.

[۹۰۷-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَايَةُ بْنُ رِفَاعَةَ، قَالَ: أَدْرَكَنِي أَبُو عَبْسٍ وَأَنَا أَذْهَبُ إِلَى الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: " مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ" [انظر: ۲۸۱۱]

پہلا مسئلہ: اذانِ جمعہ پر صرف بیع ممنوع ہوتی ہے یا ہر کاروبار؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بیع حرام ہوتی ہے اور ان کے شاگرد حضرت عطاءؒ کہتے ہیں: ہر کاروبار ممنوع ہے (حتی کہ دینی کتابوں کا مطالعہ اور تصنیف وتالیف بھی، اذان کے بعد مسجد کی طرف چلنا واجب ہے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ حضرت ابن عباسؓ نے بیع میں حصر نہیں کیا، پس مفصل بات وہ ہے جو حضرت عطاء نے فرمائی ہے)

دوسرا مسئلہ: امام زہریؒ فرماتے ہیں: مسافر جب اذان سنے تو اس پر جمعہ میں آنا واجب ہے (یہ قول الجمعۃ علی من سمع النداء پر مبنی ہے، احناف کے یہاں اس پر فتوی نہیں، احناف کے یہاں مسافر پر شہود جمعہ واجب نہیں خواہ وہ اذان سنے یا نہ سنے، البتہ اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ وہ جمعہ میں حاضر ہو)

حدیث: عبایہ کہتے ہیں: مجھ سے ابوعبس رضی اللہ عنہ ملے جبکہ میں جمعہ کے لئے جا رہا تھا (یہ جزء باب سے متعلق ہے) پس انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کے قدم راہِ خدا میں گرد آلود ہو گئے اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ پر حرام کر دیتے ہیں، یعنی جمعہ کی نماز کے لئے جانا بھی فی سبیل اللہ چلنا ہے، پس اللہ تعالیٰ آپ پر دوزخ کی آگ حرام کر دیں گے۔

تشریحات:

۱- وأنا أذهب إلى الجمعة سے استدلال کیا ہے، عبایہ رحمہ اللہ جمعہ کے لئے چل کر جا رہے تھے، دوڑ نہیں رہے تھے، معلوم ہوا کہ آیتِ کریمہ میں سعی کے معنی مَشی اور ذہاب کے ہیں، عَدْو (دوڑنے) کے نہیں ہیں۔

۲- حدیث کا سیاق بخاری شریف اور ترمذی شریف میں مختلف ہے، بخاری شریف کا سیاق تو آپ کے سامنے ہے، یہ بات عبایہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوعبسؓ پیچھے سے آکر مجھ سے ملے جبکہ میں جمعہ کے لئے جا رہا تھا اور انھوں نے حدیث سنائی اور میرے جمعہ کے لئے چلنے کو حدیث کا مصداق ٹھہرایا، اور حضرت ابوعبس رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں، پس یہ تاویل صحابی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ تاویل بعید فقیہ صحابی ہی کی معتبر ہے۔

اور ترمذی شریف کا سیاق اس طرح ہے: عن يزيد بن أبي مريم قال: لَحِقَني عباية بن رِفَاعة بن رافع وأنا ماشٍ إلى الجمعة، فقال: أَبْشِرْ فإنَّ خُطَاكَ هذه في سبيل الله، سمعتُ أبا عبسٍ يقول: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: من اغبرّتْ قَدَمَاهُ في سبيل الله فهما حرامٌ على النار:[1] اور عبایہ تابعی ہیں، اور تابعین کے بھی دوسرے طبقہ کے ہیں اور ان کی کوئی علمی شہرت بھی نہیں ہے، انھوں نے فی سبیل اللہ کو عام کیا ہے، تمام دینی کاموں کو اور امورِ خیر کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، چنانچہ یزید جو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے جارہے تھے ان کے عمل کو فی سبیل اللہ قرار دیا ہے۔

اور بخاری شریف کی سند تو بخاری کی سند ہے اور ترمذی شریف کی سند بھی حسن صحیح ہے، پس قابل غور بات یہ ہے کہ یہ تاویل صحابی کی ہے یا تابعی کی؟ جب تک یہ بات طے نہ ہو اس سے آئندہ بات پر استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے؟

۳- تبلیغی جماعت کے حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ان کا کام 'جہاد' ہے، کیونکہ جب جمعہ کے لئے جانا فی سبیل اللہ ہے تو تبلیغ کے لئے نکلنا فی سبیل اللہ کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ تبلیغ کے لئے نکلنا فی سبیل اللہ (راہِ خدا میں نکلنا) ہے مگر یہ الحاق ہی اس کی فضیلت ہے، جہاد فی سبیل اللہ کے تمام فضائل تبلیغ کے لئے ثابت نہیں کیے جائیں گے، جیسے مشکوۃ شریف میں کتاب العلم میں حدیث ہے: من خَرَجَ يطلُبُ العلمَ فهو في سبيل الله حتى يَرْجِعَ: جو شخص علم دین حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلا وہ جب تک گھر لوٹ نہ آئے اللہ کے راستہ میں ہے یعنی طالب علم: مجاہد فی سبیل اللہ کے ساتھ لاحق ہے، اور یہ الحاق ہی اس کی فضیلت ہے، یا جیسے ایک مرتبہ صحابہ کا سپہ گری میں مقابلہ ہو رہا تھا، نبی ﷺ بھی موجود تھے، دونوں پارٹیوں کے لیڈروں نے اپنے لئے آدمیوں کا انتخاب کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بچ گئے نبی ﷺ نے ان کو اپنے پاس بٹھالیا اور فرمایا: سلمانُ مِنَّا أهلَ البيت: سلمانؓ ہمارے گھرانے کے فرد ہیں، یہ الحاق ہی حضرت سلمانؓ کے لئے فضیلت ہے، اہل بیت کے تمام فضائل حضرت سلمانؓ کے لئے ثابت نہیں کیے جائیں گے۔

مگر تبلیغی احباب کو اصرار ہے کہ ہمارا کام ہی فی سبیل اللہ ہے، پھر وہ جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلہ کی تمام آیات واحادیث کو اپنے کام کا مصداق قرار دیتے ہیں، یہ ان کی غلطی ہے، اس لئے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جو آیات واحادیث جہاد کے ساتھ خاص ہیں تبلیغی کام ان کا مصداق نہیں، حدیث شریف میں طالب علم کو فی سبیل اللہ قرار دیا گیا ہے مگر کوئی شخص، طالب علم کے لئے جہاد کی آیات واحادیث استعمال نہیں کرتا، اور اہل بیت کے تمام فضائل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت نہیں کرتا، اسی طرح تبلیغی کام بے شک دینی کام ہے مگر اس کام کو ان آیات واحادیث کا مصداق قرار دینا جو مجاہدین کے لئے ہیں: سخت غلطی ہے۔

ملحوظہ: میری اس موضوع پر حضرت اقدس مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری قدس سرہ سے بھی گفتگو اور مکاتبت ہوئی ہے، جو میں نے تحفۃ الالمعی (۴: ۵۶۳-۵۶۶) میں لکھی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

[۹۰۸-] حدثنا آدمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابنُ أَبِي ذِئْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَعِيْدٍ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ح: وَحَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ:

(۱) ترمذی شریف حدیث ۱۶۳۲ تحفۃ الالمعی (۴: ۵۶۶)

أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: "إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ، وَأْتُوهَا تَمْشُونَ، وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا" [راجع: ٦٣٦]

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جب نماز کھڑی کی جائے یعنی اقامت شروع ہوجائے تو آپ لوگ نماز میں دوڑتے ہوئے نہ آئیں بلکہ چلتے ہوئے آئیں، اور اطمینان کو لازم پکڑیں، یعنی باطمینان چلتے ہوئے آئیں پس نماز کا جو حصہ پالیں اسے پڑھ لیں اور جو حصہ فوت ہوجائے اُسے بعد میں مکمل کرلیں۔

تشریح:

اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ جب پانچوں نمازوں میں دوڑتے ہوئے آنے کی ممانعت ہے تو جمعہ میں بدرجہ اولی دوڑتے ہوئے آنے کی ممانعت ہوگی، جمعہ میں سارا شہر جامع مسجد میں آتا ہے اگر سب دوڑتے ہوئے آئیں گے تو بڑا بدنما منظر ہوگا، پس آیت کریمہ میں سعی: دوڑنے کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی چلنے کے ہیں۔

فائدہ: یہاں ایک ضمنی مسئلہ یہ ہے کہ مسبوق فوت شدہ نماز کو کس طرح ادا کرے گا؟ امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی نماز کا شروع کا حصہ فوت ہوا ہے پس اگر ایک یا دو رکعت فوت ہوئی ہیں تو مسبوق ان کو بھری پڑھے گا اور تین فوت ہوئی ہیں تو شروع کی دو بھری پڑھے گا اور تیسری میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے گا۔ غرض: امام اعظم رحمہ اللہ نے امام کی نماز کا اعتبار کیا ہے، کیونکہ وہی اصالۃً نماز کے ساتھ متصف ہے، مقتدی تو اس کے واسطہ سے متصف ہے، امام واسطہ فی العروض ہے، کما تقدم۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ مسبوق نے نماز کا آخری حصہ نہیں پایا شروع کا حصہ پالیا ہے، کیونکہ اس نے تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کی ہے، پس ایک یا دو رکعت فوت ہونے کی صورت میں مسبوق صرف فاتحہ پڑھے گا، کیونکہ وہ اس کی آخری نماز ہے، اور تین رکعت فوت ہونے کی صورت میں پہلی بھری پڑھے گا اور باقی دو خالی۔ آپؒ نے مقتدی کی نماز کا اعتبار کیا ہے کیونکہ آپ کے نزدیک امام واسطہ فی الثبوت ہے، اور مقتدی بھی حقیقۃً نماز کے ساتھ متصف ہے۔

غرض اختلاف کی بنیاد وہ ہے جو پیچھے بیان کی جاچکی ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک امام واسطہ فی العروض ہے، نماز کے ساتھ حقیقۃً وہی متصف ہے اور مقتدی بالعرض اور مجازاً متصف ہے، پس جب امام کی نماز کا شروع کا حصہ مقتدی کے ہاتھ سے نکل گیا تو گویا مقتدی نے اس حصہ کو پڑھا ہی نہیں، اس لئے سلام پھیرنے کے بعد اسے شروع ہی کا حصہ پڑھنا ہے، پس اگر ایک رکعت فوت ہوئی ہے تو اس میں فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے گا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے امام کو واسطہ فی الثبوت مانا ہے یعنی ان کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں نماز کے ساتھ حقیقۃً متصف ہیں اور چونکہ مقتدی نے تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کی ہے، اس لئے اس نے شروع کی رکعتیں پڑھ لی ہیں، پس وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد جو ایک رکعت

رہ گئی ہے اس کو پڑھے گا اور خالی پڑھے گا کیونکہ وہ اس کی آخری رکعت ہے۔

اور امام مالک اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک قول میں یعنی قراءت میں مسبوق کی شروع کی نماز فوت ہوئی ہے، پس اگر ایک یا دو رکعت رہ گئی ہیں تو وہ بھری پڑھے گا، اور فعل میں یعنی قعدہ کے حق میں اس نے آخری کی نماز نہیں پڑھی ہے، لہٰذا اگر امام کے ساتھ اس نے صرف ایک رکعت پائی ہے تو وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت پڑھ کر قعدہ کرے گا، کیونکہ فرائض میں ہر دو رکعت پر قعدہ ہے اور وہ اس رکعت کو بھری پڑھے گا، پھر قعدہ سے فارغ ہو کر پہلی رکعت بھری ہوئی اور دوسری رکعت خالی پڑھے گا اسی طرح اگر مغرب میں دو رکعت فوت ہوئی ہیں تو مسبوق امام کے سلام کے بعد پہلی رکعت کے بعد قعدہ کرے گا پھر دوسری پڑھے گا، اور دونوں بھری پڑھے گا، اور فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

[۹۰۹-] حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، [قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ:] لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "لَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ" [راجع: ٦٣٧]

وضاحت: یہ حدیث عبد اللہ کی ہے یا ان کے ابا حضرت ابوقتادہؓ کی؟ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: جو بات میں جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ عبد اللہ کی حدیث نہیں ہے یعنی مرسل روایت نہیں ہے، بلکہ حضرت ابوقتادہ کی حدیث ہے یعنی مسند ہے، اور سند کے آخر میں عن ابیہ بھی ہے، نبی ﷺ نے صحابہ کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ میرے آنے سے پہلے کھڑے نہ ہوں جب مجھے کمرہ سے نکلتا ہوا دیکھیں تب کھڑے ہوں اور باوقار کھڑے ہوں، دوڑنے کی اب بھی اجازت نہیں، جب چار قدم دوڑنے کی اجازت نہیں تو جمعہ میں دوڑتے ہوئے آنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟

بَابٌ: لَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن دو شخصوں کے درمیان جدائی نہ کرے

اگر دو شخص ملے ہوئے بیٹھے ہوں تو ان کے درمیان نہ گھسے، یہ تفریق ہے اور اس کی ممانعت ہے، اور اگر درمیان میں جگہ خالی ہے تو وہاں بیٹھنا تفریق نہیں، بلکہ یہ جگہ پُر کرنا ہے اور یہ ممنوع نہیں، اور یہ حکم جمعہ کے ساتھ خاص نہیں، ہر مجلس کے لئے یہی حکم ہے۔

[۱۹-] بَابٌ: لَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

[۹۱۰-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ وَدِيعَةَ، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ،

وَتَطَهَّرَ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، ثُمَّ ادَّهَنَ أَوْ مَسَّ مِنْ طِيبٍ، ثُمَّ رَاحَ فَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ، فَصَلَّى مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ إِذَا خَرَجَ الإِمَامُ أَنْصَتَ: غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى" [راجع: ۸۸۳]

وضاحت: یہ حدیث پہلے (کتاب الجمعہ باب ۶ میں) گذر چکی ہے، جو شخص جمعہ کے دن نہائے، بقدر استطاعت پاکی حاصل کرے، خوشبو یا تیل لگائے، پھر جامع مسجد پہنچے اور جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے، دو شخصوں کے درمیان تفریق نہ کرے (یہاں باب ہے) اور جتنی اللہ تعالیٰ نے اس کے نصیب میں لکھی ہے اتنی نماز پڑھے پھر جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو خاموش رہے، اور خطبہ سنے تو اس کے اس جمعہ اور گذشتہ جمعہ کے درمیان کے تمام (چھوٹے) گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

بَابٌ: لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ أَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَقْعُدُ فِي مَكَانِهِ

جمعہ کے دن کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ میں نہ بیٹھے

کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ میں بیٹھنا خواہ وہ شاگرد یا مرید ہی کیوں نہ ہو جائز نہیں، البتہ اگر شاگرد یا مرید خود اٹھ جائے اور جگہ دیدے تو یہ دوسری بات ہے۔ اس میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ ایثار فی الطاعۃ اور عبادت میں ترجیح دینا ہے اور ثواب کے کام میں ترجیح دینا مکروہ ہے، ثواب کے کام میں تنافس مطلوب ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ یہ جائز ہے اس لئے کہ حضرات صحابہ نبی کریم ﷺ کے بالکل پیچھے شیخین رضی اللہ عنہما کے لئے جگہ خالی چھوڑتے تھے، معلوم ہوا کہ ایثار فی الطاعۃ کی گنجائش ہے اور ممانعت اٹھا کر بیٹھنے کی ہے۔

[۲۰-] بَابٌ: لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ أَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَقْعُدُ فِي مَكَانِهِ

[۹۱۱-] حدثنا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ نَافِعًا قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ، يَقُولُ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ أَخَاهُ مِنْ مَقْعَدِهِ، وَيَجْلِسَ فِيهِ. قُلْتُ لِنَافِعٍ: الْجُمُعَةَ؟ قَالَ: الْجُمُعَةَ وَغَيْرَهَا. [انظر: ۶۲۶۹، ۶۲۷۰]

قولہ: الجمعۃ وغیرھا: کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی ممانعت کا حکم جمعہ کے ساتھ خاص نہیں، ہر مجلس کے لئے یہی حکم ہے، خواہ وہ سبق کی مجلس ہو یا پند و موعظت کی، اسی طرح تفریق نہ کرنے کا حکم بھی عام ہے۔

بَابُ الْأَذَانِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن اذان

حضور اقدس ﷺ، صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جمعہ کے لئے صرف ایک اذان ہوتی تھی،

اور وہ اذان دو مقاصد کے لئے ہوتی تھی، ایک: غائبین کو نماز کی اطلاع دینے کے لئے۔ دوم: حاضرین کو خطیب کی آمد کی اطلاع دینے کے لئے، تاکہ وہ بات چیت اور نماز بند کردیں اور خطبہ سننے کے لئے تیار ہوجائیں، یہ اذان نبی ﷺ کے زمانہ میں مسجد کے دروازے پر (چھت پر) دی جاتی تھی (ابوداؤد:۱۵۵) پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور مدینہ منورہ کی آبادی بڑھ گئی اور یہ اذان اطلاع عام کے لئے ناکافی ہوگئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دونوں مقصدوں کو علاحدہ علاحدہ کردیا اور ہر ایک کے لئے مستقل اذان کردی، اب جو اذان غائبین کو اطلاع دینے کے لئے تھی وہ زوراء مقام پر دی جانے لگی، زوراء: مسجد نبوی سے متصل بازار میں کوئی بلند جگہ تھی، تاکہ لوگ اذان سن کر آجائیں پھر کچھ وقفہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لاتے تھے، اب دوسری اذان منبر کے سامنے مسجد میں دی جاتی تھی کیونکہ اب اس اذان کا مقصد صرف حاضرین کو آگاہ کرنا تھا اس لئے اس کو مسجد کے دروازے (چھت) پر دینے کے بجائے مسجد کے اندر لے لیا گیا، اس وقت سے آج تک پوری دنیا میں یہ اذان مسجد میں خطیب کے سامنے دی جاتی ہے۔ شرقاً غرباً یہی توارث وتعامل چلا آرہا ہے صرف وہ لوگ جو اجماع امت کو حجت نہیں مانتے اور آثار صحابہ کو بھی حجت نہیں مانتے یعنی غیر مقلدین اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت عثمانی کہتے ہیں، حالانکہ اس کو بدعت کہنا ضلالت وگمراہی ہے اس لئے کہ تمام صحابہ کے مشورے اور اجماع سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس اذان کا اضافہ کیا تھا، اور اجماع بھی قرآن وحدیث کی طرح قطعی حجت ہے اور اس کی اعتباریت قرآن کریم (سورۃ النساء، آیت:۱۱۵) سے ثابت ہے۔ اور صحابہ کرام کا اجماع تو اجماع امت کا سب سے اعلیٰ فرد ہے۔

سوال: سورہ جمعہ آیت:۹ ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ کا مصداق اب پہلی اذان ہے یا دوسری؟ عام طور پر علماء پہلی اذان کو مصداق بتاتے ہیں جبکہ نزول آیت کے وقت وہ اذان نہیں تھی، پس اس کو آیت کا مصداق کیسے قرار دے سکتے ہیں؟

جواب: آیت کا مصداق پہلی اذان ہی ہے، رہی یہ بات کہ وہ نزول آیت کے وقت نہیں تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ اصول تفسیر کا قاعدہ ہے: العبرةُ لعموم اللفظ لالخصوص المَوْرِد: نص کے الفاظ اگر عام ہوں تو حکم عام ہوتا ہے، شان نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں ہوتا، یہ قاعدہ تحفۃ القاری کے مقدمہ میں تفصیل سے گذر چکا ہے (۱:۸۸-۹۱) اور ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ﴾ عام ہے، پہلی اذان یا دوسری اذان کی کوئی قید نہیں، پس حکم بھی عام ہوگا اور مصداق وہ اذان ہوگی جو غائبین کو بلانے کے لئے دی جاتی ہے اور وہ پہلی ہی اذان ہے۔ اب دوسری اذان حاضرین کو خطیب کی آمد کی اطلاع دینے کے لئے ہے، اس لئے وہ ﴿نُودِيَ لِلصَّلَاةِ﴾ کا مصداق نہیں۔

سوال: اذان جمعہ کے ساتھ کاروبار اور دیگر مشاغل ترک کرکے مسجد جانا فرض ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ مگر لوگ عام طور پر پہلی اذان کے بعد مشاغل ترک نہیں کرتے اور گناہ گار ہوتے ہیں پس کیوں

نہ دوسری اذان کو آیت کا مصداق قرار دیا جائے تا کہ لوگ گناہ گار نہ ہوں؟

جواب: یہ خرابی مسلمانوں نے اپنے عمل سے پیدا کی ہے، پس اس کا علاج بھی مسلمانوں کے پاس ہے، آدھا گھنٹہ پہلے جو اذان دی جاتی ہے وہ غلط طریقہ ہے، دس منٹ پندرہ منٹ پہلے اذان دینی چاہئے تا کہ لوگ فوراً مسجد کی طرف چل دیں۔

[۲۱-] بَابُ الْأَذَانِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

[۹۱۲-] حدثنا آدم، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ، قَالَ: كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: أَوَّلُهُ إِذَا جَلَسَ الإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ، عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ، وَكَثُرَ النَّاسُ، زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ. [انظر: ۹۱۳، ۹۱۵، ۹۱۶]

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: الزَّوْرَاءُ: مَوْضِعٌ بِالسُّوْقِ بِالْمَدِيْنَةِ.

ترجمہ: سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں: جمعہ کے دن پہلی اذان حضور ﷺ کے زمانہ میں اور شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اس وقت تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تو انھوں نے زوراء پر تیسری اذان کا اضافہ کیا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: زوراء مدینہ منورہ کے بازار میں ایک جگہ تھی، یہ کوئی اونچی جگہ تھی، عمارت یا چٹان تھی۔

بَابُ الْمُؤَذِّنِ الْوَاحِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن ایک اذان دینے والا

جمعہ کی دو اذانوں کے لئے دو موذن رکھنے ضروری نہیں، ایک ہی موذن پہلی بھی اذان دے گا اور دوسری بھی، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

[۲۲-] بَابُ الْمُؤَذِّنِ الْوَاحِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

[۹۱۳-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ الْمَاجِشُوْنُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيْدَ: أَنَّ الَّذِي زَادَ التَّأْذِيْنَ الثَّالِثَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، حِيْنَ كَثُرَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ، وَلَمْ يَكُنْ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مُؤَذِّنٌ غَيْرَ وَاحِدٍ، وَكَانَ التَّأْذِيْنُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِيْنَ يَجْلِسُ الإِمَامُ، يَعْنِيْ: عَلَى الْمِنْبَرِ. [راجع: ۹۱۲]

ترجمہ: سائب بن یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ شخص جس نے جمعہ کے دن تیسری اذان بڑھائی وہ حضرت عثمانؓ ہیں،

جب مدینہ طیبہ کی آبادی بڑھ گئی، اور نبی ﷺ کا مؤذن ایک ہی تھا اور وہ جمعہ کے دن اس وقت اذان دیتا تھا جب امام منبر پر بیٹھتا تھا۔

تشریح: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو اذان بڑھائی ہے اس کو تیسری اذان وجود کے اعتبار سے کہا گیا ہے، وقوع کے اعتبار سے وہ پہلی اذان ہے اور تیسری اقامہ ہے، نبی ﷺ کے زمانہ میں ایک ہی اذان ہوتی تھی جو دو مقاصد کے لئے تھی اور مؤذن بھی ایک ہی تھا، جب حضرت عثمانؓ نے دونوں مقصدوں کو علاحدہ علاحدہ کردیا اور دو اذانیں کردیں تب بھی ایک ہی مؤذن اذان دیتا تھا۔

بَابٌ: يُجِيْبُ الإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ

امام جب منبر پر اذان سنے تو جواب دے

ایک حدیث ہے: إذا خرج الإمامُ فلا صلاةَ و لا كلام: جب امام جمعہ پڑھانے کے لئے نکل آئے تو نمازیں بھی بند کردو اور بات چیت بھی[1] اب یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ امام ومقتدی اذان ثانی کا جواب دے سکتے ہیں یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ یہ باب لائے ہیں کہ امام کو جواب دینا چاہئے اور مقتدی جواب دیں یا نہ؟ اس سلسلہ میں حضرت رحمہ اللہ نے کچھ نہیں فرمایا —— اب دو باتیں سمجھنی چاہئیں:

پہلی بات: اذان کے دو جواب ہیں: اجابت فعلی اور اجابت قولی، اجابتِ فعلی واجب ہے یا سنت؟ اس میں اختلاف ہے اور یہ مسئلہ گذر چکا ہے مگر اجابتِ قولی بالاتفاق مسنون ہے، اور مذکورہ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ اذان ثانی کا جواب نہیں دینا چاہئے۔

دوسری بات: جب امام منبر پر آکر بیٹھ گیا اور ابھی خطبہ شروع نہیں ہوا، اس وقت لوگوں کا باہم گفتگو کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں، اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے، لیکن امام کا کسی مقتدی سے بات کرنا یا مقتدی کا امام سے کچھ عرض کرنا بالاتفاق جائز ہے، پس امام کے لئے اذان کا جواب دینا بھی جائز ہوگا، کیونکہ یہ گویا مقتدی سے بات کرنا ہے۔ رہی یہ بات کہ مقتدی جواب دیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ حضرت رحمہ اللہ نے نہیں چھیڑا، باب میں امام کی تخصیص کی ہے، اور احناف کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ مقتدی دل میں جواب دیں، جیسے خطیب جب آیت تصلیہ پڑھے تو فقہ میں مسئلہ لکھا ہے کہ لوگ سرًا یا جہرًا درود نہ پڑھیں بلکہ دل میں درود بھیجیں، پس جیسے وہاں دل میں درود بھیجنا

(۱) ان لفظوں سے حدیث فقہ کی کتابوں میں ذکر کی گئی ہے، اور معجم طبرانی کبیر کے الفاظ یہ ہیں: إذا دخل أحدكم المسجد والإمام على المنبر فلا صلاة و لا كلام حتى يفرغ الإمام: یہ حدیث شواہد کی وجہ سے صالح للاحتجاج ہے (دیکھیں اعلاء السنن ۶۷:۴ معارف السنن ۳۸۴:۴ و ۳۸۵)

ہے یہاں بھی دل میں اذان کا جواب دیتا ہے، میرا یہی طریقہ ہے میں اذانِ ثانی کا دل میں جواب دیتا ہوں۔

[۲۳-] بابٌ: يُجِيْبُ الإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ

[۹۱۴-] حدثنا ابْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِيْ سُفْيَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَهُوَ جَالِسٌ عَلَى الْمِنْبَرِ، أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ: اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، قَالَ مُعَاوِيَةُ: اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: وَأَنَا، فَلَمَّا قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ، قَالَ مُعَاوِيَةُ: وَأَنَا، فَلَمَّا أَنْ قَضَى التَّأْذِيْنَ، قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى هٰذَا الْمَجْلِسِ، حِيْنَ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَقُوْلُ مَا سَمِعْتُمْ مِنِّيْ مِنْ مَقَالَتِيْ. [راجع: ۶۱۲]

حدیث: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے، آپؓ خطبہ دینے کے لئے منبر پر تشریف لائے، اذان شروع ہوئی، آپؓ نے تعلیم کی غرض سے جہراً جواب دیا اور اذان کے بعد فرمایا: نبی ﷺ نے بھی منبر پر بیٹھ کر اذان کا جواب دیا ہے جس طرح میں نے دیا۔

قولہ: وانا: یہ مختصر جواب ہے یعنی میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں .... **قولہ: فلما ان قضی التأذین:** جب اذان پوری ہوئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس جگہ سنا یعنی آپ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے، جب مؤذن نے اذان دی پس آپؐ نے اسی طرح جواب دیا جس طرح تم نے مجھ سے سنا۔

بَابُ الْجُلُوْسِ عَلَى الْمِنْبَرِ عِنْدَ التَّأْذِيْنِ

اذان کے وقت امام کا منبر پر بیٹھنا

خطبہ کی اذان کے لئے امام کا منبر پر ہونا ضروری ہے، یعنی جب امام منبر پر آ کر بیٹھ جائے تب اذان دی جائے، خطیب نماز پڑھ رہا ہو یا کمرے میں ہو اور اذان شروع کردی جائے یہ صحیح نہیں، اذان کے لئے امام کا آ کر منبر پر بیٹھنا ضروری ہے۔

[۲۴-] بَابُ الْجُلُوْسِ عَلَى الْمِنْبَرِ عِنْدَ التَّأْذِيْنِ

[۹۱۵-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ التَّأْذِيْنَ الثَّانِيَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَرَ بِهِ عُثْمَانُ حِيْنَ كَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ، وَكَانَ التَّأْذِيْنُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِيْنَ يَجْلِسُ الإِمَامُ. [راجع: ۹۱۲]

قولہ: وکان التأذین: یہ جملہ باب سے متعلق ہے، جب امام منبر پر آکر بیٹھ جاتا تھا تب دوسری اذان دی جاتی تھی، یہی توارث وتعامل ہے۔

بَابُ التَّأْذِيْنِ عِنْدَ الْخُطْبَةِ

خطبہ سے متصل اذان دینا

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ خطبہ سے متصل اذان دی جائے، جب امام منبر پر آکر بیٹھ جائے تب دوسری اذان دی جائے، پھر فوراً خطبہ شروع کردیا جائے، اذان اور خطبہ کے درمیان فصل نہیں ہونا چاہئے، اور اگر فصل ہوجائے، امام کسی سے بات کرنے لگے تو دوبارہ اذان نہیں دی جائے گی، اگرچہ فصل طویل ہوجائے۔

[۲۵-] بَابُ التَّأْذِيْنِ عِنْدَ الْخُطْبَةِ

[۹۱۶-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ: إِنَّ الأَذَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: كَانَ أَوَّلُهُ حِيْنَ يَجْلِسُ الإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ، فِيْ عَهْدِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَلَمَّا كَانَ فِيْ خِلَافَةِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَكَثُرُوْا أَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالأَذَانِ الثَّالِثِ، فَأُذِّنَ بِهِ عَلَى الزَّوْرَاءِ فَثَبَتَ الأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ.

[راجع: ۹۱۲]

قولہ: حين يجلس الإمام: یہ جملہ باب سے متعلق ہے، جب امام منبر پر آکر بیٹھ جاتا تھا تب اذان دی جاتی تھی، پھر فوراً خطبہ شروع ہوجاتا تھا۔

بابُ الْخُطْبَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ

منبر پر خطبہ دینا

منبر سے خطبہ دینا مستحسن ہے، خطیب اللہ عزوجل کا نائب ہے، پس اس کا بلند جگہ پر ہونا مناسب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفتِ علوّ ہے ﴿إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ اور خطیب اللہ تعالیٰ کا نائب ہے پس اس کے لئے بھی علو مستحسن ہے۔ علاوہ ازیں جب خطیب منبر سے خطبہ دے گا تو سب لوگ خطیب کو دیکھیں گے اور دور تک اس کی آواز پہنچے گی، جیسے اساتذہ درسگاہ میں چوکی پر بیٹھ کر پڑھاتے ہیں تاکہ سب طالب علم استاذ کو دیکھ سکیں، استاذ کے اشاروں کو دیکھنا بات سمجھنے میں مددگار ہوتا ہے، اگر چند طالب علم ہوں تو چوکی کی ضرورت نہیں، فرش پر بیٹھ کر استاذ پڑھائے گا، اور طلبہ جتنے زیادہ ہونگے چوکی اتنی اونچی

ہوگی، لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ دار الحدیث میں چوکی اونچی ہے اور کتابیں نیچی ہیں، یہ ایک مجبوری ہے، اگر تپائیاں بھی اونچی بنائیں تو طلبہ کتاب کیسے دیکھیں گے؟ اور کیسے پڑھیں گے۔ اور باب کی روایتوں میں کوئی مسئلہ نہیں ہے، بس یہ دیکھنا ہے کہ نبی ﷺ نے منبر سے خطبہ دیا۔

[۲۶-] بابُ الْخُطْبَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ

وَقَالَ أَنَسٌ: خَطَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْمِنْبَرِ.

[۹۱۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيُّ الْقُرَشِيُّ الإِسْكَنْدَرَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمِ بْنُ دِينَارٍ: أَنَّ رِجَالاً أَتَوْا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ، وَقَدِ امْتَرَوْا فِي الْمِنْبَرِ: مِمَّ عُوْدُهُ؟ فَسَأَلُوْهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَعْرِفُ مِمَّا هُوَ؟ وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ أَوَّلَ يَوْمٍ وُضِعَ، وَأَوَّلَ يَوْمٍ جَلَسَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، أَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى فُلَانَةَ، امْرَأَةٍ مِنَ الأَنْصَارِ قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ: " مُرِيْ غُلَامَكِ النَّجَّارَ أَنْ يَعْمَلَ لِيْ أَعْوَادًا أَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ إِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ " فَأَمَرَتْهُ. فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ، ثُمَّ جَاءَ بِهَا، فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ هَاهُنَا، ثُمَّ رَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَلَّى عَلَيْهَا، وَكَبَّرَ وَهُوَ عَلَيْهَا، ثُمَّ رَكَعَ وَهُوَ عَلَيْهَا، ثُمَّ نَزَلَ الْقَهْقَرَى، فَسَجَدَ فِيْ أَصْلِ الْمِنْبَرِ، ثُمَّ عَادَ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: " أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَأْتَمُّوْا بِيْ، وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِيْ " [راجع: ۳۷۷]

حدیث: ابو حازم بن دینار کہتے ہیں: چند لوگ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے وہ منبر رسول میں مباحثہ کر رہے تھے کہ اس کی لکڑی کس درخت کی تھی؟ انھوں نے اس سلسلہ میں حضرت سہلؓ سے دریافت کیا، آپؓ نے فرمایا: بخدا! میں جانتا ہوں کہ منبر کس لکڑی کا تھا اور میں نے اس کو پہلے ہی دن سے دیکھا ہے جب وہ تیار کر کے مسجد میں رکھا گیا، اور پہلے پہل نبی ﷺ اس پر جلوہ افروز ہوئے اس کو بھی میں جانتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار کی فلاں عورت کے پاس پیغام بھیجا جس کا حضرت سہلؓ نے نام لیا تھا (مگر ابو حازم بھول گئے) اور کہلا بھیجا کہ اپنے بڑھئی غلام کو حکم دو کہ وہ میرے لئے چند ایسی لکڑیاں (درجے) تیار کرے جن پر بیٹھ کر میں لوگوں سے خطاب کروں، اس عورت نے اپنے غلام کو اس کا حکم دیا، پس اس نے غابہ مقام کے جھاؤ کی لکڑی سے منبر بنایا، پھر وہ غلام اس کو عورت کے پاس لایا، پس اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، پس آپؐ نے اس کو مسجد میں رکھنے کا حکم دیا، پس وہ یہاں رکھا گیا، پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپؐ نے اس پر نماز پڑھی، اور تکبیر کہی، درانحالیکہ آپ منبر پر تھے، پھر منبر پر ہی رکوع کیا، پھر الٹے پاؤں منبر سے اتر آئے (تاکہ قبلہ سے انحراف نہ ہو) اور منبر کی جڑ میں سجدہ کیا پھر واپس منبر پر تشریف لے گئے، جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: لوگو! میں نے یہ عمل اس لئے کیا ہے تاکہ تم میری اقتدا کرو، اور تاکہ تم میری نماز سیکھو۔

وَلِتَعَلَّمُوْا: میں ایک ت پوشیدہ ہے۔

تشریحات:

۱- منبر غابہ نامی جگہ کے جھاؤ کے درخت کی لکڑی کا تھا اور عائشہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام میمون نجار نے بنایا تھا، اس میں تین درجے تھے، جب یہ منبر مسجد نبوی میں رکھا گیا تو حضور اقدس ﷺ نے اس پر چڑھ کر نماز پڑھائی تاکہ سب صحابہ آپ کی نماز دیکھیں، اور نماز کا طریقہ سیکھیں۔

۲- نبی ﷺ نے جو زمین پر سجدہ کیا تھا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے بلکہ منبر پر سجدہ کرنے کی جگہ نہیں تھی، اس لئے نیچے اتر کر سجدہ کیا تھا۔

[۹۱۸-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَنَسٍ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كَانَ جِذْعٌ يَقُوْمُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَلَمَّا وُضِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ سَمِعْنَا لِلْجِذْعِ مِثْلَ أَصْوَاتِ الْعِشَارِ، حَتَّى نَزَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ. [راجع: ۴۴۹]

وَقَالَ سُلَيْمَانُ، عَنْ يَحْيَى: أَخْبَرَنِيْ حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ، سَمِعَ جَابِرًا.

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (مسجد نبوی میں) ایک کھجور کا تنا تھا، جس پر (اور گیلری میں ہے یعنی اس کے پاس) آپ کھڑے ہوا کرتے تھے، جب آپؐ کے لئے منبر رکھا گیا تو ہم نے اس تنے کی رونے کی آواز سنی، جیسے دس مہینہ کی گابھن اونٹنی آواز نکالتی ہے یہاں تک کہ نبی ﷺ منبر سے اترے اور اس تنے پر اپنا ہاتھ رکھا۔

اس حدیث کو یحییٰ بن سعید انصاری سے سلیمان بن بلال بھی روایت کرتے ہیں ان کی حدیث میں ابن انس کا نام مذکور ہے، وہ حفص بن عبید اللہ بن انس ہیں۔

تشریح: یہ معجزہ کی روایت ہے، منبر بننے سے پہلے مسجد نبوی میں محراب کے پاس کھجور کا ایک ستون تھا، اس کے قریب کھڑے ہو کر حضور اقدس ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے، کبھی اس پر ہاتھ بھی رکھتے تھے، اور کبھی اس سے جسم اطہر مس کرتا تھا، جب مسجد میں منبر رکھا گیا اور آپ منبر پر خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ ستون فراق نبوی میں بلکنے لگا، دس مہینہ کی گابھن اونٹنی کا جب بیانے کا وقت آتا ہے تو وہ ایک خاص انداز سے آواز نکالتی ہے بلبلاتی ہے اس طرح کی آواز اس ستون سے نکلنے لگی، اور اس کے رونے کی آواز ساری مسجد نے سنی، آپ منبر پر سے اتر کر اس ستون کے پاس آئے، اور اس پر دست شفقت رکھا تب اس کو سکون ہوا اور اس کا بلکنا بند ہوا، پھر آپؐ کے حکم سے وہ ستون منبر کے نیچے دفن کیا گیا، اور اس کی جگہ دوسرا ستون کھڑا کیا گیا۔

[۹۱۹-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَقَالَ: "مَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ"[راجع: ۸۷۷]

وضاحت: یہ حدیث ابواب الجمعہ کے شروع میں گذر چکی ہے اور یہاں باب کے ساتھ مناسبت واضح ہے، آپ نے مذکورہ بات منبر سے ارشاد فرمائی ہے۔

بَابُ الْخُطْبَةِ قَائِمًا

کھڑے ہوکر خطبہ دینا

جمہور کے نزدیک خطبہ میں قیام سنت ہے، اگر بیٹھ کر خطبہ دیا جائے تو بھی صحیح ہے، اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خطیب اگر قیام پر قادر ہے تو قیام فرض ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیشہ کھڑے ہوکر خطبہ دیا ہے، یعنی حضرت رحمہ اللہ نے مواظبت تامہ کو دلیل وجوب بنایا ہے، مگر دوسرے فقہاء فرماتے ہیں: فعلی روایت سے عدم فرضیت تو ثابت ہوسکتی ہے، فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی، اور مواظبت تامہ دلیل وجوب اس وقت ہے جب اس کے ساتھ قرائن منضمہ ہوں، جیسے نبی ﷺ نے ہمیشہ وتر پڑھا ہے اور انیس روایات میں وتر کی غایت درجہ تاکید آئی ہے، نیز وتر کا وقت مقرر ہے اور وتر کی قضاء ہے، یہ قرائن منضمہ ہیں، چنانچہ احناف کے نزدیک وتر واجب ہے، اور یہاں کوئی قرینہ منضمہ نہیں، اس لئے جمہور نے کھڑے ہوکر خطبہ دینے کو سنت کہا ہے واجب یا فرض نہیں کہا۔

[۲۷-] بَابُ الْخُطْبَةِ قَائِمًا

وَقَالَ أَنَسٌ: بَيْنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ قَائِمًا.

[۹۲۰-] حدثنا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَقْعُدُ، ثُمَّ يَقُومُ كَمَا تَفْعَلُوْنَ الآنَ. [انظر: ۹۲۸]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ کھڑے ہوکر خطبہ دیا کرتے تھے پھر بیٹھتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تھے جیسے تم اب کرتے ہو۔

تشریحات:

۱- صحت جمعہ کے لئے ایک خطبہ ضروری ہے یا دو؟ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک دو خطبے ضروری ہیں، درمیان میں بیٹھنا ضروری ہے، اگر نہیں بیٹھا تو ایک ہی خطبہ شمار ہوگا، اور نماز صحیح نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل مواظبت تامہ ہے، نبی

ﷺ نے ہمیشہ دو خطبے دیئے ہیں، اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک صحتِ جمعہ کے لئے صرف خطبہ شرط ہے، دو خطبے ضروری نہیں، ان کی دلیل سورۂ جمعہ کی آیت: ۹ ہے: ﴿فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ اس آیت میں صرف خطبہ کا تذکرہ ہے، دو خطبوں کی کوئی قید نہیں۔

اور دوسری دلیل: دو روایتیں ہیں: (۱) حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ خطبے میں بیٹھتے نہیں تھے، یعنی مسلسل ایک ہی خطبہ دیتے تھے، یہ روایت ابن بطال نے شرح بخاری میں ذکر کی ہے (اعلاء السنن ۸: ۵۵) (۲) مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے: ابو اسحاق سبیعی کہتے ہیں: رأيت عليا يخطب على المنبر، فلم يجلس حتى فرغ: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا، وہ خطبہ ختم ہونے تک نہیں بیٹھے، اس حدیث کی سند علی شرط الجماعۃ ہے (اعلاء السنن ۸: ۵۵) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ابتدائے خلافت میں ایک خطبہ دینے کا جو واقعہ ہے وہ بے سند ہے (البدایہ والنہایہ ابن کثیر) ان روایات کی وجہ سے حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ صحتِ جمعہ کے لئے صرف خطبہ شرط ہے، دو خطبے ہونے ضروری نہیں، البتہ نبی ﷺ ہمیشہ دو خطبے دیتے تھے یعنی درمیان میں بیٹھتے تھے اس لئے دو خطبے سنت ہیں۔

۲- دو خطبوں کی حکمت یہ ہے کہ اس سے تقریر کا مقصد پوری طرح حاصل ہوتا ہے، کیونکہ مسلسل بات کرنے میں کبھی کچھ ضروری باتیں رہ جاتی ہیں، جب مقرر وقفہ کرے گا تو اس وقفہ میں ضروری باتیں یاد آئیں گی جن کو وہ دوسرے خطبہ میں بیان کرے گا، اور دوسری حکمت: یہ ہے کہ مسلسل بولنے سے بولنے والا تھکتا ہے اور سننے والے بھی اکتاتے ہیں، اور ذرا وقفہ کر کے دوبارہ خطبہ شروع کیا جائے تو خطیب بھی نشاط کے ساتھ گفتگو کرتا ہے اور سامعین بھی دلچسپی سے سنتے ہیں۔

بَابُ اسْتِقْبَالِ النَّاسِ الإِمَامَ إِذَا خَطَبَ

خطبہ کے دوران لوگ امام کی طرف متوجہ رہیں

جب امام خطبہ دے تو لوگوں کو اپنی صفوں میں رہتے ہوئے چہرے کے ساتھ امام کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب مؤذن اذان دے کر فارغ ہوجاتا تو حضرت اپنا چہرہ امام کی طرف گھما لیتے، ائمہ ثلاثہ کی بھی یہی رائے ہے، اور اگر وعظ کی مجلس میں جس طرح لوگ بیٹھتے ہیں اس طرح بیٹھ کر خطبہ سنیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں، لیکن اس میں پریشانی یہ ہوگی کہ خطبہ کے بعد صفیں بنانے میں خلفشار ہوگا، اس لئے پہلے سے لوگ صفیں بنا کر بیٹھ جائیں اور حالت اصطفات میں امام کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ سنیں یہی اولیٰ ہے۔

[۲۸-] بَابُ اسْتِقْبَالِ النَّاسِ الإِمَامَ إِذَا خَطَبَ

وَاسْتَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَسٌ الإِمَامَ.

[۹۲۱-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم جَلَسَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ، وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ. [انظر: ۱۴۶۵، ۲۸۴۲، ۶۴۲۷]

قولہ: وجلسنا حولہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وعظ کی مجلس کی طرح لوگ بیٹھے تھے، مگر ممکن ہے یہ جمعہ کا خطبہ نہ ہو، کیونکہ حدیث سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے منبر پر بیٹھ کر تقریر فرمائی ہے، پس یہ جمعہ کا خطبہ نہیں ہے، کیونکہ آپؐ نے جمعہ کا خطبہ کبھی بیٹھ کر نہیں دیا، اور اگر جمعہ کا خطبہ مان لیں تو یہ تاویل ممکن ہے کہ یہ طریقہ بھی جائز ہے، اگر لوگ تھوڑے ہوں، خطبہ کے بعد صف بنانے میں خلفشار کا اندیشہ نہ ہو تو اس طرح بھی بیٹھ سکتے ہیں۔ اور صحابہ کا معمول صفوں میں بیٹھ کر خطبہ سننے کا تھا، ابھی حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کا عمل گذرا ہے کہ وہ اپنی جگہ صف میں بیٹھ کر امام کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اس لئے یہی صورت اولیٰ اور بہتر ہے۔

بَابُ مَنْ قَالَ فِي الْخُطْبَةِ بَعْدَ الثَّنَاءِ: أَمَّا بَعْدُ

ایک رائے ہے کہ خطبہ میں اللہ کی تعریف کے بعد أَمَّا بَعْدُ کہنا چاہئے

خطبہ میں حمد وثنا کے بعد جب مقصد کا آغاز کرے تو اما بعد کہہ کر مقصد کا آغاز کرے یہی سنت قدیمہ ہے۔ کہتے ہیں: سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے اما بعد استعمال کیا تھا، سورۂ ص کی آیت ۲۰ میں ﴿فَصْلَ الْخِطَابِ﴾ ہے بعض مفسرین نے فصل الخطاب کا مصداق اما بعد کو قرار دیا ہے، اما بعد کا مطلب یہ ہے کہ اب تک جو کچھ بیان کیا وہ مضمون پورا ہوا، اب نیا مضمون شروع ہوتا ہے، اور صرف بعدُ کہنا بھی جائز ہے اور اس کی جگہ صرف ھذا بھی کہہ سکتے ہیں، یعنی دو مضمونوں میں فصل کرنے کے لئے تین لفظ ہیں، اما بعد، صرف بعدُ اور صرف ھذا، قرآنِ کریم میں سورۂ ص میں ھذا اس مقصد کے لئے استعمال ہوا ہے ﴿هٰذَا، وَإِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَآبٍ﴾

قاعدہ: دو مضمون بالکل متبائن ہوں تو اما بعد کہیں گے، اور اگر دونوں مضمونوں میں گونہ تعلق ہو تو صرف بعدُ کہیں گے۔ اور اگر دونوں مضمونوں میں برائے نام جدائی ہو جیسے جہنمیوں کے تذکرے کے بعد جنتیوں کا تذکرہ، ایسی جگہ ھذا استعمال کریں گے۔

فائدہ (۱): اب کتابوں کے خطبوں میں اور جمعہ اور دیگر تقاریر کے خطبوں میں اما بعد رہ گیا ہے، ان کے علاوہ کہیں استعمال نہیں کیا جاتا، حالانکہ کتاب اور مضمون میں اما بعد یا بعد یا ھذا موقع کی مناسبت سے استعمال کرنا چاہئے۔

فائدہ (۲): کچھ لوگ اما بعد کے بعد کہتے ہیں: قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید: أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم: پھر کوئی آیت پڑھتے ہیں۔ اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن میں اعوذ باللہ الخ کہاں ہے؟ مگر یہ اعتراض

صحیح نہیں۔قال اللہ تعالیٰ کا مصداق أعوذ باللہ الخ نہیں ہے بلکہ تعوذ کے بعد جو آیت یا سورت پڑھیں گے وہ مصداق ہے،اور شروع میں تعوذ پڑھنا تلاوت قرآن کے آداب میں سے ہے اس لئے پڑھتے ہیں ـــــ اس باب میں چھ حدیثیں ہیں ان میں صرف أما بعد کو دیکھنا ہے۔

[۲۹-] بابُ مَنْ قَالَ فِي الْخُطْبَةِ بَعْدَ الثَّنَاءِ: أَمَّا بَعْدُ

رَوَاهُ عِكْرِمَةُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۹۲۲-] وَقَالَ مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ، قُلْتُ: مَاشَأْنُ النَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا إِلَى السَّمَاءِ، فَقُلْتُ: آيَةٌ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا: أَيْ نَعَمْ، قَالَتْ: فَأَطَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم جِدًّا حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ وَإِلَى جَنْبِي قِرْبَةٌ فِيهَا مَاءٌ، فَفَتَحْتُهَا، فَجَعَلْتُ أَصُبُّ مِنْهَا عَلَى رَأْسِي، فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَخَطَبَ النَّاسَ، فَحَمِدَ اللهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: "أَمَّا بَعْدُ" قَالَتْ: وَلَغِطَ نِسْوَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَانْكَفَأْتُ إِلَيْهِنَّ لِأُسَكِّتَهُنَّ، فَقُلْتُ لِعَائِشَةَ: مَا قَالَ؟ قَالَتْ: قَالَ: "مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَكُنْ أُرِيتُهُ إِلَّا وَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، وَإِنَّهُ قَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ مِثْلَ أَوْ: قَرِيبًا مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، يُؤْتَى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهُ: مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوْ قَالَ: الْمُوقِنُ - شَكَّ هِشَامٌ - فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، هُوَ مُحَمَّدٌ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى، فَآمَنَّا وَأَجَبْنَا وَاتَّبَعْنَا وَصَدَّقْنَا، فَيُقَالُ لَهُ: نَمْ صَالِحًا، قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنْ كُنْتَ لَمُؤْمِنًا بِهِ، وَأَمَّا الْمُنَافِقُ، أَوْ قَالَ: الْمُرْتَابُ - شَكَّ هِشَامٌ - فَيُقَالُ لَهُ: مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ"

قَالَ هِشَامٌ: فَلَقَدْ قَالَتْ لِي فَاطِمَةُ، فَأَوْعَيْتُهُ، غَيْرَ أَنَّهَا ذَكَرَتْ مَا يُغَلِّظُ عَلَيْهِ. [راجع: ۸۶]

قولہ: رواہ عکرمۃ: یہ حدیث باب کے آخر میں آرہی ہے،اور باب کی پہلی حدیث بار بار گذر چکی ہے،مدنی دور میں ایک مرتبہ سورج گہن ہوا تھا،نبی ﷺ نے صلوۃ کسوف پڑھائی تھی،نماز کے بعد آپؐ نے تقریر فرمائی،سب سے پہلے اللہ کی تعریف کی،پھر أما بعد کہہ کر اگلا مضمون شروع کیا،اس مناسبت سے یہاں یہ حدیث لائے ہیں (دیکھئے تحفۃ القاری ۱:۳۶۲)......... **قالت: ولغط نسوۃ:** حضرت اسماءؓ جہاں بیٹھی تھیں وہاں انصار کی عورتوں نے شور شروع کردیا،حضرت اسماءؓ ان کو خاموش کرنے لگیں،اس لئے کچھ مضمون سننے سے رہ گیا،چنانچہ انھوں نے وہ مضمون حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا......... **فانکفأت إلیهن:** پس میں مائل ہوئی ان کی طرف تا کہ ان کو خاموش کروں......... **قولہ: هو محمد:**

یہ مستقل جملہ ہے اور جاء نا بالبینات الخ بھی مستقل جملہ ہے......... قال ھشام: قالت لی فاطمۃ: یہ فاطمہؒ حضرت ہشام کی بیوی اور چچا زاد بہن ہیں......... فاوعیتہ: ہشام کہتے ہیں: مجھ سے یہ حدیث میری بیوی فاطمہ نے بیان کی، اور میں نے اس کو پکا یاد کیا۔۔۔ غیر انھا ذکرت الخ مگر یہ کہ فاطمہؒ نے ذکر کی وہ بات جو منافق پر بھاری کی جائے گی، یعنی فاطمہ نے جو حدیث بیان کی وہ میں نے یاد کر لی ہے مگر ایک مضمون مجھے یاد نہیں رہا، فرشتے منافق پر سختی کریں گے، کس طرح سختی کریں گے؟ فاطمہ نے یہ بھی بیان کیا تھا مگر مجھے وہ مضمون یاد نہیں رہا۔

[۹۲۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ جَرِيْرِ بْنِ حَازِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ، يَقُوْلُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أُتِيَ بِمَالٍ أَوْ: بِشَيْءٍ، فَقَسَمَهُ، فَأَعْطَى رِجَالاً وَتَرَكَ رِجَالاً، فَبَلَغَهُ أَنَّ الَّذِيْنَ تَرَكَ عَتَبُوْا، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: "أَمَّا بَعْدُ، فَوَ اللّٰهِ إِنِّيْ أُعْطِي الرَّجُلَ وَأَدَعُ الرَّجُلَ، وَالَّذِيْ أَدَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِيْ أُعْطِيْ، وَلٰكِنْ أُعْطِيْ أَقْوَامًا لِمَا أَرَى فِيْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ، وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْغِنَى وَالْخَيْرِ، فِيْهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ" فَوَ اللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِيْ بِكَلِمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حُمْرَ النَّعَمِ. [انظر: ۳۱۴۵، ۷۵۳۵]

حدیث: عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کے پاس کہیں سے کوئی مال یا کہا: کوئی چیز آئی، آپؐ نے اس کو تقسیم کیا، پس بعض کو دیا اور بعض کو چھوڑ دیا، پس آپؐ کو یہ بات پہنچی کہ جن کو چھوڑ دیا تھا انھوں نے ناگواری کا اظہار کیا (پس آپ نے تقریر فرمائی) سب سے پہلے اللہ کی حمد وثنا کی پھر اما بعد کہہ کر فرمایا (یہاں باب ہے) بخدا! میں بعض کو دیتا ہوں اور بعض کو چھوڑ دیتا ہوں، اور جن کو میں چھوڑتا ہوں وہ مجھے زیادہ پسند ہوتے ہیں ان لوگوں سے جن کو میں دیتا ہوں، لیکن میں کچھ لوگوں کو دیتا ہوں بایں وجہ کہ ان کے دلوں میں گھبراہٹ اور بے قراری محسوس کرتا ہوں اور کچھ لوگوں کو اس بے نیازی اور بھلائی کے حوالے کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں گردانی ہے یعنی ان کو نہیں دیتا۔ ایسے بندوں میں عمرو بن تغلب ہیں، حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بخدا! یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میرے لئے سرخ اونٹ ہوں! یعنی دنیا کی بڑی سے بڑی دولت اس ذرہ نوازی کے سامنے ہیچ ہے۔

قولہ: أن الذین ترک: ترک کا فاعل اور مفعول دونوں محذوف ہیں ای أن الذین ترکھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم...... الجزع: گھبراہٹ، الھلع: بے قراری دونوں کا ایک مفہوم ہے، اسی طرح غنی اور خیر کا ایک مفہوم ہے۔

[۹۲۴-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ، فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ، فَصَلَّى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا، فَاجْتَمَعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ، فَصَلَّوْا مَعَهُ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا،

فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ، فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَصَلُّوْا بِصَلاَتِهِ، فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ، حَتّٰى خَرَجَ لِصَلاَةِ الصُّبْحِ، فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَتَشَهَّدَ، ثُمَّ قَالَ: " أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ، لٰكِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ، فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا" تَابَعَهُ يُوْنُسُ. [راجع: ۷۲۹]

حدیث: یہ روایت بھی پہلے گذری ہے، نبی ﷺ لوگوں کو رمضان کی راتوں میں سونے سے پہلے نفلیں پڑھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے، رات کے آخر میں اٹھ کر تہجد کی نماز تو بارہ مہینے پڑھی جاتی ہے، لیکن رمضان میں ایک اضافی نماز بھی ہے جس کا نام قیام رمضان (تراویح) ہے، نبی ﷺ اس کی ترغیب دیا کرتے تھے، مگر اس کے لئے جماعت نہیں کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ آدھی رات کو اپنے چٹائیوں والے کمرے سے نکلے، پس آپ نے مسجد میں نماز پڑھی، پس کچھ مردوں نے بھی آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی، صبح کو اس نماز کا چرچا ہوا، اگلی رات اس سے زیادہ لوگ جمع ہوگئے، پس انھوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پس لوگوں نے صبح کی اور آپس میں اس نماز کا چرچا کیا، پس تیسری رات میں مسجد میں بہت لوگ جمع ہوگئے، پس ان لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر جب چوتھی رات آئی تو مسجد میں اتنے لوگ اکٹھا ہوگئے کہ تل دھرنے کی جگہ نہ رہی (پس آپ مقررہ وقت پر نہ نکلے) یہاں تک کہ فجر کی نماز کے لئے نکلے، پس جب فجر پڑھادی تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور توحید و رسالت کی گواہی دی، پھر فرمایا: اما بعد: رات کی تمہاری حالت مجھ پر مخفی نہیں تھی، مگر مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر لازم نہ کردی جائے، پس تم اس سے عاجز ہوجاؤ۔ اس حدیث کو یونس نے بھی ابن شہاب زہریؒ سے روایت کیا ہے، پس یونس، عُقیل کے متابع ہیں۔

قولہ: فصلی فی المسجد: پہلے یہ روایت آئی ہے کہ مسجد میں آپ کے لئے جو چٹائیوں کا کمرہ بنایا گیا تھا آپ نے اسی کمرہ سے امامت کی تھی، آپ باہر تشریف نہیں لائے تھے، اور اس حجرہ کی دیوار اتنی نیچی تھی کہ جب آپ کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے تو باہر سے نظر آرہے تھے، اور یہاں یہ ہے کہ آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے، اور محراب میں کھڑے ہوکر نماز پڑھائی، یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے اس سے صرف نظر کی جانی چاہئے اور میرا خیال یہ ہے کہ صحیح واقعہ وہ ہے جو یہاں ہے۔ .... **فاصبح الناس فتحدثوا:** صبح لوگوں میں چرچا ہوا کہ رات بڑا مزہ آیا .... **فاجتمع اکثر منہم:** اگلی رات اور زیادہ لوگ جمع ہوگئے .... **فلما کانت اللیلۃ الرابعۃ:** یہاں حدیث میں تین راتیں نماز پڑھانے کا ذکر ہے، بعض روایات میں دو راتیں نماز پڑھانے کا ذکر ہے، میرا خیال یہ ہے کہ وہ راویوں کا اختصار ہے، صحیح واقعہ یہ ہے کہ آپ نے تین راتیں نماز پڑھائی تھی اور چوتھی رات تشریف نہیں لائے تھے۔

[۹۲۵-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ، عَنْ أَبِيْ حُمَيْدٍ

السَّاعِدِيِّ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَامَ عَشِيَّةً بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَتَشَهَّدَ وَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: "أَمَّا بَعْدُ"

تَابَعَهُ أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، وَأَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ حُمَيْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "أَمَّا بَعْدُ"

تَابَعَهُ الْعَدَنِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ فِي أَمَّا بَعْدُ [انظر: ۱۵۰۰، ۲۵۹۷، ۶۶۳۶، ۶۹۷۹، ۷۱۷۴، ۷۱۹۷]

وضاحت: یہ تقریر آپؐ نے عصر کے بعد کی تھی، عشیہ کے معنی ہیں: شام۔ تقریر یہاں نہیں ہے، آپ نے حمد وثنا کے بعد اما بعد کہہ کر تقریر فرمائی، اس مناسبت سے یہاں یہ حدیث لائے ہیں۔

قولہ: تابعہ أبو معاویۃ: ابو معاویہ اور ابو اسامہ دونوں امام زہری رحمہ اللہ کے متابع ہیں، یعنی وہ دونوں بھی حضرت عروہؒ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام زہری براہِ راست عروہ سے روایت کرتے ہیں اور ابو معاویہ اور ابو اسامہ حضرت ہشام کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں۔

تابعہ العدني: محمد بن یحییٰ العدنی بھی سفیان بن عیینہ کے واسطہ سے حضرت ہشام سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، ان کی حدیث مسلم شریف میں ہے، اور صرف اما بعد میں متابعت ہے، پوری حدیث میں نہیں۔

[۹۲۶-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، قَالَ: قَامَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَسَمِعْتُهُ حِيْنَ تَشَهَّدَ يَقُوْلُ: "أَمَّا بَعْدُ". تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ. [انظر: ۳۱۱۰، ۳۷۱۴، ۳۷۲۹، ۳۷۶۷، ۵۲۳۰، ۵۲۷۸]

وضاحت: حدیث کی باب سے مناسبت واضح ہے، آپؐ نے تشہد کے بعد اما بعد کہہ کر تقریر فرمائی، اس حدیث میں زبیدی: شعیب کے متابع ہیں۔

[۹۲۷-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْغَسِيْلِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: صَعِدَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْمِنْبَرَ، وَكَانَ آخِرَ مَجْلِسٍ جَلَسَهُ، مُتَعَطِّفًا مِلْحَفَةً عَلَى مَنْكِبَيْهِ، قَدْ عَصَبَ رَأْسَهُ بِعِصَابَةٍ دَسِمَةٍ، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "أَيُّهَا النَّاسُ إِلَيَّ" فَثَابُوْا إِلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ يَقِلُّوْنَ وَيَكْثُرُ النَّاسُ، فَمَنْ وَلِيَ شَيْئًا مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ، فَاسْتَطَاعَ أَنْ يَضُرَّ فِيْهِ أَحَدًا أَوْ يَنْفَعَ فِيْهِ أَحَدًا، فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ، وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيْئِهِمْ. [انظر: ۳۶۲۸، ۳۸۰۰]

حدیث: ابن عباسؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ منبر پر چڑھے اور یہ آپ کی آخری بیٹھک تھی جو آپ بیٹھے یعنی یہ آخری تقریر

تھی درانحالیکہ ایک چادر مونڈھوں پر ڈالے ہوئے تھے، اپنے سر کو ایک چکنی پٹی سے باندھ رکھا تھا، یعنی آپؐ نے کرتے کی جگہ چادر اوڑھ رکھی تھی اور سر میں شدید درد تھا اس لئے ایک کپڑے سے سر باندھ رکھا تھا، وہ کپڑا میلا اور چکنا تھا، وہ سر پر باندھنے ہی کا کپڑا تھا، اس لئے تیل سے چکنا ہو گیا تھا، آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا: لوگو! قریب آجاؤ، بیماری کی وجہ سے زور سے بولنا مشکل تھا اس لئے سب کو قریب کیا، پس لوگ آپ کی طرف پلٹے یعنی سمٹ کر قریب آگئے، پھر آپؐ نے فرمایا: اما بعد (یہاں باب ہے) بیشک یہ انصار کا قبیلہ کم ہوتا جائے گا اور دوسرے لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے، پس امت محمدیہ میں سے جو شخص کسی چیز کا ذمہ دار بنے، پس وہ طاقت رکھتا ہو کہ اس میں کسی کو نقصان پہنچائے یا اس میں کسی کو نفع پہنچائے یعنی کسی با اختیار عہدے پر فائز ہو تو چاہئے کہ ان کے نیکوکاروں سے قبول کرے اور ان کے برائی کرنے والوں سے درگذر کرے۔

تشریح: یہ آنحضور ﷺ کی آخری تقریر ہے، آپؐ نے فرمایا: مسلمان دن بدن بڑھتے جائیں گے اور انصار گھٹتے جائیں گے، اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں جو انصار تھے بس وہی انصار ہیں، ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد انصار نہیں، ترمذی میں حدیث ہے: نبی ﷺ نے انصار کے لئے، ان کی اولاد کے لئے، پھر ان کی اولاد در اولاد کے لئے اور ان کی عورتوں کے لئے دعائے مغفرت فرمائی ہے بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ آگے بڑھے گا اسلام پھیلتا جائے گا۔ اور بہت لوگ مسلمان ہونگے مگر انصار یہی اوس وخزرج رہیں گے، آپؐ کے بعد کوئی قبیلہ انصار نہیں ہوگا، پس عام مسلمانوں کی بہ نسبت انصار کم ہو جائیں گے۔ آپ نے ان کے بارے میں وصیت فرمائی کہ میرے بعد جو حکومت کا ذمہ دار بنے وہ انصار کے نیکوکاروں کو انعام واکرام سے نوازے، اور ان میں سے اگر کسی سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس سے درگذر کرے۔

بَابُ الْقَعْدَةِ بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا

یہ مسئلہ ابھی چند ابواب پہلے گذر چکا ہے کہ جمعہ کے لئے دو خطبے شرط ہیں یا ایک؟ اگر درمیان میں بیٹھیں گے تو دو خطبے ہونگے، ورنہ ایک خطبہ ہوگا، دو خطبوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کرنا احناف اور مالکیہ کے نزدیک سنت ہے اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک فرض۔

[۳۰-] بَابُ الْقَعْدَةِ بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

[۹۲۸-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ، يَقْعُدُ بَيْنَهُمَا. [راجع: ۹۲۰]

وضاحت: یہ فعلی حدیث ہے اور فعلی حدیث سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی، ہاں عدم فرضیت ثابت ہوتی ہے، اور مواظبت تامہ وجوب کی دلیل اس وقت ہے جب اس کے ساتھ قرائن منضمہ ہوں، تفصیل چند ابواب پہلے گذر چکی ہے۔

بَابُ الْإِسْتِمَاعِ إِلَى الْخُطْبَةِ

خطبہ بغور سننا

جمہور کے نزدیک خطبہ سننا واجب ہے اور خطبہ کے دوران لوگوں کا آپس میں باتیں کرنا ناجائز ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید یہ ہے کہ خطبہ سننا سنت ہے اور لوگوں کا آپس میں باتیں کرنا جائز ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ جو لوگ خطیب سے اتنے دور ہوں کہ ان تک خطیب کی آواز نہ پہنچ رہی ہو تو وہ کیا کریں؟ حنفیہ کا مختار مذہب اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ خاموش رہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ذکر واذکار اور تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہونا چاہئے، جب ان کے نزدیک خطبہ سننا سنت ہے تو ذکر بھی کر سکتے ہیں، تلاوت بھی کر سکتے ہیں، اور باتیں بھی کر سکتے ہیں۔ غرض حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک خطبہ کے دوران آپس میں باتیں کرنے کی اجازت نہیں، ملائکہ بھی دفتر بند کر کے خطبہ سننے کے لئے آجاتے ہیں، پھر لوگ کیوں نہ سنیں؟

[۳۱-] بَابُ الْإِسْتِمَاعِ إِلَى الْخُطْبَةِ

[۹۲۹-] حدثنا آدمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، يَكْتُبُوْنَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ، وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً، ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً، ثُمَّ كَبْشًا، ثُمَّ دَجَاجَةً، ثُمَّ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ، وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ" [انظر: ۳۲۱۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے (کان تامہ ہے) تو فرشتے مسجد کے دروازے پر ٹھہر جاتے ہیں اور پہلے کون آیا پھر کون آیا اس کو لکھتے ہیں، اور اول وقت پہنچنے والے کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اونٹ کی ہدی پیش کرتا ہے، پھر اس شخص جیسی ہے جو گائے کی ہدی پیش کرتا ہے، پھر مینڈھے کی، پھر مرغی کی، پھر انڈے کی، پھر جب امام نکلتا ہے تو فرشتے اپنے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور بغور خطبہ سننے لگتے ہیں۔

تشریح: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ گھڑیاں مختصر ہیں، زوال سے شروع ہوتی ہیں اور خطبہ شروع ہونے پر پوری ہو جاتی ہیں، ان کا استدلال مُهَجِّر سے ہے، اس کے معنی ہیں: دوپہر میں چلنے والا، اور دوسری رائے یہ ہے کہ یہ گھڑیاں جمعہ کے دن صبح صادق سے شروع ہوتی ہیں، ان حضرات نے بَكَّرَ وابْتَكَرَ سے استدلال کیا ہے، تفصیل چند ابواب پہلے گذر چکی

ہے۔ اور یہاں حدیث لانے کا مقصد یہ ہے کہ جب خطبہ شروع ہونے پر ملائکہ کام بند کردیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مصروف ہوجاتے ہیں تو لوگوں کو بھی پوری توجہ سے خطبہ سننا چاہئے۔

بَابٌ: إِذَا رَأَى الإِمَامُ رَجُلاً جَاءَ وَهُوَ يَخْطُبُ أَمَرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ

امام نے دیکھا: دورانِ خطبہ کوئی آیا تو اس کو دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دے

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ خطبہ کے دوران امام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرسکتا ہے، البتہ غیر امام کو بولنے کی اجازت نہیں، لوگ آپس میں باتیں نہ کریں، اسی طرح مقتدی امام سے کوئی بات عرض کرے تو کرسکتا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، باب کا یہ مقصد حضرت الاستاذ علامہ فخر الدین احمد صاحب قدس سرہ نے بیان کیا ہے، کیونکہ یہ باب اور آئندہ باب یکساں ہیں، اس لئے دونوں کا مقصود علاحدہ علاحدہ کرنا ضروری ہے۔ اور أَمَرَهُ اس باب کا مقصود ہے یعنی امر بالمعروف کرسکتا ہے، اسی طرح نہی عن المنکر بھی۔

[۳۲-] بَابٌ: إِذَا رَأَى الإِمَامُ رَجُلاً جَاءَ وَهُوَ يَخْطُبُ أَمَرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ

[۹۳۰-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: "أَصَلَّيْتَ يَا فُلاَنُ؟" فَقَالَ: لاَ. قَالَ: "قُمْ فَارْكَعْ" [انظر: ۹۳۱، ۱۱۶۶]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک شخص (مسجد نبوی میں) آیا، درانحالیکہ نبی ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، آپؐ نے پوچھا: اوفلاں! تو نے تحیۃ المسجد پڑھی؟ اس نے کہا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: کھڑا ہو اور نماز پڑھ۔

تشریح: یہ حضرت سُلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، وہ پراگندہ اور بوسیدہ حالت میں مسجد نبوی میں داخل ہوئے جبکہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لئے منبر پر آچکے تھے، مگر ابھی خطبہ شروع نہیں کیا تھا، وہ آکر بیٹھ گئے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے تحیۃ المسجد پڑھی؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا، آپؐ نے فرمایا: اٹھو اور تحیۃ المسجد پڑھو؟ اور سنن دارقطنی (۲:۱۵) میں صراحت ہے کہ جب تک وہ نماز پڑھتے رہے آنحضرت ﷺ خطبہ سے رکے رہے، پھر جب وہ نماز پڑھ چکے تو آپؐ نے خطبہ شروع کیا اور خطبہ میں خیرات کرنے کی ترغیب دی، لوگوں نے خوب صدقہ دیا اور منبر رسول کے قریب صدقہ کے مال کا ڈھیر لگ گیا۔ نبی ﷺ نے اس میں سے سُلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کو ایک جوڑا دیا اور باقی کپڑے دوسرے غرباء کے لئے اٹھا کر رکھ لئے، یہ اصل واقعہ ہے پس خطیب نے دورانِ خطبہ حکم نہیں دیا، مگر مسئلہ یہی ہے کہ خطبہ کی حالت میں بھی خطیب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرسکتا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ خطبہ کے دوران آنے والا تحیۃ المسجد پڑھے یا نہیں؟ یہ مسئلہ اگلے باب میں آرہا ہے۔ یہاں بس اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ: والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب: مجاز ہے، آپ خطبہ دینے کے لئے منبر پر تشریف لا چکے تھے اس لئے راوی نے یخطُب کہہ دیا، جیسے استاذ آ کر چوکی پر بیٹھ جاتا ہے، پھر سبق شروع کرنے سے پہلے کوئی بات پیش آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ استاذ سبق پڑھا رہے تھے اور یہ واقعہ پیش آیا مجازاً ایسا کہہ دیا کرتے ہیں۔

اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ دوسری حدیثوں میں صراحت ہے کہ ابھی نبی ﷺ بیٹھے تھے، خطبہ شروع نہیں کیا تھا کہ حضرت سُلیکؓ آئے، اس روایت کی کوئی تاویل ممکن نہیں، اس لئے والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب الناس کو مجاز قرار دیں گے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ روایت درحقیقت فعلی ہے، کسی نے اس کو اس طرح قولی بنایا ہے: إذا جاءَ أحدُكم يومَ الجمعة والإمامُ يَخطُبُ فَلْيَركَعْ رَكْعَتَيْنِ: اس حدیث کے اس جملہ میں کہ والإمام یخطب اضطراب ہے، صحیح الفاظ یہ ہیں: إذا جاءَ أحدُكم يومَ الجمعة وقد خَرَجَ الإمامُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ (مسلم ۶:۱۶۳ مصری) اور امام کے منبر پر آجانے کے بعد خطبہ شروع کرنے سے پہلے نماز جائز ہے، اور احناف جو امام کے نکلنے کے بعد صلوٰۃ وکلام کو منع کرتے ہیں وہ محض احتیاط کی بات ہے، نماز وکلام کی ممانعت درحقیقت خطبہ شروع ہونے کے بعد ہے۔

بَابُ مَنْ جَاءَ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ

جو شخص دورانِ خطبہ آئے وہ مختصر تحیۃ المسجد پڑھے

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: جو شخص دورانِ خطبہ آئے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ تحیۃ المسجد پڑھے، اور مختصر پڑھے، پھر خطبہ سنے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اس وقت تحیۃ المسجد نہیں پڑھنی چاہئے، خطبہ سننا ضروری ہے، کیونکہ تحیۃ المسجد پڑھنا مستحب ہے اور خطبہ سننا واجب ہے، اور تعارض کے وقت اہم کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں مختلف روایتیں ہیں:

۱۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ "جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے درانحالیکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ نہ نماز پڑھے اور نہ بات چیت کرے۔ یہاں تک کہ امام فارغ ہوجائے" یہ حدیث مجمع الزوائد (۲:۱۸۴) میں ہے اور ایوب بن نہیک کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر مؤید بالقرائن ہے، خود ابن عمرؓ کا مسلک اس کے مطابق تھا (مصنف ابن ابی شیبہ ۲:۱۲۴) اور حضرات عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور جمہور سلف: صحابہ وتابعین کا مسلک بھی یہی تھا کہ امام کے نکلنے کے بعد صلوٰۃ وکلام جائز نہیں (شرح مسلم للنووی ۶:۱۶۴ مصری) پس مؤید بالتعامل ہونے کی وجہ سے یہ حدیث قابل استدلال ہے۔

۲-سُلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جو ابھی گذرا، وہ درحقیقت فعلی روایت ہے جس کو کسی نے قولی حدیث بنایا ہے، غالباً حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس کو قولی حدیث بنایا ہے۔ قولی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: إذا جاءَ أحدُکم یومَ الجمعة والإمام یَخْطُبُ فَلْیَرْکَعْ رکعتین: مگر مسلم شریف میں الفاظ یہ ہیں: إذا جاءَ أحدُکم یومَ الجمعة وقَدْ خَرَجَ الإمامُ فلْیُصَلِّ رکعتَیْنِ:

اس حدیث میں والإمامُ یخطب اصل الفاظ ہیں یا وقد خَرَجَ الإمام؟ عمرو بن دینار کی حدیث کے الفاظ وَقَدْ خَرَجَ الإمام ہیں، یہ حدیث مسلم شریف (۶:۱۶۳ مصری) میں ہے اور عمرو بن دینار حضرت جابرؓ کے مضبوط راوی ہیں۔ اور والإمامُ یَخْطُبُ: ابوسفیان طلحہ کے الفاظ ہیں، انھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں اور وہ چاروں بخاری میں ہیں، یہ روایت ان میں نہیں ہے[1]۔ اور ابن عیینہ اور شعبہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ باقی روایتیں ابوسفیان: صحیفۂ جابر سے روایت کرتے ہیں (جو حضرت جابرؓ کے کسی گمنام شاگرد کا مرتب کیا ہوا صحیفہ تھا) (تہذیب ۵:۲۷) اور بخاری (حدیث ۱۱۶۶) میں عمرو بن دینار کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: والإمام یخطب او فَقَدْ خَرَجَ: یعنی شک راوی ہے، پس جو متفق علیہ الفاظ ہیں وہی لئے جائیں گے۔ چنانچہ ابوالزبیر نے بھی یہ حدیث حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے، ان کا بیان ہے کہ جب سُلیک غطفانی رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے تھے تو آنحضور ﷺ منبر پر بیٹھے تھے، خطبہ شروع نہیں کیا تھا۔ یہ حدیث مسلم شریف (۶:۱۶۳) میں ہے، یہ حدیث شاہد ہے کہ اصل الفاظ وقد خرج الإمام ہیں۔

۳-علاوہ ازیں: نصف درجن واقعات مروی ہیں کہ دورانِ خطبہ لوگ آئے اور آپؐ نے کسی سے نماز نہیں پڑھوائی، مثلاً ابوداؤد (۱:۱۵۶) میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے: وہ آئے، آپؐ نے لوگوں کو بیٹھ جانے کا حکم دیا، اس وقت ابن مسعودؓ مسجد نبوی کے دروازے پر تھے وہ وہیں بیٹھ گئے، آپؐ نے فرمایا: "ابن مسعودؓ! تم آگے آجاؤ" لیکن آپؐ نے ان کو نماز کا حکم نہیں دیا۔ اسی طرح ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہوا آرہا تھا، نبی ﷺ نے اس کو بیٹھ جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تیرا یہ عمل لوگوں کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، مگر آپؐ نے اس کو بھی نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا (نسائی ۱:۲۰۷) اسی طرح استسقاء کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص قحط سالی کی شکایت لے کر آیا، پھر ایک ہفتہ کے بعد دوبارہ سیلاب کی شکایت لے کر آیا، دونوں واقعات میں وہ خطبہ کے دوران داخل ہوا تھا مگر آپؐ نے اس کو نماز کا حکم نہیں دیا (یہ حدیث ابواب الاستسقاء میں آرہی ہے) اور خلافت فاروقی کا یہ واقعہ تو ابھی گذرا کہ خطبہ کے دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور نہ انھوں نے تحیۃ المسجد پڑھی اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پڑھوائی۔

یہ تمام واقعات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ خطبہ کے دوران نماز کا حکم نہیں۔ اور جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے اگر

(۱) ابوسفیان نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو چار حدیثیں سنی ہیں وہ بخاری میں کتاب مناقب الانصار (حدیث ۳۸۰۳) کتاب التفسیر (حدیث ۴۸۹۹) اور دو حدیثیں کتاب الاشربہ (حدیث ۵۶۰۵، ۵۶۰۶) میں ہیں۔

اس کو تمام طرق سے دیکھا جائے تو یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد سلیک غطفانی کی ناداری لوگوں کو دکھانا مقصود تھا، تحیۃ المسجد پڑھوانا مقصود نہیں تھا، نیز جب انھوں نے نفلیں پڑھیں تو رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے، ابھی خطبہ شروع نہیں کیا تھا، جیسا کہ مسلم شریف میں صراحت ہے اور ان کے نماز ختم کرنے تک آپؐ خطبہ سے رکے رہے جیسا کہ دار قطنی میں ہے، اس لئے اس واقعہ سے استدلال محل نظر ہے۔

فائدہ: اس مسئلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی رائے بھی وہی ہے جو دو چھوٹے اماموں کی اور امام بخاریؒ کی ہے، اور حضرتؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے: ولا تغتر فی هذه المسئلة بما يلهج به أهل بلدك، فإن الحديث صحيح واجب اتباعه: یعنی جب کوئی آئے درانحالیکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو چاہئے کہ دو رکعتیں پڑھے اور مختصر پڑھے، اس مسئلہ میں اُس بات سے دھوکہ نہ کھا جو تیرے ملک کے لوگ کہتے ہیں کیونکہ حدیث صحیح ہے، اس کی پیروی واجب ہے، اس لئے میں نے رحمۃ اللہ الواسعہ (۳: ۶۱۴) میں اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

[۳۳-] بَابُ مَنْ جَاءَ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ

[۹۳۱-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، سَمِعَ جَابِرًا، قَالَ: دَخَلَ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ، فَقَالَ: "صَلَّيْتَ؟" قَالَ: لَا. قَالَ: "قُمْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ"

[راجع: ۹۳۰]

وضاحت: یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہی فعلی روایت ہے جو اوپر گذری، اور حضرت جابرؓ سے قولی روایت بھی مروی ہے، مگر امام بخاریؒ اس کو یہاں نہیں لائے، بلکہ کتاب التہجد (حدیث ۱۱۶۶) میں لائے ہیں، اس کو بھی حضرت جابرؓ سے عمرو بن دینار روایت کرتے ہیں اور اس میں شک راوی ہے، جب حضرت سُلیک غطفانی رضی اللہ عنہ آئے تھے تو نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے یا خطبہ دینے کے لئے نکل چکے تھے؟ اس میں راوی کو شک ہے، ایسی شک والی روایت سے باب ثابت نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے حضرتؒ وہ روایت یہاں نہیں لائے۔

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الْخُطْبَةِ

خطبہ میں ہاتھ اٹھانا

خطبہ میں ہاتھ اٹھانے کی دو صورتیں ہیں: ایک: دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا۔ دوم: دوران خطبہ ہاتھ سے اشارہ کرنا جس طرح مقرر اشارے کرتا ہے —— اور دعائیں دو طرح کی ہیں: احوال متواردہ کی دعائیں، اور احوال خاصہ کی دعائیں، جیسے اذان کے بعد کی دعا، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا: احوال متواردہ کی دعائیں ہیں ان میں ہاتھ نہیں اٹھانے چاہئیں،

خطیب دوسرے خطبہ میں جو دعا مانگتا ہے وہ بھی احوال متوارد کی دعا ہے وہ ہاتھ اٹھائے بغیر مانگی جائے۔

ایک مرتبہ بشر بن مروان جو مدینہ منورہ کا گورنر تھا خطبہ دے رہا تھا، اس نے دعا میں ہاتھ اٹھائے۔ حضرت عمارۃ بن رُویبہ رضی اللہ عنہ نے اسے بددعا دی اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان دونوں چھوٹے چھوٹے ذلیل ہاتھوں کو ہلاک کریں! میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے آپ اس پر زیادہ نہیں کرتے تھے'' حدیث کے راوی ہشیم نے شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا کہ بس اتنا اشارہ کرتے تھے (ترمذی حدیث ۵۱۳) غرض حضرت عمارہؓ یا تو دعا میں ہاتھ اٹھانے کی نفی کر رہے ہیں یا ہاتھ نچانے پر برا بھلا کہہ رہے ہیں، معلوم ہوا کہ خطبہ میں دعا میں ہاتھ اٹھانا جائز نہیں۔ البتہ احوال خاصہ کی دعا ہاتھ اٹھا کر کرنا ثابت ہے۔ ایک مرتبہ خطبہ کے دوران نبی ﷺ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! بارش نہیں ہو رہی، قحط سالی سے لوگ پریشان ہیں، جانور مر رہے ہیں، آپؐ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی چنانچہ نماز پوری ہونے سے پہلے بارش شروع ہوگئی۔

پس جمعہ کے خطبہ میں اگر احوال خاصہ کے لئے دعا کرنی ہے تو ہاتھ اٹھا کر دعا کر سکتے ہیں، جیسے نبی ﷺ نے بارش کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے، البتہ احوال متواردہ کی دعا میں جو دوسرے خطبہ میں خطیب کرتا ہے ہاتھ نہیں اٹھانے چاہئیں اور مقررین کی طرح خطبہ میں ہاتھ نہیں نچانے چاہئیں، صرف شہادت کی انگلی سے کوئی اشارہ کرے تو کر سکتا ہے۔

[۳۴-] بابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الْخُطْبَةِ

[۹۳۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ، ح: وَعَنْ يُوْنُسَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! هَلَكَ الْكُرَاعُ وَهَلَكَ الشَّاءُ، فَادْعُ اللهَ أَنْ يَسْقِيَنَا، فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا.

[انظر: ۹۳۳، ۱۰۱۳، ۱۰۱۹، ۱۰۲۱، ۱۰۲۹، ۱۰۳۳، ۳۵۸۲، ۶۰۹۳، ۶۳۴۲]

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں: اس درمیان کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! گھوڑے ہلاک ہوگئے (الکراع کے معنی ہیں: گھوڑے۔ اور مراد مطلق جانور ہیں صرف گھوڑے مراد نہیں) بکریاں ہلاک ہوگئیں آپ بارش کے لئے دعا فرمائیں۔ آپؐ نے دونوں ہاتھ لمبے کئے اور دعا فرمائی۔

بابُ الإِسْتِسْقَاءِ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے خطبہ میں بارش طلبی

کتاب الاستسقاء میں یہ مسئلہ آرہا ہے: امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: استسقاء میں نماز نہیں اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک نماز سنت ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے قول ''استسقاء میں نماز نہیں'' کا یہ مطلب نہیں ہے کہ استسقاء کے لئے

نماز مشروع نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز ضروری نہیں، بارش طلبی کے لئے اور طریقے بھی ہیں، جمعہ کے خطبہ میں دعا کرنا، فرض نمازوں کے بعد دعا کرنا، امام لوگوں کو لے کر شہر سے نکلے اور کسی میدان میں جا کر صرف دعا کرے، یا دوگانہ پڑھ کر دعا کرے، یہ سب طریقے درست ہیں، نماز ہی متعین نہیں۔ اور باب میں یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ بارش کے لئے دعا کی درخواست کی گئی، آپ نے خطبہ کے دوران ہی بارش کے لئے دعا کی، معلوم ہوا کہ استسقاء کے لئے نماز ضروری نہیں، دیگر طریقوں سے بھی بارش مانگی جاسکتی ہے۔

[۳۵-] بَابُ الاِسْتِسْقَاءِ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

[۹۳۳-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو الأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: أَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَبَيْنَمَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ قَامَ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ: يَارسول اللهِ! هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ، فَادْعُ اللهَ لَنَا، فَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً، فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا وَضَعَهُمَا حَتَّى ثَارَ السَّحَابُ أَمْثَالَ الْجِبَالِ، ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهِ حَتَّى رَأَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلَى لِحْيَتِهِ صلى الله عليه وسلم، فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذَلِكَ، وَمِنَ الْغَدِ، وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ، وَالَّذِي يَلِيهِ حَتَّى الْجُمُعَةِ الأُخْرَى. فَقَامَ ذَلِكَ الأَعْرَابِيُّ - أَوْقَالَ: غَيْرُهُ - فَقَالَ: يَارسول اللهِ! تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ، وَغَرِقَ الْمَالُ، فَادْعُ اللهَ لَنَا، فَرَفَعَ يَدَيْهِ، فَقَالَ: "اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلاَ عَلَيْنَا" فَمَا يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّحَابِ إِلاَّ انْفَرَجَتْ، وَصَارَتِ الْمَدِينَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ، وَسَالَ الْوَادِي قَنَاةُ شَهْرًا، وَلَمْ يَجِئْ أَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلاَّ حَدَّثَ بِالْجَوْدِ. [راجع: ۹۳۲]

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں لوگوں کو قحط سالی پہنچی، پس اس درمیان کہ ایک جمعہ میں نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے ایک بدو کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! مال ہلاک ہوگیا یعنی جانور بھوک سے مرنے لگے، اور بچے بھوک کا شکار ہوگئے، آپ ہمارے لئے اللہ عزوجل سے دعا فرمائیں، پس آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے، اور ہم آسمان میں کوئی بادل نہیں دیکھ رہے تھے یعنی آسمان بالکل صاف تھا، پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! آپ نے ابھی ہاتھ نہیں رکھے تھے یعنی دعا ختم نہیں کی تھی کہ پہاڑوں کی طرح بادل امنڈ آئے، پھر آپ ابھی منبر سے اترے بھی نہیں تھے کہ بارش شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ریش مبارک پر پانی ٹپک رہا ہے، پس اس دن بارش ہوئی، اور اگلے دن اور اگلے پرسوں، یہاں تک کہ دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی، پس دوسرے جمعہ میں دورانِ خطبہ وہی دیہاتی یا کوئی دوسرا شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! مکانات گرگئے اور مال ڈوب گیا، پس اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کیجئے۔ پس آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: "اے اللہ ہمارے اردگرد برسے اور ہم

پر نہ برسے!" پس آپ اپنی انگلی سے بادل کے جس کونے کی طرف اشارہ کرتے تھے ادھر سے بادل کھل جاتا تھا اور مدینہ گھڑے کی طرح ہوگیا، اور قنات نامی نالہ ایک مہینہ تک چلتا رہا اور جو کوئی بھی باہر سے آیا اس نے بہت بارش کی خبر دی۔

تشریح: یہ معجزہ کی روایت ہے۔ جب ہفتہ بھر بارش ہوتی رہی اور سیلاب کی سی صورت بن گئی تو آئندہ ہفتہ دورانِ خطبہ آپ سے پھر دعا کی درخواست کی گئی، آپ نے شہادت کی انگلی سے سر پر گول دائرہ بنایا اور فرمایا: اللّٰهم حوالينا ولا علينا، على الأودية والآكام: اے اللہ! ہمارے اردگرد برسے، ہم پر نہ برسے، پہاڑوں اور ٹیلوں پر برسے، آپ کے اشارہ کے ساتھ ہی بادل چھٹ گیا، چاروں طرف پہاڑوں پر بارش ہو رہی تھی اور مدینہ منورہ سے بادل ہٹ گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مدینہ نے تاج پہن رکھا ہے، اور دعا نبوی کی برکت سے اتنی بارش ہوئی کہ قنات نامی نالہ مہینہ بھر بہتا رہا، اور صرف مدینہ ہی میں نہیں مدینہ سے باہر بھی خوب بارش ہوئی، چنانچہ باہر سے جو بھی آدمی مدینہ آتا وہ خوب بارش ہونے کی بات کہتا۔ غرض بارش طلبی کی دعا آپ نے خطبہ میں کی، معلوم ہوا کہ استسقاء کے لئے نماز متعین نہیں، اس کے علاوہ بھی طریقے ہیں۔

بَابُ الْإِنْصَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالإِمَامُ يَخْطُبُ

جمعہ کے دن دورانِ خطبہ خاموش رہنا

پہلے بتلایا ہے کہ صرف امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید یہ ہے کہ خطبہ سننا سنت ہے اس لئے لوگ اگر آپس میں باتیں کریں تو جائز ہے، دیگر تمام فقہاء کی بشمول امام بخاریؒ یہ رائے ہے کہ دورانِ خطبہ لوگوں کے لئے آپس میں باتیں کرنا جائز نہیں۔ البتہ امام مقتدی سے کوئی بات کہے یا مقتدی امام سے کچھ عرض کرے تو جائز ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے خطبہ کے دوران کسی سے کہا: چپ! تو اس نے لغو کام کیا۔ اس لئے کہ پہلے بولنے والے دو تھے اب تین ہوگئے۔ اس طرح سلسلہ بڑھے گا تو ساری مسجد بولنے لگے گی، اس لئے 'چپ' کہنے کی بھی گنجائش نہیں، ہاں اشارے سے منع کرسکتے ہیں، اور حدیث میں ہے کہ جس نے لغو کام کیا اس کا جمعہ نہیں یعنی اس کو جمعہ کا ثواب نہیں ملے گا۔

[۳۶-] بَابُ الْإِنْصَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالإِمَامُ يَخْطُبُ

[۱-] وَإِذَا قَالَ لِصَاحِبِهِ: أَنْصِتْ فَقَدْ لَغَا.

[۲-] وَقَالَ سَلْمَانُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الإِمَامُ"

[۹۳۴-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: أَنْصِتْ، وَالإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ"

لغت: أنصَتَ (باب افعال) لازم ہے: خاموش رہنا .... إذا تکلّم الإمام سے معلوم ہوا کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے بولنے کی گنجائش ہے اور امام اعظمؒ جو منع کرتے ہیں: وہ احتیاطاً منع کرتے ہیں، کیونکہ جب باتیں شروع ہوجاتی ہیں تو رکنے کا نام نہیں لیتیں۔

بَابُ السَّاعَةِ الَّتِیْ فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ

جمعہ میں ساعتِ مرجوّہ کا بیان

ابواب الجمعہ کے شروع میں بتایا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب جمعہ کی اطلاع دینے کے لئے آئے تھے تو ایک آئینہ لے کر آئے تھے، اور وہ آئینہ نبی ﷺ کو دکھایا تھا۔ آپؐ نے اس کا مطلب پوچھا تھا جیسے خواب کی تعبیر پوچھتے ہیں، کیونکہ بعض واقعاتِ خارجیہ کی بھی تعبیر ہوتی ہے۔ یہ بات حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمائی ہے۔ اور دلیل میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ ایک باغ میں کنویں کی مینڈ پر پیر اندر لٹکا کر تشریف فرما تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ آپؐ کی دائیں جانب پیر لٹکا کر بیٹھ گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ بائیں طرف، پیر لٹکا کر بیٹھ گئے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے، اور وہ سامنے پیر لٹکا کر بیٹھے، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے اس کی تعبیر یہ بیان کی کہ ان تین حضرات کی قبریں تو ساتھ بنیں گی اور حضرت عثمانؓ کی قبر الگ بنے گی، معلوم ہوا کہ بعض واقعاتِ خارجیہ کی بھی تعبیر ہوتی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب نبی ﷺ کو آئینہ دکھایا تو آپؐ نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے؟ حضرت جبرئیل نے کہا: یہ جمعہ کا دن ہے، اس آئینہ میں ایک نقطہ تھا، آپؐ نے پوچھا: یہ نقطہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ ساعتِ مرجوّہ ہے، اور وہ ذرا سی گھڑی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اتفاقاً اس کو وہ گھڑی مل جائے اور وہ اس گھڑی میں اللہ سے کچھ مانگ لے تو جو مانگے گا وہ مل جائے گا۔

ساعتِ مرجوّہ کب آتی ہے؟

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے موطا مالک کی شرح تنویر الحوالک میں اس سلسلہ میں بہت اقوال لکھے ہیں۔ امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کا رجحان اس طرف ہے کہ وہ گھڑی جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد سے سورج غروب ہونے تک آتی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف ہے کہ زوال کے بعد جب امام خطبہ دینے کے لئے منبر پر آتا ہے اس وقت سے نماز کا سلام پھرنے تک آتی ہے، دونوں فریقوں کے پاس دلائل ہیں جو آپ ترمذی میں پڑھیں گے، اور ترمذی میں یہ واقعہ بھی پڑھیں گے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، حضرت ابوہریرہؓ نے ان سے حدیث بیان کی کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ نہیں موافق ہوتا کوئی اس کے ساتھ درانحالیکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو، پس وہ اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عنایت فرماتے ہیں، حضرت عبداللہ بن سلامؓ

نے کہا: مجھے معلوم ہے وہ گھڑی کس وقت آتی ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: آپ مجھے بتائیں اور اس کے بتانے میں بخیلی نہ کریں، عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا: وہ گھڑی عصر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک آتی ہے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا: عصر کے بعد وہ گھڑی کیسے ہوسکتی ہے؟ حدیث میں یُصَلِّی کی قید ہے اور عصر کے بعد نماز پڑھنا ممنوع ہے، پس عصر کے بعد وہ گھڑی کیسے ہوسکتی ہے؟ ابن سلامؓ نے فرمایا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص کسی جگہ میں بیٹھے، درانحالیکہ وہ نماز کا انتظار کررہا ہو تو وہ (حکماً) نماز میں ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: ہاں یہ بات فرمائی ہے، ابن سلام نے کہا: یہی نماز پڑھنا مراد ہے حقیقتاً نماز پڑھنا مراد نہیں، نماز کا انتظار کرنا مراد ہے، اور منتظر صلوٰۃ حکماً نماز میں ہوتا ہے اور اس کی دلیل کہ حقیقۃً نماز پڑھنا مراد نہیں یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا نماز میں دعا کیسے کرے گا؟ یہ کام تو منتظر صلوٰۃ ہی کرسکتا ہے کہ نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے اور دعا میں مشغول ہے، پس نماز اور دعا دونوں کو جمع کرنے کی یہی صورت ہے کہ یصلی سے حکماً نماز مراد لی جائے۔

اور وہ ذرا سی گھڑی ہے، کتنی ذرا سی؟ اس سلسلہ میں ایک واقعہ سنو:

واقعہ: ایک شخص نے یہ حدیث سنی، اس نے کہا: کام ہوگیا! وہ جھوڑ (تالاب) میں گیا اور گارا لے کر اس کا بڑا سا ڈھیلا بنایا، اور مسجد میں لاکر صف کے سامنے رکھا، اور عصر کی نماز سے فارغ ہوکر ڈھیلے پر ہاتھ رکھ کر کہنا شروع کیا: یا اللہ! یہ سونے کا ہوجا، یا اللہ! یہ سونے کا ہوجا، مسلسل کہتا رہا، اس نے خیال کیا کہ وہ گھڑی کہاں جائے گی، ضرور آئے گی، وہ برابر یہ کہتا رہا، یہاں تک کہ اندھیرا ہوگیا، جبکہ نفس الامر میں سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا، لیکن وہ یہ سمجھا کہ سورج غروب ہوگیا، اس نے جھلا کر کہا: یا اللہ! اگر یہ سونے کا نہیں بنتا تو لوہے کا بن جا، اسی وقت وہ گھڑی آئی، اور وہ لوہے کا بن گیا۔ بس اتنی ذرا سی گھڑی ہے۔

سوال: ساعتِ مرجوہ کی صحیح نشاندہی کیوں نہیں کی گئی تاکہ اللہ کے بندے اس سے فائدہ اٹھاتے؟

جواب: شبِ قدر کی بھی نشاندہی نہیں کی گئی، حالانکہ وہ قیمتی رات ہے، اسی طرح ہیرے جواہرات نہیں دکھائے جاتے، شبِ قدر اور ساعتِ مرجوہ بھی قیمتی ہیرے ہیں ان کو پانے کے لئے جدوجہد کرنی پڑتی ہے، علاوہ ازیں نشاندہی نہ کرنے میں یہ بھی مصلحت ہے کہ بندہ رمضان کی تمام راتیں اور جمعہ کا پورا دن عبادت میں مصروف رہے۔

[۳۷-] بَابُ السَّاعَةِ الَّتِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

[۹۳۵-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: "فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي، يَسْأَلُ اللهَ تَعَالَى شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ" وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا. [انظر: ۵۲۹۴، ۶۴۰۰]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ کے سامنے جمعہ کا تذکرہ کیا، پس فرمایا: ''جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ہے، نہیں موافق ہوتا اس کے ساتھ کوئی مسلمان بندہ درانحالیکہ وہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہو اس

گھڑی میں، مانگے وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مگر اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عنایت فرماتے ہیں" اور آپ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ گھڑی ذرا سی ہے۔

بَابٌ: إِذَا نَفَرَ النَّاسُ عَنِ الإِمَامِ فِيْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ فَصَلَاةُ الإِمَامِ وَمَنْ بَقِيَ جَائِزَةٌ

اگر نماز جمعہ میں لوگ امام کو چھوڑ کر چل دیں تو امام کی اور باقی لوگوں کی نماز صحیح ہے

یہ مسئلہ تفصیل سے پہلے آچکا ہے کہ جمعہ کی صحت کے لئے کس درجہ کا تمدن ضروری ہے؟ اور جمعہ کی نماز میں کتنے آدمیوں کی شرکت ضروری ہے؟ اب اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ انعقاد جمعہ کے لئے جو تعداد ابتداءً علی اختلاف الاقوال (۱) شرط ہے اس کا بقا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نماز شروع کرنے کے بعد لوگ چلے جائیں اور مطلوبہ تعداد باقی نہ رہے تو جمعہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ یہ مسئلہ بھی اجتہادی اور اختلافی ہے۔ اور ہر امام کی رائے الگ ہے۔

۱- امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی رکعت کے رکوع و سجود تک مطلوبہ تعداد کا باقی رہنا ضروری ہے، اگر پہلی رکعت کے رکوع و سجود سے پہلے لوگ چلے جائیں اور امام کے علاوہ تین مقتدی باقی نہ رہیں تو امام جمعہ کی نماز ختم کردے یعنی جس رکن میں ہے اسی میں سلام پھیر دے، پھر از سر نو ظہر پڑھے۔

۲- اور صاحبین کے نزدیک شروع میں یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت مطلوبہ تعداد ضروری ہے بعد میں اگر لوگ چلے جائیں اور مطلوبہ تعداد باقی نہ رہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا، امام جمعہ پورا کرے ـــــ اور اگر پہلی رکعت کے رکوع و سجود کے بعد تعداد کم ہو جائے تو بالاتفاق امام جمعہ پورا کرے۔

۳- مگر امام زفر رحمہ اللہ اختلاف کرتے ہیں، ان کے نزدیک سلام تک مطلوبہ تعداد باقی رہنی ضروری ہے، پس اگر پہلی رکعت کے رکوع و سجود کے بعد تعداد کم ہوئی تو بھی استیناف کرے یعنی از سر نو ظہر پڑھے۔

اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ مطلوبہ تعداد نماز کے شروع میں ضروری ہے یا پہلی رکعت کے رکوع و سجود تک یا سلام تک؟ صاحبین کے نزدیک ابتداء میں ضروری ہے، اگر امام نے اور مطلوبہ تعداد نے تکبیر تحریمہ کہہ لی تو جمعہ کا انعقاد ہو گیا، پھر خواہ مطلوبہ تعداد باقی رہے یا نہ رہے: امام جمعہ ہی پڑھے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی رکعت کے رکوع و سجود کے ساتھ مؤکد ہونے تک مطلوبہ تعداد ضروری ہے، جیسے ظہر کی چار رکعت پڑھا کر قعدۂ اخیرہ کئے بغیر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانچویں رکعت کو رکوع سجدے کے ساتھ مؤکد کر دیا تو فرض باطل ہو گیا، از سر نو ظہر پڑھے اور اس سے پہلے یاد آ گیا اور لوٹ آیا تو نماز صحیح ہے، وہی مسئلہ یہاں بھی ہے کہ رکوع سجدے کے ساتھ تاکد ضروری ہے، اس سے پہلے اگر لوگ چلے جائیں تو از سر نو ظہر پڑھے، اور پہلی رکعت کے رکوع سجدے کے بعد جائیں تو کچھ حرج نہیں، اب امام

(۱) احناف کے نزدیک چار، مالکیہ کے نزدیک بارہ اور شوافع و حنابلہ کے نزدیک چالیس کی تعداد صحت جمعہ کے لئے شرط ہے ۱۲

جمعہ پورا کرے، اور امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک مطلوبہ تعداد کا دوام ضروری ہے جیسے جمعہ کے لئے وقت اور طہارت ضروری ہیں، ایک رکعت پڑھی اور جمعہ کا وقت ختم ہوگیا تو استیناف کرے اور ظہر قضا پڑھے۔ اسی طرح درمیان نماز میں طہارت ٹوٹ گئی تو بھی استیناف کرے، جس طرح طہارت اور وقت میں دوام ضروری ہے انعقاد جمعہ کے لئے جو تعداد ضروری ہے اس میں بھی دوام ضروری ہے، یہ ائمہ احناف کی رائیں ہیں۔

۴- اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سلام تک چالیس کی تعداد ضروری ہے، یعنی جو امام زفر رحمہ اللہ کی رائے ہے وہی امام احمدؒ کی بھی رائے ہے کہ مطلوبہ تعداد میں دوام ضروری ہے۔

۵- اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایک رکعت پوری ہونے تک بارہ کی تعداد ضروری ہے، پھر اگر لوگ چلے جائیں تو امام جمعہ پورا کرے، اگرچہ امام اکیلا رہ جائے تو بھی جمعہ پورا کرے، اور اگر تکبیر تحریمہ کے بعد یعنی ایک رکعت پوری ہونے سے پہلے لوگ چلے جائیں تو امام اسی تحریمہ سے ظہر پڑھے، استیناف ضروری نہیں۔

۶- اور شوافع کے یہاں پانچ قول ہیں، اور صحیح ترین قول یہ ہے کہ چالیس کی تعداد آخر تک ضروری ہے، اگر نماز کے اندر تعداد کم ہو جائے تو اسی تحریمہ سے ظہر پڑھے، استیناف ضروری نہیں۔

غرض: اس مسئلہ میں ہر امام کی رائے الگ ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مسئلہ منصوص نہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے جو باب قائم کیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک تکبیر تحریمہ تک ہی مطلوبہ تعداد ضروری ہے، رہی یہ بات کہ امام بخاریؒ کے نزدیک صحت جمعہ کے لئے کتنی تعداد شرط ہے؟ اس کی طرف حضرت نے کوئی اشارہ نہیں کیا۔

[۳۸-] بَابٌ: إِذَا نَفَرَ النَّاسُ عَنِ الإِمَامِ فِيْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ فَصَلَاةُ الإِمَامِ وَمَنْ بَقِيَ جَائِزَةٌ

[۹۳۶-] حدثنا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِذْ أَقْبَلَتْ عِيْرٌ، تَحْمِلُ طَعَامًا، فَالْتَفَتُوْا إِلَيْهَا، حَتّٰى مَا بَقِيَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ ﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا إِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا﴾ [الجمعة: ۱۱] [انظر: ۲۰۵۸، ۲۰۶۴، ۴۸۹۹]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس درمیان کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اچانک غلہ کا تجارتی قافلہ آیا، پس لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے یہاں تک کہ نبی ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی باقی رہے، پس یہ آیت نازل ہوئی: ''اور جب وہ کوئی تجارت کا سامان یا تماشا دیکھتے ہیں تو ادھر دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں''

تشریح: یہ سورۂ جمعہ کی آخری آیت ہے، اس کا شان نزول پہلے گذر چکا ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک مدینہ میں غلہ کا تجارتی قافلہ آیا، اور اس نے نقارہ بجایا، لوگ آپ کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ کر خریداری

کے لئے چل دیئے، اور کچھ لوگ تماش بین بن کر گئے، اور نبی ﷺ کے پاس صرف بارہ آدمی رہ گئے، اس واقعہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ صحت جمعہ کے لئے مطلوبہ تعداد کا آخر تک باقی رہنا ضروری ہے۔

مگر یہ استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب نماز جمعہ پہلے ہوتی تھی اور خطبہ عیدین کی طرح بعد میں دیا جاتا تھا، یہ بات علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بیان کی ہے، اور اس کے علاوہ دوسری کوئی روایت نہیں، اس لئے میں نے کہا تھا کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث سے صحت جمعہ کے لئے جو بارہ کی تعداد شرط قرار دی ہے وہ بھی محل نظر ہے۔

بابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَقَبْلَهَا

جمعہ سے پہلے اور بعد میں سنتیں

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے بھی اور بعد میں بھی نفلیں اور سنتیں مشروع ہیں، برخلاف عیدین کے، عیدین میں نہ تو سنن قبلیہ ہیں اور نہ بعدیہ، البتہ گھر آکر نفلیں پڑھ سکتے ہیں مگر جمعہ میں جمعہ سے پہلے بھی اور جمعہ کے بعد بھی جامع مسجد میں سنتیں اور نفلیں پڑھ سکتے ہیں، اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے ترجمہ کو بیان عدد پر محمول کیا ہے کہ جمعہ سے پہلے اور بعد میں کتنی سنتیں پڑھنی چاہئیں؟ مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ حدیث میں سنن بعدیہ کا تو ذکر ہے، سنن قبلیہ کا ذکر نہیں، پس باب کو بیان عدد پر کیسے محمول کریں گے؟ البتہ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے، پس جو ظہر کی سنتیں قبلیہ اور بعدیہ ہیں وہی جمعہ کی بھی ہیں۔ حدیث میں ذکر ہونا ضروری نہیں، مگر اس سے بہتر یہ ہے کہ باب کو مشروعیت پر محمول کیا جائے اور یہ جمعہ کا عیدین سے امتیاز ہے، عیدین میں نہ سنن قبلیہ ہیں اور نہ بعدیہ۔ اور جمعہ میں دونوں ہیں، پھر جب حدیث سے سنن بعدیہ کا ثبوت ہوگیا تو اس پر قیاس کر کے سنن قبلیہ کا بھی جواز نکل آئے گا، ان کا حدیث میں مستقل تذکرہ ضروری نہیں، حضرت الاستاذؒ نے باب کا یہی مقصد بیان کیا تھا۔

[۳۹-] بابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَقَبْلَهَا

[۹۳۷-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ، وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ لاَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ، فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ.

[انظر: ۱۱۶۵، ۱۱۷۲، ۱۱۸۰]

وضاحت: جمعہ کے دن نبی ﷺ مسجد میں نفلیں نہیں پڑھتے تھے، جمعہ پڑھا کر حجرہ میں تشریف لے جاتے اور دو

سنتیں پڑھتے تھے، یہ فعلی روایت ہے اور ترمذی (حدیث ۵۲۱) میں قولی روایت ہے: مَن کان منکم مُصلّیا بعد الجمعة فلیُصَلِّ أربعا: تم میں سے جو جمعہ کے بعد نفلیں پڑھے وہ چار رکعت پڑھے، صاحبین نے دونوں روایتوں کو جمع کیا ہے، وہ جمعہ کے بعد چھ سنتوں کے قائل ہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ نے بڑا عدد لیا ہے، کیونکہ چھوٹا عدد اس کے ضمن میں خود بخود آجاتا ہے، امام اعظمؒ کے نزدیک جمعہ سے پہلے بھی چار سنتیں ہیں اور بعد میں بھی چار سنتیں ہیں۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾

جب جمعہ کی نماز پوری ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور رزق تلاش کرو

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ جمعہ کے دن کھانا، پینا جمعہ کے بعد ہونا چاہئے، جمعہ سے پہلے ان کی فکر نہیں کرنی چاہئے، بلکہ جلد از جلد تیار ہوکر جامع مسجد پہنچنا چاہئے پھر نماز سے فارغ ہوکر کھائے، پیئے اور جو چاہے کرے، مگر یہ مقصد ترجمہ سے مشکل سے سمجھ میں آئے گا، البتہ اگر حدیث کو باب کے ساتھ ملائیں تو مقصد واضح ہوجائے گا۔

حدیث: ایک انصاری بڑھیا کھیت میں چقندر بوتی تھی، اور جمعہ کے دن وہ ان چقندروں کا کھچڑا پکاتی تھی، غریب صحابہ جمعہ پڑھ کر اس خاتون کے یہاں جاتے تھے اور وہ سب کو کھچڑا کھلاتی تھیں، حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں اس بڑی بی کے تبرک کی وجہ سے جمعہ کا انتظار رہتا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن جمعہ کے بعد کھانا پینا چاہئے، اسی لئے وہ خاتون جمعہ سے پہلے نہیں کھلاتی تھیں۔

[٤٠-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾

[٩٣٨-] حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ غَسَّانَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: كَانَتْ فِيْنَا امْرَأَةٌ تَجْعَلُ عَلَى أَرْبِعَاءَ فِيْ مَزْرَعَةٍ لَهَا سِلْقًا، فَكَانَتْ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ تَنْزِعُ أُصُوْلَ السِّلْقِ، فَتَجْعَلُهُ فِيْ قِدْرٍ، ثُمَّ تَجْعَلُ عَلَيْهِ قَبْضَةً مِنْ شَعِيْرٍ، تَطْحَنُهَا، فَتَكُوْنُ أُصُوْلُ السِّلْقِ عَرْقَهُ، وَكُنَّا نَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ، فَنُسَلِّمُ عَلَيْهَا، فَتُقَرِّبُ ذٰلِكَ الطَّعَامَ إِلَيْنَا، فَنَلْعَقُهُ، وَكُنَّا نَتَمَنَّى يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِطَعَامِهَا ذٰلِكَ. [انظر: ٩٣٩، ٩٤١، ٢٣٤٩، ٥٤٠٣، ٦٢٤٨، ٦٢٧٩]

[٩٣٩-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، بِهٰذَا، وَقَالَ: مَا كُنَّا نَقِيْلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ. [راجع: ٩٣٨]

حدیث: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم (انصار) میں ایک خاتون تھی جو اپنے کھیت میں بولوں پر چقندر بوتی تھی، پس جب جمعہ کا دن آتا تو وہ چقندر کی جڑیں توڑتی، پھر ان کو ہانڈی میں ڈالتی، پھر اس پر مٹھی بھر پسا ہوا جو

ڈالتی، پس چقندر کی جڑیں اس کا شوربہ بن جاتیں، اور ہم جمعہ کی نماز پڑھ کر (اپنے قبیلہ میں) لوٹا کرتے تھے پس اس خاتون کو سلام کرتے، پس وہ وہ کھانا ہمارے قریب کرتی، پس ہم اس کو چاٹتے اور اس خاتون کے کھانے کی وجہ سے ہم جمعہ کے دن کا انتظار کرتے۔ اور دوسری حدیث میں یہ اضافہ ہے: حضرت سہلؓ کہتے ہیں: ''ہم قیلولہ نہیں کیا کرتے تھے اور صبح کا کھانا نہیں کھایا کرتے تھے، مگر جمعہ کے بعد'' معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن جمعہ کے بعد کھانا پینا اور دیگر کام کاج کرنے چاہئیں، یہی اس حدیث کا اور باب کا مدعیٰ ہے، اور اسی حدیث کی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز زوال سے پہلے جائز ہے، تفصیل گذر چکی ہے۔ (دیکھئے ابواب الجمعۃ باب ۱۶، حدیث ۹۰۵)

بَابُ الْقَائِلَةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے بعد قیلولہ

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے جلدی جانا چاہئے اور کھائے پیئے بغیر جانا چاہئے، تاکہ سستی نہ آئے، جب جمعہ سے نمٹ جائے تو لوٹ کر کھائے پیئے اور اس کے بعد قیلولہ کرے۔

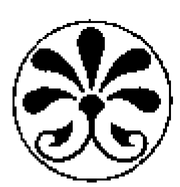
[۴۱-] بَابُ الْقَائِلَةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ

[۹۴۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ، عَنْ حُمَيْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُوْلُ: "كُنَّا نُبَكِّرُ إِلَى الْجُمُعَةِ ثُمَّ نَقِيْلُ" [راجع: ۹۰۵]

[۹۴۱-] حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ غَسَّانَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْجُمُعَةَ، ثُمَّ تَكُوْنُ الْقَائِلَةُ. [راجع: ۹۳۸]

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم جمعہ پڑھنے کے لئے سویرے جایا کرتے تھے اور اس دن جمعہ کے بعد قیلولہ کیا کرتے تھے، حضرت سہلؓ کا بھی یہی بیان ہے، معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن قیلولہ وغیرہ تمام کام جمعہ کے بعد کئے جائیں۔

﴿الحمدللہ! ابواب الجمعہ کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَبْوَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

خوف کی نماز کا بیان

یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے ایک صفحہ کی ہے، مگر ٹیڑھی کھیر ہے، اس لئے پہلے چند تمہیدی باتیں بیان کروں گا، ان کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو، تاکہ یہ کتاب (ابواب صلوٰۃ الخوف) سمجھ میں آجائے، ورنہ اس کو سمجھنا ذرا مشکل ہوجائے گا۔

صلاۃ الخوف کی آیتیں:

خوف کے تعلق سے قرآنِ کریم میں تین آیتیں ہیں اور حدیثیں تو بہت ہیں، مگر وہ سب کیفیت سے تعلق رکھتی ہیں:

پہلی آیت: وہ ہے جسے عام طور پر آیتِ قصر کہتے ہیں (النساء آیت ۱۰۱) یہ آیت درحقیقت صلاۃ الخوف کی آیت ہے اس میں ہے: ﴿إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ یعنی نماز کم پڑھنے کی اجازت اس وقت ہے جب خوف ہو کہ کافر نماز میں پریشان کریں گے، ضرب في الأرض عام ہے خواہ جہاد کا سفر ہو یا عام سفر ہو، اور قَصَرَ الشيئَ (ن،ض) قَصْرًا کے معنی ہیں: لمبائی میں چھوٹا کرنا، کتنا چھوٹا کرنا؟ یہ بھی عام ہے، چار رکعت کو دو رکعت پڑھنا، ایک رکعت پڑھنا، صرف تکبیر تحریمہ کہنا اور سر سے اشارہ کرنا سب کو آیت شامل ہے۔ اور مسلم شریف (حدیث ۶۸۷) میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوف میں ایک رکعت فرض کی ہے، اور آگے حضرت ابن عمرؓ کا قول آرہا ہے کہ خوف شدید ہو تو تکبیر تحریمہ اور سر کا اشارہ کافی ہے اس لئے امام بخاریؒ نے ابوابِ صلاۃ الخوف کی آیتیں ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ سے شروع کی ہیں۔

پھر دوسری آیت ہے: ﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ﴾ الخ یہ بھی صلوٰۃ الخوف کی آیت ہے اور یہ پوری آیت ہمارے نسخہ میں گیلری میں لکھی ہے اور مصری نسخہ میں حوض میں ہے، ہم نے اس کی پیروی کی ہے۔

فائدہ: عام سفر میں قصر درحقیقت خوف کے وقت تھا پھر اس کو صلاۃ الخوف سے نکال دیا گیا، اب بے خوف بھی مسافر قصر کرے گا، ترمذی میں حدیث ہے: حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے راستہ میں نمازیں قصر پڑھی ہیں جبکہ مدینہ سے مکہ

تک کوئی کافر نہیں تھا اور مطلق خوف نہیں تھا، چنانچہ نبی ﷺ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بها فاقبَلُوا صَدَقَتَه: یہ ایک خیرات ہے جو اللہ نے تمہیں دی ہے پس تم اللہ کی اس خیرات کو قبول کرو۔

تیسری آیت: نمازِ خوف کے سلسلہ میں سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۳۸ و ۲۳۹ بھی ہیں، ارشاد پاک ہے: ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى، وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ اس آیت کریمہ میں دو مضمون ہیں:

پہلا مضمون: نگہداشت کرو سبھی نمازوں کی، اور خاص طور پر درمیانی نماز کی، نگہداشت کرنا یہ ہے کہ تمام نمازیں باجماعت پڑھی جائیں اکیلا نماز پڑھنے والا نمازوں کی حفاظت نہیں کرسکتا، حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: جہاں تین آدمی بستے ہوں اور وہ جماعت سے نماز نہ پڑھیں تو شیطان ان پر غالب آجائے گا (مشکوۃ حدیث ۱۰۶۷) پس نماز کی حفاظت کی یہی شکل ہے کہ نمازیں باجماعت پڑھی جائیں خاص طور پر درمیانی نماز۔

جاننا چاہئے کہ نمازیں پانچ ہیں پس ہر نماز درمیانی ہوسکتی ہے مگر احادیث میں اس کی تعیین صلوۃ العصر سے کی گئی ہے، اور حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے ظہر اور فجر کی نمازوں کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ جب حدیث مرفوع میں صلوٰۃ العصر سے تعیین کی گئی ہے تو پھر ان بزرگوں نے دوسری تفسیر کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ روایات میں عصر کو صلوٰۃ وسطی کا مصداق اس کے نماز عصر ہونے کی وجہ سے نہیں قرار دیا گیا بلکہ اس نماز میں لوگوں کے غفلت برتنے کی وجہ سے اس کو مصداق بنایا ہے چنانچہ مذکورہ بزرگوں نے اپنے زمانہ میں لوگوں کو ظہر و فجر میں غفلت برتتے دیکھا تو انھوں نے ان نمازوں کو صلوٰۃ وسطی کا مصداق قرار دیا، جیسے طالب علم فجر اور ظہر میں غفلت برتتے ہیں جب ان کے سامنے اس آیت کی تفسیر کی جائے تو انہی نمازوں کو صلوٰۃ وسطی کا مصداق قرار دیا جائے گا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ کبھی آیت میں امر کلی مذکور ہوتا ہے جس کے متعدد مصداق ہوسکتے ہیں، ایسی صورت میں آیت کی متعدد تفسیریں کی جاسکتی ہیں، ظاہر ہے جب نمازیں پانچ ہیں تو ہر نماز درمیانی نماز ہوسکتی ہے، اور خصوصیت سے اس کے اہتمام کا حکم بربنائے غفلت دیا گیا ہے، پس مختلف زمانوں میں لوگ جس نماز میں غفلت برتنے لگے صحابہ نے اس کو آیت کا مصداق قرار دیا تاکہ لوگوں کی غفلت دور ہو۔

دوسرا مضمون: ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾: کھڑے ہو و تم (یہ جمع کا صیغہ ہے اس سے جماعت کا ثبوت نکلتا ہے) اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے، یعنی عاجزی اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے رہو، ترمذی میں حدیث ہے: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور ہمیں نماز میں باتیں کرنے سے روک دیا گیا، کیونکہ نماز میں اگر لوگ باتیں کریں گے تو آدھی توجہ اللہ کی طرف ہوگی اور آدھی توجہ بات کرنے والے کی طرف، پس عاجزی اور انکساری کہاں پائی گئی؟ اس لئے نماز میں خاموش رہنے کا اور باتیں نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

اس کے بعد فرمایا: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾: اگر تمہیں دشمن کا ڈر ہو اور زمین پر اتر کر جماعت کرنا اور صلوٰۃ

الخوف پڑھنا مشکل ہو تو پھر ہر شخص تنہا تنہا نماز پڑھے، سوار سواری پر، اور پیادہ زمین پر، حنفیہ اسی کے قائل ہیں کہ اگر جنگ ہو رہی ہو، یا جنگ تو نہیں ہو رہی مگر خطرہ شدید ہے، دشمن کا یا درندہ کا ڈر ہے تو ہر شخص تنہا نماز پڑھے، لیکن نماز رک کر پڑھنا ضروری ہے، چل بھی رہا ہو اور نماز بھی پڑھ رہا ہو یا سواری چل رہی ہو اور نماز پڑھ رہا ہو یہ صحیح نہیں، نماز نہیں ہوگی۔

اب رہی یہ بات کہ طالب (وہ شخص جو دشمن کے پیچھے جارہا ہے) اور مطلوب (وہ شخص جس کے پیچھے دشمن آرہا ہے) اس آیت کے تحت آتے ہیں یا نہیں؟ وہ چلتی سواری پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ حنفیہ کہتے ہیں: مطلوب کے لئے تو چلتی سواری پر فرض پڑھنا جائز ہے کیونکہ اس کے لئے عذر ہے، اگر وہ نماز پڑھنے کے لئے رکے گا تو جان سے جائے گا، اور طالب کے حق میں عذر نہیں پس اس کے لئے چلتی سواری پر نماز پڑھنا جائز نہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک طالب و مطلوب دونوں چلتی سواری پر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔

غرض: خوف کے تعلق سے قرآن کریم میں یہ تین آیتیں ہیں، اور حدیثیں تو بہت ہیں مگر وہ سب صلوۃ الخوف کے سلسلہ کی ہیں کہ صلوۃ الخوف کیسے پڑھی جائے؟ صلوۃ الخوف مشروع ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ قرآن میں ہے، احادیث میں نہیں ہے۔

صلوۃ الخوف کی مشروعیت:

پوری امت متفق ہے کہ صلوۃ الخوف آج بھی مشروع ہے، اسے پڑھنا جائز ہے، صرف امام ابو یوسف اور امام مزنی (امام شافعیؒ کے شاگرد) اختلاف کرتے ہیں، وہ صلوۃ الخوف کی مشروعیت کو زمانہ نبوت کے ساتھ خاص مانتے ہیں۔ پھر امام مزنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی مشروعیت منسوخ ہے، مگر نسخ کی کوئی دلیل نہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں: سورۃ النساء کی جس آیت (۱۰۲) میں صلوۃ الخوف کا تذکرہ ہے اس میں یہ قید ہے کہ یہ نماز اس وقت مشروع ہے جب نبی ﷺ خود نماز پڑھائیں، پس جب آپ کا وصال ہو گیا تو اب اس کی مشروعیت ختم ہوگئی کیونکہ شرط باقی نہیں رہی، اس کو نسخ بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر یہ دلیل اس وجہ سے کمزور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد متعدد جنگوں میں صحابہ نے صلوۃ الخوف پڑھی ہے، پس سورۃ النساء (آیت ۱۰۲) میں ﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ﴾ کی قید اتفاقی ہے۔

صلاۃ الخوف مختلف طرح سے پڑھی جاسکتی ہے:

روایات میں صلوۃ الخوف مختلف طرح سے مروی ہے۔ امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں آٹھ صورتیں، ابن حبان نے اپنی صحیح میں نو صورتیں اور ابن حزم ظاہری نے المُحلّی میں چودہ صورتیں ذکر کی ہیں، اور ابو الفضل عراقی نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے اس میں انھوں نے سترہ صورتیں ذکر کی ہیں یعنی نبی ﷺ نے سترہ طریقوں سے صلوۃ الخوف پڑھی ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس باب کی سب روایتیں صحیح ہیں، کوئی روایت ضعیف نہیں، پس سب طریقوں پر جو حضور اکرم ﷺ سے مروی ہیں صلوۃ الخوف پڑھنا جائز ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، البتہ ان میں سے کونسے طریقہ پر

صلوٰۃ الخوف پڑھنا افضل ہے اس میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک جو طریقہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے اس طرح صلوٰۃ الخوف پڑھنا افضل ہے وہ روایت باب کے شروع میں ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں: جو طریقہ سہل بن ابی حثمہؓ کی روایت میں آیا ہے اس طریقہ پر صلوٰۃ الخوف پڑھنا افضل ہے۔

حنفیہ کا طریقہ: فوج کے دو حصے کئے جائیں، ایک حصہ دشمن کے مقابل کھڑا ہو اور دوسرے حصہ کو امام اگر مسافر ہے تو ایک رکعت اور مقیم ہے تو دو رکعتیں پڑھائے، پھر یہ جماعت دشمن کے مقابل چلی جائے اور جو طائفہ دشمن کے مقابل تھا وہ آ کر صف بنائے اور نماز شروع کرے۔ پھر امام اس طائفہ کو ایک یا دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے، امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ طائفہ سلام پھیرے بغیر دشمن کی طرف چلا جائے اور پہلا طائفہ واپس آئے اور صف بنا کر لاحق کی طرح یعنی قراءت کے بغیر ایک رکعت یا دو رکعت پڑھ کر نماز پوری کرے، پھر وہ دشمن کے مقابل جائے اور دوسرا طائفہ آئے اور وہ بھی صف بنا کر مسبوق کی طرح یعنی قراءت کے ساتھ بقیہ نماز پوری کرے۔

ائمہ ثلاثہ کا طریقہ: امام پہلے طائفہ کو ایک رکعت یا دو رکعت پڑھائے پھر وہ طائفہ باقی نماز اسی وقت لاحق کی طرح پوری کرے، پھر دشمن کے مقابل جائے اور امام دوسرے طائفہ کا انتظار کرے، جب دوسرا طائفہ آ کر صف بنا کر نماز شروع کرے تو امام اس کو ایک رکعت یا دو رکعت پڑھائے اور سلام پھیر دے اور وہ مسبوق کی طرح باقی نماز پوری کریں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس میں نماز کے اندر نقل و حرکت نہیں کرنی پڑتی، اور احناف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو دو وجہ سے اختیار کیا ہے:

ایک: سورۃ النساء کی آیت ۱۰۲ میں صلوٰۃ الخوف کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے ابن عمرؓ کی حدیث میں مروی طریقہ اس سے اقرب ہے، اور قرآن میں بہتر صورت ہی کو لیا جاتا ہے، اس لئے حنفیہ نے اس طریقہ کو افضل قرار دیا ہے۔

دوم: ابن عمرؓ کی حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، نہ سند میں نہ متن میں، اور سہل بن ابی حثمہؓ کی روایت میں سند میں بھی اختلاف ہے، اور متن میں بھی، سند میں اختلاف یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان کے ایک استاذ یحییٰ بن سعید انصاری نے اس حدیث کو موقوف بیان کیا ہے یعنی حضرت سہل کی حدیث میں صلوٰۃ الخوف کا جو طریقہ مروی ہے وہ حضرت سہل کا بیان کیا ہوا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کیا ہوا نہیں ہے اور یحییٰ قطان کے دوسرے استاذ شعبہ رحمہ اللہ نے اس کو مرفوع کیا ہے، یہ ساری تفصیل ترمذی (کتاب الصلوٰۃ باب ۲۸۲، حدیث ۵۶۳) میں ہے، اور متن میں اختلاف یہ ہے کہ شعبہ رحمہ اللہ کی سند سے جو مرفوع روایت ہے، بخاری میں اس کا متن کچھ ہے اور نسائی میں کچھ، بخاری (حدیث ۴۱۳۱ کتاب المغازی) میں اس سند سے جو متن آیا ہے وہ ائمہ ثلاثہ کے موافق ہے اور نسائی (۳: ۱۷۰ مصری) میں جو متن آیا ہے وہ احناف کے موافق ہے، یعنی نسائی میں ابن عمرؓ کی حدیث کے موافق متن آیا ہے —— غرض ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث باب کی سب سے اعلیٰ روایت ہے، اور اس کی سند میں اور متن میں کوئی اختلاف نہیں، نیز اس میں جو طریقہ مروی ہے وہ نص قرآن

سے قریب تر ہے، اس لئے احناف نے اس کو اختیار کیا ہے، اگرچہ اس طریقہ پر صلوۃ الخوف پڑھنے میں نماز کے اندر نقل وحرکت ہوتی ہے مگر اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اس نماز کی شان ہی نرالی ہے۔ واللہ اعلم

صلوۃ الخوف پڑھنے کا بھی موقع نہ ہو تو کیا کرے؟

غزوۂ خندق میں ایک دن نبی ﷺ کی تین نمازیں قضاء ہوگئی تھیں: ظہر، عصر اور مغرب، رات گئے جنگ رکی، پس آپؐ نے پہلے تینوں نمازیں بالترتیب قضاء کیں، پھر عشاء پڑھی، اور دوسرے موقع پر صرف عصر کی نماز قضا ہوئی، مغرب کے وقت جنگ بند ہوئی، پس آپؐ نے پہلے عصر قضاء کی پھر مغرب پڑھی، ان دونوں موقعوں پر نبی ﷺ نے اور حضرات صحابہ نے نہ رجالاً نماز پڑھی نہ رکباناً، بلکہ نماز قضاء کی، اسی طرح تُستر (فارس کا ایک شہر) میں رات سے جنگ ہورہی تھی اور گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا کہ فجر کا وقت آگیا، کمانڈر نے فوج کو لڑائی جاری رکھنے کا حکم دیا، جب قلعہ فتح ہوا تو سورج نکلنے کے بعد سب نے فجر کی نماز قضاء کی، یہ روایت کتاب میں آرہی ہے اور مجتہدین کے اقوال بھی آرہے ہیں۔ اور حاشیہ میں اور بھی اقوال ہیں اور یہاں تک اقوال ہیں کہ اگر دشمن کا خوف زیادہ ہو اور رجالاً اور رکباناً نماز پڑھنا بھی ممکن نہ ہو تو صرف اللہ اکبر کہہ کر اشارہ کر لینا کافی ہے، مگر غور طلب بات یہ ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر نبی ﷺ نے بھی اور صحابہ نے بھی نمازیں قضاء کی ہیں، اور دیگر جنگوں میں بھی مسلمانوں نے نمازیں قضاء کی ہیں، رجالاً یا رکباناً نماز نہیں پڑھی، اس سے معلوم ہوا کہ جب دشمن کا خوف بہت زیادہ ہو اور باجماعت صلاۃ الخوف پڑھنا یا زمین پر اتر کر فرادی فرادی نماز پڑھنا مشکل ہو تو نماز قضاء کرنا بہتر ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۲- أَبْوَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ، فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلَاةِ، إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، إِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِيْنًا ۞ وَإِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ، وَلْيَأْخُذُوْا أَسْلِحَتَهُمْ، فَإِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَرَائِكُمْ، وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوْا، فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ، وَلْيَأْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ، وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً، وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَنْ تَضَعُوْا أَسْلِحَتَكُمْ، وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ، إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا مُهِيْنًا ﴾ [النساء: ۱۰۱ و ۱۰۲]

[۹٤۲-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: سَأَلْتُهُ هَلْ صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم؟ يَعْنِيْ صَلَاةَ الْخَوْفِ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَالِمٌ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه

وسلم قِبَلَ نَجْدٍ، فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ، فَصَافَفْنَا لَهُمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي لَنَا، فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ، وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ، فَرَكَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِمَنْ مَعَهُ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ، فَجَاءُوا، فَرَكَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِهِمْ رَكْعَةً، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ، فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ.

[انظر: ۹٤۳، ٤۱۳۲، ٤۱۳۳، ٤۵۳۵]

حدیث: شعیب بن ابی حمزہ کہتے ہیں: میں نے امام زہریؒ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے صلوٰۃ الخوف پڑھی ہے؟ امام زہریؒ نے فرمایا: مجھ سے سالم نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نجد کی جانب غزوہ کیا (یہ غزوہ ذات الرقاع ہے) پس ہمارا دشمن سے آمنا سامنا ہوا، پس ہم دشمن کے سامنے صف بندی کر کے کھڑے ہو گئے، اور نبی ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے، پس آپؐ کے ساتھ ایک گروہ کھڑا ہوا اور دوسرا گروہ دشمن کی طرف منہ کئے کھڑا رہا، پس نبی ﷺ نے اس طائفہ کے ساتھ رکوع کیا اور دو سجدے کئے یعنی اس طائفہ کو ایک رکعت پڑھائی، پھر وہ اس طائفہ کی جگہ میں چلے گئے جو نماز میں شریک نہیں تھا، پھر وہ آئے پس نبی ﷺ نے ایک رکعت ان کے ساتھ پڑھی اور دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا، پھر ان دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کھڑا ہوا اور اس نے تنہا ایک رکوع اور دو سجدے کئے یعنی ہر ایک نے ایک رکعت پڑھی۔

تشریحات:

۱- صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت قرآنِ کریم سے ثابت ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، البتہ اب صلوٰۃ الخوف مشروع ہے یا نہیں؟ اس میں امام ابو یوسف اور امام مزنی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے، کما مر۔ اور امام ابو یوسف اور امام مزنی رحمہما اللہ کی جو رائے ہے وہ سلف سے چلی آرہی ہے اس لئے شعیبؒ نے امام زہریؒ سے پوچھا، انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سنائی کہ صلوٰۃ الخوف نبی ﷺ نے پڑھی ہے، اور نسخ کی کوئی دلیل نہیں، پس صلوٰۃ الخوف کو مشروع نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔

۲- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں صلوٰۃ الخوف کا جو طریقہ آیا ہے احناف نے اس طریقہ کو افضل قرار دیا ہے، اور فقام کل واحد منھم سے عبارت مجمل ہے، ہماری فقہ میں تفصیل وہ ہے جو اوپر بیان کی گئی۔

۳- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں صلوٰۃ الخوف کا جو طریقہ آیا ہے اس میں اگرچہ نماز کے اندر چلنا پھرنا ہوتا ہے مگر یہ دشمن کو چکمہ دینا بھی ہے، جب نماز کے اندر ایک گروہ آئے گا، دوسرا جائے گا، پھر آئے گا پھر جائے گا تو دشمن یہ سمجھے گا کہ یہ فوجی پریڈ چل رہی ہے، اور حملہ نہیں کرے گا، پس مقصود حاصل ہو جائے گا اور دشمن پر رعب بھی پڑ جائے گا۔ یہ

ایک اور وجہ ہے، جس کی بنا پر احناف نے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کو ترجیح دی ہے۔

مسئلہ: جو طائفہ دشمن کے مقابل کھڑا ہوگا وہ جنگ نہیں کرے گا، اگر انھوں نے قتال کیا تو ان کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ رِجَالاً وَرُكْبَانًا

شدت خوف میں پیدل اور سواری پر نماز پڑھنا

ابھی بتایا ہے کہ شدت خوف کے وقت نماز پیدل بھی پڑھ سکتے ہیں اور سواری پر بھی، لیکن جماعت کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے، تنہا پڑھیں گے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رِجَالاً: رَجُل (مرد) کی جمع نہیں ہے، بلکہ رَاجِلٌ (پیادہ) کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں: قَائِمٌ: کھڑا ہونے والا یعنی پیادہ، غیر سوار، اور پہلے یہ بھی بتایا ہے کہ آیت کریمہ ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَوْ رُكْبَانًا﴾ میں حنفیہ نے واقفاً کی قید بڑھائی ہے یعنی پیدل اور سواری پر نماز پڑھ سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ نمازی چل نہ رہا ہو، نہ سواری چل رہی ہو۔ اگر نمازی بھی پڑھ رہا ہے اور چل بھی رہا ہے یا سواری چل رہی ہے تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ احناف کے نزدیک یہ حق صرف مطلوب کو دیا گیا ہے کہ وہ چلتی سواری پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ نے اور صحابہ نے غزوۂ احزاب میں جو عمل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح نماز پڑھنے سے نماز کو مؤخر کرنا اور قضاء کرنا بہتر ہے۔

[۲-] بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ رِجَالاً وَرُكْبَانًا

رَاجِلٌ: قَائِمٌ

[۹۴۳-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ الْقُرَشِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ مُوْسَى ابْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، نَحْوًا مِنْ قَوْلِ مُجَاهِدٍ: إِذَا اخْتَلَطُوْا قِيَامًا، وَزَادَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " وَإِنْ كَانُوْا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَلْيُصَلُّوْا قِيَامًا وَرُكْبَانًا" [راجع: ۹۴۲]

وضاحت: مجاہد رحمہ اللہ کے قول میں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت میں تصحیف اور اجمال ہے، جس سے مضمون فہمی میں سخت دشواری پیش آگئی ہے، پہلے پورے باب کا ترجمہ پڑھ لیں:

ترجمہ: (شدت) خوف میں پیدل اور سواری پر نماز پڑھنے کا بیان: رِجَالاً کا مفرد رَاجِلٌ ہے، اس کے معنی ہیں: کھڑا ہونے والا —— ابن جریج: موسیٰ بن عقبہ سے، وہ نافع سے، وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مجاہد رحمہ اللہ کے قول کی طرح روایت کرتے ہیں (مجاہدؒ فرماتے ہیں:) جب مسلمان گڈمڈ ہو جائیں کھڑے ہوئے ہونے کی حالت میں (یہ نا تمام بات ہے، اس میں اجمال بھی ہے اور تصحیف بھی) اور ابن عمرؓ نے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے اضافہ کیا: "اور اگر لوگ اس سے زیادہ ہوں تو کھڑے ہوئے اور سواری پر نماز پڑھیں (اس میں بھی تصحیف ہے)

تشریحات:

۱- مجاہد رحمہ اللہ کے قول کی طرح: یہ الٹی تعبیر ہے، مجاہدؒ تو شاگرد ہیں، ان کا قول حضرت ابن عمرؓ کے قول کی طرح ہوگا، نہ کہ ابن عمرؓ کا قول مجاہدؒ کے قول کی طرح جیسے یہ کہنا کہ یہ حدیث فلاں امام کے قول کے موافق ہے یہ الٹی تعبیر ہے، قول: حدیث کے مطابق ہوگا، نہ کہ حدیث: قول کے مطابق۔

۲- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بحوالہ طبری: یحییٰ بن سعید کے طریق سے بسند کتاب ابن عمرؓ کی روایت اس طرح نقل کی ہے: عن ابن عمر، قال: إذا اختلطوا — يعني في القتال — فإنما هو الذكر وإشارة الرء وس، قال ابن عمر: قال النبي صلى الله عليه وسلم: فإن كانوا أكثر من ذلك يصلون قياماً وركباناً: ابن عمرؓ نے فرمایا: جب لوگ جنگ میں گڈمڈ ہوجائیں یعنی گھمسان کی جنگ ہورہی ہوتو نماز بس اللہ کا ذکر اور سر سے اشارہ ہے (اور مجاہد کے قول میں إنما کے بعد ذکر کا لفظ نہیں ہے، صرف اشارۃ الرءوس ہے، اس لئے نحواً کا اضافہ کیا) ابن عمرؓ نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: اور اگر لوگ اس سے زیادہ ہوں (یہ تصحیف ہے) تو کھڑے ہوئے اور سواری پر چڑھے ہوئے نماز پڑھیں (یہ روایت آگے (حدیث ۴۵۳۵) آرہی ہے، وہاں الفاظ ہیں فإن كان خوفٌ هو أشدُّ من ذلك صلوا رجالاً قياماً على أقدامهم أو ركباناً یعنی خوف شدید ہو گھمسان کی جنگ ہورہی ہو اور صلوٰۃ الخوف پڑھنے کی کوئی صورت نہ ہو تو لوگ پیادہ، پیروں پر کھڑے ہوئے یا سوار ہوکر نماز پڑھیں (صحیح عبارت یہ ہے)

الحاصل: گھمسان کی جنگ میں تحریمہ اور اشارۃ الراس سے کام لیا جائے، کیونکہ باقاعدہ نماز کا موقع تو مل نہیں سکتا، اور اگر شدت خوف کے باعث یکجا قیام کا موقع نہ ہو تو پھر راکباً راجلاً جس طرح ممکن ہو نماز ادا کرلیں۔

۳- امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع قطعہ نقل کر کے یہ بتادیا کہ ابن عمرؓ کا وہ فیصلہ ان کی ذاتی رائے نہیں تھی، بلکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے ماتحت ہے اور وہ مسند و مرفوع ہے۔

۴- اور حضرت الاستاذ نے فرمایا: بخاری شریف کی روایت میں قیاماً کا لفظ إنما کی بگڑی ہوئی شکل ہے، پھر إنما کے بعد کے کلمات کا حذف غلط اور بے موقع واقع ہوا ہے جس سے کلام مہمل ہوکر رہ گیا ہے (القول النصیح ۲: ۱۲۷)

بَابٌ: يَحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ

خوف کی نماز میں بعض بعض کی چوکیداری کریں

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی جو مختلف شکلیں احادیث میں آئی ہیں وہ اس نظریہ کے تحت آئی ہیں کہ نماز کے ساتھ حفاظت خودی کا مسئلہ بھی چلتا رہے، پس حفاظتی نقطۂ نظر سے میدانِ جنگ کا جو تقاضہ ہو اس کے مطابق صلاۃ الخوف پڑھی جائے، اور اوپر بتایا ہے کہ امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں آٹھ طریقے، ابن حبان نے اپنی صحیح میں نو طریقے، ابن حزم

ظاہریؒ نے المحلی میں چودہ طریقے اور ابوالفضل عراقی نے سترہ طریقے ذکر کئے ہیں، ان سب طریقوں سے صلاۃ الخوف پڑھنا جائز ہے، بلکہ ان کے علاوہ کسی اور طریقہ سے صلوٰۃ الخوف پڑھی جائے تو یہ بھی درست ہے اس لئے کہ صلوٰۃ الخوف کی یہ متعدد شکلیں اسی نقطۂ نظر سے آئی ہیں کہ نماز کے ساتھ حفاظت خودی کا مسئلہ بھی چلتا رہے، پس میدانِ جنگ کا جو تقاضہ ہو اس کے مطابق نماز پڑھی جائے، یہ اس باب کا مقصد ہے۔

[۳-] بَابٌ: يَحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِيْ صَلَاةِ الْخَوْفِ

[۹۴۴-] حدثنا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ، عَنِ الزُّبَيْدِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، فَكَبَّرَ وَكَبَّرُوْا مَعَهُ، وَرَكَعَ وَرَكَعَ نَاسٌ مِنْهُمْ، ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدُوْا مَعَهُ، ثُمَّ قَامَ لِلثَّانِيَةِ فَقَامَ الَّذِيْنَ سَجَدُوْا وَحَرَسُوْا إِخْوَانَهُمْ، وَأَتَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى، فَرَكَعُوْا وَسَجَدُوْا مَعَهُ، وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ فِيْ صَلَاةٍ، وَلٰكِنْ يَحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

وضاحت: یہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے، اس میں صلوٰۃ الخوف کا یہ طریقہ آیا ہے: سب فوجیوں نے ایک ساتھ نبی ﷺ کی اقتدا میں نماز شروع کی، پھر جب آپؐ نے رکوع کیا تو آدھوں نے آپؐ کے ساتھ رکوع کیا اور آدھے کھڑے رہے، پھر ان آدھوں ہی نے آپؐ کے ساتھ سجدہ کیا، جب آپ سجدہ سے دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو اب باقی آدھوں نے رکوع اور سجدے کئے پھر نبی ﷺ نے دوسری رکعت پڑھائی اور اسی طرح یکے بعد دیگرے رکوع سجدے کئے، اور آگے پیچھے رکوع سجدے حفاظت کی غرض سے کئے تاکہ دشمن پر نظر رہے۔

قوله: وكبّروا معه: سب نے نبی ﷺ کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہی یعنی سب نے ایک ساتھ نماز شروع کی...... **وركع ناسٌ منهم:** یعنی نبی ﷺ کے ساتھ رکوع اور سجدے آدھوں نے کئے اور آدھے کھڑے رہے...... **ثم قام للثانية:** جب نبی ﷺ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو اب باقیوں نے رکوع سجدے کئے...... **وأتت الطائفة الأخرى:** یہ طائفہ جس نے بعد میں رکوع سجدہ کیا وہ وہیں تھا کسی دوسری جگہ سے نہیں آیا تھا...... **والناس كلهم في صلوة:** یعنی تکبیر تحریمہ سے سبھی لوگ نماز میں شامل ہوگئے تھے...... **ولكن يحرس بعضهم بعضاً:** یعنی آگے پیچھے رکوع سجدے اس لئے کئے تاکہ حفاظت کا سلسلہ چلتا رہے۔

بَابُ الصَّلَاةِ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُوْنِ وَلِقَاءِ الْعَدُوِّ

قلعوں پر دھاوا بولتے وقت اور دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت نماز

کسی قلعہ پر فوج نے دھاوا بول رکھا ہو اور دشمن سے مڈبھیڑ ہو رہی ہو اور نماز کا وقت آجائے تو نماز کیسے پڑھی جائے؟

مُناھضۃ کے معنی ہیں: یکبارگی حملہ کرنا، دھاوا بولنا، اور لقاء العدو اور المناھضۃ کا مفہوم ایک ہے، ایسی نازک صورت میں اگر جنگ بند کردیں گے تو قلعہ ہاتھ سے نکل جائے گا، پس نماز کس طرح پڑھی جائے؟ آگے امام اوزاعی رحمہ اللہ کا قول لارہے ہیں۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ کا تعارف: امام اوزاعی رحمہ اللہ کا نام عبدالرحمٰن بن عمرو ہے، یہ شام کے مجتہد ہیں، ان کا دعوی تھا کہ اسلام کا حربی نظام سب سے زیادہ ہم (شام والے) جانتے ہیں، چنانچہ جب امام محمد رحمہ اللہ نے طلبہ کی ضرورت سے السیر الصغیر لکھی اور وہ امام اوزاعی کو پہنچی تو انھوں نے یہ تبصرہ کیا کہ اہل عراق اسلام کا حربی نظام کیا جانیں، ان کے بڑے کی یہ کتاب ہے، اس میں سرسری باتیں ہیں، جیسے کوئی تعلیم الاسلام پڑھ کر کہے: مفتی کفایت اللہ صاحبؒ بس اتنی ہی فقہ جانتے تھے تو یہ بے دانشی کی بات ہوگی، مفتی صاحب نے یہ کتاب بچوں کے لئے لکھی ہے، وہ بچوں کا معیار سامنے رکھیں گے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے بھی حدیث کے طلبہ کی ضرورت کے لئے رسالہ لکھا تھا مگر امام اوزاعی نے اس پر یہ تبصرہ کیا، اور یہ بھی کہا کہ میں اہل عراق کو بتاؤں گا کہ اسلام کا حربی نظام کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ انھوں نے السیر الاوزاعی لکھی، اور اس میں جگہ جگہ امام محمدؒ پر رد کیا، جب یہ کتاب عراق پہنچی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس کا رد لکھا جو الرد علی سیر الأوزاعی کے نام سے مطبوعہ ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ نے رد نہیں لکھا بلکہ ایک دوسری کتاب السیر الکبیر لکھی، جس کی علامہ سرخسی رحمہ اللہ نے چار جلدوں میں شرح کی ہے جو مطبوعہ ہے، جب امام اوزاعی رحمہ اللہ نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو عراق والوں کا اس فن میں لوہا مان لیا اور فرمایا: مصنف نے کتاب میں اسلام کے حربی نظام کے تعلق سے جو باتیں لکھی ہیں وہ ہم نے آج تک نہیں سنیں، اس نے ہر مسئلہ حدیثوں سے ثابت کیا ہے، ورنہ میں کہتا: یہ شخص مسائل گھڑتا ہے!

غرض امام اوزاعی رحمہ اللہ کا یہ دعوی تھا کہ وہ اسلام کے حربی نظام کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ کہ قلعہ پر دھاوا بولنے کے دوران نماز کا وقت آجائے تو کیا کیا جائے؟ یہ اسلام کے حربی نظام سے متعلق مسئلہ ہے، اور اس زمانہ میں ہر محدث کے پاس سیر الاوزاعی ہوتی تھی، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ ان کا قول لائے ہیں۔

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں: اگر کسی قلعہ پر مسلمان فوج نے دھاوا بول رکھا ہو، اور بس فتح ہونے ہی والی ہو اور نماز کا وقت آجائے تو ہر شخص اشارے سے نماز پڑھے، یعنی رکوع وسجود کی جگہ اشارہ کرے، اور جو کھڑا ہے وہ کھڑے کھڑے اشارہ کرے اور جو گھوڑے پر ہے وہ گھوڑے پر ہی اشارہ کرے۔

اور امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں: جنگ بند ہونے کے بعد یا اطمینان حاصل ہونے کے بعد دو رکعتیں پڑھیں، اور اس کا موقع نہ ہو تو ایک رکعت پڑھیں۔

اور حاشیہ میں امام زہری رحمہ اللہ کا قول لکھا ہے کہ اگر اشارہ سے بھی نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو تو تکبیر تحریمہ کہہ کر سر سے اشارہ کر لینا کافی ہے، مگر اس کے نہ امام اوزاعی قائل ہیں نہ احناف، بلکہ ایسی صورت میں نماز مؤخر کی جائے گی،

تُستر پر جب دھاوا بولا گیا تھا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کمانڈر تھے اور فجر سے پہلے جنگ شروع ہوئی تھی اور فجر کے پورے وقت میں جنگ ہوتی رہی، چنانچہ فجر کی نماز نہیں پڑھی گئی جب قلعہ فتح ہوا تو سورج نکل کر بلند ہو چکا تھا، اب سب نے فجر کی نماز قضا کی، معلوم ہوا کہ جب نماز کا موقع نہ ہو تو نماز مؤخر کی جائے گی، سر سے محض اشارہ کر لینا کافی نہیں۔

[٤-] بَابُ الصَّلَاةِ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُوْنِ وَلِقَاءِ الْعَدُوِّ

[١-] وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ: إِنْ كَانَ تَهَيَّأَ الْفَتْحُ، وَلَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الصَّلَاةِ، صَلَّوْا إِيْمَاءً، كُلُّ امْرِئٍ لِنَفْسِهِ، فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الْإِيْمَاءِ أَخَّرُوْا الصَّلَاةَ، حَتَّى يَنْكَشِفَ الْقِتَالُ، أَوْ يَأْمَنُوْا، فَيُصَلُّوْا رَكْعَتَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوْا صَلَّوْا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوْا فَلَا يُجْزِيْهِمُ التَّكْبِيْرُ، وَيُؤَخِّرُوْنَهَا حَتَّى يَأْمَنُوْا، وَبِهِ قَالَ مَكْحُوْلٌ.

[٢-] وَقَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: حَضَرْتُ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ حِصْنِ تُسْتَرَ عِنْدَ إِضَاءَةِ الْفَجْرِ، وَاشْتَدَّ اشْتِعَالُ الْقِتَالِ، فَلَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الصَّلَاةِ، فَلَمْ نُصَلِّ إِلَّا بَعْدَ ارْتِفَاعِ النَّهَارِ، فَصَلَّيْنَاهَا وَنَحْنُ مَعَ أَبِي مُوْسَى، فَفُتِحَ لَنَا، قَالَ أَنَسٌ: وَمَا يَسُرُّنِيْ بِتِلْكَ الصَّلَاةِ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

ترجمہ: (۱) امام اوزاعیؒ کہتے ہیں: اگر فتح تیار ہو یعنی بس فتح ہونے ہی والی ہو اور نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو تو لوگ اشارے سے نماز پڑھیں، یعنی ہر شخص اپنی نماز پڑھے یعنی تنہا نماز پڑھیں، پس اگر اشارہ سے نماز پڑھنے کی بھی صورت نہ ہو تو نماز کو مؤخر کریں، یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے یا اطمینان حاصل ہو جائے، پس وہ دو رکعتیں پڑھیں اور اگر دو رکعتیں پڑھنے کا موقع نہ ہو تو ایک رکوع اور دو سجدے کریں، یعنی ایک رکعت پڑھیں، اور اگر ایک رکعت پڑھنا بھی ممکن نہ ہو تو ان کے لئے تکبیر کہنا کافی نہیں (جیسا کہ امام زہریؒ کہتے ہیں) بلکہ وہ نماز کو مؤخر کریں، یہاں تک کہ اطمینان حاصل ہو جائے، اور اسی کے مکحول رحمہ اللہ (تابعی) قائل ہیں۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صبح کی روشنی میں تُستر قلعہ پر چڑھائی کے وقت میں حاضر تھا، لڑائی کی آگ خوب بھڑک رہی تھی، اور لوگ نماز پڑھنے پر قادر نہیں تھے، پس ہم نے سورج بلند ہونے کے بعد ہی نماز پڑھی، پس ہم نے وہ نماز پڑھی درانحالیکہ ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے یعنی وہ فوج کے کمانڈر تھے، چنانچہ ہمارے لئے کھول دیا گیا یعنی قلعہ فتح ہو گیا، حضرت انسؓ کہتے ہیں: اور نہیں خوش کرتی مجھے اس نماز کے بدل دنیا اور جو کچھ اس میں ہے۔

تشریح: اس آخری جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک: اگر ہم وقت پر نماز پڑھتے تو دنیا و ما فیہا سے بہتر ہوتا، جنگ کی وجہ سے جو نماز میں تاخیر کی اور بعد میں قضا پڑھی یہ

مجھے پسند نہیں۔

دوسرا مطلب: اس صورت حال میں فجر کی نماز قضاء کر کے پڑھنے سے مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ خوشی ہوئی، اس صورت میں تلک کا مشار الیہ نماز ہے۔

[۹٤٥-] حدثنا يَحْيىٰ، حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيىَ بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: جَاءَ عُمَرُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ، وَيَقُوْلُ: يَارسولَ اللّٰهِ! مَا صَلَّيْتُ الْعَصْرَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ تَغِيْبَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " وَأَنَا وَاللّٰهِ! مَا صَلَّيْتُهَا بَعْدُ" قَالَ: فَنَزَلَ إِلٰى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَابَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ بَعْدَهَا.

[راجع: ٥٩٦]

وضاحت: یہ حدیث کئی مرتبہ گذر چکی ہے، غزوۂ خندق میں ایک دن نبی ﷺ کی عصر کی نماز قضاء ہوگئی، کفار کا دباؤ بہت زیادہ تھا اور نماز پڑھنے کی کوئی صورت نہیں تھی، آپ نے سواری پر یا پیدل اشارہ سے نماز پڑھنے کے بجائے نماز قضاء کی اور سورج غروب ہونے کے بعد بطحان نامی میدان میں پہلے عصر پڑھائی پھر مغرب پڑھائی، اسی لئے میں نے کہا تھا کہ سواری پر یا پیدل اشارہ سے نماز پڑھنے سے بہتر نماز کو مؤخر کرتا ہے۔

بَابُ صَلَاةِ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوْبِ رَاكِبًا وَإِيْمَاءً

طالب اور مطلوب کی نماز سوار ہو کر اور اشارے سے

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک طالب (وہ شخص جو دشمن کے تعاقب میں چل رہا ہے) اور مطلوب (جس کے پیچھے دشمن آرہا ہے) دونوں کے لئے سواری پر فرض پڑھنا جائز ہے، اور حنفیہ کے نزدیک مطلوب کے لئے تو جائز ہے کیونکہ اس کے لئے عذر ہے، اگر وہ نماز پڑھنے کے لئے رکے گا تو جان سے جائے گا، اور طالب کے حق میں عذر نہیں، پس اس کے لئے جائز نہیں، اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے منصوص نہیں۔

ولید ایک محدث ہیں، انھوں نے امام اوزاعی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اسلامی کمانڈر شرحبیل بن السمط اور ان کے ساتھیوں نے چوپایوں کی پیٹھوں پر نماز پڑھی تھی، یعنی فوج چل بھی رہی تھی اور نماز بھی پڑھ رہی تھی، آپ اس سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں؟ امام اوزاعیؒ نے فرمایا: مسئلہ یہی ہے، اگر نماز قضا ہونے کا اندیشہ ہو تو چلتی سواریوں پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

شرحبیل بن السمط مشہور جرنیل ہیں، مگر ان کا قول و فعل حجت نہیں اس لئے کہ وہ صحابی نہیں تابعی ہیں، اس لئے ولید نے بنو قریظہ والے واقعہ کو بطور استشہاد پیش کیا ہے۔

بنوقریظہ اور نبی ﷺ کے درمیان ناجنگ معاہدہ تھا، غزوۂ خندق میں جب کفار دس ہزار کا لشکر جرار لے کر مدینہ منورہ چڑھ آئے تو بنوقریظہ عہد شکنی کر کے قریش کے ساتھ مل گئے، غزوہ سے واپسی کے بعد آپ نے اور تمام مسلمانوں نے ہتھیار اتار دیئے، حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک خچر پر سوار، عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا: یارسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتار دیئے، مگر ہم فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے، آپ نے پوچھا: کیا حکم ہے؟ انھوں نے بنوقریظہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: میں آگے جارہا ہوں، ان لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کروں گا، چنانچہ نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ہر شخص بنوقریظہ میں عصر کی نماز پڑھے، یہ نماز ظہر کے بعد کا واقعہ ہے، راستہ میں جب نماز عصر کا وقت آیا تو اختلاف ہوا، بعض نے کہا: ہم بنوقریظہ میں پہنچ کر نماز عصر پڑھیں گے، کیونکہ ہمیں آپ نے یہی حکم دیا ہے، اور بعض نے کہا: نبی ﷺ کا مقصد یہ نہ تھا کہ نماز قضا کی جائے بلکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ جلد از جلد بنوقریظہ پہنچا جائے، چنانچہ انھوں نے راستہ میں عصر کی نماز ادا کی، نبی ﷺ اگلی صبح تشریف لائے، آپ کے سامنے اس اختلاف کا ذکر آیا، آپ نے دونوں جماعتوں میں سے کسی کو ملامت نہیں کی، نہ ان لوگوں سے کچھ کہا جنھوں نے ظاہر امر کا امتثال کرتے ہوئے نماز کو قضا کیا تھا، اور نہ ان لوگوں کو کچھ کہا جنھوں نے امر کا اصل منشاء سمجھ کر راستہ میں نماز ادا کی تھی، مگر اس واقعہ میں یہ بات کہاں ہے کہ جن حضرات نے راستہ میں نماز پڑھی تھی انھوں نے چلتی سواری پر پڑھی تھی؟ پس اس حدیث سے کیسے استدلال کریں گے۔

[٥-] بَابُ صَلاَةِ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوْبِ رَاكِبًا وَإِيْمَاءً

وَقَالَ الْوَلِيْدُ: ذَكَرْتُ لِلأَوْزَاعِيِّ صَلاَةَ شُرَحْبِيْلَ بْنِ السِّمْطِ وَأَصْحَابِهِ عَلَى ظَهْرِ الدَّابَّةِ، فَقَالَ: كَذٰلِكَ الأَمْرُ عِنْدَنَا إِذَا تُخُوِّفَ الْفَوْتُ، وَاحْتَجَّ الْوَلِيْدُ بِقَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " لاَيُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلاَّ فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ "

[٩٤٦-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ، حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَنَا لَمَّا رَجَعَ مِنَ الأَحْزَابِ: " لاَ يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلاَّ فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ ". فَأَدْرَكَ بَعْضُهُمُ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيْقِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لاَ نُصَلِّيْ حَتّٰى نَأْتِيَهَا. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ نُصَلِّيْ، لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذٰلِكَ، فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَلَمْ يُعَنِّفْ أَحَدًا مِنْهُمْ. [انظر: ٤١١٩]

ترجمہ: ولید کہتے ہیں: میں نے امام اوزاعی رحمہ اللہ سے شرحبیل بن السمط اور ان کے رفقاء کی نماز کا تذکرہ کیا جو انھوں نے چوپایوں کی پیٹھ پر پڑھی تھی، امام اوزاعی نے کہا: ہمارے نزدیک مسئلہ یہی ہے جب نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو، اور ولید نے نبی ﷺ کے قول ''ہرگز کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنوقریظہ میں'' سے استدلال کیا ہے۔

حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ نے ہم سے فرمایا جب آپ غزوۂ احزاب سے لوٹے: ''ہرگز کوئی

عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنوقریظہ میں" پس بعض نے راستہ میں عصر کا وقت پایا تو بعض نے کہا: ہم عصر نہیں پڑھیں گے یہاں تک کہ ہم بنوقریظہ پہنچیں اور بعض نے کہا: ہم نماز پڑھیں گے، آپ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم نماز قضاء کریں، پس یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی گئی تو آپ نے ان میں سے کسی کو بھی ملامت نہیں کی۔

بَابُ التَّكْبِيرِ وَالْغَلَسِ بِالصُّبْحِ وَالصَّلَاةِ عِنْدَ الإِغَارَةِ وَالْحَرْبِ

تکبیر کہنا اور صبح کی تاریکی میں فجر کی نماز پڑھنا، اور حملہ اور جنگ کے وقت نماز پڑھنا

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر صبح سویرے دشمن پر حملہ کرنا ہو تو فجر کی نماز اول وقت (غلس میں) پڑھ لینی چاہئے، کیونکہ جب جنگ شروع ہو جائے گی تو دشمن نماز پڑھنے کا موقع نہیں دے گا۔ نبی ﷺ خیبر میں رات میں پہنچے تھے اور غلس میں فجر کی نماز ادا فرمائی تھی، حضور اقدس ﷺ کی سیرت میں شب خون مارنا نہیں تھا، کیونکہ اندھیرے میں بچے اور عورتیں پس جاتے ہیں، اور اسلام عورتوں اور بچوں کے قتل کا روادار نہیں، البتہ آپ کی سیرت طیبہ میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ آپ دشمن کو غافل رکھ کر اچانک اس کے سر پر پہنچ جاتے تھے، دشمن کو حملہ کی کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے تھے، غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ اچانک رات میں خیبر پہنچے، اس وقت یہودی قلعہ بند ہو کر سو رہے تھے، آپ نے نماز فجر اول وقت ادا فرمائی اور فوجیوں کو ریہرسل کا حکم دیا، اور خود بھی گھوڑے پر سوار ہو کر ریہرسل میں شریک ہوئے، اس جنگ میں تین سو گھوڑے تھے، انھوں نے چاروں طرف دوڑنا شروع کیا، اور ایک ہنگامہ بپا کر دیا، جب یہود کدال، پھاوڑے اور بورے لے کر قلعہ سے باہر نکلے تو حیران رہ گئے، وہ یہ کہتے ہوئے کہ محمد بہت بڑا لشکر لے کر آ گئے: الٹے پاؤں بھاگے، حالانکہ کل پندرہ سو صحابہ تھے، آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا: خیبر کا ناس ہوا! اس سے اور رعب چھا گیا، یہ جو آپ راتوں رات خیبر پہنچ گئے اور دشمن کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی، اسی کا نام الإغارۃ ہے، نبی ﷺ کی کامیابیوں کا بڑا مدار اسی طریقہ پر تھا۔

ملحوظہ: التکبیر اور التبکیر دونوں نسخے ہیں، کِرمانی میں التبکیر ہے، تکبیر کے معنی ہیں: نعرۂ تکبیر بلند کرنا اور تبکیر کے معنی ہیں: صبح سویرے نماز پڑھنا۔ والغلس: عطف تفسیری ہے یعنی فجر کی نماز صبح صادق کے بعد فوراً اندھیرے میں پڑھ لی جائے، اور الصبح اور الصلوۃ: دونوں سے نماز فجر مراد ہے، اور الإغارۃ اور الحرب: مترادف ہیں، اور عطف تفسیری ہے اور باب کا حاصل یہ ہے کہ اگر صبح سویرے حملہ کرنا ہو تو فجر کی نماز اول وقت پڑھ لی جائے، پھر جنگ شروع کی جائے۔

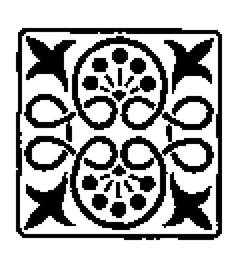
[٦-] بَابُ التَّكْبِيرِ وَالْغَلَسِ بِالصُّبْحِ وَالصَّلَاةِ عِنْدَ الإِغَارَةِ وَالْحَرْبِ

[٩٤٧-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، وَثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ أَنَسٍ

ابْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَلَّى الصُّبْحَ بِغَلَسٍ ثُمَّ رَكِبَ فَقَالَ: " اللّٰهُ أَكْبَرُ! خَرِبَتْ خَيْبَرُ! إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ" فَخَرَجُوْا يَسْعَوْنَ فِي السِّكَكِ، وَيَقُوْلُوْنَ: مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيْسُ — قَالَ وَالْخَمِيْسُ: الْجَيْشُ — فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَتَلَ الْمُقَاتِلَةَ وَسَبَى الذَّرَارِيَّ. فَصَارَتْ صَفِيَّةُ لِدِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ، وَصَارَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ تَزَوَّجَهَا، وَجَعَلَ صَدَاقَهَا عِتْقَهَا، فَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ لِثَابِتٍ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ، أَأَنْتَ سَأَلْتَ أَنَسًا: مَا أَمْهَرَهَا، قَالَ: أَمْهَرَهَا نَفْسَهَا؟ قَالَ: فَتَبَسَّمَ. [راجع: ۳۷۱]

وضاحت: حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب الصلوۃ (ابواب المصلی) باب ۱۲ (حدیث ۳۷۱، تحفۃ القاری ۲:۲۰۱) میں ملاحظہ کریں۔ قولہ: فقال عبد العزیز إلخ: عبدالعزیز بن صہیب نے ثابت بنانی سے پوچھا: اے ابو محمد (ثابت کی کنیت) کیا آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ کیا مہر دیا ان کو؟ حضرت انسؓ نے کہا: ان کی ذات ان کا مہر تھی؟ (یہاں تک سوال ہے) عبدالعزیز کہتے ہیں: پس ثابت مسکرائے یعنی انھوں نے اقرار کیا کہ انھوں نے حضرت انسؓ سے یہ بات پوچھی ہے اور حضرت انسؓ نے مذکورہ جواب دیا تھا (نبی ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو سات بردوں کے عوض حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا یا بدلا تھا، اور وہ ثمن ہی ان کا مہر تھا، محض عتق مہر نہیں تھا تفصیل (تحفۃ القاری ۲:۲۰۲) میں گذر چکی ہے)

﴿ الحمد للہ! ابواب صلوۃ الخوف کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی ﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كِتَابُ الْعِيْدَيْنِ

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا بیان

بَابُ مَاجَاءَ فِي الْعِيْدَيْنِ وَالتَّجَمُّلِ فِيْهِمَا

عیدوں میں آراستہ ہونے کا بیان

تجمل کے معنی ہیں: آراستہ ہونا، خوبصورت بننا، عیدین میں نہانا، دھونا، شاندار اور نئے یا دھلے ہوئے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا اور مزین ہونا مطلوب ہے، پہلے حدیث گذری ہے کہ مدینہ منورہ میں ریشمی سوٹ بکنے کے لئے آئے تھے جو بہت شاندار اور خوبصورت تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک سوٹ لے کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! یہ سوٹ خرید لیجئے تاکہ عیدین میں اور وفود سے ملنے کے وقت آپ اسے زیب تن فرمائیں، معلوم ہوا کہ ان موقعوں پر زیب وزینت مستحب ہے، جبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۳- كِتَابُ الْعِيْدَيْنِ

[۱-] بَابُ مَاجَاءَ فِي الْعِيْدَيْنِ وَالتَّجَمُّلِ فِيْهِمَا

[۹۴۸-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: أَخَذَ عُمَرُ جُبَّةً مِنْ إِسْتَبْرَقٍ تُبَاعُ فِي السُّوْقِ، فَأَخَذَهَا فَأَتَى بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! ابْتَعْ هٰذِهِ، تَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيْدِ وَالْوُفُوْدِ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّمَا هٰذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ" فَلَبِثَ عُمَرُ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَلْبَثَ، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِجُبَّةِ دِيْبَاجٍ، فَأَقْبَلَ بِهَا عُمَرُ، فَأَتَى بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّكَ

قُلْتَ: " إِنَّمَا هٰذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ" وَأَرْسَلْتَ إِلَيَّ بِهٰذِهِ الْجُبَّةِ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "تَبِيْعُهَا أَوْ: تُصِيْبُ بِهَا حَاجَتَكَ" [راجع: ۸۸٦]

ترجمہ: یہ حدیث پہلے گذری ہے، ابن عمرؓ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی جبہ لیا جو بازار میں بک رہا تھا (پہلے حدیث میں حُلّة (سوٹ) آیا تھا، یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے) حضرت عمرؓ نے اس کو لیا اور اس کو لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اس کو خرید لیجئے، اس کے ذریعہ عیدین اور وفود سے ملنے کے وقت زینت اختیار کیجئے (پہلے حدیث میں جمعہ کا ذکر تھا، جمعہ بھی چھوٹی عید ہے) ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ لباس اسی کے لئے ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، پس حضرت عمرؓ جب تک اللہ نے چاہا ٹھہرے رہے یعنی اس واقعہ کے بعد ایک عرصہ گذر گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس ایک ریشمی جبہ بھیجا، حضرت عمرؓ وہ جبہ لے کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا تھا: یہ لباس اس کے لئے ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور آپؐ نے میرے پاس یہ جبہ بھیجا ہے! نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: اس کو بیچ دو یا فرمایا: اس کے ذریعہ اپنی حاجت پوری کرو، یعنی میں نے یہ جبہ پہننے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ بیچ کر یا کسی اور طرح سے اس کو اپنی ضرورت میں صرف کرو، چنانچہ حضرت عمرؓ نے وہ جبہ اپنے ایک رضاعی بھائی کو جو مکہ میں رہتا تھا اور ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا بطور ہدیہ بھیج دیا تاکہ وہ اسلام کی طرف راغب ہو۔

بَابُ الْحِرَابِ وَالدَّرَقِ يَوْمَ الْعِيْدِ

عید کے دن چھوٹے نیزے اور ڈھال کا کھیل

الحِرَاب: الحَرْبَة کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: چھوٹا نیزہ، اور الدَّرَق: الدَّرَقَة کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: سپر، ڈھال۔ عید کے دن چھوٹے نیزے اور ڈھال کا کھیل کھیلنے کا کیا حکم ہے؟ یہ ایک قسم کی فوجی مشق ہے، دو شخص ہاتھوں میں چھوٹے نیزے اور ڈھال لے کر ایک دوسرے کا سامنا کرتے ہیں، ہر ایک دوسرے پر حملہ کرتا ہے، دوسرا ڈھال سے وار روکتا ہے اور جوابی حملہ کرتا ہے، یہ خطرناک کھیل ہے، عرب اس کھیل کے زیادہ ماہر نہیں تھے، حبشہ والے اس کے ماہر تھے، حبشہ عرب سے ملا ہوا ایک غریب ملک تھا، وہاں سے لوگ عرب میں مزدوری کرنے کے لئے آتے تھے۔

اس باب کا مقصد کیا ہے؟ علامہ عینی رحمہ اللہ نے باب کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ عید کا دن انبساط وانشراح کا دن ہے، اس دن بعض ایسی باتوں سے درگذر کیا جائے جن سے دوسرے وقت میں درگذر نہیں کیا جائے گا، کھیل کود کوئی پسندیدہ چیز نہیں، مگر عید کے دن اہل حبشہ نے نیزہ اور ڈھال کا کھیل کھیلا تو نبی ﷺ نے درگذر فرمایا، اور حدیث شریف میں یہ واقعہ بھی آرہا ہے کہ آپؐ گھر میں تشریف لائے تو دو لڑکیاں دف بجارہی تھیں اور جنگ بعاث میں جو لوگ مارے گئے تھے اور ان کے جو مرثیے کہے گئے تھے وہ پڑھ رہی تھیں، آپؐ نے کچھ نہیں فرمایا بلکہ ایک طرف منہ کر کے لیٹ گئے، تھوڑی دیر کے بعد

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹا کہ نبی ﷺ کے گھر میں یہ شیطانی چرخہ کیسا؟ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: رہنے دو، پڑھنے دو، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چپکے سے ان دونوں لڑکیوں کو چلتا کیا۔ دف بجانا نامناسب کام ہے اس کو حضرت ابوبکرؓ نے شیطان کی بانسری قرار دیا ہے مگر حضور ﷺ نے صرف نظر کیا، معلوم ہوا کہ سرور وانبساط کے دن بعض ایسی باتوں سے درگذر کیا جائے گا جن سے دوسرے وقت میں درگذر نہیں کیا جاتا۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے باب کا یہ مقصد بیان کیا ہے۔

اور حضرت الاستاذ قدس سرہ نے باب کا یہ مقصد بیان کیا تھا کہ عید کے دن فوجی مشق اچھی بات ہے۔ عید کا دن خوشی کا دن ہے اس دن کھیلنے کو طبیعت چاہتی ہے پس وہ کھیل کھیلنا چاہئے جو ہم خرما ہم ثواب ہو، فوجی مشق میں شوکت اسلام کا اظہار بھی ہے اور طبیعت کا تقاضہ بھی پورا ہو جاتا ہے۔

اور باب کی حدیث سے دو طرح سے فوجی مشق کا استحسان ثابت ہوتا ہے، ایک: نبی ﷺ نے فرمایا: دُونکم یا بنی أرفدۃ: بنو ارفدہ: حبشہ والوں کا لقب ہے جیسے عرب کے اونچے خاندان کا لقب: بنو ماء السماء تھا، نبی ﷺ نے فرمایا: اے بنو ارفدہ! کھیلو! دوم: نبی ﷺ نے دیر تک ان کا کھیل دیکھا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی جب تک وہ ملول نہ ہوگئیں دکھایا ان دونوں باتوں سے فوجی مشق کا استحسان نکلتا ہے۔

[۲-] بَابُ الْحِرَابِ وَالدَّرَقِ يَوْمَ الْعِيْدِ

[۹۴۹-] حدثنا أَحْمَدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الأَسَدِيَّ حَدَّثَهُ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَعِنْدِيْ جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثَ، فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ، وَحَوَّلَ وَجْهَهُ، وَدَخَلَ أَبُوْ بَكْرٍ فَانْتَهَرَنِيْ، وَقَالَ: مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم! فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: "دَعْهُمَا" فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا فَخَرَجَتَا. [انظر: ۹۵۲، ۹۸۷، ۲۹۰۷، ۳۵۳۰، ۳۹۳۱]

[۹۵۰-] وَكَانَ يَوْمَ عِيْدٍ، يَلْعَبُ فِيْهِ السُّوْدَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ، فَإِمَّا سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَإِمَّا قَالَ: "أَتَشْتَهِيْنَ تَنْظُرِيْنَ؟" فَقُلْتُ: نَعَمْ. فَأَقَامَنِيْ وَرَاءَهُ، خَدِّيْ عَلَى خَدِّهِ، وَهُوَ يَقُوْلُ: "دُوْنَكُمْ يَا بَنِيْ أَرْفِدَةَ" حَتَّى إِذَا مَلِلْتُ قَالَ: "حَسْبُكِ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: "فَاذْهَبِيْ" [راجع: ۴۵۴]

حدیث (۱): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے پاس نبی ﷺ تشریف لائے درانحالیکہ میرے پاس دو لڑکیاں تھیں جو جنگ بعاث میں مارے گئے لوگوں کے مرثیے گا رہی تھیں، یعنی پڑھ رہی تھیں، پس نبی ﷺ بستر پر لیٹ گئے اور اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، اور انھوں نے مجھے جھڑکا اور فرمایا: آنحضور ﷺ کے پاس

شیطان کی بانسری! پس نبی ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ان کو رہنے دو یعنی پڑھنے دو، پس جب آپؐ بے خبر ہوئے تو میں نے دونوں کو آنکھ ماری پس وہ دونوں چل دیں۔

حدیث (۲): اور عیدین کا دن تھا، اس میں حبشہ کے لوگ ڈھال اور نیزے سے کھیلا کرتے تھے، پس یا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی یا خود آپؐ نے فرمایا: کیا تم کھیل دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، پس آپؐ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کیا، میرا رخسار آپؐ کے رخسار پر تھا درانحالیکہ آپؐ فرما رہے تھے: اے بنوارفدۃ! کھیلو، یہاں تک کہ جب میں ملول ہوگئی تو آپؐ نے پوچھا: کافی ہوگیا؟ میں نے کہا: جی ہاں، آپؐ نے فرمایا: پس چلی جاؤ۔

بَابُ سُنَّةِ الْعِيْدَيْنِ لِأَهْلِ الإِسْلَامِ

مسلمانوں کے لئے خوشی کے دو دن

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر قوم کے لئے خوشی کا کوئی دن ہوتا ہے، اللہ عزوجل نے اس امت کے لئے خوشی کے دو دن مقرر کیے ہیں: عید الاضحیٰ اور عید الفطر، مگر مسلمانوں کا طریقہ دیگر اقوام سے مختلف ہے، اسلام نے خوشی کے دنوں میں بھی سب سے پہلا کام عبادت مقرر کیا ہے، دوسری قومیں خوشی کے دنوں میں شور شرابا کرتی ہیں، وہ کوئی عبادت نہیں کرتیں، ہم سب سے پہلے دوگانہ ادا کرتے ہیں۔

باب میں جو حدیثیں ہیں ان میں سے پہلی حدیث میں یہی مضمون ہے پھر چونکہ یہ دونوں دن سرور وانبساط کے دن ہیں اس لئے دیگر خوشی کے کام بھی جائز ہیں، بلکہ ایسے کام جو گونہ مناسب نہیں ان سے بھی صرف نظر کی جاتی ہے، جیسے دو باندیاں اشعار پڑھ رہی تھیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منع کیا مگر نبی ﷺ نے فرمایا: دَعْهُمَا: پڑھنے دو، بلکہ اگر لوگ کوئی ایسا کام کریں جو ہم خرما ہم ثواب ہو مثلاً فوجی مشق کریں تو سبحان اللہ! حبشیوں نے مسجد نبوی کے صحن میں یہ مشق کی تھی اور نبی ﷺ نے اس کو دیکھا تھا، سرور وخوشی کا اظہار بھی ہوگیا اور اسلامی شوکت کا اظہار اور فوج کی تیاری کا سامان بھی ہوگیا، باب کی دوسری حدیث میں اسی کا ذکر ہے، دونوں حدیثوں کے درمیان امام بخاری رحمہ اللہ نے شاندار ترتیب قائم کی ہے، پہلی حدیث ہے کہ ان دونوں میں سب سے پہلا کام عبادت ہے پھر دوسری حدیث میں دوسری چیزوں کی گنجائش کا ذکر ہے۔

[۳-] بَابُ سُنَّةِ الْعِيْدَيْنِ لِأَهْلِ الإِسْلَامِ

[۹۵۱-] حدثنا حَجَّاجٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ زُبَيْدٌ، قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ، فَقَالَ: " إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا"

[انظر: ۹۵۵، ۹۶۵، ۹۶۸، ۹۷۶، ۹۸۳، ۵۵۴۵، ۵۵۵۶، ۵۵۵۷، ۵۵۶۰، ۵۵۶۳، ۶۶۷۳]

[۹۵۲-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ أَبُوْ بَكْرٍ وَعِنْدِيْ جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِيْ الْأَنْصَارِ، تُغَنِّيَانِ مِمَّا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ، قَالَتْ: وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: بِمَزَامِيْرِ الشَّيْطَانِ فِيْ بَيْتِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم! وَذٰلِكَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم "يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا، وَهٰذَا عِيْدُنَا" [راجع: ۹۴۹]

حدیث (۱): حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا: سب سے پہلا کام جو ہم اس دن میں کریں نماز ہے (یہاں باب ہے کہ عید کے دن سب سے پہلے بارگاہِ خداوندی میں دوگانہ ادا کرنا چاہئے) پھر ہم لوٹ کر قربانی کریں گے، پس جس نے یہ کیا اس نے ہمارے طریقہ کو پایا (لفظ سنت یہاں سے باب میں لیا ہے)

حدیث (۲): یہ حدیث ابھی گذری ہے، جاریۃ کے معنی باندی ہی کے نہیں ہیں، مطلق لڑکی کو بھی جاریۃ کہتے ہیں، اور ممکن ہے وہ باندیاں ہوں، تُغَنِّيَان: دونوں گارہی تھیں، یعنی انصار نے جنگ بعاث کے سلسلہ میں جو اشعار کہے ہیں وہ پڑھ رہی تھیں، خود صدیقہ فرماتی ہیں: وہ گانے والی عورتیں نہیں تھیں۔ مِزْمَار: بانسری، میں نے ترجمہ کیا تھا شیطانی چرخہ، اس میں اشارہ کیا تھا کہ یہ گونہ نامناسب کام تھا مگر نبی ﷺ نے اس سے صرف نظر کیا۔

بَابُ الْأَكْلِ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوْجِ

یوم الفطر میں کچھ کھا کر عید کے لئے جانا

عربوں میں چائے ناشتہ کا رواج نہیں تھا، رات میں پانی میں کھجوریں بھگا دیتے تھے اور صبح نبیذ پی لیتے تھے اور یہ بھی بڑوں کو میسر تھا، عام لوگوں میں کوئی چیز پینے کا رواج نہیں تھا، لیکن عید الفطر میں عید کی نماز کے لئے جانے سے پہلے نبی ﷺ بریک فاسٹ کرتے تھے، یہ انگریزی لفظ ہے اور یہ لفظ میں نے مسئلہ سمجھانے کے لئے بولا ہے، فاسٹ کے معنی ہیں: روزہ اور بریک کے معنی ہیں: توڑنا، پھر بریک فاسٹ ناشتہ کے لئے استعمال ہونے لگا، مگر میں نے اس کو ناشتہ کے معنی میں نہیں لیا، بلکہ لغوی معنی میں استعمال کیا ہے اگر آپ صبح صادق کے بعد کچھ نہ کھائیں تو ایسا محسوس ہوگا کہ آپ نے روزہ رکھ رکھا ہے، اور جب آپ نے کوئی چیز کھالی تو گویا روزہ توڑ دیا، اور عید الفطر کے دن روزہ رکھنا حرام ہے، پس فجر کے بعد بریک فاسٹ کرنا چاہئے یعنی کچھ کھا پی کر یہ بات ظاہر کرنی چاہئے کہ آج روزہ نہیں ہے، سہارن پور میں ہم حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہ کے یہاں اعتکاف کرتے تھے، عید کے دن کا معمول یہ تھا کہ نماز فجر کا سلام پھیرتے ہی خادم کھڑا ہوتا اور ہر ایک کو ایک ایک کھجور دیتا، اور دوسرا خادم پیچھے لوٹا لے کر سب کو ایک ایک گھونٹ پانی پلاتا، اس کے بعد تسبیحات ہوتیں پھر دعا ہوتی، یعنی عید الفطر کے دن پہلی فرصت میں بریک فاسٹ کرنا چاہئے۔ نبی ﷺ کا یہی معمول تھا، فجر کے بعد کھجور یا چھوہارے کھا کر عید کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور طاق عدد کھاتے تھے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ

کو طاق عدد پسند ہے، اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو جو بھی چیز میسر ہو کھا کر عیدگاہ جانا چاہئے یہی سنت ہے۔

[٤-] بابُ الأكلِ يومَ الفطرِ قبلَ الخروجِ

[٩٥٣-] حدثنا محمدُ بنُ عبدِ الرحيمِ، أخبرنا سعيدُ بنُ سليمانَ، أخبرنا هشيمٌ، قال: أخبرنا عبيدُ اللهِ ابنُ أبي بكرِ بنِ أنسٍ، عن أنسِ بنِ مالكٍ، قال: كانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لا يغدُو يومَ الفطرِ حتى يأكلَ تمراتٍ.

وقالَ مُرَجّى بنُ رجاءٍ: حدثني عبيدُ اللهِ بنُ أبي بكرٍ، قال: حدثني أنسٌ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم: ويأكُلُهنَّ وِتْرًا.

وضاحت: مُرَجّی مختلف فیہ راوی ہے، بخاری میں اس کی یہی ایک روایت ہے اور یہ تعلیق تین مقصد سے لائے ہیں: ایک: تحدیث کی صراحت کرنے کے لئے، اوپر عبید اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بصیغہ عن روایت کیا ہے اور اس میں تحدیث کی صراحت ہے، دوم: ہُشیم کا متابع پیش کرنا مقصود ہے، سوم: اس روایت میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ کھجور طاق عدد سے کھاتے تھے، یہ تین باتیں بیان کرنے کے لئے یہ تعلیق لائے ہیں۔

بابُ الأكلِ يومَ النحرِ

عید قربان کے دن کھانا

عید الاضحیٰ میں عید سے پہلے کھانے میں کوئی مصلحت نہیں اور عربوں میں ناشتہ کا رواج بھی نہیں تھا، اس لئے عید الاضحیٰ میں نبی ﷺ کچھ کھائے بغیر عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے اور نماز عید سے فارغ ہو کر قربانی کرتے تھے، اور اس کا گوشت کھاتے تھے، قربانی کا گوشت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت ہے، لہٰذا عید الاضحیٰ میں نماز سے پہلے کوئی چیز نہ کھائے بلکہ نماز کے بعد اپنی قربانی کا گوشت کھائے بھوکا ہوگا تو قربانی کا گوشت رغبت سے کھائے گا، البتہ چائے پان مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان سے پیٹ نہیں بھرتا، اسی طرح اگر قربانی میں دیر لگ جائے تو ناشتہ بھی کر سکتا ہے، عرب تو خود ذبح کرتے تھے اور ان کا گوشت دس منٹ میں پک جاتا تھا اور ہمارے احوال ان سے مختلف ہیں، بعض کو تو کلیجی بھی دوپہر کو بارہ بجے نصیب ہوتی ہے، پس بے چارہ کب تک بھوکا رہے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تمام ائمہ متفق ہیں کہ شہر اور قصبات میں جہاں عید واجب ہے نماز عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں، جب کسی بھی جگہ عید کی نماز ہو جائے تب قربانی صحیح ہے، خواہ قربانی کرنے والے نے عید کی نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو، اور چھوٹے گاؤں میں جہاں عید کی نماز واجب نہیں: صبح صادق کے بعد قربانی درست ہے۔

باب میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے عید قربان کے دن تقریر فرمائی اور پہلی مرتبہ یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص قربانی نہ کرے جب تک عید کی نماز نہ ہو جائے، حضرت براءؓ کے ماموں کھڑے ہوئے اور انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ ایسا دن ہے جس میں گوشت ناگوار ہو جاتا ہے یعنی شروع میں تو گوشت کی طرف رغبت ہوتی ہے، پھر جب ہر طرف گوشت ہو جاتا ہے تو طبیعت گوشت سے ہٹ جاتی ہے اس لئے میں نے جلدی قربانی کر لی تاکہ گھر والے اور پڑوسی رغبت سے گوشت کھائیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ اپنی قربانی دوبارہ کریں، یعنی پہلی قربانی بیکار گئی، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس بکری کا ایک آٹھ نو ماہ کا بچہ ہے جو گھر کی بکری کے دودھ سے پلا ہے وہ گوشت کی دو بکریوں سے اچھا ہے، پس کیا میں اس کی قربانی کر سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: کر سکتے ہو، اور یہ آپ کی دونوں قربانیوں میں سے بہتر قربانی ہے۔ اور آپ کے بعد کسی کے لئے جذع (ایک سال سے کم عمر کی بکری) کی قربانی جائز نہیں۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب نیا قانون بنتا ہے اور اس وقت جو الجھن پیش آتی ہے اس میں شریعت سہولت دیتی ہے، یہی تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، حضور اقدس ﷺ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کے ماموں کو ایک سال سے کم عمر کی بکری کی قربانی کرنے کی اجازت دی، کیونکہ یہ مسئلہ کہ نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں، آج پہلی مرتبہ بیان کیا گیا ہے، اس وقت حضرت براءؓ کے ماموں کو جو الجھن پیش آئی اس میں سہولت دی گئی۔

[۵-] بَابُ الْأَكْلِ يَوْمَ النَّحْرِ

[۹۵۴-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ" فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: هٰذَا يَوْمٌ يُشْتَهَى فِيهِ اللَّحْمُ، وَذَكَرَ مِنْ جِيرَانِهِ، فَكَأَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَدَّقَهُ، قَالَ: وَعِنْدِي جَذَعَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ، فَرَخَّصَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَلَا أَدْرِي أَبَلَغَتِ الرُّخْصَةُ مَنْ سِوَاهُ أَمْ لَا؟

[انظر: ۹۸۴، ۵۵۴۶، ۵۵۴۹، ۵۵۶۱]

[۹۵۵-] حدثنا عُثْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: خَطَبَنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ الْأَضْحَى بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَقَالَ: "مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا، وَنَسَكَ نُسُكَنَا، فَقَدْ أَصَابَ النُّسُكَ، وَمَنْ نَسَكَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ قَبْلَ الصَّلَاةِ، وَلَا نُسُكَ لَهُ" فَقَالَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ خَالُ الْبَرَاءِ: يَارسولَ اللهِ! فَإِنِّي نَسَكْتُ شَاتِي قَبْلَ الصَّلَاةِ، وَعَرَفْتُ أَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ، وَأَحْبَبْتُ أَنْ يَكُونَ شَاتِي أَوَّلَ شَاةٍ تُذْبَحُ فِي بَيْتِي، فَذَبَحْتُ شَاتِي، وَتَغَدَّيْتُ قَبْلَ أَنْ آتِيَ الصَّلَاةَ، قَالَ: "شَاتُكَ شَاةُ لَحْمٍ" فَقَالَ:

يَارَسُولَ اللهِ! فَإِنَّ عِنْدَنَا عَنَاقًا لَنَا جَذَعَةً، هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْنِ، أَفَتَجْزِيْ عَنِّيْ؟ قَالَ: "نَعَمْ، وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ" [راجع: ۹۵۱]

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کی تو چاہئے کہ وہ قربانی دوبارہ کرے" پس ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ ایسا دن ہے جس میں (شروع میں) گوشت رغبت سے کھایا جاتا ہے اور انھوں نے اپنے پڑوسیوں کا بھی تذکرہ کیا (کہ وہ غریب لوگ ہیں، ان میں قربانی کرنے کی استطاعت نہیں، اس لئے میں نے خیال کیا کہ جلدی قربانی کر کے ان کو گوشت پہنچاؤں تاکہ وہ رغبت سے کھائیں) پس گویا نبی ﷺ نے ان کو سچا سمجھا، انھوں نے عرض کیا: میرے پاس ایک سال سے کم عمر کی بکری ہے جو مجھے گوشت کی دو بکریوں سے زیادہ پسند ہے، پس نبی ﷺ نے ان کو اس کی قربانی کی اجازت دی (حضرت انسؓ کہتے ہیں:) پس میں نہیں جانتا کہ وہ اجازت اوروں کو پہنچی یا نہیں؟ (مگر اگلی روایت میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ یہ صرف تمہارے لئے جائز ہے اور کسی کے لئے جائز نہیں، حضرت انسؓ غیر متعلق آدمی ہیں اس لئے ان کو معلوم نہیں ہوا اور اگلی روایت حضرت براء رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ صاحبِ واقعہ ابو بردۃ بن نیار کے بھانجے ہیں اور بھانجے کو ماموں کا معاملہ زیادہ محفوظ ہوتا ہے)

حدیث (۲): حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے عید قربان میں نماز کے بعد خطبہ دیا پس فرمایا: جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہماری طرح قربانی کی یعنی عید کے بعد قربانی کی تو اس کی قربانی درست ہوئی، اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کی تو اس نے نماز سے پہلے قربانی کی اور اس کی قربانی نہیں ہوئی۔ پس حضرت براءؓ کے ماموں ابو بردۃ بن نیارؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اپنی بکری نماز سے پہلے ذبح کر لی اور میں نے خیال کیا کہ آج کھانے پینے کا دن ہے اور میں نے پسند کیا کہ میری بکری میرے گھر میں ذبح کی جانے والی پہلی بکری ہو، پس میں نے اپنی بکری ذبح کر لی اور نماز میں آنے سے پہلے کھا بھی لی، آپؐ نے فرمایا: تمہاری بکری گوشت کی بکری ہے، یعنی تمہاری قربانی نہیں ہوئی، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس ایک عناق (ایک سال سے کم عمر کی بکری) ہے جو مجھے دو بکریوں سے زیادہ پسند ہے، پس کیا وہ میری طرف سے قربانی میں کافی ہو جائے گی؟ آپؐ نے فرمایا: جی ہاں، لیکن آپ کے بعد کسی کی طرف سے کافی نہیں ہوگی۔

لغت: جَزَى الشيءُ يَجْزِيْ جَزَاءً: کافی ہونا۔

مناسبت: ان حدیثوں کی باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عید کے بعد قربانی کرنے کا حکم دیا ہے، اور قربانی کا گوشت اللہ کی دعوت ہے، پس عید کے دن سب سے پہلے اللہ کی دعوت کھانی چاہئے، اور اللہ کی دعوت قربانی کے بعد ہوگی اور قربانی نماز کے بعد ہوگی، پس باب ثابت ہو گیا کہ عید الاضحیٰ میں کھانا نماز کے بعد ہے۔

بَابُ الْخُرُوْجِ إِلَى الْمُصَلَّى بِغَيْرِ مِنْبَرٍ

منبر ساتھ لئے بغیر عیدگاہ جانا

حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں عیدگاہ میں منبر نہیں لے جایا جاتا تھا، زمین پر کھڑے ہوکر آپ خطبہ دیتے تھے، لیکن چونکہ عیدگاہ میں مجمع بڑا ہوتا ہے اس لئے اگر منبر لے جایا جائے یا عیدگاہ میں منبر بنالیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کسی اونچے ٹیلے پر کھڑے ہوکر خطبہ دیا کرتے تھے، پس یہ بمنزلہ منبر کے ہوگیا۔ مروان جب مدینہ منورہ کا گورنر بنا تو عیدگاہ میں منبر بنایا گیا، سب سے پہلے عیدگاہ میں منبر مروان نے بنایا، مروان کے بعض صحابہ کرام سے گہرے تعلقات تھے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اس کے دوستانہ تعلقات تھے، ایک مرتبہ حضرت ابوسعیدؓ اور مروان دونوں ایک ساتھ گھر سے عیدگاہ کے لئے نکلے، اس طرح کہ ایک نے دوسرے کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا، اچانک حضرت ابوسعیدؓ نے دیکھا کہ عیدگاہ میں منبر بنا ہوا ہے، کثیر بن الصلت نے مروان کے حکم سے عارضی منبر بنایا تھا، عیدگاہ میں پہنچ کر مروان منبر پر جانے لگا، حضرت ابوسعیدؓ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا کہ پہلے نماز پڑھا، اور مروان نے بھی اپنا ہاتھ کھینچا اور ہاتھ چھڑا کر منبر پر چلا گیا اور منبر پر جا کر اس نے کہا: ابوسعید! تم جو مسئلہ جانتے ہو وہ بدل گیا ہے، پہلے عید کی نماز کے بعد لوگ بیٹھتے تھے اور خطبہ سنتے تھے، اب لوگ نماز کے بعد نہیں بیٹھتے اور خطبہ نہیں سنتے، اس لئے اب میں خطبہ پہلے دوں گا تاکہ لوگ جھک مار کر خطبہ سنیں، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو بات میں جانتا ہوں وہ بہتر ہے اس بات سے جو آپ جانتے ہیں، بہرحال مروان نے سب سے پہلے نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کیا اور جب تک بنوامیہ کا دور رہا یہی سلسلہ چلتا رہا، وہ عیدین کے خطبے پہلے دیتے تھے اور نماز بعد میں پڑھاتے تھے، اس لئے کہ بنوامیہ خطبہ میں آلِ رسول کو برا بھلا کہتے تھے، کیونکہ حکومت کے سلسلہ میں بنوامیہ اور آلِ رسول میں ٹکر تھی، بنوامیہ حکومت کر رہے تھے اور آلِ رسول وقتاً فوقتاً ان کے خلاف بغاوت کرتے تھے، اور حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ عام لوگوں کا ذہن آلِ رسول سے ہٹایا جائے تاکہ لوگ ان کا ساتھ نہ دیں، اور وہ حکومت کے خلاف بغاوت نہ کرسکیں اس لئے بنوامیہ ان کی برائیاں کرتے تھے، ان پر لعن طعن کرتے تھے، اس لئے لوگ نہیں سنتے تھے، جب وہ سب وشتم شروع کرتے تو لوگ اٹھ کر چل دیتے تھے، اس لئے بنوامیہ عیدین سے پہلے خطبہ دیا کرتے تھے، پھر جب بنوامیہ کا دور ختم ہوگیا تو وہ بدعت بھی ختم ہوگئی، اب نماز پہلے پڑھی جاتی ہے اور خطبہ بعد میں دیا جاتا ہے۔

[٦-] بَابُ الْخُرُوْجِ إِلَى الْمُصَلَّى بِغَيْرِ مِنْبَرٍ

[٩٥٦-] حَدَّثَنِي سَعِيْدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ

عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى الْمُصَلَّى، فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ، فَيَقُومُ مُقَابِلَ النَّاسِ، وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلَى صُفُوْفِهِمْ، فَيَعِظُهُمْ وَيُوْصِيْهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ، فَإِنْ كَانَ يُرِيْدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ، أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ.

فَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: فَلَمْ يَزَلِ النَّاسُ عَلَى ذٰلِكَ حَتّٰى خَرَجْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَهُوَ أَمِيْرُ الْمَدِيْنَةِ فِيْ أَضْحًى أَوْ فِطْرٍ، فَلَمَّا أَتَيْنَا الْمُصَلّٰى إِذَا مِنْبَرٌ بَنَاهُ كَثِيْرُ بْنُ الصَّلْتِ، فَإِذَا مَرْوَانُ يُرِيْدُ أَنْ يَرْتَقِيَهُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَجَبَذْتُ بِثَوْبِهِ فَجَبَذَنِيْ، فَارْتَفَعَ فَخَطَبَ قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَقُلْتُ لَهُ: غَيَّرْتُمْ وَاللّٰهِ! فَقَالَ: أَبَا سَعِيْدٍ! قَدْ ذَهَبَ مَا تَعْلَمُ، فَقُلْتُ: مَا أَعْلَمُ وَاللّٰهِ خَيْرٌ مِمَّا لَا أَعْلَمُ! فَقَالَ: إِنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُوْنُوْا يَجْلِسُوْنَ لَنَا بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَجَعَلْتُهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں عیدگاہ کی طرف نکلا کرتے تھے، پس سب سے پہلا کام جس سے آپ شروع کرتے تھے: نماز ہے، پھر پلٹتے، پھر لوگوں کے مقابل کھڑے ہوتے درانحالیکہ لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، پس آپ ان کو نصیحت کرتے اور تاکید کرتے اور حکم دیتے پھر اگر آپ کوئی لشکر تجویز فرمانا چاہتے تو اس کو تجویز فرماتے یعنی سریہ کے افراد نامزد کرتے، یا کسی بات کا حکم دینا ہوتا تو اس کا حکم دیتے پھر لوٹ جاتے۔

حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا: پس لوگ برابر اسی پر رہے یعنی یہی معمول جاری رہا یہاں تک کہ میں مروان کے ساتھ نکلا اور وہ مدینہ منورہ کا گورنر تھا عید الفطر میں یا عید الاضحیٰ میں پس جب ہم عیدگاہ پہنچے تو اچانک عیدگاہ میں منبر ہے اس کو کثیر بن الصلت نے بنایا تھا پس اچانک مروان نے نماز سے پہلے اس پر چڑھنے کا ارادہ کیا، پس میں نے اس کا کپڑا پکڑ کر کھینچا اور اس نے مجھے کھینچا اور وہ منبر پر چڑھ گیا پھر اس نے نماز سے پہلے خطبہ دیا، میں نے اس سے کہا: بخدا! تم لوگوں نے سنت نبوی کو بدل دیا، مروان نے کہا: اے ابو سعید! وہ دور ختم ہو گیا جس کو تم جانتے ہو، میں نے کہا: بخدا! جس کو میں جانتا ہوں وہ بہتر ہے، اس سے جس کو میں نہیں جانتا، مروان نے کہا: لوگ نماز کے بعد خطبہ سننے کے لئے نہیں بیٹھتے، اس لئے میں نے خطبہ نماز سے پہلے کر دیا ہے۔

بَابُ الْمَشْيِ وَالرُّكُوْبِ إِلَى الْعِيْدِ [وَالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ] بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ

عید کے لئے پیدل اور سوار ہو کر جانا، اور خطبہ سے پہلے نماز اذان اور تکبیر کے بغیر

گیلری میں والصلوۃ قبل الخطبۃ بھی ہے اس کو ہم نے دو کھڑی قوسوں کے درمیان لیا ہے، اس باب میں تین مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: عیدگاہ پیدل جانا بھی جائز ہے اور سوار ہو کر جانا بھی، مگر اولیٰ پیدل جانا ہے، یہ مسئلہ ترمذی شریف میں آئے

گا، جمعہ کے لئے بھی پیدل جانا اولیٰ ہے اور عیدین کے لئے بھی، البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً کوئی بوڑھا شخص ہو، یا بیمار ہو، یا دور سے آرہا ہو تو پھر سوار ہو کر بھی آسکتا ہے۔

اور پیدل جانا اولیٰ اس لئے ہے کہ جمعہ اور عیدین میں بڑا مجمع ہوتا ہے اگر سب سواریوں پر آئیں گے تو پارکنگ کا مسئلہ کھڑا ہوگا، یورپ وامریکہ میں لوگ گاڑیوں میں آتے ہیں خاص طور پر سردیوں میں پیدل نہیں آسکتے تو میلوں تک پارکنگ ہوتی ہے، سڑکوں پر گاڑیاں کھڑی کرنی پڑتی ہیں اور پولیس کتنی ہی گاڑیوں کو اٹھا کرلے جاتی ہے اور جرمانے کرتی ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو پیدل جانا چاہئے، اور اگر مجبوری ہو تو پھر سوار ہو کر بھی جاسکتے ہیں، علاوہ ازیں پیدل جانے میں عاجزی اور انکساری ہے اور سوار ہو کر جانے میں ترفّع کا اظہار ہے جو عبادت کے شایانِ شان نہیں۔

دوسرا مسئلہ: عیدین میں نماز پہلے ہے اور خطبہ بعد میں، اس لئے کہ لوگ عیدین میں دوگانہ ادا کرنے ہی کے لئے آتے ہیں تقریر سننے کے لئے نہیں آتے، پس پہلے دوگانہ ادا کرنا چاہئے، پھر خطیب کو جو تقریر کرنی ہو کرے، اور ابتدائے اسلام میں جمعہ کا خطبہ بھی نماز کے بعد تھا، لیکن ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی ﷺ جمعہ پڑھا کر خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ آیا، اس نے نقارہ بجایا تو سارا مجمع منتشر ہوگیا، بعض لوگ خریداری کرنے کے لئے چلے گئے اور بعض لوگ تماشہ دیکھنے کے لئے، صرف بارہ آدمی باقی رہ گئے، چنانچہ سورۃ الجمعہ کی آیت اا نازل ہوئی اور آئندہ اس قسم کا واقعہ پیش نہ آئے اس لئے خطبہ مقدم کردیا گیا۔

علاوہ ازیں عیدین کی نوبت سال میں دو ہی مرتبہ آتی ہے اور اس میں خوب ذوق وشوق ہوتا ہے لوگ پہلے سے تیاری کرتے ہیں اس لئے عیدین میں اصل کے مطابق عمل کیا جاتا ہے اور جمعہ ہفتہ واری اجتماع ہے اس میں اگرچہ ذوق وشوق ہوتا ہے مگر عیدین جیسا نہیں ہوتا، بلکہ بعض لوگ سستی کرتے ہیں اور دیر سے آتے ہیں پس اگر خطبہ بعد میں ہوگا تو ان کی پوری نماز یا کوئی رکعت چھوٹ جائے گی اس لئے خطبہ مقدم کیا گیا تاکہ دیر سے آنے والے بھی نماز سے محروم نہ رہیں۔

تیسرا مسئلہ: عیدین کے لئے نہ اذان ہے اور نہ اقامت، اس لئے کہ اذان واقامت صرف فرائض کے لئے مشروع ہیں، دیگر نمازوں کے لئے چاہے وہ واجب ہوں یا سنن مؤکدہ یا نفل: اذان واقامت مشروع نہیں اور عیدین یا تو سنت مؤکدہ ہیں یا واجب، فرض عین نہیں اس لئے ان کے لئے اذان واقامت مشروع نہیں اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے مفتی بہ قول کے مطابق عیدین واجب ہیں، فرض کا بھی ایک قول ہے مگر وہ مرجوح قول ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کا مرجوح قول یہ ہے کہ عیدین فرض عین ہیں اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ فرض کفایہ ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سنت واجبہ ہیں، ظاہر ہے جب واجب کے ساتھ لفظ سنت بھی ہے تو وہ سنتِ مؤکدہ ہی کے معنی میں ہوگا۔ یعنی امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک عیدین سنت مؤکدہ ہیں۔

[۷-] بَابُ الْمَشْيِ وَالرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدِ [وَالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ] بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ

[۹۵۷-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّي فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلَاةِ. [انظر: ۹۶۳]

[۹۵۸-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ. [انظر: ۹۶۱، ۹۷۸]

[۹۵۹-] قَالَ: وَأَخْبَرَنِي عَطَاءٌ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَرْسَلَ إِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ فِي أَوَّلِ مَا بُويِعَ لَهُ: إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ بِالصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ، وَإِنَّمَا الْخُطْبَةُ بَعْدَ الصَّلَاةِ.

[۹۶۰-] وَأَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَا: لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْأَضْحَى.

[۹۶۱-] وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَامَ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ بَعْدُ، فَلَمَّا فَرَغَ نَبِيُّ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَزَلَ فَأَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ، وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلَالٍ، وَبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ، يُلْقِي فِيهِ النِّسَاءُ صَدَقَةً. قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَتَرَى حَقًّا عَلَى الْإِمَامِ الْآنَ أَنْ يَأْتِيَ النِّسَاءَ فَيُذَكِّرَهُنَّ حِينَ يَفْرُغُ؟ قَالَ: إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ، وَمَا لَهُمْ أَنْ لَا يَفْعَلُوا؟ [راجع: ۹۵۸]

وضاحت: باب میں پانچ حدیثیں ہیں: پہلی دو حدیثیں دوسرے مسئلہ کی (گیلری والے جز کی) دلیل ہیں اور اس کے بعد والی دو حدیثیں تیسرے مسئلہ کی دلیل ہیں اور آخری حدیث پہلے مسئلہ کی دلیل ہے۔

حدیث (۹۵۹): عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے جب اپنی خلافت کا اعلان کیا اور مکہ میں بیعت لی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی بھیج کر ان کو یہ مسئلہ بتایا کہ عید الفطر کے لئے اذان و اقامت نہیں اور نماز خطبہ سے پہلے ہے (جس دن حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے بیعت لی تھی اتفاق سے وہ عید کا دن تھا اس لئے ابن عباسؓ نے مسئلہ بتلایا)

حدیث (۹۶۱): حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کھڑے ہوئے پس آپؐ نے نماز سے ابتدا کی پھر اس کے بعد خطبہ دیا پھر جب نبی ﷺ خطبہ سے فارغ ہوئے تو آپ اترے (نبی ﷺ کے زمانہ میں عیدگاہ میں منبر نہیں تھا، مگر آپؐ خطبہ کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر دیا کرتے تھے، وہاں سے آپؐ اترے) پھر عورتوں کے مجمع کے پاس آئے اور ان کو نصیحت فرمائی درانحالیکہ آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور حضرت بلالؓ اپنا کپڑا

پھیلائے ہوئے تھے، اس میں عورتیں صدقہ ڈال رہی تھیں، ابن جریج کہتے ہیں: میں نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا: کیا آپ کے نزدیک امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورتوں کے پاس جائے پس ان کو نصیحت کرے جب وہ خطبہ سے فارغ ہو جائے؟ حضرت عطاءؒ نے کہا: بیشک یہ بات امراء پر لازم ہے اور وہ ایسا نہ کریں تو کوئی حرج نہیں۔ (پس حق: حق مروت ہے، حق واجب نہیں)

مناسبت: اس حدیث سے باب کا پہلا جزء ثابت کرنا ہے اس طرح کہ نبی ﷺ خطبہ سے فارغ ہو کر عورتوں کے مجمع کے قریب تشریف لے گئے، ابھی عید کے اعمال چل رہے ہیں اور ابھی عورتوں کے سامنے خطبہ دینا ہے اس لئے آپؐ چل کر وہاں جا رہے ہیں، معلوم ہوا کہ گھر سے چل کر بھی عیدگاہ جا سکتے ہیں، یہاں سے پہلے مسئلہ کا پہلا جزء ثابت ہوا۔ اور آپؐ حضرت بلالؓ کے ہاتھ پر ٹیک لگا کر تشریف لے گئے، اور ٹیک لگائے ہوئے ہی آپؐ نے عورتوں کو نصیحت فرمائی، اس سے سوار ہو کر جانے کا جواز نکلا، یہ راکباً کی نظیر ہے، نبی ﷺ ٹیک لگا کر جا رہے ہیں، پس پورا ہی سائیکل پر، رکشہ پر یا گاڑی میں بیٹھ کر جائے تو کیا حرج ہے؟ جب بعض ثابت ہوا تو کل بھی ثابت ہو جائے گا، یہ اس حدیث سے استدلال ہے۔

بَابُ الْخُطْبَةِ بَعْدَ الْعِيْدِ

خطبہ نماز عید کے بعد دیا جائے

گذشتہ باب میں (گیلری میں) الفاظ تھے: الصلوٰۃ قبل الخطبۃ: اور یہاں الفاظ ہیں: الخطبۃ بعد الصلوٰۃ: دونوں کا مفہوم اگرچہ ایک ہے مگر الفاظ بدل گئے، اور امام بخاریؒ کے نزدیک نیا باب قائم کرنے کے لئے اتنا فرق کافی ہے۔

[۸-] بَابُ الْخُطْبَةِ بَعْدَ الْعِيْدِ

[۹۶۲-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ، فَكُلُّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ. [راجع: ۹۸]

[۹۶۳-] حدثنا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ. [راجع: ۹۵۷]

[۹۶۴-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ، لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا، ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ وَمَعَهُ بِلَالٌ، فَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، فَجَعَلْنَ يُلْقِيْنَ، تُلْقِي الْمَرْأَةُ خُرْصَهَا وَسِخَابَهَا. [راجع: ۹۸]

[۹۶۵-] حدثنا آدم، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُبَيْدٌ، قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ فِي يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ أَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ نَحَرَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ، لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ" فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ: يَارسولَ اللّٰهِ! ذَبَحْتُ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ، فَقَالَ: "اجْعَلْهُ مَكَانَهُ، وَلَنْ تُوفِيَ أَوْ: تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ" [راجع: ۹۵۱]

وضاحتیں:

۱-عیدین کی نمازیں خطبہ سے پہلے ہیں، یہ اجماعی مسئلہ ہے، دورِ اول میں کچھ امراء نے خطبہ پہلے کردیا تھا، یہ حرکت سب سے پہلے مروان نے کی تھی، اور بعض لوگ یہ بات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، بہر حال جس نے بھی ایسا کیا ٹھیک نہیں کیا، اس لئے کہ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کا دائمی عمل یہ تھا کہ وہ پہلے عیدین پڑھاتے تھے پھر خطبہ دیتے تھے۔

۲-اگر کوئی شخص عیدین کے خطبے نماز سے پہلے دیدے تو کیا حکم ہے؟ امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں: وہ خطبہ محسوب (گنا ہوا) ہوگا اور ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ عمل سنت متوارثہ کے خلاف ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: وہ خطبہ محسوب نہیں ہوگا اور نماز صحیح ہوگی، کیونکہ عیدین کے لئے خطبہ شرط نہیں اور ایسا کرنے والا برا آدمی ہے۔

۳-عیدین میں نہ سنن قبلیہ ہیں اور نہ سنن بعدیہ، اور یہ مسئلہ کتاب العیدین کے آخری باب میں آرہا ہے..........

قولہ: فجعلن يُلقين: پس عورتیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں بالی اور ہار ڈالنے لگیں۔

لغات: الخُرْص: کان کی بالی، جمع: أَخْرَاص...... السِّخَاب: موتیوں کے علاوہ دیگر معمولی چیزوں سے بنا ہوا ہار، جمع: سُخُبٌ...... مُسِنَّة: سال بھر کا بکری کا بچہ..... اِجعله مكانه: مُسنہ کی جگہ جذعہ کی قربانی کرلو۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ حَمْلِ السِّلَاحِ فِي الْعِيْدَيْنِ وَالْحَرَمِ

عید کی نماز کے لئے اور حرم شریف میں ہتھیار لے کر جانا مکروہ ہے

عید کی نماز پڑھنے جائیں تو ہتھیار لے کر نہ جائیں، عید میں بہت بڑا مجمع ہوتا ہے اور بڑے مجمع میں دھکا پیل ہوتی ہے، ہوسکتا ہے: ہتھیار کسی کو لگ جائے، لہٰذا عیدین میں ہتھیار لے کر نہیں جانا چاہئے۔

یہ مسئلہ صحیح ہے مگر حضرت رحمہ اللہ کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، اس لئے حضرتؒ نے باب میں والْحَرَم کا اضافہ کیا، حرم شریف میں یعنی حج کے موقع پر عرفہ، مزدلفہ اور منی وغیرہ میں ہتھیار لے کر نہیں جانا چاہئے، اس کی دلیل موجود ہے، اس لئے باب میں اضافہ کیا تاکہ عید کے مجمع کے لئے اس سے حکم ثابت کریں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب یزید کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو کچھ لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کیا، ان میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے، انھوں نے اپنے لئے بیعت لی اور مکہ مکرمہ میں خلافت قائم کی، اسلامی مملکت کے دو تہائی حصہ پر ان کا قبضہ تھا، عبدالملک بن مروان کے زمانہ تک ان کی خلافت چمکتی رہی، عبدالملک نے حضرت عبداللہؓ کے قبضہ میں جو علاقے تھے وہ سب دھیرے دھیرے قبضہ کرنا شروع کئے، عبدالملک بڑے تنتنے کا بادشاہ تھا اس نے مدینہ کے گورنر کو لکھا کہ مکہ پر چڑھائی کرو اور عبداللہؓ کو ختم کرو، لیکن مدینہ کا گورنر کچھ نہ کرسکا، یہ روایت پہلے گذری ہے پھر اس نے عراقین (کوفہ اور بصرہ) کے گورنر حجاج بن یوسف کو حضرت عبد اللہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا، حجاج لشکر لے کر مکہ مکرمہ پہنچا، اور بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی، حضرت عبداللہؓ شہید ہوگئے، اور حجاج نے مکہ پر قبضہ کرلیا، اس طرح حضرت عبداللہؓ کے قبضے میں جو علاقے تھے وہ سب عبدالملک کے قبضے میں آگئے، یہ جنگ حج سے کچھ پہلے ہوئی تھی، اسی زمانہ کا واقعہ آگے آئے گا کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ سے حج کے لئے چلے تو خاندان کے لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ اس سال حج نہ کریں، مکہ میں جنگ ہورہی ہے، ممکن ہے حاجیوں کو داخلہ کی اجازت نہ ملے، ابن عمرؓ نے فرمایا: اگر داخلہ کی اجازت نہیں ملی تو واپس آجاؤں گا، صلح حدیبیہ میں بھی نبی ﷺ کو داخلہ کی اجازت نہیں ملی تھی تو آپؐ قربانی کرکے واپس آگئے تھے، اگر میں روک دیا گیا تو میں بھی قربانی کرکے واپس آجاؤں گا۔

ادھر عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ وہ ابن عمرؓ کی راہنمائی میں حج کرائے، پس حج تو حجاج کرائے گا مگر مسائل ابن عمرؓ سے پوچھے گا کیونکہ امیر المؤمنین کا حکم ہے۔ غرض جنگ ختم ہونے پر فوراً حج کا موسم شروع ہوگیا، اور اندیشہ تھا کہ حضرت عبداللہؓ کے لوگ حج میں کوئی ہنگامہ کردیں اس لئے حجاج نے فوج کو حکم دیا کہ ہتھیار لے کر حج میں چلیں تاکہ کسی بھی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹا جاسکے، اس طرح پہلی مرتبہ حج کے مجمع میں فوج ہتھیار لے کر چلی، اور بھیڑ میں کسی فوجی کے نیزہ کی نوک حضرت ابن عمرؓ کے پیر کی تلی میں چبھ گئی، ابن عمرؓ گھوڑے پر بیٹھ کر جارہے تھے، نیزے کی کنی ابن عمرؓ کے پیر میں اتنی گھس گئی کہ خادم نے بڑی مشکل سے نکالی، جب حجاج کو اس حادثہ کا پتہ چلا تو وہ بیمار پرسی کے لئے آیا، مزاج پرسی کے بعد اس نے کہا: اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ کس نے آپ کو یہ زخم لگایا ہے تو میں اس کو سخت سزا دونگا! ابن عمرؓ نے فرمایا: مجھے یہ زخم اس نے لگایا ہے جس نے حج کے موسم میں ہتھیار لے کر چلنے کی اجازت دی ہے یعنی مجھے آپ ہی نے زخمی کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر عیدین کے مجمع کو قیاس کیا ہے۔

[۹-] بابُ مَا یُکْرَہُ مِنْ حَمْلِ السِّلاَحِ فِی الْعِیْدَیْنِ وَالْحَرَمِ

وَقَالَ الْحَسَنُ: نُهُوْا أَنْ یَحْمِلُوْا السِّلاَحَ یَوْمَ عِیْدٍ، إِلَّا أَنْ یَخَافُوْا عَدُوًّا.

[۹۶۶-] حدثنا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى أَبُو السُّكَيْنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُوقَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ حِينَ أَصَابَهُ سِنَانُ الرُّمْحِ فِي أَخْمَصِ قَدَمِهِ، فَلَزِقَتْ قَدَمُهُ بِالرِّكَابِ، فَنَزَلْتُ فَنَزَعْتُهَا، وَذَلِكَ بِمِنًى، فَبَلَغَ الْحَجَّاجَ، فَجَاءَ يَعُوْدُهُ، فَقَالَ الْحَجَّاجُ: لَوْ نَعْلَمُ مَنْ أَصَابَكَ! فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَنْتَ أَصَبْتَنِي، قَالَ: وَكَيْفَ؟ قَالَ: حَمَلْتَ السِّلَاحَ فِي يَوْمٍ لَمْ يَكُنْ يُحْمَلُ فِيهِ، وَأَدْخَلْتَ السِّلَاحَ الْحَرَمَ، وَلَمْ يَكُنِ السِّلَاحُ يُدْخَلُ فِي الْحَرَمِ. [انظر: ۹۶۷]

[۹۶۷-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ، قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِي، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: دَخَلَ الْحَجَّاجُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ وَأَنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: كَيْفَ هُوَ؟ قَالَ: صَالِحٌ، فَقَالَ: مَنْ أَصَابَكَ؟ قَالَ: أَصَابَنِي مَنْ أَمَرَ بِحَمْلِ السِّلَاحِ فِي يَوْمٍ لَا يَحِلُّ فِيهِ حَمْلُهُ، يَعْنِي الْحَجَّاجَ. [راجع: ۹۶۶]

اثر: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عید کے دن ہتھیار لے کر چلنے سے لوگ منع کئے گئے ہیں، مگر یہ کہ دشمن کا ڈر ہو (تو ہتھیار لے کر عیدگاہ جاسکتے ہیں) یہ حضرت حسن رحمہ اللہ کا فتوی ہے، آپ نے عید کو حج پر قیاس کیا ہے۔

حدیث (۱): سعید بن جبیر کہتے ہیں: میں ابن عمرؓ کے ساتھ تھا، جب ان کے پیر کی تلی میں نیزہ کی نوک لگی تھی، پس آپؓ کا پیر رکاب کے ساتھ چپک گیا یعنی رکاب سے پیر نکالنا مشکل ہوگیا پس میں (اپنی سواری سے) اترا اور میں نے اس نیزہ کو کھینچا (اور نکالا) یہ منیٰ کا واقعہ ہے، پس حجاج کو یہ بات پہنچی وہ آپؓ کی عیادت کے لئے آیا، اس نے کہا: کاش ہم جانتے کہ کس نے آپؓ کو یہ زخم لگایا ہے! ابن عمرؓ نے فرمایا: آپ ہی نے مجھے یہ زخم لگایا ہے (میرا خیال ہے یہ راوی کے الفاظ ہیں، حضرت ابن عمرؓ نے شاید یہ الفاظ استعمال نہیں کئے ہونگے، یہ بے ادبی والا جملہ ہے اور ڈائریکٹ (سیدھا حملہ) ہے اگلی روایت میں جو جملہ آیا ہے: شاید وہ استعمال کیا ہوگا) حجاج نے پوچھا: کیسے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: آپ نے اس دن میں ہتھیار لے کر چلنے کی اجازت دی جس دن میں ہتھیار لے کر کوئی نہیں چلتا تھا۔ اور آپ نے حرم میں ہتھیار داخل کئے حالانکہ حرم میں ہتھیار داخل نہیں کئے جاتے تھے۔

حدیث (۲): سعید بن عمرو سے مروی ہے کہ حجاج: حضرت ابن عمرؓ کے پاس آیا، میں اس وقت ابن عمرؓ کے پاس تھا، اس نے پوچھا: وہ کیسے ہیں؟ (کیف هو؟ کہا، کیف انت؟ نہیں کہا، یہ بولنے کا ادب ہے، بڑوں سے سیدھا سوال کرنا بے ادبی ہے جیسے نوابی دور میں کہتے تھے: نواب صاحب کے دشمنوں کے سر میں درد ہے یعنی خود نواب صاحب کے سر میں درد ہے، مگر اس طرح کہنا بے ادبی سمجھا جاتا تھا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے خدام سے پوچھا ہو) جواب دیا: ٹھیک ہیں، حجاج نے پوچھا: یہ زخم آپ کو کس نے لگایا؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: یہ زخم مجھے اس شخص نے لگایا جس نے اُس دن میں ہتھیار لے کر چلنے کا حکم دیا جس دن میں کوئی ہتھیار لے کر نہیں چلتا تھا، ابن عمرؓ حجاج کو مراد لے رہے ہیں۔

بَابُ التَّبْكِيْرِ لِلْعِيْدِ

عید کی نماز کے لئے سویرے جانا

عیدین کی نمازیں سویرے پڑھ لینی چاہئیں، جب سورج نکل آئے اور مکروہ وقت ختم ہوجائے تو جلد عید کی نماز پڑھ لینی چاہئے، دارالعلوم دیوبند میں عید کی نماز جلدی ہوتی ہے، بہت سے لوگ تو فجر ہی سے تیار ہوکر آجاتے ہیں، سورج نکلنے کے آدھ پون گھنٹے کے بعد جب مکروہ وقت ختم ہوجاتا ہے تو عید کی نماز شروع ہوجاتی ہے اور عیدگاہ میں عام لوگوں کی رعایت کی جاتی ہے، دیہات سے آنے والوں کی رعایت میں نو دس بجے عید الفطر کی نماز ہوتی ہے، یہ اہل عذر کا لحاظ ہے ورنہ اصل یہ ہے کہ سویرے عید کی نماز پڑھ لینی چاہئے۔ نبی ﷺ نے عید کے خطبہ میں فرمایا ہے کہ آج کے دن سب سے پہلا کام جو ہم کرتے ہیں وہ دوگانہ ادا کرنا ہے، معلوم ہوا کہ مکروہ وقت نکلتے ہی عید کی نماز پڑھ لینی چاہئے۔

[۱۰-] بَابُ التَّبْكِيْرِ لِلْعِيْدِ

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ بُسْرٍ: إِنْ كُنَّا فَرَغْنَا فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ، وَذٰلِكَ حِيْنَ التَّسْبِيْحِ.

[۹۶۸-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: خَطَبَنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ النَّحْرِ، فَقَالَ: " إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا: أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ. فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ، لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ" فَقَامَ خَالِيْ أَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنِّيْ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أُصَلِّيَ، وَعِنْدِيْ جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ، قَالَ: " اجْعَلْهَا مَكَانَهَا" أَوْ قَالَ: " اذْبَحْهَا، وَلَنْ تَجْزِيَ جَذَعَةٌ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ" [راجع: ۹۵۱]

اثر: عبداللہ اور ان کے والد بُسر دونوں صحابی ہیں اور حضرت عبداللہ قدیم صحابی ہیں، دونوں قبلوں کی طرف انھوں نے نماز پڑھی ہے۔ وہ ایک مرتبہ لوگوں کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز پڑھنے کے لئے نکلے امام تاخیر سے آیا انھوں نے نکیر کی، اور فرمایا: عہد رسالت میں اس وقت ہم نماز سے فارغ ہوجاتے تھے، آپؓ نے یہ بات نفلیں پڑھنے کے وقت میں کہی، (طلوع شمس کے بعد زوال تک دو نفلیں ہیں یا ایک؟ محدثین کے نزدیک صرف اشراق ہے اگر اس کو طلوع شمس کے بعد فوراً پڑھ لیں تو وہ اشراق ہے اور دیر سے نو دس بجے پڑھیں تو وہ چاشت ہے اور صوفیاء کے نزدیک اشراق و چاشت دو الگ الگ نفلیں ہیں، حضرت عبداللہ نے یہ بات کس وقت کہی تھی؟ اشراق کے وقت یا چاشت کے وقت؟ متعین طور پر کوئی بات کہنا مشکل ہے)

حدیث: یہ حدیث بار بار آئی ہے اور یہاں استدلال اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اس دن سب سے پہلے جو

کام ہم کرتے ہیں وہ نماز ہے، معلوم ہوا کہ عید کی نماز جلدی پڑھ لینی چاہئے تاکہ اس دن کا پہلا کام نماز ہو۔

باب فَضْلِ الْعَمَلِ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

ایام تشریق میں نیک عمل کی اہمیت

یہ باب الجھا ہوا ہے اس لئے تمہید عرض ہے: قرآنِ کریم میں چار آیتیں ہیں، پہلے ان کو سمجھ لیں:

پہلی آیت: روزوں کے بیان میں ہے ﴿أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ﴾ (بقرہ آیت:۱۸۴) یہاں گنتی کے چند دنوں سے پورا رمضان مراد ہے۔ یہ آیت باب سے متعلق نہیں، میں نے صرف اس لئے پڑھی ہے کہ معلوم ہو جائے کہ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ قرآن میں کہاں کہاں آیا ہے۔

دوسری آیت: ﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ، فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ (البقرۃ آیت:۲۰۳) اس آیت میں یہ مضمون ہے کہ حاجی کو دس ذی الحجہ میں صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کرنی ہے اس کے بعد تین دن یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ میں تینوں جمروں کی رمی کرنی ہے اور گیارہ اور بارہ کی رمی تو لازمی ہے اور تیرہ کی رمی اختیاری ہے، اور اونٹوں کے چرواہوں کے لئے دو دن کی رمی ایک ساتھ جمع کرنے کی رخصت ہے۔ پس ایاماً معدودات سے گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخیں مراد ہیں، یہی ایام تشریق ہیں، دس تاریخ کو یوم النحر، نو کو عرفہ، آٹھ کو یوم الترویہ اور گیارہ، بارہ، تیرہ کو ایام تشریق کہتے ہیں، تشریق کے معنی ہیں: گوشت دھوپ میں سکھانا، لوگ ان دنوں میں گوشت کے پارچے بنا کر اور ان پر نمک وغیرہ لگا کر دھوپ میں لٹکا دیتے تھے اس لئے ان کو ایام تشریق کہا جاتا تھا، (اب فریج کے زمانہ میں یہ ایام تبرید بن گئے ہیں) پس یہ تین دن ایام تشریق تو بالا جماع ہیں، لیکن تیرہ تاریخ قربانی کا دن ہے یا نہیں؟ امام شافعی اور غیر مقلدین کہتے ہیں: تیرہ تاریخ بھی قربانی کا دن ہے، ان کے نزدیک قربانی کے چار دن ہیں اور دوسرے ائمہ کے نزدیک دس، گیارہ اور بارہ قربانی کے دن ہیں اور تیرہ صرف یوم التشریق ہے، یعنی دس ذی الحجہ صرف یوم النحر ہے، اور تیرہ ذی الحجہ صرف یوم التشریق ہے اور گیارہ اور بارہ ایام التشریق بھی ہیں اور ایام النحر بھی۔ غرض اس آیت میں ایام معدودات سے ایام تشریق یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ مراد ہیں۔

تیسری آیت: سورۃ الحج کے چوتھے رکوع کے شروع میں ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اعلان کریں کہ لوگ حج کو آئیں ﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ (الحج آیت ۲۸) حج میں اس لئے آنا ہے کہ اس میں لوگوں کے لئے بہت فوائد ہیں، ان فوائد کے لئے حاضر ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے جو پالتو جانور ان کو عطا فرمائے ہیں ان کی قربانی پیش کریں اور اللہ کا نام لے کر انہیں ذبح کریں۔ یہاں ایام معلومات سے دس گیارہ اور بارہ تین دن مراد ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تیرہ ذی الحجہ بھی اس کا

مصداق ہے یعنی چار دن مراد ہیں۔

چوتھی آیت: ﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ قسم ہے صبح صادق کی اور ذی الحجہ کی دس راتوں کی، اس سے مراد ذی الحجہ کے شروع کے نو دن ہیں، کسر کو پورا گن لیا ہے، اور عربی میں راتوں کے ذریعہ گنا جاتا ہے اور اردو میں دنوں کے ذریعہ —— یہ تمہیدی باتیں ہیں اب کتاب دیکھو۔

[۱۱-] بَابُ فَضْلِ الْعَمَلِ فِيْ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ

[۱-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ أَيَّامٍ مَعْلُوْمَاتٍ: أَيَّامُ الْعَشْرِ، وَالْأَيَّامُ الْمَعْدُوْدَاتُ: أَيَّامُ التَّشْرِيْقِ.

[۲-] وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُوْ هُرَيْرَةَ يَخْرُجَانِ إِلَى السُّوْقِ فِي الْأَيَّامِ الْعَشْرِ، يُكَبِّرَانِ، وَيُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيْرِهِمَا.

[۳-] وَكَبَّرَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ خَلْفَ النَّافِلَةِ.

اس باب میں ایام تشریق میں نیک اعمال کی فضیلت کا بیان ہے۔

اثر (۱): سورۃ الحج (آیت ۲۸) میں جو ایام معلومات ہے اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس سے ذی الحجہ کے شروع کے دس دن (نو دن) مراد ہیں، اور سورۃ البقرہ (آیت ۲۰۳) میں جو ایام معدودات ہے اس سے ایام تشریق مراد ہیں۔

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایام معلومات کی جو تفسیر ایام عشر سے فرمائی ہے وہ غور طلب ہے، آیت کے سیاق وسباق سے اس کی تائید نہیں ہوتی، کیونکہ اس آیت میں حج میں آنے کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان ہوئی ہیں، پس وہاں یہ تفسیر لینا مشکل ہے، بلکہ ایام معلومات سے حج کے پانچ دن (نو تا تیرہ) مراد ہیں یا قربانی کے تین دن مراد ہیں، البتہ سورۃ الفجر میں لیال عشر سے ذی الحجہ کے شروع کے نو دن مراد ہیں، اور کسر کو پورا گن لیا ہے۔

فائدہ: عربوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسر کو اگر نصف سے کم ہو تو چھوڑ دیتے ہیں اور زائد ہو تو پورا گن لیتے ہیں، اس لئے سورۃ الفجر میں ﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ فرمایا ہے، مراد نو دن ہیں۔

اثر (۲): حضرات ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما ذی الحجہ کے دس دنوں میں بازار کی طرف نکلتے تھے، دونوں تکبیریں کہتے تھے اور لوگ ان کی تکبیریں سن کر تکبیریں کہتے تھے۔

تشریح: ہمارے یہاں ایک بات کا بالکل رواج نہیں، نو ذی الحجہ کی فجر سے تیرہ کی عصر تک تو تکبیرات کہنے کا معمول ہے، مگر اس سلسلہ میں بھی لوگوں کا ذہن یہ بنا ہوا ہے کہ یہ تکبیر صرف فرض نمازوں کے بعد ایک ہی مرتبہ کہنی چاہئے۔ اور جنوبی ہند میں تین مرتبہ کہتے ہیں، ہماری فقہ میں بھی تین مرتبہ کا ذکر ہے، اور ذی الحجہ کے نو دنوں میں کوئی تکبیر نہیں کہتا، یہ غلطی

ہے، ذی الحجہ کے تو دنوں میں بھی اور پانچ دنوں میں بھی (تیرہ دنوں میں) تکبیر تشریق کا ورد رہنا چاہئے، بکثرت تکبیر پڑھنی چاہئے، فرائض کے بعد بھی، نوافل وسنن کے بعد بھی اور عام اوقات میں بھی۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما ذی الحجہ کا چاند نظر آتے ہی تکبیر تشریق کو ورد بنا لیتے تھے، اور جب کسی کام سے بازار جاتے تو وہاں بھی تکبیر کہتے تھے اور ان کی تکبیر سن کر لوگ بھی تکبیر کہتے تھے۔'

اور حاشیہ میں ہے کہ ان دونوں صحابہ کے عمل کا باب سے کچھ تعلق نہیں، یہ بات صحیح نہیں، بلکہ پہلی ذی الحجہ سے تیرہ تک مسلسل تکبیروں کو ورد بنانا چاہئے، پس ایام تشریق میں بھی ذکر کی اہمیت واضح ہوئی، یہی اثر کا باب سے تعلق ہے۔

اثر (۳): حضرت محمد بن علیؒ (امام باقر) نفلوں کے بعد بھی تکبیر کہتے تھے۔

تشریح: اس سلسلہ میں بھی لوگوں میں کوتاہی پائی جاتی ہے، لوگ صرف فرائض کے بعد ایک مرتبہ تکبیر کہتے ہیں، حالانکہ سنتوں اور نفلوں کے بعد بھی زیادہ سے زیادہ تکبیر کہنی چاہئے، امام باقر رحمہ اللہ کا اسی پر عمل تھا، میں بھی اس پر عمل کی کوشش کرتا ہوں، مگر کبھی بھول جاتا ہوں۔

[٩٦٩-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِيْنِ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " مَا الْعَمَلُ فِيْ أَيَّامٍ أَفْضَلَ مِنْهَا فِيْ هٰذِهِ " قَالُوْا: وَلَا الْجِهَادُ؟ قَالَ: " وَلَا الْجِهَادُ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْئٍ"

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں ہے (سال کے) دنوں میں عمل افضل ان دنوں میں عمل سے، یعنی ذی الحجہ کے شروع کے تیرہ دنوں میں کوئی بھی نیک عمل کرنا اللہ تعالیٰ کو جتنا محبوب ہے اتنا پورے سال میں کوئی عمل محبوب نہیں، صحابہ نے عرض کیا: جہاد بھی نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جہاد بھی نہیں، مگر وہ شخص جو نکلا، خطرہ میں ڈال دیا اس نے اپنی جان اور مال کو (گھوڑے تلوار وغیرہ کو) پس نہیں لوٹا وہ کسی چیز کے ساتھ یعنی شہید ہو گیا اس کا عمل تو دوسرے دنوں میں بڑھ جائے گا، اس ایک عمل کے علاوہ سال بھر کے کسی دن کا عمل ذی الحجہ کے تیرہ دنوں کے عمل سے بڑھ نہیں سکتا، تیرہ دنوں میں ایام تشریق بھی ہیں، پس حدیث باب سے منطبق ہے۔

بَابُ التَّكْبِيْرِ أَيَّامَ مِنًى وَإِذَا غَدَا إِلَى عَرَفَةَ

منیٰ کے دنوں میں اور جب منیٰ سے عرفہ جائے تب تکبیر کہنا

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ حاجی کے لئے افضل عمل کیا ہے؟ ابھی بتایا تھا کہ شروع ذی الحجہ سے تیرہ تاریخ تک افضل عمل تکبیر ہے اور حاجی کے لئے افضل عمل تلبیہ ہے یا تکبیر؟ آٹھ ذی الحجہ کو حاجی منیٰ میں رہتا ہے، پھر اگلے دن عرفہ جاتا ہے،

پھر رات مزدلفہ میں گذارتا ہے، پھر منیٰ میں آجاتا ہے اور دو تین دن منیٰ میں رہتا ہے، ان ایام میں حاجی تلبیہ پڑھے یا تکبیر؟ جواب یہ ہے کہ دونوں عمل یکساں ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ حضرات نے جب نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا تو آپ لوگ جب عرفہ کی طرف روانہ ہوئے تو تلبیہ پڑھتے تھے یا تکبیر؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم میں سے بعض تلبیہ پڑھتے تھے اور بعض تکبیر۔ اور تلبیہ پڑھنے والا تکبیر پڑھنے والے پر نکیر نہیں کرتا تھا اور تکبیر پڑھنے والا تلبیہ پڑھنے والے پر نکیر نہیں کرتا تھا یعنی دونوں عمل یکساں ہیں (میں جب حج میں جاتا ہوں تو تلبیہ پڑھتا ہوں اور جب تلبیہ پڑھتے پڑھتے طبیعت تھک جاتی ہے تو تکبیر شروع کر دیتا ہوں، بہر حال حاجی کے لئے بھی تکبیر کی اہمیت ہے وہ تلبیہ کے مساوی عمل ہے)

[۱۲-] بَابُ التَّكْبِيرِ أَيَّامَ مِنًى وَإِذَا غَدَا إِلَى عَرَفَةَ

[۱-] وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُكَبِّرُ فِي قُبَّتِهِ بِمِنًى، فَيَسْمَعُهُ أَهْلُ الْمَسْجِدِ، فَيُكَبِّرُونَ وَيُكَبِّرُ أَهْلُ الْأَسْوَاقِ حَتَّى تَرْتَجَّ مِنًى تَكْبِيرًا.

[۲-] وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُكَبِّرُ بِمِنًى تِلْكَ الْأَيَّامَ، وَخَلْفَ الصَّلَوَاتِ، وَعَلَى فِرَاشِهِ، وَفِي فُسْطَاطِهِ، وَمَجْلِسِهِ، وَمَمْشَاهُ، وَتِلْكَ الْأَيَّامَ جَمِيعًا.

[۳-] وَكَانَتْ مَيْمُونَةُ تُكَبِّرُ يَوْمَ النَّحْرِ.

[۴-] وَكَانَ النِّسَاءُ يُكَبِّرْنَ خَلْفَ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ، وَعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ لَيَالِيَ التَّشْرِيقِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ.

آثار:

۱- حضرت عمر رضی اللہ عنہ منیٰ میں اپنے خیمہ میں تکبیر کہا کرتے تھے اس تکبیر کو مسجد والے سنتے تھے تو وہ بھی تکبیر کہتے تھے اور ان کی تکبیر کو سن کر بازار والے تکبیر کہتے تھے یہاں تک کہ تکبیر کی آواز سے منیٰ گونج جاتا تھا۔

۲- اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان ایام میں منیٰ میں تکبیر کہا کرتے تھے، نمازوں کے بعد بھی، اپنے بستر پر لیٹے ہوئے بھی، اپنے خیمہ میں بھی، مجلس میں بھی، چلتے ہوئے بھی، غرض حج کے سب دنوں میں بکثرت تکبیر کہا کرتے تھے۔

۳- اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی یوم النحر میں تکبیر کہا کرتی تھیں (اور اس کو سن کر دوسری عورتیں بھی تکبیر کہتی تھیں)

۴- اور عورتیں ابان بن عثمان کے پیچھے اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے پیچھے ایام تشریق میں مردوں کے ساتھ مسجد میں تکبیر کہا کرتی تھیں (اس زمانہ میں عورتیں مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آتی تھیں اس لئے وہ بھی تکبیر کہتی تھیں، اور فقہ میں لکھا ہے کہ مردوں کی موجودگی میں عورتوں کو سراً تکبیر کہنی چاہئے البتہ گھر میں عورت تنہا ہو تو جہراً بھی تکبیر کہہ سکتی ہے۔

اور ابان بن عثمان حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بوڑھے ہوگئے تو ابان حج کراتے تھے)

[۹۷۰-] حدثنا أبو نعيم، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ الثَّقَفِيُّ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَنَحْنُ غَادِيَانِ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَاتٍ عَنِ التَّلْبِيَةِ: كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: كَانَ يُلَبِّي الْمُلَبِّيْ لَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ، وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ.[انظر: ۱۶۵۹]

حدیث: محمد بن ابی بکر ثقفی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا درانحالیکہ وہ نو ذی الحجہ کی صبح میں منی سے عرفہ جارہے تھے: آپ حضرات نبی ﷺ کے ساتھ کیا کرتے تھے یعنی تلبیہ پڑھتے تھے یا تکبیر؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: تلبیہ پڑھنے والا تلبیہ پڑھتا تھا اس پر نکیر نہیں کی جاتی تھی اور تکبیر کہنے والا تکبیر کہتا تھا اس پر بھی نکیر نہیں کی جاتی تھی (پس اختیار ہے چاہے تکبیر کہے چاہے تلبیہ پڑھے دونوں عمل برابر ہیں)

[۹۷۱-] حدثنا مُحَمَّدٌ، حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ نَخْرُجَ يَوْمَ الْعِيْدِ، حَتَّى نُخْرِجَ الْبِكْرَ مِنْ خِدْرِهَا، حَتَّى نُخْرِجَ الْحُيَّضَ، فَيَكُنَّ خَلْفَ النَّاسِ، فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيْرِهِمْ، وَيَدْعُوْنَ بِدُعَائِهِمْ، يَرْجُوْنَ بَرَكَةَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَطُهْرَتَهُ.[راجع: ۳۲۴]

ترجمہ: ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم حکم دی جاتی تھیں کہ عید کے دن نکلیں یہاں تک کہ کنواری عورتوں کو ان کے پردہ سے نکالیں، یہاں تک کہ حائضہ عورتوں کو نکالیں اور عورتیں مردوں کے پیچھے ہوتی تھیں اور مردوں کے ساتھ تکبیر کہتی تھیں، یعنی نماز پوری ہونے پر عورتیں بھی حتی کہ حائضہ عورتیں بھی تکبیر کہتی تھیں، سراً کہتی تھیں یا جہراً؟ اس کی صراحت نہیں، اور وہ مردوں کی دعا کے ساتھ دعا کرتی تھیں امید رکھتی تھیں وہ اس دن کی برکت کی اور اس دن کی پاکیزگی کی۔

ملحوظہ: اس حدیث کی شرح کتاب الحیض (باب ۲۳، حدیث ۳۲۴، تحفۃ القاری ۲: ۱۳۳) میں ملاحظہ کریں۔ اور بَرَکَة عربی میں ر کے زبر کے ساتھ ہے، اردو میں برکت ر کے سکون کے ساتھ بولتے ہیں اس لئے لوگ کھانے کی دعا میں بھی سکون کے ساتھ پڑھ دیتے ہیں جو غلط ہے، عربی میں ر کے زبر کے ساتھ ہے۔

بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الْحَرْبَةِ يَوْمَ الْعِيْدِ

چھوٹے نیزے کو سترہ بنا کر عید کی نماز پڑھنا

اگر عید کی نماز میدان میں پڑھی جائے تو امام کے سامنے سترہ ہونا چاہئے، آج کل عیدگاہوں میں جدار قبلی ہوتی ہے اس

لئے سترہ گاڑنے کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن اگر میدان میں نماز پڑھی جائے خواہ وہ عید کی نماز ہو یا کوئی اور نماز ہو تو امام کے سامنے سترہ ہونا چاہئے، نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں حربہ (چھوٹا بلّم) عیدگاہ لے جایا جاتا تھا اس کو سترہ کی جگہ گاڑا جاتا تھا، پھر آپؐ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھاتے تھے۔

[۱۳-] بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الْحَرْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ

[۹۷۲-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ تُرْكَزُ لَهُ الْحَرْبَةُ قُدَّامَهُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ، ثُمَّ يُصَلِّي. [راجع: ٤٩٤]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں نبی ﷺ کے سامنے چھوٹا نیزہ گاڑا جاتا تھا پھر آپ نماز پڑھتے تھے۔

بَابُ حَمْلِ الْعَنَزَةِ أَوِ الْحَرْبَةِ بَيْنَ يَدَيِ الإِمَامِ يَوْمَ الْعِيدِ

عید کے دن امام کے آگے ڈنڈا یا بلّم لے کر چلنا

پہلے یہ باب آیا ہے کہ بڑے مجمع میں ہتھیار نہیں لے جانا چاہئے، ممکن ہے بھیڑ میں کسی کو لگ جائے، اب یہ باب اُس باب سے گویا استثناء ہے۔ اگر امام کے سامنے عید کے دن کوئی بلّم یا برچھی لے کر چلے تو اس میں کچھ حرج نہیں، کیونکہ امام کے سامنے لوگ نہیں چلتے، پس کسی کے زخمی ہونے کا اندیشہ نہیں، نیز اس کی ضرورت ہے اس کو امام کے سامنے سترہ بنایا جائے گا۔

[۱٤-] بَابُ حَمْلِ الْعَنَزَةِ أَوِ الْحَرْبَةِ بَيْنَ يَدَيِ الإِمَامِ يَوْمَ الْعِيدِ

[۹۷۳-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو الأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَغْدُو إِلَى الْمُصَلَّى، وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ، تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ بِالْمُصَلَّى بَيْنَ يَدَيْهِ، فَيُصَلِّي إِلَيْهَا. [راجع: ٤٩٤]

ترجمہ: ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ صبح عیدگاہ تشریف لے جاتے درانحالیکہ بلّم آپؐ کے سامنے ہوتا تھا، اٹھایا جاتا تھا، اور آپؐ کے سامنے عیدگاہ میں گاڑا جاتا تھا پھر آپؐ اس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔

بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ وَالْحُيَّضِ إِلَى الْمُصَلَّى

عام عورتوں کا اور حائضہ عورتوں کا عیدگاہ جانا

پہلے یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ عورتیں جب پانچوں نمازوں کے لئے جاتی تھیں تو عیدگاہ بھی جاتی تھیں، اور صرف پاک

عورتیں ہی نہیں بلکہ حائضہ اور نفساء بھی عیدگاہ جاتی تھیں، لیکن جب زمانہ بدلا، اور حالات بگڑے اور پانچوں نمازوں میں عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیا گیا تو ان کا عیدگاہ میں آنے کا سلسلہ بھی بند ہوگیا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: تحفۃ القاری (۲: ۱۲۳، کتاب الحیض باب ۲۳)

[۱۵-] بَابُ خُرُوْجِ النِّسَاءِ وَالْحُيَّضِ إِلَى الْمُصَلَّى

[۹۷٤-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ.

وَعَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ حَفْصَةَ بِنَحْوِهِ، وَزَادَ فِيْ حَدِيْثِ حَفْصَةَ، قَالَ: أَوْ قَالَتْ: الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ، وَيَعْتَزِلْنَ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى. [راجع: ۳۲٤]

لغات: العَوَاتِق: الْعَاتِق کی جمع: جوان لڑکی .... ذوات الخدور: پردہ نشیں، پس عطف تفسیری ہے، کیونکہ لڑکی جب جوان ہو جاتی ہے تو پردہ نشیں ہو جاتی ہے، اور ذوات الخدور سے وہ عورتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو گھر سے باہر نہیں نکلتیں، بعض عورتیں برقعہ اوڑھ کر گھر سے نکلتی ہیں اور سب کام کرتی ہیں، بازاروں میں جاتی ہیں اور سودا سلف خریدتی ہیں مگر شرفاء کی عورتیں گھروں سے نہیں نکلتیں ایسی عورتیں ذوات الخدور کہلاتی ہیں، پس العواتق عام ہے، اور ذوات الخدور خاص، اس صورت میں عطف تفسیری نہیں ہوگا۔

حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے الگ رہیں، صرف دعا اذکار اور دعوت و نصیحت میں شرکت کریں۔ اور محمد اور حفصہ بھائی بہن ہیں، ام عطیہ سے دونوں روایت کرتے ہیں۔

بَابُ خُرُوْجِ الصِّبْيَانِ إِلَى الْمُصَلَّى

بچوں کا عیدگاہ جانا

عیدگاہ میں بچوں کو لے جا سکتے ہیں مگر بچے سمجھدار ہونے چاہئیں، ایسے بچے جو نماز کو نہیں سمجھتے ان کو عیدگاہ نہیں لے جانا چاہئے، ابن ماجہ میں حدیث ہے: جَنِّبُوْا صِبيانكم مساجدَكم: اپنے بچوں کو اپنی مسجدوں سے بچاؤ، یہ حدیث ناسمجھ بچوں کے بارے میں ہے، وہ نہ خود نماز پڑھیں گے نہ دوسروں کو پڑھنے دیں گے، اور جو بچے سمجھدار ہیں، جو مسجد کے آداب جانتے ہیں اور نماز پڑھیں گے ایسے بچوں کو مسجدوں میں لانا چاہئے اور عیدگاہ میں بھی لے جا سکتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے زمانہ میں بالغ نہیں ہوئے تھے مگر آپ ان کو عیدگاہ لے گئے تھے۔

[۱۶-] بابُ خُرُوجِ الصِّبيانِ إلى المُصَلّٰى

[۹۷۵-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ فِطْرٍ أَوْ أَضْحَى، فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ، ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ. [راجع: ۹۸]

ترجمہ: ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں نکلا، آپؐ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا پھر عورتوں کے مجمع کے قریب گئے، اور ان کو وعظ ونصیحت فرمائی اور ان کو صدقہ کا حکم دیا۔

تشریح: اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نبی ﷺ کے زمانہ میں بچے تھے، بالغ نہیں ہوئے تھے، اور آپؐ ان کو اپنے ساتھ عیدگاہ لے گئے، معلوم ہوا کہ سمجھدار بچوں کو عیدگاہ لے جاسکتے ہیں۔

بابُ اسْتِقْبَالِ الإِمَامِ النَّاسَ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ

عید کے خطبہ میں امام کا لوگوں کی طرف متوجہ ہونا

ابواب الجمعہ میں بھی اس طرح کا باب گذرا ہے، امام لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر خطبہ دے تاکہ لوگ بات اچھی طرح سمجھیں، حدیث کے لفظ مقابل سے استدلال کیا ہے۔

[۱۷-] بابُ اسْتِقْبَالِ الإِمَامِ النَّاسَ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: قَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مُقَابِلَ النَّاسِ.

[۹۷۶-] حدثنا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ أَضْحَى إِلَى الْبَقِيعِ، فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ وَقَالَ: " إِنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نَبْدَأَ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ وَافَقَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ ذٰلِكَ فَإِنَّهُ شَيْءٌ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ، لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ" فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ إِنِّي ذَبَحْتُ، وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ. قَالَ: " اذْبَحْهَا وَلَا تَفِي عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ" [راجع: ۹۵۱]

وضاحت: بقیع مدینہ منورہ کا مشہور قبرستان ہے اس کے قریب میں نبی ﷺ نے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائی ہے۔

فَأَقْبَلَ علينا بوجهه: یہ جملہ باب سے متعلق ہے، فإنه شيء عجّله لأهله: جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کی وہ قربانی ایسی چیز ہے جس کو اس نے اپنے گھر والوں کے لئے جلدی کردیا، یعنی قربانی نہیں ہوئی، دوسری قربانی کرے۔

بابُ العَلَمِ بِالمُصَلّٰی

عیدگاہ میں نشان قائم کرنا

اگر میدان میں عید پڑھنی ہو اور میدان بے نشان ہو تو جہاں عید پڑھنی ہے وہاں کوئی نشان قائم کر دینا چاہئے، جھنڈا گاڑ دیا جائے یا کوئی اور نشان قائم کر دیا جائے، تاکہ لوگ وہاں پہنچ کر صف بندی کریں۔ اگر میدان میں کوئی نشان نہیں ہوگا تو جو لوگ امام سے پہلے آئیں گے وہ کہاں بیٹھیں گے اور کہاں صف بنائیں گے؟ اس لئے ایسی صورت میں جبکہ میدان بے نشان ہو کوئی نشان قائم کر دینا چاہئے تاکہ لوگ نشان دیکھ کر وہاں صف بنائیں۔ حدیث میں ہے کہ کثیر بن الصلت رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس جو میدان تھا اس میں عید پڑھنی طے تھی، چنانچہ اس میں ایک نشان قائم کر دیا گیا تاکہ لوگ پہنچ کر وہاں صف بنائیں اور نشان قائم کرنے کا یہ حکم اس وقت ہے جب کسی میدان میں نماز پڑھنی ہو، اگر باقاعدہ عیدگاہ بنی ہوئی ہو تو پھر نشان کی کوئی ضرورت نہیں۔

[۱۸-] بابُ العَلَمِ بِالمُصَلّٰی

[۹۷۷-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قِيلَ لَهُ: أَشَهِدْتَ الْعِيدَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: نَعَمْ، وَلَوْلَا مَكَانِي مِنَ الصِّغَرِ مَا شَهِدْتُهُ، حَتَّى أَتَى الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ، ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ وَمَعَهُ بِلَالٌ، فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، فَرَأَيْتُهُنَّ يَهْوِينَ بِأَيْدِيهِنَّ، يَقْذِفْنَهُ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ، ثُمَّ انْطَلَقَ هُوَ وَبِلَالٌ إِلَى بَيْتِهِ. [راجع: ۹۸]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: کیا آپ نبی ﷺ کے ساتھ عید میں شریک ہوئے ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، اور میں چھوٹا تھا اگر میرے ساتھ نبی ﷺ کا خاص تعلق نہ ہوتا تو میں عیدگاہ نہ جاتا، یعنی نبی ﷺ کو مجھ سے خاص تعلق تھا اس وجہ سے آپؐ مجھے اپنے ساتھ لے گئے، ورنہ میری عمر کے بچے عیدگاہ نہیں جاتے تھے، (اس جملہ میں تقدیم وتاخیر اور حذف ہے، اصل جملہ ہے: لولا مكاني من رسول الله صلى الله عليه وسلم لم اشهده لأجل الصغر) یہاں تک کہ آپؐ اس نشان کے پاس آئے جو کثیر بن الصلت کے گھر کے پاس تھا (یہ نشان معلوم نہیں کیوں تھا؟ وہاں یہ نشان زمانہ مابعد تک رہا ہے)......... فرأیتھن: پس میں نے عورتوں کو دیکھا وہ اپنے ہاتھ بڑھا رہی ہیں، ڈال رہی ہیں وہ زیور کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں پھر آپؐ اور حضرت بلالؓ گھر چل دیئے۔

لغت: هَوَى يَهْوِيْ (ض) هُوِيًّا اور أَهْوَى (باب افعال) يده للشيء: کسی چیز کے لئے ہاتھ بڑھنا، بڑھانا۔

بَابُ مَوْعِظَةِ الإِمَامِ النِّسَاءَ يَوْمَ الْعِيْدِ

عید کے دن امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا

اگر مجمع میں عورتیں بھی ہوں خواہ عید کا مجمع ہو یا وعظ ونصیحت کا تو عورتوں کے مناسب حال مضمون بیان کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ شریعت کے احکام ننانوے فیصد مردوں اور عورتوں میں مشترک ہیں، جو احکام مردوں کے لئے ہیں وہی عورتوں کے لئے بھی ہیں، کیونکہ مرد و زن ایک ہی نوع ہیں، پس نوے احکام دونوں میں مشترک ہیں، صرف ایک فیصد احکام میں فرق ہے جو صنفی احکام ہیں، پس اگر عورتوں کے خصوصی احکام بیان نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں۔

[۱۹- بَابُ مَوْعِظَةِ الإِمَامِ النِّسَاءَ يَوْمَ الْعِيْدِ

[۹۷۸-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ نَصْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّهِ، قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: قَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلَّى، فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ خَطَبَ فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ، فَأَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلَالٍ، وَبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ، تُلْقِي فِيْهِ النِّسَاءُ الصَّدَقَةَ، قُلْتُ لِعَطَاءٍ: زَكَاةَ يَوْمِ الْفِطْرِ؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنْ صَدَقَةً يَتَصَدَّقْنَ حِيْنَئِذٍ، تُلْقِي فَتَخَهَا وَيُلْقِيْنَ، قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَتَرَى حَقًّا عَلَى الإِمَامِ ذَلِكَ: يُذَكِّرُهُنَّ؟ قَالَ: إِنَّهُ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ، وَمَا لَهُمْ لَا يَفْعَلُوْنَهُ؟

[راجع:۹۵۸]

[۹۷۹-] وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: وَأَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: شَهِدْتُ الْفِطْرَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ، يُصَلُّوْنَهَا قَبْلَ الْخُطْبَةِ، ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدُ، خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَيْهِ، حِيْنَ يُجْلِسُ بِيَدِهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ يَشُقُّهُمْ، حَتَّى أَتَى النِّسَاءَ، مَعَهُ بِلَالٌ، فَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ﴾ الآية [الْمُمْتَحِنَة:۱۲] ثُمَّ قَالَ حِيْنَ فَرَغَ مِنْهَا: "أَنْتُنَّ عَلَى ذَلِكَ" فَقَالَتِ امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ، لَمْ يُجِبْهُ غَيْرُهَا: نَعَمْ، لَا يَدْرِيْ حَسَنٌ مَنْ هِيَ؟ قَالَ: فَتَصَدَّقْنَ، فَبَسَطَ بِلَالٌ ثَوْبَهُ، ثُمَّ قَالَ: "هَلُمَّ لَكُنَّ فِدَاءٌ أَبِيْ وَأُمِّيْ!" فَيُلْقِيْنَ الْفَتَخَ وَالْخَوَاتِيْمَ فِيْ ثَوْبِ بِلَالٍ.

قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: الْفَتَخُ: الْخَوَاتِيْمُ الْعِظَامُ، كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ. [راجع: ۹۷]

حدیث (۱): چند ابواب پہلے گذری ہے .... فلما فرغ نزل: اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کسی اونچی چیز پر کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے .... قلت لعطاء: ابن جریج کہتے ہیں: میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے پوچھا: کیا عورتیں صدقۃ الفطر دے رہی تھیں؟ حضرت عطاء نے کہا: نہیں، بلکہ وہ (نفلی) صدقہ تھا جو اس وقت عورتیں دے

رہی تھیں، کوئی عورت بڑی انگوٹھی ڈال رہی تھی اور دوسری چیزیں بھی ڈال رہی تھیں، میں نے حضرت عطاء سے سوال کیا: کیا امام پر لازم ہے کہ عورتوں کو الگ سے وعظ ونصیحت کرے؟ حضرت عطاء نے فرمایا: ائمہ کو ایسا کرنا ہی چاہئے، اور اس پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ اس کو نہ کرے (معلوم ہوا کہ حق ہمیشہ حق شرعی ہی نہیں ہوتا حق فی المروءۃ بھی ہوتا ہے)

حدیث (۲): اس حدیث کی بھی ابن جریج تک وہی سند ہے جو اوپر مذکور ہوئی، ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے ساتھ اور خلفائے راشدین کے ساتھ عید الفطر میں شریک رہا ہوں، سب خطبہ سے پہلے نماز پڑھاتے تھے، پھر بعد میں خطبہ دیتے تھے، نبی ﷺ نکلے گویا میں آپ کو دیکھ رہا ہوں، جب آپؐ ہاتھ کے اشارہ سے لوگوں کو بٹھا رہے تھے (یعنی وہ منظر اب بھی میری نظروں میں بسا ہوا ہے جب نبی ﷺ نے خطبہ پورا کیا تو لوگ اٹھنے لگے، آپؐ نے ہاتھ کے اشارہ سے ان کو بٹھایا) پھر آپؐ چلے صفیں چیرتے ہوئے، یہاں تک کہ عورتوں کے پاس آئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، آپؐ نے سورۂ ممتحنہ کی آیت ۱۲ تلاوت فرمائی، آپؐ نے یہ آیت پڑھ کر عورتوں سے پوچھا: اس آیت میں جو شرائط ہیں ان کا تم اقرار کرتی ہو؟ پس ان میں سے صرف ایک عورت بولی: جی ہاں! اس کے علاوہ کوئی نہیں بولی (یہاں سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ معرض بیان میں سکوت بیان ہوتا ہے جب آپؐ پوچھ رہے ہیں تو ہر ایک کو بولنا چاہئے تھا لیکن عورت کی آواز بھی عورت ہے، اس لئے عورتیں خاموش رہیں، اور ان کی خاموشی ہی اقرار تھا) حسن بن مسلم (راوی) نہیں جانتے کہ وہ عورت کون تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: پس خیرات کرو، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا پھیلا دیا، پھر آپؐ نے فرمایا: آؤ یعنی چندہ لاؤ! تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں! پس عورتیں چھلّے اور انگوٹھیاں حضرت بلالؓ کے کپڑے میں ڈالنے لگیں ——
عبدالرزاق (راوی) کہتے ہیں: فَتَخ بڑی انگوٹھی کو کہتے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں پہنی جاتی تھی۔

بَابٌ: إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ فِي الْعِيْدِ

عید کے دن اگر کسی عورت کے پاس برقعہ نہ ہو

اگر کسی عورت کے پاس چادر، اوڑھنا یا برقعہ نہ ہو تو کیا کرے؟ بغیر پردہ عیدگاہ جا سکتی ہے؟ نہیں، اسے کسی بہن سے برقعہ عاریت لینا چاہئے یا دو ایک برقعہ میں گھس کر جائیں۔

[۲۰-] بَابٌ: إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ فِي الْعِيْدِ

[۹۸۰-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيْرِيْنَ، قَالَتْ: كُنَّا نَمْنَعُ جَوَارِيَنَا أَنْ يَخْرُجْنَ يَوْمَ الْعِيْدِ، فَجَاءَ تِ امْرَأَةٌ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِيْ خَلَفٍ، فَأَتَيْتُهَا، فَحَدَّثَتْ أَنَّ زَوْجَ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً، فَكَانَتْ أُخْتُهَا مَعَهُ فِيْ سِتٍّ

غَزَوَاتٍ، قَالَتْ: فَكُنَّا نَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضَى، وَنُدَاوِي الْكَلْمَى، فَقَالَتْ: يَارسولَ اللهِ! أَعَلَى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ: أَنْ لَا تَخْرُجَ؟ فَقَالَ: " لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا، فَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ"

قَالَتْ حَفْصَةُ: فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ أَتَيْتُهَا فَسَأَلْتُهَا: أَسَمِعْتِ فِيْ كَذَا وَكَذَا؟ قَالَتْ: نَعَمْ بِأَبِيْ! وَقَلَّمَا ذَكَرَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم إِلَّا قَالَتْ: بِأَبِيْ! قَالَ: " لِتَخْرُجِ الْعَوَاتِقُ ذَوَاتُ الْخُدُوْرِ أَوْ قَالَ: الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُوْرِ، شَكَّ أَيُّوْبُ، وَالْحُيَّضُ فَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ" قَالَتْ: فَقُلْتُ لَهَا: آلْحُيَّضُ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، أَلَيْسَ الْحَائِضُ تَشْهَدُ عَرَفَاتٍ، وَتَشْهَدُ كَذَا وَتَشْهَدُ كَذَا؟

[راجع: ۳۲٤]

وضاحت: یہ حدیث کتاب الحیض باب ۲۳ میں گذر چکی ہے، ترجمہ اور شرح تحفۃ القاری (۱۲۲:۲) میں پڑھیں۔ اور یہاں استدلال یہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی عورت کے پاس اوڑھنا نہ ہو اور وہ عیدگاہ نہ جائے تو کوئی گناہ تو نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اپنی سہیلی سے اوڑھنا عاریۃً لے لے، یعنی اگر کسی عورت کے پاس برقعہ نہیں ہے تو اس کو بھی عیدگاہ آنا ہے لیکن بے پردہ نہیں، اپنی سہیلی سے عاریۃً برقعہ مانگ لے یا ایک برقعہ میں دو مل کر آئیں۔

بَابُ اعْتِزَالِ الْحُيَّضِ الْمُصَلَّى

حائضہ عورتوں کا نماز کی جگہ سے علاحدہ رہنا

حائضہ اور نفاس والی عورتیں بھی عیدگاہ جائیں گی مگر وہ نمازیوں کے درمیان نہیں بیٹھیں گی، بلکہ الگ بیٹھیں گی، اس لئے کہ وہ نماز نہیں پڑھتیں اور نمازی اور غیر نمازی کا اختلاط اچھا نہیں۔

[۲۱-] بَابُ اعْتِزَالِ الْحُيَّضِ الْمُصَلَّى

[۹۸۱-] حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، قَالَ: قَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ: أُمِرْنَا أَنْ نَخْرُجَ، فَنُخْرِجَ الْحُيَّضَ وَالْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ ــــ وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ: أَوِ الْعَوَاتِقَ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ ــ فَأَمَّا الْحُيَّضُ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلْنَ مُصَلَّاهُمْ" [راجع: ۳۲٤]

وضاحت: عبداللہ بن عون بصری کو شک ہے کہ وذوات الخدور واؤ کے ساتھ ہے یا بغیر واؤ کے، محمد بن سیرین کے شاگرد ایوب سختیانی کو بھی اس میں شک ہے۔

بَابُ النَّحْرِ وَالذَّبْحِ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْمُصَلّٰى

عید قربان کے دن عیدگاہ میں اونٹ نحر کرنا یا گائے بکری ذبح کرنا

ایک مرتبہ جب نبی ﷺ عید الاضحیٰ کے خطبہ سے فارغ ہوئے تو مینڈھا لایا گیا، آپؐ نے سب کے سامنے اس کی قربانی فرمائی، تاکہ لوگوں کو ترغیب ہو اس لئے کہ انسانوں کا حال یہ ہے کہ جو بڑے کرتے ہیں وہی چھوٹے کرتے ہیں، الناس علی دین ملوکھم: لوگ اپنے بادشاہوں کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ آپ کس طرح جانور کو لٹا رہے ہیں؟ کہاں پیر رکھ رہے ہیں؟ ذبح کے وقت کیا پڑھ رہے ہیں؟ یہ سب باتیں بھی لوگ سیکھیں گے اس لئے بھی آپ عیدگاہ میں سب لوگوں کے سامنے قربانی فرماتے تھے۔

ملحوظہ: اونٹ میں نحر کیا جاتا ہے اور گائے بھینس، مینڈھے اور بکرے میں ذبح کیا جاتا ہے یہ اولیٰ ہے، اس کا برعکس بھی جائز ہے۔

[۲۲-] بَابُ النَّحْرِ وَالذَّبْحِ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْمُصَلّٰى

[۹۸۲-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ كَثِيْرُ بْنُ فَرْقَدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَنْحَرُ أَوْ: يَذْبَحُ بِالْمُصَلّٰى. [انظر: ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۵۵۵۱، ۵۵۵۲]

وضاحت: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ عیدگاہ میں نحر یا ذبح کیا کرتے تھے، آپؐ کے زمانہ میں باقاعدہ عیدگاہ بنی ہوئی نہیں تھی، میدان میں آپ عید پڑھاتے تھے، اس لئے کوئی تلویث نہیں تھی، اب عیدگاہیں بن گئی ہیں ان میں قربانی کرنا ٹھیک نہیں۔

بابُ كَلاَمِ الإِمَامِ وَالنَّاسِ فِيْ خُطْبَةِ الْعِيْدِ، وَإِذَا سُئِلَ الإِمَامُ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ يَخْطُبُ

عید کے خطبہ میں امام اور لوگوں کا بات کرنا، اور جب خطبہ کے دوران امام سے کوئی بات پوچھی جائے

امام بخاری رحمہ اللہ فرق کرنا چاہتے ہیں: جمعہ کا خطبہ سننا تو واجب ہے، لوگوں کا باہم باتیں کرنا جائز نہیں، مگر عیدین کے خطبہ میں بات چیت کر سکتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک کوئی فرق نہیں، جمعہ کا خطبہ سننا بھی واجب ہے اور عیدین کا خطبہ بھی اور دونوں میں لوگوں کا آپس میں بات چیت کرنا جائز نہیں۔ اور امام مقتدیوں سے کچھ کہے یا کوئی مقتدی امام سے کچھ عرض کرے تو اس میں کچھ حرج نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں کوئی شور نہیں ہوگا اور لوگ باہم باتیں کریں گے تو شور ہوگا، پس، امام بخاریؒ جو دلائل پیش کر رہے ہیں وہ دلائل احناف کے مسلک کو ٹھیک نہیں کرتے، حنفیہ لوگوں کے باہم بات چیت کرنے کو

ناجائز کہتے ہیں، امام مقتدی سے کچھ کہے یا مقتدی امام سے کچھ عرض کرے اس کو احناف ناجائز نہیں کہتے۔

[۲۳-] بابُ كَلامِ الإمَامِ وَالنَّاسِ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ، وَإِذَا سُئِلَ الإِمَامُ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ يَخْطُبُ

[۹۸۳-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ النَّحْرِ بَعْدَ الصَّلاَةِ. فَقَالَ: "مَنْ صَلَّى صَلاَتَنَا وَنَسَكَ نُسُكَنَا فَقَدْ أَصَابَ النُّسُكَ، وَمَنْ نَسَكَ قَبْلَ الصَّلاَةِ فَتِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ" فَقَامَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ، فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! وَاللهِ لَقَدْ نَسَكْتُ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ إِلَى الصَّلاَةِ، وَعَرَفْتُ أَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ، فَتَعَجَّلْتُ وَأَكَلْتُ وَأَطْعَمْتُ أَهْلِي وَجِيرَانِي. فَقَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "تِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ" قَالَ: فَإِنَّ عِنْدِي عَنَاقًا جَذَعَةً لَهِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ، فَهَلْ تَجْزِي عَنِّي؟ قَالَ: "نَعَمْ، وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ" [راجع: ۹۵۱]

وضاحت: یہ حدیث بار بار آئی ہے اور آرہی ہے، نبی ﷺ نے عید الاضحیٰ میں دورانِ خطبہ پہلی مرتبہ یہ مسئلہ بتایا کہ جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کی اس کی قربانی نہیں ہوئی وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے، پس حضرت ابو بردۃ بن نیار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو قربانی کر کے اور پڑوسیوں کو اور گھر والوں کو کھلا کر اور خود کھا کر آیا ہوں، آپؐ نے فرمایا: تمہاری قربانی نہیں ہوئی، آپ دوسری قربانی کریں۔ اس حدیث سے دورانِ خطبہ امام اور مقتدی کا آپس میں بات کرنا ثابت ہوا اور اس کو کوئی ناجائز نہیں کہتا۔

[۹۸۴-] حدثنا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: إِنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم صَلَّى يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ خَطَبَ، فَأَمَرَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلاَةِ أَنْ يُعِيدَ ذَبْحَهُ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ، فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! جِيرَانٌ لِي - إِمَّا قَالَ: بِهِمْ خَصَاصَةٌ، وَإِمَّا قَالَ: بِهِمْ فَقْرٌ - وَإِنِّي ذَبَحْتُ قَبْلَ الصَّلاَةِ وَعِنْدِي عَنَاقٌ لِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ، فَرَخَّصَ لَهُ فِيهَا. [راجع: ۹۵۴]

[۹۸۵-] حدثنا مُسْلِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ جُنْدَبٍ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ خَطَبَ، ثُمَّ ذَبَحَ، وَقَالَ: "مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ أُخْرَى مَكَانَهَا، وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللهِ" [انظر: ۵۵۰۰، ۵۵۶۲، ۶۶۷۴، ۷۴۰۰]

وضاحت: یہ دونوں بھی اوپر والی ہی احادیث ہیں اور میں نے پہلے بتایا تھا کہ حضرت ابو بردۃ بن نیار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا کہ میرے پڑوسی غریب لوگ ہیں اس حدیث میں اس کی صراحت ہے، خصاصۃ کے معنی ہیں: بھوک اور فاقہ

اور فقر کے معنی ہیں: غریبی، خصاصۃ اور فقر میں راوی کو شک ہے۔

بَابُ مَنْ خَالَفَ الطَّرِيْقَ إِذَا رَجَعَ يَوْمَ الْعِيْدِ

ایک رائے یہ ہے کہ عید کے دن راستہ بدل کر لوٹے

نبی ﷺ کا معمول تھا: آپ ایک راستہ سے عیدگاہ جاتے تھے اور دوسرے راستہ سے واپس لوٹتے تھے، اور فقہ کی کتابوں میں ہر شخص کے لئے اس کو سنت لکھا ہے، مگر نبی ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کا کیا عمل تھا؟ اور بعد میں صحابہ کا کیا عمل رہا؟ اس سلسلہ میں کوئی نص نہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ باب میں مَن لائے ہیں یعنی ایک رائے یہ ہے، خود حضرت رحمہ اللہ نے مسئلہ کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔ مگر یہ جمہور کی رائے ہے اور حاشیہ میں اس کی متعدد حکمتیں بیان کی ہیں۔

اور دوسرا خیال یہ ہے کہ یہ حکم امراء کے ساتھ خاص ہے، نبی ﷺ امیر المؤمنین تھے، پس ہر زمانہ کے امراء کو اس سنت پر عمل کرنا چاہئے، اور اس میں دو مصلحتیں ہیں:

ایک: امیر کی جان کی حفاظت: جب یہ معلوم ہی نہ ہوگا کہ امیر کس راستہ سے جائے گا اور کس راستہ سے لوٹے گا تو حملہ آور کہاں گھات لگائے گا؟

دوم: بھیڑ سے بچنا: لوگ امراء کو دیکھنے کا غیر معمولی جذبہ رکھتے ہیں پس جس راستہ سے امیر عیدگاہ جائے گا اگر اسی راستہ سے لوٹے گا تو اس کو دیکھنے کے لئے راستہ میں بھیڑ جمع ہو جائے گی اس لئے امراء کو راستہ بدل دینا چاہئے، تاکہ جان بھی سلامت رہے اور راستہ میں بھیڑ بھی نہ ہو۔

ملحوظہ: حدیث کے بعد جو عبارت ہے اس میں سقط (ترکہ) ہے، بیچ سے عبارت رہ گئی ہے، اس وجہ سے عبارت قابل اشکال ہوگئی ہے، پس عبارت اچھی طرح دیکھیں۔

[۲۴-] بَابُ مَنْ خَالَفَ الطَّرِيْقَ إِذَا رَجَعَ يَوْمَ الْعِيْدِ

[۹۸۶-] حدثنا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ تُمَيْلَةَ يَحْيَى بْنُ وَاضِحٍ، عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ.
تَابَعَهُ يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ فُلَيْحٍ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَحَدِيْثُ جَابِرٍ أَصَحُّ.

اشکال: یونس بن محمد: ابوتمیلہ یحیی بن واضح کے متابع ہیں مگر ابوتمیلہ کی سند حضرت جابر رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے اور یونس کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تک، پس متابعت کہاں رہی؟ تابعہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو سند ابوتمیلہ کی ہے وہی سند یونس کی بھی ہے، جبکہ ابوتمیلہ کی سند حضرت جابرؓ تک پہنچ رہی ہے اور یونس کی حضرت ابوہریرہؓ تک، پس متابعت کہاں رہی؟

جواب: یہ حدیث ترمذی شریف (حدیث ۵۵۰ کتاب الصلوٰۃ، ابواب العیدین، باب ۲۷۷، تحفۃ الالمعی ۲:۴۱۹) میں بھی آئی ہے وہاں عبارت یہ ہے: وروی أبو تُمیلة ویونس بن محمد هذا الحدیث عن فُلیح بن سلیمان، عن سعید بن الحارث، عن جابر بن عبد الله: معلوم ہوا کہ یہاں عبارت میں سقط ہے، صحیح عبارت یہ ہے: وتابعه یونس بن محمد، عن فلیح، عن سعید [عن جابر بن عبد الله، ورواه محمد بن الصلت، عن فلیح بن سلیمان، عن سعید بن الحارث] عن أبي هریرة، وحدیث جابر أصح: کھڑی دو قوسوں کے درمیان جو عبارت ہے وہ یہاں چھوٹ گئی ہے، اس کی وجہ سے شارحین کو عبارت حل کرنے میں بہت پریشانی ہوئی ہے، میں نے تصحیح ترمذی شریف سے کی ہے۔

غرض ابوتمیلہ اور یونس دونوں کی سندیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہیں اور محمد بن الصلت کی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت جابرؓ کی حدیث اصح ہے، یعنی یہ حدیث حضرت جابر کی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی نہیں ہے، امام ترمذی نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کو غریب کہا ہے۔

بابٌ: إِذَا فَاتَهُ الْعِيْدُ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ

عید کی نماز ہاتھ سے نکل جائے تو دوگانہ پڑھے

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس کی عید کی نماز فوت ہوگئی وہ تنہا دو رکعتیں پڑھ لے، اسی طرح عورتیں اور غلام باندی اگر عیدگاہ نہ جائیں تو گھروں میں تنہا دو رکعتیں پڑھ لیں، اسی طرح دیہات کے رہنے والے جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی: وہ بھی تنہا دو رکعتیں پڑھیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عید کے دن کو خوشی کا دن قرار دیا ہے، پس کوئی دوگانہ ادا کرنے سے محروم کیوں رہے؟ مگر احناف ان باتوں سے متفق نہیں، حنفیہ کہتے ہیں: عید کی نماز نہ تنہا پڑھ سکتے ہیں نہ اس کی قضاء ہے، پس عورتیں گھروں میں عید کے دن اشراق وچاشت تو پڑھ سکتی ہیں مگر عید کے قائم مقام دو نفلیں نہیں پڑھیں گی، اور یہ بات کہ نبی ﷺ نے عید کے دن کو خوشی کا دن قرار دیا ہے: ٹھیک ہے، مگر اس سے یہ مسئلہ مستنبط کرنا کہ ہر شخص کو دوگانۂ عید پڑھنا چاہئے: اس کے لئے دلیل درکار ہے اور وہ موجود نہیں۔

[۲۵-] بابٌ: إِذَا فَاتَهُ الْعِيْدُ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ

وَكَذٰلِكَ النِّسَاءُ وَمَنْ كَانَ فِي الْبُيُوْتِ وَالْقُرَى

[۱-] لِقَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "هٰذَا عِيْدُنَا يَا أَهْلَ الإِسْلَامِ"

[۲-] وَأَمَرَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ مَوْلَاهُ ابْنَ أَبِيْ عُتْبَةَ بِالزَّاوِيَةِ فَجَمَعَ أَهْلَهُ وَبَنِيْهِ وَصَلّٰى كَصَلَاةِ أَهْلِ الْمِصْرِ

وَتَكْبِيرِهِمْ.

[۳-] وَقَالَ عِكْرِمَةُ: أَهْلُ السَّوَادِ يَجْتَمِعُونَ فِي الْعِيدِ يُصَلُّونَ رَكْعَتَيْنِ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ.

[٤-] وَقَالَ عَطَاءٌ: إِذَا فَاتَهُ الْعِيدُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

قوله: ومن كان في البيوت: سے غلام باندی اور مریض معذور لوگ مراد ہیں......... **قوله: والقرى**: ای من كان في القرى: جولوگ دیہات میں رہتے ہیں۔

۱-**لِقَوْلِ النَّبِيِّ**: یہ دلیل ہے: عید کا دن خوشی کا دن ہے پس کوئی بھی دوگانۂ عید سے محروم نہ رہے (مگر اس ارشاد سے یہ استنباط مشکل ہے)

۲-**وَأَمَرَ أَنَسُ بن مالك**: پہلے یہ بات گذری ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ سے دوفرسخ یعنی چھ میل دور زاویہ مقام میں رہتے تھے، اور آپؓ کا ایک آزادکردہ غلام ابن ابی عتبہ تھا اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حکم سے آپؓ کے گھر والوں کو اور اولاد کو جمع کیا اور عید کی نماز پڑھائی اور شہر والوں کی طرح تکبیرات زوائد کے ساتھ پڑھائی۔ اس واقعہ سے حضرت رحمہ اللہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ گاؤں میں جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی وہاں کے لوگ بھی عید پڑھیں، مگر یہ استدلال بھی مشکل ہے، جو فقہاء چھوٹے گاؤں میں جمعہ کے جواز کے قائل ہیں وہ تو اس واقعہ سے استدلال کرسکتے ہیں مگر امام بخاری رحمہ اللہ کا دعوی اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

پہلے یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ جمعہ کی صحت کے لئے کس درجہ کا تمدن اور کیسی بستی ضروری ہے؟ بعض فقہاء چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ کو جائز کہتے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک شہر، قصبات اور بڑے گاؤں ہی میں جمعہ جائز ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، اور عیدین کا حکم جمعہ کا حکم ہے، پس جو فقہاء چھوٹے گاؤں میں جمعہ کے جواز کے قائل ہیں وہ اس واقعہ سے استدلال کریں گے اور حنفیہ کے پاس قرآن وحدیث کے دلائل ہیں، آیات جمعہ میں غور کرنے سے صاف یہ بات نکلتی ہے کہ جمعہ کی صحت کے لئے ایسا تمدن اور ایسی بستی ضروری ہے جہاں کی معیشت کا مدار بیع وشراء پر ہو اور صحیح حدیثوں میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ کی حیات میں صرف تین جگہ جمعہ ہوتا تھا، مدینہ منورہ میں، مکہ معظمہ میں اور جُواثی میں جو بحرین کی تجارتی منڈی تھی، ان تین جگہوں کے علاوہ کہیں جمعہ نہیں ہوتا تھا، جب کہ مدینہ کے اردگرد مسلمانوں کے کئی گاؤں تھے، وہ مسجد نبوی میں جمعہ پڑھنے آتے تھے، اور باری باری آتے تھے، پس حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ عمل قرآن وحدیث سے معارض ہے، اس لئے اس واقعہ سے گاؤں میں جمعہ اور عید کے جواز پر استدلال نہیں ہوسکتا، پھر امام بخاری رحمہ اللہ کا دعوی تو یہ ہے کہ گاؤں والے تنہا دوگانۂ عید پڑھیں، یہ دعوی اس واقعہ سے کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟!

۳-**وقال عكرمة**: حضرت عکرمہؒ کہتے ہیں: گاؤں والے عید کے لئے اکٹھا ہوں اور جس طرح شہر والے عید پڑھتے ہیں اسی طرح عید پڑھیں، یعنی امام تکبیرات زوائد کے ساتھ دوگانۂ عید پڑھائے، اس سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کا دعوی ثابت

نہیں ہوتا، کیونکہ امام بخاری گاؤں میں تنہا دوگانہ پڑھنے کی بات کہتے ہیں، پس ان کا دعوی اس سے کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟

۴- **وقال عطاء**: حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس کی عید کی نماز فوت ہوگئی وہ دو رکعتیں پڑھے، اس سے امام بخاریؒ کا دعوی ثابت ہوتا ہے، مگر حضرت عطاءؒ تابعی ہیں ان کا قول مجتہدین پر حجت نہیں اس لئے اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

[۹۸۷-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا، وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ، فِي أَيَّامِ مِنًى، تُدَفِّفَانِ، وَتَضْرِبَانِ، وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهِ، فَانْتَهَرَهُمَا أَبُوْ بَكْرٍ، فَكَشَفَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ وَجْهِهِ، وَقَالَ: " دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيْدٍ، وَتِلْكَ الْأَيَّامُ أَيَّامُ مِنًى" [راجع: ۹٤۹]

[۹۸۸-] وَقَالَتْ عَائِشَةُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَسْتُرُنِيْ، وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ، وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ فِي الْمَسْجِدِ، فَزَجَرَهُمْ عُمَرُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " دَعْهُمْ، أَمْنًا بَنِيْ أَرْفِدَةَ" يَعْنِيْ مِنَ الْأَمْنِ.

[راجع: ٤٥٤]

حدیث (۱): یہی حدیث باب کے شروع میں بے سند لکھی ہے، اب اس کو سند کے ساتھ لائے ہیں اور یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے، تُدَفِّفَانِ اور تضرِبان: کا ایک مفہوم ہے یعنی وہ دف بجارہی تھیں .... النبیُّ مُتَغَشٍّ بثوبه: آپ کپڑا اوڑھے ہوئے لیٹے تھے .... فإنها أيام عيد: یہ ٹکڑا باب سے متعلق ہے .... تلك الأيام أيام مِنًى: منی: میم کا کسرہ اور ضمہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

حدیث (۲): وهم يلعبون في المسجد: مسجد سے مسجد کا صحن مراد ہے، پہلے امام مالک رحمہ اللہ کے حوالہ سے بتایا ہے کہ یہ کھیل مسجدِ شرعی سے باہر کھیلا گیا تھا، مسجدِ نبوی کے آگے صحن تھا جس کو روایتوں میں بلاط کہا گیا ہے اس میں وہ کھیل کھیلا گیا تھا .... أَمْنًا بني أرفدة: اے بنی ارفدۃ! اطمینان سے کھیلو، یہ أَمن بمعنی اطمینان ہے اور بنی ارفدۃ اہل حبشہ کا لقب ہے۔

بَابُ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْعِيْدِ وَبَعْدَهَا

عید سے پہلے اور بعد میں نفلیں

نبی ﷺ کا معمول نمازِ عید سے پہلے اور اس کے بعد نفلیں پڑھنے کا نہیں تھا اور چاروں ائمہ بھی اس پر متفق ہیں اور عورتیں جن کو عید کی نماز میں شریک نہیں ہونا وہ عید کی نماز سے پہلے گھر میں اشراق اور دیگر نوافل پڑھ سکتی ہیں اور مردوں کو گھر

میں اور عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے تو نفلیں نہیں پڑھنی چاہئیں، البتہ عید کے بعد گھر لوٹ کر نفلیں پڑھ سکتے ہیں۔

اور عیدین سے پہلے اور اس کے بعد نفلیں نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ سنن ونوافل فرائض کے آگے پیچھے مشروع ہیں اور عیدین کی نمازیں بالاجماع فرض نہیں، علاوہ ازیں سنتیں کسی مصلحت سے تجویز کی گئی ہیں اور وہ مصلحت یہاں نہیں پائی جاتی، جن نمازوں سے پہلے سستی ہوتی ہے جیسے فجر اور ظہر کے وقت سوکر اٹھنے کی وجہ سے سستی ہوتی ہے، اس لئے وہاں سنن قبلیہ رکھی گئی ہیں تاکہ سنت پڑھنے سے سستی دور ہوجائے اور فرض نشاط کے ساتھ پڑھا جائے اور ظہر، مغرب اور عشاء کے بعد چونکہ مشاغل ہیں، ظہر اور مغرب کے بعد تو کاروبار ہے اور عشاء کے بعد سونا ہے اس لئے سنن بعدیہ رکھی گئیں تاکہ فرض کی آخری رکعت میں کاروبار شروع نہ ہوجائے اور فجر اور عصر کے بعد بھی اگرچہ مشغلہ ہے مگر ان کے بعد مکروہ اوقات آتے ہیں اس لئے وہاں سنن بعدیہ تجویز نہیں کی گئیں، کیونکہ جو شخص دیر سے فجر اور عصر پڑھے گا ممکن ہے وہ مکروہ وقت میں سنتیں پڑھنے لگے، اور عیدین سے پہلے سستی نہیں ہوتی، اس نماز کے لئے صبح ہی سے تیاری ہوتی ہے اور ان کے بعد کوئی مشغلہ نہیں وہ چھٹی کا دن ہے، اس لئے عیدین کے آگے پیچھے سنتیں تجویز نہیں کی گئیں۔

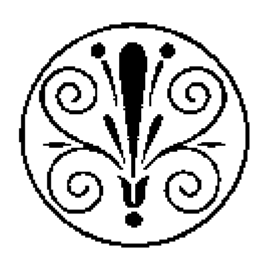
[۲۶-] بَابُ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْعِيدِ وَبَعْدَهَا

وَقَالَ أَبُو الْمُعَلَّى: سَمِعْتُ سَعِيدًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: كَرِهَ الصَّلَاةَ قَبْلَ الْعِيدِ.

[۹۸۹-] حدثنا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا، وَمَعَهُ بِلَالٌ.

وضاحت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتوی یہ ہے کہ عید سے پہلے نفلیں مکروہ ہیں، یہ کراہیت ان لوگوں کے لئے ہے جن کو عید کا دوگانہ پڑھنا ہے۔

﴿الحمدللہ! کتاب العیدین کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَبْوَابُ الْوِتْرِ

بَابُ مَاجَاءَ فِي الْوِتْرِ

نمازِ وتر کا بیان

نمازِ وتر کے تعلق سے چند باتیں عرض ہیں:

وتر اور صلوٰۃ اللیل ایک نماز ہیں یا الگ الگ؟

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر تین رکعتیں: دوقعدوں اور ایک سلام کے ساتھ ہیں اور واجب ہیں، اور صلوٰۃ اللیل (تہجد کی نماز) سنت ہے۔ اور اس کی کوئی تعداد متعین نہیں۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وتر تین رکعتیں: دوسلام سے مستحب ہیں، ایک سلام سے مکروہ ہیں اور وتر اور تہجد دونوں سنت ہیں مگر وتر زیادہ مؤکد ہیں یعنی ان کی تاکید زیادہ ہے، اس لئے ان کو چھوڑنا جائز نہیں۔

اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک وتر صرف ایک رکعت ہے اور سنت ہے مگر اس سے پہلے تہجد کا دوگانہ ضروری ہے یعنی امام مالکؒ کے نزدیک ایک رکعت وتر سے پہلے جو دوگانہ ہے وہ وتر میں شامل ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ وتر میں شامل نہیں، وہ تہجد کا دوگانہ ہے۔ مگر صرف ایک رکعت وتر پڑھنا صحیح نہیں، تہجد کے دوگانہ کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تہجد اور وتر ایک نماز ہیں، فرق برائے نام ہے، اور دونوں سنت ہیں، البتہ وتر زیادہ مؤکد ہیں، ان کے نزدیک ایک سے گیارہ تک سب وتر بھی ہیں اور صلوٰۃ اللیل بھی۔ اور تیرہ رکعتیں صلوٰۃ الوتر ہیں یا نہیں؟ اس میں ان کے یہاں اختلاف ہے اور تیرہ سے زیادہ صلوٰۃ الوتر نہیں اور ان کو پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرے اور آخر میں ایک رکعت علاحدہ پڑھے۔

غرض چاروں ائمہ متفق ہیں کہ وتر کی صرف ایک رکعت پڑھنا جائز نہیں، کم از کم تین رکعت پڑھنا ضروری ہے، قاضی ابو

الطیب (شافعی) نے ایک رکعت وتر پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔
(معارف السنن ۴: ۱۶۸)

وتر واجب ہے یا سنت؟

احناف کے نزدیک وتر واجب ہے، اور دوسرے ائمہ کے نزدیک سنت، لیکن یہ ایسی سنت ہے جس کا ترک ان کے نزدیک بھی جائز نہیں، جس طرح عید کی نماز ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہے مگر وہ اس کے ترک کے روادار نہیں۔

اور حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز واجب ہے اور واجب اور فرض میں عمل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، دونوں پر عمل ضروری ہے، البتہ عقیدہ کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے، فرض کو فرض ماننا ضروری ہے، اس کا منکر کافر ہے اور واجب کو واجب ماننا ضروری نہیں اس کے وجوب کا منکر کافر یا گمراہ نہیں۔

اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ واجب ایک فقہی اصطلاح ہے اس کا درجہ فرض اور سنت مؤکدہ کے درمیان ہے اور یہ اصطلاح احناف نے تجویز کی ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک علی وجہ البصیرت یہ اصطلاح نہیں، ہاں کہیں کہیں وہ بھی واجب کا لفظ استعمال کرتے ہیں مگر احکام شرعیہ میں واجب: حکم کا ایک مستقل درجہ ہے جو فرض اور سنت مؤکدہ کے درمیان ہے، اس طرح یہ بات ائمہ ثلاثہ کے ذہنوں میں واضح نہیں، اس لئے وہ احکام جو دلائل کی رو سے واجب ہیں، ائمہ ثلاثہ ان کو ادھر اُدھر کر دیتے ہیں، بعض کو فرض کے خانہ میں رکھ دیتے ہیں اور بعض کو سنت کے خانہ میں، مثلاً صدقۂ فطر کو ائمہ ثلاثہ فرض کہتے ہیں اس لئے کہ حدیث میں لفظ فَرَضَ آیا ہے (مشکوۃ حدیث ۱۸۱۵) اور وتر، عیدین اور قربانی کو سنت کہتے ہیں کیونکہ ان کے بارے میں حدیثوں میں کوئی ایسا لفظ نہیں آیا جو فرضیت پر دلالت کرتا ہو، اور احناف چاروں کو یعنی صدقۂ فطر، وتر، عیدین اور قربانی کو واجب کہتے ہیں۔

وتر کا وقت مقرر ہے:

عشاء کے فرضوں کے بعد سے صبح صادق تک وتر کا وقت ہے، اور جو شخص وتر پڑھنا بھول جائے یا سوتا رہ جائے: وہ یاد آنے پر یا بیدار ہونے پر قضاء کرے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ قضاء کب تک ہے؟ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ابداً قضاء ہے یعنی جس طرح فرض کی قضا پوری زندگی میں کرنی ہے، وتر کی بھی کرنی ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قضاء کا وقت فجر کی نماز تک ہے، فجر پڑھنے سے پہلے قضاء کرے، جب فجر کی نماز پڑھ لی تو اب قضا کا وقت ختم ہو گیا اور گناہ لازم ہو گیا۔

وتر کے وجوب کے دلائل:

رسول اللہ ﷺ نے وتر مواظبت تامہ کے ساتھ پڑھے ہیں، زندگی میں ایک مرتبہ بھی قضا نہیں کئے اور انیس روایات

ہیں جو وتر کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، اگرچہ ہر حدیث کی سند میں کلام ہے مگر مجموعہ حسن لغیرہ اور قابل استدلال ہے (یہ سب روایات ہدایہ کی تخریج نصب الرایہ میں اور بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں جمع کی گئی ہیں)

غرض وتر کے بارے میں پانچ باتیں اکٹھا ہوئی ہیں جن کی وجہ سے احناف کے نزدیک وتر واجب ہے۔

۱- انیس روایات ہیں جن میں وتر کی غایت درجہ تاکید آئی ہے۔

۲- نبی ﷺ نے وتر مواظبت تامہ کے ساتھ ادا فرمائے ہیں، زندگی میں ایک بار بھی ترک نہیں کئے، اگر وتر واجب نہ ہوتے تو بیانِ جواز کے لئے کم از کم ایک بار آپؐ وتر ترک فرماتے، تاکہ امت حقیقت حال سے واقف ہوتی۔

۳- وتر کا وقت مقرر ہے، عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک وتر کا وقت ہے اور وقت کی تعیین فرائض کی شان ہے، نوافل کے لئے اس طرح اوقات کی تعیین نہیں کی گئی۔

۴- وتر کی قضا ضروری ہے، اگر کوئی شخص وتر پڑھنا بھول جائے یا سوتا رہ جائے تو یاد آنے پر یا بیدار ہونے پر بالاتفاق اس کی قضا ہے اور یہ شان بھی فرائض کی ہے، نوافل کی چاہے وہ سنت مؤکدہ ہوں قضا نہیں۔

۵- وتر نہ پڑھنے کی کسی مجتہد نے اجازت نہیں دی، جو حضرات سنت کہتے ہیں وہ بھی ترک کے روادار نہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: جو وتر نہیں پڑھتا اس کو سزا دی جائے اور وہ مردود الشہادۃ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص بالقصد وتر چھوڑتا ہے وہ برا آدمی ہے اور اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی قریب قریب یہی بات کہتے ہیں۔

مذکورہ پانچ باتوں میں اگر غور کیا جائے تو وتر کی فرائض کے ساتھ مشابہت صاف نظر آتی ہے، پھر وتر کو واجب کہا جائے یا سنت، اس کا پڑھنا بالاتفاق ضروری ہے، اس لئے یہ اختلاف محض لفظی ہے، حقیقت وجوب کے سب قائل ہیں۔

وتر اور تہجد علاحدہ علاحدہ نمازیں ہیں

امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں نمازوں کو علاحدہ علاحدہ بیان کیا ہے اور یہ بہت اچھا کیا ہے، ابواب الوتر یہاں لائے ہیں، پھر آگے کتاب التھجد لائیں گے، اس طرح حضرتؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں نمازوں کو ایک سمجھنا جیسا کہ شوافع سمجھتے ہیں صحیح نہیں، جیسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے فاتحہ کے مسئلہ میں بھی یہی کیا ہے، فاتحہ کا نماز سے کیا تعلق ہے؟ یہ باب الگ لائے ہیں، اور مقتدی پر فاتحہ ضروری ہے یا نہیں؟ یہ باب الگ لائے ہیں، اور دونوں بابوں کے درمیان اکتالیس ابواب کا فصل رکھا ہے، اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے کیا ہے: ابواب الوتر یہاں لائے ہیں اور کتاب التھجد آگے لائیں گے، درمیان میں بہت سی کتابیں (کتاب الاستسقاء وغیرہ) لائے ہیں تاکہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ ایک نماز ہے۔

روایتوں میں الجھاؤ

اور فاتحہ کے سلسلہ میں تو روایتوں کو چھانٹنا ممکن ہے کہ یہ فلاں مسئلہ سے متعلق روایات ہیں اور یہ فلاں مسئلہ سے متعلق،

مگر یہاں جو دو مسئلے ہیں جن کو امام بخاری رحمہ اللہ نے علاحدہ علاحدہ کیا ہے ان کی روایتوں کو چھانٹنا ممکن نہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے کتابیں تو الگ الگ کردیں مگر روایات کو چھانٹنا ایک مشکل امر ہے اس لئے کہ نصوص میں کہیں صلوٰۃ اللیل اور صلوٰۃ الوتر کے مجموعہ کو صلوٰۃ اللیل کہا گیا ہے، کہیں دونوں کے مجموعہ کو صلوٰۃ الوتر کہا گیا ہے اور کہیں حقیقت سے کام لیتے ہوئے تہجد کو صلوٰۃ اللیل اور اس کے آخر میں جو تین رکعتیں پڑھی جاتی ہیں ان کو صلوٰۃ الوتر کہا گیا ہے، یہ جو روایات میں الجھاؤ ہے یعنی مختلف اطلاقات آئے ہیں اس کی وجہ سے یہ مسئلہ اختلافی اور پیچیدہ ہوگیا ہے پس ایسے الجھے ہوئے مسئلہ میں تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں، اس لئے جس شخص کو جس امام سے عقیدت ہو اس امام نے ان روایتوں کو جس طرح سمجھا ہے اس کے مطابق عمل کرے، اس کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۴- أَبْوَابُ الْوِتْرِ

[۱-] بَابُ مَاجَاءَ فِي الْوِتْرِ

[۹۹۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ صَلاَةِ اللَّيْلِ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "صَلاَةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً، تُوْتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى"

[راجع: ۴۷۲]

[۹۹۱-] وَعَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ فِي الْوِتْرِ، حَتّٰى يَأْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهِ.

حدیث (۱): حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے رات کی نماز کے بارے میں پوچھا، پس آپؐ نے فرمایا: رات کی نمازیں دودو، دودو رکعتیں ہیں پس جب تم میں سے کسی کو صبح کا اندیشہ ہو تو وہ ایک رکعت پڑھ لے۔ طاق بنادے گی وہ ایک رکعت اس نماز کو جو اس نے پڑھی ہے۔

حدیث (۲): اور نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وتر کی ایک رکعت اور دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیرا کرتے تھے، یہاں تک کہ حکم دیتے وہ اپنی کسی حاجت کا، یعنی حضرت ابن عمرؓ وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے پڑھتے تھے اور دو رکعت پر سلام پھیر کر ضروری بات چیت بھی کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رات میں ایک سلام سے دو سے زیادہ نفلیں پڑھنا جائز

نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے رات میں دو دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا ہے[1] البتہ دن میں چار رکعت ایک سلام سے جائز ہیں کیونکہ نبی ﷺ سے دن میں ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھنا مروی ہے۔ اور ابن عمر کی اس حدیث میں جو والنھار کا اضافہ آیا ہے وہ صحیح نہیں، تفصیل ترمذی میں کتاب الصلوۃ کے آخر میں ہے (دیکھئے تحفۃ الالمعی ۲:۳۸۶)

اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ماسیق لاجلہ الکلام یہ ہے کہ رات میں نفلیں دو دو رکعت کر کے پڑھنی چاہئیں اور نفل کے باب میں رات اور دن یکساں ہیں پس دن کو رات پر قیاس کریں گے اور دن کی نفلوں میں بھی دو دو رکعت پر سلام پھیرنا افضل ہوگا اور والنھار کا اضافہ قیاس کے لئے قرینہ ہے۔

اور صاحبین نے حدیث باب کی وجہ سے رات میں دو دو نوافل کو افضل قرار دیا ہے اور والنھار کے اضافہ کو نہیں لیا اور قیاس بھی نہیں کیا اور دن میں ایک سلام سے چار رکعت کو افضل قرار دیا، کیونکہ نبی ﷺ دن میں چار رکعت نفل ایک سلام سے پڑھا کرتے تھے، اور صاحبین کے نزدیک دن میں دو دو پڑھنا اور رات میں چار چار پڑھنا بھی جائز ہے اور ایک سلام سے آٹھ رکعت تک پڑھنا بھی جائز ہے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک رات اور دن میں نوافل چار چار رکعت ایک سلام سے پڑھنا افضل ہے اگرچہ ایک سلام سے دو رکعتیں بھی جائز ہیں اور چھ یا آٹھ تک ایک سلام سے پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور آٹھ سے زیادہ نفلیں ایک سلام سے پڑھنا ٹھیک نہیں۔

اور امام اعظمؒ فرماتے ہیں: دن میں فرض نمازیں چار رکعت والی ہیں جیسے ظہر اور عصر اور رات میں بھی فرض نماز چار رکعت ہے جیسے عشاء کی نماز اور فرائض غیر اولیٰ ہیئت پر نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ سے دن میں ایک سلام سے چار رکعت پڑھنا ثابت ہے اور نبی عموماً جو کام کرتے ہیں اسے غیر اولیٰ پر محمول نہیں کیا جا سکتا، پس دن پر رات کو قیاس کریں گے کیونکہ رات اور دن نوافل کے باب میں یکساں ہیں، اس لئے رات میں بھی چار رکعت ایک سلام سے پڑھنا افضل ہے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث میں امر تشریعی نہیں ہے بلکہ ارشادی ہے یعنی تہجد گذاروں کو ایک بھلائی کی بات بتائی گئی ہے، چونکہ تہجد بہت لمبے پڑھے جاتے تھے، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے تہجد گذاروں سے فرمایا کہ تہجد کی نماز میں ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیا کرو، پھر تھوڑی دیر آرام کر کے اگلی رکعتیں شروع کرو، تاکہ تھک نہ جاؤ، اگر وہ چار رکعت ایک سلام سے پڑھیں گے اور طویل پڑھیں گے تو تھک جائیں گے، غرض حدیث میں تہجد گذاروں کو ان کے نفع کی بات بتائی گئی ہے، نفل نماز دو دو رکعت کر کے پڑھنا افضل ہے یہ حدیث کا مدعیٰ نہیں۔

---

(۱) جاننا چاہئے کہ اخبار انشاء کو متضمن ہوتے ہیں جیسے لا ایمان لمن لا امانۃ لہ جملہ خبریہ ہے مگر وہ انشاء کو متضمن ہے یعنی اس حدیث میں نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ امانت داری اختیار کی جائے، اسی طرح صلوۃ اللیل مثنی مثنی بھی اگرچہ مبتدا خبر ہیں مگر ان میں انشاء مضمر ہے یعنی رات میں نفل دو دو رکعت پڑھے جائیں۔

قولہ: صَلَّی رَکعۃً وَاحدۃً: تمام ائمہ متفق ہیں کہ یہ نبی ﷺ کے الفاظ نہیں ہیں، آپ کے اصل الفاظ ہیں: فإذا خِفْتَ الصبحَ فأَوْتِرْ برکعۃ: دوسرے الفاظ راویوں نے بدلے ہیں اور جو قاعدہ آپ نے پڑھا ہے کہ روایات روایات کی شرح کرتی ہیں وہ قاعدہ یہاں جاری نہیں ہوتا، راوی جو الفاظ بدلتے ہیں وہ روایتیں ایک دوسرے کی شرح نہیں کرتیں، جیسے حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں، انھوں نے فرضوں کے بعد ان کو پڑھا، جب وہ نماز سے فارغ ہوکر جانے لگے تو نبی ﷺ نے فرمایا: یہ ڈبل ڈبل نماز کیسی؟ انھوں نے عرض کیا: میری فجر کی سنتیں رہ گئی تھیں، آپ نے فرمایا: فلا إذًا: فلا إذًا کے کیا معنی ہیں؟ اس کے لئے دوسری حدیثوں کو دیکھو کہ یہ محاورہ کہاں کہاں استعمال ہوا ہے، اور وہاں کیا معنی ہیں، وہی معنی یہاں بھی مراد ہونگے، وہ معنی ہیں: تو بھی نہیں، یعنی فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تو بھی فجر کے فرضوں کے بعد نفل نماز کی اجازت نہیں، اور جو بعض راویوں نے فلا إذا کی جگہ: فلا بأس إذًا: کہا ہے، یہ روایت بالمعنی ہے، راوی نے جیسا سمجھا اس طرح الفاظ بدل دیئے، پس اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اور وتر کی نماز ایک رکعت ہے یا تین رکعتیں؟ اس میں نص فہمی کا اختلاف ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: جب صبح صادق کا اندیشہ لاحق ہو تو ایک رکعت کے ذریعہ نماز کو طاق بناؤ، کونسی نماز کو طاق بنائیں؟ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ایک رکعت کے ذریعہ صلوۃ اللیل کو طاق بناؤ، اور حنفیہ کہتے ہیں: دوگانہ کے ساتھ ایک رکعت ملا کر وتر پڑھو، یعنی اب دو رکعت پر سلام مت پھیرو بلکہ دوگانہ کے ساتھ ایک رکعت اور ملا کر وتر حقیقی پڑھ لو۔

اور اس اختلاف کی وجہ تفصیل سے پہلے گذر چکی ہے کہ جب شریعت کسی متعدی لفظ کو اپنی اصطلاح بناتی ہے تو وہ لفظ لازم ہو جاتا ہے، پھر اگر اسے متعدی بنانا ہوتا ہے تو عام طریقہ کے مطابق حرف جر کے ذریعہ متعدی بناتے ہیں، مگر لغت والے متعدی میں اور اس متعدی میں فرق ہوتا ہے، لغت والے لازم کے متعدی بنانے کے بعد جو معنی ہوتے ہیں وہ تو ظاہر ہیں اور شریعت والے لازم کو جب متعدی بنائیں گے تو اس کے معنی میں دوسری چیز کے ضمن میں کوئی کام کرنے کا مفہوم پیدا ہوگا، جیسے قرأ الکتاب: حرف جر کے بغیر متعدی ہے پھر شریعت نے اس کو اپنی اصطلاح بنائی، تو لازم ہو گیا قرأ فی الصلاۃ کے معنی ہیں: نماز میں قراءت کی، پھر جب متعدی کیا تو حرف جر کا واسطہ لائے، اور کہا: لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب: اب معنی ہونگے: فاتحہ دوسری چیز کے ساتھ نہ پڑھا تو نماز نہیں ہوئی، اور وہ دوسری چیز سورت ملانا ہے، یعنی حدیث میں فاتحہ اور سورت کے مجموعہ پر حکم لگایا ہے کہ ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اسی طرح أَوْتَرَ الأشیاءَ کے معنی ہیں: چیزوں کو طاق بنایا، یہ متعدی بنفسہ ہے پھر جب یہ لفظ شرعی اصطلاح بنا تو لازم ہو گیا، کہیں گے: أَوْتَرَ الرجلُ: آدمی نے وتر پڑھے، پھر جب باء کے ذریعہ متعدی کیا اور کہا: أَوْتَرَ برکعۃ: تو معنی ہونگے: ایک رکعت کو کسی اور چیز کے ساتھ ملا کر طاق بنایا، یعنی جب صبح صادق کا اندیشہ ہو تو دوگانہ پر سلام مت پھیرو، بلکہ اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملاؤ، یہی وتر اصطلاحی ہے اور جب آخری نماز وتر بن گئی تو رات کی نماز بھی حکماً وتر بن جائے گی، جیسے مغرب کی نماز دن کی نمازوں میں شامل ہوتی ہے تو دن بھر کی

نمازوں کو طاق بنادیتی ہے۔

اور یہ قاعدہ علامہ جاراللہ زمخشری رحمہ اللہ نے مفصل میں بیان کیا ہے اور احناف نے حدیث کا جو مطلب سمجھا ہے وہ قرین صواب اس لئے بھی ہے کہ وہ رکعتیں جو دو دو کر کے پڑھی جارہی ہیں وہ تو صلوٰۃ اللیل ہیں، خود نبی ﷺ فرمار ہے ہیں: صلوة الليل مثنى مثنى: پس وتر ایک ہی رکعت ہوگی حالانکہ نبی ﷺ وتر تین رکعت پڑھا کرتے تھے اور تین رکعت وتر پر چاروں ائمہ کا اجماع بھی ہے، اس لئے لامحالہ یہ بات ماننی پڑے گی کہ وتر کی تیسری رکعت سے پہلے جو دوگانہ ہے وہ ایک رکعت کے ساتھ متصل ہے، منفصل ہوگا تو وہ تہجد میں شامل ہوجائے گا۔

قوله: وعن نافع: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے پڑھتے تھے، دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور کوئی ضرورت ہوتی تو بات چیت بھی کرتے تھے پھر ایک رکعت الگ سلام سے پڑھتے تھے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے کہ وہ بھی وتر کی ایک رکعت الگ سلام سے پڑھتے تھے، یہ ائمہ ثلاثہ کے سمجھے ہوئے مطلب کا قرینہ ہے۔

اور احناف کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ تین رکعتوں سے وتر پڑھتے تھے، سلام نہیں پھیرتے تھے مگر ان کے آخر میں یعنی تین رکعتیں ایک سلام سے پڑھتے تھے، یہ حدیث مستدرک حاکم میں ہے اور بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے (نسائی حدیث ۱۶۹۸ باب كيف الوتر بثلاث؟)

۲- کسی نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا کہ ابن عمرؓ وتر کی دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے، حسن بصریؒ نے فرمایا: ان کے ابا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے بڑے فقیہ تھے اور وہ دوسری رکعت سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوجاتے تھے یعنی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے، یہ روایت بھی مستدرک حاکم میں ہے۔

۳- اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں، سلام نہیں پھیرا جائے گا مگر ان کے آخر میں، یعنی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے کہ وتر ایک سلام سے ہیں، چنانچہ میرے علم میں حضرت معاویہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی دوسرا صحابی نہیں جو وتر دو سلام سے پڑھتا ہو۔

۴- چوتھی روایت حاشیہ میں ہے جو طحاوی سے نقل کی ہے اور پوری سند کے ساتھ لکھی ہے، ابوزیاد مدینہ کے ساتوں فقہاء اور دیگر بہت سے علماء سے روایت کرتے ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں، سلام نہیں ہے مگر ان کے آخر میں۔

غرض ایک طرف حضرت معاویہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ہے اور دوسری طرف جمہور صحابہ کا عمل ہے، ظاہر

ہے دو صحابہ کا عمل جمہور صحابہ کے عمل کے معارض نہیں ہو سکتا، اس لئے احناف کے نزدیک دو سلام سے وتر صحیح نہیں۔

[۹۹۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ - وَهِيَ خَالَتُهُ - فَاضْطَجَعْتُ فِيْ عَرْضِ الْوِسَادَةِ، وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَهْلُهُ فِيْ طُوْلِهَا، فَنَامَ حَتّٰى انْتَصَفَ اللَّيْلُ، أَوْ قَرِيْبًا مِنْهُ، فَاسْتَيْقَظَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ، ثُمَّ قَرَأَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ، فَتَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ، فَصَنَعْتُ مِثْلَهُ، وَقُمْتُ إِلٰى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رَأْسِيْ، وَأَخَذَ بِأُذُنِيْ يَفْتِلُهَا، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ. [راجع: ۱۱۷]

وضاحت: یہ حدیث متعدد بار گذر چکی ہے اور اس میں رکعتین چھ مرتبہ ہے یعنی نبی ﷺ نے تہجد کی بارہ رکعتیں پڑھیں پھر وتر پڑھے، وتر کی کتنی رکعتیں پڑھیں؟ اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک وتر کی ایک رکعت الگ سلام سے پڑھنا افضل ہے اس لئے یہ حدیث امام بخاریؒ اپنے نقطۂ نظر سے لائے ہیں، نبی ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، بارہ رکعتیں تہجد کی اور ایک رکعت وتر کی، کل تیرہ رکعتیں ہوئیں، یہ امام بخاریؒ کا استدلال ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں پہلے آیا ہے کہ آپؐ نے رات میں بیدار ہونے کے بعد ہلکا وضو کیا اور اس حدیث میں ہے کہ کامل وضو کیا، میرا رجحان یہ ہے کہ جب آپ تہجد کے لئے بیدار ہوئے تھے تب کامل وضو کیا تھا، پھر دورانِ تہجد جب آپؐ سوئے ہیں تو اٹھ کر ہلکا وضو کیا ہے، کیونکہ یہ وضو پر وضو تھا۔ واللہ اعلم

ملحوظہ: سورۃ آل عمران کے آخری رکوع میں گیارہ آیتیں ہیں، کسر کو چھوڑ کر دس آیتیں کہا ہے۔

[۹۹۳--] حدثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَنْصَرِفَ فَارْكَعْ رَكْعَةً، تُوْتِرُ لَكَ مَا صَلَّيْتَ" قَالَ الْقَاسِمُ: وَرَأَيْنَا أُنَاسًا مُنْذُ أَدْرَكْنَا يُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ، وَإِنَّ كُلًّا لَوَاسِعٌ، وَأَرْجُوْ أَنْ لَا يَكُوْنَ بِشَيْءٍ مِنْهُ بَأْسٌ. [راجع: ۴۷۲]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "رات کی نماز دو دو، دو دو رکعتیں ہیں، پس جب تو لوٹنے کا ارادہ کرے یعنی تہجد ختم کرنا چاہے تو ایک رکعت پڑھ لے وہ تیری اس نماز کو طاق بنا دے گی جو تو نے پڑھی ہے" قاسم بن محمدؒ کہتے ہیں: جب سے ہم بالغ ہوئے ہیں ہم نے لوگوں کو تین رکعتیں وتر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اور بیشک سب کی

گنجائش ہے یعنی ایک رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں اور تین بھی، اور مجھے امید ہے کہ اس میں سے کسی میں کچھ حرج نہیں ہوگا۔

تشریح: اس حدیث میں نبی ﷺ نے تہجد کے آخر میں ایک رکعت پڑھ لینے کے لئے فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ رکعت رات کی ساری نماز کو طاق بنادے گی، یہی بات ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں اور اس حدیث کو روایت کر کے قاسم بن محمد جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے لوگوں کو تین رکعتیں وتر پڑھتے دیکھا ہے یعنی لوگوں کا تعامل ایک سلام سے تین رکعت وتر پڑھنے کا ہے، پھر فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص ایک رکعت پڑھے تو اس کی بھی گنجائش ہے اور تین پڑھے تو اس کی بھی گنجائش ہے، مگر تعامل ایک سلام سے تین رکعت پڑھنے کا ہے، حضرت ابن عمرؓ کی اس حدیث پر لوگوں کا عمل نہیں۔ مگر جب حدیث ہے تو اس پر عمل کر سکتے ہیں۔

[۹۹۴-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رسولَ اللّهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّي إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، كَانَتْ تِلْكَ صَلاَتَهُ، تَعْنِي بِاللَّيْلِ، فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذَلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ، وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلاَةِ الْفَجْرِ، ثُمَّ يَضْطَجِعُ عَلَى شِقِّهِ الأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلصَّلاَةِ. [راجع: ۶۲۶]

ترجمہ: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے وہ آپؐ کی نماز تھی، مراد لے رہی ہیں وہ رات کو یعنی آپؐ تہجد مع وتر گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے، ان میں سجدہ اتنی دیر کرتے کہ آپؐ کے سر اٹھانے سے پہلے تم میں سے ایک پچاس آیتیں پڑھ سکتا ہے، یعنی پچاس آیتوں کے بقدر سجدہ کرتے تھے اور رکوع بھی اتنا ہی طویل ہوتا تھا اور نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے (یہ فجر کی سنتیں ہیں) پھر دائیں کروٹ لیٹ جاتے تھے، یہاں تک کہ مؤذن نماز کی اطلاع دینے کے لئے آتا پس آپ نماز پڑھانے کے لئے تشریف لے جاتے۔

تشریح: یہ حدیث یہاں مختصر ہے، اس حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ ان گیارہ رکعتوں میں آٹھ تہجد کی اور تین وتر کی ہوتی تھیں۔

بَابُ سَاعَاتِ الْوِتْرِ

وتر کے اوقات

وتر کا وقت عشاء کے فرض پڑھنے کے بعد سے صبح صادق تک ہے، اس پورے وقت میں کسی بھی وقت وتر پڑھ سکتے ہیں، یعنی فرائض کی طرح وتر کا وقت بھی موسع ہے۔

حدیث معلق: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے نبی ﷺ نے وصیت (تاکید) فرمائی ہے کہ میں سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں.........اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

پہلا مطلب: عام طور پر اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وتر حقیقی سونے سے پہلے پڑھ لیں، پھر تہجد کے وقت آنکھ کھلے تو تہجد پڑھیں اور آنکھ نہ کھلے تو کوئی بات نہیں، تہجد سنت ہے اور وہ وتر پڑھ چکا ہے جو واجب ہے۔

دوسرا مطلب: یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس کو اٹھنے کا یقین نہ ہو، اس کے مشاغل ایسے ہوں کہ وہ اٹھ نہ سکتا ہو، یا دیر سے سوتا ہو یا طبعی مزاج ایسا ہو کہ پڑا اور مرا ایسے لوگوں کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ سونے سے پہلے تہجد کی نیت سے کچھ نفلیں پڑھ لیں پھر وتر پڑھیں اور سو جائیں، یہ تہجد نہیں ہے، ایڈوانس اس کا بدل ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ جب کسی وجہ سے تہجد نہیں پڑھ پاتے تھے تو سورج نکلنے کے بعد بارہ رکعت پڑھتے تھے۔ ظاہر ہے یہ نفلیں تہجد نہیں ہیں مگر اس کا بدل ضرور ہیں، اور بدل مؤخر بھی ہوسکتا ہے اور مقدم بھی، پس حدیث میں وتر حقیقی مراد نہیں بلکہ تہجد کا بدل مع وتر مراد ہے اور یہ تاکید نبی ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کو بھی کی تھی۔

[۲-] بَابُ سَاعَاتِ الْوِتْرِ

وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: أَوْصَانِيْ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِالْوِتْرِ قَبْلَ النَّوْمِ.

[۹۹۵-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ سِيْرِيْنَ، قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ: أَرَأَيْتَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ: نُطِيْلُ فِيْهِمَا الْقِرَاءَةَ؟ فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، وَيُوْتِرُ بِرَكْعَةٍ، وَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ، وَكَأَنَّ الْأَذَانَ بِأُذُنَيْهِ، قَالَ حَمَّادٌ: أَيْ بِسُرْعَةٍ. [راجع: ۴۷۲]

ترجمہ: انس بن سیرینؒ کہتے ہیں: میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا: بتائیں: ہم نماز فجر سے پہلے کی دو نفلوں (سنتوں) میں لمبی قراءت کر سکتے ہیں؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: نبی ﷺ رات میں تہجد دو دو، دو دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور ایک رکعت سے نماز کو طاق بناتے تھے، اور نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے گویا اذان آپؐ کے کانوں میں ہے، یعنی آپؐ فجر کی سنتیں مختصر پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: نبی ﷺ کا معمول فجر کی سنتیں مختصر پڑھنے کا تھا، اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ فجر کی سنتیں ہلکی پڑھنا مسنون ہے، بلکہ امام مالک رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ فجر کی سنتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھی جائے، سورت نہ ملائی جائے (ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سورت ملانا سنت ہے) تاکہ سنتیں ہلکی رہیں، مگر فجر کی سنتیں لمبی پڑھنا بھی جائز ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے کہ میں کبھی فجر کی سنتیں لمبی پڑھتا ہوں، علماء نے فرمایا: یہ بات اس شخص کے لئے ہے جو پابندی سے تہجد پڑھتا ہے

مگر کسی وجہ سے اس کا تہجد رہ جائے تو وہ فجر کی سنتیں لمبی پڑھ سکتا ہے تاکہ تہجد میں جو قرآن پڑھنے کا اس کا معمول ہے اس کو وہ پورا کرلے، امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کا یہی مصداق ہے۔

قولہ: وکان الأذان بأذنیہ: اور گویا اذان آپؐ کے دونوں کانوں میں ہے: اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:

پہلا مطلب: رسول اللہ ﷺ اذان شروع ہوتے ہی فجر کی سنتیں شروع فرماتے تھے اور اذان ختم ہونے سے پہلے پوری فرمادیتے تھے، یعنی غایت درجہ خفیف پڑھتے تھے، پس ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انس بن سیرینؒ کو یہ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتیں غایت درجہ ہلکی پڑھتے تھے، پس تمہیں بھی لمبی نہیں پڑھنی چاہئیں۔

دوسرا مطلب: آپؐ اذان شروع ہوتے ہی سنت پڑھنی شروع کرتے تھے اور اذان سنتے رہتے تھے اور سنتیں پڑھتے رہتے تھے، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ فجر کی سنتیں ہلکی پڑھتے تھے۔

[۹۹۶-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُسْلِمٌ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ: كُلَّ اللَّيْلِ أَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، وَانْتَهَى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ.

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے رات کے ہر حصہ میں وتر پڑھا ہے، کبھی شروع رات میں، کبھی درمیان میں اور کبھی رات کے آخری حصہ میں، اور حیات مبارکہ کے آخری ایام میں جب رات کا آخری چھٹا حصہ شروع ہوتا تھا تب آپؐ وتر پڑھتے تھے۔

تشریح: اس روایت میں وتر سے وتر حقیقی مراد نہیں، بلکہ تہجد مع وتر مراد ہے، اور تہجد پڑھنے کا کوئی وقت متعین نہیں تھا، جب بھی آنکھ کھل جاتی آپؐ نماز شروع کردیتے تھے، کیونکہ عاشق کی برات شاخ آہو پے ہوتی ہے، نزدیکاں را بیشتر بود حیرانی، عاشق کے انداز ہی نرالے ہوتے ہیں، مگر زندگی کے آخری سال میں جب ضعف ہوگیا تھا، عشاء کے بعد آپؐ آرام فرماتے تھے اور سحری کے وقت اٹھ جاتے تھے اور تہجد پڑھتے تھے اور اس کے بعد وتر ادا کرتے تھے۔

بَابُ إِيْقَاظِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَهُ بِالْوِتْرِ

نبی ﷺ کا وتر پڑھنے کے لئے گھر والوں کو اٹھانا

نبی ﷺ جب تہجد کے لئے اٹھتے تھے تو ازواج کو نہیں اٹھاتے تھے، ازواج مطہرات خود اٹھ جائیں تو ان کی مرضی، لیکن آخر رات میں وتر پڑھنے کے لئے بیدار فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ وتر واجب ہے، اگر تہجد کی طرح وتر سنت ہوتے تو جیسے آپؐ تہجد کے لئے نہیں اٹھاتے تھے وتر کے لئے بھی نہ اٹھاتے۔

[۳-] بابُ إيقَاظِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَهُ بِالْوِتْرِ

[۹۹۷-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ وَأَنَا رَاقِدَةٌ، مُعْتَرِضَةٌ عَلَى فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوْتِرَ أَيْقَظَنِيْ فَأَوْتَرْتُ. [راجع: ۳۸۲]

بابٌ: لِيَجْعَلْ آخِرَ صَلاَتِهِ وِتْرًا

وتر کی نماز رات میں سب سے آخر میں پڑھنی چاہئے

جس شخص کو تہجد کے لئے اٹھنے کا یقین یا ظن غالب ہو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ وتر کو مؤخر کرے اور تہجد کے بعد پڑھے، اور باب کی حدیث میں امر استحباب کے لئے ہے پس جس نے سونے سے پہلے وتر پڑھ لئے پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تہجد کے لئے بیدار ہو گیا تو وہ صرف تہجد پڑھے وتر نہ پڑھے، اس لئے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ایک رات میں دو وتر نہیں! (ترمذی حدیث ۴۸۰)

[۴-] بابٌ: لِيَجْعَلْ آخِرَ صَلاَتِهِ وِتْرًا

[۹۹۸-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَ بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "اجْعَلُوْا آخِرَ صَلاَتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا"

وضاحت: مذکورہ حدیث میں امر استحبابی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے وتر کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھے ہیں۔

بابُ الْوِتْرِ عَلَى الدَّابَّةِ

اونٹ پر وتر پڑھنا

اونٹ پر وتر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ اس پر مبنی ہے کہ وتر سنت ہیں یا واجب؟ جن فقہاء کے نزدیک وتر واجب ہے ان کے نزدیک سواری پر وتر نہیں پڑھ سکتے۔ سواری پر نفلیں ہی پڑھ سکتے ہیں، اور جن فقہاء کے نزدیک وتر سنت ہے ان کے نزدیک سواری پر بھی وتر پڑھ سکتے ہیں۔

[۵-] بابُ الْوِتْرِ عَلَى الدَّابَّةِ

[۹۹۹-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ

عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أَسِيْرُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ، فَقَالَ سَعِيْدٌ: فَلَمَّا خَشِيْتُ الصُّبْحَ نَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ، ثُمَّ لَحِقْتُهُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: أَيْنَ كُنْتَ؟ فَقُلْتُ: خَشِيْتُ الصُّبْحَ فَنَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: أَلَيْسَ لَكَ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ؟ فَقُلْتُ: بَلَى وَاللّٰهِ! قَالَ: فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُوْتِرُ عَلَى الْبَعِيْرِ.

[انظر: ۱۰۰۰، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۸، ۱۱۰۵]

ترجمہ: سعید بن یسار کہتے ہیں: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ کے راستہ میں سفر کر رہا تھا (عرب میں زیادہ تر سفر رات میں ہوتا تھا) سعید کہتے ہیں: جب مجھے صبح صادق کا اندیشہ ہوا تو میں اونٹ سے اترا اور میں نے وتر پڑھی، پھر میں ابن عمرؓ کے ساتھ مل گیا، پس ابن عمرؓ نے پوچھا: کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا: مجھے صبح صادق کا اندیشہ ہوا اس لئے میں وتر پڑھنے کے لئے اترا تھا، ابن عمرؓ نے فرمایا: کیا آپ کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں اچھا نمونہ نہیں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، بخدا! آپؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اونٹ پر وتر پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: سعید بن یسار وتر پڑھنے کے لئے اترے تھے، حضرت ابن عمرؓ نے ان کو بتایا کہ وتر جانور پر پڑھ سکتے ہیں، نبی ﷺ اونٹ پر وتر پڑھتے تھے، یہ ائمہ ثلاثہ کی دلیل ہے کہ وتر سنت ہے کیونکہ اونٹ پر صرف سنن ونوافل پڑھ سکتے ہیں، واجب نماز نہیں پڑھ سکتے۔

اور احناف کہتے ہیں: اس حدیث میں وتر سے تہجد مراد ہے یعنی ابن عمرؓ نے مسئلہ بتایا کہ اونٹ پر تہجد پڑھ سکتے ہیں، نبی ﷺ اونٹ پر تہجد پڑھا کرتے تھے، اور دلیل یہ ہے کہ خود ابن عمرؓ تہجد تو اونٹ پر پڑھتے تھے مگر وتر پڑھنے کے لئے زمین پر اترتے تھے، طحاوی میں بہ سند صحیح روایت ہے، نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن عمرؓ اونٹ پر تہجد پڑھتے تھے اور وتر پڑھنے کے لئے زمین پر اترتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے (طحاوی ۱: ۲۸۴ باب الوتر هل يصلى في السفر على الراحلة أم لا؟) اس روایت کی کوئی تاویل ممکن نہیں اس لئے مذکورہ روایت ہی کی تاویل کی جائے گی کہ اس میں وتر سے تہجد کی نماز مراد ہے۔

بَابُ الْوِتْرِ فِي السَّفَرِ

سفر میں وتر پڑھنا

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ جیسے حضر میں وتر پڑھنے ضروری ہیں سفر میں بھی ضروری ہیں، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے، کیونکہ جاری سفر میں سنتیں نہیں پڑھی جاتیں۔

[۶-] بَابُ الْوِتْرِ فِي السَّفَرِ

[۱۰۰۰-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ، حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ، يُوْمِئُ إِيْمَاءً، صَلَاةَ اللَّيْلِ، إِلَّا الْفَرَائِضَ، وَيُوْتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ. [راجع: ۹۹۹]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ سفر میں اپنی سواری پر نماز پڑھا کرتے تھے، جدھر بھی سواری کا رخ ہوتا، اشارہ کرتے تھے اشارہ کرنا یعنی رکوع وسجود کے لئے اشارہ کرتے تھے، ابن عمرؓ تہجد کی نماز مراد لے رہے ہیں (صلاۃ اللیل: مستقل جملہ ہے ای یرید ابن عمر صلاۃ اللیل) مگر فرائض مستثنیٰ ہیں یعنی ان کو سواری پر نہیں پڑھتے تھے، اور وتر سواری پر پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: امام بخاری رحمہ اللہ کا منشا یہ ہے کہ وتر کی نماز سفر میں بھی پڑھنی ہے اس کو ترک کرنے کی کسی حال میں اجازت نہیں اور صلاۃ اللیل سے رات کی عام نفلیں اور یوتر سے تہجد کی نماز مراد ہے اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ ابن عمرؓ کی دونوں روایتوں میں یعنی بخاری اور طحاوی کی روایتوں میں تطبیق ہوجائے۔

فائدہ: جانور پر نفل نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کی پیٹھ کا پاک ہونا اور استقبال قبلہ ضروری نہیں، جانور جس جانب بھی متوجہ ہو اس پر نماز صحیح ہے اور رکوع وسجود کے لئے اشارہ کرنا کافی ہے، البتہ بغیر عذر کے فرض نماز سواری پر نہیں پڑھ سکتے، کیونکہ اس میں قیام، رکوع وسجود اور استقبال قبلہ ضروری ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے اور بس اور کار جانور کے حکم میں ہیں، ان میں بیٹھ کر نفلیں پڑھنا جائز ہے اور سنن مؤکدہ بھی نفل ہیں اور سیٹ کا پاک ہونا اور استقبال قبلہ ضروری نہیں، البتہ ڈرائیور نہیں پڑھ سکتا کیونکہ وہ گاڑی چلا رہا ہے، اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز کے اندر جانور کو چلانا پڑے تو وہ عمل کثیر ہے، اس سے نماز فاسد ہوجائے گی، اور یہ مسئلہ بھی جان لینا چاہئے کہ ریل گاڑی میں نوافل کے لئے اگرچہ قیام ضروری نہیں مگر استقبال قبلہ اور رکوع وسجود ضروری ہیں، ریل میں کیف ما اتفق اور اشارہ سے نفل پڑھنا جائز نہیں، اور بس اور کار میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ ہی نہیں سکتے، اس لئے وہ دابہ کے حکم میں ہے اور ٹرین میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا ممکن ہے اور بھیڑ عارضی عذر ہے اس لئے اس میں استقبال قبلہ اور رکوع وسجود کے ساتھ ہی نماز پڑھنا ضروری ہے، چاہے وہ نفل نماز ہو۔

بَابُ الْقُنُوْتِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهُ

رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دعائے قنوت

قنوت تین ہیں: ایک: وہ جو وتروں میں پڑھا جاتا ہے۔ دوسرا: قنوت نازلہ ہے یعنی وہ قنوت جو دشمن کی طرف سے

پڑنے والی کسی افتاد کے وقت پڑھا جاتا ہے، جب مسلمانوں کو دشمن کی طرف سے کسی آفت کا سامنا ہو تو انہیں قنوت پڑھنا چاہئے، یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ پھر امام اعظم رحمہ اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے قومہ میں پڑھا جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ تمام جہری نمازوں میں پڑھ سکتے ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں۔ اور تیسرا قنوت راتبہ ہے یعنی ہمیشہ پڑھا جانے والا قنوت، اس کے صرف امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ قائل ہیں، پھر امام مالک اس کو مستحب کہتے ہیں اور امام شافعیؒ سنت، باقی دو امام اس قنوت کے قائل نہیں، اور مالکیہ اور شافعیہ یہ قنوت صرف فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے قومہ میں پڑھتے ہیں۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ وتر میں قنوت پورے سال ہے یا صرف رمضان میں، یا رمضان کے نصف آخر میں؟ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کا مختار قول اور امام شافعی رحمہ اللہ کی تین روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ وتر میں قنوت پورے سال ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صرف رمضان میں ہے باقی گیارہ مہینے وتر میں قنوت نہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا اصل مذہب اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ رمضان کی سولھویں رات سے ختم رمضان تک قنوت ہے، باقی ساڑھے گیارہ مہینے قنوت نہیں۔

نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ قنوت کا محل کیا ہے؟ امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک قنوت کی جگہ وتر کی آخری رکعت میں رکوع سے پہلے ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک رکوع کے بعد قومہ میں قنوت کی جگہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں کوئی مرفوع روایت نہیں ہے اور صحابہ کے مختلف اقوال اور عمل ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سال بھر قنوت کے قائل تھے اور وہ اس کی جگہ تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے تجویز کرتے تھے، احناف نے اسی کو لیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صرف رمضان کے آخری پندرہ دنوں میں قنوت پڑھنا مروی ہے، آپؓ تیسری رکعت کے رکوع کے بعد پڑھتے تھے، امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور قنوت کے معنی ہیں: دعا، کوئی بھی دعا پڑھ لی جائے، چھوٹی یا بڑی، قنوت ہو گیا، کوئی متعین دعا پڑھنا ضروری نہیں۔

[۷-] بابُ الْقُنُوْتِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهُ

[۱۰۰۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ، قَالَ: سُئِلَ أَنَسُ ابْنُ مَالِكٍ: أَقَنَتَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي الصُّبْحِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقِيْلَ: أَوَقَنَتَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ؟ قَالَ: قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ يَسِيْرًا. [انظر: ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۳۰۰، ۲۸۰۱، ۲۸۱٤، ۳۰٦٤، ۳۱۷۰، ٤۰۸۸، ٤۰۸۹، ٤۰۹۰، ٤۰۹۲، ٤۰۹٤، ٤۰۹٦، ٦۳۹٤، ۷۳٤۱]

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا نبی ﷺ نے فجر کی نماز میں قنوت پڑھا ہے؟ آپؓ نے فرمایا:

جی ہاں، پھر یہ پوچھا گیا؟ کیا اور آپؐ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھا ہے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: رکوع کے بعد کچھ دن قنوت پڑھا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں قنوت نازلہ کا ذکر ہے، بیر معونہ کے واقعہ میں جب رعل، ذکوان اور عصیہ قبائل نے دھوکہ سے ستر قراء کو شہید کیا تھا تو نبی ﷺ کو اتنا صدمہ ہوا تھا کہ تمام عمر میں کبھی اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا، آپؐ نے ایک مہینہ تک ان قبائل کے لئے بددعا فرمائی، یہاں تک کہ آیت ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ نازل ہوئی تو آپؐ نے قنوت پڑھنا بند کر دیا آپؐ نے یہ قنوت فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے قومہ میں پڑھا تھا، احناف اسی کے قائل ہیں۔

[۱۰۰۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ، فَقَالَ: قَدْ كَانَ الْقُنُوْتُ، قُلْتُ: قَبْلَ الرُّكُوْعِ أَوْ بَعْدَهُ؟ قَالَ: قَبْلَهُ، قَالَ: فَإِنَّ فُلَانًا أَخْبَرَنِيْ عَنْكَ أَنَّكَ قُلْتَ: بَعْدَ الرُّكُوْعِ، فَقَالَ: كَذَبَ، إِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا، أُرَاهُ: كَانَ بَعَثَ قَوْمًا يُقَالُ لَهُمْ: الْقُرَّاءُ، زُهَاءَ سَبْعِيْنَ رَجُلًا، إِلَى قَوْمٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ دُوْنَ أُولٰئِكَ، وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَهْدٌ، فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم شَهْرًا يَدْعُوْ عَلَيْهِمْ.

[راجع: ۱۰۰۱]

ترجمہ: عاصم کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا: آپؓ نے فرمایا: بالیقین قنوت تھا، میں نے پوچھا: رکوع سے پہلے تھا یا رکوع کے بعد؟ آپؓ نے فرمایا: رکوع سے پہلے تھا (یہ قنوت وتر ہے اور یہ احناف کا مستدل ہے، احناف وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے ہیں) عاصم نے کہا: فلاں شخص کہتا ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ قنوت رکوع کے بعد ہے، حضرت انسؓ نے فرمایا: وہ غلط کہتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد صرف ایک مہینہ قنوت پڑھا ہے (یہ قنوتِ نازلہ ہے) پھر حضرت انسؓ نے قنوتِ نازلہ پڑھنے کی وجہ بیان فرمائی، میرا خیال ہے: آپؐ نے صحابہ کی ایک جماعت بھیجی جن کو "قراء" کہا جاتا تھا جو تقریباً ستر آدمی تھے، ان کے علاوہ مشرکین کی ایک قوم کی طرف، اور ان کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ناجنگ معاہدہ تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ تک قنوت پڑھا، ان پر بددعا کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے قنوت وتر کی جگہ رکوع سے پہلے بتائی ہے اور قنوتِ نازلہ کی رکوع کے بعد، احناف اسی کے قائل ہیں۔

بیر معونہ کا واقعہ: بیر معونہ کا واقعہ سن ۴ ہجری ماہ صفر میں پیش آیا ہے، عامر بن مالک ابو براء نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہدیہ پیش کیا، لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا اور ابو براء کو اسلام کی دعوت دی، لیکن ابو براء نے نہ تو اسلام قبول کیا اور

نہ رد کیا بلکہ یہ کہا کہ اگر آپ اپنے چند اصحاب اہل نجد کی طرف دعوتِ اسلام کی غرض سے روانہ فرمائیں تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس دعوت کو قبول کریں گے، آپؐ نے فرمایا: مجھ کو اہل نجد سے اندیشہ اور خطرہ ہے، ابو براء ضامن بنا تو رسول اللہ ﷺ نے ستر صحابہ کو جو قراء کہلاتے تھے اور جو نہایت مقدس اور پاکیزہ لوگ تھے اس کے ہمراہ روانہ کردیئے اور منذر بن عمرو ساعدی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا، یہ لوگ چل کر بیر معونہ پر ٹھہرے، آنحضور ﷺ نے ایک خط عامر بن طفیل کے نام جو بنی عامر کا سردار اور ابو براء کا بھتیجا تھا لکھوا کر حضرت انسؓ کے ماموں حرام بن ملحان کے سپرد فرمایا، جب یہ لوگ بیر معونہ پر پہنچے تو حرام بن ملحانؓ آپ کا والا نامہ لے کر عامر بن طفیل کے پاس گئے، اس نے خط دیکھنے سے پہلے ہی ایک شخص کو اشارہ کیا اس نے پیچھے سے ایک نیزہ مارا اور آپؓ نے جام شہادت نوش فرمایا، اس کے بعد بنی عامر کو بقیہ صحابہ کے قتل پر ابھارا لیکن ابو براء کے پناہ دینے کی وجہ سے بنی عامر نے ساتھ دینے سے انکار کردیا۔ عامر بن طفیل جب ان سے ناامید ہوا تو بنی سلیم سے امداد چاہی، عصیہ، رعل اور ذکوان قبائل اس کی مدد کے لئے تیار ہوگئے اور سب نے مل کر تمام صحابہ کو شہید کرڈالا، صرف کعب بن زید انصاری کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے، بعد میں وہ مدت تک زندہ رہے، اور غزوۂ خندق میں شہید ہوئے۔ ان کے علاوہ دو شخص اور بھی بچ گئے، ان کے نام منذر بن محمد اور عمرو بن امیہ ضمری ہیں، وہ دونوں مویشی چرانے جنگل گئے ہوئے تھے، جب نبی ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ کو سخت صدمہ ہوا، اور آپؐ نے ایک ماہ تک ان قبائل کے حق میں بددعا فرمائی، پھر جب ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ نازل ہوئی تو بددعا بند فرمادی (ماخوذ از سیرت المصطفیٰ ۲: ۲۶۷)

قوله: إلى قوم من المشركين: بعث سے متعلق ہے، اور **دون أولئك:** قوم کی صفت ہے، ترجمہ: بھیجا مشرکین کی ایک قوم کی طرف جو ان (شہید کرنے والے مشرکین) کے علاوہ تھے، ان کے ساتھ ناجنگ معاہدہ تھا، اور قبائل عصیہ، رعل اور ذکوان کے ساتھ جنھوں نے ان قراء کو شہید کیا تھا، کوئی معاہدہ نہیں تھا۔

[۱۰۰۳-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَنَتَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم شَهْرًا يَدْعُو عَلَى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ. [راجع: ۱۰۰۱]

[۱۰۰۴-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ الْقُنُوتُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْفَجْرِ.

وضاحت: دونوں حدیثوں میں قنوتِ نازلہ کا ذکر ہے اور یہ بات بھی ہے کہ قنوتِ نازلہ فجر میں بھی پڑھ سکتے ہیں اور مغرب میں بھی، چنانچہ امام اعظم رحمہ اللہ کا ایک قول یہی ہے کہ قنوتِ نازلہ تمام جہری نمازوں میں پڑھ سکتے ہیں۔

﴿الحمد للہ! ابواب الوتر کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَبْوَابُ الِاسْتِسْقَاءِ

بارش طلبی کا بیان

روایات سے بارش طلبی کی تین صورتیں ثابت ہیں:

اول: لوگ بستی سے نکل کر کسی جگہ اکٹھے ہوں اور بارش کے لئے دعا کریں، یہ صورت آبی اللحم کی حدیث میں آئی ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ احجار الزیت نامی جگہ میں تشریف لے گئے اور خوب گڑگڑا کر بارش کے لئے دعا فرمائی، پھر واپس آ گئے (ترمذی حدیث ۵۶۵)

دوم: جمعہ کے خطبہ میں بارش کے لئے دعا کی جائے، ابواب الجمعہ میں حدیث گذری ہے کہ آنحضور ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، ایک دیہاتی نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! بارش نہ ہونے کی وجہ سے لوگ پریشان ہیں، جانور مر رہے ہیں، قحط کا سامنا ہے، بارش کے لئے دعا فرمائیں، آپ نے خطبہ ہی میں دعا فرمائی، دعا کا اثر یہ ہوا کہ لوگ بھیگتے ہوئے گھر لوٹے اور پورا ہفتہ بارش ہوتی رہی، اگلے جمعہ کو وہی شخص یا کوئی اور شخص کھڑا ہوا اور دورانِ خطبہ ہی عرض کیا: یا رسول اللہ! سیلاب کی صورت بن گئی، مکان ڈھنے لگے، دعا فرمائیں: اللہ تعالیٰ بارش کو روک دیں، آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ہمارے اردگرد برسے، اور ہم پر نہ برسے، اور سر کے اوپر ہاتھ لے جا کر دائرہ کی شکل بنائی، چنانچہ فوراً بادل پھٹ گیا اور بارش رک گئی، چاروں طرف بارش ہو رہی تھی اور مدینہ منورہ میں دھوپ نکل آئی، اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے مدینہ نے تاج پہن رکھا ہو۔

سوم: بارش طلبی کی نماز پڑھ کر دعا کرنا: ایک مرتبہ آپ لوگوں کو لے کر عیدگاہ تشریف لے گئے جماعت سے دوگانہ ادا فرمایا، پھر مختصر تقریر کی اور دعا مانگی —— غرض بارش طلبی کی یہ تینوں صورتیں حدیثوں سے ثابت ہیں۔

مذاہبِ فقہاء: ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک بارش طلبی کے لئے نماز سنت ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بارش طلبی کے لئے نماز نہیں، اور عام طور پر امام اعظم رحمہ اللہ کے اس قول کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ آپ کے نزدیک نماز مشروع نہیں، اور فقہ کی اکثر کتابوں میں یہی بات لکھی ہے، مگر یہ مطلب صحیح نہیں، بلکہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ بارش طلبی کے لئے نماز ضروری نہیں، نماز کے بغیر بھی استسقاء ہو سکتا ہے، لوگ بارش کی دعا کرنے کے لئے کسی جگہ جمع ہوں اور دعا

مانگیں یہ بھی استسقاء ہے، فرض نمازوں کے بعد، یا جمعہ کے بعد یا خطبہ میں دعا کریں، یہ بھی استسقاء ہے، اور عیدگاہ جا کر دوگانہ پڑھ کر دعا مانگیں یہ بھی استسقاء ہے، بلکہ استسقاء کا اعلیٰ فرد ہے، غرض سب صورتیں جائز ہیں، نماز پڑھنا ہی استسقاء کا طریقہ نہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کا صحیح مطلب یہی ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عقیقہ سنت ہے اور حنفیہ کے نزدیک عقیقہ نہیں یعنی سنت نہیں، اس سے نیچے کے درجہ کا حکم ہے یعنی مندوب ہے۔

اور اس کی دلیل کہ امام اعظم رحمہ اللہ صلاۃ الاستسقاء کے قائل ہیں یہ ہے کہ ان کے اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے کہ صلاۃ الاستسقاء میں قراءت جہری ہوگی یا سری؟ صاحبین جہری کے قائل ہیں اور امام اعظم رحمہ اللہ سری کے، اگر امام اعظمؒ صلاۃ الاستسقاء ہی کے قائل نہ ہوتے تو اس مسئلہ میں اختلاف کیوں کرتے؟

بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ، وَخُرُوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الِاسْتِسْقَاءِ

بارش طلبی کے لئے نبی ﷺ کا شہر سے نکلنا

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ جب قحط کے آثار ظاہر ہوں تو شریعت نے استسقاء کی تعلیم دی ہے، اور اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ لوگ آبادی سے باہر نکلیں اور دعا کریں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ اور روایت دونوں سے اشارہ کیا کہ اس کے لئے نماز ضروری نہیں، ترجمہ میں نماز کا ذکر نہیں، صرف آبادی سے باہر نکلنے کی بات کہی ہے اور باب میں وہ روایت پیش کی ہے جس میں نماز کا ذکر نہیں، پس امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ کی موافقت کی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۵ - أَبْوَابُ الِاسْتِسْقَاءِ

[۱-] بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ، وَخُرُوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الِاسْتِسْقَاءِ

[۱۰۰۵-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَسْتَسْقِيْ، وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ.

[انظر: ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۸، ۶۳۴۳]

ترجمہ: عباد بن تمیم اپنے چچا حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نکلے، بارش طلب کر رہے ہیں اور آپؐ نے اپنی چادر پلٹی۔

تشریح: یہ حدیث آگے تیسرے باب میں بھی آرہی ہے اس میں نماز کا بھی ذکر ہے، مگر یہاں امام بخاریؒ نے وہ

روایت پیش کی ہے جس میں نماز کا ذکر نہیں، اس طرح امام بخاریؒ نے اشارہ کیا ہے کہ استسقاء کے لئے نماز ضروری نہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے بارش طلبی کے لئے جو مذکورہ بالا تین صورتیں تجویز کی ہیں امام بخاریؒ کے متعدد تراجم سے بھی یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرتؒ بھی ان تمام صورتوں کے قائل ہیں۔

بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: اجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِي يُوْسُفَ

نبی ﷺ کا دعا فرمانا کہ الٰہی! اپنی سخت گرفت کو یوسف علیہ السلام کے زمانہ جیسی قحط سالیاں بنا!

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ جیسے بارش کے لئے دعا ہے اس کی ضد کے لئے بھی دعا ہے، قحط سالی کی بددعا کر سکتے ہیں، اور جیسے یہ ضروری نہیں کہ بارش طلبی کی دعا نماز کے بعد ہی ہو، اسی طرح قنوت نازلہ کے لئے بھی ضروری نہیں کہ وہ نماز کے اندر ہی ہو، نماز سے باہر بھی قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں، عام دعاؤں کی طرح کفار کے لئے بددعا کر سکتے ہیں۔ نبی ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے، تو اہل مکہ اور قبائل مضر جو آپ ہی کا خاندان تھا سرکشی اور ایذا رسانی پر کمر بستہ ہو گیا، آپؐ کسی طرح ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ آپؐ نے ان کے لئے بددعا فرمائی: اے اللہ! یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں جیسا سات سالہ قحط پڑا تھا ویسا قحط ان لوگوں پر مسلط فرما، چنانچہ اس بددعا کا اثر ہوا، اور لوگ مردار اور چمڑا کھانے پر مجبور ہوئے اور ان کی سرکشی کا زور ٹوٹا۔

[۲۰] بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: اجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِي يُوْسُفَ

[۱۰۰۶] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُغِيْرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ، يَقُوْلُ: "اللَّهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيْعَةَ، اللَّهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ، اللَّهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ، اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِي يُوْسُفَ"

وَأَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "غِفَارٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا، وَأَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ" [راجع: ۷۹۷]

قَالَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيْهِ: هٰذَا كُلُّهُ فِي الصُّبْحِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ جب (فجر کی) دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما، سلمۃ بن ہشام کو نجات عطا فرما، ولید بن الولید کو نجات عطا فرما، اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو (جو مکہ میں رہ گئے ہیں) نجات عطا فرما، اے اللہ! قبیلۂ مضر کی سخت گرفت فرما، اے اللہ! اپنی سخت گرفت یوسف علیہ السلام کے زمانہ جیسی قحط سالیاں بنا۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا: قبیلۂ غفار: اللہ ان کی مغفرت فرمائیں، اور قبیلۂ اسلم: اللہ ان کو محفوظ رکھیں ـــــ ابوالزناد کہتے ہیں: یہ دعا اور بددعا آپؐ نے فجر کی نماز میں کی تھی۔

تشریحات:

۱- یہ قنوت نازلہ آپؐ نے فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے قومہ میں پڑھا ہے، کچھ لوگوں کے حق میں دعا فرمائی ہے اور کچھ کے حق میں بددعا کی ہے، سلمہ بن ہشامؓ: ابوجہل کے بھائی تھے اور ولید بن الولید: حضرت خالدؓ کے بھائی تھے، مکہ میں رہ گئے تھے اور کفار کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے، آپؐ نے ان کی اور دوسرے کمزور مسلمانوں کی جو ہجرت نہیں کر سکتے تھے گلوخلاصی کے لئے دعا فرمائی اور قبائل مضر کے حق میں قحط سالی کی بددعا کی۔

قولہ: وَأَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ دوسری حدیث ہے لیکن امام بخاریؒ کے پاس اسی سند سے ہے، اس لئے انھوں نے جیسا اپنے استاذ سے سنا اسی طرح نقل کر دیا، اور اس سے اس طرف اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ دشمنانِ اسلام کے حق میں قحط سالی کی بددعا اس وقت جائز ہے جب وہ برسر پیکار ہوں اور جن لوگوں سے مصالحت ہو ان کے لئے ایسی بددعا مناسب نہیں، یہاں جن دو قبیلوں کا ذکر ہے ان میں قبیلہ غفار بہت پہلے اسلام قبول کر چکا تھا اور قبیلۂ اسلم سے معاہدہ ہو چکا تھا اس لئے ان کے حق میں دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے۔

[۱۰۰۷-] حدثنا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ح: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوْقٍ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللهِ، فَقَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمَّا رَأَى مِنَ النَّاسِ إِدْبَارًا قَالَ: " اللَّهُمَّ سَبْعًا كَسَبْعِ يُوْسُفَ" فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلَّ شَيْئٍ، حَتَّى أَكَلُوْا الْجُلُوْدَ وَالْمَيْتَةَ وَالْجِيَفَ، وَيَنْظُرُ أَحَدُهُمْ إِلَى السَّمَاءِ، فَيَرَى الدُّخَانَ مِنَ الْجُوْعِ، فَأَتَاهُ أَبُوْ سُفْيَانَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ تَأْمُرُ بِطَاعَةِ اللهِ وَبِصِلَةِ الرَّحِمِ، وَإِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوْا، فَادْعُ اللهَ لَهُمْ، قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِيْنٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿إِنَّكُمْ عَائِدُوْنَ، يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى﴾ [الدخان: ۱۰-۱۶] فَالْبَطْشَةُ يَوْمَ بَدْرٍ، فَقَدْ مَضَتِ الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ وَآيَةُ الرُّوْمِ.

[انظر: ۱۰۲۰، ۴۶۹۳، ۴۷۶۷، ۴۷۷۴، ۴۸۰۹، ۴۸۲۰، ۴۸۲۱، ۴۸۲۲، ۴۸۲۳، ۴۸۲۴، ۴۸۲۵]

ترجمہ: مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، انھوں نے فرمایا: جب نبی ﷺ نے لوگوں کا (اسلام سے) پشت پھیرنا دیکھا تو آپؐ نے بددعا کی: اے اللہ! ان پر یوسف علیہ السلام کے سات سالہ قحط کی طرح سات سالہ قحط مسلط فرما! پس ان کو ایسے قحط نے پکڑ لیا جس نے ہر چیز کو ختم کر دیا، یہاں تک کہ انھوں نے چمڑے،

مرداراور بدبودار چیزیں کھائیں (مراہوا جانور ابتدائی مرحلہ میں میتۃ ہے اور جب وہ بدبودار ہو جائے تو جیفۃ ہے) اور ان میں سے ایک شخص آسمان کی طرف دیکھتا تھا پس وہ بھوک کی وجہ سے دھواں دیکھتا تھا، پس آپؐ کے پاس ابوسفیان آیا، اور اس نے عرض کیا: اے محمد! آپ اللہ کی اطاعت اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور آپؐ کی قوم ہلاک ہو چکی ہے، پس آپؐ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے دعا فرمائیں، سورۃ الدخان (آیات ۱۰ تا ۱۶) میں اللہ عزوجل نے یہی مضمون بیان فرمایا ہے:

آیاتِ دخان کا ترجمہ: پس انتظار کرو اس دن کا جب آسمان واضح دھواں لائے گا، جو سب لوگوں کو عام ہو جائے گا، یہ دردناک عذاب ہے، اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دور فرما! ہم ضرور ایمان لے آئیں گے، ان کو نصیحت کہاں حاصل ہوگی؟ اور ان کے پاس واضح شان والا رسول آچکا ہے، پھر ان لوگوں نے اس سے سرتابی کی، اور کہا: سکھلایا ہوا (پڑھا لکھا) پاگل ہے، ہم چند روز کے لئے اس عذاب کو ہٹا ئیں گے مگر تم پلٹ جاؤ گے، جس دن ہم سخت پکڑ پکڑیں گے: اس دن ہم پورا پورا بدلہ لیں گے۔

بڑی پکڑ: بدر کا دن ہے، پس یقیناً دخان، بطشہ، لزام اور روم والی پیشین گوئی پوری ہو چکی ہے۔

تشریحات:

۱- دخان مبین (واضح دھوئیں) کے بارے میں دو رائیں ہیں:

ایک: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے ہے، ان کے نزدیک واضح دھویں کی پیشین گوئی پوری ہو چکی ہے، ان کے نزدیک اس پیشین گوئی کا مصداق مکہ کا سات سالہ قحط تھا، جو نبی ﷺ کی بددعا سے ان پر مسلط کیا گیا تھا، جس سے وہ بھوکوں مرنے لگے تھے، چمڑے، مردار اور ہڈیاں تک ان کو کھانی پڑی تھیں اور بھوک کی شدت سے ان کو آسمان و زمین کے درمیان دھواں نظر آتا تھا۔

اور دوسری رائے حضرات علی، ابن عباس، ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی ہے، ان کے نزدیک یہ علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت ہے، جو قیامت کے قریب ظاہر ہوگی، وہ دھواں مؤمنین کے لئے ایک طرح کا زکام پیدا کرے گا اور کافر کے سارے وجود میں بھر جائے گا، یہاں تک کہ اس کے کان، آنکھ اور تمام مسامات سے نکلے گا۔

تطبیق: اور دونوں قولوں میں تطبیق یہ ہے کہ دھویں دو ہیں: ایک: دخان مبین: واضح دھواں، دوم: محض دخان، علاماتِ قیامت میں یہ دوم ہے، اول کا ذکر سورۃ الدخان میں ہے اور دوم کا تذکرہ قرآن میں نہیں ہے صرف حدیثوں میں ہے، اور یہ بات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، فرماتے ہیں: "دخان دو ہیں: ایک گذر چکا اور دوسرا جو باقی ہے وہ آسمان و زمین کی درمیانی فضاء کو بھر دے گا اور مؤمن کو اس سے صرف زکام کی کیفیت پیدا ہوگی اور کافر کے تمام منافذ کو پھاڑ ڈالے گا، یہ روایت روح المعانی میں ہے، میرے خیال میں یہ بہترین تطبیق ہے۔

اور اسی حدیث میں آگے (۴۷۷۴) یہ بھی ہے کہ ایک واعظ اپنے وعظ میں کہہ رہا تھا کہ زمین سے دھواں نکلے گا اور وہ

کفار کے کانوں کو پکڑ لے گا اور مؤمن کو زکام کی طرح محسوس ہوگا، جب اس کی خبر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ غضب ناک ہوئے اور فرمایا: جب تم میں سے کسی سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جسے وہ جانتا ہے تو چاہئے کہ وہ بات کہے اور جب اس سے کسی ایسی بات کے بارے میں پوچھا جائے جسے وہ نہیں جانتا تو چاہئے کہ کہے: اللہ بہتر جانتے ہیں، حضرت ابن مسعودؓ نے واعظ پر رد اس لئے کیا کہ وہ سورۂ دخان کی آیات کی تفسیر میں یہ بات بیان کر رہا تھا جو غلط ہے، اُس دخان کا تذکرہ صرف حدیثوں میں ہے، اور سورۃ الدخان والا دھواں گذر چکا ہے۔

۲- ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: چار پیشین گوئیاں پوری ہوچکی ہیں، اور آئندہ حدیث (نمبر ۴۷۶۷) میں ہے کہ پانچ پیشین گوئیاں پوری ہوچکی ہیں: ایک: دھویں کی پیشین گوئی جو مذکورہ آیات میں ہے، دوسری: شق القمر کی پیشین گوئی جس کا تذکرہ سورۃ القمر کے شروع میں ہے، تیسری: سخت پکڑ کی پیشین گوئی جس کا ذکر مذکورہ آیات میں ہے، چوتھی: وبال آنے کی پیشین گوئی جس کا ذکر سورۃ الفرقان کی آخری آیت میں ہے، پانچویں: رومیوں کے دوبارہ جیتنے کی پیشین گوئی جس کا ذکر سورۃ الروم کے شروع میں ہے۔

بَابُ سُؤَالِ النَّاسِ الإِمَامَ الإِسْتِسْقَاءَ إِذَا قَحَطُوْا

لوگوں کا امیر المؤمنین سے بارش طلبی کی درخواست کرنا جب وہ قحط سالی سے دوچار ہوں

جب قحط سالی کے آثار ظاہر ہوں تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ امیر المؤمنین سے درخواست کریں تا کہ وہ نماز استسقاء کا انتظام کرے، لوگوں کو شہر سے نکلنے کا حکم دے اور نماز استسقاء پڑھ کر دعا کرے، یہ سارے انتظامات گورنمنٹ کے ذمے ہیں، لوگ اپنے طور پر یہ انتظامات نہیں کر سکتے، اور غیر اسلامی حکومت میں یہ انتظامات لوگ خود کریں، فقہی جزئیہ ہے: یصیر القاضي قاضیا بتراضي المسلمین: مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

[۳-] بَابُ سُؤَالِ النَّاسِ الإِمَامَ الإِسْتِسْقَاءَ إِذَا قَحَطُوْا

[۱۰۰۸-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ قُتَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ أَبِيْ طَالِبٍ:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ❁ ثِمَالَ الْيَتَامٰى عِصْمَةً لِلْأَرَامِلِ

[انظر: ۱۰۰۹]

[۱۰۰۹-] وَقَالَ عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنَا سَالِمٌ، عَنْ أَبِيْهِ: وَرُبَّمَا ذَكَرْتُ قَوْلَ الشَّاعِرِ، وَأَنَا أَنْظُرُ إِلٰى وَجْهِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَسْتَسْقِيْ، فَمَا يَنْزِلُ حَتّٰى يَجِيْشَ كُلُّ مِيْزَابٍ:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ❁ ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

وَهُوَ قَوْلُ أَبِي طَالِبٍ. [راجع: ۱۰۰۸]

وضاحت: نبی ﷺ کے چچا ابو طالب کے آپ کی شان میں چند اشعار ہیں، جو انھوں نے شعب ابی طالب میں محصور ہونے کے زمانہ میں کہے ہیں، ان اشعار میں انھوں نے اپنی اور اپنے نسب کی اہمیت اور اپنی سیادت ثابت کی ہے، پھر نبی ﷺ کی حمایت ونصرت اور اس کے اسباب کا ذکر کیا ہے پھر آپ کی مدح کی ہے اور مخالفت کرنے والوں کو برے انجام سے ڈرایا ہے، حدیث میں مذکور شعر اُن مدحیہ اشعار میں سے ایک ہے:

ترکیب ولغات: ابیض، ثِمال اور عِصمۃ کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اور مرفوع بھی، منصوب پڑھنے کی صورت میں سَیِّدًا پر عطف ہوگا جس کا تذکرہ سابقہ اشعار میں ہے[1] اور مرفوع پڑھنے کی صورت میں مبتدا محذوف کی خبر ہونگے، ترجمہ اس دوسری تقدیر پر کیا ہے۔ ...... أبیض: سفید، گورا ...... بوجهه: ب توسل کی ہے، ان کے چہرے کے طفیل ...... الثِّمال: فریادرس، ملجا وماوی ...... عِصْمَة: محفوظ رکھنا، عَصَمَ اللهُ فلاناً من الشر: اللہ تعالیٰ فلاں کی شر سے حفاظت فرمائیں ...... ارامل: أَرْمَلَة کی جمع: بیوہ عورت۔

حدیث: عبداللہ بن دینار کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ابو طالب کا درج ذیل شعر پڑھتے ہوئے سنا: وہ ایسے گورے ہیں جن کے چہرے کے طفیل میں بارش طلب کی جاتی ہے ÷ وہ یتیموں کی پشت پناہ اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔

اور دوسری حدیث میں ہے، ابن عمرؓ فرماتے ہیں: اور کبھی مجھے شاعر کی بات یاد آتی ہے جبکہ میں نبی ﷺ کے چہرہ کی طرف بارش طلبی کے وقت دیکھ رہا ہوتا ہوں، پس آپ منبر سے نہیں اترتے تھے یہاں تک کہ ہر پرنالہ بہنے لگتا تھا اور وہ ابو طالب کا شعر ہے۔

---

(۱) اس سے پہلے اور بعد کے اشعار یہ ہیں:

وَمَا تَرْكُ قَوْمٍ - لَا أَبَالَكَ- سَيِّدًا ❁ يَحُوطُ الذِّمَارَ بَيْنَ بَكْرِ بْنِ وَائِلِ

اور لوگوں نے — تیرا باپ نہ رہے — کیسے سردار کو چھوڑ دیا ÷ جو قبیلۂ بکر بن وائل کے حرم (قابل حفاظت چیزوں کی) نگہبانی کرتا ہے۔

درمیان کے شعر کا ترجمہ: چھوڑ دیا انھوں نے گورے کو، جس کے چہرے کے طفیل سے بارش طلب کی جاتی ہے ÷ جو یتیموں کا ٹھکانہ اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہے۔

يَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ ❁ فَهُمْ عِنْدَهُ فِي نِعْمَةٍ وَفَوَاضِلِ

اس کی پناہ لیتے ہیں بنو ہاشم کے تباہ حال لوگ　　پس وہ اس کے پاس نعمتوں اور عمدہ حالت میں ہیں

ملحوظہ: دوسری حدیث (نمبر ۱۰۰۹) معلق ہے، یہ حدیث موصولاً ابن ماجہ میں ہے، اور عمرو بن حمزہ جو حضرت سالم کا بھتیجا ہے: بہت مضبوط راوی نہیں۔

تشریح: شارحین نے نبی ﷺ کے بچپن کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ عبدالمطلب کے زمانہ میں مکہ میں ایک مرتبہ قحط پڑھا تو انھوں نے آپ کو اٹھا کر دعا کی تھی، اس وقت آپ کی برکات کا مشاہدہ ہوا اور خوب بارش ہوئی، ابو طالب نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابو طالب نے آپ پر اللہ عزوجل کی ہزاروں نعمتوں کو دیکھ کر از خود یہ مضمون باندھا ہو، اس کے پس منظر میں کسی واقعہ کا ہونا ضروری نہیں۔

مناسبت: بخاری کے شارح قسطلانی رحمہ اللہ نے حدیث کی باب سے مناسبت یہ بیان کی ہے کہ جب لوگ آپ کے واسطہ سے دعا کرتے تھے اور اللہ ان کو بارش عطا فرماتے تھے تو اگر لوگ آپ کے زمانہ میں آپ سے بارش طلبی کی درخواست کریں اور آپ لوگوں کی درخواست پر اللہ سے بارش مانگیں تو اس میں کیا حرج ہے! لوگوں کو ایسا کرنا ہی چاہئے (یہ بات حاشیہ میں ہے)

[۱۰۱۰-] حدثنا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ: عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُثَنّٰى، عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوْا اسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رضی اللہ عنہ، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صلی اللہ علیہ وسلم فَتَسْقِيْنَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ: فَيُسْقَوْنَ. [انظر: ۳۷۱۰]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب قحط پڑتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے بارش طلب کرتے تھے، آپؓ کہتے تھے: اے اللہ! ہم آپ کی نزدیکی حاصل کیا کرتے تھے، ہمارے نبی ﷺ کے ذریعہ، پس آپ ہمیں بارش عطا فرماتے تھے اور بے شک ہم آپ کی نزدیکی حاصل کرتے ہیں ہمارے نبی ﷺ کے چچا کے ذریعہ، پس آپ ہمیں بارش عطا فرمائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پس وہ پلائے جاتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ بارش عنایت فرماتے تھے۔

تشریح: پہلے وسیلہ اور توسل کے لغوی اور اصطلاحی معنی سمجھنے چاہئیں، وسیلہ کے لغت میں متعدد معانی ہیں، مثلاً: ذریعہ، واسطہ، مقام و مرتبہ، قرب و تقرب اور جنت میں رسول اللہ ﷺ کا خاص درجہ اور مقام۔ اور توسَّل فلانٌ إلی اللہ تعالیٰ بکذا کے معنی ہیں: فلاں شخص نے اللہ تک پہنچنے کے لئے فلاں چیز کو ذریعہ بنایا، اور اصطلاحی معنی ہیں: کسی نیک عمل یا کسی نیک بندے کو دعا میں اللہ سے نزدیکی کا ذریعہ بنانا، یعنی اللہ تعالیٰ سے یہ التماس کرنا کہ میں نے فلاں نیک عمل کیا ہے یا فلاں نیک بندے سے میرا تعلق ہے اس لئے میری دعا قبول فرما۔

توسل (وسیلہ پکڑنا) واجب نہیں، جائز یا مستحب ہے، توسل سے قبولیت دعا کی امید قائم ہوتی ہے، جیسے ایک جدید طالب علم داخلہ لینے کے لئے آیا، اس نے مہتمم صاحب سے کہا: میں فلاں کا بیٹا ہوں جو آپ کے خاص شاگرد ہیں، میں داخلہ لینے آیا ہوں پس مہتمم صاحب اس کی کچھ نہ کچھ رعایت کریں گے۔

اور توسل تین چیزوں سے کیا جاتا ہے، دو میں کوئی اختلاف نہیں اور ایک میں اختلاف ہے۔

اول: اپنے کسی نیک عمل سے توسل کرنا جیسے قرآنِ کریم ختم کیا، اب اگر کوئی شخص اس کا توسل کرے، اور کہے: اے اللہ! میں نے آپ کا کلام پاک پورا کیا ہے، اس کے وسیلہ سے یعنی اس کی برکت سے میری دعا قبول فرما تو یہ توسل بالاتفاق جائز ہے، اور دلیل غار والے تین شخصوں کا واقعہ ہے، یہ حدیث بخاری شریف میں پانچ مرتبہ آئی ہے (حدیث ۲۲۱۵ وغیرہ) ان تینوں نے اپنے نیک اعمال سے توسل کیا تھا۔

دوم: کسی زندہ نیک آدمی کا توسل کرنا جیسے کوئی نیک بندہ ہے اور زندہ ہے، اب اگر کوئی اس طرح دعا کرے کہ اے اللہ! آپ کا یہ بندہ نیک ہے اس کے وسیلہ سے یعنی اس کی برکت سے میری دعا قبول فرما تو یہ بھی بالاجماع جائز ہے، اور دلیل باب کی حدیث ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کا توسل کیا تھا اور وہ اس وقت زندہ تھے۔

سوم: مرے ہوئے نیک بندے کا توسل کرنا، اللہ کا کوئی نیک بندہ دنیا سے گذر گیا اور اس کا ایمان پر دنیا سے گذرنا یقینی ہے، جیسے ہمارے آقا ﷺ دنیا سے گذر گئے، آپ بالیقین اللہ کے نیک بندے تھے اب اگر کوئی دعا کرے کہ اے اللہ! نبی پاک ﷺ کے وسیلہ سے یعنی برکت سے میری دعا قبول فرما تو یہ توسل نجدی اور غیر مقلدین کے نزدیک جائز نہیں اور چاروں ائمہ کے ماننے والے کہتے ہیں: یہ توسل بھی جائز ہے، ایسا توسل اگرچہ واجب نہیں مگر حرام بھی نہیں، اور نجدی اور غیر مقلدین توسل کی اس قسم کو حرام کہتے ہیں وہ مذکورہ حدیث کے مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہیں۔ اور کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے، اور مفہوم مخالف حجت نہیں، وہ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز استسقاء کے بعد اس طرح دعا کی تھی: اے اللہ! جب تک آپ کے رسول دنیا میں تھے تو ہم ان کا توسل کرتے تھے، اب حضور ﷺ دنیا میں نہیں رہے پس ہم ان کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل کرتے ہیں: الٰہی! ہمیں بارش عطا فرما! یہ حضرات کہتے ہیں: اگر وفات کے بعد نیک آدمی کا توسل جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کا توسل کرتے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل کیوں کرتے؟ معلوم ہوا کہ مرے ہوئے نیک آدمی کا توسل جائز نہیں۔

جواب: اولاً: یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے، جو احناف کے نزدیک نصوص میں حجت نہیں، ثانیاً: بخاری شریف کی یہ روایت مختصر ہے، اور امام بخاریؒ اس روایت میں منفرد ہیں، باقی کتب ستہ میں یہ روایت نہیں ہے، اور پوری روایت عمدۃ القاری میں ہے اس میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا: اے اللہ! جب تک حضور اکرم ﷺ دنیا میں تھے ہم آپؐ سے دعا کراتے تھے اور آپ ہمیں بارش عطا فرماتے تھے، اب حضور ﷺ نہیں رہے، البتہ ہمارے درمیان آپؐ کے چچا ہیں ہم ان سے

دعا کراتے ہیں، پھر حضرت عباسؓ سے کہا: آیئے اور دعا فرمایئے! اور حضرت عمرؓ پیچھے ہٹ گئے، اور حضرت عباسؓ نے دعا کروائی اور مجمع نے آمین کہی، حضرت عباسؓ نے اس موقع پر جو دعا کی تھی وہ بھی عمدۃ القاری میں ہے، اور حاشیہ میں وہ منقول ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہاں توسل دعا کرانے کے معنی میں ہے، اور دعا ظاہر ہے زندہ ہی سے کرائی جائے گی۔

اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ زندہ نیک آدمی کا توسل بالاتفاق جائز ہے جبکہ وہ کسی بھی وقت گمراہ ہوسکتا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: إنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عليه الفِتنةُ: زندہ شخص کسی بھی وقت فتنہ کا شکار ہوسکتا ہے، یعنی کسی بھی وقت گمراہ ہوسکتا ہے پس جب اس کا توسل جائز ہے تو جو بالیقین ایمان پر گذر گیا، جیسے حضور اکرم ﷺ، ان کا توسل کیوں جائز نہیں، مگر یہ بات یاد رہے کہ توسل صرف جائز ہے، فرض یا واجب نہیں، اس لئے یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں۔ لوگ عام طور پر توسل نہیں کرتے کسی خاص موقع ہی پر توسل کرتے ہیں، اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ اس لئے چھیڑا تھا کہ بدعتی توسل کو فرض قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک بزرگوں کے توسل کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی، اس لئے علامہ ابن تیمیہؒ کے موقف میں شدت آگئی، اور انھوں نے حضور ﷺ کے توسل کو بھی ناجائز کہہ دیا، یہ بات ان کی مزاجی شدت کا نتیجہ تھی۔

مناسبت: اور حدیث کی باب سے مناسبت ظاہر ہے، لوگوں نے وقت کے امیر المؤمنین (حضرت عمرؓ) سے درخواست کی، اگر حقیقۃً نہیں کی تو حکماً کی، کیونکہ لوگوں کی مصلحت کا خیال رکھنا حاکم کی ذمہ داری ہے۔

ملحوظہ: سند میں عبداللہ: أبی کا عطف بیان ہے، اس لئے مرفوع ہے، ابو عبداللہ: کنیت نہیں ہے۔

بابُ تَحْوِيْلِ الرِّدَاءِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

بارش طلبی کے موقعہ پر چادر پلٹنا

نماز استسقاء میں ایک عمل یہ ہے کہ دعا کے وقت چادر پلٹی جاتی ہے، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک خطبہ کے شروع میں اور دیگر ائمہ کے نزدیک خطبہ کا کچھ حصہ گذرنے کے بعد چادر پلٹی جاتی ہے، اور یہ چادر پلٹنا تفاؤلاً (نیک فالی کے طور پر) ہے، یعنی بندے زبانِ حال سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم اپنے حالات پلٹ رہے ہیں آپ بھی اپنا فیصلہ پلٹیں، اور چادر تنہا امام پلٹے گا، مقتدی نہیں پلٹیں گے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور چادر پلٹنا جمہور کے نزدیک بشمول صاحبین سنت ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں۔ یہاں بھی امام اعظم کے قول کا مطلب یہ ہے کہ چادر پلٹنا مشروع تو ہے مگر نماز استسقاء کا جزء نہیں۔ اور جمہور اس کو جزء مانتے ہیں، ان کا استدلال باب کی حدیث سے ہے، اس میں قلب رداء کا ذکر ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ فعل عبادت کے طور پر نہیں تھا بلکہ تفاؤل کے طور پر تھا، علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں اس مضمون کی کئی روایتیں ذکر کی ہیں، پس اس سے قلب رداء کا جواز تو ثابت ہوگا مگر اس کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوگا اور یہ بھی ایک قرینہ ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول لا صلوٰۃ فی الاستسقاء کا جو مطلب عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ امام اعظمؒ نماز

استسقاء کی مشروعیت ہی کے قائل نہیں: یہ بات صحیح نہیں، اگر آپ کے نزدیک نماز استسقاء مشروع نہ ہوتی تو قلب رداء میں اختلاف کے کیا معنی!

[٤-] بابُ تَحْوِيلِ الرِّدَاءِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

[١٠١١-] حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اسْتَسْقَى فَقَلَبَ رِدَاءَهُ.

[راجع: ١٠٠٥]

[١٠١٢-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، إِنَّهُ سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيمٍ يُحَدِّثُ أَبَاهُ، عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى فَاسْتَسْقَى، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، وَقَلَبَ رِدَاءَهُ، وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ: كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ: هُوَ صَاحِبُ الْأَذَانِ، وَلَكِنَّهُ وَهِمَ فِيهِ لِأَنَّ هَذَا عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدِ ابْنِ عَاصِمٍ الْمَازِنِيُّ، مَازِنُ الْأَنْصَارِ. [راجع: ١٠٠٥]

وضاحت: اس باب میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی وہی روایت دوسندوں سے ذکر کی ہے جو استسقاء کے شروع میں آئی ہے، پہلے نماز کا ذکر نہیں تھا یہاں ہے، اور قلب رداء کا ذکر وہاں بھی تھا اور یہاں بھی ہے۔

راوی کا تعارف: عبداللہ بن زیدؓ دو ہیں: ایک: اذان والے عبداللہ ہیں اور ان کے دادا کا نام عبدربہ ہے اور دوسرے: وضو والے عبداللہ ہیں ان کے دادا کا نام عاصم ہے، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: یہ اذان والے عبداللہ بن زید ہیں، امام بخاریؒ فرماتے ہیں: یہ سفیانؒ کا وہم ہے، یہ عبداللہ بن زید بن عبدربہ نہیں ہیں، بلکہ عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی ہیں۔

اور مازن نام کے قبیلے عرب میں بہت ہیں، جیسے ہندوستان میں رام پور بہت ہیں، اور امتیاز کرنے کے لئے قوم کا یا قریب کی بستی کا نام اس کے ساتھ جوڑتے ہیں جیسے رام پور اسٹیٹ، اسی طرح عبداللہ بن زید انصار کے قبیلۂ مازن کے ہیں۔

سند کا بیان: حدیث نمبر ۱۰۱۲ کی سند میں سفیان بن عیینہ کے بعد عن عبد اللہ بن ابی بکر ہے، اور گیلری میں قال عبد اللہ بن ابی بکر ہے، اور یہی نسخہ انسب ہے، سند کا اصل قصہ فتح الباری میں ہے: قال سفیان: حدثنا المسعودی، ویحیی بن سعید، عن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، قال سفیان: فقلت لعبد اللہ — ای ابن ابی بکر — حدیث حدثناہ یحیی والمسعودی عن أبیك عن عباد بن تمیم، فقال عبد اللہ بن ابی بکر: سمعتُه أنا من عباد یحدث أبی، عن عبد اللہ بن زید (فتح ۲:۴۹۹)

بَابُ انْتِقَامِ الرَّبِّ عَزَّوَجَلَّ مِنْ خَلْقِهِ بِالْقَحْطِ إِذَا انْتُهِكَ مَحَارِمُهُ

جب حرام کاموں کی پردہ دری کی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو قحط سالی کے ذریعہ سزا دیتے ہیں

قحط سالی کبھی لوگوں کے گناہوں کی سزا کے طور پر بھی ہوتی ہے، پس بارش طلب کرنے سے پہلے گناہوں سے توبہ ضروری ہے، ابن ماجہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ قحط سالی کبھی ناپ تول میں کمی کرنے کی وجہ سے اور کبھی زکاۃ نہ دینے کی وجہ سے ہوتی ہے، جب کسی قوم میں عام طور پر یہ دو گناہ ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش روک دیتے ہیں، ارشاد فرمایا: ”جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو وہ قحط سالی، شدید پریشانی اور بادشاہوں کے ظلم وستم کا نشانہ بنتی ہے، اور جب لوگ اپنے مالوں میں سے اللہ کا حق یعنی زکات ادا نہیں کرتے تو ان کو بارش سے محروم کردیا جاتا ہے، اگر چوپائے نہ ہوں تو انہیں بارش کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہو“ لہٰذا جب قحط سالی کے آثار نمایاں ہوں تو لوگ گناہوں سے خاص طور پر ناپ تول میں کمی کرنے سے توبہ کریں، شہر سے باہر نکل کر نماز استسقاء پڑھ لینا کافی نہیں، بارش طلبی کے لئے گناہوں سے پوری طرح باز آنا ضروری ہے، یہ اس باب کا مقصد ہے اور اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی حدیث ذکر نہیں کی، حضرت کے پاس شرط کے مطابق کوئی حدیث نہیں ہوگی، اس لئے کوئی حدیث ذکر نہیں کی، اور ترجمہ رکھ کر اسباب قحط اور اس سے بچاؤ کا طریقہ بیان کردیا۔

[۵-] بَابُ انْتِقَامِ الرَّبِّ عَزَّوَجَلَّ مِنْ خَلْقِهِ بِالْقَحْطِ إِذَا انْتُهِكَ مَحَارِمُهُ

انتقام (مصدر) کے معنی ہیں: بدلہ لینا، یعنی سزا دینا، اور اِنْتَهَكَ الْحُرُمَاتِ / الْمُحَرَّمَاتِ کے معنی ہیں: تقاضۂ حرمت کی خلاف ورزی کرنا۔ جب حرام کاموں کا ارتکاب کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ قحط کے ذریعہ بندوں کو سزا دیتے ہیں، یعنی بداعمالیاں قحط کے اسباب ہیں، لہٰذا بارش طلبی سے پہلے گناہوں سے توبہ ضروری ہے، محض نماز استسقاء اور دعاء کارگر نہ ہوگی۔

بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ

جامع مسجد میں بارش طلبی

بارش طلبی کے لئے آبادی سے باہر نکلنا ضروری نہیں، جامع مسجد میں بھی بارش کی دعا کی جاسکتی ہے، کبھی آبادی سے باہر کوئی ایسی موزوں جگہ نہیں ہوتی جہاں سارے لوگ جمع ہوکر نماز استسقاء پڑھیں، ایسی صورت میں جامع مسجد ہی میں نماز پڑھ کر دعا کرسکتے ہیں، اس لئے کہ استسقاء کی حقیقت دعا ہے اور دعا مسجد میں بھی کی جاسکتی ہے، پہلے حدیث گذری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، اچانک ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے دورانِ خطبہ بارش کی دعا کرنے کی

درخواست کی، آپ نے خطبہ ہی میں دعا فرمائی جس کا اثر فوراً ظاہر ہوا اور لوگ بھیگتے ہوئے گھر لوٹے، معلوم ہوا کہ جامع مسجد میں بھی بارش کی دعا کی جاسکتی ہے۔

[۶-] بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ

[۱۰۱۳-] حدثنا مُحَمَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَذْكُرُ: أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ بَابٍ كَانَ وُجَاهَ الْمِنْبَرِ، وَرَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَائِمٌ يَخْطُبُ، فَاسْتَقْبَلَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَائِمًا، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ، وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللهَ أَنْ يُغِيثَنَا. قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدَيْهِ فَقَالَ: "اللَّهُمَّ اسْقِنَا، اللَّهُمَّ اسْقِنَا" قَالَ أَنَسٌ: فَلَا وَاللهِ! مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَلَا قَزَعَةً وَلَا شَيْئًا، وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ بَيْتٍ وَلَا دَارٍ، قَالَ: فَطَلَعَتْ مِنْ وَرَائِهِ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ، فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَاءَ انْتَشَرَتْ، ثُمَّ أَمْطَرَتْ، قَالَ: وَاللهِ! مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سَبْتًا، ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذَلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ، وَرَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَائِمٌ يَخْطُبُ، فَاسْتَقْبَلَهُ قَائِمًا، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ، وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللهَ أَنْ يُمْسِكَهَا، قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: "اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اللَّهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالْجِبَالِ وَالظِّرَابِ وَالْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ" قَالَ: فَانْقَطَعَتْ، وَخَرَجْنَا نَمْشِي فِي الشَّمْسِ. قَالَ شَرِيكٌ: فَسَأَلْتُ أَنَسًا: أَهُوَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي.

[راجع: ۹۳۲]

وضاحت: یہ حدیث پہلے گذری ہے......... قولہ: من باب کان وُجاہ المنبر: الوُجاہ: جانب، سمت، داری وِجاہَ دارك: میرا گھر آپ کے گھر کے سامنے ہے......... مسجد نبوی کے کئی دروازے تھے وہ شخص جس نے دعا کی درخواست کی تھی منبر کے سامنے والے دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا تھا، اس وقت آپ خطبہ دے رہے تھے اور اس نے خطبہ کے دوران ہی درخواست کی تھی......... فاستقبل رسولَ اللهِ قائما: اس شخص نے کھڑے ہوئے سامنا کیا اور درخواست کی......... هلکت الأموال: اموال سے جانور مراد ہیں......... وانقطعت السبل: آمد ورفت بند ہوگئی، عربوں کی معیشت کا مدار اسفار پر تھا، جزیرۃ العرب میں کچھ پیدا نہیں ہوتا، اور سفر اسی وقت ممکن ہے جب راستہ میں جانوروں کے لئے چارہ پانی ہو، لمبے سفر میں گھاس چارہ اور پانی ساتھ لے کر نہیں چل سکتے، اور قحط سالی کی وجہ سے راستے خشک ہوگئے تھے، گھاس پانی سب ختم ہو چکا تھا اس لئے سفر بند ہوگیا......... فادع الله أن یغیثنا: إغاثة کے معنی ہیں: مدد کرنا، فریادرسی کرنا، بارش طلب کرنا......... قوله: ما نری فی السماء من سحاب ولا قزعة ولا شیئا: سَحَابَة: بڑا بادل، قَزَعَة: چھوٹا

بادل، بدلی شیئاً: اس سے بھی چھوٹی کوئی چیز، ہمیں آسمان میں نظر نہیں آرہی تھی، آسمان بالکل صاف تھا......... **قولہ: وما بیننا وبین سَلْعٍ**: مدینہ سے باہر قریب میں ایک پہاڑی ہے اس کا نام سلع ہے جہاں خندق کھودی گئی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسجد نبوی اور سلع پہاڑی کے درمیان کوئی گھر اور کوئی مکان نہیں تھا کہ دیکھنے میں غلطی ہو......... **قولہ: فطلعت من ورائہ**: سلع پہاڑی کے پیچھے سے ایک چھوٹی سی بدلی اٹھی جو اوپر آکر پھیل گئی اور بارش شروع ہوگئی.........

قولہ: مثل الترس: ڈھال کی طرح......... **ماراینا الشمس سبتاً**: ہم نے ہفتہ تک سورج نہیں دیکھا، پورا ہفتہ بارش ہوتی رہی......... **ھلکت الأموال**: سیلاب سے جانور مر رہے ہیں......... **وانقطعت السبل**: آمد ورفت بند ہوگئی ہے، جگہ جگہ پانی بھر گیا ہے......... **اللّٰھم حوالینا ولا علینا**: اے اللہ! ہمارے اردگرد برسے، ہم پر نہ برسے......... **اللّٰھم علی الآکام والجبال والظراب والأودیۃ ومنابت الشجر**: **آکام**: الأکمۃ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: ٹیلہ، **الظراب**: پھیلا ہوا پہاڑ، جبال اور ظراب میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، جبال عام ہے مطلق پہاڑ اور ظراب خاص ہے پھیلا ہوا پہاڑ، **الأودیۃ**: وادی کی جمع ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کی روایت جو آگے آرہی ہے اس میں **بُطون الأودیۃ** ہے، دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان جو کھلا میدان ہوتا ہے وہ وادی کہلاتا ہے، یعنی ڈھلان والے میدان میں برسے تاکہ وہاں پانی جمع ہو اور لوگ فائدہ اٹھائیں، **منابت الشجر**: درخت اگنے کی جگہیں یعنی جنگل میں برسے۔

فائدہ: حاشیہ میں لکھا ہے کہ اللہ کی رحمت کو روکنے کے لئے دعا نہیں کرنی چاہئے بارش اللہ کی رحمت ہے، اس کے بند ہونے کی دعا نہیں کرنی چاہئے اور ضرورت نہ ہو تو جگہیں پھیر دیں، نبی ﷺ نے بارش بند ہونے کی دعا نہیں کی، بلکہ یہ فرمایا: اے اللہ! ہم پر نہ برسے، ٹیلوں پر، عام پہاڑوں پر، پھیلے ہوئے پہاڑوں پر، وادیوں میں اور جنگل میں برسے تاکہ کسی کا نقصان نہ ہو......... **اللّٰھم حوالینا**: یہ مدینہ والوں کے لئے دعا ہے، اور چاروں طرف جو آس پاس بستیاں ہیں ان کے لئے بددعا ہے، اس لئے نبی ﷺ نے حوالینا کی تفسیر کی کہ ان جگہوں میں جہاں انسان آباد نہیں ہیں: برسے۔

بَابُ الْإِسْتِسْقَاءِ فِيْ خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةِ

قبلہ کی طرف رخ پھیرے بغیر جمعہ کے خطبہ میں بارش طلب کرنا

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ بارش طلبی کے لئے نماز ہی ضروری نہیں، خطبۂ جمعہ میں بھی بارش طلب کی جاسکتی ہے، اور دعا کے وقت امام کا قبلہ کی طرف متوجہ ہونا بھی ضروری نہیں، وہ اپنی حالت پر برقرار رہ کر یعنی لوگوں کی طرف متوجہ رہ کر بھی دعا کرسکتا ہے، نبی ﷺ سے جب دعا کی درخواست کی گئی تھی تو آپ نے خطبہ کے دوران ہی دعا فرمائی تھی، آپ قبلہ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے، معلوم ہوا کہ دعا کے وقت قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں، اور نماز بھی ضروری نہیں، جمعہ کے خطبہ میں بھی دعا کرسکتے ہیں۔

[۷-] بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ فِيْ خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةِ

[۱۰۱٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ شَرِيْكٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَجُلاً دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ بَابٍ كَانَ نَحْوَ دَارِ الْقَضَاءِ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَائِمٌ يَخْطُبُ، فَاسْتَقْبَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَائِمًا، ثُمَّ قَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ، وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللّٰهَ يُغِيْثُنَا، فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "اللّٰهُمَّ أَغِثْنَا، اللّٰهُمَّ أَغِثْنَا، اللّٰهُمَّ أَغِثْنَا" قَالَ أَنَسٌ: وَلاَ وَاللّٰهِ مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَلاَ قَزَعَةٍ، وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ بَيْتٍ وَلاَ دَارٍ، قَالَ: فَطَلَعَتْ مِنْ وَرَائِهِ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ، فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَاءَ انْتَشَرَتْ، ثُمَّ أَمْطَرَتْ، فَلاَ وَاللّٰهِ مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سَبْتًا، ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذٰلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ[الْمُقْبِلَةِ] وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَائِمٌ يَخْطُبُ، فَاسْتَقْبَلَهُ قَائِمًا، فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ، وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللّٰهَ يُمْسِكْهَا عَنَّا، قَالَ: فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلاَ عَلَيْنَا، اللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ" قَالَ: فَأَقْلَعَتْ، وَخَرَجْنَا نَمْشِيْ فِي الشَّمْسِ، قَالَ شَرِيْكٌ فَسَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ: أَهُوَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ؟ فَقَالَ: مَا أَدْرِيْ. [راجع: ۹۳۲]

وضاحت: یہ وہی گذشتہ باب کی حدیث ہے، اس روایت میں یہ ہے کہ بارش کی درخواست کرنے والا شخص اس دروازے سے داخل ہوا تھا جو دار القضاء کی جانب تھا یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے اور حاشیہ میں دار القضاء نام کی تین وجوہ لکھی ہیں، پہلی وجہ: جو اصح ہے، یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنی ضرورت کے لئے جو لوگوں سے قرض لیا تھا وہ چھیاسی ہزار تھا، جب آپؓ کو زخمی کیا گیا تو آپؓ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ میرے ترکہ میں سے میرا قرض ادا کیا جائے۔ جب حضرتؓ کی وفات ہوگئی تو مسجد نبوی کے سامنے آپؓ کا جو مکان تھا ابن عمرؓ نے اس کو فروخت کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خریدا اور اس سے قرض ادا کیا گیا، اس لئے وہ مکان دار القضاء کہلایا، پس پورا جملہ ہے: دارُ قضاءِ دینِ عمر: اس کو مختصر کیا تو دار القضاء بن گیا۔

اور دوسرا قول حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کی نامزدگی کے لئے چھ آدمیوں کی کمیٹی بنائی تھی، اور آخر میں سارا اختیار حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مل گیا تھا، وہ اس گھر میں مدینہ منورہ کے بااثر لوگوں کو لے کر مشورے کرتے تھے اس لئے اس کا نام دار القضاء پڑا۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ بعد میں مروان اس گھر کا مالک ہوگیا، وہ اس میں رہتا تھا اور وہ گھر دار القضاء بن گیا تھا، مگر یہ آخری دونوں قول مرجوح ہیں، پہلا قول ہی راجح ہے۔

قوله: فاستقبل رسول الله قائمًا: قائمًا فاعل سے حال ہے، مفعول سے حال نہیں، یعنی سائل نے کھڑے ہوکر سوال کیا...... ثم قال: یارسول الله! یہ ثم ترکیب ذکری کے لئے ہے...... فادعُ اللهَ یُمسِکْھا عنا: ہم سے روک لیں، مطلق بارش بند کرانے کی درخواست نہیں کی تھی۔

بَابُ الإِسْتِسْقَاءِ عَلَى الْمِنْبَرِ

منبر سے بارش طلبی

اگر جمعہ کے خطبہ میں بارش کی دعا کی جائے تو ظاہر ہے امام منبر سے دعا کرے گا، دعا کرنے کے لئے امام کا منبر سے اترنا اور قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں، اور یہ باب ایک سوال کا جواب ہے: منبر پر ہونا تعلّی ہے اور تعلّی دعا کے مناسب نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا کہ یہ سنت سے ثابت ہے، نبی ﷺ نے منبر سے بارش کی دعا کی ہے، اور نص کے مقابل قیاس نہیں چلتا۔

[۸-] بَابُ الإِسْتِسْقَاءِ عَلَى الْمِنْبَرِ

[۱۰۱۵-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! قَحَطَ الْمَطَرُ فَادْعُ اللهَ أَنْ يَسْقِيَنَا، فَدَعَا فَمُطِرْنَا، فَمَا كِدْنَا أَنْ نَصِلَ إِلَى مَنَازِلِنَا، فَمَا زِلْنَا نُمْطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ، قَالَ: فَقَامَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! ادْعُ اللهَ أَنْ يَصْرِفَهُ عَنَّا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا" قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ السَّحَابَ يَتَقَطَّعُ يَمِيْنًا وَشِمَالًا، يُمْطَرُوْنَ وَلَا يُمْطَرُ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ.

[راجع: ۹۳۲]

وضاحت: قَحَطَ الْمَطَرُ: بارش رک گئی...... فما كِدْنا أن نَصِلَ إلى منازلنا: نہیں قریب تھے ہم کہ اپنے گھر پہنچیں یعنی گھر پہنچنا مشکل ہوگیا...... یتقطع یمینا وشمالا: بادل دائیں بائیں چھٹ گیا...... یُمطرون ولایُمطر أهل المدینة: چاروں طرف بارش ہورہی تھی اور مدینہ میں بارش نہیں ہورہی تھی۔

بَابُ مَنِ اكْتَفَى بِصَلٰوةِ الْجُمُعَةِ فِي الإِسْتِسْقَاءِ

بارش کی دعا میں نماز جمعہ پر اکتفا کرنا

ابواب الاستسقاء کے شروع میں بتلایا تھا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بارش طلبی کے لئے نماز ضروری نہیں، نماز کے

علاوہ اور طریقوں سے بھی اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کر سکتے ہیں، نبی ﷺ نے جمعہ کے خطبہ میں بارش کی دعا کی ہے، اور اس مسئلہ میں امام بخاریؒ کی رائے امام اعظمؒ کی رائے کے موافق ہے اور جو لوگ نماز ضروری قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ واقعہ باب میں جمعہ کی نماز بارش طلبی کی نماز کے قائم مقام ہوگئی تھی، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ باب میں مَن موصولہ لائے ہیں، اور ان لوگوں کی رائے کی طرف اشارہ کیا ہے، خود ذمہ داری قبول نہیں کی۔ مگر ان حضرات کی یہ بات درست نہیں، کیونکہ بارش کے لئے دعا خطبہ میں کی تھی اور نماز بعد میں پڑھی گئی ہے، پس وہ صلوٰۃ الاستسقاء کے قائم مقام کیسے ہو سکتی ہے؟

[۹-] بَابُ مَنِ اكْتَفَى بِصَلٰوةِ الْجُمُعَةِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

[۱۰۱۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: هَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ، وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ، فَدَعَا فَمُطِرْنَا مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ، ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ، وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ، وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ [فَادْعُ اللّٰهَ يُمْسِكْهَا] فَقَالَ: "اللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ، وَالظِّرَابِ، وَالْأَوْدِيَةِ، وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ" فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِيْنَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ.

[راجع: ۹۳۲]

قولہ: تهدّمت البیوت: گھر ڈھ پڑے، اور راستے بند ہو گئے یعنی راستوں میں پانی بھر گیا اور جانور (ڈوب کر) ہلاک ہو گئے .... فَانْجَابَتْ: اس کا مادہ ج، و اور ب ہے جو جواب کا مادہ ہے۔ انجابَ السحابُ کے معنی ہیں: بادل کا چھٹ جانا، جیسے کپڑا پھٹ جاتا ہے اس طرح مدینہ پر سے بادل پھٹ گیا۔

بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا تَقَطَّعَتِ السُّبُلُ مِنْ كَثْرَةِ الْمَطَرِ

جب بارش کی زیادتی سے راستے بند ہو جائیں تو بارش رکنے کی دعا کرنا

پہلے ایک باب آیا تھا کہ بارش طلبی کے لئے بھی دعا ہو سکتی ہے اور اعدائے اسلام پر قحط سالی کے لئے بھی، اسی قبیل کا یہ باب بھی ہے کہ بارش طلبی کے لئے بھی دعا ہو سکتی ہے اور بارش بند ہونے کے لئے بھی، جب سیلاب آتا ہے تو مہینوں راستے بند ہو جاتے ہیں ایسے موقع پر یہ دعا کرنا کہ اے اللہ! ہم سے بارش روک لیں اور وہاں برسائیں جہاں کوئی ضرر نہ ہو تو اس کی دعا کرنا جائز ہے۔

[۱۰-] بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا تَقَطَّعَتِ السُّبُلُ مِنْ كَثْرَةِ الْمَطَرِ

[۱۰۱۷-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ نَمِرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ

مَالِكٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! هَلَكَتِ الْمَوَاشِي، وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ، فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَمُطِرُوْا مِنْ جُمُعَةٍ إِلَى جُمُعَةٍ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ، وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ، وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِي، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "اللّٰهُمَّ عَلَى رُؤُسِ الْجِبَالِ وَالْآكَامِ، وَبُطُوْنِ الْأَوْدِيَةِ، وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ" فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِيْنَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ.[راجع: ۹۳۲]

بَابُ مَاقِيْلَ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُحَوِّلْ رِدَاءَهُ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

کہا گیا کہ نبی ﷺ نے جمعہ کے دن بارش طلبی کے وقت اپنی چادر نہیں پلٹی

قلب رداء کے امام اعظم رحمہ اللہ بھی قائل ہیں، مگر وہ فرماتے ہیں کہ قلب رداء استسقاء کا جز نہیں، تفاؤل کے طور پر چادر پلٹی جاتی ہے، اوران کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جمعہ کے خطبہ میں استسقاء فرمایا اور چادر نہیں پلٹی، اگر قلب رداء استسقاء کا جزء ہوتا تو اس موقع پر بھی آپ چادر پلٹتے .... بابُ ما قیل: یہ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کی طرف اشارہ ہے، امام اعظمؒ جو کہتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے، اور قیل اس لئے کہا کہ اس دلیل کا جواب دیا جاسکتا ہے کہ استسقاء کامل میں تحویل رداء ہے اور یہ استسقاء کامل نہیں تھا۔

[۱۱-] بَابُ مَاقِيْلَ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُحَوِّلْ رِدَاءَهُ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

[۱۰۱۸-] حدثنا الْحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَافَى بْنُ عِمْرَانَ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم هَلَاكَ الْمَالِ وَجَهْدَ الْعِيَالِ، فَدَعَا اللّٰهَ يَسْتَسْقِيْ، وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ حَوَّلَ رِدَاءَهُ، وَلَا اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ.[راجع: ۹۳۲]

قوله: وَجَهْدَ الْعِيَالِ: بچوں کے مشقت میں پڑنے کی شکایت کی کیونکہ ان کے پینے کے لئے پانی نہیں رہا تھا.........
ولم یذکر: اس روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نہ تحویل رداء کا ذکر کیا ہے، اور نہ قبلہ کی طرف منہ کرکے دعا کرنے کا۔

بَابٌ: إِذَا اسْتَشْفَعُوْا إِلَى الْإِمَامِ لِيَسْتَسْقِيَ لَهُمْ لَمْ يَرُدَّهُمْ

جب لوگ امیر المؤمنین سے بارش طلبی کی درخواست کریں تو وہ ان کو نامراد نہ کرے

پہلے ایک باب گذرا ہے کہ جب قحط سالی کے آثار نمایاں ہوں تو لوگوں کو امیر المؤمنین سے استسقاء کی درخواست کرنی چاہئے، اب اُس مسئلہ کو آگے بڑھاتے ہیں کہ جب لوگ درخواست کریں تو امیر المؤمنین کو ان کی درخواست قبول کرنی

چاہئے، رد نہیں کرنی چاہئے اور نماز استسقاء کا انتظام کرنا چاہئے۔

[۱۲-] بَابٌ: إِذَا اسْتَشْفَعُوْا إِلَى الإِمَامِ لِيَسْتَسْقِيَ لَهُمْ لَمْ يَرُدَّهُمْ

[۱۰۱۹-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ نَمِرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! هَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ، وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللهَ، فَدَعَا اللهَ، فَمُطِرْنَا مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ، وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ، وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " اَللّٰهُمَّ عَلَى ظُهُوْرِ الْجِبَالِ، وَالآكَامِ، وَبُطُوْنِ الأَوْدِيَةِ، وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ" فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِيْنَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ.

قوله:علي ظهور: پہاڑوں اور ٹیلوں کی پیٹھوں پر یعنی چوٹیوں پر، اور میدانوں کے پیٹوں میں اور درخت اگنے کی جگہوں میں یعنی جنگلوں میں برسے۔

بَابٌ: إِذَا اسْتَشْفَعَ الْمُشْرِكُوْنَ بِالْمُسْلِمِيْنَ عِنْدَ الْقَحْطِ

قحط سالی میں جب مشرکین مسلمانوں سے دعا کے لئے کہیں

اِسْتَشْفَعَ به: کسی معاملہ میں کسی سے سفارش کرانا یعنی دعا کرانا، ایسے ملک میں جہاں کافر ہی ہوں، کوئی مسلمان نہ ہو، قحط کے آثار نمایاں ہوں اور وہ اسلامی حکومت میں آکر مسلمانوں سے اور ان کے امیر سے بارش طلبی کی دعا کی درخواست کریں تو اگر ان کے لئے دعا کرنے میں مسلمانوں کا اور اسلام کا کوئی ضرر نہیں، تو ان کے لئے دعا کرنی چاہئے، کیونکہ وہ بھی انسان ہیں، فقہ میں لکھا ہے کہ جب نماز استسقاء پڑھنے کے لئے شہر سے باہر نکلیں تو جانوروں کو بھی ساتھ لے جائیں تاکہ اللہ کی رحمت متوجہ ہو، جب جانوروں سے اللہ کی مہربانی متوجہ ہوتی ہے تو کفار تو بہر حال انسان ہیں، اللہ عزوجل انہیں روزی پہنچاتے ہیں، پس اگر کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو ان کے لئے بھی بارش کی دعا کرنی چاہئے۔

[۱۳-] بَابٌ: إِذَا اسْتَشْفَعَ الْمُشْرِكُوْنَ بِالْمُسْلِمِيْنَ عِنْدَ الْقَحْطِ

[۱۰۲۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُوْرٌ، وَالأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوْقٍ، قَالَ: أَتَيْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ، فَقَالَ: إِنَّ قُرَيْشًا أَبْطَؤُوْا عَنِ الإِسْلاَمِ، فَدَعَا عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ، حَتَّى هَلَكُوْا فِيْهَا، وَأَكَلُوا الْمَيْتَةَ وَالْعِظَامَ، فَجَاءَهُ أَبُوْ سُفْيَانَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! جِئْتَ تَأْمُرُ بِصِلَةِ الرَّحِمِ، وَإِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوْا، فَادْعُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ، فَقَرَأَ: ﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ

مُبِيْنٍ﴾ الآيَة. ثُمَّ عَادُوْا إِلَى كُفْرِهِمْ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى﴾ يَوْمَ بَدْرٍ.
وَزَادَ أَسْبَاطٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ: فَدَعَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَسُقُوْا الْغَيْثَ، فَأَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ سَبْعًا، وَشَكَا النَّاسُ كَثْرَةَ الْمَطَرِ، قَالَ: "اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا" فَانْحَدَرَتِ السَّحَابَةُ عَنْ رَأْسِهِ، فَسُقُوْا النَّاسُ حَوْلَهُمْ. [راجع: ۱۰۰۷]

قولہ: أَبْطَؤُا: قریش نے اسلام قبول کرنے میں دیر کی، کوشش کے باوجود قریش اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے، بلکہ اسلام کی بیخ کنی میں لگ گئے تو نبی ﷺ نے ان کے لئے قحط سالی کی دعا کی، پس مکہ میں ایسا قحط پڑا کہ لوگ چمڑے، ہڈیاں اور مردار کھانے پر مجبور ہوگئے۔ ابوسفیان نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر اس عذاب کے ختم ہونے کی دعا کرنے کی درخواست کی، آپؐ نے دعا فرمائی، اور مکہ والوں سے عذاب ٹل گیا مگر وہ تمرد وسرکشی پر برقرار رہے۔

بہر حال کفار نے بارش کی دعا کرنے کی درخواست کی اور نبی ﷺ نے ان کی درخواست قبول کی، اور دعا فرمائی، معلوم ہوا کہ اگر کفار مسلمانوں سے بارش کی دعا کرنے کی درخواست کریں اور ان کی درخواست قبول کرنے میں کوئی ضرر نہ ہو تو ان کے لئے بارش کی دعا کرنی چاہئے۔

ملحوظہ: منصور کے شاگرد سفیان ثوری کی حدیث میں یہی ایک واقعہ ہے۔ اور دوسرے شاگرد اسباط کی روایت میں ایک دوسرا واقعہ بھی مذکور ہے، دوسرے واقعہ میں درخواست کرنے والا مسلمان (اعرابی) تھا۔

بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا كَثُرَ الْمَطَرُ: حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا

جب بارش بہت زیادہ ہو تو دعا کرے: ہمارے اردگرد برسے ہم پر نہ برسے

بارش بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، مگر اس وقت رحمت ہے جب ضرورت کے وقت ہو، اور بقدر ضرورت ہو، بے وقت اور ضرورت سے زیادہ بارش رحمت نہیں، زحمت اور عذاب ہے، جیسے قادیانی مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں: نبوت رحمت ہے یا زحمت؟ کون مسلمان کہے گا کہ نبوت زحمت ہے؟ پس وہ کہے گا رحمت کو رک جانا چاہئے یا جاری رہنا چاہئے؟ ہر شخص یہی جواب دے گا کہ اللہ کی رحمت کو جاری رہنا چاہئے، اب وہ سمجھائے گا کہ تم جو کہتے ہو کہ نبوت حضورؐ پر ختم ہوگئی، یہ تم رحمت پر بین (روک) لگاتے ہو، اللہ کی رحمت (نبوت) جاری ہے اور غلام احمد قادیانی نبی ہے، اس اغلوطہ کا جواب یہ ہے کہ بارش بھی رحمت ہے لیکن وہ کب رحمت ہے؟ جب ضرورت کے وقت ہو اور بقدر ضرورت ہو، نبی ﷺ رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے ہیں، اور دو چیزیں ساتھ لائے ہیں، قرآن اور حدیث، چودہ سو سال پہلے جو قرآن نازل ہوا تھا اور جو حدیثیں بیان ہوئی تھیں وہ آج بھی بعینہ باقی ہیں ان میں نہ تحریف ہوئی ہے نہ تبدیلی، پس جب کھیتی کی ضرورت کے لئے پانی باقی ہے، چودہ سو سال پہلے جو بارش ہوئی تھی وہ بارش بعینہ موجود ہے اور تیرہ سو سال تک نئے نبی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تو

آج کیا ضرورت پیش آئی کہ نیا نبی مانا جائے؟ یہ بے ضرورت بارش کی مثال ہے اور بے ضرورت اور بے وقت کی بارش زحمت اور عذاب ہوتی ہے، اسی طرح جھوٹی نبوت بھی اللہ کی لعنت ہے، ایسی جھوٹی نبوت سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

[۱۴-] بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا كَثُرَ الْمَطَرُ: حَوَالَيْنَا وَلاَ عَلَيْنَا

[۱۰۲۱-] حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَامَ النَّاسُ فَصَاحُوْا، فَقَالُوْا: يَارسولَ اللهِ! قَحَطَ الْمَطَرُ، وَاحْمَرَّتِ الشَّجَرُ، وَهَلَكَتِ الْبَهَائِمُ، فَادْعُ اللهَ أَنْ يَسْقِيَنَا، فَقَالَ: "اللّهُمَّ اسْقِنَا" مَرَّتَيْنِ. وَأَيْمُ اللهِ! مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً مِنْ سَحَابٍ، فَنَشَأَتْ سَحَابَةٌ، وَأَمْطَرَتْ، وَنَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَصَلّٰى، فَلَمَّا انْصَرَفَ لَمْ تَزَلْ تُمْطِرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِيْ تَلِيْهَا، فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ صَاحُوْا إِلَيْهِ: تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ، وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللهَ يَحْبِسْهَا عَنَّا، فَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، وَقَالَ: "اللّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلاَ عَلَيْنَا" وَتَكَشَّطَتِ الْمَدِيْنَةُ، فَجَعَلَتْ تُمْطِرُ حَوْلَهَا، وَمَا تُمْطِرُ بِالْمَدِيْنَةِ قَطْرَةً، فَنَظَرْتُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، وَإِنَّهَا لَفِيْ مِثْلِ الإِكْلِيْلِ. [راجع: ۹۳۲]

قولہ: فقام الناس: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے دعا کی درخواست نہیں کی تھی، اور لوگ بھی درخواست کرنے میں اس کے ساتھ شریک تھے، پس یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے اور اکثر روایتوں میں صرف دیہاتی کے درخواست کرنے کا تذکرہ ہے......... قولہ: واحْمَرَّتِ الشَّجَر: درخت کے پتے پہلے سرخ ہوتے ہیں پھر پیلے پڑتے ہیں پھر سفید ہوجاتے ہیں پھر سوکھ کر گرجاتے ہیں......... قولہ: اللّهُم اسْقِنَا مرتین: یعنی آپ نے دومرتبہ دعا کی، اور پہلے روایت میں تین مرتبہ کا ذکر آیا ہے، یہ بھی واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے......... قولہ: فتبسّم النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انسانوں کی حالت پر نبی ﷺ مسکرائے یعنی انسانوں کا عجیب حال ہے، گذشتہ جمعہ بارش نہ ہونے کی شکایت کررہے تھے اور آج بارش زیادہ ہونے پر نالاں ہیں......... قولہ: وَتَكَشَّطَتِ المدينة: اور مدینہ کھل گیا، قرآن میں ہے: ﴿إِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ﴾ اسی سے فعل تکشّطت بنا ہے، کَشَطَه: ہٹانا، الگ کرنا، کَشَطَ الجلدَ: کھال اتارنا .... قولہ: وإنها لفي مثل الإكليل: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے مدینہ کو دیکھا وہ تاج کے مانند تھا یعنی گویا مدینہ نے تاج پہن رکھا ہے۔

بَابُ الدُّعَاءِ فِي الإِسْتِسْقَاءِ قَائِمًا

کھڑے ہوکر بارش کی دعا کرنا

کتاب العلم میں ایک باب گذرا ہے کہ بیٹھے ہوئے مفتی صاحب سے کھڑے کھڑے مسئلہ پوچھنا بے ادبی ہے، پس

کسی کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ کھڑے ہوئے اللہ سے مانگنا شاید بے ادبی ہو، اس لئے یہ باب لائے کہ کھڑے ہوئے مانگنا بے ادبی نہیں، نبی ﷺ نے کھڑے کھڑے بارش کے لئے دعا کی ہے۔

[۱۵-] بَابُ الدُّعَاءِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ قَائِمًا

[۱۰۲۲-] وَقَالَ لَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ: عَنْ زُهَيْرٍ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، خَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيْدَ الْأَنْصَارِيُّ، وَخَرَجَ مَعَهُ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ، وَزَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ فَاسْتَسْقَى، فَقَامَ لَهُمْ عَلَى رِجْلَيْهِ، عَلَى غَيْرِ مِنْبَرٍ، فَاسْتَسْقَى، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ، وَلَمْ يُؤَذِّنْ وَلَمْ يُقِمْ، قَالَ أَبُوْ إِسْحَاقَ. وَرَأَى عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيْدَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۰۲۳-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَبَّادُ بْنُ تَمِيْمٍ، أَنَّ عَمَّهُ- وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم - أَخْبَرَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِيْ لَهُمْ، فَقَامَ فَدَعَا اللهَ قَائِمًا، ثُمَّ تَوَجَّهَ قِبَلَ الْقِبْلَةِ، وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ، فَأُسْقُوْا. [راجع: ۱۰۰۵]

پہلی حدیث: عبداللہ یزید انصاری رضی اللہ عنہ صحابی صغیر ہیں، کوفہ کے گورنر تھے، بارش نہیں ہورہی تھی اس لئے وہ نماز استسقاء کے لئے شہر سے نکلے، حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما بھی ساتھ تھے، عبداللہ بن یزید لوگوں کے سامنے زمین پر کھڑے ہوئے، منبر وہاں نہیں تھا اور آپؓ نے کھڑے کھڑے بارش کے لئے دعا کی اور دورکعت نماز استسقاء بھی پڑھی (یہ ثم ترکیب ذکری کے لئے ہے، نماز پہلے پڑھی پھر دعا کی) اور اس میں جہری قراءت کی (یہ مسئلہ اگلے باب میں آرہا ہے) اور اذان واقامت نہیں کہی گئیں، کیونکہ اذان واقامت فرائض کے لئے مشروع ہیں اور نماز استسقاء بالاجماع فرض نہیں۔

دوسری حدیث: عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی رضی اللہ عنہ کی ہے جو ابواب الاستسقاء کے شروع میں آچکی ہے، اس میں بھی نبی ﷺ نے کھڑے ہوکر بارش کے لئے دعا فرمائی ہے۔

بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

بارش طلبی کی نماز میں جہراً قراءت کرنا

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک نماز استسقاء میں جہراً قراءت ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک سراً، وہ فرماتے ہیں: دن کی نمازیں گونگی ہوتی ہیں، اور نماز استسقاء دن میں پڑھی جاتی ہے اس لئے اس میں بھی سراً قراءت ہوگی۔ یہاں ایک مرتبہ پھر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک نماز استسقاء مشروع نہ ہوتی تو وہ سر اور جہر کے

جھگڑے میں کیوں پڑتے؟ معلوم ہوا کہ امام اعظمؒ بھی نماز استسقاء کو مشروع مانتے ہیں، اور لاصلوۃ فی الاستسقاء کا جو مطلب عام طور پر سمجھا گیا ہے وہ صحیح نہیں۔

[۱٦-] بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

[۱۰۲٤-] حدثنا أبو نعيم، قال: حدثنا ابن أبي ذئب، عن الزهري، عن عباد بن تميم، عن عمه: خرج النبي صلى الله عليه وسلم يستسقي، فتوجه إلى القبلة يدعو، وحول رداءه ثم صلى ركعتين، يجهر فيهما بالقراءة. [راجع: ۱۰۰۵]

ترجمہ: عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ استسقاء کے لئے نکلے، پس قبلہ رخ ہوکر دعا فرماتے رہے اور اپنی چادر کو پلٹا، پھر دو رکعتیں پڑھیں (یہ ثم بھی ترکیب ذکری کے لئے ہے، نماز پہلے پڑھیں گے، پھر دعا کریں گے) دونوں رکعتوں میں جہری قراءت فرمائی۔

بَابٌ: كَيْفَ حَوَّلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ظَهْرَهُ إِلَى النَّاسِ؟

نبی ﷺ نے لوگوں کی طرف کس طرح پیٹھ پھیری؟

نبی ﷺ نے نماز استسقاء پڑھانے کے بعد مختصر تقریر فرمائی پھر لوگوں کی طرف پیٹھ پھیری اور قبلہ رو ہوکر دعا کی، لوگوں کی طرف پیٹھ پھیرنے کی کیا شکل تھی؟ فجر اور عصر کے بعد امام لوگوں کی طرف گھوم کر بیٹھتا ہے۔ عرب ائمہ پوری طرح گھوم کر لوگوں کی طرف منہ کرکے بیٹھتے ہیں اور ہمارے ائمہ دائیں بائیں مڑ کر لوگوں کی طرف منہ کرکے بیٹھتے ہیں، قبلہ کی طرف پیٹھ نہیں کرتے، مگر بارش طلبی میں ایک شکل متعین ہے، پوری طرح لوگوں کی طرف پیٹھ کرے اور پورا چہرہ قبلہ کی طرف کرے، اگر دائیں بائیں مڑ کر دعا کرے گا تو نہ قبلہ کی طرف منہ ہوگا اور نہ لوگوں کی طرف پیٹھ۔

اور نمازوں کے بعد لوگوں کی طرف پوری طرح گھوم کر بیٹھنے کا جو عرب ائمہ کا طریقہ ہے وہ صحیح ہے اور ہمارے یہاں جو طریقہ ہے وہ کعبہ کے احترام میں اور اس کے ادب میں ایسا کرتے ہیں، دائیں بائیں مڑ کر بیٹھتے ہیں تاکہ کعبہ کی طرف پیٹھ نہ ہو، حالانکہ کعبہ کی طرف پیٹھ کرنے کی ممانعت صرف مخصوص حالات میں ہے، مگر ہمارے یہاں یہ خیال سائد (چھایا ہوا) ہے کہ استنجے کے علاوہ بھی کعبہ کی طرف پیٹھ نہیں کرنی چاہئے، حالانکہ کتاب الوضوء کے شروع میں حدیث گذری ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے اس طرح بیٹھا کہ نہ کعبہ کی طرف پیٹھ ہو اور نہ بیت المقدس کی طرف، ابن عمرؓ نے اس پر نکیر کی، پس عصر و فجر کے بعد لوگوں کی طرف پوری طرح متوجہ ہوکر بیٹھنا چاہئے، اور کعبہ شریف کی طرف پیٹھ ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

[۱۷-] بَابٌ: كَيْفَ حَوَّلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ظَهْرَهُ إِلَى النَّاسِ؟

[۱۰۲۵-] حدثنا آدمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ خَرَجَ يَسْتَسْقِي، قَالَ: فَحَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ، وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو، ثُمَّ حَوَّلَ رِدَاءَهُ، ثُمَّ صَلَّى لَنَا رَكْعَتَيْنِ، جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ. [راجع: ۱۰۰۵]

وضاحت: باب میں جو کیف ہے، اس کا جواب فحوّل إلى الناس ظهره واستقبل القبلة: میں ہے کہ پوری طرح لوگوں کی طرف پیٹھ پھیرے اور منہ قبلہ کی طرف کر کے دعا کرے۔

بَابُ صَلٰوةِ الِاسْتِسْقَاءِ رَكْعَتَيْنِ

بارش طلبی کی نماز دو رکعتیں ہیں

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک نماز استسقاء عید کی طرح پڑھی جائے گی یعنی جس طرح عیدین میں تکبیرات زوائد ہیں نماز استسقاء میں بھی تکبیرات کہی جائیں گی، اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نماز استسقاء میں تکبیرات زوائد نہیں ہیں[1]

جمہور کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو ترمذی (حدیث ۵۶۶) میں ہے، وہ فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ نے صلوٰۃ الاستسقاء کی دو رکعتیں پڑھائیں جس طرح عیدین کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں'' جمہور کہتے ہیں: ابن عباسؓ نے نماز استسقاء کو نماز عید کے ساتھ تشبیہ دی ہے پس مشبہ بہ (عید) کے جو احکام ہیں وہی مشبہ (نماز استسقاء) کے بھی ہونگے، اور عیدین میں تکبیرات زوائد ہیں پس نماز استسقاء میں بھی وہ مشروع ہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تشبیہ میں ہر بات میں مماثلت ضروری نہیں، کچھ باتوں میں مماثلت کافی ہے جیسے کسی بیوقوف کو گدھا کہا جائے تو یہ تشبیہ ہے اور وجہ شبہ صرف حماقت ہے، چار ٹانگیں اور دم ہونا ضروری نہیں، اسی طرح یہاں تشبیہ چند باتوں میں ہے، ہر بات میں نہیں ہے اور وہ چند باتیں یہ ہیں: عید میں دوگانہ پڑھا جاتا ہے، اس کے بعد خطبہ ہے، وہ نماز زوال سے پہلے چاشت کے وقت میں پڑھی جاتی ہے اور شہر سے باہر نکل کر پڑھی جاتی ہے اسی طرح نماز استسقاء بھی شہر سے باہر میدان میں اور چاشت کے وقت میں پڑھی جائے گی اور اس کی بھی دو رکعتیں ہیں، اور اس کے بعد خطبہ بھی دیا جائے گا، صرف ان باتوں میں تشبیہ ہے، تکبیرات زوائد میں تشبیہ نہیں۔ اس لئے نماز استسقاء میں تکبیرات زوائد مشروع نہیں، اور سنن سعید بن منصور میں بسند جید یہ روایت ہے: شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارش طلبی کے لئے شہر سے نکلے اور صرف دعا اور استغفار کیا، نماز نہیں پڑھی، لوگوں نے عرض کیا: آپؓ نے بارش تو مانگی نہیں، آپؓ نے فرمایا: میں نے بارش مانگ لی، جب میں نے گناہوں سے

(۱) امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی قول بیان کیا ہے۔

معافی طلب کرلی تو گویا بارش مانگ لی۔ کیونکہ بارش گناہوں کی وجہ سے رکتی ہے اور میں نے معافی طلب کرلی تو گویا بارش مانگ لی (حاشیہ) جب استسقاء کے لئے نماز ہی ضروری نہیں تو عیدین والی تکبیریں نماز استسقاء میں کہاں سے آئیں گی؟

[۱۸-] بَابُ صَلٰوةِ الإِسْتِسْقَاءِ رَكْعَتَيْنِ

[۱۰۲۶-] حَدَّثَنِيْ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ، عَنْ عَمِّهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اسْتَسْقَى، فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، وَقَلَبَ رِدَاءَهُ. [راجع: ۱۰۰۵]

بَابُ الإِسْتِسْقَاءِ فِي الْمُصَلّٰى

عیدگاہ جاکر بارش طلب کرنا

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ عیدگاہ میں بھی نماز استسقاء پڑھ سکتے ہیں۔

[۱۹-] بَابُ الإِسْتِسْقَاءِ فِي الْمُصَلّٰى

[۱۰۲۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ، سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيْمٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَسْقِيْ، وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، وَقَلَبَ رِدَاءَهُ، قَالَ سُفْيَانُ: وَأَخْبَرَنِي الْمَسْعُوْدِيُّ، عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ قَالَ: جَعَلَ الْيَمِيْنَ عَلَى الشِّمَالِ.
[راجع: ۱۰۰۵]

تحویل رداء کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے چادر کے نیچے کا بایاں کنارہ پکڑے اور بائیں ہاتھ سے چادر کے نیچے کا دایاں کنارہ پکڑے پھر دونوں ہاتھوں کو کاندھے سے اوپر اٹھائے پھر دائیں ہاتھ کو دائیں طرف اور بائیں ہاتھ کو بائیں طرف لے جائے اور چادر کاندھے پر ڈال دے، اس طرح چادر پوری طرح پلٹ جائے گی، اندر کا حصہ باہر اور باہر کا حصہ اندر کی طرف چلا جائے گا اور دایاں کنارہ بائیں طرف اور بایاں کنارہ دائیں طرف آجائے گا، نیز نچلا حصہ اوپر اور اوپر کا حصہ نیچے چلا جائے گا۔ اور اگر چادر کا صرف دایاں کنارہ بائیں کاندھے پر اور بایاں کنارہ دائیں کاندھے پر کرلے تو یہ بھی قلب رداء ہے، اس صورت میں مذکورہ تکلفات کی ضرورت نہیں رہے گی۔

بَابُ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ فِي الإِسْتِسْقَاءِ

قبلہ رخ ہوکر بارش کی دعا کرنا

دعا کا ادب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرکے دعا کرے، پس استسقاء میں بھی قبلہ رخ ہوکر دعا کرنی چاہئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے جب نمازِ استسقاء پڑھائی تھی تو خطبہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر دیا تھا، پھر جب دعا کا وقت آیا تو آپ قبلہ کی طرف گھوم گئے اور لوگوں کی طرف پیٹھ کرلی اور قبلہ رخ ہوکر دعا فرمائی۔

[۲۰-] بَابُ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

[۱۰۲۸-] حدثنا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ بَكْرِ ابْنُ مُحَمَّدٍ، أَنَّ عَبَّادَ بْنَ تَمِيْمٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ إِلَى الْمُصَلّٰى يُصَلِّيْ، وَأَنَّهُ لَمَّا دَعَا أَوْ: أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ: عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ هٰذَا مَازِنِيٌّ، وَالْأَوَّلُ كُوْفِيٌّ، هُوَ ابْنُ يَزِيْدَ. [راجع: ۱۰۰۵]

وضاحت: عبداللہ بن زید الگ صحابی ہیں ان کے والد کا نام عاصم ہے اور وہ انصار کے قبیلہ مازن کے ہیں اور دوسرے عبداللہ بن یزید ہیں، جن کا تذکرہ چند ابواب پہلے (حدیث ۱۰۲۲) آیا ہے، وہ صحابی صغیر اور کوفہ کے گورنر تھے، امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں میں فرق بیان کیا ہے۔

بَابُ رَفْعِ النَّاسِ أَيْدِيَهُمْ مَعَ الْإِمَامِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

بارش کی دعا میں لوگ امام کے ساتھ ہاتھ اٹھائیں

بارش طلبی کی دعا امام ہاتھ اٹھا کر کرے گا، اور جب امام ہاتھ اٹھا کر دعا کرے گا تو اس کے ساتھ لوگ بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کریں گے، اس باب میں بس یہی مسئلہ ہے۔

[۲۱-] بَابُ رَفْعِ النَّاسِ أَيْدِيَهُمْ مَعَ الْإِمَامِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

[۱۰۲۹-] وَقَالَ أَيُّوْبُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ أُوَيْسٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، قَالَ: يَحْيَى ابْنُ سَعِيْدٍ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: أَتَى رَجُلٌ أَعْرَابِيٌّ مِنْ أَهْلِ الْبَدْوِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! هَلَكَتِ الْمَاشِيَةُ، هَلَكَ الْعِيَالُ، هَلَكَ النَّاسُ، فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدَيْهِ يَدْعُوْ، وَرَفَعَ النَّاسُ أَيْدِيَهُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدْعُوْنَ، قَالَ: فَمَا خَرَجْنَا مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى مُطِرْنَا، فَمَا زِلْنَا نُمْطَرُ حَتّٰى كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْأُخْرَى، فَأَتَى الرَّجُلُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! بَشِقَ الْمُسَافِرُ، وَمُنِعَ الطَّرِيْقُ، بَشِقَ أَيْ مَلَّ. [راجع: ۹۳۲]

[۱۰۳۰-] وَقَالَ الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، وَشَرِيْكٍ، قَالَا: سَمِعْنَا أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ.

قولہ: قال یحیی بن سعید: یہاں ایک قال محذوف ہے یعنی سلیمان نے کہا کہ یحییٰ بن سعید نے کہا .... **قولہ:** ورفع الناس أیدیهم: یہ ٹکڑا پہلے نہیں آیا تھا یہاں یہی ٹکڑا باب سے متعلق ہے .... بَشِقَ: کے معنی ہیں: رنجیدہ ہونا، بَشِقَ المسافرُ: مسافر پریشان ہوگئے ومُنع الطریق: اور راستہ روکا گیا یعنی اسفار بند ہوگئے، سفر میں بہت پریشانی ہورہی ہے اس لئے لوگوں نے اسفار بند کردیئے۔

بَابُ رَفْعِ الإِمَامِ يَدَهُ فِي الاِسْتِسْقَاءِ

بارش کی دعا میں امام کا ہاتھ اٹھانا

خطبہ میں خاص طور پر خطبہ ثانیہ میں دعا ہوتی ہے، مگر اس میں ہاتھ اٹھانا نبی ﷺ کا معمول نہیں تھا، اس لئے کہ وہ احوال متواردہ کی دعا ہے اور اس میں ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے اور بارش طلبی کی دعا احوال خاصہ کی دعا ہے اس لئے آپؐ نے اس میں ہاتھ اٹھائے، اور ہاتھوں کو بہت بلند کیا، یہاں تک کہ بغل مبارک کی سفیدی نظر آنے لگی۔

[۲۲-] بَابُ رَفْعِ الإِمَامِ يَدَهُ فِي الاِسْتِسْقَاءِ

[۱۰۳۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، وَابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَايَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي الاِسْتِسْقَاءِ، وَإِنَّهُ يَرْفَعُ حَتَّى يُرَى بَيَاضُ إِبْطَيْهِ. [انظر: ۳۵۶۵، ۶۳۴۱]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ اپنے ہاتھ (غیر معمولی) نہیں اٹھاتے تھے اپنی کسی دعا میں، مگر بارش طلبی کی دعا میں، اور بے شک آپؐ (دعائے استسقاء میں) ہاتھ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپؐ کے بغل کی سفیدی دیکھی جاتی تھی۔

بابُ مَا يُقَالُ إِذَا مَطَرَتْ؟

جب بادل برسنا شروع ہو تو کیا دعا کرے؟

مَطَرَت کی ضمیر السماء کی طرف لوٹتی ہے، السماء مؤنث سماعی ہے، جب بارش شروع ہو تو کیا دعا کرے؟ نبی ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: اللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا: اے اللہ! مفید بارش عطا فرما، ابن عباسؓ فرماتے ہیں: صَیِّب کے معنی ہیں: بارش، یہ لفظ صَابَ يَصُوْبُ (باب نصر) سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں: بارش ہونا، اور أَصَابَ (باب افعال) کے بھی یہی معنی ہیں۔

[۲۳-] بابُ مَا يُقَالُ إِذَا مَطَرَتْ؟

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿كَصَيِّبٍ﴾ [البقرة: ۱۹]: الْمَطَرُ، وَقَالَ غَيْرُهُ: صَابَ وَأَصَابَ يَصُوْبُ.

[۱۰۳۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ الْقَاسِمِ ابْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ، قَالَ: "اللَّهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا" تَابَعَهُ الْقَاسِمُ بْنُ يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ، وَعُقَيْلٌ، عَنْ نَافِعٍ.

وضاحت: حدیث میں لفظ صَیِّب آیا ہے، اس کے معنی کی تعیین کے لئے حضرت ابن عباسؓ کا قول لائے، پھر حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ کا قول لائے، صَیِّب کا مشتق منہ بتانے کے لئے، مگر کتاب میں تصحیف ہوگئی ہے، یصوب: صاب کا مضارع ہے، اس کو پہلے آنا چاہئے، اور اصاب (مزید) کا مضارع ذکر نہیں کیا، کیونکہ وہ ظاہر ہے۔

سند کی بات: اس حدیث میں قاسم بن یحیٰ: عبداللہ بن المبارک کے متابع ہیں، یعنی وہ بھی عبیداللہ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، اور عبیداللہ کے علاوہ اوزاعی اور عقیل بھی اس حدیث کو نافع سے روایت کرتے ہیں یہ متابعت قاصرہ ہے۔

بَابُ مَنْ تَمَطَّرَ فِي الْمَطَرِ حَتَّى يَتَحَادَرَ عَلَى لِحْيَتِهِ

جو شخص بارش میں بھیگے یہاں تک کہ پانی اس کی ڈاڑھی پر اترے

تَمَطَّر کے معنی ہیں: بھیگنا، اور تَحَادَرَ کے معنی ہیں: اترنا، پھسلنا، جزیرۃ العرب میں بارش کا کوئی موسم نہیں، عرب میں موسم چار ہیں: صَیف (گرمی) شتاء (جاڑا) ربیع (بہار) اور خزاں (پت جھڑ) بارش کا کوئی سیزن نہیں، جب بھی بارش ہوگی وہی پہلی اور وہی آخری بارش ہوگی۔ پس جب بھی بارش ہو اس میں بھیگنا چاہئے اور خوب اچھی طرح بھیگنا چاہئے، نبی ﷺ نے بارش کے لئے دعا فرمائی تو فوراً بادل امنڈ آیا، اور ابھی آپ منبر سے اترے بھی نہیں تھے کہ بارش شروع ہوگئی اور سر پر پانی ٹپکا، آپؐ نے ٹپکنے دیا، یہاں تک کہ ڈاڑھی سے پانی ٹپکنے لگا۔ پس عرب کی ہر بارش میں اور ہمارے یہاں سیزن کی پہلی بارش میں بھیگنا چاہئے۔

[۲۴-] بَابُ مَنْ تَمَطَّرَ فِي الْمَطَرِ حَتَّى يَتَحَادَرَ عَلَى لِحْيَتِهِ

[۱۰۳۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: أَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَبَيْنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَامَ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! هَلَكَ الْمَالُ، وَجَاعَ الْعِيَالُ، فَادْعُ اللهَ لَنَا أَنْ يَسْقِيَنَا، قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدَيْهِ، وَمَا فِي السَّمَاءِ قَزَعَةٌ، قَالَ: فَثَارَ سَحَابٌ أَمْثَالُ الْجِبَالِ، ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهِ حَتَّى رَأَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلَى لِحْيَتِهِ، قَالَ: فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذَلِكَ، وَمِنَ الْغَدِ، وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ، وَالَّذِي يَلِيهِ إِلَى

الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى، فَقَامَ ذَلِكَ الْأَعْرَابِيُّ أَوْ رَجُلٌ غَيْرُهُ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ، وَغَرِقَ الْمَالُ، فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا، فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَدَيْهِ، فَقَالَ: "اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا" قَالَ: فَمَا جَعَلَ يُشِيْرُ بِيَدَيْهِ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّمَاءِ إِلَّا تَفَرَّجَتْ، حَتَّى صَارَتِ الْمَدِيْنَةُ فِيْ مِثْلِ الْجَوْبَةِ، حَتَّى سَالَ الْوَادِيْ: وَادِيْ قَنَاةَ شَهْرًا، قَالَ: فَلَمْ يَجِئْ أَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ. [راجع: ۹۳۲]

لغات: الجَوْبَة: حوض، گڑھا، آپؐ نے جتنا اشارہ کیا اتنا بادل پھٹ گیا، یہاں تک کہ مدینہ گڑھے جیسے میں ہوگیا، یعنی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بادلوں کے درمیان گڑھا ہے، جس میں مدینہ شریف ہے اور قنات نامی وادی ایک مہینہ تک بہتی رہی .... الجَوْد: بہت بارش۔

بَابٌ: إِذَا هَبَّتِ الرِّيْحُ

جب ہوا تیز چلے تو کیا کرے؟

جب بارش ہوتی ہے تو تیز ہوا چلتی ہے، اس موقعہ پر کیا کرنا چاہئے؟ ابواب الاستسقاء سے اس باب کی یہی مناسبت ہے۔

[۲۵-] بَابٌ: إِذَا هَبَّتِ الرِّيْحُ

[۱۰۳٤-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ حُمَيْدٌ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُوْلُ: كَانَتِ الرِّيْحُ الشَّدِيْدَةُ إِذَا هَبَّتْ عُرِفَ ذَلِكَ فِيْ وَجْهِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب تیز ہوا چلتی تھی تو نبی ﷺ کے چہرے میں پہچانی جاتی تھی، یعنی رخ انور میں اس کے آثار دیکھے جاتے تھے، اس میں مجاز بالحذف ہے أی عُرِفَ أثرُ ذلك في وجه النبي صلی اللہ علیہ وسلم۔

تشریح: جب بارش سے پہلے تیز ہوا چلتی تھی تو نبی ﷺ پر ایک طرح کا خوف طاری ہوجاتا تھا، آپؐ کبھی گھر میں تشریف لے جاتے اور کبھی باہر نکلتے، پھر جب بارش شروع ہوجاتی تو آپؐ مطمئن ہوجاتے کیونکہ قوم عاد پر جب بادل آیا تھا تو انھوں نے کہا تھا: ﴿هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾: یہ بادل ہم پر برسے گا، مگر جب برسنا شروع ہوا تو اس میں سے آگ نکلنے لگی، ایسا کسی بھی وقت ہوسکتا ہے اس لئے حضور ﷺ پر خوف کے آثار طاری ہوتے تھے پھر جب بارش شروع ہوجاتی تو آپ کو اطمینان ہوجاتا، اور خوف دور ہوجاتا، یہ تو کرنے کا عمل ہے اور قول گذشتہ باب میں گذر چکا ہے: آپؐ دعا فرماتے: اللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا: الٰہی! مفید بارش عطا فرما!

بابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: نُصِرْتُ بِالصَّبَا

ارشادِ نبوی: میں پُروا ہوا کے ذریعہ مدد کیا گیا

صبا کے معنی ہیں: پُروا ہوا یعنی مشرق کی طرف سے چلنے والی ہوا، اور دَبُور کے معنی ہیں: پچھوا ہوا، یعنی مغرب کی طرف سے چلنے والی ہوا، صبا کو بادِ نسیم بھی کہتے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عز وجل نے پروا ہوا کے ذریعہ میری مدد فرمائی اور پچھوا ہوا کے ذریعہ قوم عاد کو ہلاک کیا'' پروا ہوا کے ذریعہ آنحضور ﷺ کی غزوۂ خندق میں مدد کی گئی تھی، تیز بادِ صبا چلی جس سے موسم ٹھنڈا ہو گیا اور دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے اور وہ دم دبا کر بھاگے، اور قوم عاد پر جو آٹھ دن مسلسل ہوا چلی تھی جس کی وجہ سے اس قوم کا نام ونشان مٹ گیا وہ پچھوا ہوا تھی، مگر اس حدیث سے یہ قاعدہ بنانا کہ ہر پروا ہوا بابرکت ہوتی ہے اور ہر پچھوا ہوا بے برکت ہوتی ہے: صحیح نہیں، کیونکہ یہ حدیث بظاہر عام ہے، مگر حقیقت میں خاص ہے۔

[۲۶-] بابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: "نُصِرْتُ بِالصَّبَا"

[۱۰۳۵-] حدثنا مُسْلِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "نُصِرْتُ بِالصَّبَا، وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ" [انظر: ۳۲۰۵، ۳۳۴۳، ۴۱۰۵]

بَابُ مَا قِيلَ فِي الزَّلَازِلِ وَالْآيَاتِ

زلزلوں اور قدرتی نشانوں کے بارے میں ارشاد

زلزلہ اور آیت میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، زلزلہ خاص ہے اور آیت عام ہے، قدرت خداوندی کی کوئی بھی نشانی آیت ہے اور زلزلہ قدرتِ خداوندی کی خاص نشانی ہے، بارش کے ساتھ کبھی زلزلہ آتا ہے، کڑاکے پڑتے ہیں، زمین پھٹ جاتی ہے، بجلی گرتی ہے اور دیگر آیات ظاہر ہوتی ہیں اس مناسبت سے یہ باب ابواب الاستسقاء میں لایا گیا ہے۔

[۲۷-] بَابُ مَا قِيلَ فِي الزَّلَازِلِ وَالْآيَاتِ

[۱۰۳۶-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: " لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقْبَضَ الْعِلْمُ، وَتَكْثُرَ الزَّلَازِلُ، وَيَتَقَارَبَ الزَّمَانُ، وَتَظْهَرَ الْفِتَنُ، وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ - وَهُوَ الْقَتْلُ الْقَتْلُ - حَتّٰى يَكْثُرَ فِيكُمُ الْمَالُ فَيَفِيْضُ"

[راجع: ۸۵]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ علم اٹھالیا جائے، زلزلے کثرت سے آئیں، زمانہ کے اجزاء قریب قریب ہوجائیں، فتنے ظاہر ہوں اور قتل وغارت گری عام ہوجائے، یہاں تک کہ تمہارے پاس مال کی بہتات ہوجائے، پس وہ (پانی کی طرح) بہنے لگے۔

تشریح: اس حدیث میں قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی چھ نشانیوں کا ذکر ہے، ان میں ایک زلزلہ بھی ہے، اور یہ حدیث پہلے آچکی ہے:

۱- علم اٹھائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ علم کی گرم بازاری ختم ہوجائے، اور اس کی ضد یعنی جہالت پھیل جائے، جہالت فتنوں کی پوٹ ہے، جب لوگ فتنوں میں مبتلا ہوجائیں گے تو فتنے بڑھ کر بلوے کی شکل اختیار کرلیں گے، اور قتل وغارت گری عام ہوجائے گا۔

۲- قیامت کے قریب زلزلے بہت آئیں گے، زلزلہ: ایک طرح کا عذاب ہے اور عذاب اس وقت آتا ہے جب گناہ عام ہوجاتے ہیں، پس قیامت کے قریب گناہوں کی کثرت ہوجائے گی۔

۳- تقارب (باب تفاعل) کی خاصیت اشتراک ہے یعنی زمانہ کے اجزاء ایک دوسرے سے قریب کردیئے جائیں گے، جیسے ایک انچ کا ربڑ لے کر اس کے دونوں کناروں کو پکڑ کر کھینچو تو ایک بالشت کا ہوجائے گا، پھر چھوڑ دو تو ایک انچ کا ہوجائے گا۔ پہلی صورت میں ربڑ کے اجزاء ایک دوسرے سے جدا ہوئے اس لئے ربڑ ایک بالشت کا ہوگیا، اور دوسری صورت میں ربڑ کے اجزاء ایک دوسرے سے قریب ہوگئے اس لئے ربڑ ایک انچ کا ہوگیا، یہ تقارب زمان کو سمجھنے کے لئے ایک مثال ہے، اور اس کا مطلب کیا ہے؟ حاشیہ میں بہت سے مطالب لکھے ہیں ان میں سے راجح یہ ہے کہ وقت کی برکت ختم ہوجائے، آج وقت کی برکت ختم ہوگئی ہے، ہفتے میں جتنا کام ہونا چاہئے نہیں ہوتا، یہ بے برکتی ہے، اس کے علاوہ اور بھی مطالب حاشیہ میں لکھے ہیں، دیکھ لیں۔

۴- فتنہ کے معنی ہیں: آزمائش، قیامت کے قریب ایسے واقعات رونما ہونگے جن سے مخلص اور غیر مخلص مؤمن کے درمیان امتیاز ہوجائے گا، جیسے کوئی ڈھونگی باپو نکلا، اب دیکھنا ہے کہ کتنے مسلمان اس کے چکر میں پھنستے ہیں اور کتنے بچ جاتے ہیں؟ یہ باپو امت کے لئے فتنہ ہے، یہی حال مال اور اولاد کا ہے۔

۵- هَرْج کے معنی ہیں: اندھادھند قتل، هَرَجَ القومُ يَهْرِجُ هَرْجًا کے معنی ہیں: لوگوں کا فتنہ وفساد اور قتل وگارتگری میں مبتلا ہوجانا، اردو میں ہرج مرج مستعمل ہے یعنی شورش وبلوی، یہ قیامت کی پانچویں علامت ہے: لوگوں میں مارا ماری شروع ہوجائے گی۔

۶- قیامت کے قریب مال کی فروانی ہوجائے گی، مال پانی کی طرح بہے گا اور مال میں فتنے کا پہلو بھی ہوتا ہے، پس مال کی زیادتی فتنوں کی زیادتی کا سبب بنے گی۔

[۱۰۳۷-] حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَیْنُ بْنُ الْحَسَنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ [عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم] قَالَ: "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ شَامِنَا وَفِیْ یَمَنِنَا" قَالَ: قَالُوْا: وَفِیْ نَجْدِنَا، قَالَ: قَالَ: "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ شَامِنَا وَفِیْ یَمَنِنَا" قَالُوْا: وَفِیْ نَجْدِنَا، قَالَ: "هُنَالِكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ، وَبِهَا یَطْلُعُ قَرْنُ الشَّیْطَانِ" [انظر: ۷۰۹۴]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ہمارے ملک شام میں اور ہمارے یمن میں برکت فرما، صحابہ نے عرض کیا: اور ہمارے نجد میں یعنی اس کو بھی دعا میں شامل فرمائیں، راوی کہتے ہیں: آپؐ نے پھر وہی جملہ فرمایا: اے اللہ! ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں برکت فرما، لوگوں نے پھر عرض کیا: نجد کو بھی دعا میں شامل فرمائیں، آپؐ نے فرمایا: وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

تشریح:

۱- شام اور یمن دو مشہور ملک ہیں، اور اس حدیث میں عام طور پر انہی ملکوں کو مراد لیا جاتا ہے مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں شام اسلامی قلمرو میں شامل نہیں ہوا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شام "ہمارا شام" بنا، پھر اس کے لئے دعا کا کیا مطلب؟ اس لئے حاشیہ میں ایک دوسرا مطلب لکھا ہے اور وہی مطلب میرے نزدیک راجح ہے۔ یمن سے دایاں اور شام سے بایاں مراد ہے، مدینہ منورہ سے یمن دائیں جانب واقع ہے اور شام بائیں جانب، یعنی نبی ﷺ نے دعا فرمائی کہ جزیرۃ العرب میں مدینہ سے دائیں جانب بھی برکت فرما اور بائیں جانب بھی، صحابہ نے لقمہ دیا: نجد کے لئے بھی دعا فرمائیں، نجد: مدینہ منورہ سے مشرق کی طرف واقع ہے یعنی صحابہ نے مشرق کے لئے بھی دعا کی درخواست کی، اور مشرق کے بجائے لفظ نجد استعمال کیا، اور مغرب کے لئے اس لئے درخواست نہیں کی کہ مدینہ منورہ سے مغرب کی جانب سمندر لگا ہوا ہے، آپؐ نے دوسری مرتبہ بھی شام اور یمن ہی کے لئے دعا فرمائی، صحابہ نے پھر لقمہ دیا تو آپؐ نے فرمایا: وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا، یہ عطف تفسیری ہے کیونکہ ہر فتنہ زلزلہ اور بھونچال ہے، اور نبی ﷺ کی وفات کے فوراً بعد وہاں سے مسیلمہ کذاب کا فتنہ رونما ہوا، یمامہ نجد میں ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ لفظ الزلازل کی وجہ سے حدیث یہاں لائے ہیں۔

۲- یہ حدیث بظاہر عام ہے مگر حقیقت میں خاص ہے اور اس حدیث میں مسیلمہ کذاب کے فتنے کی طرف اشارہ ہے جو آپ ﷺ کی وفات کے فوراً بعد رونما ہوا تھا، حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نجد میں قیامت تک کے لئے شر ہے، بلکہ یہ حدیث خاص ہے، اس میں ایک خاص فتنہ کی پیشین گوئی ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ﴾

انسان شکر گذار ہونے کے بجائے تکذیب کرتا ہے

بارش اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت اور نعمت ہے، جب اللہ تعالیٰ بندوں کو اس نعمت سے نوازیں تو بندوں کو شکر گذار ہونا چاہئے، مگر بندوں کا عجیب حال ہے وہ اپنا رزق (حصہ) ناشکری اور قرآن کی تکذیب کو گردانتے ہیں۔

اور باب میں جو آیت ہے وہ سورۂ واقعہ کی آیت ۸۲ ہے، اس میں رزقکم (مرکب اضافی) مفعول اول ہے اور جملہ انکم تکذبون مفعول ثانی ہے، اور رزق کے معنی روزی اور غذا کے ہیں اور مراد نصیبہ اور حصہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تم اپنا حصہ اس بات کو گردانتے ہو کہ تم قرآن کی تکذیب کرتے ہو، حالانکہ تمہارا حصہ شکر گذاری ہونا چاہئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول لائے ہیں کہ آیت میں رزق سے مراد شکر بجالانا ہے، پھر مرفوع حدیث لائے ہیں کہ بارش ہونے کے بعد کچھ لوگ اللہ کا شکر بجالاتے ہیں اور کچھ لوگ بارش کو پچھتروں کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ ناشکرے لوگ ہیں۔

اور ترمذی شریف (حدیث ۳۳۱۹) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے، اس میں نبی ﷺ نے رزق کی تفسیر شکر سے کی ہے، پھر تکذیب کو حصہ بنانے کی مثال میں پچھتروں کی بات پیش کی ہے، قال: شکرکم، تقولون مطرنا بنوء کذا وکذا وبنجم کذا وکذا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حدیبیہ میں ایک رات بارش ہوئی تھی، فجر کی نماز کے بعد آپؐ نے لوگوں سے پوچھا: جانتے ہو آج رات اللہ پاک نے کیا فرمایا: صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندوں میں سے بعض نے صبح کی اس حال میں کہ وہ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور ستاروں کا انکار کرنے والے ہیں اور بعض نے اس حال میں صبح کی کہ وہ ستاروں پر ایمان لانے والے ہیں اور میرا انکار کرنے والے ہیں، جس نے کہا کہ اللہ کے فضل سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان لانے والا اور پچھتروں کا انکار کرنے والا ہے، اور جس نے کہا کہ فلاں پچھتر لگا اس لئے بارش ہوئی وہ پچھتروں پر ایمان لانے والا اور میرا انکار کرنے والا ہے، یہ حدیث تکذیب اور ناشکری کی مثال ہے۔

[۲۸-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ﴾

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: شُكْرَكُمْ.

[۱۰۳۸-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ: صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَلَاةَ الصُّبْحِ

بِالْحُدَيْبِيَةِ، عَلَى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: "هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟" قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ! قَالَ: "أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ" [راجع: ۸٤٦]

ترجمہ: حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں نبی ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی بارش ہونے کے بعد جو رات میں ہوئی تھی، جب آپؐ نے نماز کا سلام پھیرا تو آپؐ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جانتے ہو تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں! (آپؐ نے فرمایا:) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: صبح کی میرے بندوں نے دو حال میں، بعض مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور بعض انکار کرنے والے، جس نے کہا کہ ہمیں اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ملی وہ مجھ پر ایمان لانے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے، اور جس نے کہا کہ فلاں اور فلاں ستاروں کی وجہ سے بارش ہوئی تو وہ میرا انکار کرنے والا اور ستاروں پر ایمان لانے والا ہے۔

تشریح: دنیا میں مسببات اسباب سے پیدا ہوتے ہیں مگر بعض مسببات وہ ہیں جن کا اسباب سے پیدا ہونا ظاہر ہے، وہاں سبب ظاہری کی طرف نسبت کرنا جائز ہے، اور جس مسبب کا سبب سے پیدا ہونا خفی ہے وہاں مسبب الاسباب کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے، سبب کی طرف نسبت جائز نہیں، جیسے یہ کہنا کہ فلاں ڈاکٹر کی دواء سے شفا ہوئی: صحیح ہے، کیونکہ حکیموں اور ڈاکٹروں کی دواؤں سے شفا ہونا بدیہی امر ہے، ہر کوئی اسے جانتا ہے، اور کسی کے یہاں کسی بزرگ کی دعا سے لڑکا پیدا ہوا تو اس کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ فلاں بزرگ نے لڑکا دیا، اللہ کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے کہ اللہ نے لڑکا دیا، کیونکہ کسی کی دعا سے لڑکا ملنا سبب خفی ہے پس بزرگ کی طرف نسبت جائز نہیں، اسی طرح پچھتروں سے بارش ہونا سبب خفی ہے، ستاروں کے اثرات ضرور ہیں مگر وہ سبب خفی ہیں، اس لئے ان کی طرف بارش کی نسبت جائز نہیں۔

بَابٌ: لَا يَدْرِي مَتَى يَجِيءُ الْمَطَرُ إِلَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی

اس باب کی ابواب الاستسقاء کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ بارش کب آئے گی اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، پس نماز استسقاء پڑھ کر یہ امید باندھنا کہ گھر پہنچنے سے پہلے بارش شروع ہوجائے گی: صحیح نہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نماز استسقاء پڑھی اور خوب دعائیں کیں مگر بارش نہیں ہوئی، پس لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری نماز بےکار گئی: یہ خیال صحیح نہیں، پڑھی ہوئی نماز بیکار نہیں گئی اس کا ثواب ضرور ملے گا مگر بارش کب ہوگی یہ بات اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، یہ امور غیب میں سے ہے۔

[۲۹-] بَابٌ: لَايَدْرِيْ مَتَى يَجِيئُ الْمَطَرُ إِلَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ

وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ"

[۱۰۳۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مِفْتَاحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللّٰهُ: لَا يَعْلَمُ أَحَدٌ مَا يَكُوْنُ فِيْ غَدٍ، وَلَا يَعْلَمُ أَحَدٌ مَايَكُوْنُ فِي الْأَرْحَامِ، وَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ، وَمَا يَدْرِيْ أَحَدٌ مَتَى يَجِيْءُ الْمَطَرُ"[انظر: ۴۶۲۷، ۴۶۹۷، ۴۷۷۸، ۷۳۷۹]

معلّق حدیث: حدیث جبرئیل کا ایک حصہ ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا تھا: قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے فرمایا: اس کا علم ان پانچ باتوں میں ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

دوسری: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو پہلی مرتبہ آئی ہے اور آئندہ چار مرتبہ آئے گی، اور یہاں روایت میں تسامح ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: غیب کی کنجی پانچ چیزیں ہیں ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔(۱) کوئی نہیں جانتا کہ آئندہ کل کیا ہوگا (۲) اور کوئی نہیں جانتا کہ بچہ دانی میں کیا ہے (۳) اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ آئندہ کل کیا کرے گا (پہلی اور یہ بات ایک ہیں، یہ اس روایت میں تسامح ہے) (۴) اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا (۵) اور کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی۔

تشریحات:

۱- اس روایت میں تسامح ہے، یہ روایت جلد ثانی میں چار جگہ آئی ہے اور حدیث نمبر ۴۶۲۷ اور ۴۷۷۸ میں مفتاح الغیب خمس لایعلمها إلا الله کے بعد سورۂ لقمان کی آخری آیت پڑھی ہے اور حدیث نمبر ۴۶۹۷ اور ۷۳۷۹ میں راوی نے تفسیر کی ہے اور پانچ چیزوں کا ذکر کیا ہے ان میں ایک قیامت کا علم ہے جس کو یہاں راوی نے چھوڑ دیا ہے، اور پہلی بات کو مکرر بیان کیا ہے، یہ اس روایت میں تسامح ہے۔

۲- یہاں سے یہ قاعدہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ سند کی صحت کے لئے مضمون کی صحت لازم نہیں، اور اس کا برعکس یعنی سند صحیح نہ ہو تو پورا مضمون غلط ہو جائے یہ بھی ضروری نہیں، اس قاعدہ کو عام طور پر لوگ نہیں جانتے، لوگ کہتے ہیں: بخاری کی حدیث ہے! ارے بھائی! بخاری کی حدیث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سند صحیح ہے لیکن اس کے متن میں راویوں سے تسامح نہیں ہوا ایسا ضروری نہیں، اور سند ضعیف ہو تو متن بھی سارا غلط ہو جائے ایسا بھی ضروری نہیں، بہت سی ضعیف حدیثوں میں صحیح مضمون آیا ہے، پس اس قاعدہ کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہئے۔

۳- خمس کا عدد حصر کے لئے نہیں ہے، امورِ غیب بے شمار ہیں ان کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا اور آیت اور حدیث میں مذکور پانچ چیزیں بطور مثال ہیں۔

غیب کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم حاصل کرنے کے لئے پانچ حواس عطا فرمائے ہیں، آنکھ سے دیکھ کر، ناک سے سونگھ کر، کان سے سن کر، زبان سے چکھ کر اور ہاتھ سے ٹٹول کر انسان علم حاصل کرتا ہے، جو چیزیں ان حواس کے دائرے سے باہر ہیں وہ غیب ہیں، عقل ان کا ادراک کرسکتی ہے، ہم اللہ کو عقل کے ذریعہ جانتے ہیں، مگر مغیبات حواس کے دائرے میں نہیں آتے، جیسے جنت اور اس کی نعمتیں، جہنم اور اس کا عذاب، قیامت، میدان حشر، پل صراط اور فرشتے وغیرہ بے شمار چیزیں ہیں جن کو ہم عقل سے سمجھ سکتے ہیں، لیکن حواس سے محسوس نہیں کرسکتے، یہ سب امور غیب ہیں، بارش کب ہوگی؟ کتنی ہوگی؟ کیسی ہوگی؟ یہ سب امور غیب ہیں۔

۴- یہاں لوگ ایک سوال کرتے ہیں کہ اب ایسی مشین وجود میں آگئی ہے جو بتادیتی ہے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ جبکہ آیت پاک میں اس کو غیب قرار دیا گیا ہے اور اس کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہ ہونے کی بات کہی گئی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، اطباء نے ہزاروں سال پہلے طب کی کتابوں میں علامتیں لکھ دی ہیں، اب اس میں تھوڑی ترقی ہوئی ہے پس یہ کوئی خاص بات نہیں، اصل بات یہ ہے کہ اگر کسی بڑے معاملہ کی کوئی ایک جزئی معلوم ہوجائے تو اس کو سارے معاملہ کا جاننا نہیں کہتے، آیت کریمہ میں ما ہے ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ اور ما غیر ذوی العقول کے لئے ہے اور عام ہے۔ اور مشین اس وقت بتاتی ہے جب حمل بچہ کے مرحلہ میں داخل ہوتا ہے یعنی شخص بن جاتا ہے۔

اب غور کریں ما میں کتنی چیزیں شامل ہیں: جو حمل ٹھہرا ہے وہ ٹھہرا رہے گا یا گر جائے گا؟ ٹھہرا رہے گا تو نطفہ کے مرحلہ تک یا علقہ کے مرحلہ تک یا مضغہ کے مرحلہ تک یا ڈھانچہ بننے کے مرحلے تک رہے گا یا نہیں؟ پھر اس میں روح پڑے گی یا نہیں؟ روح پڑے گی تو بچہ زندہ پیدا ہوگا یا مردہ؟ زندہ پیدا ہوگا تو کتنے دن دنیا میں رہے گا؟ اس کی روزی کیا ہوگی؟ وہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت؟ غرض ابتداء سے انتہاء تک کے تمام احوال ما کے عموم میں داخل ہیں اور ان جملہ احوال کو صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اور شخص بننے کے بعد مشین کا یہ بتادینا کہ لڑکا ہے یا لڑکی، یہ ایک جزئی علم ہے اس کو غیب کا جاننا نہیں کہتے۔

۵- نبی ﷺ نے پانچ باتوں کو امور غیب میں سے قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، اور یہ پانچ چیزیں سورۂ لقمان کی آخری آیت میں آئی ہیں، ان میں پہلا جملہ ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ اس جملہ میں تاکیدات ہیں، اِنّ حرف مشبہ بالفعل ہے، پھر عندہ خبر مقدم ہے اور علم الساعۃ اسم مؤخر اور تقدیم وتاخیر حصر کا فائدہ دیتی ہے، مگر اس کے بعد والے چاروں جملے سادہ ہیں، ان میں نہ حصر لفظی ہے نہ حصر معنوی، پھر نبی ﷺ نے کیسے فرمایا کہ یہ پانچ باتیں امور غیب میں سے ہیں؟

جواب: آیت کریمہ میں جو پہلا جملہ ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ یہ بمنزلہ انجن ہے، اس کے ساتھ چار ڈبے لگے ہوئے ہیں، اور ڈبے وہیں پہنچتے ہیں جہاں انجن پہنچتا ہے، پس جب پہلے جملہ میں تاکیدات اور حصر ہے تو وہ حصر باقی چار جملوں میں بھی جائے گا اور یہ مضمون اللہ کا رسول ہی سمجھ سکتا ہے ماوشما اور مجتہدین اس کو نہیں سمجھ سکتے۔

اس کی نظیر: کبھی نص میں کوئی کلمہ حصر نہیں ہوتا، نہ لفظی حصر ہوتا ہے نہ معنوی، مگر اس میں حصر کا فلیور (خوشبو) ہوتا ہے، جیسے فروٹی میں مینگو کا جوس نہیں ہے اس کا فلیور ہے، آم کی خوشبو ڈال رکھی ہے، جس کی وجہ سے پیتے وقت معلوم ہوتا ہے کہ آم کا جوس پی رہا ہے۔

اسی طرح کبھی جملہ میں لفظی یا معنوی حصر نہیں ہوتا مگر اس میں حصر کا فلیور ہوتا ہے، جیسے سورۂ نساء کے شروع میں ہے: اگر تم یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے انصاف نہ کر سکو تو ﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾: تمہیں جو عورتیں پسند ہوں یتیم لڑکیوں کے علاوہ ان میں سے دو دو، تین تین اور چار چار سے نکاح کرو، اس آیت میں کوئی کلمۂ حصر نہیں ہے نہ لفظی اور نہ معنوی، مگر اس میں حصر کا فلیور ہے اور وہ یہ ہے کہ معرض بیان میں جب متکلم کسی جگہ خاموش ہو جائے تو یہ دلیل ہوتی ہے کہ بس یہیں تک اجازت ہے، اللہ تعالیٰ تعدد ازواج کا جواز بیان کرتے ہوئے رُباع پر رک گئے، پس حصر ہو گیا، اور یہ مضمون بھی اللہ کا رسول ہی سمجھ سکتا ہے، مجتہدین نہیں سمجھ سکتے، چنانچہ غیلان ثقفی رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں، نبی ﷺ نے چار کو رکھ کر باقی کو الگ کرنے کا حکم دیا، آپ نے یہ بات اسی آیت سے سمجھی ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، مسلمان کے نکاح میں ایک وقت میں چار ہی بیویاں ہو سکتی ہیں، چار سے زائد نہیں۔

۲- اسی طرح لوگ سوال کرتے ہیں کہ اب محکمۂ موسمیات بارش کا اعلان کر دیتا ہے، پس یہ علم اللہ کے ساتھ خاص کہاں رہا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ محکمۂ موسمیات مانسون چلنے کے بعد اعلان کر سکتا ہے، سمندر سے بارانی ہوائیں چلتی ہیں جب وہ کسی رخ پر خاص رفتار سے چلتی ہیں تو اندازہ کر لیا جاتا ہے کہ بارش کب آئے گی، مگر بارہا ایسا ہوتا ہے کہ مانسون کا رخ بدل جاتا ہے اور بارش نہیں ہوتی، اور پیشین گوئی جھوٹی نکلتی ہے، یعنی قطعی طور پر بارش کے احوال کوئی نہیں جانتا، اسی طرح آیت میں مذکور باقی چیزوں کو بھی سمجھ لینا چاہئے، آدمی پلان بناتا ہے: میں کل یہ کروں گا، پرسوں یہ کروں گا، مگر یہ صرف پلان ہوتا ہے پلان کے مطابق ہونا ضروری نہیں، اسی طرح عام طور پر آدمی جہاں رہتا ہے وہیں مرتا ہے مگر یہ ضروری نہیں، کبھی اچانک کوئی حاجت پیش آجاتی ہے اور آدمی دوسری جگہ مرتا ہے، اس کو کوئی انسان نہیں جانتا، صرف اللہ ہی جانتے ہیں کہ کون کہاں مرے گا؟

﴿الحمد للہ! ابواب الاستسقاء کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَبْوَابُ الْكُسُوفِ

گہن کی نماز کا بیان

کسوف اور خسوف دونوں عام لفظ ہیں، سورج گہن اور چاند گہن دونوں پر دونوں کا اطلاق ہوتا ہے، مگر فقہاء سورج گہن کے لئے کسوف اور چاند گہن کے لئے خسوف استعمال کرتے ہیں۔

مذاہب فقہاء: تمام ائمہ متفق ہیں کہ سورج گہن میں باجماعت نماز مسنون ہے، اور چاند گہن میں چھوٹے دو اماموں کے نزدیک باجماعت نماز مسنون ہے، اور بڑے دو اماموں کے نزدیک صرف نماز مسنون ہے، جماعت کے ساتھ پڑھنا مسنون نہیں، مگر ان کے قول کا یہ مطلب نہیں کہ چاند گہن میں باجماعت نماز جائز نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جماعت مشروع نہیں یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا جائز تو ہے مگر تنہا پڑھنا مسنون ہے، اور سورج گہن میں باجماعت نماز پڑھنا مسنون ہے اور تنہا پڑھنا جائز ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

اور وجہ فرق یہ ہے کہ سورج گہن دن میں ہوتا ہے، اور دن میں لوگوں کا اجتماع مشکل نہیں، اور چاند گہن رات میں ہوتا ہے، اور رات میں لوگوں کا اجتماع دشوار ہے، اس لئے جماعت سے پڑھنا مسنون نہیں۔

قراءت کا مسئلہ: چاند گہن میں اگر جماعت کریں تو قراءت بالا جماع جہراً ہوگی اس لئے کہ وہ رات کی نماز ہے اور سورج گہن میں جماعت کریں تو قراءت جہراً ہوگی یا سراً؟ اس میں اختلاف ہے، امام اعظم اور امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک سراً قراءت ہوگی کیونکہ وہ دن کی نماز ہے اور دن کی نمازیں سری ہوتی ہیں، اور امام احمد اور صاحبین رحمہم اللہ جہر کے قائل ہیں، یہ حضرات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو ابواب الکسوف کے آخری باب میں ہے۔

مسئلہ: سورج گہن کی نماز کم سے کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ چار، اگر لوگ لمبی نماز پڑھ سکیں اور کوئی ایسا شخص ہو جو لمبی نماز پڑھا سکے تو سورج گہن کے پورے وقت کو نماز میں مشغول کرنا چاہئے اور اگر لوگ لمبی نماز پڑھنے پر آمادہ نہ ہوں یا ایسا شخص موجود نہ ہو جو لمبی نماز پڑھا سکے تو پھر دو یا چار رکعت پڑھ کر دعا میں مشغول رہیں تا آنکہ گہن ختم ہو جائے۔

گہن کی نماز کے سلسلہ کی مختلف روایات

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ مسئلہ باب میں چھ قسم کی روایات ہیں: (۱) ہر رکعت میں ایک رکوع (یہ ابوبکرہؓ کی حدیث ہے) (۲) ہر رکعت میں دو رکوع (۳) ہر رکعت میں تین رکوع (۴) ہر رکعت میں چار رکوع (یہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیثیں ہیں) (۵) ہر رکعت میں پانچ رکوع (یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے) (۶) حضرت قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ برابر دو دو، دو دو رکعتیں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ گہن ختم ہو گیا (حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا عمل بھی یہی تھا اور ان سے اس سلسلہ میں مرفوع حدیث بھی مروی ہے) ——— ان میں سے بعض حدیثیں صحیحین میں، بعض نسائی میں اور بعض ابو داؤد میں ہیں اور سب سنداً قوی ہیں، جبکہ صورت حال یہ ہے کہ مکی دور کے احوال تو معلوم نہیں مگر مدنی دور میں صرف ایک مرتبہ ایسا سورج گہن ہوا ہے جس میں سورج آدھے سے زیادہ پکڑا گیا تھا، اور وہ گہن صبح کے وقت تقریباً آٹھ نو بجے کے درمیان ہوا تھا اور مغرب سے پہلے روشنی ماند پڑ جاتی ہے ایسی صورت ہو گئی تھی، اور یہ واقعہ سن ۱۰ ہجری میں پیش آیا تھا، اتفاق سے اس سے ایک دن پہلے آنحضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا، چنانچہ زمانہ جاہلیت کے تصور کے مطابق لوگوں میں یہ چرچا شروع ہو گیا کہ آج سورج نے سوگ منایا، جب کسی بڑے آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو کائنات سوگ مناتی ہے، یہ عربوں کے تصورات تھے چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے نماز کے بعد ایک مختصر تقریر فرمائی اور اس میں یہ بات واضح کی کہ سورج اور چاند کسی کی موت یا حیات پر نہیں گہناتے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ مخلوق کو دکھاتے ہیں، غرض آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ میں صرف ایک مرتبہ سورج گہن ہوا ہے اور آپؐ نے صرف ایک مرتبہ نماز کسوف پڑھی ہے پھر بھی روایتوں میں سخت اختلاف ہے، اب دو باتیں سمجھنی ہیں: ایک: روایات میں اختلاف کیوں ہے؟ دوسری: کس روایت کو معمول بہ بنایا جائے۔

کس روایت کو معمول بہ بنایا جائے؟

ائمہ ثلاثہ نے حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو اختیار کیا ہے جس میں ہر رکعت میں دو رکوع کا ذکر ہے اور باقی حدیثوں سے صرف نظر کیا ہے[1] ان کے یہاں نماز کسوف پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں

---

(۱) حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایتیں جن میں دو رکوع کا ذکر ہے: اصح ما فی الباب ہیں، اس لئے ائمہ ثلاثہ نے ان روایتوں کو لیا ہے اور باقی روایتوں سے صرف نظر کیا ہے، جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہر اونچ نیچ میں رفع یدین مروی ہے مگر اصح ما فی الباب وہ روایت ہے جس میں تین جگہ (تحریمہ کے ساتھ، رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے) یا چار جگہ (تیسری رکعت کے شروع میں) رفع کا ذکر ہے، چھوٹے دو اماموں نے تین جگہ رفع والی روایت لی ہے، اور ان کے متبعین نے چار جگہ رفع والی روایت لی ہے کیونکہ وہی اصح ما فی الباب ہیں اور باقی روایتوں سے صرف نظر کیا ہے۔

سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ جتنی قراءت کرے پھر اسی تناسب سے طویل رکوع کرے پھر اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو (جبکہ آگے حدیث میں آرہا ہے کہ تسمیع کے ساتھ کھڑا ہو) پھر کھڑے ہوکر دوبارہ فاتحہ پڑھے اور سورۂ آل عمران جتنی قراءت کرے یعنی پہلی قراءت سے تھوڑی کم قراءت کرے پھر رکوع کرے اور قراءت کے تناسب سے لمبا رکوع کرے، یعنی پہلے رکوع سے ذرا کم رکوع کرے پھر تسمیع کے ساتھ کھڑا ہو، پھر دو سجدے کرے اور سجدے بھی قراءت کے تناسب سے طویل کرے، پھر اگلی رکعت اسی طرح پڑھے۔

اور حنفیہ نے ان روایات میں سے کوئی روایت نہیں لی بلکہ ایک ساتویں روایت لی ہے جو حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت قبیصۃ الہلالی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جو نسائی (۱۴۱:۳ مصری) میں ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کسوف پڑھانے کے بعد ارشاد فرمایا: **فاذا رأیتم ذلک فصلوا کأحدث صلوۃ صلیتموھا من المکتوبۃ**: یعنی اگر آئندہ اس طرح کا واقعہ پیش آئے تو تم نے جو قریب ترین فرض نماز پڑھی ہے اس طرح نماز کسوف پڑھنا، قریب ترین فرض نماز جو پڑھی گئی تھی وہ فجر کی نماز تھی اور فجر کی نماز میں ہر رکعت میں ایک رکوع ہے اس لئے احناف کے نزدیک نماز کسوف عام نمازوں کی طرح ہے اس میں بھی ہر رکعت میں ایک رکوع ہے۔

روایات میں اختلاف کیوں ہے؟

حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ نے سورج گہن کی نماز مشاہدہ والی نماز پڑھی تھی، ہم جب نماز پڑھتے ہیں تو ہمارے اور غیب کے درمیان پردہ حائل رہتا ہے اور پردے کے پیچھے جو مخلوقات ہیں وہ ہماری نظروں سے غائب ہوتی ہیں، اور آپ کی نماز مشاہدہ والی نماز تھی یعنی بیچ سے پردہ ہٹادیا جاتا تھا اور پردہ کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی جو مخلوقات ہیں: جنت و جہنم وغیرہ وہ آپ کو نظر آتی تھیں۔ آئندہ حدیث میں آرہا ہے کہ آنحضور ﷺ کبھی نماز میں قبلہ کی طرف بڑھے اور ہاتھ بڑھایا جیسے کچھ لینا چاہتے ہیں اور کبھی پیچھے ہٹ آئے یہاں تک کہ پہلی صف سے مل گئے۔ نماز کے بعد صحابہ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! یہ کیا کیفیت تھی کہ کبھی آپ آگے بڑھے، کبھی پیچھے ہٹے؟ آپ نے فرمایا: نماز میں میرے سامنے جنت و جہنم لائی گئیں، جب جنت سامنے آئی تو میں آگے بڑھا تاکہ تمہارے لئے انگور کا ایک خوشہ لے لوں، اگر میں خوشہ لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس کو کھاتے، پھر جب میرے سامنے جہنم لائی گئی تو میں نے سخت حرارت محسوس کی پس میں پیچھے ہٹ گیا، معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ نے یہ مشاہدہ والی نماز پڑھائی تھی، اور ہم جب نماز پڑھیں گے تو یہ کیفیت حاصل نہیں ہوگی، اس لئے آپ نے نماز کے بعد یہ ہدایت فرمائی کہ آئندہ اس طرح کا واقعہ پیش آئے تو فجر کی نماز کی طرح نماز پڑھنا، چنانچہ احناف نے اسی حکم کو اختیار کیا۔

بہ الفاظ دیگر: سجدے کئی طرح کے ہوتے ہیں، ایک سجدۂ صلوٰۃ ہے جو نماز میں ہے، ایک سجدۂ تلاوت ہے جو آیت سجدۃ پڑھنے کے بعد کیا جاتا ہے، ایک سجدۂ تحیہ (سلامی کا سجدہ) ہے، ایک سجدۂ تعظیم ہے (یہ سجدے گذشتہ امتوں میں تھے) اور

ایک سجدۂ آیات ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی نشانیاں سامنے آنے پر کیا جاتا ہے۔ ابوداؤد (۱:۱۴۱ مصری) میں روایت ہے: ابن عباسؓ کو ازواج مطہرات میں سے کسی کی وفات کی خبر پہنچی تو آپؓ نے سجدہ کیا، پوچھا گیا: یہ کیسا سجدہ ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی بڑی نشانی دیکھو تو سجدہ کرو، اور ازواج مطہرات آنحضور ﷺ کی نشانیاں ہیں، ان کے دنیا سے اٹھ جانے سے بڑی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی کیا ہو سکتی ہے؟ اس لئے میں نے سجدہ کیا۔

اسی طرح رکوع بھی متعدد ہیں، ایک نماز کا رکوع ہے، ایک رکوع آیات ہے، سورۂ ص (آیت ۲۴) میں اس کا ذکر ہے، اسی طرح سجدۂ تلاوت میں بھی کبھی رکوع سجدہ کی قائم مقامی کرتا ہے۔

غرض: جب نبی ﷺ نے مشاہدہ والی نماز پڑھائی اور اللہ کی عظیم نشانیاں آپؐ کے سامنے آئیں تو آپؐ نے رکوع فرمایا، یہ رکوع سجدۂ آیات کے قائم مقام تھا، نماز کا رکوع نہیں تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام روایات متفق ہیں کہ سجدے آپؐ نے ہر رکعت میں دو ہی کئے تھے، صرف رکوع متعدد کئے ہیں، معلوم ہوا کہ وہ نماز والے رکوع نہیں تھے، نیز ائمہ ثلاثہ بھی پہلے رکوع سے تکبیر کے ذریعہ کھڑے ہونے کے قائل ہیں، تسمیع کے ذریعہ نہیں، اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ نماز کا رکوع نہیں تھا۔

اور صحابہ میں اختلاف اس لئے ہوا کہ پہلے سے اس کا کوئی علم نہیں تھا کہ آج سورج گہن ہونے والا ہے، جب سورج گہن شروع ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے اعلان کرایا: **الصلوٰۃ جامعۃ**: جامع مسجد چلو نماز ہو رہی ہے، یہ اعلان سن کر سارا مدینہ مسجد نبوی میں امنڈ آیا، مگر سب ایک ساتھ نہیں آئے، آگے پیچھے آئے، پھر جماعت بہت بڑی ہو گئی تھی، کیونکہ پورا مدینہ ایک جگہ اکٹھا ہو گیا تھا اس لئے جو لوگ پہلے آئے ان کو آنحضور ﷺ کے سب رکوع نظر آئے، اور جو دور تھے یا بعد میں آئے ان کو بعض رکوع نظر نہ آئے اس لئے ہر راوی نے اس کے علم میں جتنے رکوع آئے وہ روایت کر دیئے[1]

رہی یہ بات کہ ایک ہی صحابی سے دو دو اور تین تین رکوع کی روایتیں کیوں ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے؟ جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ تو اس وقت بچے تھے، ہو سکتا ہے وہ جماعت میں

(۱) اس کی نظیر: حجۃ الوداع میں نبی ﷺ نے احرام کہاں سے باندھا؟ اس سلسلہ میں مختلف روایتیں ہیں اور ان میں تطبیق یہ دی گئی ہے کہ آپؐ نے ذوالحلیفہ میں ایک درخت کے قریب احرام کا دوگانہ ادا کیا اور تلبیہ پڑھ کر احرام شروع فرمایا، مگر اس کا علم صرف ان لوگوں کو ہوا جو وہاں موجود تھے، پھر جب اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپؐ نے تلبیہ پڑھا، پس کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی انھوں نے خیال کیا کہ آپؐ نے احرام اب شروع کیا، پس انھوں نے یہی روایت کیا، پھر جب اونٹنی آپ کو لے کر بیداء نامی ٹیلے پر چڑھی تو آپؐ نے تلبیہ پڑھا پس جن لوگوں نے یہی تلبیہ سنا انھوں نے اسی کو پہلا تلبیہ سمجھا اور یہ بیان کرنا شروع کر دیا کہ آپؐ نے بیداء سے احرام باندھا، مگر صحیح بات یہ ہے کہ آپؐ نے درخت کے قریب مسجد کے پاس سے احرام شروع کیا تھا، اسی طرح کا اختلاف یہاں بھی ہوا ہے۔

شریک بھی نہ ہوئے ہوں، اور ہوئے ہوں تو بالکل پیچھے رہے ہوں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بچوں سے بھی پیچھے عورتوں کی صف میں تھیں پس ان حضرات کے علم کا ماٰخذ دوسرے صحابہ کی روایات ہیں، یہ حضرات جو روایتیں بیان کرتے ہیں وہ دوسرے صحابہ سے سنی ہوئی ہیں، پس کسی نے ان سے دو رکوع بیان کئے اور کسی نے تین، اس لئے انھوں نے جیسا سنا بیان کر دیا اور چونکہ اس زمانہ میں سند کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا اس لئے مروی عنہ کا نام یاد نہیں رکھا اور اس بات پر طلباء کو حیرت نہ ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے پہلے کے واقعات بھی بیان کرتی ہیں بلکہ ابتدائے نبوت کے احوال بھی بیان کرتی ہیں، یہ سب رسول اللہ ﷺ سے یا دوسرے صحابہ سے مثلاً ان کے والد وغیرہ سے سنی ہوئی روایات ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے تو باقاعدہ صحابہ سے علم حاصل کیا ہے۔

آخری بات: امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ ہیں یعنی ان کے نزدیک بھی نماز کسوف فجر کی نماز کی طرح پڑھی جائے گی، مگر یہ بات حضرتؒ نے کھل کر نہیں کہی، آپ کے طرز عمل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ حضرت رحمہ اللہ پوری کتاب الکسوف میں دو رکوع والا باب لائے ہی نہیں، حالانکہ یہ اہم مسئلہ ہے اس سے ہم سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام بخاریؒ ائمہ ثلاثہ کے ساتھ نہیں ہیں، رہا یہ سوال کہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو رکوع والی حدیث بار بار کیوں لائے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ حدیث الماء من الماء اور اکسال والی روایت بھی بخاری میں لائے ہیں درانحالیکہ وہ روایتیں منسوخ ہیں اور آپ کا وہ مذہب بھی نہیں، اور آپ نے معذرت بھی کی ہے کہ میں یہ روایت اس لئے لایا ہوں کہ یہ مسئلہ صحابہ میں اختلافی رہ چکا ہے پس امت کے سامنے یہ بات آنی چاہئے، امت اس سے بے خبر نہیں رہنی چاہئے (دیکھئے: کتاب الغسل کے آخری ابواب) اس نظریہ سے آپ یہاں بھی حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایتیں لائے ہیں تاکہ امت باخبر رہے، مگر اس سے یہ سمجھنا کہ امام بخاریؒ کا مذہب دو رکوع کا تھا: صحیح نہیں۔

یہ چند ضروری باتیں تھیں جو میں نے بطور تمہید بیان کیں، باقی باتیں کتاب میں آئیں گی۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ

سورج گہن کی نماز

اس باب میں دو مسئلے زیر بحث ہیں:

پہلا مسئلہ: سورج گہن کی نماز مشروع ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور اس کو بیان کرنے کی وجہ ایک شبہ کا ازالہ ہے، نماز کسوف کی مشروعیت سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہ سورج کی عبادت ہے جبکہ سورج اور چاند کی عبادت کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے: ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ﴾ اس وہم کو دور کرنے کے لئے یہ باب لائے ہیں کہ نماز کسوف

سورج کی پوجا نہیں ہے، بلکہ اللہ کی عبادت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: سورج اور چاند کسی کے مرنے پر نہیں گہناتے بلکہ وہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، لہٰذا جب تم سورج اور چاند کو گہنایا ہوا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو، یہاں تک کہ گہن ختم ہوجائے، معلوم ہوا کہ کسوف کی نماز اللہ کی بندگی ہے، سورج کی بندگی نہیں۔

اس کی نظیر: دنیا کے تمام مسلمان کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، یہ کعبہ شریف کی پوجا نہیں ہے بلکہ یہ حکم امت کی شیرازہ بندی (انتظام) کے لئے دیا گیا ہے، چنانچہ قیامت کے قریب جب حبشہ کا ایک بادشاہ چھوٹی پنڈلیوں والا کعبہ شریف کو ڈھادے گا تو پھر کعبہ دوبارہ تعمیر نہیں ہوگا اس وقت بھی ساری دنیا کے مسلمان کعبہ شریف ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے کیونکہ کعبہ شریف میں جو پتھر لگے ہوئے ہیں وہ معبود نہیں ہیں، ان کی عبادت نہیں کی جاتی بلکہ اللہ عزوجل کی ذات معبود ہے، انہی کی عبادت کی جاتی ہے، پس کعبہ شریف کی عمارت رہے یا نہ رہے نماز اسی کی طرف پڑھی جائے گی، اللہ کی ذات ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے اور کعبہ شریف کی طرف منہ کرنے کا حکم صرف امت کی شیرازہ بندی کے لئے ہے، اسی لئے اہل نظر کعبہ کو 'قبلہ نما' کہتے ہیں، معبود اللہ عزوجل کی ذات ہے اور کعبہ شریف اس کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے، چنانچہ اگر جہت قبلہ معلوم نہ ہو تو تحری کرنے کا اور جدھر غالب گمان ہو ادھر نماز پڑھنے کا حکم ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہیں ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ اسی طرح نماز کسوف سورج کی بندگی نہیں ہے بلکہ سورج اور چاند کا گہنانا قدرت خداوندی کی بڑی نشانیاں ہیں اور جب اللہ عزوجل کی قدرت کی کوئی بڑی نشانی ظاہر ہو تو اللہ کو یاد کرنا چاہئے۔ اور اللہ کو یاد کرنے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں ان میں سب سے اعلیٰ صورت نماز ہے، پس جس طرح رکوع آیات اور سجود آیات ہیں یہ نماز بھی نماز آیات ہے، اس لئے سورج کی عبادت کا وہم پیدا نہیں ہونا چاہئے۔

دوسرا مسئلہ: صلوٰۃ کسوف بعض علماء کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک فرض کفایہ ہے، مگر ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ نماز کسوف سنت ہے، فرض و واجب نہیں، اور حدیث میں جو صَلُّوا آیا ہے وہ امر استحباب کے لئے ہے، کیونکہ وجوب پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ نہیں، پھر یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد کا ثبوت ظنی ہوتا ہے اس لئے خبر واحد سے وجوب ثابت نہیں ہوسکتا، زیادہ سے زیادہ استحباب ثابت ہوگا اور یہی ائمہ اربعہ کی رائے ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

١٦- أَبْوَابُ الْكُسُوفِ

[١-] بَابُ الصَّلَاةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ

[١٠٤٠-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَانْكَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَجُرُّ رِدَاءَهُ،

حَتّٰی دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَدَخَلْنَا، فَصَلّٰی بِنَا رَكْعَتَيْنِ حَتّٰی انْجَلَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم: "إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا وَادْعُوْا حَتّٰی يُكْشَفَ مَا بِكُمْ"

[انظر: ۱۰۴۸، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۵۷۸۵]

[۱۰۴۱-] حدثنا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ قَيْسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ: قَالَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم: " إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ، وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهَا فَقُوْمُوْا فَصَلُّوْا" [انظر: ۱۰۵۷، ۳۲۰۴]

[۱۰۴۲-] حدثنا أَصْبَغُ، قَالَ: أَخْبَرَنِیْ ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِیْ عَمْرٌو، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يُخْبِرُ عَنِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم: " إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُمَا فَصَلُّوْا" [انظر: ۳۲۰۱]

[۱۰۴۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيْمُ، فَقَالَ النَّاسُ: كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيْمَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ فَصَلُّوْا وَادْعُوا اللّٰهَ" [انظر: ۱۰۶۰، ۶۱۹۹]

وضاحت: چاروں حدیثوں میں ایک ہی مضمون ہے جو ابھی بیان کیا گیا ہے کہ مدنی دور میں صرف ایک مرتبہ ایسا سورج گہن ہوا ہے جس میں سورج آدھے سے زیادہ پکڑا گیا تھا، یہ گہن صبح تقریباً آٹھ نو بجے کے درمیان ہوا تھا اور مغرب سے پہلے جیسی صورت ہوتی ہے ویسی صورت ہوگئی تھی، اس وقت آپ گھوڑے پر سوار ہوکر کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ اچانک گہن شروع ہوا، پس آپ واپس لوٹے اور سیدھے مسجد میں تشریف لے گئے اور اعلان کرایا: الصلوۃ جامعۃ: جامع مسجد چلو، جماعت ہورہی ہے، یہ اعلان سن کر مدینہ امنڈ آیا، آپؐ نے صلوۃ کسوف پڑھا کر ایک مختصر تقریر فرمائی جس میں ایک بات یہ فرمائی کہ سورج اور چاند کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے نہیں گہناتے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ مخلوق کو دکھاتے ہیں اور یہ بات خاص طور پر اس لئے فرمائی کہ زمانۂ جاہلیت سے یہ تصور چلا آرہا تھا کہ جب کوئی بڑا آدمی مرتا ہے تو کائنات سوگ مناتی ہے، جس دن سورج گہنایا تھا اس سے ایک دن پہلے آنحضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا، اس لئے لوگوں میں یہ چرچا ہوا کہ آج سورج نے سوگ منایا، نبی ﷺ نے اس باطل خیال کی خاص طور پر تردید فرمائی۔

قولہ: کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانکسفت الشمس: یہ راوی کی تعبیر ہے اور اصل بات وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آئندہ حدیث (نمبر ۱۰۵۰) میں آرہی ہے کہ اس دن نبی ﷺ گھوڑے پر سوار ہوکر کہیں

جارہے تھے کہ اچانک گہن شروع ہوا۔

قولہ: یَجُرُّ رِدَاءَہ: حضور ﷺ اپنی چادر گھسیٹ رہے تھے، اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ بغیر تیاری کئے مسجد میں تشریف لے آئے، جمعہ اور عیدین میں آپؐ تیاری کرکے، نہادھوکر، خوشبو اور تیل وغیرہ لگا کر آتے تھے مگر نماز کسوف کے لئے آپؐ نے کوئی تیاری نہیں کی بلکہ آپ گھوڑے پر سوار ہوکر کہیں تشریف لے جارہے تھے، جب گہن شروع ہوا تو فوراً واپس پلٹے اور ازواج مطہرات کے حجروں کے سامنے سے گذرتے ہوئے مسجد میں تشریف لے گئے، کسی گھر میں داخل نہیں ہوئے اور مدینہ میں اعلان کروایا اور نماز شروع فرمادی۔

قولہ: فَصَلُّوْا وادعوا: جب سورج گہن ہوا تو آپؐ نے نماز پڑھنے کا اور دعا کرنے کا حکم دیا، دعا کرنا بالاتفاق سنت اور مستحب ہے پس اس کے ساتھ جو حکم مقارن ہے یعنی نماز پڑھنا وہ بھی سنت اور مستحب ہوگا، یہ استدلال اگرچہ بہت قوی نہیں اس لئے کہ ایک سلسلہ بیان میں مختلف المدارج احکام اکٹھا ہوتے ہیں، جیسے عشرٌ من الفطرۃ میں دس چیزیں ایک درجہ کی نہیں ہیں، بلکہ بعض واجب ہیں بعض سنت ومستحب، مگر یہ بھی ایک قاعدہ ہے کہ نظم میں مقارنت حکم میں مقارنت پر دلالت کرتی ہے، اگرچہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں، مگر یہاں اس قاعدہ سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

قولہ: ولکنھما آیتان من آیات اللہ: چاند اور زمین: سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں، اور جب سورج اور زمین کے درمیان چاند حائل ہوجاتا ہے تو سورج کو گہن لگتا ہے، اور جب سورج اور چاند کے درمیان زمین حائل ہوجاتی ہے تو چاند کو گہن لگتا ہے، یہ ظاہری اسباب ہیں، اور ان کے پیچھے باطنی اسباب ہیں اور ان سب کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ یہ دونوں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

قولہ: ولاینخسفان لموت أحد ولا لحیاتہ: متعدد صحابہ کی روایات میں ولالحیاتہ بھی ہے، مگر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کسی کے مرنے پر سورج اور چاند کا سوگ کرنا تو ٹھیک ہے مگر کسی کے زندہ ہونے پر سوگ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں شرح میں پہلی بات یہ فرمائی ہے کہ یہ لفظ محل اشکال ہے، پھر یہ تاویل کی ہے کہ اس لفظ سے ایک وہم کو دور کرنا مقصود ہے، اگر صرف یہ کہا جاتا کہ سورج اور چاند کا گہنانا اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، وہ کسی کے مرنے پر نہیں گہناتے تو کوئی یہ خیال کرسکتا تھا کہ موت کی ضد حیات پر گہناتے ہونگے، اس لئے نبی ﷺ نے یہ جملہ بڑھایا کہ وہ نہ کسی کے مرنے پر گہناتے ہیں اور نہ کسی کے زندہ ہونے پر۔

قولہ: یوم مات إبراھیم: حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال اسی دن ہوا تھا جس دن سورج گہن ہوا تھا یا ایک دن پہلے؟ اس سلسلہ میں روایتیں مختلف ہیں اور میرا رجحان یہ ہے کہ ایک دن پہلے وفات ہوئی تھی، سورج گہن والے دن تو آپؐ گھوڑے پر سوار ہوکر کہیں تشریف لے جارہے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے اور یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے جس سے صرف نظر کئے بغیر چارہ نہیں۔

بَابُ الصَّدَقَةِ فِي الْكُسُوْفِ

سورج گہن کے وقت خیرات کرنا

کسوف غضب اور تخویف کی صورت ہے، اور صدقہ بالخاصہ اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے، بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی تاثیر بدیہی ہوتی ہے مگر ہم اس کی وجہ نہیں سمجھا سکتے کہ اس چیز کی یہ تاثیر کیوں ہے؟ وہاں کہیں گے: اس چیز کا بالخاصہ یہ اثر ہے، اور یہ محاورہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں استعمال کیا ہے کہ فلاں عمل بالخاصہ مؤثر ہے، صدقہ بالخاصہ اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے پس گہن کے وقت صدقہ کرنا چاہئے۔

[۲-] بَابُ الصَّدَقَةِ فِي الْكُسُوْفِ

[۱۰۴۴-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِالنَّاسِ، فَقَامَ، فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ، فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ، وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ، ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى، ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، لَايَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ، وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا، وَتَصَدَّقُوْا" ثُمَّ قَالَ: "يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! وَاللّٰهِ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ، يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا" [انظر: ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۵۰، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۴، ۱۰۶۶، ۱۲۱۲، ۳۲۰۳، ۴۶۲۴، ۵۲۲۱، ۶۶۳۱]

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت بار بار آئے گی، اس روایت میں ہر رکعت میں دو رکوع کا ذکر ہے، ائمہ ثلاثہ نے اس روایت کو اختیار کیا ہے اور یہاں پہلے رکوع سے تسمیع کے ساتھ کھڑا ہونے کا ذکر نہیں، لیکن یہ روایت آگے آئے گی اس میں پہلے رکوع سے بھی تسمیع کے ساتھ کھڑا ہونے کا بیان ہے اور ائمہ ثلاثہ پہلے رکوع سے تکبیر کے ذریعہ کھڑے ہونے کی بات کہتے ہیں، پس یہ حدیث ان کے قول کے معارض ہے۔

اور آپ نے جب نماز کسوف پڑھائی تھی تو طویل قیام کیا تھا سورۂ بقرہ کے برابر، پھر اسی تناسب سے طویل رکوع کیا تھا، پھر تسمیع کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے، پھر قراءت کی تھی اور سورۂ آل عمران کے بقدر قیام کیا تھا، یعنی پہلے قیام کی بہ نسبت ذرا ہلکا قیام کیا تھا، پھر اسی تناسب سے دوسرا رکوع کیا تھا یعنی پہلے رکوع سے ہلکا رکوع کیا تھا، تفصیل اوپر آ چکی۔

نماز کے بعد آنحضور ﷺ نے مختصر تقریر فرمائی جس میں آپؐ نے متعدد مضامین بیان فرمائے، آپؐ نے کسوف کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی، دعا کرنے کی، تکبیر کہنے کی اور صدقہ کرنے کی ترغیب دی اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں (۱) اور اللہ عزوجل کو اس وقت بڑی غیرت آتی ہے جب کوئی بندہ یا بندی زنا کرتی ہے، اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: "جو بات میں جانتا ہوں اگر تم جان لو تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ" یعنی اگر تم آخرت کے احوال جان لو تو ہنسنا بھول جاؤ اور ہمیشہ روتے رہو۔

غرض: نبی ﷺ نے کسوف میں خیرات کرنے کی ترغیب دی ہے اور یہی باب ہے۔

بَابُ النِّدَاءِ بِـ: "اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ" فِی الْكُسُوْفِ

سورج گہن کے وقت باجماعت نماز کا اعلان کرنا

الصلوۃ پر کسرہ بھی پڑھ سکتے ہیں مجرور ہونے کی وجہ سے اور اعراب حکائی (رفع) بھی پڑھ سکتے ہیں، سورج اور چاند گہن کی نمازوں میں بالاجماع اذان واقامت نہیں، اذان واقامت فرائض کے لئے مشروع کی گئی ہیں اور نماز کسوف اور خسوف فرض وواجب نہیں بلکہ سنت اور مستحب ہے۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک الصلوۃ جامعۃ کا اعلان کرنے کی گنجائش ہے، اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ جامع مسجد چلو جماعت ہورہی ہے، مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے بھی یہ اعلان کرسکتے ہیں اور شہر میں منادی بھی کراسکتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اس کے قائل ہیں اس لئے حضرت نے یہ باب رکھا ہے۔

> [۴-] بَابُ النِّدَاءِ بِـ: "اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ" فِی الْكُسُوْفِ
>
> [۱۰۴۵-] حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامِ بْنِ أَبِي سَلَّامٍ الْحَبَشِيُّ الدِّمَشْقِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ الزُّهْرِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: لَمَّا كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نُوْدِيَ أَنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ. [انظر: ۱۰۵۱]

بَابُ خُطْبَةِ الْإِمَامِ فِی الْكُسُوْفِ

سورج گہن کے موقع پر امام کا تقریر کرنا

امام شافعیؒ کے نزدیک نماز کسوف کے بعد خطبہ دینا مستحب ہے، دیگر فقہاء اس کے قائل نہیں، امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے

(۱) اپنی فیملی میں اور اپنے متعلقین میں ناجائز اور نامناسب کام دیکھ کر غصہ آئے: اس کا نام غیرت ہے اور ایسے موقع پر لاپرواہی برتنا دیوث پنا (بھڑواپن) ہے۔

کہ نبی ﷺ نے جب نماز کسوف پڑھائی تھی: خطبہ دیا تھا، پس یہ مستحب ہے، اور جمہور کہتے ہیں: وہ خطبہ نہیں تھا بلکہ موقع کی مناسبت سے ایک ضروری بات پر تنبیہ فرمائی تھی یعنی جاہلیت سے جو تصور چلا آرہا تھا کہ جب کوئی بڑا آدمی مرتا ہے تو سورج اور چاند سوگ مناتے ہیں: جاہلیت کے اس خیال کی تردید کی تھی، اور چونکہ یہ اہم بات تھی اس لئے حمد وثنا اور اما بعد کہہ کر یہ مضمون بیان فرمایا تھا۔ اور دوسری ضروری باتیں بھی بیان فرمائی تھیں، اور اس کی دلیل گذشتہ باب کی حدیث ہے: نبی ﷺ نے بوقت کسوف دعا کرنے کا، اللہ کی بڑائی بیان کرنے کا، نماز پڑھنے کا اور صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے مگر خطبہ کا حکم نہیں دیا، معلوم ہوا کہ نماز کسوف میں خطبہ مستحب نہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف مائل ہیں اس لئے یہ باب رکھا ہے۔

[٤-] بَابُ خُطْبَةِ الإِمَامِ فِي الْكُسُوْفِ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ، وَأَسْمَاءُ: خَطَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم.

[١٠٤٦-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، ح: وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ ابْنُ صَالِحٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَنْبَسَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَتْ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَخَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ قَالَ: فَصَفَّ النَّاسُ وَرَاءَهُ، فَكَبَّرَ، فَاقْتَرَأَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم قِرَاءَةً طَوِيْلَةً، ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلاً، ثُمَّ قَالَ: "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" فَقَامَ وَلَمْ يَسْجُدْ، وَقَرَأَ قِرَاءَةً طَوِيْلَةً، هِيَ أَدْنَى مِنَ الْقِرَاءَةِ الأُوْلَى، ثُمَّ كَبَّرَ وَرَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلاً، وَهُوَ أَدْنَى مِنَ الرُّكُوْعِ الأَوَّلِ، ثُمَّ قَالَ: "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَالَ فِي الرَّكْعَةِ الآخِرَةِ مِثْلَ ذَلِكَ، فَاسْتَكْمَلَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ، وَانْجَلَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَنْصَرِفَ، ثُمَّ قَامَ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: "هُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُمَا فَافْزَعُوْا إِلَى الصَّلَاةِ"

وَكَانَ يُحَدِّثُ كَثِيْرُ بْنُ عَبَّاسٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَدِّثُ يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ بِمِثْلِ حَدِيْثِ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ: إِنَّ أَخَاكَ يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ بِالْمَدِيْنَةِ لَمْ يَزِدْ عَلَى رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ الصُّبْحِ، قَالَ: أَجَلْ، لِأَنَّهُ أَخْطَأَ السُّنَّةَ. [راجع: ١٠٤٤]

وضاحت: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہی روایت ہے جو گذشتہ باب میں آئی ہے اس میں ہر رکعت میں دو رکوع اور دونوں رکوعوں سے تسمیع کے ساتھ کھڑا ہونے کا بیان ہے۔

اور حدیث کے آخر میں ایک سوال وجواب ہے، ابن شہاب زہریؒ نے حضرت عروہ رحمہ اللہ سے جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں پوچھا: آپ کے بھائی عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے جب مدینہ میں نماز کسوف پڑھائی تھی تو فجر کی نماز

کی طرح پڑھائی تھی، یعنی ہر رکعت میں ایک رکوع کیا تھا، ان کے اس عمل کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت عروہؒ نے کہا: وہ سنت چوک گئے! نماز کسوف میں ہر رکعت میں دو رکوع ہیں اور آپؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث سے استدلال کیا۔

مگر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ عبداللہ بن الزبیرؓ صحابی ہیں اور حضرت عروہ تابعی ہیں، ظاہر ہے صحابی کے قول وفعل کے سامنے تابعی کے قول وفعل کی کوئی حیثیت نہیں، نیز حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے جب مدینہ منورہ میں نماز کسوف پڑھائی تھی تو صحابہ کی بڑی تعداد موجود تھی، اور انھوں نے حضرت عبداللہ کے پیچھے نماز پڑھی تھی، مگر کسی نے ان کے اس فعل پر نکیر نہیں کی، معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ کا فعل سنت کے مطابق تھا اور دو رکوع والی حدیث کی کوئی وجہ تھی۔

بَابٌ: هَلْ يَقُوْلُ: كَسَفَتِ الشَّمْسُ أَوْ خَسَفَتْ؟

سورج گہن کے لئے کَسَفَ استعمال کیا جائے یا خَسَفَ؟

فقہاء سورج گہن کے لئے کَسَفَ اور چاند گہن کے لئے خَسَفَ استعمال کرتے ہیں لیکن لغت کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں، خَسَفَ اور كَسَفَ دونوں کے معنی ہیں: تاریک ہو جانا، پس یہ دونوں لفظ سورج گہن کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں اور چاند گہن کے لئے بھی، روایات میں عام وخاص دونوں اطلاقات آئے ہیں، سورج گہن کے لئے لفظ کسوف بھی آیا ہے اور خسوف بھی، البتہ اہل لغت کے نزدیک بھی اولیٰ یہ ہے کہ سورج گہن کے لئے لفظ کسوف استعمال کیا جائے اور چاند گہن کے لئے لفظ خسوف، فقہاء اسی طرح استعمال کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، باب میں ھل استفہامیہ رکھ کر بال چلا دیا ہے، آپ روایات میں غور کر کے فیصلہ کریں۔

حضرت رحمہ اللہ نے باب میں ایک تو سورۃ القیامہ کی آیت ۸ لکھی ہے اس میں چاند گہن کا ذکر ہے اور اس کے لئے لفظ خَسَفَ آیا ہے اور سورج گہن کا قرآن میں ذکر نہیں، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے اس میں سورج گہن کے لئے لفظ خَسَفَتْ آیا ہے، مگر ظاہر ہے: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں، بلکہ راوی کے الفاظ ہیں، اور قرآن کریم فصیح ترین کلام ہے اس سے زیادہ فصیح کوئی کلام نہیں ہو سکتا اور قرآن میں چاند گہن کے لفظ خَسَفَ آیا ہے اس لئے اہل لغت اور فقہاء دونوں کی رائے یہ ہے کہ چاند گہن کے لئے خسوف اور سورج گہن کے لئے کسوف استعمال کرنا چاہئے۔

[٥-] بَابٌ: هَلْ يَقُوْلُ: كَسَفَتِ الشَّمْسُ أَوْ خَسَفَتْ؟

وَقَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾ [القيامة:٨]

[١٠٤٧-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم

صَلّٰی یَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ فَکَبَّرَ، فَقَرَأَ قِرَاءَ ةً طَوِیْلَةً، ثُمَّ رَکَعَ رُکُوْعًا طَوِیْلًا، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَقَالَ: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" فَقَامَ کَمَا هُوَ، ثُمَّ قَرَأَ قِرَاءَ ةً طَوِیْلَةً، وَهِیَ أَدْنٰی مِنَ الْقِرَاءَ ةِ الْأُوْلٰی، ثُمَّ رَکَعَ رُکُوْعًا طَوِیْلًا، وَهِیَ أَدْنٰی مِنَ الرَّکْعَةِ الْأُوْلٰی، ثُمَّ سَجَدَ سُجُوْدًا طَوِیْلًا، ثُمَّ فَعَلَ فِی الرَّکْعَةِ الْآخِرَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ سَلَّمَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَخَطَبَ النَّاسَ، فَقَالَ فِیْ کُسُوْفِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ: "إِنَّهُمَا آیَتَانِ مِنْ آیَاتِ اللّٰهِ لَا یَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِهِ، فَإِذَا رَأَیْتُمُوْهُمَا فَافْزَعُوْا إِلَی الصَّلَاةِ" [راجع: ۱۰۴۴]

قولہ: فَافْزَعُوْا: امر ہے، فَزِعَ (س) إلیہ: پناہ لینا، فریاد چاہنا، یعنی جب سورج اور چاند کو گہناتے ہوئے دیکھو تو نماز کی طرف پناہ لو یعنی نماز پڑھو۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: "یُخَوِّفُ اللّٰهُ عِبَادَهُ بِالْکُسُوْفِ"

ارشادِ نبوی: اللہ تعالیٰ سورج گہن کے ذریعہ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں

سورج گہن اور چاند گہن تنبیہات خداوندی ہیں، اور یہ سبب خفی کا بیان ہے، اور دونوں کے ظاہری اسباب بھی ہیں، اس دنیا میں ہر چیز کا ظاہری سبب ہوتا ہے مگر ان کے پیچھے اسباب خفیہ بھی کام کرتے ہیں، اور سورج اور چاند کو بے نور کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بندے خدا کی قدرت کا مشاہدہ کریں، اپنے دلوں میں خوف خداوندی پیدا کریں اور برے اعمال سے باز آئیں، اور توبہ، استغفار، نماز اور صدقات وغیرہ کا اہتمام کرکے خدا کی طرف رجوع ہوں۔

[۶-] بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: "یُخَوِّفُ اللّٰهُ عِبَادَهُ بِالْکُسُوْفِ"

قَالَهُ أَبُوْ مُوْسٰی، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

[۱۰۴۸-] حدثنا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ، عَنْ یُوْنُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِیْ بَکْرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آیَتَانِ مِنْ آیَاتِ اللّٰهِ، لَا یَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، ولٰکِنْ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهُ"

[وَقَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ:] لَمْ یَذْکُرْ عَبْدُ الْوَارِثِ، وشُعْبَةُ، وَخَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ یُوْنُسَ: "یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهُ"

وَتَابَعَهُ مُوْسٰی، عَنْ مُبَارَكٍ، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: أَخْبَرَنِیْ أَبُوْ بَکْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: "یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهُ" [راجع: ۱۰۴۰]

وَتَابَعَهُ أَشْعَثُ، عَنِ الْحَسَنِ.

وضاحت: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت آگے (حدیث ۱۰۵۹) آرہی ہے، اس میں وَلٰکِنْ یُخَوِّفُ اللّٰہُ بِھِمَا عِبَادَہٗ ہے۔

حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سندیں اور ان میں فرق:

حضرت ابوبکرۃؓ کی حدیث: حضرت حسن بصریؒ روایت کرتے ہیں، پھر حسن بصریؒ سے تین راوی روایت کرتے ہیں: یونس بن عبید، مبارک بن فضالہ اور اشعث بن عبدالملک، پھر یونس سے پانچ رواۃ روایت نقل کرتے ہیں: حماد بن زید، عبد الوارث بن سعید، شعبۃ بن الحجاج، خالد بن عبداللہ اور حماد بن سلمہ۔ حماد بن زید کی روایت میں: وَلٰکِنْ یُخَوِّفُ اللّٰہُ بھما عبادہ ہے، اور ان کے چار ساتھیوں کی روایتوں میں یہ جزء نہیں ہے۔ اور ان پانچوں کی روایت میں عن أبی بکرۃ ہے، اور مبارک کی سند میں اخبار کی صراحت ہے یعنی حضرت حسنؒ نے یہ حدیث حضرت ابوبکرۃؓ سے سنی ہے، پس ابن خیثمہ نے اپنی تاریخ کبیر میں جو سماع کی نفی کی ہے: وہ صحیح نہیں (عمدۃ القاری) کیونکہ اخبار کی صراحت صرف مبارک نہیں کرتے، بلکہ اشعث بن عبدالملک کی روایت میں بھی اس کی صراحت ہے۔ پس آخری تابعہ کا مرجع مبارک ہیں، اور پہلے تابعہ کا مرجع قتیبہ ہیں، اور موسیٰ بن اسماعیل امام بخاری کے استاذ ہیں۔

بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فِي الْكُسُوْفِ

سورج گہن کے موقعہ پر عذاب قبر سے پناہ مانگنا

علامہ ابن المنیرؒ (شارح بخاری) نے باب کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ کسوف سے پیدا ہونے والی تاریکی اور قبر کی تاریکی ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، اس لئے الشیئ بالشیئ یُذکر کے قاعدہ سے ایک تاریکی کے موقع پر دوسری تاریکی سے پناہ مانگنے کا باب لائے ہیں۔

اور حضرت الاستاذ علامہ مرادآبادی قدس سرہ نے فرمایا: گذشتہ باب میں تخویف کا مضمون تھا، کسوف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب سے ڈراتے ہیں اور عذاب کی ابتداء قبر سے ہوتی ہے، اس دنیا میں جو جزاء وسزا ملتی ہے وہ نمونہ کے طور پر ملتی ہے، اصل عذاب قبر سے شروع ہوتا ہے، اس لئے کسوف کے موقع پر تمرد وسرکشی سے باز آجانا چاہئے، صدقہ خیرات اور دعاء واذکار کے ذریعہ اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرنا چاہئے اور جہاں سے عذاب کی ابتداء ہوتی ہے یعنی قبر کے عذاب سے پناہ مانگنی چاہئے۔

غرض علامہ ابن المنیر رحمہ اللہ کے نزدیک تعوذ کے مضمون کا کسوف کے مضمون سے کوئی خاص تعلق نہیں اور حضرت الاستاذ کے نزدیک تعوذ کا مضمون کسوف کے مضمون سے پوری طرح مربوط ہے۔

اور میری ناقص رائے یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں یعنی کسوف اور عذاب قبر سے پناہ چاہنے میں مقارنت محض اتفاقی

ہے، حدیث میں آگے یہ واقعہ آرہا ہے کہ ایک یہودی عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیک مانگنے کے لئے آئی، انھوں نے کچھ خیرات دی، اس نے دعا دی: ''اللہ آپ کو قبر کے عذاب سے بچائے'' حضرت عائشہؓ کو اس پر حیرت ہوئی، وہ عذابِ قبر کے بارے میں نہیں جانتی تھیں، جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائے تو عائشہؓ نے آپؐ سے دریافت کیا: ''کیا لوگوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوگا؟'' آپؐ نے فرمایا: عائِذًا باللّٰہِ من ذلك: عائِذًا مفعول مطلق ہے اور اس کا فعل وجوبی طور پر محذوف ہے اور اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ میں قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، حضرت عائشہؓ کے سوال کا جواب بھی ہوگیا کہ قبر میں عذاب ہوگا، پھر حضور اقدس ﷺ نے خیال فرمایا کہ جب آپؐ کے گھر والے بھی اس بات کو نہیں جانتے تو عام لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ چنانچہ آپؐ اس واقعہ کے بعد بکثرت عذابِ قبر سے پناہ مانگتے تھے، کیونکہ آپؐ کی دعائیں امت کی تعلیم کے لئے ہوتی تھیں، پھر اتفاق سے کسوف کا واقعہ پیش آیا تو اس موقع پر خاص طور سے آپؐ نے عذابِ قبر سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی، کیونکہ سارا مدینہ جمع تھا، اس موقع پر جو بات کہی جائے گی وہ سب کو پہنچ جائے گی، اس طرح یہ دو باتیں اتفاقاً جمع ہوگئی ہیں۔

[۷-] بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فِي الْكُسُوْفِ

[۱۰۴۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّ يَهُوْدِيَّةً جَاءَ تْ تَسْأَلُهَا، فَقَالَتْ لَهَا: أَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ! فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِيْ قُبُوْرِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ!" [انظر: ۱۰۵۵، ۶۳۶۶]

[۱۰۵۰-] ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذَاتَ غَدَاةٍ مَرْكَبًا، فَخَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَرَجَعَ ضُحًى، فَمَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ، وَقَامَ النَّاسُ وَرَاءَ هُ، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا، [ثُمَّ رَفَعَ] فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا، وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا، وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ، ثُمَّ قَامَ، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا، وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا، وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا، وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا، وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ، وَانْصَرَفَ، فَقَالَ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُوْلَ، ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَتَعَوَّذُوْا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. [راجع: ۱۰۴۴]

وضاحت: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہی حدیث ہے جو بار بار آرہی ہے اور اس حدیث میں دو مضمون اور بھی ہیں: ایک: یہودیہ والا واقعہ ہے، اور دوسرا مضمون یہ ہے کہ جب سورج گہن ہوا اس وقت نبی ﷺ گھوڑے پر سوار ہوکر

کہیں تشریف لے جارہے تھے، چنانچہ آپؐ فوراً واپس آگئے، اور ازواج مطہرات کے کمروں کے سامنے سے گذرتے ہوئے سیدھے مسجد میں تشریف لے گئے، اور نماز پڑھانی شروع کی۔ ظَهْرَانَيْ (بفتح الظا) تثنیہ ہے۔

قولہ: عائذا باللہ: یہ عامل محذوف کا مفعول مطلق ہے، علامہ رضی کہتے ہیں: چار جگہ مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، اول: جب مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہو، جیسے وعد اللہ، دوم: جب مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہو، جیسے سبحان اللہ (پاکی اللہ پر واقع ہوتی ہے اس لئے وہ مفعول ہے) سوم: جب مصدر کے بعد فاعل حرف جر کے ساتھ لایا جائے جیسے بُؤسًا لَكَ (تیرے لئے تنگ حالی ہو) چہارم: جب مصدر کے بعد مفعول حرف جر کے ساتھ لایا جائے، جیسے: شکراً لك (شرح الکافیہ ص:۱۱۶) اور عائذاً مصدر ہے، اور اس کے بعد فاعل حرف جر کے ساتھ آیا ہے اس لئے عامل وجوباً محذوف ہوگا، اور تقدیر عبارت ہے: أعوذ عائذا باللہ......... **قولہ:** فقال ماشاء اللہ ان یقول: نماز کے بعد آپؐ نے تقریر میں فرمایا جو اللہ نے چاہا کہ آپؐ فرمائیں یعنی کسوف کے موقعہ پر اذکار، استغفار اور صدقہ وغیرہ کی ترغیب دی، جیسا کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں گذر چکا ہے، پھر اس حدیث میں زائد مضمون یہ ہے کہ آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ عذاب قبر سے پناہ چاہیں .... اور [ثم رفع] فتح الباری سے بڑھایا ہے۔

بَابُ طُوْلِ السُّجُوْدِ فِي الْكُسُوْفِ

نماز کسوف میں سجدے لمبے کرنا

کسوف کا پورا وقت نماز میں گھیرنا چاہئے اس لئے قیام طویل ہوگا، اور پیچھے حدیث گذری ہے کہ ارکان اربعہ: رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ میں یکسانیت ہونی چاہئے، پس جب قیام طویل ہوگا تو اس کے اعتبار سے رکوع وسجود بھی طویل ہونگے اور قومہ اور جلسہ بھی طویل ہونگے، چنانچہ نبی ﷺ نے نماز کسوف میں سجدہ اتنا لمبا کیا تھا کہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے اتنا لمبا سجدہ آپؐ کے پیچھے کبھی نہیں کیا۔

[۸-] بَابُ طُوْلِ السُّجُوْدِ فِي الْكُسُوْفِ

[۱۰۵۱-] حدثنا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نُوْدِيَ إِنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ، فَرَكَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم رَكْعَتَيْنِ فِي سَجْدَةٍ، ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِي سَجْدَةٍ، ثُمَّ جَلَسَ ثُمَّ جُلِّيَ عَنِ الشَّمْسِ، قَالَ: وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: مَا سَجَدْتُ سُجُوْدًا قَطُّ كَانَ أَطْوَلَ مِنْهَا. [راجع: ۱۰۴۵]

قولہ: فركع النبي صلى الله عليه وسلم ركعتين في سجدة: رکعتین سے مراد دو رکوع ہیں اور سجدۃ سے مراد

دو سجدے ہیں، یعنی ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے کئے، یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ ایک سجدے کا کوئی قائل نہیں۔

بَابُ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ جَمَاعَةً

سورج گہن کی نماز باجماعت پڑھنا

نماز کسوف باجماعت پڑھی جائے گی اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور جیسے عیدین اور جمعہ کی نمازیں ایک جگہ ہوتی ہیں کسوف کی نماز بھی ایک جگہ ہوگی، ہر مسجد میں نماز کسوف نہیں پڑھی جائے گی اور امیر یا نائب امیر پڑھائے گا، لیکن بعد میں جب مسئلہ بکھر گیا اور عیدین جگہ جگہ ہونے لگیں اور جمعہ بھی، تو نماز کسوف بھی ہر مسجد میں ہوسکتی ہے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ انڈیا جیسے ملک میں جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے بعض مسائل میں مسلمانوں کا اجتماعی فیصلہ امیر کے حکم کے قائم مقام ہوتا ہے، اب جو جگہ جگہ جمعہ اور عیدین ہونے لگی ہیں اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جگہ تنگ ہوگئی، شہر بڑے ہوگئے اور مسجدیں تنگ پڑنے لگیں، اس کے علاوہ محلہ کے مسلمانوں نے طے کرلیا کہ ہم اپنی مسجد میں جمعہ پڑھیں گے اور جمعہ شروع کردیا تو ان کا یہ فیصلہ امیر کے حکم کے قائم مقام ہوگیا، اسی طرح جب مسلمانوں نے طے کرلیا کہ ہمیں اپنی مسجد میں نماز کسوف پڑھنی ہے تو ان کا یہ فیصلہ امیر کے حکم کے قائم مقام ہوجائے گا اور ان کے لئے اپنی مسجد میں نماز کسوف پڑھنا درست ہوگا۔

[۹-] بَابُ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ جَمَاعَةً

[۱-] وَصَلّٰى لَهُمُ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ صُفَّةِ زَمْزَمَ.

[۲-] وَجَمَعَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَصَلّٰى ابْنُ عُمَرَ.

[۱۰۵۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا، وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ.

ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ: "إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ"

قَالُوْا: يَارسولَ اللّٰهِ! رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ؟ قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم: "إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ، وَتَنَاوَلْتُ عُنْقُوْدًا، وَلَوْ أَصَبْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا، وَأُرِيْتُ النَّارَ، فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ، وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ" قَالُوْا: بِمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "بِكُفْرِهِنَّ" قِيْلَ: يَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ؟ قَالَ: "يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ، وَيَكْفُرْنَ الإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ كُلَّهُ، ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ!"

آثار:

۱- زم زم کے کنویں کے پاس ایک چبوترہ تھا حضرت ابن عباسؓ نے اس چبوترہ پر باجماعت نماز کسوف پڑھائی۔

۲- اور حضرت ابن عباسؓ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے علی نے لوگوں کو جمع کیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سورج گہن کی نماز پڑھائی، (نماز کسوف باجماعت پڑھنا سنت ہے البتہ چاند گہن کی نماز میں اختلاف ہے، تفصیل ابواب الکسوف کے شروع میں گذر چکی ہے)

حدیث: اور باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے اس میں نبی ﷺ کا باجماعت نماز کسوف پڑھنا مروی ہے اس مناسبت سے باب میں اس کو لائے ہیں، اور اس حدیث میں بھی ہر رکعت میں دو رکوع کا ذکر ہے اور یہ بات بھی ہے کہ جب نبی ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی تو غیب سے پردے ہٹا دیئے گئے تھے، چنانچہ جدار قبلی میں جنت وجہنم آپ کو نظر آئیں، آپ کبھی نماز میں قبلہ کی طرف بڑھے اور ہاتھ بڑھایا جیسے کچھ لینا چاہتے ہیں، اور کبھی پیچھے ہٹ گئے، یہاں تک کہ پہلی صف سے مل گئے، نماز کے بعد صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کیا کیفیت تھی؟ آپؐ نے فرمایا: میں نے نماز میں جنت اور جہنم کو دیکھا، جب جنت سامنے آئی تو میں آگے بڑھا تاکہ تمہارے لئے انگور کا ایک خوشہ لے لوں، اگر میں خوشہ لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس کو کھاتے، پھر جہنم سامنے لائی گئی، میں نے اس سے زیادہ گھبرا دینے والا منظر کبھی نہیں دیکھا، اور مجھے اتنی گرمی محسوس ہوئی کہ میں پیچھے ہٹ آیا، پھر آپؐ نے فرمایا: میں نے جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! جہنم میں عورتیں زیادہ کیوں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: وہ کفر کرتی ہیں، عرض کیا گیا: اللہ کا انکار کرتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: شوہروں کا انکار کرتی ہیں اور احسانوں کا انکار کرتی ہیں، یہ عطف تفسیری ہے یعنی شوہروں کے احسان کا انکار کرتی ہیں، اگر آپ ان میں سے ایک کے ساتھ زمانہ بھر احسان کریں پھر وہ شوہر کی طرف سے کوئی کمی دیکھے تو کہے گی: میں نے تیری طرف سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی، یعنی عورتیں اکثر شوہر کا احسان بھول جاتی ہیں، شوہر زندگی بھر احسان کرے اور ایک بات اس کی مرضی کے خلاف ہو جائے تو زندگی بھر کے احسان پر پانی پھیر دے گی، کہے گی: میں نے تیرے گھر میں آکر دیکھا کیا ہے؟ چار چیتھڑے اور چار ٹھیکرے! اسی ناشکری کی وجہ سے عورتیں زیادہ جہنم میں جائیں گی (یہ آخری مضمون کتاب الایمان باب ۲۱ حدیث ۲۹ میں بھی گذرا ہے، شرح وہاں ملاحظہ فرمائیں)

بَابُ صَلَاةِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْكُسُوفِ

سورج گہن کی نماز میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا شامل ہونا

عہد رسالت میں پانچوں نمازوں میں عورتیں مسجد میں آتی تھیں، اس لئے جب اعلان کیا گیا: الصلوۃ جامعۃ: جامع مسجد چلو، جماعت ہو رہی ہے تو عورتیں بھی آئیں اور جماعت میں شریک ہوئیں۔

[۱۰-] بَابُ صَلَاةِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْكُسُوفِ

[۱۰۵۳-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنِ امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّهَا قَالَتْ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّوْنَ، فَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي، فَقُلْتُ: مَا لِلنَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا إِلَى السَّمَاءِ، وَقَالَتْ: سُبْحَانَ اللهِ! فَقُلْتُ: آيَةٌ؟ فَأَشَارَتْ: أَيْ نَعَمْ، قَالَتْ: فَقُمْتُ حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ، فَجَعَلْتُ أَصُبُّ فَوْقَ رَأْسِي الْمَاءَ، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلَّا وَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، وَلَقَدْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ مِثْلَ أَوْ قَرِيْبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ — لَا أَدْرِي أَيَّتَهُمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ — يُؤْتَى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهُ: مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوْ قَالَ: الْمُوْقِنُ — لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ — فَيَقُوْلُ: مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى، فَأَجَبْنَا وَآمَنَّا وَاتَّبَعْنَا، فَيُقَالُ لَهُ: نَمْ صَالِحًا، فَقَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُوْقِنًا، وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوْ: الْمُرْتَابُ — لَا أَدْرِي أَيَّتَهُمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ — فَيَقُوْلُ: لَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ" [راجع: ۸٦]

ملحوظہ: حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب العلم باب ۲۴ (تحفۃ القاری ۱: ۳۲۶) میں پڑھیں۔

بَابُ مَنْ أَحَبَّ الْعَتَاقَةَ فِي كُسُوْفِ الشَّمْسِ

کچھ لوگ سورج گہن میں غلام آزاد کرنے کو پسند کرتے ہیں

پہلے یہ باب آیا ہے کہ سورج گہن کے موقع پر صدقہ کرنا چاہئے، صدقہ اللہ کے غصہ کو بالخاصہ ٹھنڈا کرتا ہے اور غلام باندی کو آزاد کرنا بھی ایک طرح کا صدقہ ہے، یہ غلام باندی کی ذات کو خود اسی کو صدقہ کر دینا ہے، اس لئے بعض حضرات کی رائے میں سورج گہن کے موقعہ پر غلام باندیوں کو آزاد کرنا مستحب ہے، باب کی حدیث میں ہے کہ سورج گہن کے موقعہ پر نبی ﷺ نے بردوں کو آزاد کرنے کا حکم دیا، اور امر کا اقل درجہ استحباب ہے۔

[۱۱-] بَابُ مَنْ أَحَبَّ الْعَتَاقَةَ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ

[۱۰۵۴-] حدثنا رَبِيْعُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ فَاطِمَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ، قَالَتْ: لَقَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْعَتَاقَةِ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ. [راجع: ۸۶]

بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوْفِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں سورج گہن کی نماز پڑھنا

جس طرح عیدین میں بڑا مجمع ہوتا ہے نماز کسوف میں بھی بڑا مجمع ہوتا ہے، پس کوئی یہ خیال کرسکتا تھا کہ نماز کسوف شہر سے باہر نکل کر میدان میں پڑھنی چاہئے، اس خیال کی تردید کرنے کے لئے یہ باب لائے ہیں کہ نبی ﷺ نے نماز کسوف مسجد میں پڑھی ہے، پس نماز کسوف مسجد میں پڑھیں گے، جمعہ میں بھی بڑا مجمع ہوتا ہے اس کے باوجود نبی ﷺ نے جمعہ کی نماز ہمیشہ مسجد میں پڑھی ہے، اسی طرح نماز کسوف بھی آپؐ نے مسجد میں پڑھی تھی، پس یہ نماز مسجد میں پڑھنا سنت ہے۔

[۱۲-] بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوْفِ فِي الْمَسْجِدِ

[۱۰۵۵-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ يَهُوْدِيَّةً جَاءَ تْ تَسْأَلُهَا، فَقَالَتْ: أَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ! فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِيْ قُبُوْرِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ!"

[راجع: ۱۰۴۹]

[۱۰۵۶-] ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذَاتَ غَدَاةٍ مَرْكَبًا، فَكَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَرَجَعَ ضُحًى، فَمَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ، ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى، وَقَامَ النَّاسُ وَرَاءَهُ، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا، ثُمَّ رَفَعَ وَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا، وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا، وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ سُجُوْدًا طَوِيْلًا، ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا، وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا، وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ وَهُوَ دُوْنَ السُّجُوْدِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُوْلَ. ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَتَعَوَّذُوْا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. [راجع: ۱۰۴۴]

وضاحت: یہ حدیث چند ابواب پہلے گذری ہے، اس میں چار قیام، چار رکوع اور چار سجدوں کا ذکر ہے، اور درازی کے اعتبار سے کمی ہوتی چلی گئی تھی، پہلے قیام سے دوسرا قیام، دوسرے قیام سے دوسری رکعت کا پہلا قیام پھر دوسری رکعت کا دوسرا قیام، اسی طرح پہلے رکوع سے دوسرا رکوع اور دوسرے رکوع سے دوسری رکعت کا پہلا رکوع، پھر دوسرا رکوع، نیز پہلے سجدہ سے دوسرا سجدہ اور دوسرے سجدہ سے دوسری رکعت کا پہلا سجدہ پھر دوسرا سجدہ مختصر ہوتے چلے گئے تھے، یہی وہ تناسب ہے جس کا پہلے حدیث میں ذکر آیا ہے کہ نبی ﷺ کے ارکان اربعہ تقریباً یکساں ہوتے تھے، قراءت طویل ہوتی تو رکوع وسجود وغیرہ بھی طویل ہوتے اور قراءت مختصر ہوتی تو رکوع وسجود وغیرہ بھی مختصر ہوتے۔

بَابٌ: لَاتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ

سورج کسی کے مرنے جینے پر نہیں گہناتے

کوئی یہ خیال کرسکتا تھا کہ ولالحیاتہ شاید نبی ﷺ کا ارشاد نہ ہو، کسی راوی نے بڑھایا ہو، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرات ابوبکرۃ، مغیرۃ بن شعبہ، ابوموسیٰ اشعری، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایتوں میں یہ لفظ آیا ہے، پس مذکورہ خیال غلط ہے، اور حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر صرف اتنی بات کہی جاتی کہ سورج اور چاند کسی کے مرنے پر نہیں گہناتے تو کوئی یہ خیال کرسکتا تھا کہ موت کی ضد حیات پر گہناتے ہونگے، اس لئے آپؐ نے ولا لحیاتہ بڑھایا کہ سورج اور چاند گہن کا تعلق نہ لوگوں کے وجود کے ساتھ ہے اور نہ عدم کے ساتھ بلکہ یہ تو اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، خوف خداوندی پیدا کرنے کے لئے اللہ عزوجل ان نشانیوں کو ظاہر فرماتے ہیں۔

[۱۳-] بَابٌ: لَاتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ

رَوَاهُ أَبُوْ بَكْرَةَ، وَالْمُغِيْرَةُ، وَأَبُوْ مُوْسَى، وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَابْنُ عُمَرَ.

[۱۰۵۷-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ قَيْسٌ، عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّهِ صلى الله عليه وسلم: " الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَايَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ [وَلَا لِحَيَاتِهِ] وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا" [راجع: ۱۰۴۱]

[۱۰۵۸-] حدثنا عَبْدُ اللّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَهِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّهِ صلى الله عليه وسلم فَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَصَلَّى بِالنَّاسِ، فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ، وَهِيَ دُوْنَ قِرَاءَتِهِ الْأُوْلَى، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ وَهُوَ دُوْنَ رُكُوْعِهِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَسَجَدَ

سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ قَامَ فَصَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ قَامَ، فَقَالَ: " إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَايَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلَكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ يُرِيهِمَا عِبَادَهُ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ "

[راجع: ۱۰۴۴]

سوال: طالب علم پوچھتا ہے: ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ولالحیاتہ نہیں ہے صرف لموت أحد ہے؟
جواب: گیلری میں ولالِحَیاتہ ہے، جس کو ہم نے کھڑی دو قوسوں کے درمیان متن میں لیا ہے، اور مصری نسخہ میں متن میں ہے، اس لئے اشکال ختم!

بَابُ الذِّكْرِ فِي الْكُسُوفِ

سورج گہن کے موقعہ پر اللہ کا ذکر کرنا

سورج گہن اللہ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں خوف وخشیت پیدا ہو اور وہ برے اعمال سے توبہ کریں اور اعمالِ صالحہ کریں، اور اعمالِ صالحہ میں ذکر خداوندی بھی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی معلق روایت چند ابواب پہلے (حدیث ۱۰۵۲) گذری ہے، اس میں ہے: فإذا رأيتم ذلك فَاذْكُرُوا اللهَ: وہاں بتایا تھا کہ ذکر کا اعلیٰ فرد نماز ہے یعنی کسوف کے وقت میں نماز پڑھو، اور ذکر کو عام بھی رکھ سکتے ہیں، یعنی اور بھی اذکار کرو، تلاوت کرو اور تسبیحات پڑھو۔

[۱۴-] بَابُ الذِّكْرِ فِي الْكُسُوفِ

رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ.

[۱۰۵۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوْسَى، قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَزِعًا، يَخْشَى أَنْ تَكُوْنَ السَّاعَةُ، فَأَتَى الْمَسْجِدَ، فَصَلَّى بِأَطْوَلِ قِيَامٍ وَرُكُوْعٍ وَسُجُوْدٍ رَأَيْتُهُ قَطُّ يَفْعَلُهُ، وَقَالَ: " هٰذِهِ الآيَاتُ الَّتِي يُرْسِلُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ، لَا تَكُوْنُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلَكِنْ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهَا عِبَادَهُ. فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَافْزَعُوا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ"

حدیث: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سورج گہن ہوا، پس نبی ﷺ گھبرائے ہوئے کھڑے ہوئے آپؐ ڈر رہے تھے کہ کہیں قیامت قائم نہ ہو جائے، پس آپ مسجد میں تشریف لائے اور زیادہ سے زیادہ لمبے قیام، رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھی، دیکھا میں نے آپ کو کہ کرتے ہوں آپ اس کو کبھی یعنی اتنے لمبے قیام ورکوع وسجود سے

شاید کبھی میں نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، اور آپ نے فرمایا: یہ وہ نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ بھیجتے ہیں، نہیں ظاہر ہوتیں وہ کسی کی موت اور حیات کی وجہ سے، بلکہ ان نشانیوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں، پس جب تم اس قسم کی کوئی نشانی دیکھو تو ذکر خداوندی، دعا اور استغفار کی طرف پناہ ڈھونڈھو، یعنی ان چیزوں کا اہتمام کرو۔

تشریح: سورج گہن کا واقعہ آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری زمانہ میں پیش آیا تھا اور آپ جانتے تھے کہ جب تک خروج دجال اور نزول مہدی وغیرہ علامات نہیں پائی جائیں گی قیامت قائم نہیں ہوگی، مگر جب سورج گہن ہوا تو آپ کی بے چینی اور گھبراہٹ کا یہ عالم تھا جیسے قیامت قائم ہونے والی ہو، اور اس سے امت کو تنبیہ مقصود تھی کہ قیامت کے وقوع کا صحیح علم اللہ عزوجل کے علاوہ کسی کو بھی نہیں، قیامت کبھی بھی قائم ہو سکتی ہے، لہٰذا جب بھی اس طرح کی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں تو خوف وخشیت اپنے اندر پیدا کرو، اور رو کر وا ذکار، دعا واستغفار اور صدقہ وخیرات میں لگ جاؤ۔

بَابُ الدُّعَاءِ فِي الْكُسُوفِ

سورج گہن کے وقت دعا کرنا

کسوف کے موقع پر دعائیں کرنی چاہئیں، مثبت بھی اور منفی بھی، یعنی اللہ عزوجل سے خیر بھی مانگنی چاہئے اور شر سے پناہ بھی، خاص طور پر عذاب قبر سے، نبی ﷺ نے کسوف کے موقع پر خاص طور پر عذاب قبر سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے، اور حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی روایتوں میں کسوف کے موقع پر دعا کا بھی ذکر ہے۔

[۱۵-] بَابُ الدُّعَاءِ فِي الْكُسُوفِ

قَالَهُ أَبُو مُوسَى، وَعَائِشَةُ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۰۶۰-] حدثنا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ، يَقُولُ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ، فَقَالَ النَّاسُ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَادْعُوا اللَّهَ وَصَلُّوا حَتَّى يَنْجَلِيَ " [راجع: ۱۰۴۳]

بَابُ قَوْلِ الْإِمَامِ فِي خُطْبَةِ الْكُسُوفِ: أَمَّا بَعْدُ

سورج گہن کی نماز کے بعد خطبہ میں أما بعد کہنا

کسوف میں خطبہ نہیں ہے لیکن اگر کوئی تقریر کرے اور حمد وصلوٰۃ کے بعد أما بعد کہہ کر فصل کرے پھر تقریر کرے تو ایسا

کرسکتا ہے۔ نبی ﷺ نے کسوف کے موقع پر جو تقریر فرمائی تھی اس میں حمد وثنا کے بعد اما بعد کہہ کر فصل کیا تھا۔

[۱۶-] بَابُ قَوْلِ الإِمَامِ فِي خُطْبَةِ الْكُسُوفِ: أَمَّا بَعْدُ

[۱۰۶۱-] وَقَالَ أَبُوْ أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ، قَالَتْ: فَانْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: "أَمَّا بَعْدُ"

[راجع: ۸۶]

وضاحت: ابواسامہ: امام بخاریؒ کے استاذ نہیں ہیں پس یہ روایت یہاں معلق ہے، اور موصولاً پہلے (۹۲۲) آئی ہے۔

بَابُ الصَّلَاةِ فِي كُسُوْفِ الْقَمَرِ

چاند گہن کے موقعہ پر نماز پڑھنا

آنحضور ﷺ کے زمانہ میں چاند گہن کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، اس لئے اس سلسلہ میں روایات نہیں ہیں، مگر فقہاء نے چاند گہن کو سورج گہن پر قیاس کیا ہے اور چاند گہن میں بھی نماز کی بات کہی ہے، کیونکہ احادیث شریفہ میں کسوف وخسوف دونوں کو ملا کر کہا گیا ہے کہ یہ دونوں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور یہ کسی کی موت وحیات پر نہیں گہناتے، اس لئے جس طرح سورج گہن میں نماز ہے چاند گہن میں بھی نماز ہے، البتہ جماعت سنت ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک چاند گہن میں بھی باجماعت نماز سنت ہے اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک صرف نماز سنت ہے جماعت سنت نہیں، یعنی چاند گہن میں باجماعت نماز پڑھنا جائز تو ہے مگر تنہا نماز پڑھنا سنت ہے اور سورج گہن میں باجماعت نماز پڑھنا سنت ہے اور تنہا پڑھنا جائز ہے۔

[۱۷-] بَابُ الصَّلَاةِ فِي كُسُوْفِ الْقَمَرِ

[۱۰۶۲-] حدثنا مَحْمُوْدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَامِرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ. [راجع: ۱۰۴۰]

[۱۰۶۳-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهُ حَتَّى انْتَهَى إِلَى الْمَسْجِدِ، وَثَابَ إِلَيْهِ النَّاسُ، فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ، فَانْجَلَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ: "إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، وَإِنَّهُمَا لَايَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَصَلُّوْا وَادْعُوْا، حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ" وَذٰلِكَ أَنَّ ابْنًا لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يُقَالُ لَهُ: إِبْرَاهِيْمُ مَاتَ فَقَالَ النَّاسُ فِي ذٰلِكَ. [راجع: ۱۰۴۰]

وضاحت: دونوں حدیثیں سورج گہن سے متعلق ہیں، اور ان حدیثوں کو اس باب میں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ چاند گہن کو سورج گہن پر قیاس کیا جائے گا یعنی چاند گہن میں بھی سورج گہن کی طرح نماز مشروع ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

بَابُ صَبِّ الْمَرْأَةِ عَلَى رَأْسِهَا الْمَاءَ إِذَا أَطَالَ الْإِمَامُ الْقِيَامَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى

جب نماز کسوف کی پہلی رکعت میں امام قیام طویل کرے تو عورت کا اپنے سر پر پانی ڈالنا

بخاری شریف کے بعض نسخوں میں یہ باب نہیں ہے، ہمارے ہندوستانی نسخہ میں ہے اور اس کے ذیل میں کوئی حدیث نہیں ہے حالانکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جو پہلے کئی بار آچکی ہے[1] یہاں لکھی جاسکتی ہے۔ مگر چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت مکرر حدیث لکھنے کی نہیں ہے، آگے ایک باب بلا حدیث آرہا ہے وہاں امام بخاریؒ نے یہ بات فرمائی ہے[2] کہ فلاں باب میں جو حدیث گذری ہے وہ یہاں لکھی جاسکتی ہے، مگر میری عادت مکرر حدیث لکھنے کی نہیں ہے۔ اور فی الحال میرے پاس دوسری سند سے یہ حدیث نہیں ہے اس لئے میں نے حدیث نہیں لکھی۔

جاننا چاہئے کہ امام بخاریؒ ایک ہی حدیث کو مختلف اسانید سے تو لکھتے ہیں کیونکہ سند بدلنے سے حدیث بدل جاتی ہے مگر ایک ہی سند سے مکرر حدیث نہیں لکھتے، کیونکہ آپؒ کی تکرار کی عادت نہیں ہے، اس کے باوجود ڈیڑھ سو سے زیادہ حدیثیں ایک ہی سند اور ایک ہی متن کے ساتھ بخاری شریف میں آئی ہیں، اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں، اتنی بڑی کتاب میں جو سولہ سال میں لکھی گئی ہو چند احادیث کا مکرر ہوجانا مستبعد نہیں۔

اور اس ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ طول قیام کے سبب اگر کسی مرد یا عورت پر غشی طاری ہونے لگے تو اس کے ازالہ کے لئے سر پر پانی ڈال سکتے ہیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا پر نماز کسوف میں گرمی کی شدت کی وجہ سے بیہوشی چھانے لگی تھی، ان کے قریب ایک برتن رکھا تھا، اس میں پانی تھا، وہ اس میں سے پانی لے کر سر پر ڈالتی تھیں تا کہ کچھ راحت ملے، لیکن ظاہر ہے یہ بات عمل قلیل کی حد تک جائز ہے عمل کثیر کی صورت میں نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور باب میں المرأۃ کی قید اتفاقی ہے، مرد وعورت دونوں کے لئے حکم یکساں ہے۔

بَابُ الرَّكْعَةِ الْأُولَى فِي الْكُسُوفِ أَطْوَلُ

نماز کسوف کی پہلی رکعت زیادہ لمبی ہو

نماز کسوف میں پہلی رکعت دوسری رکعت کی بہ نسبت طویل ہونی چاہئے، اور پہلی رکعت کا بھی پہلا قیام دوسرے قیام

(۱) دیکھئے: تحفۃ القاری ۱: ۳۶۶، حدیث ۸۶ کتاب العلم باب ۲۴

(۲) بخاری ص: ۲۲۶ کتاب الحج، باب التعجیل إلی الموقف۔

سے طویل ہونا چاہئے۔

[۱۸-] بَابُ الرَّكْعَةِ الْأُولٰى فِي الْكُسُوْفِ أَطْوَلُ

[۱۰۶۴-] حدثنا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ أَحْمَدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَحْيٰى، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلّٰى بِهِمْ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ سَجْدَتَيْنِ، الْأُوْلٰى أَطْوَلُ. [راجع: ۱۰۴۴]

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت بہت مختصر ہے، تفصیلی روایت پہلے گذر چکی ہے اور سجدتین سے دورکعتیں مراد ہیں، اور ہر رکعت میں دو رکوع کئے، پس دو رکعتوں میں چار رکوع ہوئے اور جملہ الأولی اطول باب سے متعلق ہے۔

بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْكُسُوْفِ

نماز کسوف میں جہری قراءت

نماز کسوف میں قراءت جہراً ہوگی یا سراً؟ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک سراً قراءت ہے کیونکہ وہ دن کی نماز ہے اور دن کی نمازیں گونگی ہوتی ہیں اور امام احمد اور صاحبین جہر کے قائل ہیں، باب کی حدیث ان کا مستدل ہے، اور فتوی امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

[۱۹-] بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْكُسُوْفِ

[۱۰۶۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ نَمِرٍ، سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَهَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ صَلَاةِ الْخُسُوْفِ بِقِرَاءَتِهِ، فَإِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَتِهِ كَبَّرَ فَرَكَعَ، وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ: " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" ثُمَّ يُعَاوِدُ الْقِرَاءَةَ فِيْ صَلَاةِ الْكُسُوْفِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ، وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ. [راجع: ۱۰۴۴]

[۱۰۶۶-] وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ وَغَيْرُهُ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَبَعَثَ مُنَادِيًا: الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ، فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ، قَالَ: وَأَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ نَمِرٍ: سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ مِثْلَهُ، قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَقُلْتُ: مَا صَنَعَ أَخُوْكَ ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، مَا صَلّٰى إِلَّا رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ الصُّبْحِ إِذْ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ، قَالَ: أَجَلْ، إِنَّهُ

أَخْطَأَ السُّنَّةَ. تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ، وَسُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ فِي الْجَهْرِ. [راجع: ١٠٤٤]

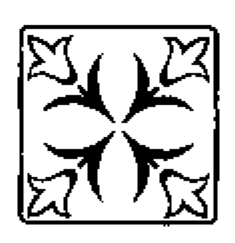
وضاحت: اس حدیث کو ابن شہاب زہری سے عبدالرحمٰن بن نمر اور امام اوزاعی روایت کرتے ہیں، ابن نمر کی حدیث میں جہری قراءت ہے اور سلیمان بن کثیر اور سفیان بن حسین ان کے متابع ہیں، وہ دونوں بھی زہری سے روایت کرتے ہیں اور جہری قراءت کا ذکر کرتے ہیں، مگر یہ دونوں حضرات اگرچہ فی نفسہ ثقہ راوی ہیں مگر امام زہریؒ کی حدیثوں میں ضعیف ہیں، اور امام اوزاعی جہری قراءت کا ذکر نہیں کرتے اور وہ ابن نمرؒ سے زیادہ مضبوط راوی ہیں۔

اور جمہور کا مستدل حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو اعلیٰ درجہ کی صحیح روایت ہے اور ترمذی (حدیث ۵۶۷) میں ہے حضرت سمرہؓ کہتے ہیں: ہمیں نبی ﷺ نے سورج گہن کی نماز پڑھائی، ہم نے آپ کی آواز نہیں سنی یعنی آپؐ نے سراً قراءت کی۔

حضور اقدس ﷺ نے نماز کسوف صرف ایک بار پڑھائی ہے اور قراءت کے تعلق سے روایتیں مختلف ہیں، اور تعدد واقعہ پر محمول نہیں کرسکتے، پس کسی ایک روایت کو ترجیح دینی ہوگی، جمہور نے حضرت سمرہؓ کی روایت کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ وہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور بخاری کی روایت میں ابن شہاب زہری کے تلامذہ میں اختلاف ہے اور امام اوزاعی جو سب سے مضبوط راوی ہیں وہ جہری قراءت کا ذکر نہیں کرتے، اور امام احمد اور صاحبین نے بخاری کی باب کی حدیث پر مدار رکھا ہے۔

ملحوظہ: اس حدیث میں ایک سوال وجواب بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں نماز کسوف پڑھائی تو ہر رکعت میں ایک رکوع کیا، اس سلسلہ میں ابن شہابؒ نے حضرت عروہؒ سے سوال کیا، تفصیل ابواب الکسوف باب ۴ (حدیث ۱۰۴۶) میں گذر چکی ہے۔

﴿الحمد للہ! ابواب الکسوف کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَبْوَابُ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ

سجدۂ تلاوت کا بیان

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ، وَسُنَّتِهَا

تلاوت کے سجدوں کا اور ان کے سنت ہونے کا بیان

اب سجود تلاوت کے ابواب شروع کر رہے ہیں، اور یہ جنرل باب ہے، اس باب میں دو مسئلے ہیں:

۱-قرآن کریم میں تلاوت کے سجدے کتنے ہیں؟ آگے تین ابواب میں اس کی تفصیل ہے۔

۲-تلاوت کے سجدے واجب ہیں یا سنت؟ اس میں اختلاف ہے، تفصیل آگے آ رہی ہے۔

سجود تلاوت واجب ہیں یا سنت؟

سجود تلاوت حنفیہ کے نزدیک واجب ہیں اور ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک سنت ہیں۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی ائمہ ثلاثہ کے مذہب کو اختیار کیا ہے، پس آیت سجدہ تلاوت کرنے والا اگر سجدہ نہ کرے تو جمہور کے نزدیک گنہ گار نہیں ہوگا، اور احناف کے نزدیک گنہ گار ہوگا، البتہ احناف کے نزدیک فوراً سجدہ کرنا ضروری نہیں، زندگی میں کبھی بھی سجدہ کرسکتا ہے۔ اور صحابہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ سجود تلاوت سنت ہیں، کریں تو سبحان اللہ نہ کریں تو کوئی بات نہیں، اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ سب سجدے یکساں نہیں، بعض واجب ہیں اور بعض سنت، واجب کے لئے انھوں نے عزائم کی اصطلاح استعمال کی ہے، رہی یہ بات کہ کونسے سجدے واجب ہیں اور کونسے غیر واجب؟ حضرت ابن عباسؓ سے تو تفصیل مروی نہیں بالاجمال اتنی بات معلوم ہے کہ ان کے نزدیک قرآن کے سب سجدے ایک درجہ کے نہیں تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صراحت مروی ہے کہ چھ سجدے واجب ہیں [1] اور باقی

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عزائم السجود یہ بتائے ہیں: حم السجدۃ، النجم، العلق، الاعراف، بنی اسرائیل اور آلم السجدۃ (معارف السنن ۵:۷۹)

آٹھ سنت ہیں، اور دیگر صحابہ کی کیا رائے تھی؟ یہ معلوم نہیں، ظاہر یہ ہے کہ چند ایک کو چھوڑ کر زیادہ تر صحابہ سجود تلاوت کو واجب کہتے تھے۔ ائمہ ثلاثہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی رائے لی ہے اور حنفیہ نے وجوب کا قول اختیار کیا ہے، احتیاط والا قول یہی ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ کی دلیلیں دو ہیں:

پہلی دلیل: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سورۃ النجم سنائی (صحابہ سبق یاد کر کے آپ کو سناتے تھے) پس آپؐ نے اس میں سجدہ نہیں کیا، معلوم ہوا کہ سجود تلاوت واجب نہیں، سنت ہیں چاہیں کریں چاہیں نہ کریں۔

جواب: احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ سجدہ تلاوت علی الفور واجب نہیں، بعد میں بھی کیا جا سکتا ہے، ممکن ہے جس وقت حضرت زیدؓ نے سورۃ النجم سنائی اس وقت آپ کا وضو نہ ہو، یا سجدہ کا موقع نہ ہو اس لئے آپؐ نے اس وقت سجدہ نہیں کیا، بعد میں کیا ہوگا، اس وقت سجدہ نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپؐ نے بعد میں بھی سجدہ نہیں کیا۔

دوسری دلیل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ایک مرتبہ آپؓ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، خطبہ میں سورۃ النحل کی آیت سجدہ پڑھی پھر منبر سے اتر کر سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپؓ کے ساتھ سجدہ کیا، پھر منبر پر جا کر باقی خطبہ دیا، اگلے ہفتہ پھر وہی آیت خطبہ میں پڑھی، لوگ سجدہ کی تیاری کرنے لگے، آپؓ نے فرمایا: لوگو! ہم پر یہ سجدے لازم نہیں کئے گئے، ہم چاہیں تو کریں اور چاہیں تو نہ کریں، اور خطبہ آگے جاری رکھا، ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: اس پر کسی نے نکیر نہیں کی، پس یہ اجماع سکوتی ہو گیا کہ سجود تلاوت واجب نہیں۔

ضعیف جواب: اس کا بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ آپؓ نے سجدہ کے بجائے رکوع کر لیا ہوگا یا سر سے اشارہ کر لیا ہوگا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ سجدہ تلاوت میں سجدہ ہی ضروری نہیں، رکوع کر لینا بھی کافی ہے، بلکہ سر جھکا کر اشارہ کر لینا بھی کافی ہے، مصنف ابن ابی شیبہ (۳: ۳۸۲ طبع محمد عوامہ) میں باب ہے: إذا قرأ الرجل السجدة وهو يمشي ما يصنع؟ اس میں متعدد روایات ہیں جن سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ سجدہ ہی ضروری نہیں، اور حضرت ابن مسعودؓ کے علوم میں اور حضرت عمرؓ کے علوم میں بڑی حد تک ہم آہنگی تھی، پس ممکن ہے حضرت عمرؓ کا بھی یہی مذہب ہو، اور آپؓ نے رکوع کر لیا ہو یا سر سے اشارہ کر لیا ہو۔

مگر یہ جواب ضعیف ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سر جھکانا مروی نہیں بلکہ آپؓ کا صاف ارشاد ہے کہ یہ سجدے ہم پر لازم نہیں، ہم چاہیں تو کریں اور نہ چاہیں تو نہ کریں۔

صحیح جواب: اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک سجود تلاوت سنت ہیں، دیگر صحابہ کا یہ مذہب نہیں، ابھی بتایا تھا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ تھا کہ سب سجدے یکساں نہیں، بعض واجب

ہیں اور بعض سنت۔ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں فرمایا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایسی رائے ہے جس کو صحابہ میں سے کسی نے اختیار نہیں کیا" اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مواظبت کے ساتھ سجود تلاوت کرنا ثابت ہے تو عمل نبوی کی موجودگی میں کسی بھی صحابی کا قول لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اجماع سکوتی کی حقیقت: رہی اجماع سکوتی کی بات تو جاننا چاہئے کہ یہ اجماع نہیں ہے بلکہ شخصیت کے احترام میں خاموشی ہے اور دونوں کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں، اس لئے ان میں فرق کرنا ضروری ہے، اور فرق اس طرح کیا جائے گا کہ اگر اس واقعہ کے بعد صحابہ نے اپنی سابق رائے چھوڑ دی ہو تو یہ اجماع ہے اور اگر نہ چھوڑی ہو تو یہ خاموشی شخصیت کے احترام میں ہے، اور یہ بات طے ہے کہ دوسرے صحابہ اپنی رائے پر قائم رہے تھے، انھوں نے اپنی رائے نہیں بدلی تھی، جیسا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب سے معلوم ہوتا ہے پس یہ اجماع نہیں ہے، واللہ اعلم

اور احناف کی دلیلیں تین ہیں:

پہلی دلیل: خود آیات سجدہ کا مضمون ہے، وہ وجوب پر دلالت کرتا ہے، سجدوں کی آیات میں پانچ طرح کے مضامین ہیں:

۱- انسانوں کو ملائکہ کا حال سنایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اطاعت شعار بندے ہیں، بندگی سے منہ نہیں موڑتے، ہر وقت پاکی بیان کرتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، پروردگار سے ڈرتے ہیں اور جو بھی حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاتے ہیں۔

(سورۃ الاعراف، سورۃ النحل)

۲- آسمان وزمین کا ذرہ ذرہ خدا کے سامنے سجدہ ریز ہے مگر بہت سے انسان انکاری ہیں اس لئے ان پر عذاب ثابت ہوگیا (سورۃ الرعد، سورۃ الحج)

۳- انبیاء اور مؤمنین خدا کو سجدہ کرتے ہیں، روتے ہیں اور اللہ کی آیتیں سن کر ان کا خشوع بڑھ جاتا ہے۔

(بنی اسرائیل، مریم، السجدۃ)

۴- کفار سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہیں (الفرقان، الانشقاق)

۵- سجدہ صرف اللہ کو کرو، اور سجدہ کرکے اس کی نزدیکی حاصل کرو (النمل حم السجدۃ، النجم، العلق)

اور سورۂ ص میں داؤد علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر ہے، جب وہ سجدے میں گر پڑے اور رجوع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش معاف فرمادی، غرض سجود تلاوت میں امتثال امر اور نیک بندوں کی روش اپنانے کا مضمون ہے، یہ مضمون خود وجوب سجدہ کی دلیل ہے۔

دوسری دلیل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت تامہ کے ساتھ سجود تلاوت کئے ہیں، ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپؐ نے آیت سجدہ تلاوت کی ہو اور سجدہ نہ کیا ہو، پس یہ مواظبت وجوب کی دلیل ہے، اور حضرت زید کے واقعہ میں تاویل کی گنجائش ہے۔

تیسری دلیل: سجود تلاوت کو نماز میں شامل کرنا وجوب کا قرینہ ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ سجدہ تلاوت نماز کا جزء نہیں ہے، اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کیا تو بھی وہ نماز کا جز نہیں، بلکہ وہ مستقل چیز ہے، اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، جس طرح نماز میں اترتا قرآن پڑھنا واجب ہے، الٹا قرآن پڑھنا مکروہ ہے، مثلاً پہلی رکعت میں سورۃ الناس پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۃ الفلق: اس طرح پڑھنا مکروہ ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نماز میں اترتا قرآن پڑھنا واجب ہے تو الٹا قرآن پڑھنے کی صورت میں سجدۂ سہو کیوں واجب نہیں ہوتا؟ واجب چھوٹ جانے سے تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اترتی سورتیں پڑھنا نماز کا واجب نہیں، بلکہ وہ واجبات قراءت میں سے ہے اور مستقل واجب ہے۔

معلوم ہوا کہ بعض مستقل واجبات کو نماز میں لیا گیا ہے، اور ایسی کوئی مثال نہیں ہے کہ مستقل سنت کو نماز کے اندر لیا گیا ہو۔ معلوم ہوا کہ سجود تلاوت واجب ہیں، کیونکہ انہیں نماز کے اندر لیا گیا ہے، اگر سجود تلاوت سنت ہوتے تو ان کو نماز کے اندر شامل نہ کیا جاتا، کیونکہ مستقل سنت کو نماز کے اندر لینے کی کوئی نظیر نہیں۔

سجود تلاوت کتنے ہیں؟

سجود تلاوت کی تعداد میں اختلاف ہے، اور یہ اختلاف دو باتوں پر مبنی ہے، ایک: مفصلات کے سجدے (النجم، الانشقاق، العلق) مشروع ہیں یا منسوخ؟ دوم: سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں یا ایک؟ اور سورۂ ص میں سجدہ ہے یا نہیں؟ امام مالک رحمہ اللہ مفصلات کے سجدے تسلیم نہیں کرتے وہ کہتے ہیں: یہ سجدے مکی دور میں تھے، مدنی دور میں منسوخ ہوگئے ہیں، پس ان کے نزدیک سجود تلاوت گیارہ ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ سورۃ الحج میں دو سجدے مانتے ہیں اور سورۂ ص کا سجدہ نہیں مانتے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ سورۂ ص میں سجدہ مانتے ہیں اور سورۃ الحج میں ایک سجدہ مانتے ہیں، پس ان دونوں اماموں کے نزدیک سجود تلاوت کی تعداد چودہ ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ سورۃ الحج میں دو سجدوں کے قائل ہیں، اور سورۂ ص کا سجدہ بھی تسلیم کرتے ہیں پس ان کے نزدیک آیات سجدہ کی تعداد پندرہ ہے۔

سجود تلاوت کے لئے وضو ضروری ہے یا نہیں؟

امام بخاریؒ اور غیر مقلدین کے نزدیک وضو ضروری نہیں، وضو کے بغیر بھی سجدہ تلاوت کر سکتے ہیں، اور ابن حزم کے نزدیک تو استقبال قبلہ بھی ضروری نہیں۔ اور ائمہ اربعہ کے نزدیک وضو شرط ہے، بلا وضو سجدہ تلاوت کرنا صحیح نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حدیث: **لا تقبل صلوۃ بغیر طھور**: میں صلوۃ نکرہ ہے جو نفی کے بعد آیا ہے پس صلوۃ عام ہے اور تمام نمازوں کو شامل ہے اور اس بات میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ صلوٰۃ کاملہ یعنی رکوع سجدے والی نماز پاکی کے بغیر صحیح نہیں، البتہ صلوٰۃ ناقصہ مثلاً سجدۂ تلاوت جس میں نماز کا صرف ایک رکن ہے اور نماز جنازہ جس میں صرف قیام ہے اس

کے لئے پاکی ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، عامر شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سجدہ تلاوت اور صلاۃ جنازہ دونوں کے لئے پاکی شرط نہیں، کیونکہ یہ دونوں صلاۃ ناقصہ ہیں اور مذکورہ حدیث صرف صلاۃ کاملہ کے لئے ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صلاۃ جنازہ کے لئے تو پاکی ضروری ہے البتہ سجدہ تلاوت کے لئے پاکی ضروری نہیں۔ امام بخاریؒ کی دلیل عقلی یہ ہے کہ سجدہ تلاوت پر صلاۃ کا اطلاق نہیں ہوتا نہ شرعاً نہ عرفاً اور جنازہ پر صلاۃ کا اطلاق ہوتا ہے عرفاً بھی اور شرعاً بھی، پس نماز جنازہ کے لئے تو پاکی شرط ہے، سجدہ تلاوت کے لئے نہیں۔ اور نقلی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کبھی سجدہ تلاوت بغیر پاکی کے بھی کرتے تھے (یہ حدیث باب ۴ میں آرہی ہے) اور صحابی کا فعل حجت ہے پس معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت پاکی کے بغیر درست ہے۔

اور جمہور کے نزدیک سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ دونوں کے لئے وضو ضروری ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ پر شرعاً اور عرفاً 'صلوٰۃ' کا اطلاق ہوتا ہے، پس وہ اس حدیث کے تحت ہے اور سجدہ تلاوت پر اگرچہ صلوٰۃ کا اطلاق نہیں ہوتا مگر سجدہ نماز کا رکن ہے، پس وہ نماز جنازہ کے حکم میں ہے اس لئے کہ اس میں بھی نماز کا ایک رکن (قیام) ہے، اور ابن عمرؓ کے عمل کا جواب اپنی جگہ آئے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۷- كِتَابُ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ

[۱-] بَابُ مَاجَاءَ فِيْ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ، وَسُنَّتِهَا

[۱۰۶۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْأَسْوَدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَرَأَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم النَّجْمَ بِمَكَّةَ، فَسَجَدَ فِيْهَا، وَسَجَدَ مَنْ مَعَهُ، غَيْرَ شَيْخٍ، أَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى جَبْهَتِهِ، وَقَالَ: يَكْفِيْنِيْ هٰذَا، فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ قُتِلَ كَافِرًا. [انظر: ۱۰۷۰، ۳۸۵۳، ۳۹۷۲، ۴۸۶۳]

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے مکہ میں سورۃ النجم تلاوت فرمائی پس آپؐ نے اس میں سجدہ کیا اور آپؐ کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب نے سجدہ کیا، سوائے ایک سیٹھ کے، اس نے کنکریوں کی یا مٹی کی ایک مٹھی بھری اور اس کو پیشانی کی طرف اٹھایا اور کہا: میرے لئے یہ کافی ہے (ابن مسعودؓ کہتے ہیں:) میں نے اس کو بعد میں دیکھا، وہ کفر کی حالت میں مارا گیا۔

تشریح: مکی دور کا واقعہ ہے، ایک مجلس میں آنحضور ﷺ نے سورۃ النجم تلاوت فرمائی اس مجلس میں مسلمانوں کے

علاوہ مشرکین اور انسانوں کے علاوہ جنات بھی تھے، جب آپؐ نے سورت ختم کی تو سجدۂ تلاوت کیا، پس مجلس میں موجود سبھی لوگوں نے سجدہ کیا، مگر امیہ بن خلف نے سجدہ نہیں کیا، اس نے زمین سے مٹی اٹھائی اور پیشانی سے لگائی اور کہا: میرے لئے یہ کافی ہے، اس مجلس میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے وہ فرماتے ہیں: اس موقع پر جس نے بھی سجدہ کیا دیر سویر اس کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی، مگر امیہ بن خلف ایمان کی دولت سے محروم رہا اور جنگ بدر میں مارا گیا۔

اور کفار نے اس موقع پر سجدہ اس لئے کیا تھا کہ سورۃ النجم نہایت فصیح و بلیغ سورت ہے پھر زبان نبوت نے وہ سورت تلاوت کی تھی اس لئے سماں بندھ گیا، اور جب حضور اکرم ﷺ نے سجدہ کیا تو بے اختیار کفار بھی سجدے میں گر پڑے، بعد میں جب ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انھوں نے خفت مٹانے کے لئے الغرانیق العلی والا واقعہ گڑھا، اور کہنا شروع کیا کہ ہم نے سجدہ اس لئے کیا تھا کہ محمد (ﷺ) نے ہماری مورتیوں کی تعریف کی تھی، انھوں نے کہا تھا تلك الغَرَانِيقُ العُلٰی، وإنْ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰی: وہ (تین بت) عالم بالا کے پرندے ہیں، اور ان کی سفارش بالیقین قبول کی جائے گی۔ اس سورت میں تین بتوں کا یعنی لات، منات اور عزی کا ذکر ہے، کفار نے کہنا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) نے ان بتوں کی تعریف کی اور ان کو طائرانِ لاہوتی (عالم بالا کے پرندے یعنی فرشتے) قرار دیا اور یہ بھی کہا کہ ان کی سفارش ضرور قبول کی جائے گی، اس لئے ہم نے سجدہ کیا۔

مگر سوال یہ ہے کہ یہ جملے آپؐ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے تھے تو کس جگہ پڑھے گئے تھے؟ اس کے لئے کوئی موزوں جگہ بتاؤ؟ پوری سورت میں کوئی بھی جگہ ان کلمات کے لئے موزوں نہیں، اور صاحب جلالین نے جہاں ان کو فٹ کیا ہے وہ تو بالکل ہی غیر موزوں جگہ ہے، بھلا: ایک طرف قرآن ان بتوں کو کنڈم بھی کرے پھر وہیں ان کی تعریف بھی کرے، اس سے زیادہ بے تکی بات کیا ہوسکتی ہے؟

الغرض الغَرَانِيقُ العُلٰی والا واقعہ محض بے اصل اور من گھڑت ہے اور مفسر محلی پر اللہ رحم کریں انھوں نے تحقیق کے بغیر اس واقعہ کو لے لیا، اور اس پر ستم یہ ڈھایا کہ تاویل کی کہ یہ جملے حضور ﷺ نے نہیں کہے تھے بلکہ آپؐ کی آواز میں شیطان نے پڑھے تھے، اس قسم کی تاویلیں اور من گھڑت واقعات سے شیطان سلمان رشدی کو دَغَل فَصَلَ (فساد) کا موقع ملا، اور اس نے ''شیطانی آیات'' نامی ناول لکھا، اس کی ناول کا حاصل یہ ہے کہ جب شیطان محمد (ﷺ) کی آواز میں وحی کے درمیان کچھ بھی پڑھ سکتا ہے تو اس وحی کا کیا اعتبار؟

ربط: یہ جنرل باب ہے اور اس کے دو جزء ہیں: پہلا جزء یہ ہے کہ قرآن کریم میں سجود تلاوت ہیں اور دوسرا جزء یہ ہے کہ سجود تلاوت سنت ہیں، مذکورہ حدیث سے پہلے جزء کا ثبوت تو ظاہر ہے اور آگے تین ابواب تک اسی جزء کے دلائل آئیں گے، پھر دوسرے جزء کے دلائل شروع ہونگے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ایسا کرتے ہیں، ایک مسئلہ دور تک لے کر چلتے ہیں اور نئے نئے ابواب بھی قائم کرتے ہیں، لہٰذا یہاں اگر حدیث سے دوسرا جزء ثابت نہ ہو تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

اور مذکورہ حدیث سے ترجمہ کا دوسرا جزء اس طرح بھی ثابت کر سکتے ہیں کہ مشرکین احکام شرعیہ کے مکلف نہیں، اسی لئے نومسلم پر نماز روزوں کی قضا نہیں، مگر انھوں نے بھی سجدہ کیا، اور تکلیف فرض وواجب کی ہوتی ہے اور سجدۂ تلاوت نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ سنت ہے پس ان کے سجدہ کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اس طرح ترجمہ کا دوسرا جزء بھی ثابت کر سکتے ہیں، مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ جنرل باب ہے اور اس کے دو جزء ہیں، پہلے چند ابواب میں پہلے جزء کے دلائل ہیں پھر دوسرے جزء کے دلائل شروع کریں گے۔

فائدہ: باب کی حدیث امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف پیش نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ مکی دور کا واقعہ ہے اور امام مالک رحمہ اللہ مکی دور میں یہ سجدے مانتے ہیں، وہ مدنی دور میں مفصلات کے سجدوں کے نسخ کے قائل ہیں۔

بَابُ سَجْدَةِ ﴿تَنْزِيْلُ﴾ السَّجْدَةِ

سورۃ الم السجدۃ میں سجدہ

گذشتہ باب جنرل باب تھا اور اس کا پہلا جزء یہ تھا کہ قرآن کریم میں آیات سجدہ ہیں، اب دو تین ابواب میں اس جزء کے دلائل ہیں، اور امام بخاریؒ تمام سجود قرآن کا احاطہ نہیں کر سکتے، جن آیات سجدہ کا ذکر ضعیف یا حسن روایتوں میں آیا ہے ان روایتوں کو بخاری شریف میں نہیں لا سکتے، بخاری شریف میں لانے کے قابل جو روایتیں ہیں انہی کو بخاری میں لائیں گے اور ان پر باب قائم کریں گے۔

اور اس باب میں یہ حدیث لائے ہیں کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم تنزیل السجدہ اور سورۃ الدھر پڑھتے تھے، یہاں روایت میں تنزیل السجدہ میں سجدہ کرنے کا ذکر نہیں ہے، پس حدیث سے باب ثابت کرنے کی تین صورتیں ہیں: ایک: اس حدیث کے دیگر طرق میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ فجر کی نماز میں تنزیل السجدہ پڑھا کرتے تھے اور سجدہ کیا کرتے تھے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور معجم طبرانی میں ہے اور ضعیف ہے (قسطلانی ۱۲۶:۳) دوم: باب کے ذریعہ حدیث کی شرح کی ہے کہ اس سورت میں سجدہ ہے، سوم: اس سورت کا نام دلیل ہے کہ اس سورت میں سجدہ ہے۔

[۲-] بَابُ سَجْدَةِ ﴿تَنْزِيْلُ﴾ السَّجْدَةِ

[۱۰۶۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ ﴿الٓمٓ تَنْزِيْلُ﴾ السَّجْدَةَ، وَ﴿هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ﴾ [راجع: ۸۹۱]

بَابُ سَجْدَةِ صٓ

سورۂ ص میں سجدہ

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سورۂ ص میں سجدہ نہیں، کیونکہ وہ داؤد علیہ السلام کی توبہ کا ذکر ہے، جب انھوں نے سجدہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش معاف فرمائی، ہمیں اس جگہ سجدہ کرنے کا حکم نہیں، باقی تمام فقہاء سورۂ ص میں سجدہ مانتے ہیں، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو سورۂ ص میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، علاوہ ازیں نسائی شریف میں صحیح سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''داؤد علیہ السلام نے توبہ کے طور پر سجدہ کیا تھا اور ہم شکر کے طور پر سجدہ کرتے ہیں''[1] اس حدیث میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب بھی ہے۔

فائدہ (۱): امام شافعیؒ سورۂ ص میں نماز میں تو سجدہ نہیں مانتے لیکن خارج صلاۃ سجدہ کے قائل ہیں، جیسے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ نماز سے باہر سورۃ الحج کا دوسرا سجدہ کرنا چاہئے اور نماز میں اس آیت پر رکوع کرنا چاہئے اور رکوع میں سجدہ کی نیت کرنی چاہئے تاکہ دوسرے ائمہ کے قول کی رعایت ہوجائے، اسی طرح امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ ص میں خارج نماز سجدہ کرنا چاہئے، چنانچہ امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کو قائلین سجدہ ص میں شمار کیا ہے۔

فائدہ (۲): سورۂ ص کی آیات کی صحیح تفسیر وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آئی ہے، اور وہ حدیث مستدرک حاکم میں بسند صحیح منقول ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی تین دن کی باری مقرر کی تھی، ایک دن دربار اور فصل خصومات کے لئے تھا، ایک دن اپنے اہل وعیال کے پاس رہنے کے لئے تھا اور ایک دن خاص اللہ کی عبادت کے لئے تھا، اس دن وہ خلوت میں عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

علاوہ ازیں انھوں نے رات دن کے چوبیس گھنٹے اپنے گھر والوں پر تقسیم کر رکھے تھے تاکہ ان کا عبادت خانہ کسی بھی وقت عبادت سے خالی نہ رہے، ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا: اے پروردگار! رات اور دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں جس میں داؤد کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد آپ کی عبادت میں مشغول نہیں رہتا، اور بھی کچھ اس قسم کی

(۱) توبہ کے طور پر سجدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام سجدہ ریز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش معاف فرمائی، یعنی سجدہ ہی ان کی توبہ تھی ——— اور ہم شکر کے طور پر سجدہ کرتے ہیں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی لغزش فرمائی، اس سلسلہ میں ہم ممنون ہیں یعنی یہ احسان صرف داؤد علیہ السلام پر نہیں تھا ہم پر بھی ہے، داؤد علیہ السلام ہمارے بڑے ہیں، اور بڑوں پر احسان چھوٹوں پر بھی انعام واحسان ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو غرقاب کیا تو شکریہ کے طور پر موسیٰ علیہ السلام نے اور بنی اسرائیل نے دس محرم کا روزہ رکھا، یا جیسے آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن میں بہت سے انعامات واحسانات کئے تو جمعہ بابرکت دن ہوگیا، اور اس امت نے اس کو عبادت کے لئے منتخب کیا۔

باتیں عرض کیں (شاید اپنے حسن انتظام وغیرہ کے متعلق ہونگی) داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا اپنے حسن انتظام کو جتلانا اللہ تعالیٰ کو کیسے پسند آسکتا تھا، بڑوں کی چھوٹی چھوٹی بات پر بھی گرفت ہوتی ہے، ارشاد ہوا: داؤد یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے، اگر میری مدد نہ ہوتو تو اس چیز پر قدرت نہیں پاسکتا، ہزار کوشش کرے نبھا نہیں سکتا، قسم ہے اپنے جلال کی! میں تجھ کو ایک دن تیرے نفس کے حوالے کردوں گا، اور اپنی مدد ہٹالوں گا، دیکھیں اس وقت تو کہاں تک اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتا ہے۔ اور اپنا نظام قائم رکھ سکتا ہے، داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: پروردگار! مجھے اس دن کی خبر کردیں، پس اسی دن فتنہ میں مبتلا ہوگئے، عبادت میں مشغول تھے کہ اچانک دو شخص دیوار پھاند کر آگئے اور اپنا مقدمہ پیش کرکے اس کا فیصلہ چاہا، اور حضرت داؤد علیہ السلام کو عبادت سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کرلیا، بڑے بڑے پہرے اور انتظامات ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچنے سے روک نہ سکے، چنانچہ انھوں نے مقدمہ سنا اور فیصلہ کیا (جس کا تذکرہ آیات ۲۳ و ۲۴ میں ہے) فیصلہ کرنے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو تنبہ ہوا کہ میرے حق میں یہ ایک فتنہ اور امتحان تھا، اس خیال کے آتے ہی اپنی خطا معاف کرانے کے لئے نہایت عاجزی کے ساتھ خداعزوجل کے سامنے سجدہ کیا، آخر خدا نے ان کی خطا معاف فرمادی (ماخوذ از فوائد عثمانی)

[۳-] بَابُ سَجْدَةِ صٓ

[۱۰۶۹-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَأَبُو النُّعْمَانِ، قَالاَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: ﴿صٓ﴾ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ. وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَسْجُدُ فِيْهَا.

[انظر: ۳۴۲۲]

وضاحت: ابواب السجود کے شروع میں یہ بات بتلائی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ کے نزدیک قرآن کریم کے سب سجدے یکساں نہیں ہیں، بعض واجب ہیں اور بعض سنت، پھر ابن عباسؓ سے تو کوئی تفصیل مروی نہیں مگر حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ چھ سجدے واجب ہیں اور باقی سجدے سنت ہیں، سورۂ ص کے سجدہ کو ابن عباسؓ نے سنت قرار دیا ہے مگر احناف کے نزدیک قرآن کریم کے سب سجدے واجب ہیں۔

قولہ: عزائم السجود: یہ مرکب اضافی درحقیقت مرکب توصیفی ہے، اصل سجودٌ عزیمۃٌ ہے یعنی پختہ سجدے، پھر عبارت کو سبک کرنے کے لئے مرکب اضافی میں ڈھال لیا ہے۔

بَابُ سَجْدَةِ النَّجْمِ

سورۃ النجم کا سجدہ

سورۃ النجم میں آیت سجدہ ہے، حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں بھی اس کا ذکر ہے، اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت

میں بھی، باب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور اس کی شرح گذر چکی ہے اور اس باب پر جنرل باب کا پہلا جزء پورا ہوگیا۔

[٤-] بَابُ سَجْدَةِ النَّجْمِ

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[١٠٧٠-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَرَأَ سُوْرَةَ النَّجْمِ فَسَجَدَ بِهَا، فَمَا بَقِيَ أَحَدٌ مِنَ الْقَوْمِ إِلَّا سَجَدَ، فَأَخَذَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ، فَرَفَعَهُ إِلَى وَجْهِهِ، وَقَالَ: يَكْفِيْنِيْ هٰذَا. قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا. [راجع: ١٠٦٧]

بَابُ سُجُوْدِ الْمُسْلِمِيْنَ مَعَ الْمُشْرِكِيْنَ

مسلمانوں کا مشرکوں کے ساتھ سجدہ کرنا

اب جنرل باب کا دوسرا جزء لیتے ہیں یعنی سجودِ تلاوت واجب ہیں یا سنت؟ اور یہ تمہیدی باب ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان رکھا ہے: سجودُ المسلمین مع المشرکین: مسلمانوں کا مشرکوں کے ساتھ سجدہ کرنا جبکہ باب اس طرح ہونا چاہئے تھا: باب سجودِ المشرکین مع المسلمین: مشرکوں کا مسلمانوں کے ساتھ سجدہ کرنا، کیونکہ اصل سجدہ کرنے والے تو مسلمان تھے، مشرکین نے تو ماحول سے متاثر ہوکر مسلمانوں کی موافقت کی تھی۔

پس جاننا چاہئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بالقصد الٹا باب قائم کیا ہے، کتاب کے شروع میں باب بدء الوحی کی پہلی حدیث میں بھی انھوں نے ایک جزء حذف کیا ہے، تاکہ قاری کے لئے لمحۂ فکریہ پیدا ہو، آیت کریمہ: ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوْحٍ وَّالنَّبِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِهِ﴾ میں وحی ربانی کا بیان ہے جو حجت ہے، اور وحی شیطانی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حدیث کا غیر مقبول ہجرت والا جزء لائے، تاکہ وحی شیطانی کی طرف اشارہ ہوجائے اگر مقبول ہجرت والا جزء لاتے اور دوسرا جزء حذف کرتے تو یہ بات حاصل نہ ہوتی، حدیث آیت کے موافق ہوجاتی، اور دونوں وحی ربانی پر دلالت کرتے، اسی طرح یہاں بھی صحیح ترتیب قائم کرتے تو مقصد باب کی طرف اشارہ نہ ہوتا۔

اور باب کا مقصد یہ ہے کہ سجودِ تلاوت کے لئے وضو ضروری نہیں، بے وضو بھی سجدۂ تلاوت کرسکتے ہیں، بلکہ ابن حزم ظاہری تو یہ کہتے ہیں کہ استقبالِ قبلہ بھی ضروری نہیں، پھر امام بخاریؒ نے باب میں دو باتیں ذکر کی ہیں:

۱- مشرکین ناپاک ہیں اور ان کا وضو نہیں اس لئے کہ وہ دنیا میں احکام کے مکلف نہیں، پس وہ نماز کے بھی مکلف نہیں،

اور وضو نماز کے لئے شرط ہے، پس مشرکین کا وضو لاشی ہے۔

۲- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر پیش کیا ہے کہ وہ کبھی بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت کرتے تھے، پس جب وضو واجب نہیں تو سجدۂ تلاوت کیسے واجب ہوسکتا ہے؟

اور ائمہ اربعہ کہتے ہیں: نماز جنازہ میں نماز کا ایک رکن (قیام) ہے اس لئے اس کے لئے وضو ضروری ہے اور سجدۂ تلاوت میں بھی نماز کا ایک رکن (سجدہ) ہے پس اس کے لئے بھی وضو ضروری ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت میں جو سجدہ ہے وہ نماز کا رکن نہیں، پس اس کے لئے وضو ضروری نہیں۔ اور دلیل میں دو باتیں ذکر کی ہیں:

ایک: مسلمانوں نے مشرکین کے اختلاط کے ساتھ سجدہ کیا جبکہ مشرکین نجس ہیں، ان کا وضو نہیں، اور جب آدھے مجمع کے لئے وضو ضروری نہیں، تو باقی کے لئے بھی ضروری نہیں۔

دوم: ابن عمرؓ کا عمل ہے، وہ بے وضو سجدہ تلاوت کیا کرتے تھے، پس ثابت ہوا کہ سجود تلاوت واجب نہیں،

اور پہلے استدلال کا جواب یہ ہے کہ آدھے مجمع کے باوضو نہ ہونے سے باقی لوگوں پر بھی وضو ضروری نہیں: یہ دلیل عقلی ظاہر البطلان ہے، کیا جماعت میں ایک شخص کا وضو ٹوٹ جائے یا پہلے سے وہ بے وضو ہو تو دوسروں پر بھی وضو ضروری نہیں ہوگا؟ یہ کیا بات ہوئی!

اور حاشیہ میں دوسری دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بخاری شریف کے اکثر رواۃ نے علی غیر وضوء نقل کیا ہے مگر اصیلی کی روایت میں لفظ غیر نہیں ہے، پس استدلال ختم ہوا۔

لیکن یہ جواب کمزور ہے اس لئے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ ایک مرتبہ دوران سفر اپنی سواری سے اترے اور پیشاب کیا، پھر سوار ہو کر چلے اور آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کیا اور وضو نہیں کیا، معلوم ہوا کہ یہاں لفظ غیر صحیح ہے اور اصیلی کی روایت میں لفظ غیر رہ گیا ہے۔

اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتوی اس کے خلاف ہے، بیہقی نے سند صحیح سے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے: لایسجد الرجل إلا وھو طاھر: مگر اس کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ طاھرٌ سے طہارت کبری مراد ہے یعنی حدث اکبر (جنابت) کی حالت میں سجدہ کرنا صحیح نہیں، اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ فتوی بھی صحیح ہے اور عمل بھی۔ ابن عمرؓ نے باوضو سجدہ کرنے کا فتوی دیا اور اپنے عمل سے بے وضو سجدہ کرنے کی گنجائش بیان کی۔

مگر یہ حضرت ابن عمرؓ کی رائے تھی، دیگر صحابہ کی یہ رائے نہیں تھی، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ سجدۂ تلاوت ہم پر واجب نہیں، ہم چاہیں تو کریں نہ چاہیں تو نہ کریں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت عمرؓ کی اس رائے کی کسی نے پیروی نہیں کی، اسی طرح ابن عمرؓ کی اس رائے کی دیگر صحابہ نے موافقت نہیں کی۔

[۵-] بَابُ سُجُوْدِ الْمُسْلِمِيْنَ مَعَ الْمُشْرِكِيْنَ

[۱-] وَالْمُشْرِكُ نَجَسٌ، لَيْسَ لَهُ وُضُوْءٌ.

[۲-] وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْجُدُ عَلَى غَيْرِ وُضُوْءٍ.

[۱۰۷۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم سَجَدَ بِالنَّجْمِ، وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ، وَالْجِنُّ وَالإِنْسُ. وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَيُّوْبَ. [انظر: ۴۸۶۲]

وضاحت: زمین میں تین مخلوقات ایک ساتھ آباد ہیں: زمینی فرشتے، جنات اور انسان .... آسمانی فرشتے الگ ہیں وہ ملأ اعلی کہلاتے ہیں اور زمینی فرشتے ملأ سافل کہلاتے ہیں .... اور ان تینوں میں سب سے قدیم ملأ سافل ہیں پھر جنات پھر انسان، اور تینوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے آڑ رکھی ہے اور وہ آڑ ان کا لطیف وکثیف ہونا ہے (تفصیل تحفۃ الالمعی ۱:۲۰۱ میں پڑھیں) جس مجلس میں نبی ﷺ نے سورۃ النجم پڑھی تھی، اس میں انسان (مسلمان اور مشرکین) جنات اور فرشتے سب تھے اور سب نے سجدہ کیا تھا، سوائے امیہ بن خلف کے، اور سب سجدہ کرنے والوں کو دیر سویر ایمان کی دولت ملی، مگر امیہ بن خلف حالت کفر میں بدر میں مارا گیا۔

بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَسْجُدْ

جس نے آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ نہیں کیا

آیت سجدہ پڑھنے کے بعد اگر کوئی شخص سجدہ نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں، اس لئے کہ سجدے واجب نہیں، سنت ہیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو سورۃ النجم سنائی تو آپؐ نے سجدہ نہیں کیا، معلوم ہوا کہ سجود تلاوت واجب نہیں۔

پہلا جواب: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں، اور انھوں نے مدنی دور میں یہ سورت سنائی ہے، صحابہ سبق یاد کرکے آنحضور ﷺ کو سناتے تھے، اور امام مالک رحمہ اللہ مدنی دور میں مفصلات کے سجدوں کو منسوخ مانتے ہیں، پس اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔

دوسرا جواب: سجدۂ تلاوت علی الفور واجب نہیں، بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے، ممکن ہے جس وقت حضرت زیدؓ نے سورۃ النجم سنائی اس وقت آپؐ کا وضو نہ ہو، یا سجدہ کا موقع نہ ہو، اس لئے آپؐ نے اس وقت سجدہ نہیں کیا، بعد میں کیا، اُس وقت سجدہ نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپؐ نے بعد میں بھی سجدہ نہیں کیا۔

تیسرا جواب: اور ترمذی شریف میں ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب حضرت زیدؓ نے سجدہ نہیں کیا تو آپ پر بھی سجدہ واجب نہیں ہوا، اس لئے کہ قاری بہ منزلہ امام ہے وہ سجدہ کرے گا تو سامع اس کی اقتداء میں سجدہ کرے گا مگر یہ جواب صحیح نہیں، احناف کے نزدیک سامع پر ہر حال میں سجدہ واجب ہے، خواہ قاری سجدہ کرے یا نہ کرے، اس لئے دوسرا جواب ہی صحیح ہے۔

[۶-] بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَسْجُدْ

[۱۰۷۲-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيعِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ، عَنِ ابْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، فَزَعَمَ أَنَّهُ قَرَأَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ﴿وَالنَّجْمِ﴾ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا. [انظر: ۱۰۷۳]

[۱۰۷۳-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ﴿وَالنَّجْمِ﴾ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا. [انظر: ۱۰۷۲]

بَابُ سَجْدَةِ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾

سورۃ الانشقاق میں سجدہ

یہ باب امام مالک رحمہ اللہ پر رد ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مفصلات کے سجدے مکی دور میں تھے، مدنی دور میں وہ منسوخ ہوگئے تھے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات صحیح نہیں، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سورۃ الانشقاق میں سجدہ کیا تو ابو سلمہ نے کہا: کیا میں نہیں دیکھا آپ کو کہ آپ سجدہ کررہے ہیں یعنی آپؐ نے اس سورت میں سجدہ کیوں کیا؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: کیوں نہ کروں، میں نے نبی ﷺ کو اس سورت میں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سن ۷ ہجری میں مسلمان ہوئے ہیں اور انھوں نے نبی ﷺ کو اس سورت میں سجدہ کرتے دیکھا ہے معلوم ہوا کہ مفصلات کے سجدے مدنی دور میں بھی مشروع تھے، منسوخ نہیں ہوئے، پس امام مالکؒ کی رائے صحیح نہیں۔

فائدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سورۃ الانشقاق میں سجدہ کرنے پر طالب علم نے حیرت سے جو سوال کیا ہے وہ دلیل ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ان کی اپنی رائے نہیں ہے بلکہ اوپر سے چلی آرہی ہے۔

[۷-] بَابُ سَجْدَةِ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾

[۱۰۷۴-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَمُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ،

قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَرَأَ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ بِهَا، فَقُلْتُ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! أَلَمْ أَرَكَ تَسْجُدُ؟ قَالَ: لَوْ لَمْ أَرَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم سَجَدَ لَمْ أَسْجُدْ.

بَابُ مَنْ سَجَدَ لِسُجُوْدِ الْقَارِئِ

جس نے قاری کے سجدہ کرنے کی وجہ سے سجدہ کیا

ایک رائے یہ ہے کہ سامع پر سجدہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب قاری سجدہ کرے، اگر قاری سجدہ نہ کرے تو سامع پر سجدہ واجب نہیں، قاری بہ منزلہ امام ہے وہ سجدے کرے گا تو سامعین اس کی اقتداء میں سجدہ کریں گے ورنہ نہیں، حنفیہ اس سے متفق نہیں، وہ کہتے ہیں کہ سامع پر ہر حال میں سجدہ واجب ہے چاہے قاری سجدہ کرے یا نہ کرے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے معلوم نہیں، اس لئے کہ آپ نے ترجمہ میں من رکھا ہے یعنی مسئلہ کی ذمہ داری قبول نہیں کی......... باب میں ایک اثر اور ایک حدیث ہے جن سے اس بات کے قائلین نے استدلال کیا ہے۔

[۸-] بَابُ مَنْ سَجَدَ لِسُجُوْدِ الْقَارِئِ

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لِتَمِيْمِ بْنِ حَذْلَمٍ، وَهُوَ غُلَامٌ، فَقَرَأَ عَلَيْهِ سَجْدَةً، فَقَالَ: اسْجُدْ فَإِنَّكَ إِمَامُنَا فِيْهَا.

[۱۰۷۵-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ يَحْيَى، قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ عَلَيْنَا السُّوْرَةَ، فِيْهَا السَّجْدَةُ، فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ، حَتَّى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا مَوْضِعَ جَبْهَتِهِ. [انظر: ۱۰۷۶، ۱۰۷۹]

اثر: تمیم بن حذلم (تابعی) نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو قرآن سنایا اور آیت سجدہ پڑھی، ابن مسعودؓ نے اس سے کہا: سجدہ کر، تو ہمارا امام ہے۔ اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ قاری سجدہ کرے گا تب سامع پر سجدہ واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

مگر یہ استدلال تام نہیں، اس اثر سے جماعت کی ہیئت بنا کر سجدہ کرنے کی بات تو نکلتی ہے مگر یہ مسئلہ کہ قاری سجدہ کرے گا تب سامع پر سجدہ واجب ہوگا، یہ بات اس اثر سے نہیں نکلتی۔

حدیث: ابن عمرؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ ہمارے سامنے کوئی ایسی سورت تلاوت فرماتے تھے جس میں آیت سجدہ ہوتی تھی، پس آپ سجدہ کرتے تھے اور ہم بھی سجدہ کرتے تھے یہاں تک کہ ہم میں سے ایک اپنی پیشانی رکھنے کی جگہ نہیں پاتا تھا۔

تشریح: نبی ﷺ کبھی مجمع میں ایسی سورت تلاوت فرماتے تھے جس میں آیت سجدہ ہوتی تھی، پھر آپ سجدہ کرتے تو سارا مجمع آپؐ کے ساتھ سجدہ کرتا، یہ جماعت کی صورت ہے حقیقتاً جماعت نہیں، اور اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ قاری سجدہ کرے تب سامع پر سجدہ واجب ہے، یہ بات حدیث سے نہیں نکلتی۔

بَابُ ازْدِحَامِ النَّاسِ إِذَا قَرَأَ الإِمَامُ السَّجْدَةَ

لوگوں کا بھیڑ کرنا جب امام آیت سجدہ پڑھے

امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ حدیث میں جو مسئلہ ضمناً آتا ہے اگلا باب اسی مسئلہ پر قائم کردیتے ہیں۔

مسئلہ: اگر بھیڑ کی وجہ سے سجدہ کرنے کی جگہ نہ ملے تو کیا کرے؟ سجدے دو ہیں، ایک نماز والا سجدہ، دوسرا سجدۂ تلاوت، نماز والے سجدے میں اگر ازدحام کی وجہ سے زمین پر سر رکھنے کی جگہ نہ ملے تو اگلے کی پیٹھ پر سجدہ کرے، اور سجدۂ تلاوت میں انتظار کرے جب اگلا سر اٹھالے تب سجدہ کرے۔

[۹-] بَابُ ازْدِحَامِ النَّاسِ إِذَا قَرَأَ الإِمَامُ السَّجْدَةَ

[۱۰۷۶-] حدثنا بِشْرُ بْنُ آدَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ السَّجْدَةَ، وَنَحْنُ عِنْدَهُ، فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ، فَنَزْدَحِمُ حَتَّى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا لِجَبْهَتِهِ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ. [راجع: ۱۰۷۵]

وضاحت: یہ گذشتہ باب والی حدیث ہے، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں: جب نبی ﷺ مجمع میں آیت سجدہ پڑھتے اور سجدہ کرتے تو صحابہ آپؐ کے ساتھ سجدہ کرتے اور بھیڑ کی وجہ سے بعض لوگ سجدہ کی جگہ نہیں پاتے تھے، وہ لوگ کیا کرتے تھے؟ اس سے حدیث خاموش ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی کچھ بیان نہیں کیا، اس لئے میں نے اوپر مسئلہ بیان کیا۔

بَابُ مَنْ رَأَى أَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يُوْجِبِ السُّجُوْدَ

ایک رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سجود تلاوت واجب نہیں کئے

اس باب میں حضرت رحمہ اللہ مَن لائے ہیں اور دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلائی ہے، خود ذمہ داری قبول نہیں کی۔ اور اس باب میں پانچ اثر اور ایک حدیث ہے۔

[۱۰-] بَابُ مَنْ رَأَى أَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يُوْجِبِ السُّجُوْدَ

[۱-] وَقِيْلَ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ: الرَّجُلُ يَسْمَعُ السَّجْدَةَ، وَلَمْ يَجْلِسْ لَهَا؟ قَالَ: أَرَأَيْتَ لَوْ قَعَدَ لَهَا؟ كَأَنَّهُ لَا يُوْجِبُهُ عَلَيْهِ.

[۲-] وَقَالَ سَلْمَانُ: مَا لِهٰذَا غَدَوْنَا.

[۳-] وَقَالَ عُثْمَانُ: إِنَّمَا السَّجْدَةُ عَلَى مَنِ اسْتَمَعَهَا.

[٤-] وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: لَايَسْجُدُ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ طَاهِرًا. فَإِذَا سَجَدْتَ وَأَنْتَ فِي حَضَرٍ فَاسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، فَإِنْ كُنْتَ رَاكِبًا فَلَا عَلَيْكَ حَيْثُ كَانَ وَجْهُكَ.

[٥-] وَكَانَ السَّائِبُ بْنُ يَزِيْدَ لَايَسْجُدُ لِسُجُوْدِ الْقَاصِّ.

[١٠٧٧-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ التَّيْمِيِّ، عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْهُدَيْرِ التَّيْمِيِّ – قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: وَكَانَ رَبِيْعَةُ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ– عَمَّا حَضَرَ رَبِيْعَةُ مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: قَرَأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِسُوْرَةِ النَّحْلِ، حَتّٰى إِذَا جَاءَ السَّجْدَةَ نَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ، حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْقَابِلَةُ قَرَأَ بِهَا، حَتّٰى إِذَا جَاءَ تِ السَّجْدَةُ، قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّا نَمُرُّ بِالسُّجُوْدِ، فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ أَصَابَ، وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ، وَلَمْ يَسْجُدْ عُمَرُ.

وَزَادَ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: إِنَّ اللهَ لَمْ يَفْرِضْ عَلَيْنَا السُّجُوْدَ إِلَّا أَنْ نَشَاءَ.

آثار:

۱-حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص سجدہ کی آیت سنتا ہے، مگر وہ آیت سننے کے لئے بیٹھا نہیں، مثلاً دارالحدیث میں جلسہ ہورہا ہے، قاری صاحب قراءت کررہے ہیں، انھوں نے آیت سجدہ پڑھی، اس وقت ایک شخص گیلری سے گذررہا ہے، اس نے آیت سجدہ سنی تو کیا اس پر سجدہ واجب ہے؟ حضرت عمرانؓ نے جواب دیا: بتا اگر وہ آیت سننے کے لئے مجلس میں بیٹھتا تو؟ یعنی گذرتے ہوئے سنے یا بیٹھ کر بالقصد سنے دونوں صورتوں میں سجدہ واجب نہیں، كأنه لايوجبه عليه: یہ حضرت عمرانؓ کے جواب کا حاصل ہے کہ دونوں صورتوں میں سجدہ واجب نہیں، مگر یہ حضرت عمران کی رائے ہے، دوسرے صحابہ کی یہ رائے نہیں تھی۔

۲-مکتب میں ایک بچہ استاذ کو سبق سنارہا ہے، ایک شخص استاذ سے ملنے کے لئے آیا، اسی دوران بچہ نے آیت سجدہ پڑھی تو کیا اس آنے والے پر سجدہ واجب ہے؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا، آپؓ کسی سے ملنے گئے وہاں آیت سجدہ پڑھی گئی، آپؓ نے سجدہ نہیں کیا اور فرمایا: ہم آیت سجدہ سننے کے لئے نہیں آئے یعنی بالقصد آیت سجدہ سنے تو سجدہ واجب ہے، ورنہ نہیں۔

۳-حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آیت سجدہ کان میں پڑجائے تو سجدہ واجب نہیں، کان لگا کر سنے یعنی بالقصد سنے تب سجدہ واجب ہے، استمع کے معنی ہیں: غور سے سننا۔

۴-امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: نہ سجدہ کرے مگر یہ کہ وہ پاک ہو یعنی سجدۂ تلاوت کے لئے وضو ضروری ہے (جہاں یہ

مسئلہ آیا تھا کہ سجدۂ تلاوت کے لئے وضو ضروری ہے یا نہیں؟ وہاں یہ قول کیوں نہیں لائے؟) اور حضر میں قبلہ رخ سجدہ کرنا ضروری ہے، اور سفر میں جدھر بھی سواری کا رخ ہو سجدہ کرسکتا ہے، قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں۔

۵- سائب بن یزید رحمہ اللہ (تابعی) جب کسی واعظ سے وعظ میں آیت سجدہ سنتے تو سجدہ نہیں کرتے تھے۔

حدیث: اس حدیث کے ایک راوی ہیں ربیعہ بن عبداللہ، ان کے بارے میں ابوبکر کہتے ہیں کہ ربیعہ بہترین انسان تھے، یہ ان کی توثیق ہے، انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ آپؓ نے جمعہ کے دن منبر پر سورۃ النحل پڑھی، اس وقت ربیعہ وہاں موجود تھے، جب آپؓ نے آیت سجدہ پڑھی تو منبر سے اترے اور سجدہ کیا، پس لوگوں نے بھی آپؓ کے ساتھ سجدہ کیا، اگلے جمعہ میں آپؓ نے پھر سورۃ النحل پڑھی اور آیت سجدہ پڑھ کر فرمایا: لوگو! ہم سجدوں سے گذرتے ہیں، پس جس نے سجدہ کیا اس نے درست کیا، اور جس نے سجدہ نہیں کیا اس پر کچھ گناہ نہیں۔ پھر آپؓ نے سجدہ نہیں کیا۔

اس واقعہ کو نافع بھی ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، ان کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہم پر سجدے فرض نہیں کئے، مگر یہ کہ ہم چاہیں، یعنی ہمیں اختیار ہے، چاہیں تو سجدہ کریں اور نہ چاہیں تو نہ کریں۔

تشریح: یہ مسئلہ کہ سجود تلاوت سنت ہیں یا واجب؟ دور اول میں اختلافی تھا، روایات میں بھی اختلاف ہے اور صحابہ میں بھی اختلاف تھا، اور امام اعظم رحمہ اللہ کا مزاج یہ ہے کہ عبادت میں احتیاط والا پہلو لیتے ہیں، اور سجدوں کو واجب قرار دینے میں احتیاط ہے، سجدہ کرے گا تو ثواب پائے گا، پس فرض کرو: واجب نہ بھی ہو پھر بھی سجدہ کیا جائے تو کیا برا ہے؟

بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ فِي الصَّلاَةِ فَسَجَدَ بِهَا

جس نے نماز میں آیت سجدہ پڑھی، پھر اس نے سجدہ کیا

یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت نماز کا جزء نہیں ہے ــــ واجب ہے یا سنت، اس سے قطع نظر ــــ بلکہ وہ مستقل چیز ہے پس اس کو نماز میں کیسے کریں گے؟ جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت نص سے ہے، نبی ﷺ نماز میں سجدۂ تلاوت کیا کرتے تھے، یہ قائلین سنت کی طرف سے جواب ہے اور حنفیہ یہ جواب دیں گے کہ بعض مستقل واجبات کو نماز میں لیا گیا ہے، جیسے نماز میں اترتی ہوئی سورتیں پڑھنا واجب ہے اور یہ واجبات قراءت میں سے ہے اور مستقل واجب ہے، نماز کا واجب نہیں۔ اسی طرح سجدۂ تلاوت بھی مستقل واجب ہے، اس کو نماز میں لیا گیا ہے، لہٰذا اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھے تو نماز ہی میں سجدہ کرے گا۔

[۱۱-] بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ فِي الصَّلاَةِ فَسَجَدَ بِهَا

[۱۰۷۸-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرٌ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ:

صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ، فَقَرَأَ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ، فَقُلْتُ: مَاهٰذِهِ؟ قَالَ: سَجَدْتُ بِهَا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ صلى الله عليه وسلم، فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ فِيهَا حَتَّى أَلْقَاهُ. [راجع: ٧٦٦]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز میں سورۃ الانشقاق پڑھی اور آیت سجدہ پڑھ کر نماز ہی میں سجدہ کیا، ابورافع نے اس سلسلہ میں سوال کیا، آپؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے پیچھے اس سورت میں سجدہ کیا ہے، لہٰذا میں سجدہ کروں گا، یہاں تک کہ موت آجائے، ابوسلمہ نے بھی یہ سوال کیا تھا، معلوم ہوا کہ مفصلات کے سجدوں کے نسخ کی بات تنہا امام مالک رحمہ اللہ نہیں کہتے، اوپر سے یہ رائے چلی آرہی ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَجِدْ مَوْضِعًا لِلسُّجُوْدِ مِنَ الزِّحَامِ

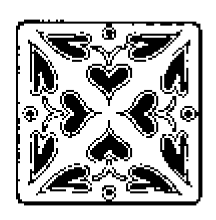
جو شخص بھیڑ کی وجہ سے سجدہ کے لئے جگہ نہ پائے

یہ باب گذر چکا ہے اور اس باب میں اور گذشتہ باب میں فرق یہ ہے کہ وہاں لفظ امام تھا اور یہاں وہ لفظ نہیں ہے اور اتنے معمولی فرق پر بھی امام بخاری رحمہ اللہ نیا باب قائم کرتے ہیں۔

[١٢-] بَابُ مَنْ لَمْ يَجِدْ مَوْضِعًا لِلسُّجُوْدِ مِنَ الزِّحَامِ

[١٠٧٩-] حدثنا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ السُّوْرَةَ الَّتِي فِيهَا السَّجْدَةُ، فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ حَتَّى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا مَكَانًا لِمَوْضِعِ جَبْهَتِهِ. [راجع: ١٠٧٩]

﴿الحمد للہ! ابواب سجود القرآن کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾



بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَبْوَابُ تَقْصِيْرِ الصَّلَاةِ

نماز قصر کرنے کا بیان

الإقْصَار، التَّقْصِيْر اور القَصْر تینوں مترادف الفاظ ہیں اور فصیح ترین تیسر القظ ہے، اور وہی زیادہ مستعمل ہے..... ان ابواب میں سفر میں رباعی نماز قصر پڑھنے کا بیان ہے اور ضمناً چند اور بھی مسئلے آگئے ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي التَّقْصِيْرِ، وَكَمْ يُقِيْمُ حَتَّى يَقْصُرَ؟

قصر اور مدتِ اقامت کا بیان

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: سفر میں قصر کا کیا حکم ہے؟ پوری امت متفق ہے کہ سفر شرعی میں قصر یعنی رباعی نماز کو دو رکعت پڑھنا جائز ہے، البتہ اتمام کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے، یعنی سفر میں رباعی نماز پوری پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، عراقی مکتبِ فکر (احناف) کے نزدیک قصر واجب ہے یعنی پوری نماز پڑھنا جائز نہیں، اور حجازی مکتبِ فکر (ائمہ ثلاثہ) کے نزدیک قصر بھی جائز ہے اور اتمام بھی۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ سفر میں قصر: قصر اسقاط ہے یا قصر ترفیہ؟ اسقاط کے معنی ہیں: ختم کرنا۔ اور ترفیہ کے معنی ہیں: سہولت دینا، عراقی مکتبِ فکر کے نزدیک قصر: قصر اسقاط ہے یعنی سفر میں رباعی نمازوں میں سے دو رکعتیں کم کردی گئی ہیں پس جس طرح فجر کی چار رکعتیں پڑھنا جائز نہیں سفر میں رباعی نماز پوری پڑھنا جائز نہیں۔

اور حجازی مکتبِ فکر کے نزدیک قصر: قصر ترفیہ ہے یعنی سفر میں رباعی نماز دو رکعت پڑھنے کی رخصت دی گئی ہے، پس جو چاہے رخصت پر عمل کرے اور دو پڑھے، اور جو چاہے عزیمت پر عمل کرے اور چار پڑھے، دونوں باتیں درست ہیں۔

پھر ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قصر اور اتمام دونوں یکساں ہیں، کوئی اولیٰ غیر اولیٰ

نہیں ہے، اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: قصر افضل ہے اور اتمام جائز ہے ـــــ غرض بنیادی نقطۂ نظر دو ہیں: حنفیہ کے نزدیک قصر واجب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قصر و اتمام دونوں جائز ہیں کوئی واجب نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: سورۃ النساء کی آیت ۱۰۱ ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾: جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (رباعی) نماز کم پڑھو، اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کفار تمہیں پریشان کریں گے۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں: لاجناح: اباحت کی تعبیر ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ قصر کرنا جائز ہے واجب نہیں، پس اس کا مقابل اتمام بھی جائز ہوگا۔

اور دوسری دلیل: یہ ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سفر میں اتمام کیا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ ہر جگہ نماز پوری پڑھتی تھیں اور حضرت عثمانؓ نے اپنے خلافت کے آخری سالوں میں حج کے موقع پر مکہ میں پوری نماز پڑھائی، اگر اتمام جائز نہ ہوتا تو یہ حضرات سفر میں پوری نماز کیسے پڑھتے؟

اور حنفیہ کا استدلال: یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین نے مواظبت تامہ کے ساتھ سفر میں قصر کیا ہے، ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ آنحضور ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں سفر میں رباعی نماز پوری پڑھی ہو، بلکہ نبی اکرم ﷺ کے بعد سو سال تک صحابہ کا زمانہ رہا ہے اور ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ تھے، مگر کسی صحابی کے بارے میں مروی نہیں کہ انھوں نے سفر میں اتمام کیا، اور حضرت عائشہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما جو اتمام کرتے تھے تو وہ اپنے عمل کی تاویل کرتے تھے، تاویل کے بغیر کسی صحابی نے سفر میں اتمام نہیں کیا، پس نبی ﷺ کا مواظبت تامہ کے ساتھ قصر کرنا وجوب کی دلیل ہے۔ اور اتمام کے جواز کی کوئی دلیل نہیں، نہ کسی صحابی کا تاویل کے بغیر اتمام کرنا مروی ہے پس قصر واجب ہے۔

اور آیت کریمہ کی جو تفسیر ائمہ ثلاثہ نے کی ہے کہ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾: اباحت کی تعبیر ہے اس کا جواب آگے (حدیث ۱۶۴۳ میں) آرہا ہے، حضرت عروہ رحمہ اللہ نے (جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے تھے، اور حضرت عائشہؓ کے بھانجے ہیں) اپنی خالہ سے دریافت کیا کہ سورۃ البقرہ (آیت ۱۵۸) میں ارشاد پاک ہے: ﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾: جو شخص حج یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے (یہ وہی بعینہ تعبیر ہے جو یہاں سورۃ النساء کی آیت ۱۰۱ میں ہے) حضرت عروہؓ نے کہا: اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حج اور عمرہ میں سعی واجب نہیں، حالانکہ سعی حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: آپ آیت کا مطلب صحیح نہیں سمجھے، اگر سعی جائز ہوتی تو تعبیر یہ ہوتی: فلاجناح علیہ أن لایطوف بهما: حج اور عمرہ کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کرے۔

حضرت عروہؓ اہل لسان تھے، بات ان کی سمجھ میں آگئی، مگر یہ سوال باقی رہا کہ آخر یہ تعبیر کیوں ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: انصار زمانہ جاہلیت میں جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے کیونکہ ان

پہاڑیوں پر دو بت رکھے ہوئے تھے، وہ ان کو خدا نہیں مانتے تھے، پھر جب اسلام آیا اور وہ بت وہاں سے ہٹا دیئے گئے تب بھی انصار کو سعی کرنے میں حرج محسوس ہوا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کو سمجھایا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی ان بتوں کی وجہ سے نہیں کی جاتی، اس کا پس منظر کچھ اور ہے، لہٰذا بے تکلف سعی کرو، اور دل میں کوئی اندیشہ نہ لاؤ، لاجناح کی تعبیر اس لئے اختیار کی گئی ہے۔ غرض یہ اباحت کی تعبیر نہیں ہے، بلکہ انصار کے دلوں سے بوجھ ہٹانے کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے، یہی بات یہاں بھی ہے ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ اباحت کی تعبیر نہیں ہے، اگر اتمام جائز ہوتا تو تعبیر یہ ہوتی: فلیس علیکم جناح أن اتموا صلوتکم: تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز پوری پڑھو، اگر یہ تعبیر ہوتی تو اس کا مقابل قصر جائز ہوتا۔

رہی یہ بات کہ آخر یہ تعبیر کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ حضر میں ہمیشہ ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعتیں پڑھتے ہیں جب سفر میں ان سے دو رکعتیں پڑھنے کے لئے کہا جائے گا تو ان کے دلوں پر بوجھ پڑے گا، اس وجہ سے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے کہ سفر میں دو رکعتیں پڑھنے میں کچھ حرج نہیں، اور جو دو صحابہ سفر میں اتمام کرتے تھے ان سے سوالات ہوئے ہیں اگر سفر میں قصر واجب نہ ہوتا تو لوگ کیوں سوال کرتے؟ اور ان کو اپنے عمل کی تاویل کیوں کرنی پڑتی؟ تفصیل آئندہ باب میں آرہی ہے۔

اور مسلم شریف میں حدیث ہے کہ یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء (آیت ۱۰۱) میں قصر کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ کافروں کے پریشان کرنے کا اندیشہ ہو، اور اب اسلام کا بول بالا ہوگیا ہے، ہر طرف امن وامان ہے، جزیرۃ العرب میں کوئی کافر قبیلہ نہیں رہا، اب قصر کیوں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: مجھے بھی یہ خیال آیا تھا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات دریافت کی تھی، پس آپ نے فرمایا: یہ ایک خیرات ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے، پس اللہ تعالیٰ کی خیرات کو قبول کرو (مشکوۃ حدیث ۱۳۳۵) یعنی إن خفتم کی قید اولاً چاہے احترازی رہی ہو مگر بعد میں یہ قید احترازی نہیں رہی، اتفاقی ہوگئی، لہٰذا کافروں کے اندیشہ کے بغیر بھی قصر واجب ہے، کیونکہ یہ اللہ کا صدقہ ہے اور سخی کی خیرات قبول کرنا ہی زیبا ہے، اب اگر کوئی نماز پوری پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی خیرات کو رد کرتا ہے جو کسی طرح زیبا نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قصر: قصر اسقاط ہے یعنی سفر میں اللہ تعالیٰ نے رباعی نمازوں میں سے دو رکعتیں کم کردی ہیں پس سفر میں رباعی نماز پوری پڑھنا فجر کی نماز چار رکعتیں پڑھنے کی طرح ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ قصر: قصر ترفیہ (ترخیص) ہے یعنی شریعت نے مسافر کو سہولت دی ہے کہ وہ چاہے تو قصر کرے اور چاہے تو نماز پوری پڑھے۔

دوسرا مسئلہ:

مدت اقامت کتنی ہے؟ یعنی اگر دورانِ سفر مسافر کسی جگہ ٹھہرے تو کتنے دن ٹھہرنے کی نیت سے نماز پوری پڑھے گا؟

حنفیہ کے نزدیک مدت اقامت پندرہ دن ہے، اگر مسافر کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کرے تو مقیم ہوجائے گا اور نماز پوری پڑھے گا۔ اور پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہے تو قصر کرے گا۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مدت اقامت چار دن ہے، پھر ان کے یہاں تفصیل ہے، امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں: یوم دخول اور یوم خروج کو مستثنی کرکے چار دن یا زیادہ کسی جگہ ٹھہرنے کی نیت ہو تو نماز پوری پڑھے، اور چار دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہو تو مسافر رہے گا اور قصر پڑھے گا، اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر اکیس نمازوں تک کسی جگہ ٹھہرنے کا ارادہ کرلیا تو وہ مقیم ہوگیا نماز پوری پڑھے، اور اس سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہے تو وہ مسافر ہے، قصر پڑھے۔

جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں کوئی مرفوع روایت نہیں، نہ احناف کے پاس اور نہ ائمہ ثلاثہ کے پاس، صحابہ اور تابعین کے آثار ہیں اور حنفیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر لیا ہے اور ائمہ ثلاثہ نے سعید بن المسیب اور عطاء بن ابی رباح کے آثار لئے ہیں، اور اس اختلاف میں نقطۂ نظر اثر انداز ہوا ہے، چونکہ احناف نے قصر کو اللہ کی خیرات مانا ہے۔ اس لئے جو زیادہ سے زیادہ مدت مروی ہے اس کو لیا، اور ائمہ ثلاثہ قصر کو رخصت (سہولت) مانتے ہیں اور رخصت مجبوری میں لی جاتی ہے اور کم سے کم لی جاتی ہے اس لئے ائمہ ثلاثہ نے کسی صحابی کے قول کو نہیں لیا بلکہ جو سب سے کم قول مروی تھا وہ سعید بن المسیب اور عطاء بن ابی رباح کا تھا: اس کو لیا۔

ملحوظہ: پہلا مسئلہ کہ سفر میں قصر جائز ہے اجماعی مسئلہ ہے اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے ثبوت میں کوئی روایت پیش نہیں کی، البتہ دوسرے مسئلہ سے متعلق دو حدیثیں پیش کی ہیں، مگر ائمہ اربعہ نے ان کو نہیں لیا، کیونکہ ان سے مدت اقامت قطعی طور پر طے نہیں ہوتی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

١٨- أَبْوَابُ تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ

[١-] بَابُ مَاجَاءَ فِي التَّقْصِيرِ، وَكَمْ يُقِيمُ حَتَّى يَقْصُرَ؟

[١٠٨٠-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ عَاصِمٍ، وَحُصَيْنٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم تِسْعَةَ عَشَرَ يَقْصُرُ، فَنَحْنُ إِذَا سَافَرْنَا تِسْعَةَ عَشَرَ قَصَرْنَا، وَإِنْ زِدْنَا أَتْمَمْنَا. [انظر: ٤٢٩٨، ٤٢٩٩]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ نے (فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں) انیس دن قیام فرمایا: اس مدت میں آپؐ نے نمازیں قصر پڑھیں، پس ہم جب انیس دن کا سفر کریں گے تو قصر کریں گے، اور اس سے زیادہ ٹھہریں گے تو

نماز پوری پڑھیں گے۔

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک مدت اقامت بیس دن ہے، اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے اسی کو لیا ہے، مگر ائمہ اربعہ نے اس کو نہیں لیا، کیونکہ اس حدیث سے مدت اقامت پر استدلال صحیح نہیں، آنحضور ﷺ کا مکہ میں قیام حالات کے تابع تھا، ٹھہرنے کی نیت سے آپ نے یہ قیام نہیں فرمایا تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی علاقہ فتح ہوتا تھا تو آنحضور ﷺ وہاں تین دن قیام فرماتے تھے، پھر وہاں کا نظم کسی کو سونپ کر مدینہ کی طرف مراجعت فرماتے تھے، مگر فتح مکہ کے بعد آپ کو اطلاع ملی کہ ہوازن قبیلے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں ایسی صورت میں مدینہ واپس لوٹ جانا عقلمندی کی بات نہیں تھی، اس لئے آپ مکہ میں رُکے رہے، جب یقینی اطلاع مل گئی کہ ہوازن مکہ پر چڑھائی کے ارادہ سے کوچ کر چکے ہیں تو آپ ان کی طرف بڑھے اور غزوۂ حنین پیش آیا۔ غرض آنحضور ﷺ کا مکہ میں قیام ٹھہرنے کی نیت سے نہیں تھا بلکہ حالات کے تابع تھا، اور ایسی صورت میں آج کل کرتے ہوئے برسوں گذر جائیں تو بھی آدمی مسافر رہے گا، علاوہ ازیں اس کی کوئی دلیل نہیں کہ اگر حضور اکرم ﷺ بیسویں دن رکتے تو نماز پوری پڑھتے، اس لئے ائمہ نے اس حدیث کو نہیں لیا۔

[۱۰۸۱-] حدثنا أبو معمر، قال: حدثنا عبد الوارث، قال: حدثني يحيى بن أبي إسحاق، سمعت أنسا يقول: خرجنا مع النبي صلى الله عليه وسلم من المدينة إلى مكة، فكان يصلي ركعتين ركعتين، حتى رجعنا إلى المدينة، قلت: أقمتم بمكة شيئا؟ قال: أقمنا بها عشرا. [انظر: ۴۲۹۷]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف نکلے، پس رسول اللہ ﷺ نے دو دو رکعتیں پڑھیں، یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس لوٹ آئے، یعنی پورے سفر میں آپ نے قصر کیا، یحییٰ کہتے ہیں: میں نے پوچھا: کیا آپ حضرات مکہ میں کچھ دن ٹھہرے تھے؟ آپؓ نے فرمایا: ہم مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے۔

تشریح: یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے، نبی ﷺ حج کے لئے پچیس ذی قعدہ کو ظہر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے، اور چار ذی الحجہ کو مکہ پہنچے[1] پھر آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ تشریف لے گئے، پھر عرفہ گئے، پھر مزدلفہ میں قیام کر کے منیٰ واپس آئے اور تیرہ کو مکہ لوٹ آئے، اور محصب نامی میدان میں پڑاؤ ڈالا اور اسی دن آدھی رات کے بعد طواف وداع کر کے مدینہ واپسی ہوئی، اس پوری مدت میں آپ نے قصر کیا۔

اس حدیث سے بھی مدت اقامت پر استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ پورے دس دن آپؐ نے ایک جگہ قیام نہیں فرمایا، بلکہ مکہ میں چار دن سے بھی کم قیام رہا تھا اس لئے ائمہ ثلاثہ نے بھی اس حدیث کو نہیں لیا۔

(۱) تحفۃ الالمعی (۲: ۴۲۶) میں پانچ ذی الحجہ کو مکہ پہنچنے کی بات ہے وہ غلطی ہے، آپؐ چار ذی الحجہ کو مکہ پہنچے تھے۔

بَابُ الصَّلَاةِ بِمِنًى

منیٰ میں نماز کا حکم

حاجی منیٰ، مزدلفہ اور عرفہ میں نمازیں پوری پڑھے یا قصر کرے؟ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے بھی حج کا احرام باندھ رکھا ہے وہ ان جگہوں میں قصر کرے، خواہ وہ مکہ کا اور قرب وجوار کا باشندہ ہو یا مسافر ہو، اور دوسرے ائمہ کے نزدیک صرف مسافر قصر کرے، مقیم نماز پوری پڑھے گا۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ قصر مناسک میں داخل ہے یا نہیں؟ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قصر مناسک میں داخل ہے، پس ہر حاجی قصر کرے گا، اور جمہور کے نزدیک قصر مناسک میں شامل نہیں، پس مکہ اور قرب وجوار کے باشندے اسی طرح جو شخص منیٰ روانہ ہونے سے پہلے مکہ میں مقیم ہو گیا ہے وہ نماز پوری پڑھے گا، اور مکہ میں مدت اقامت پوری ہونے سے پہلے منیٰ کی طرف نکلا ہے تو سفر کی وجہ سے قصر کرے گا۔

[۲-] بَابُ الصَّلَاةِ بِمِنًى

[۱۰۸۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ إِمَارَتِهِ، ثُمَّ أَتَمَّهَا. [انظر: ۱۶۵۵]

[۱۰۸۳-] حدثنا أَبُو الْوَلِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ، قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم آمَنَ مَا كَانَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ. [انظر: ۱۶۵۶]

[۱۰۸۴-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ، يَقُوْلُ: صَلَّى بِنَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِمِنًى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، فَقِيْلَ ذٰلِكَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، فَاسْتَرْجَعَ، ثُمَّ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَصَلَّيْتُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَصَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، فَلَيْتَ حَظِّي مِنْ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَانِ مُتَقَبَّلَتَانِ! [انظر: ۱۶۵۷]

وضاحت:

۱- اس باب میں تین حدیثیں ہیں: پہلی حدیث ابن عمرؓ کی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں منیٰ میں دو رکعتیں

پڑھی ہیں، پھر حضرت عثمانؓ نے نماز پوری پڑھانی شروع کی۔

اور دوسری حدیث حارثہ بن وہب کی ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں نبی ﷺ نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھائیں، جبکہ زیادہ سے زیادہ جو اطمینان ہوسکتا تھا وہ حاصل تھا (ایک لاکھ سے زیادہ پروانے شمع رسالت کے گرد جمع تھے اور مکہ میں کوئی کافر قبیلہ نہیں تھا اس کے باوجود آپؐ نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھائیں، معلوم ہوا کہ سورۃ النساء کی آیت (۱۰۱) میں ان خفتم کی قید اب اتفاقی ہے)

اور تیسری روایت عبد الرحمٰن بن یزید کی ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھائیں، یہ بات ابن مسعودؓ سے ذکر کی گئی تو انھوں نے إنا للہ پڑھا، پھر فرمایا: میں نے منیٰ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی ہیں اور حضرات شیخین کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھی ہیں پھر فرمایا: کاش میرا حصہ چار رکعتوں کے عوض دو مقبول رکعتیں ہوں! یعنی میری دو رکعتیں ہی قبول ہو جائیں تو مجھے اس کی زیادہ خوشی ہے، یہ حضرت عثمانؓ پر نقد ہے، اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر ابن مسعودؓ نے حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی، آپؓ سے عرض کیا گیا کہ آپ نے تو نقد کیا تھا پھر آپ نے جماعت میں کیوں شرکت کی؟ آپؓ نے فرمایا: اختلاف اس سے زیادہ برا ہے، یعنی امیر المؤمنین سے اختلاف فتنہ کا سبب ہے، جو ہرگز مناسب نہیں۔

۲- امام بخاری رحمہ اللہ نے منیٰ میں قصر کے بارے میں کوئی صراحت نہیں کی، مگر مذکورہ تین حدیثیں پیش کر کے اشارہ کیا کہ منیٰ، مزدلفہ اور عرفہ میں قصر بوجہ سفر ہے، کیونکہ ان روایتوں میں نبی ﷺ نے اور خلفائے راشدین نے قصر بوجہ سفر کیا ہے، قصر مناسک میں سے ہے اس کی طرف کوئی اشارہ یا صراحت نہیں، بلکہ حضرت عثمانؓ پر نماز پوری پڑھانے کی وجہ سے جو نقد کیا گیا تھا اس کی بنیاد بھی یہی تھی کہ انھوں نے مسافر ہوتے ہوئے اتمام کیا تھا؟ معلوم ہوا کہ منیٰ میں قصر کی بنیاد سفر ہے۔

۳- گذشتہ باب میں بتلایا تھا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قصر: قصر ترفیہ ہے یعنی سہولت کے طور پر قصر کی اجازت ہے، پس اتمام کرنا بھی جائز ہے اور ان کی دو دلیلیں تھیں، پہلی دلیل سورۃ النساء کی آیت (۱۰۱) تھی اس کی تفصیل گذر چکی اور دوسری دلیل یہ تھی کہ حضرت عائشہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سفر میں اتمام کرتے تھے، حضرت عائشہؓ ہر جگہ پوری نماز پڑھتی تھیں اور حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے آخری سالوں میں حج کے موقع پر مکہ میں پوری نماز پڑھانی شروع کی تھی، اگر اتمام جائز نہ ہوتا تو یہ حضرات سفر میں نماز پوری کیسے پڑھتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات سے سفر میں اتمام کرنے کی وجہ سے سوالات ہوئے تھے، اگر سفر میں قصر واجب نہ ہوتا تو لوگ کیوں اعتراض کرتے؟ اور ان کو اپنے عمل کی تاویل کیوں کرنی پڑتی؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو اپنے عمل کی وجہ یہ بیان کی کہ ان کے حق میں سفر متحقق نہیں ہوتا، کیونکہ وہ مسلمانوں کی ماں ہیں، پس وہ جہاں رہیں اپنے بیٹوں کے گھر ہیں اور ماں بیٹوں کے گھر مسافر نہیں ہوتی، یہ تاویل صحیح ہے یا نہیں؟ یہ الگ بات ہے، سمجھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے عمل کی تاویل کی ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے

دورِ خلافت کے شروع میں چھ یا آٹھ سال تک جب حج کرانے کے لئے مکہ آتے تھے تو نماز قصر پڑھاتے تھے، پھر حضرت کا عمل بدل گیا، اور مکہ میں اور منیٰ میں چار رکعتیں پڑھانی شروع کیں پس لوگوں نے سوال کیا: آپؓ نے جواب دیا: میں نے مکہ کے قریب ایک گاؤں میں شادی کی ہے، پہلے میں مدینہ سے سیدھا اس گاؤں میں آتا ہوں پھر ایک ماہ کے بعد وہاں سے مکہ آتا ہوں اس لئے مسافر نہیں ہوتا، غرض دونوں حضرات اپنے عمل کی تاویل کرتے تھے، تاویل کے بغیر کسی صحابی نے سفر میں اتمام نہیں کیا (یہ تاویلات متفق علیہ روایت میں آئی ہیں (مشکوٰۃ حدیث ۱۳۴۸) اور تفصیل شرح معانی الآثار (۱: ۲۷۷) میں ہے)

بَابٌ: كَمْ أَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ حَجَّتِهِ؟

نبی ﷺ حج کے موقعہ پر مکہ میں کتنے دن ٹھہرے؟

ابھی بتایا ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں دس دن قیام فرمایا ہے، چار ذی الحجہ کو مکہ پہنچے، اور چودھویں رات میں صبح کے قریب مدینہ واپسی ہوئی، پس مکہ اور مضافات میں کل قیام دس دن رہا۔

[۳-] بَابٌ: كَمْ أَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ حَجَّتِهِ؟

[۱۰۸۵-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ الْبَرَّاءِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَصْحَابُهُ لِصُبْحِ رَابِعَةٍ، يُلَبُّوْنَ بِالْحَجِّ، فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَجْعَلُوْهَا عُمْرَةً، إِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ الْهَدْيُ، تَابَعَهُ عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرٍ. [انظر: ۱۵۶۴، ۲۵۰۵، ۳۸۳۲]

وضاحت: یہ مسئلہ کتاب الحج میں آئے گا، اور پہلے بھی آچکا ہے کہ حجۃ الوداع میں سب صحابہ بشمول نبی پاک ﷺ ذوالحلیفہ سے صرف حج کا احرام باندھ کر چلے تھے، اور مکہ پہنچنے تک سب کا حج ہی کا احرام تھا، عمرہ کا کوئی تصور نہیں تھا، کیونکہ عربوں کے تصورات میں جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہرِ حج میں عمرہ کرنا بڑا گناہ تھا، پھر جب آنحضور ﷺ مکہ پہنچے تو وحی آئی کہ جن کے پاس ہدی نہیں ہے وہ اپنے حج کا احرام عمرہ کے احرام سے بدل دیں، اور عمرہ کر کے احرام کھول دیں، اور آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام مکہ سے باندھیں، یہ حکم اسی سال کے لئے تھا۔

ملحوظہ: البرَّاء: (تیر چھیلنے والا) یہ ابوالعالیہ: ریاحی نہیں ہیں، دوسرے ابوالعالیہ ہیں۔

بَابٌ: فِيْ كَمْ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ؟

کتنی مسافت میں نماز قصر کرے گا؟

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ مسافت کے لحاظ سے سفرِ شرعی کی مقدار کیا ہے؟ یعنی کتنی مسافت کے سفر میں نماز قصر

کریں گے؟ ائمہ اربعہ نے تین رات دن کی مسافت کو مدت سفر قرار دیا ہے، جس کے اڑتالیس میل (۸۹ کلومیٹر) بنتے ہیں، اتنی مسافت کے ارادہ سے نکلے تو سفر کے احکام جاری ہونگے۔

اور اصحاب ظواہر (غیر مقلدین) کے نزدیک کوئی تحدید نہیں، وہ کہتے ہیں: جس پر لغت اور عرف میں سفر کا اطلاق ہو اس میں قصر کریں گے، کوئی شخص اپنے باغ میں گیا، باغ گاؤں سے باہر ہے، اس پر سفر کا اطلاق نہیں ہوتا، نہ عرفاً نہ شرعاً نہ لغۃً، پس قصر وافطار کی اجازت نہیں، اور جس مسافت پر سفر کا اطلاق ہوتا ہو اس میں قصر وافطار کی اجازت ہے، مسافت کی کوئی تحدید نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی شاید یہی رائے ہے (فیض الباری ۲: ۳۹۷) اور حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ باب میں جو پہلا قول لائے ہیں اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ نے یک شبانہ روز کی مسافت کو مسافت سفر قرار دیا ہے، مگر میری سمجھ میں یہ دونوں باتیں نہیں آئیں، کیونکہ امام صاحب نے ترجمہ میں حکم استفہامیہ رکھا ہے، کوئی فیصلہ نہیں کیا، اور باب میں دونوں فریقوں کے مستدلات کا ذکر کیا ہے، پس کوئی ایک بات آپ کے سر لگانا کیسے مناسب ہے!

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ مسافت سفر کا مسئلہ منصوص نہیں، ایک قول یہ ہے کہ ایک رات دن کی مسافت پر چونکہ نبی ﷺ نے سفر کا اطلاق کیا ہے اس لئے یہی مسافت قصر ہے، ارشاد ہے: ''جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتی ہے اس کے لئے محرم کے بغیر ایک رات دن کا سفر جائز نہیں'' پس اسی کو مسافت قصر قرار دیں گے، اور ایک حدیث میں تین رات دن محرم کے بغیر سفر کرنے کی ممانعت ہے، ائمہ اربعہ نے اسی کو مسافت قصر قرار دیا ہے۔

مگر ان احادیث میں درحقیقت مسافت سفر کا بیان نہیں ہے بلکہ یہ بات ہے کہ عورت کے لئے تنہا سفر کرنے کا جواز یا عدم جواز خوف فتنہ پر مبنی ہے، اگر خوف فتنہ نہ ہو تو ایک رات دن کا سفر عورت تنہا کرسکتی ہے اور اطمینان ہو تو تین دن سے زیادہ کا بھی سفر تنہا کرسکتی ہے، یہ بات علامہ کشمیری قدس سرہ نے فیض الباری (۲: ۳۹۷) میں فرمائی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ حیرہ سے مدینہ تک ایک عورت تنہا سفر کرے گی، راستہ میں اس کو کوئی ڈر نہیں ہوگا، صرف اللہ کا ڈر ہوگا اور بکریوں پر بھیڑیے کا ڈر ہوگا، پس اگر خوف فتنہ نہ ہو تو عورت تنہا اتنا لمبا سفر بھی کرسکتی ہے۔ اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو مسجد اور مارکیٹ بھی تنہا نہیں جاسکتی، جیسے آج کل ہوائی جہاز سے مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہوجاتا ہے۔ اور تجربہ یہ ہے کہ درمیان میں کوئی فتنہ پیش نہیں آتا، پس ایسی پرامن صورت میں عورت تنہا سفر کرسکتی ہے۔

غرض ان روایات سے مسافت قصر پر استدلال صحیح نہیں، اسی لئے ائمہ اربعہ نے ان روایات کو نہیں لیا، ہاں مسح علی الخفین کی روایات سے استدلال کیا جاسکتا ہے، اس لئے ائمہ اربعہ نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آثار لئے ہیں، وہ دونوں حضرات چار برید کے سفر میں قصر کیا کرتے تھے، چار برید کے سولہ فرسخ یعنی اڑتالیس میل بنتے ہیں، ائمہ اربعہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

فائدہ (۱): مسافت قصر کے مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ شروع ہی سے چار برید کے قائل تھے اور امام شافعی رحمہ اللہ

سے سات تقدیریں مروی ہیں مگر بعد کے حضرات نے ان کو چار برید (اڑتالیس میل) پر جمع کردیا (شرح مہذب ۴: ۳۲۳) بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے مراعات خلاف کے لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرنے کا مشورہ بھی دیا ہے۔ شیرازی رحمہ اللہ (متوفی ۴۷۶ھ) نے مہذب میں یہ بات بیان کی ہے، مگر یہ سب ابحاث بعد میں ختم ہوگئیں، اب چار برید فتوی کے لئے متعین ہوگئے ہیں۔

فائدہ (۲): احناف کے اصل مذہب میں بغیر تقدیر کے تین رات دن کی مسافت کو مسافت قصر قرار دیا گیا تھا، مگر تقدیر کے بغیر عوام کے لئے عمل میں دشواری تھی، اس لئے بعد کے حضرات نے اندازے قائم کئے، سیدھا اندازہ تین مراحل کا تھا، مرحلہ: اونٹ کی چال سے ایک دن کی مسافت کو کہتے ہیں، جو چوبیس میل ہوتی ہے مگر احناف نے مرحلوں کے بجائے فرسخوں سے اندازہ کیا، فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، فرسخوں سے تین رات دن کی مسافت کے تین اندازے کئے گئے، اکیس فرسخ یعنی ۶۳ میل، اٹھارہ فرسخ یعنی ۵۴ میل اور پندرہ فرسخ یعنی ۴۵ میل، پہلی تقدیر پر کسی نے فتوی نہیں دیا، باقی دو تقدیروں کو مفتی بہ قرار دیا گیا، پھر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے فتاوی رشیدیہ میں اڑتالیس میل یعنی چار برید پر فتوی دیا، کیونکہ یہ پندرہ فرسخ سے زائد تھا اور اس کا مستند موجود تھا اس لئے اب یہی قول مفتی بہ ہے۔

فائدہ (۳): اور میل کے لغوی معنی ہیں مَدّ البصر: یعنی جہاں تک نگاہ جاتی ہے وہ ایک میل ہے، اور اصطلاح میں میل چار ہزار ہاتھ کا اور ہاتھ چوبیس انگشت کا اور انگشت چھ جَو کی ہوتی ہے، یہی میل ہاشمی اور میل شرعی ہے، کسی زمانہ میں میل اموی اس سے بڑا رائج ہوا تھا، اور قریب زمانہ میں میل انگریزی اس سے چھوٹا رائج ہوا، ان کا اعتبار نہیں، پس کلومیٹر میں اندازہ کرتے وقت اس کا خیال رکھنا ضروری ہے، اور ایک عام حساب جو ۷۷ کلومیٹر کا چل رہا ہے غالباً وہ صحیح نہیں، مجمع لغة الفقهاء میں تقریباً ۸۹ کلومیٹر حساب کیا گیا ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳: ۵۵۷)

[٤-] بَابٌ: فِيْ كَمْ يَقْصُرُ الصَّلاَةَ؟

[١-] وَسَمَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم السَّفَرَ يَوْمًا وَلَيْلَةً.

[٢-] وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ يَقْصُرَانِ وَيُفْطِرَانِ فِيْ أَرْبَعَةِ بُرُدٍ، وَهِيَ سِتَّةَ عَشَرَ فَرْسَخًا.

[١٠٨٦-] حدثنا إِسْحَاقُ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِيْ أُسَامَةَ: حَدَّثَكُمْ عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ إِلاَّ مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ" [انظر: ١٠٨٧]

[١٠٨٧-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلاَثًا إِلاَّ مَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ" [راجع: ١٠٨٦]

تَابَعَهُ أَحْمَدُ، عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۰۸۸-] حدثنا آدم، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ"

تَابَعَهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيْرٍ، وَسُهَيْلٌ، وَمَالِكٌ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

حدیث کا حوالہ: نبی ﷺ نے شبانہ روز کے سفر کا سفر نام رکھا، یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے جو آگے (نمبر ۱۰۸۸ پر) آرہی ہے، مگر پہلے بتایا ہے کہ اس حدیث سے مسافت سفر کی تحدید محل نظر ہے، ہاں مسح علی الخفین کی روایات سے تحدید معقول نظر آتی ہے، اور ائمہ اربعہ نے اسی سے مسافت کی تعیین کی ہے۔

اثر: حضرات ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما چار برید کا سفر کرتے تھے تو نماز قصر کرتے تھے اور رمضان کے روزوں میں رخصت پر عمل کرتے تھے، اور چار برید کے سولہ فرسخ ہوتے ہیں (اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، پس کل ۴۸ میل ہوئے یہی اندازہ ائمہ اربعہ نے لیا ہے)

حدیث (۱): حَدَّثَكُم سے پہلے ہمزہ استفہام پوشیدہ ہے، اسحاق بن راہویہ نے ابو اسامہ سے پوچھا: عبید اللہ عمری نے کتاب میں مذکور سند سے یہ حدیث آپ سے بیان کی ہے؟ پھر حدیث کے آخر میں اقرار نہیں ہے، پہلے استاذ نعم کہتا تھا، پھر بعد میں سکوت اقرار کے قائم مقام ہوگیا، اور مسند اسحاق میں وقال: نعم ہے (فتح)

حدیث (۲): پہلی ہی حدیث ہے، اور یہ یحیٰ قطان کی روایت ہے، یحیٰ نے عبید اللہ کی اس روایت کو منکر قرار دیا ہے، کیونکہ ان کے بھائی عبد اللہ عمری اس کو ابن عمرؓ پر موقوف کرتے ہیں، مگر یحیٰ کی یہ رائے صحیح نہیں، عبد اللہ ضعیف ہیں اور عبید اللہ مضبوط راوی ہیں اور ابن المبارک بھی عبید اللہ سے اس روایت کو مرفوع روایت کرتے ہیں اور تابعہ کا مرجع مسدد ہیں اور احمد سے احمد بن محمد مروزی مراد ہیں جو امام بخاری کے استاذ ہیں، امام احمد مراد نہیں، کیونکہ ان کا ابن المبارک سے سماع نہیں (فتح)

حدیث (۳): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، اسی حدیث کا باب کے شروع میں حوالہ دیا ہے، پہلے یہ حدیث ابن ابی ذئب کی سند سے لکھی ہے، ان کی سند میں سعید مقبری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، پھر ان کے تین متابع پیش کئے ہیں، مگر ان کی متابعت صرف متن میں ہے، سند میں نہیں ہے، کیونکہ ان کی سندوں میں مقبری کے بعد عن ابیہ نہیں ہے (فتح) اور اس حدیث میں لفظ حُرمۃ بمعنی محرم ہے۔

بَابٌ: يَقْصُرُ إِذَا خَرَجَ مِنْ مَوْضِعِهِ

بستی سے نکل کر قصر شروع کرے

جب آدمی اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ مسافت کے ارادہ سے گھر سے نکلا تو جب تک وہ شہر اور فناء شہر میں ہے اس پر

سفر کے احکام جاری نہیں ہونگے، جب بستی کی حدود سے آگے بڑھے گا تو مسافر ہو جائے گا اور رباعی نماز قصر پڑھے گا، مگر آج کل بڑے شہروں کا حال یہ ہو گیا ہے کہ شہر سے نکلتے نکلتے ۸۹ کلومیٹر ہو جاتے ہیں، اور دہلی میں تو دہلی کے مکانات ختم بھی نہیں ہوتے کہ غازی آباد شروع ہو جاتا ہے، مسلسل آبادی ہے، اس لئے اب بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے، آج سے بیس پچیس سال پہلے بعض حضرات نے یہ مسئلہ چھیڑا تھا کہ بڑے شہروں میں اریوں کا اعتبار کیا جائے، جیسے پرانی دہلی سے نکل گیا تو مسافر ہو گیا، جو گیشوری سے نکل گیا تو مسافر ہو گیا، مگر مفتیانِ کرام نے ان کی موافقت نہیں کی، فتوی یہ ہے کہ جب شہر سے نکلے گا تب قصر شروع کرے گا، اور مسافت سفر بھی وہاں سے گنی جائے گی، اور میں نے جو مثال دی ہے کہ ابھی دہلی چل رہی ہے اور سندر نگری شروع ہو گئی، آدھی سندر نگری دہلی میں ہے اور آدھی غازی آباد میں، اس کا اعتبار نہیں، جب دہلی کے متصل مکانات ختم ہونگے تب قصر کے احکام شروع ہونگے، پس جہاں شک ہو کہ مسافر ہوا نہیں؟ وہاں پوری نماز پڑھے، اس لئے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اتمام جائز ہے، قصر اس وقت کرے جب یقیناً مسافر بن جائے، اور بنگال، آسام اور بنگلہ دیش میں راستہ کے ساتھ ساتھ مکانات چلتے رہتے ہیں، وہاں بستیوں کی ابتدا اور انتہا مقرر ہوتی ہے، پس اس کا لحاظ کیا جائے۔

اثر: ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سفر کے ارادہ سے کوفہ سے نکلے، شہر سے نکلتے ہی آپؓ نے قصر کیا، جبکہ کوفہ کے مکانات نظر آرہے تھے، پھر واپسی میں کوفہ کے قریب نماز قصر پڑھی، عرض کیا گیا: یہ کوفہ رہا! آپؓ نے فرمایا: نہیں (ابھی ہم نماز پوری نہیں پڑھیں گے) یہاں تک کہ ہم کوفہ میں داخل ہو جائیں، معلوم ہوا کہ بستی کی حدود سے نکلتے ہی سفر کے احکام شروع ہو جائیں گے، اور بستی کی حدود میں داخل ہوتے ہی سفر کے احکام ختم ہو جائیں گے۔

[۵-] بَابٌ: يَقْصُرُ إِذَا خَرَجَ مِنْ مَوْضِعِهِ

وَخَرَجَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَقَصَرَ وَهُوَ يَرَى الْبُيُوتَ، فَلَمَّا رَجَعَ قِيلَ لَهُ: هٰذِهِ الْكُوفَةُ؟ قَالَ: لَا، حَتّٰى نَدْخُلَهَا

[۱۰۸۹-] حدثنا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، وَإِبْرَاهِيْمَ بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ: صَلَّيْتُ الظُّهْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِالْمَدِيْنَةِ أَرْبَعًا، وَبِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ.

[انظر: ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۵۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۲۹۵۱، ۲۹۸۶]

وضاحت: حضور اقدس ﷺ حجۃ الوداع میں ظہر کی نماز پڑھ کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں قصر پڑھی تھی، یہ اہل مدینہ کی میقات ہے، جو مدینہ طیبہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر تھی، معلوم ہوا کہ شہر کی حدود سے نکلتے ہی قصر کرے گا۔

[۱۰۹۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:

الصَّلَاةُ أَوَّلَ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَانِ، فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ، وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ.
قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ: مَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ؟ قَالَ: تَأَوَّلَتْ مَا تَأَوَّلَ عُثْمَانُ. [راجع: ۳۵۰]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نماز جب شروع میں فرض کی گئی تو دو رکعتیں تھیں یعنی سب نمازیں مغرب کے علاوہ دو دو رکعتیں فرض کی گئی تھیں، سفر میں بھی اور حضر میں بھی، پس سفر کی نماز برقرار رکھی گئی یعنی اس میں اضافہ نہیں کیا گیا اور حضر کی نمازیں پوری کی گئیں یعنی ان میں اضافہ کیا گیا (اتنی روایت پہلے بھی آئی ہے (تحفۃ القاری ۲:۱۷۶) اور آگے بھی آئے گی، اور یہاں یہ اضافہ ہے:) امام زہریؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت عروہ رحمہ اللہ سے پوچھا: حضرت عائشہؓ سفر میں نماز پوری کیوں پڑھتی تھیں؟ عروہؒ نے کہا: تاویل کی انھوں نے جو عثمانؓ نے تاویل کی۔

تشریح: مسلم شریف (حدیث ۶۸۵ کتاب صلاۃ المسافرین ۳) میں ہے: إنها تأولت كما تأول عثمان: انھوں نے تاویل کی جس طرح عثمانؓ نے تاویل کی۔ حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں دونوں حضرات کی تاویلیں جمع کی ہیں، اور امام نووی رحمہ اللہ نے اہم تاویلیں ذکر کی ہیں، دونوں کی ایک تاویل یہ تھی: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے تھے: میں امیر المؤمنین ہوں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں: میں ام المؤمنین ہوں (پس ہم مسافر نہیں ہو سکتے) اور حضرت عثمان کی دوسری تاویل یہ تھی کہ میں نے مکہ (کے قریب ایک گاؤں میں) نکاح کیا ہے، وہاں حج سے پہلے آجاتا ہوں اور مقیم ہو جاتا ہوں اور اس گاؤں سے مکہ تک مسافت سفر نہیں ہے، پس تشبیہ صرف تاویل کرنے میں ہے، تاویلیں دونوں کی مختلف تھیں، اور پہلی صورت میں دونوں کی تاویلیں ایک تھیں۔

ترکیب: أوّلَ (مرفوع) الصلاۃ سے بدل یا دوسرا مبتدا ہے اور ظرف بنا کر منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں ای فی اول (فتح)

باب سے ربط: اور حدیث کا باب سے ربط یہ ہے کہ سفر اس وقت شروع ہوگا جب آبادی کی حدود سے نکل جائے، اس سے پہلے سفر نہیں مانا جائے گا، آدمی کھیت میں روز جاتا ہے، مگر وہ سفر نہیں، پس لفظ سفر سے باب ثابت کیا ہے۔

بَابٌ: يُصَلِّي الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا فِي السَّفَرِ

مغرب کی نماز سفر میں بھی تین رکعتیں پڑھی جائیں

مغرب میں قصر نہیں، مغرب ابتداء ہی سے تین رکعتیں فرض کی گئی ہے، کیونکہ وہ دن کی نمازوں کا وتر ہے وہ دن کی سب نمازوں کو طاق بناتی ہے، اور یہ سوال ذہن میں نہیں آنا چاہئے کہ مغرب تو غروب کے بعد پڑھی جاتی ہے، پس وہ رات کی نماز ہوئی؟ کیونکہ شفق غروب ہونے تک ایک اعتبار سے دن باقی رہتا ہے، جیسے شوہر کی وفات کی عدت میں من وجہ نکاح باقی رہتا ہے، اس لئے مغرب کو دن کی نمازوں میں شمار کیا گیا ہے۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں: مغرب میں قصر اس لئے نہیں کہ ڈیڑھ رکعت نماز نہیں ہوتی، یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ قصر کے

لئے آدھا ہونا ضروری نہیں؟ تین کے بجائے دو پڑھیں: یہ بھی قصر ہے، پس صحیح بات یہ ہے کہ مغرب کی نماز شروع ہی سے تین رکعتیں فرض کی گئی ہے، اور وہ دن کا وتر ہے اگر دو رکعت پڑھیں گے تو اس کی وتریت کی شان ختم ہو جائے گی، اور اس کے بالمقابل عشاء کے بعد جو وتر ہیں ان کی بھی تین ہی رکعتیں پڑھنی ہیں اور وہ رات کی سب نمازوں کو طاق بناتی ہے، اگر دو رکعت پڑھیں گے تو اس کی وتریت کی شان ختم ہو جائے گی (مزید تفصیل تحفۃ القاری (۲:۷۱، کتاب الصلوۃ باب ۱) میں ہے)

[۶-] بَابٌ: يُصَلِّي الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا فِي السَّفَرِ

[۱۰۹۱-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ، حَتَّى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ، قَالَ سَالِمٌ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ.

[انظر: ۱۰۹۲، ۱۱۰۶، ۱۱۰۹، ۱۶۶۸، ۱۶۷۳، ۱۸۰۵، ۳۰۰۰]

[۱۰۹۲-] وَزَادَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ سَالِمٌ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ، قَالَ سَالِمٌ: وَأَخَّرَ ابْنُ عُمَرَ الْمَغْرِبَ، وَكَانَ اسْتُصْرِخَ عَلَى امْرَأَتِهِ صَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ، فَقُلْتُ لَهُ: الصَّلَاةُ، فَقَالَ: سِرْ، فَقُلْتُ لَهُ: الصَّلَاةُ، فَقَالَ: سِرْ، حَتَّى سَارَ مِيْلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى ثُمَّ قَالَ: هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ.

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ يُقِيْمُ الْمَغْرِبَ، فَيُصَلِّيْهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ يُسَلِّمُ، ثُمَّ قَلَّمَا يَلْبَثُ حَتَّى يُقِيْمَ الْعِشَاءَ، فَيُصَلِّيْهَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ يُسَلِّمُ، وَلَا يُسَبِّحُ بَعْدَ الْعِشَاءِ حَتَّى يَقُوْمَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ. [راجع: ۱۰۹۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا: جب آپؐ بھاگتے دوڑتے سفر کرتے تھے تو مغرب کو مؤخر کرتے تھے یہاں تک کہ اس کے اور عشاء کے درمیان جمع کرتے تھے، صاحبزادے سالم کہتے ہیں: حضرت ابن عمرؓ بھی ایسا کرتے تھے جب وہ بھاگتے دوڑتے سفر کرتے تھے۔

اور اس حدیث کو لیث بن سعد مصریؒ بھی یونس سے، اور وہ ابن شہاب زہریؒ سے روایت کرتے ہیں، ان کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: سالم کہتے ہیں: ابن عمرؓ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء میں جمع کیا کرتے تھے، سالم کہتے ہیں: حضرت ابن عمرؓ نے مغرب کو مؤخر کیا اور وہ اپنی بیوی صفیہ بنت ابی عبید پر ارجنٹ بلائے گئے تھے یعنی بیوی صاحبہ کی طبیعت خراب تھی اس لئے جلدی بلائے گئے تھے، پس میں نے ابن عمرؓ سے کہا: نماز! آپؓ نے فرمایا: چلو، پھر میں نے کہا: نماز! آپؓ نے فرمایا: چلو، یہاں تک کہ وہ دو یا تین میل چلے پھر اترے اور نماز پڑھی، پھر فرمایا: اسی طرح میں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا

ہے جب آپ بھاگتے دوڑتے سفر کرتے تھے، اور عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جب آپ کو سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کے لئے اقامت کہی جاتی، پس آپؐ اس کی تین رکعتیں پڑھتے (یہاں باب ہے) پھر سلام پھیرتے، پھر تھوڑی دیر ٹھہرتے (شفق کے غروب ہونے کا انتظار کرتے) یہاں تک کہ عشاء کے لئے اقامت کہی جاتی، پس آپؐ اس کی دو رکعتیں پڑھتے، پھر سلام پھیرتے اور عشاء کے بعد سنتیں نہیں پڑھتے تھے، یہاں تک کہ آدھی رات میں اٹھتے (اور تہجد اور وتر پڑھتے)

تشریح: آگے چند ابواب کے بعد یہ مسئلہ آرہا ہے کہ سفر میں ظہرین اور عشائین کو جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ عرفہ میں ظہرین کو اور مزدلفہ میں عشائین کو جمع کریں گے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عرفہ میں ظہرین کو وہی جمع کرے گا جو امام موسم کی اقتداء میں نماز پڑھے گا، اپنے ڈیرے میں تنہا یا جماعت سے نماز پڑھنے والا جمع نہیں کرے گا بلکہ ظہر کو ظہر کے وقت میں اور عصر کو عصر کے وقت میں پڑھے گا۔ اور مزدلفہ میں عشائین کو ہر حال میں جمع کرے گا یعنی عشاء کے وقت میں دونوں نمازیں پڑھے گا، خواہ امام کے پیچھے نماز پڑھے یا تنہا پڑھے، اور ائمہ ثلاثہ عرفہ میں بھی ظہرین کو ہر حال میں جمع کرنے کی بات کہتے ہیں، اس ایک جزئیہ کے علاوہ اجماع ہے کہ حاجی عرفہ اور مزدلفہ میں ظہرین اور عشائین کو جمع کرے گا اس لئے کہ تواتر سے اس کا ثبوت ہے اور تواتر دلیل قطعی ہے، اس سے قرآن پر زیادتی جائز ہے۔

اور عرفہ اور مزدلفہ کے علاوہ جمع تقدیم اور جمع تاخیر جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ چند اعذار کی صورت میں جمع تقدیم کو بھی جائز کہتے ہیں اور جمع تاخیر کو بھی۔ اور امام بخاریؒ اور احناف کے نزدیک جمع تقدیم کسی حال میں جائز نہیں، یعنی ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کو اور مغرب کے وقت میں مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھنا جائز نہیں۔ البتہ عذر کی صورت میں جمع تاخیر کی گنجائش ہے، مثلاً کوئی بس میں یا ٹرین میں سفر کر رہا ہے اور گاڑی میں بھیڑ ہے اور ڈرائیور بس کو روکتا نہیں تو اس مجبوری میں جمع تاخیر کر سکتا ہے یعنی اگلے وقت میں دونوں نمازیں پڑھے، پس ایک نماز قضاء ہوگی اور ایک ادا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث میں جمع صوری کا بیان ہے، جمع صوری یہ ہے کہ ایک نماز آخر وقت میں اور دوسری نماز اول وقت میں پڑھی جائے، اس صورت میں دونوں نمازیں ادا ہونگی اور اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کی ایک بیوی صاحبہ اپنے میکے میں رہتی تھیں، ان کا نام صفیہ بنت ابی عبید تھا، وہ مشہور بدنام شخص مختار ثقفی کی ہمشیرہ تھیں، ان کی طبیعت خراب ہوئی تو حضرت ابن عمرؓ کو ارجنٹ بلایا گیا، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے بھاگتے دوڑتے سفر کیا اور عشائین میں جمع صوری کیا یعنی مغرب کو آخر وقت میں اور عشاء کو اول وقت میں پڑھا، پھر نبی ﷺ کے عمل سے استشہاد کیا، ثُم قلَّمَا یلبث: یہ جملہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ جمع صوری کیا کرتے تھے، جمع حقیقی نہیں کرتے تھے، مزید تفصیل چند ابواب کے بعد آئے گی۔

بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الدَّوَابِّ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ بِهِ

چوپایوں پر نفل نماز پڑھنا، جدھر بھی وہ سوار کو لے کر متوجہ ہوں

سفر میں اونٹ، گھوڑے، گدھے اور ہاتھی وغیرہ پر نفل نماز پڑھ سکتے ہیں، استقبالِ قبلہ اور جانور کی پیٹھ یا گدی کا پاک ہونا ضروری نہیں، اور رکوع وسجود اشارے سے کریں گے، اور بس اور کار کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ ان میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن نہیں، پس ان میں نفل نماز بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں اور استقبالِ قبلہ اور سیٹ کا پاک ہونا ضروری نہیں، البتہ یہ شرط ہے کہ نمازی جانور اور کار کو چلا نہ رہا ہو، اور ٹرین میں نفل نماز میں اگرچہ قیام ضروری نہیں مگر استقبالِ قبلہ اور جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے، کیونکہ ٹرین جانور کے حکم میں نہیں ہے، اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن ہے اور بھیڑ عارضی عذر ہے، تفصیل ابواب الوتر باب ۶ میں گذر چکی ہے۔

[۷-] بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الدَّوَابِّ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ بِهِ

[۱۰۹۳-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ.

[انظر: ۱۰۹۷، ۱۱۰۴]

[۱۰۹۴-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّيْ التَّطَوُّعَ وَهُوَ رَاكِبٌ فِيْ غَيْرِ الْقِبْلَةِ [راجع: ۴۰۰]

[۱۰۹۵-] حدثنا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَيُوْتِرُ عَلَيْهَا، وَيُخْبِرُ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَفْعَلُهُ.

[راجع: ۹۹۹]

وضاحت: توجهت: کی ضمیر دابہ کی طرف راجع ہے اور بہ کی سوار کی طرف .... فی غیر القبلة: یصلی سے متعلق ہے، اور یوتر علیها میں وتر سے تہجد کی نماز مراد ہے، وترِ حقیقی مراد نہیں، تفصیل ابواب الوتر میں گذر چکی ہے۔

بَابُ الْإِيْمَاءِ عَلَى الدَّابَّةِ

چوپایے پر اشارے سے نماز پڑھنا

جانور پر نماز اشارہ سے پڑھے گا، کیونکہ جانور پر رکوع، سجدہ کرنے کا موقع نہیں، اور بس اور کار میں بھی اشارہ سے نماز

پڑھے گا، البتہ ٹرین میں رکوع سجدہ کرنے کا موقع ہے اس لئے اگر ٹرین میں بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو رکوع سجدہ اور استقبالِ قبلہ ضروری ہے۔

[۸-] بَابُ الإِيْمَاءِ عَلَى الدَّابَّةِ

[۱۰۹۶-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِيْنَارٍ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ، أَيْنَمَا تَوَجَّهَتْ بِهِ، يُوْمِئُ، وَذَكَرَ عَبْدُ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَفْعَلُهُ. [راجع: ۹۹۹]

بَابٌ: يَنْزِلُ لِلْمَكْتُوْبَةِ

فرض نماز کے لئے زمین پر اترے

فرض نماز سواری پر پڑھنا بالا جماع جائز نہیں، البتہ وتر سواری پر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، اور مدار اس پر ہے کہ وتر سنت ہیں یا واجب؟ احناف کے نزدیک واجب ہیں، اس لئے ان کے نزدیک وتر سواری پر نہیں پڑھ سکتے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہیں اس لئے اس کو سواری پر پڑھ سکتے ہیں۔

[۹-] بَابٌ: يَنْزِلُ لِلْمَكْتُوْبَةِ

[۱۰۹۷-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ ابْنِ رَبِيْعَةَ، أَنَّ عَامِرَ بْنَ رَبِيْعَةَ أَخْبَرَهُ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ عَلَى الرَّاحِلَةِ يُسَبِّحُ، يُوْمِئُ بِرَأْسِهِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ، وَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي الصَّلاَةِ الْمَكْتُوْبَةِ. [راجع: ۱۰۹۳]

[۱۰۹۸-] وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: قَالَ سَالِمٌ: كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ عَلَى دَابَّتِهِ مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُسَافِرٌ، مَا يُبَالِيْ حَيْثُ كَانَ وَجْهُهُ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُسَبِّحُ عَلَى الرَّاحِلَةِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ، وَيُوْتِرُ عَلَيْهَا، غَيْرَ أَنَّهُ لاَ يُصَلِّيْ عَلَيْهَا الْمَكْتُوْبَةَ. [راجع: ۹۹۹]

[۱۰۹۹-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّيْ عَلَى رَاحِلَتِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُصَلِّيَ الْمَكْتُوْبَةَ نَزَلَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ" [راجع: ۴۰۰]

حدیث (۱): حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اونٹ پر نفل نماز پڑھتے دیکھا

ہے، اپنے سر سے اشارہ فرماتے تھے، جس جانب بھی جانور رخ کرتا، اور رسول اللہ ﷺ فرض نماز میں یہ نہیں کرتے تھے یعنی سواری پر فرض نماز نہیں پڑھتے تھے۔

حدیث (۲): سالم کہتے ہیں: حضرت ابن عمرؓ رات میں اپنے جانور پر (نفل) نماز پڑھتے تھے درانحالیکہ وہ مسافر ہوتے تھے، نہیں پرواہ کرتے تھے، جدھر بھی آپ کا منہ ہوتا۔ اور ابن عمرؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر نماز پڑھتے تھے جدھر بھی آپ کا منہ ہوتا، اور آپ اونٹ پر وتر پڑھتے تھے، البتہ اونٹ پر فرض نماز نہیں پڑھتے تھے۔

حدیث (۳): حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنے اونٹ پر مشرق کی طرف یعنی غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھتے تھے، پس جب فرض نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو زمین پر اترتے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے۔

قولہ: ما یبالی: ما نافیہ ہے، نہیں پرواہ کرتے تھے آپ جدھر بھی آپ کا رخ ہوتا، یعنی جدھر بھی سواری لے کر چلتی آپ نماز پڑھتے تھے، استقبال قبلہ کو ضروری نہیں سمجھتے تھے......... **قولہ: یُسَبِّحُ علی الراحلۃ**: اس سے عام نفلیں مراد ہیں اور یوتر علیھا سے احناف کے نزدیک تہجد مراد ہے۔

بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الْحِمَارِ

گدھے پر نفل نماز پڑھنا

گدھا: گدھا ہے، شیطان سے اس کو مناسبت ہے، اس کا گوشت حرام ہے اور اس کا پسینہ مشکوک ہے اس لئے خیال پیدا ہوگا کہ شاید گدھے پر نفل نماز جائز نہ ہو، اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے باب رکھا، اس باب میں یہ روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حجاج کی شکایت کرنے کے لئے عبدالملک بن مروان کے پاس شام گئے، حجاج بصرہ کا گورنر تھا اور اس نے آپؓ کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تھی، چنانچہ عبدالملک نے حجاج کو خط لکھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ تیری امارت سے باہر ہیں۔ جب حضرت انسؓ واپس لوٹے تو تلامذہ نے بصرہ سے نکل کر آپؓ کا استقبال کیا اور عین التمر نامی جگہ میں آپؓ سے ملاقات کی۔ اس وقت آپؓ گدھے پر نماز پڑھ رہے تھے اور آپؓ کا رخ قبلہ کی طرف نہیں تھا، طلبہ کو اس پر حیرت ہوئی، گدھے پر نماز پڑھنے کی وجہ سے حیرت نہیں ہوئی کیونکہ یہ مسئلہ تو اجماعی تھا، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہا بلکہ غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کے بارے میں جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سواری پر غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

[۱۰-] بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الْحِمَارِ

[۱۱۰۰-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَبَّانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَنَسُ بْنُ سِيرِينَ، قَالَ: اسْتَقْبَلْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حِينَ قَدِمَ مِنَ الشَّامِ، فَلَقِينَاهُ بِعَيْنِ التَّمْرِ، فَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ، وَوَجْهُهُ مِنْ

ذَا الْجَانِبِ، يَعْنِيْ عَنْ يَسَارِ الْقِبْلَةِ، فَقُلْتُ: رَأَيْتُكَ تُصَلِّيْ لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ، فَقَالَ: لَوْلَا أَنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَفْعَلُهُ لَمْ أَفْعَلْهُ.

رَوَاهُ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: انس بن سیرین کہتے ہیں: جب حضرت انس رضی اللہ عنہ شام سے واپس لوٹے تو ہم نے ان کا استقبال کیا، اور عین التمر نامی جگہ میں ہماری ان سے ملاقات ہوئی، پس میں نے دیکھا کہ آپ گدھے پر نماز پڑھ رہے ہیں، درانحالیکہ آپ کا چہرہ اس طرف تھا یعنی قبلہ سے بائیں طرف تھا، میں نے عرض کیا: میں نے آپ کو قبلہ کے علاوہ کی طرف نماز پڑھتے دیکھا؟ انھوں نے فرمایا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں ایسا نہ کرتا۔

سند: اس حدیث کو حجاج بھی انس بن سیرین سے روایت کرتے ہیں، پس وہ ہمام کے متابع ہیں۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ فِي السَّفَرِ دُبُرَ الصَّلَاةِ وَقَبْلَهَا

جو شخص سفر میں فرضوں کے آگے پیچھے نفلیں نہ پڑھے

یہ یکے بعد دیگرے دو باب ہیں، پہلا باب یہ ہے کہ سفر میں فرضوں کے آگے پیچھے سنن ونوافل نہیں پڑھنی چاہئیں اور اس کے مقابل یہ باب آنا چاہئے تھا کہ سفر میں فرضوں کے آگے پیچھے سنن ونوافل پڑھنی چاہئیں، مگر حضرت رحمہ اللہ یہ باب نہیں لائے، بلکہ یہ باب لائے ہیں کہ سفر میں فرضوں سے بالکل متصل آگے پیچھے سنن ونوافل نہیں پڑھنی چاہئیں، فصل سے پڑھ سکتے ہیں، جیسے نبی ﷺ فجر کی سنتیں سفر میں پڑھتے تھے، کیونکہ وہ فرضوں سے متصل نہیں پڑھی جاتیں بلکہ فصل سے پڑھی جاتی ہیں، اسی طرح آپ سفر میں تہجد پڑھتے تھے، فتح مکہ کے موقع پر چاشت کے وقت آٹھ رکعتیں پڑھی ہیں، اس میں کچھ حرج نہیں اور امام صاحبؒ یہ باب اس لئے لائے ہیں کہ وہ مقابل باب اس باب سے سمجھا جاسکتا ہے۔

اور فرضوں سے متصل سنن قبلیہ اور بعدیہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حضرتؒ روایات نہیں لائے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اس سلسلہ کی روایتیں لائے ہیں، اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں: مسافر کو سنن مؤکدہ پڑھنی چاہئیں، اور ائمہ احناف سے اس سلسلہ میں کچھ مروی نہیں، نہ امام اعظمؒ سے کچھ مروی ہے نہ صاحبینؒ سے، اور متاخرین احناف نے مسئلہ یہ بیان کیا ہے کہ حالت قرار میں سنتیں پڑھے، اور حالت فرار میں نہ پڑھے، مثلاً ایک شخص دہلی گیا اور وہاں پہنچ کر ٹھہر گیا اور مطمئن ہوگیا، آگے روانگی یا واپسی دو دن کے بعد ہوگی پس یہ حالت قرار ہے، ایسی صورت میں سنتیں پڑھنی چاہئیں، اور اگر سفر جاری ہے، گاڑی میں نماز پڑھ رہا ہے، یا اسٹیشن پر نماز پڑھ رہا ہے اور گاڑی آنے والی ہے تو یہ حالت فرار ہے، اس حالت میں سنتیں نہ پڑھے، اور میں نے تجربہ کی بنیاد پر اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ سفر شروع کرنے سے پہلے اور سفر ختم کرنے کے بعد متصلا جو

حالت ہے وہ بھی حالت فرار ہے، مثلاً ایک شخص دہلی گیا، وہاں جاکر ٹھہر گیا، تو یہ حالت قرار ہے، مگر وہ تھکا ہوا ہے، نیند کا غلبہ ہے اور نماز بھی پڑھنی ہے تو صرف فرض پڑھ لے، سنتیں نہ پڑھے، اسی طرح روانگی کا وقت ہے، سامان تیار کرنا ہے، وقت پر اسٹیشن پہنچنا ہے، ٹکٹ لینا ہے اور نماز کا وقت آ گیا تو فرض نماز پڑھ لینا کافی ہے، سنت نہ پڑھے۔ واللہ اعلم

[۱۱-] بَابُ مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ فِي السَّفَرِ دُبُرَ الصَّلاَةِ وَقَبْلَهَا.

[۱۱۰۱-] حدثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَنَّ حَفْصَ ابْنَ عَاصِمٍ حَدَّثَهُ، قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ؟ فَقَالَ: صَحِبْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَلَمْ أَرَهُ يُسَبِّحُ فِي السَّفَرِ، وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[الأحزاب:۲۱] [انظر: ۱۱۰۲]

[۱۱۰۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عِيْسَى بْنِ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ: صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَكَانَ لاَ يَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ، وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذَلِكَ. [راجع: ۱۱۰۱]

وضاحت: وَقَبْلَهَا: پر نسخہ بنا ہوا ہے، یہ عبارت صرف حموی کے نسخہ میں ہے، باقی نسخوں میں نہیں ہے، اور اس باب کے ذیل میں جو احادیث ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضافہ ہونا چاہئے۔

حدیث (۱): حفص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کہ سفر میں سنتیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں؟ اور کیلری میں صافر ہے یعنی ابن عمرؓ نے سفر کیا، پس انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ سفر کیا ہے، میں نے آپ کو سفر میں سنتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا (اس میں سنن قبلیہ اور بعدیہ دونوں آ گئیں) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''تم لوگوں کے لئے رسول اللہ کی ذات میں عمدہ نمونہ ہے'' (پس تمہیں بھی سنتیں نہیں پڑھنی چاہئیں)

اور دوسری روایت میں ابن عمرؓ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ اور خلفائے ثلاثہ کے ساتھ اسفار کئے ہیں، پس آپ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اسی طرح خلفائے ثلاثہ بھی (یہ حدیث بھی عام ہے سنن قبلیہ اور بعدیہ دونوں کو شامل ہے)

تشریح: مگر اس حدیث کو مقید کرنا پڑے گا یعنی فرائض سے متصل سنن قبلیہ اور بعدیہ نہیں پڑھتے تھے، کیونکہ آپ سفر میں تہجد اور فجر کی سنتیں پڑھتے تھے......... ولا ابا بكر الخ کا عطف رسول اللہ پر ہے۔

بَابٌ: مَنْ تَطَوَّعَ فِي السَّفَرِ فِيْ غَيْرِ دُبُرِ الصَّلَوَاتِ وَقَبْلَهَا

جو شخص سفر میں نفلیں پڑھے مگر فرائض کے آگے پیچھے نہیں

فرائض سے متصل آگے پیچھے سنتیں اور نفلیں نہیں پڑھنی چاہئیں، ہاں فاصلہ سے پڑھ سکتا ہے، یہ نبی ﷺ سے ثابت

ہے، آپ فجر کی سنتیں بھی پڑھتے تھے اور تہجد بھی اور فتح مکہ کے موقع پر چاشت کے وقت میں آٹھ نفلیں بھی پڑھی ہیں۔

[۱۲-] بَابٌ: مَنْ تَطَوَّعَ فِي السَّفَرِ فِيْ غَيْرِ دُبُرِ الصَّلَوَاتِ وَقَبْلَهَا

وَرَكَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي السَّفَرِ رَكْعَتَي الْفَجْرِ.

[۱۱۰۳-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ لَيْلَى، قَالَ: مَا أَخْبَرَنَا أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى الضُّحَى غَيْرُ أُمِّ هَانِئٍ، ذَكَرَتْ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اغْتَسَلَ فِيْ بَيْتِهَا، فَصَلَّى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ، فَمَا رَأَيْتُهُ صَلَّى صَلَاةً أَخَفَّ مِنْهَا، غَيْرَ أَنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ. [انظر: ۱۱۷۶، ٤٢٩٢]

[۱۱۰٤-] وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ، أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ رَأَى رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم صَلَّى السُّبْحَةَ بِاللَّيْلِ فِي السَّفَرِ عَلَى ظَهْرِ رَاحِلَتِهِ، حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ. [راجع: ۱۰۹۳]

[۱۱۰۵-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُسَبِّحُ عَلَى ظَهْرِ رَاحِلَتِهِ، حَيْثُ كَانَ وَجْهُهُ، يُوْمِئُ بِرَأْسِهِ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ. [راجع: ۹۹۹]

حدیث (۱): ابن ابی لیلیٰ کبیر کہتے ہیں: ہمیں کسی نے یہ بات نہیں بتائی کہ اس نے نبی ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا ہے سوائے ام ہانی رضی اللہ عنہا کے، انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کے گھر میں غسل کیا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں، میں نے اس سے ہلکی نماز پڑھتے ہوئے آپ کو کبھی نہیں دیکھا مگر آپ رکوع وسجود کامل کر رہے تھے (باقی دو حدیثیں ابھی گذری ہیں)

تشریح: اشراق اور چاشت الگ الگ نمازیں ہیں یا ایک ہیں؟ اور فتح مکہ کے دن آنحضور ﷺ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں جو آٹھ نفلیں پڑھی تھیں وہ چاشت کی نماز تھی یا فتح مکہ کے شکریہ کی؟ اس میں اختلاف ہے، تفصیل (تحفۃ القاری ۲: ۱۸۵ حدیث ۳۵۷ میں) گذر چکی ہے۔ غرض نبی ﷺ سے فرضوں سے جدا سنن ونوافل پڑھنا ثابت ہے ......اور السُّبْحَة اور السُّبْحَة کے معنی ہیں: نفل نماز اور مراد تہجد ہے۔

بَابُ الْجَمْعِ فِي السَّفَرِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

سفر میں مغرب وعشاء کے درمیان جمع کرنا

چند ابواب پہلے بتایا تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ جمع حقیقی کے قائل نہیں، نہ جمع تقدیم کے اور نہ جمع تاخیر کے، ان کے

نزدیک جمع کی تمام روایات جمع صوری پر محمول ہیں، حنفیہ کی بھی یہی رائے ہے، اور ائمہ ثلاثہ جمع حقیقی کے قائل ہیں، جمع تقدیم کے بھی اور جمع تاخیر کے بھی، مگر ان کے پاس کوئی صحیح صریح روایت نہیں، دو روایتیں ہیں مگر وہ ان کے کام کی نہیں۔

ایک روایت یہ ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے ظہر وعصر، اور مغرب وعشاء کے درمیان مدینہ میں جمع کیا یعنی دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، جبکہ نہ دشمن کا خوف تھا، نہ بارش کا عذر (ترمذی حدیث ۱۸۷)

یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے کام کی نہیں، کیونکہ ان کے یہاں جمع حقیقی اعذار کی صورت میں جائز ہے اور یہاں کوئی عذر نہیں تھا، نہ سفر تھا، نہ بارش نہ بیماری، اور احناف اس روایت کو جمع صوری پر محمول کرتے ہیں یعنی نبی ﷺ نے ظہر کو آخر وقت میں اور عصر کو اول وقت میں پڑھا، اسی طرح مغرب کو آخر وقت میں اور عشاء کو اول وقت میں پڑھا، اور ایسا بیانِ جواز کے لئے کیا، جیسے آپؐ نے ایک مرتبہ کھڑے ہوکر پیشاب کیا، یہ مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا۔ اسی طرح مسئلہ کی وضاحت کے لئے ایک مرتبہ ظہرین اور عشائین کے درمیان جمع صوری کیا تاکہ اصحاب اعذار کے لئے گنجائش پیدا ہو، چنانچہ جب حضرت ابن عباسؓ نے یہ حدیث بیان کی تو طالب علموں نے پوچھا: نبی ﷺ نے یہ عمل کیوں کیا؟ انھوں نے فرمایا: ان لا تُحرِجَ اُمّتَہ: تاکہ آپ کی امت تنگی میں نہ پڑے، اس کو ان لایُحْرِجَ امتہ بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی تاکہ آپؐ اپنی امت کو تنگی میں نہ ڈالیں، مطلب دونوں کا ایک ہے یعنی نبی ﷺ نے یہ عمل بیان جواز کے لئے کیا ہے، یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے، مگر سنت نہیں ہے، صرف حدیث ہے، سنت (اسلامی طریقہ) یہ ہے کہ ہر نماز الگ الگ وقت میں پڑھی جائے، تاکہ دنیا کی مشغولیت اللہ سے غافل نہ کرے اور بیان جواز مقاصد نبوت میں شامل ہے۔

اور دوسری حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ کہتے ہیں: نبی ﷺ غزوۂ تبوک میں جب زوال سے پہلے سفر شروع فرماتے تو ظہر کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ اس کو عصر کے ساتھ جمع کرتے اور دونوں کو (عصر کے وقت میں) ایک ساتھ پڑھتے، اور جب زوال کے بعد سفر شروع کرتے تو عصر کو ظہر کے وقت میں جلدی پڑھ لیتے، پھر سفر شروع کرتے، اور جب سورج غروب ہونے سے پہلے سفر شروع فرماتے تو مغرب کو مؤخر کرتے، یہاں تک کہ اس کو (عشاء کے وقت میں) عشاء کے ساتھ پڑھتے، اور جب سورج غروب ہونے کے بعد سفر شروع کرتے تو عشاء میں جلدی کرتے اور عشاء کو (مغرب کے وقت میں) مغرب کے ساتھ پڑھ لیتے۔

یہ حدیث بھی ترمذی (حدیث ۵۶۲) میں ہے اور اس کی ایک ہی سند ہے اور نہایت درجہ قوی ہے، مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تخریج نہیں کی، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی سند اور متن دونوں کو شاذ قرار دیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے تحفۃ الالمعی ۲: ۴۴۴)

اور دیگر ائمہ حدیث نے بھی اس حدیث پر عجیب وغریب تبصرے کئے ہیں، حاکم ابو عبد اللہ (صاحب مستدرک حاکم) نے اس حدیث کو موضوع، امام ابوداؤد نے منکر اور ابن حزم ظاہری نے منقطع قرار دیا ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے

ہیں: میں نے قتیبہ سے پوچھا: جب آپ نے یہ حدیث لیث بن سعد سے لکھی تھی تو آپ کے پاس کون بیٹھا تھا؟ انھوں نے بتایا: خالد مدائنی بیٹھا تھا، امام بخاریؒ نے فرمایا: چوری پکڑی گئی، خالد مدائنی اساتذہ کی حدیثوں میں اضافہ کرتا تھا پس اس حدیث میں جو تفصیل ہے وہ قتیبہ کی نظر بچا کر ان کی کاپی میں خالد مدائنی نے لکھ دی ہے، ورنہ در حقیقت یہ حدیث مجمل ہے۔

غرض اس مسئلہ میں تین قسم کی حدیثیں ہیں:

اول: وہ حدیثیں ہیں جن میں صاف صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں جمع صوری کرتے تھے یعنی ایک نماز کو اس کے آخر وقت میں اور دوسری کو اس کے اول وقت میں پڑھتے تھے، دونوں نمازیں اپنے اپنے وقتوں میں پڑھی جاتی تھیں، مگر صورۃً وہ ایک ساتھ ہوتی تھیں، اس لئے اس کا نام جمع صوری ہے اور عذر کی حالت میں ایسا کرنا بالا جماع جائز ہے۔

دوم: وہ حدیثیں ہیں جن میں جمع حقیقی کی صراحت ہے، جمع حقیقی کا دوسرا نام جمع وقتی بھی ہے۔

سوم: زیادہ تر روایتیں مجمل ہیں ان میں صرف یہ مضمون ہے کہ نبی ﷺ دو نمازوں کو جمع کرتے تھے، جمع کرنے کی کیا صورت ہوتی تھی؟ اس کی تفصیل نہیں، ظاہر ہے اس قسم کی حدیثیں موم کی ناک ہیں، ائمہ ثلاثہ ان کو جمع حقیقی پر محمول کریں گے اور احناف جمع صوری پر، اسی طرح پہلی قسم کی حدیثیں بھی زیر بحث نہیں، کیونکہ جمع صوری بالاجماع جائز ہے اور جن حدیثوں میں جمع حقیقی کی صراحت ہے ان میں اشمل اور اصح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ہے جس کا حال ابھی آپ نے پڑھا، در حقیقت وہ حدیث مجمل ہے اور مسلم شریف میں ہے، پس اس سے استدلال درست نہیں۔ اور ائمہ کے تبصرے معارف السنن (۴: ۳۶-۴۳) میں ہیں۔

فائدہ: عرفہ میں جمع تقدیم یعنی عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھنا اور مزدلفہ میں جمع تاخیر یعنی مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھنا بالاتفاق جائز ہے بلکہ واجب ہے، کیونکہ یہ جمع تواتر طبقہ سے ثابت ہے اور ایسی متواتر روایت سے قرآن کریم پر زیادتی جائز ہے، قرآن میں ہے: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾: (النساء آیت ۱۰۳) یعنی مؤمنین پر نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے، مگر ان دو موقعوں میں چونکہ جمع کرنا تواتر سے ثابت ہے اس لئے یہ نمازیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

ان دو موقعوں کے علاوہ جمع حقیقی جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اعذار کی صورت میں جمع تقدیم و تاخیر دونوں جائز ہیں، اور اعذار امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سفر، بارش اور مرض ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سفر اور بارش ہیں۔ مرض عذر نہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صرف سفر عذر ہے، پھر ان کے درمیان تھوڑی تفصیل ہے، امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: جمع بین الصلاتین مطلقاً جائز ہے، جمع تقدیم بھی اور جمع تاخیر بھی، اسی طرح سفر جاری ہو یا کسی جگہ قیام ہو ہر صورت میں جمع کر سکتے ہیں، اسی طرح بھاگتے دوڑتے سفر ہو یا اطمینان کے ساتھ سفر ہو ہر صورت میں جمع بین الصلاتین جائز ہے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ جمع تقدیم جائز نہیں، صرف جمع تاخیر جائز ہے، اور ان کا مشہور قول یہ ہے کہ جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں جائز ہیں جبکہ بھاگتے دوڑتے سفر ہو، اگر کسی جگہ قیام ہو یا اطمینان کا سفر ہو تو جمع جائز نہیں۔

اور حنفیہ کے نزدیک مطلقاً جمع جائز نہیں نہ جمع تقدیم اور نہ جمع تاخیر، البتہ سخت مجبوری میں جمع تاخیر کی گنجائش ہے، مثلاً ٹرین میں سفر کر رہا ہے، گاڑی میں بھیڑ ہے، نماز پڑھنا ممکن نہیں، یا بس سے سفر کر رہا ہے اور بے بس ہے تو نماز کو مؤخر کرے اور اگلے وقت میں پڑھے، کیونکہ اس کے علاوہ چارہ نہیں، اس صورت میں ایک نماز ادا ہوگی اور ایک قضا، اور اس کو جمع کہنا مجازاً ہے، اور جمع تقدیم کی حنفیہ کے نزدیک مطلق گنجائش نہیں، اگر کوئی جمع تقدیم کرے گا تو ایک نماز ہوگی دوسری نہیں ہوگی، اس کے ذمہ فرض باقی رہ جائے گا۔

مقصد ترجمہ: تمام ائمہ متفق ہیں کہ مغرب کی نماز سورج غروب ہوتے ہی فوراً پڑھ لینی چاہئے، بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ مغرب کا وقت تنگ ہے، مغرب کا وقت غروب شمس کے بعد صرف اتنی دیر باقی رہتا ہے جس میں جنبی غسل کرکے اور بے وضو وضو کرکے پانچ رکعت پڑھ سکے، اور دوسرا قول جمہور کے موافق ہے اور وہی مفتی بہ ہے کہ مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے مگر مستحب یہ ہے کہ مغرب کی نماز سورج غروب ہوتے ہی فوراً پڑھ لی جائے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اور اشتباک نجوم سے پہلے تک یعنی ستاروں کا جال بن جانے سے پہلے تک تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور اشتباک نجوم تک مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے مگر اعذار میں اور جمع صوری کے وقت اشتباک نجوم کے بعد تک تاخیر کرنے میں مضائقہ نہیں، یہ اس باب کا مقصد ہے۔

[۱۳-] بابُ الْجَمْعِ فِي السَّفَرِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

[۱۱۰۶-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ. [راجع: ۱۰۹۱]

[۱۱۰۷-] وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ سَيْرٍ، وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.

[۱۱۰۸-] وَعَنْ حُسَيْنٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي السَّفَرِ.

وَتَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ [وَحَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ] عَنْ يَحْيَى، عَنْ حَفْصٍ، عَنْ أَنَسٍ: جَمَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم. [انظر: ۱۱۱۰]

وضاحت: إذا جدّ به السير اور إذا كان على ظهر سير: دونوں کا ایک مطلب ہے، یعنی جب تیزی سے سفر جاری ہوتا تو حضور ﷺ جمع کرتے تھے، اور اس حدیث سے امام مالک رحمہ اللہ نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر بھاگتے دوڑتے سفر ہو تو جمع بین الصلاتین جائز ہے، اطمینان کے سفر میں اجازت نہیں، اور احناف کے نزدیک یہ حدیث جمع صوری پر محمول ہے کیونکہ اس میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ مغرب پڑھ کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر عشاء پڑھی، یہ حدیث چند ابواب پہلے گذری ہے اور ابوداؤد (باب الجمع بين الصلاتين) میں اسی حدیث میں یہ اضافہ ہے: حتى إذا كان قبل غيوب الشفق نزل، فصلى المغرب، ثم انتظر حتى غاب الشفق وصلى العشاء الخ: ابن عمرؓ نے سفر میں مغرب کو مؤخر کیا اور شفق غروب ہونے سے کچھ پہلے اترے اور مغرب پڑھی، پھر شفق غروب ہونے کے انتظار میں بیٹھے رہے، جب شفق غائب ہوئی تو عشاء پڑھی، اور فرمایا: جب نبی ﷺ کو جلدی ہوتی تو ایسا کرتے تھے جس طرح میں نے کیا۔

بَابٌ: هَلْ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ إِذَا جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ؟

کیا اذان یا اقامہ کہے جب مغرب اور عشاء کے درمیان جمع کرے؟

جب سفر میں جمع صوری کریں تو اذان واقامہ کا کیا حکم ہے؟ پہلے یہ مسئلہ گذرا ہے کہ شوافع کے نزدیک سفر وحضر میں اذان واقامہ کی اہمیت یکساں ہے اور حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک اقامہ کی اہمیت تو سفر میں بھی حضر جیسی ہے، مگر اذان کی اہمیت حضر جیسی نہیں، کیونکہ سفر میں سب رفقاء جمع ہوتے ہیں پس اگر اذان نہ دی جائے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں، مگر جمع صوری میں دونوں نمازوں سے پہلے اقامہ ہونی چاہئے، اور شوافع کے نزدیک بھی ایک اذان اور دو اقامہ کافی ہیں دو اذانیں ضروری نہیں، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو باب میں آرہی ہے صرف اقامہ کا ذکر ہے اذان کا ذکر نہیں، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں لفظ او رکھا ہے، یہ او مانعۃ الخلو کا ہے یعنی اگر اذان واقامت دونوں ہوں تو سبحان اللہ اور صرف اقامہ ہو تو بھی کافی ہے۔

[۱۴-] بَابٌ: هَلْ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ إِذَا جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ؟

[۱۱۰۹-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ، يُؤَخِّرُ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ حَتَّى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ، قَالَ سَالِمٌ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، يَفْعَلُهُ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ، يُقِيمُ الْمَغْرِبَ فَيُصَلِّيهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ يُسَلِّمُ، ثُمَّ قَلَّمَا يَلْبَثُ حَتَّى يُقِيمَ الْعِشَاءَ، فَيُصَلِّيهَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ يُسَلِّمُ، وَلَا يُسَبِّحُ بَيْنَهُمَا بِرَكْعَةٍ، وَلَا بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ بِسَجْدَةٍ، حَتَّى يَقُومَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ. [راجع: ۱۰۹۱]

[۱۱۱۰-] حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: حَدَّثَنِي حَرْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ، أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ فِي السَّفَرِ، يَعْنِي الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ. [راجع: ۱۱۰۸]

قولہ: ثم قلّما یلبث: ابن عمرؓ مغرب پڑھ کر تھوڑی دیر ٹھہرتے تھے اور ابوداؤد میں ہے کہ شفق کے غروب ہونے کا انتظار کرتے تھے پھر عشاء پڑھتے تھے .... **قولہ: ولا یسبح بینھما بر کعۃ:** یعنی مغرب اور عشاء کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ عشاء کے بعد کوئی نماز پڑھتے تھے، بر کعۃ اور بسجدۃ سے سنن ونوافل مراد ہیں۔

بَابٌ: يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ إِلَى الْعَصْرِ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ

زوال سے پہلے سفر شروع کرے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کرے

آنحضور ﷺ جب زوال سے پہلے شروع فرماتے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کرتے یعنی ظہر کو عصر کے قریب آخر وقت میں پڑھتے اور عصر کو شروع وقت میں پڑھتے یعنی جمع صوری کرتے۔

[۱۵-] بَابٌ: يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ إِلَى الْعَصْرِ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ

فِيهِ ابْنُ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۱۱۱-] حدثنا حَسَّانُ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا، فَإِذَا زَاغَتْ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ. [انظر: ۱۱۱۲]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر شروع کرتے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کرتے پھر ان میں جمع کرتے یعنی جمع صوری کرتے، اور جب سورج ڈھلنے کے بعد سفر کرتے تو ظہر پڑھ کر سفر کرتے یعنی عصر نہیں پڑھتے تھے۔

بَابٌ: إِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ مَا زَاغَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ

جب آپؐ زوال کے بعد سفر شروع کرتے تو صرف ظہر پڑھ کر سوار ہوتے

اس باب سے جمع تقدیم کی نفی کرنا مقصود ہے، نبی ﷺ جب سورج ڈھلنے کے بعد سفر شروع فرماتے تو صرف ظہر پڑھ کر سفر کرتے، اور عصر اس کے وقت میں پڑھتے ظہر کے وقت میں عصر نہیں پڑھتے تھے۔

[۱۶-] بَابٌ: إِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ مَا زَاغَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ

[۱۱۱۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ، ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا، فَإِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ. [انظر: ۱۱۱۱]

بَابُ صَلَاةِ الْقَاعِدِ

بیٹھ کرنماز پڑھنا

فرائض اورواجبات میں قیام فرض ہے مگر اعذار کی صورت میں قیام ساقط ہے، معذور بیٹھ کر فرض اورواجب پڑھ سکتا ہے اور اس کی قدرت نہ ہوتو لیٹ کر بھی پڑھ سکتا ہے، لیکن نوافل میں — سنن مؤکدہ بھی نفل ہیں — قیام فرض نہیں، قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نفلیں پڑھے تو جائز ہے مگر ثواب آدھا رہ جائے گا، اور نوافل میں رخصت اس لئے دی گئی ہے کہ آدمی جب چاہے نماز پڑھ سکے، اور فرائض وواجبات متعین ہیں لہٰذا ان کے لئے قیام ساقط کرنے کی ضرورت نہیں، مجبوری کی بات اور ہے۔ غرض اس باب کا مقصد بیٹھ کر نماز کا جواز ثابت کرنا ہے اور صلوۃ القاعدہ سے نفل نماز بھی مراد ہوسکتی ہے اور فرض نماز بھی۔ اگر فرض نماز مراد ہے تو عذر کی صورت میں قاعد اپڑھ سکتا ہے اور نفل مراد ہے تو کوئی شرط نہیں، مطلقاً بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

[۱۷-] بَابُ صَلَاةِ الْقَاعِدِ

[۱۱۱۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ بَيْتِهِ وَهُوَ شَاكٍ، فَصَلَّى جَالِسًا، وَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوْا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: "إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا"[راجع: ۶۸۸]

[۱۱۱۴-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: سَقَطَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ فَرَسٍ، فَخُدِشَ أَوْ: فَجُحِشَ شِقُّهُ الأَيْمَنُ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ نَعُوْدُهُ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَصَلَّى قَاعِدًا، فَصَلَّيْنَا قُعُوْدًا. وَقَالَ: "إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُوْلُوْا: "اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ"[راجع: ۳۷۸]

وضاحت: یہ حدیثیں بار بار گذری ہیں، نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ گھوڑے سے گر گئے تھے، اور آپ کی دائیں جانب چھل گئی تھی، جس کی وجہ سے آپ گھر میں نماز پڑھتے تھے، نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں نہیں آتے تھے، ایک دن صحابہ عیادت کے لئے آئے تو دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں انھوں نے موقع غنیمت جان کر آپ کی اقتداء میں نماز شروع کردی، اور کھڑے

کھڑے اقتداء کی، جبکہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، کیونکہ آپ بیمار تھے آپ نے اشارہ سے ان کو بٹھا دیا اور نماز کے بعد فرمایا: امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے لہٰذا جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر اقتداء کرو، یہ جزء منسوخ ہے۔ تفصیل پہلے گذر چکی ہے اور دوسرا جزء کہ معذور بیٹھ کر فرض نماز پڑھ سکتا ہے معمول بہ ہے اور یہی امام بخاریؒ کا مدعیٰ ہے۔

[۱۱۱۵-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حُسَيْنٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صلى الله عليه سلم. ح: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، وَكَانَ مَبْسُوْرًا، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا، فَقَالَ: "إِنْ صَلَّى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ، وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ، وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ"[انظر: ۱۱۱۶، ۱۱۱۷]

ترجمہ: عبداللہ بن بریدہؒ کہتے ہیں: مجھ سے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے بیان کیا، اور ان کو بواسیر کی بیماری تھی، وہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے اس شخص کی نماز کے بارے میں پوچھا جو بیٹھ کر نماز پڑھے، آپ نے فرمایا: اگر کھڑے ہو کر پڑھے تو افضل ہے اور جو شخص بیٹھ کر پڑھے تو اس کے لئے کھڑے ہو کر پڑھنے والے کا آدھا ثواب ہے اور جو لیٹ کر پڑھے اس کے لئے بیٹھ کر پڑھنے والے کا آدھا ثواب ہے۔

تشریح: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو دو بیماریاں تھیں، ایک: بواسیر کی دوسری بھگندر کی، ان پر جب بواسیر کا حملہ ہوتا تھا یعنی خون بہت بہہ جاتا تھا تو وہ نڈھال ہو جاتے تھے، اس لئے انھوں نے آنحضرت ﷺ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا مسئلہ دریافت کیا، اس حدیث کو حسین المعلم سے (ان کا دوسرا لقب المکتب ہے یعنی مکتب میں پڑھانے والا) روح بن عبادہ، عبدالوارث بن سعید اور ابراہیم بن طہمان وغیرہ روایت کرتے ہیں، روح بن عبادۃ اور عبدالوارث کی حدیث یہ ہے کہ عمران بن حصین نے نبی ﷺ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا: آپ نے فرمایا: جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو یہ بہتر ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے اس کے لئے کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے ثواب کا آدھا ہے اور جو لیٹ کر پڑھے اس کے لئے بیٹھ کر پڑھنے والے کے ثواب کا آدھا ہے۔

اور ابراہیم بن طہمان کی حدیث میں یہ ہے کہ حضرت عمرانؓ نے مریض کی نماز کے بارے میں پوچھا: نبی ﷺ نے فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اور اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر بیٹھ کر پڑھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو کروٹ پر لیٹ کر پڑھو ـــــ یہ حدیث اگلے باب میں آرہی ہے اور ان دونوں روایتوں کا مدعیٰ متعین کرنے میں شارحین بہت الجھے ہیں، کیونکہ زیادہ سے زیادہ چار تقریریں ہو سکتی ہیں: (۱) دونوں روایتیں فرض نماز سے متعلق ہوں (۲) دونوں نفل نماز سے متعلق ہوں (۳) دونوں میں مریض کی نماز کا حکم ہو (۴) دونوں تندرست کی نماز کے بارے میں ہوں۔

۱- اگر ان کو فرض نماز کے بارے میں اور تندرست کی نماز سے متعلق کیا جائے تو اشکال یہ ہوگا کہ تندرست کے لئے بیٹھ

کر فرض پڑھنا جائز نہیں، اس پر قیام فرض ہے۔

۲- اور اگر ان کو فرض نماز سے اور بیمار کی نماز سے متعلق کیا جائے تو پہلی حدیث پر اشکال ہوگا کہ بیمار کو تو جس حال میں نماز پڑھے پورا ثواب ملے گا، جو شخص قیام پر قدرت نہیں رکھتا وہ فرض نماز بیٹھ کر پڑھے گا اور بیٹھ کر پڑھنے پر قادر نہیں تو لیٹ کر پڑھے گا۔ اور اس کو ہر حال میں پورا ثواب ملے گا تنصیف نہیں ہوگی۔

۳- اور اگر نفل نماز سے اور بیمار سے ان کا تعلق جوڑا جائے تو بھی درست نہیں، جب معذور کو فرض نماز بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں پورا ثواب ملتا ہے تو نفل بیٹھ کر پڑھنے والے کو تو بدرجہ اولیٰ پورا ثواب ملے گا۔

۴- اور اگر نفل نماز سے اور تندرست سے متعلق کیا جائے تو پہلی حدیث پر اشکال ہوگا کہ تندرست آدمی کے لئے نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے کی تو گنجائش ہے مگر اس کے لئے لیٹ کر نفل پڑھنا جائز نہیں۔

غرض دونوں حدیثوں میں چار ہی تقدیریں ہوسکتی ہیں اور ہر تقدیر پر اعتراض ہے، اور میں نے دونوں حدیثوں کو ملا کر جو مطلب سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ یہ دونوں فرض کے بارے میں ہیں اور ان میں بیمار کی نماز کا حکم ہے، دوسری حدیث میں حضرت عمرانؓ کا بیمار کی نماز کے بارے میں دریافت کرنا اس کی دلیل ہے اور پہلی حدیث میں ثواب کا بیان ہے اور دوسری حدیث میں صحتِ صلوٰۃ کا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ صحتِ صلوٰۃ میں عامل کی قدرت کا اعتبار ہے اور ثواب میں نفس الامری قدرت کا، یعنی اگر مصلی کا خیال ہے کہ وہ کھڑے ہو کر فرض پڑھنے پر قادر نہیں تو وہ نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے نماز ہو جائے گی، اور اگر اس کی بھی ہمت نہیں تو لیٹ کر پڑھے، نماز صحیح ہو جائے گی، مگر ثواب نفس الامری قدرت کے لحاظ سے ملے گا، پس جو شخص بے ہمت ہو گیا اور اس نے بیٹھ کر نماز پڑھی حالانکہ نفس الامر میں اسے قیام پر قدرت تھی تو اسے آدھا ثواب ملے گا، اور اگر وہ واقعی قیام پر قادر نہیں تھا اس لئے بیٹھ کر نماز پڑھی تو پورے ثواب کا مستحق ہوگا۔ یہی مسئلہ لیٹ کر نماز پڑھنے والے کا ہے، اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے مگر وہ بے ہمتی کی بنا پر لیٹ کر پڑھتا ہے تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں جتنا ثواب ملے گا اس سے آدھا ملے گا، اور اگر نفس الامر میں بھی بیٹھ کر پڑھنے پر قادر نہیں تو پھر لیٹ کر پڑھی ہوئی نماز کا پورا ثواب ملے گا۔

غرض آنحضرت ﷺ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو ایک تو مسئلہ بتایا کہ مریض کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور لیٹ کر ہر طرح نماز پڑھ سکتا ہے، اور دوسری بات یہ بتائی ہے کہ ثواب میں نفس الامری قدرت کا اعتبار ہے پھر یہ دو حدیثیں الگ الگ ہو گئیں تو اشکال پیدا ہوا۔

اور بہت سے اکابر کے بارے میں مروی ہے کہ وہ معذور ہونے کے باوجود بہ تکلف کھڑے ہو کر فرض نماز پڑھتے تھے، اس تکلف کی ضرورت اس لئے پیش آتی تھی کہ ثواب میں نفس الامری قدرت کا اعتبار ہے، گو کہ نماز بیٹھ کر بھی صحیح ہو جاتی ہے۔

فائدہ: مریض کے لئے لیٹ کر نماز پڑھنا بالاتفاق جائز ہے اور اس کو جس طرح سہولت ہو اس طرح لیٹ کر نماز

پڑھے، چاہے دائیں کروٹ پر لیٹے، چاہے بائیں پر اور چاہے تو چت لیٹے، البتہ جب چت لیٹ کر نماز پڑھے تو پاؤں کعبہ کی طرف کرے اور سر کے نیچے کوئی چیز رکھ لے، تاکہ سر اونچا ہو جائے اور رکوع وسجود کا اشارہ کرنے میں سہولت ہو۔

بَابُ صَلَاةِ الْقَاعِدِ بِالْإِيْمَاءِ

بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنا

اس باب کا مدعیٰ یہ ہے کہ جس طرح عذر کی وجہ سے قیام ساقط ہو جاتا ہے عذر کی وجہ سے رکوع اور سجدے بھی ساقط ہو جاتے ہیں، پس جو شخص رکوع سجدہ کرنے پر قادر نہیں وہ اشارہ سے نماز پڑھے گا، جیسے سواری پر نماز پڑھنا ایک عذر ہے، سواری پر رکوع سجدہ نہیں ہو سکتا پس رکوع سجدے ساقط ہیں ان کی جگہ اشارہ کرے اور کوئی عذر نہ ہو تو نوافل میں قیام تو ساقط ہے مگر رکوع سجدے ضروری ہیں۔

[۱۸-] بَابُ صَلَاةِ الْقَاعِدِ بِالْإِيْمَاءِ

[۱۱۱۶-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ — وَكَانَ رَجُلًا مَبْسُوْرًا — وَقَالَ أَبُوْ مَعْمَرٍ مَرَّةً عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَقَالَ: "مَنْ صَلّٰى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ، وَمَنْ صَلّٰى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ، وَمَنْ صَلّٰى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ"[راجع: ۱۱۱۵]

قولہ: وَمَنْ صَلّٰى نَائِمًا: اور کیگری میں اس کی جگہ بالایماء ہے اور دونوں لفظ صحیح ہیں، ظاہر ہے جو لیٹ کر نماز پڑھے گا وہ اشارے ہی سے پڑھے گا۔

بَابٌ: إِذَا لَمْ يُطِقْ قَاعِدًا صَلّٰى عَلٰى جَنْبٍ

اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی سکت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھے

جس شخص میں بیٹھنے کی بھی سکت نہ ہو تو وہ لیٹ کر نماز پڑھے، اور اس کو جس طرح سہولت ہو اس طرح لیٹ کر نماز پڑھے، چاہے دائیں کروٹ لیٹے، چاہے بائیں، اور چاہے تو چت لیٹے۔ اور حضرت عطاءؒ کہتے ہیں: اگر مریض کو قبلہ رخ کرنے والا کوئی نہ ہو اور مریض از خود قبلہ رخ نہ ہو سکتا ہو تو اس کا جدھر منہ ہو ادھر نماز پڑھ سکتا ہے، اس کے لئے قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں۔

[۱۹-] بَابٌ: إِذَا لَمْ يُطِقْ قَاعِدًا صَلّٰى عَلٰى جَنْبٍ

وَقَالَ عَطَاءٌ: إِذَا لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى أَنْ يَتَحَوَّلَ إِلَى الْقِبْلَةِ صَلّٰى حَيْثُ كَانَ وَجْهُهُ.

[۱۱۱۷-] حدثنا عَبْدَانُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ طَهْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْحُسَيْنُ الْمُكْتِبُ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: كَانَتْ بِي بَوَاسِيرُ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: "صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ" [راجع: ۱۱۱۵]

وضاحت: اس حدیث میں صحت صلوٰۃ کا حکم ہے اور پہلے جو حدیث گذری ہے اس میں ثواب کا بیان تھا اور یہ دونوں حدیثیں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، ان کو الگ الگ کرنے کی وجہ سے الجھن پیش آئی ہے، تفصیل گذشتہ سے پیوستہ باب میں گذر چکی ہے۔

بَابٌ: إِذَا صَلَّى قَاعِدًا ثُمَّ صَحَّ أَوْ وَجَدَ خِفَّةً تَمَّمَ مَا بَقِيَ

جب بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو، پھر تندرست ہو جائے یا ہلکا پن محسوس کرے تو باقی نماز کھڑے ہو کر پوری کرے

ایک شخص بیمار ہے، کھڑا نہیں ہو سکتا، چکر آ رہے ہیں، اس نے بیٹھ کر نماز شروع کی پھر نماز کے درمیان تندرست ہو گیا، یا بیماری ہلکی پڑ گئی تو وہ باقی نماز کھڑے ہو کر پوری کرے، جیسے ایک شخص غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہا تھا، کسی نے خبر دی کہ قبلہ دوسری جانب ہے تو وہ نماز کے اندر ہی قبلہ کی جانب گھوم جائے، اور اس کی نماز صحیح ہے، استیناف کی ضرورت نہیں، یا ٹرین میں نماز پڑھ رہا تھا اور گاڑی گھوم گئی تو وہ بھی نماز کے اندر قبلہ کی طرف گھوم جائے، اسی طرح یہ مسئلہ ہے کہ عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا تھا نماز کے اندر ہی افاقہ محسوس ہوا تو باقی نماز کھڑے ہو کر پوری کرے استیناف کی ضرورت نہیں، اسی طرح برعکس صورت میں: کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا تھا کہ چکر آنے لگے تو باقی نماز بیٹھ کر پوری کرے، استیناف کی ضرورت نہیں۔ حسن بصریؒ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ دو رکعت تک عذر تھا اس لئے دو رکعت بیٹھ کر پڑھی، پھر عذر زائل ہو گیا تو باقی دو رکعت کھڑے ہو کر پڑھے۔

[۲۰-] بَابٌ: إِذَا صَلَّى قَاعِدًا ثُمَّ صَحَّ أَوْ وَجَدَ خِفَّةً تَمَّمَ مَا بَقِيَ

وَقَالَ الْحَسَنُ: إِنْ شَاءَ الْمَرِيضُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَاعِدًا وَرَكْعَتَيْنِ قَائِمًا.

[۱۱۱۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا لَمْ تَرَ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي صَلَاةَ اللَّيْلِ قَاعِدًا قَطُّ حَتَّى أَسَنَّ، فَكَانَ يَقْرَأُ قَاعِدًا، حَتَّى إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ، فَقَرَأَ نَحْوًا مِنْ ثَلَاثِينَ آيَةً أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً، ثُمَّ رَكَعَ.

[انظر: ۱۱۱۹، ۱۱۴۸، ۱۱۶۱، ۱۱۶۸، ۴۸۳۷]

[۱۱۱۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ، وَأَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ

ابْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ، فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ نَحْوٌ مِنْ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً، قَامَ فَقَرَأَهَا وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ، يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ. فَإِذَا قَضَى صَلَاتَهُ نَظَرَ فَإِنْ كُنْتُ يَقْظَى تَحَدَّثَ مَعِي، وَإِنْ كُنْتُ نَائِمَةً اضْطَجَعَ. [راجع: ۱۱۱۸]

وضاحت: حضور اقدس ﷺ تہجد ہمیشہ کھڑے ہوکر پڑھا کرتے تھے اور بہت طویل پڑھتے تھے، یہاں تک کہ پاؤں پر ورم آجاتا تھا، مگر حیات طیبہ کے آخری سال میں جب آپؐ بوڑھے اور کمزور ہوگئے تو آپؐ نے بیٹھ کر تہجد پڑھا، آپؐ قراءت بیٹھ کر کرتے تھے پھر جب رکوع کرنے کا ارادہ ہوتا تو تیس چالیس آیتیں کھڑے ہوکر پڑھتے پھر رکوع کرتے، اسی طرح دوسری رکعت بھی بیٹھ کر پڑھتے اور رکوع سے پہلے تیس چالیس آیتیں کھڑے ہوکر پڑھتے۔

سوال: یہ روایت نفلوں (تہجد) کے بارے میں ہے، اور نفلوں میں قیام ضروری نہیں، اور باب فرضوں کے بارے میں ہے، پس نفلوں والی روایت سے فرضوں کا مسئلہ کیسے ثابت ہوگا؟ فرض نماز میں تو قیام فرض ہے۔

جواب: حضرت الاستاذ نے فرمایا: ''جب تندرست ایسا کرسکتا ہے تو مریض بدرجۂ اولی اس کا حق رکھتا ہے کہ اس کے اس اضطراری فعل کو صحیح تسلیم کیا جائے'' (القول الصحیح) یعنی مریض رکعت کے شروع میں جو بیٹھا ہے وہ ایک مجبوری ہے پس وہ بیٹھنا درست ہے، پھر جب عذر ختم ہوگیا تو فرضوں میں قیام فرض ہے، لہٰذا باقی نماز کھڑے ہوکر پوری کرے۔

قولہ: فإذا قضی صلاتہ نظر: آنحضور ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپؐ تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو گھر والوں کو بیدار نہیں کرتے تھے، وہ از خود اٹھنا چاہیں تو اٹھیں، البتہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں تہجد کے وقت گھر والوں کو بھی بیدار کرتے تھے، اور پورے سال جب آپؐ تہجد سے فارغ ہوتے اور وتر پڑھنے کا وقت آتا تو ازواج کو بیدار فرماتے، پھر آپؐ وتر پڑھ کر آرام فرماتے، اور صبح صادق ہوتے ہی فجر کی سنتیں پڑھتے، لیکن اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہوتیں تو ان سے گفتگو فرماتے ورنہ دائیں کروٹ لیٹ جاتے اور جب حضرت بلالؓ اطلاع دیتے تو نماز پڑھانے کے لئے تشریف لے جاتے۔

فائدہ: آنحضور ﷺ نے فجر کی سنت اور فرض کے درمیان صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بات چیت کی ہے، بقیہ ازواج سے اس وقت میں بات چیت کرنا مروی نہیں۔ اور حضرت الاستاذ علامہ بلیاوی قدس سرہ نے فرمایا: آنحضور ﷺ کا فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان لیٹنا نشاط کے لئے تھا، اور محبوب سے دو گھڑی بات کرنے سے بھی نشاط پیدا ہوجاتا ہے، چونکہ صدیقہ آنحضور ﷺ کی محبوبہ تھیں اس لئے آپؐ صرف انہی سے بات کرتے تھے، دیگر ازواج سے بات کرنا مروی نہیں۔

﴿الحمد للہ! أبواب تقصیر الصلاۃ کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كِتَابُ التَّهَجُّدِ [وَالتَّطَوُّعِ]

تہجد اور نوافل کا بیان

بَابُ التَّهَجُّدِ بِاللَّيْلِ

رات میں اٹھ کر نفلیں پڑھنا

یہاں سے تہجد کے ابواب شروع ہورہے ہیں، پھر اسی کتاب میں نوافل کا بیان ہے، اس لئے عنوان میں [والتطوع] بڑھایا ہے — پہلے چند باتیں ذہن نشیں کرلیں:

پہلی بات: صلوٰۃ اللیل اور صلوٰۃ التہجد ایک ہیں، صلوٰۃ اللیل شریعت کی اصطلاح ہے، رات میں جو بھی نماز پڑھی جائے وہ صلوٰۃ اللیل نہیں ہے، اور اس کے لئے دوسرا لفظ تہجد ہے۔ تہجد کے معنی ہیں: ترکُ الھجود: نیند چھوڑنا، یہ نماز رات کے آخری حصہ میں پڑھی جاتی ہے، آدمی پہلے سوجاتا ہے پھر اٹھ کر نفلیں پڑھتا ہے اس کا نام تہجد ہے، سورۃ الاسراء کی آیت ۷۹ ہے: ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾: اور رات کے کچھ حصہ میں نیند سے اٹھ کر قرآن کے ساتھ نفلیں پڑھئے، یہ آپ کے لئے زائد نماز ہے، من تبعیضیہ ہے اور بہ کا مرجع قرآن ہے، پہلے قرآن کا ذکر آیا ہے، اور نافلۃ کے معنی حضرت الاستاذ قدس سرہ نے 'بخشش' کئے تھے، اور تہجد بہ کے معنی بین السطور لکھے ہیں: اِسْهَرْ بِهِ یعنی پہلے سوجایئے پھر اٹھ کر نفلوں میں قرآن پڑھئے ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾: جتنا آسان ہو اتنا قرآن نفلوں میں پڑھئے، معلوم ہوا کہ رات میں سونے کے بعد اٹھ کر جو نفلیں پڑھی جائیں وہ صلوٰۃ اللیل اور تہجد ہیں۔

دوسری بات: بعض حضرات نے لفظ نافلہ سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ پر تہجد فرض نہیں تھا، مگر یہ استدلال قوی نہیں، اس لئے کہ فقہاء کی اصطلاح میں جو نفل ہے: وہ یہ نافلہ نہیں ہے، فقہاء کی اصطلاحات قرآن وحدیث میں مراد نہیں لی جاتیں، قرآن وحدیث میں لفظ کے لغوی معنی مراد لئے جاتے ہیں، اور آنحضور ﷺ پر تہجد فرض تھا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ فرض نہیں تھا، اور دلیل دو روایتیں ہیں:

ایک: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ جب کسی دن تہجد نہیں پڑھ پاتے تھے، آپ کو تہجد سے نیند روک دیتی، یعنی نیند کا تقاضہ ہوتا تھا تو آپ سونے کو تہجد پر مقدم کرتے تھے، مثلاً سفر ہے، رات کے آخری حصہ میں پڑاؤ ڈالا، اب سونا بھی ہے کیونکہ صبح آگے سفر کرنا ہے، اور تہجد کا وقت بھی ہے، پس آپ سو جاتے تھے اور تہجد بالقصد نہیں پڑھتے تھے یا آپ پر آپ کی آنکھیں غالب آجاتیں (یعنی بیدار ہونے کے ارادہ کے باوجود آنکھ نہیں کھلتی تھی) تو آپ دن میں سورج نکلنے کے بعد بارہ رکعت پڑھتے تھے (ترمذی حدیث ۴۵۴) یہ تہجد کا موخر بدل ہے، اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ پر تہجد واجب نہیں تھا۔

دوم: شاہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں مزدلفہ کی رات میں بالقصد تہجد نہیں پڑھا تھا، کیونکہ بڑا مجمع تھا، آپ تہجد پڑھتے تو ممکن تھا لوگ اس کو ضروری سمجھ لیتے، معلوم ہوا کہ تہجد آپ پر فرض نہیں تھا۔

تیسری بات: قرآن کریم میں بہت سے احکام میں نبی ﷺ کو مخاطب بنایا گیا ہے مگر مقصود امت کو حکم سنانا ہے، جیسے سورۃ الطلاق کی پہلی آیت ہے: ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾: اس آیت میں جمع کے صیغے لائے گئے ہیں، معلوم ہوا کہ مخاطب اگرچہ حضور اکرم ﷺ ہیں مگر مقصود آپ ہی نہیں، بلکہ یہ حکم امت کو سنانا ہے اس لئے جمع کے صیغے لائے گئے ہیں۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے جو آیت کریمہ لکھی ہے، وہ سورۃ الاسراء کی (آیت ۷۹) ہے اور مضمون یہاں سے شروع ہوتا ہے: ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ﴾: آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کا اندھیرا چھانے تک نمازوں کا اہتمام کیجئے۔ اس میں ظہر سے عشاء تک کی چار نمازیں آگئیں، ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾: اور صبح کا قرآن پڑھنا، یہ فجر کی نماز ہے ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾: اور رات کے کچھ حصہ میں اٹھ کر نفلوں میں قرآن پڑھئے، یہ تہجد کی نماز ہے، ﴿نَافِلَةً لَّكَ﴾ یہ مزید بخشش ہے، ﴿عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو ستودہ مرتبہ عنایت فرمائیں، نبی ﷺ کے تعلق سے مقام محمود سے مراد شفاعت کبریٰ کا اعزاز ہے، اور امت کے تعلق سے اس کے معنی ہیں: بلند مقام، جو جنتی اونچے مقام میں ہوگا نیچے والے اس کی تعریف کریں گے، پس وہ بھی ستودہ مقام میں ہوگا، جنت کوئی ایک درجہ نہیں ہے اس میں متفاوت درجات ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ شہداء کے چار درجے ہیں، پہلا درجہ اس مؤمن کا ہے جو متقی اور بہادر ہے، جب دشمن سے اس کا مقابلہ ہوا تو اس نے اللہ سے بہادری سے لڑنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا، یہاں تک کہ وہ مارا گیا، یہ وہ شہید ہے جس کا مقام قیامت کے دن لوگ اس طرح نگاہیں اٹھا کر دیکھیں گے کہ ان کی ٹوپی گر گئی۔ حدیث کے راوی ابویزید خولانی کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ حضرت فضالہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ٹوپی مراد لی ہے یا نبی ﷺ کی ٹوپی؟ یعنی کس کی ٹوپی گری یہ بات حضرت فضالہ نے بیان نہیں کی (ترمذی حدیث ۱۶۳۶)

جنت کے یہ بلند درجات نوافل اعمال کی وجہ سے ملیں گے، فرائض و واجبات تو سبھی مسلمان ادا کرتے ہیں اور ان نوافل اعمال ہی کے لئے کسی اللہ والے کے ہاتھ پر سودا کرنا پڑتا ہے، جنت پانے کے لئے بیعت ضروری نہیں، اس کے لئے صحیح

ایمان اور اعمال صالحہ کافی ہیں، مگر جنت میں بلند درجات حاصل کرنے کے لئے نوافل اعمال ضروری ہیں، جو پیر کی راہ نمائی میں کئے جاتے ہیں، عام طور پر تجربہ یہ ہے کہ آدمی خود سے نوافل اعمال نہیں کر سکتا۔

غرض آیت کریمہ نبی ﷺ کے ساتھ خاص نہیں، عام ہے، البتہ آپ کے تعلق سے مقام محمود شفاعت کبریٰ کا اعزاز ہے اور امت کے تعلق سے جنت کے بلند درجات مراد ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

۱۹- كِتَابُ التَّهَجُّدِ

[۱-] بَابُ التَّهَجُّدِ بِاللَّيْلِ

وَقَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ﴾ [الإسراء: ۷۹]

[۱۱۲۰-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَبِي مُسْلِمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ، قَالَ: " اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ الْحَقُّ، وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَلِقَاءُكَ حَقٌّ، وَقَوْلُكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَوْ: لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ"

قَالَ سُفْيَانُ: وَزَادَ عَبْدُ الْكَرِيْمِ أَبُوْأُمَيَّةَ: " وَلَا حَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ" قَالَ سُفْيَانُ: قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ أَبِي مُسْلِمٍ: سَمِعَهُ مِنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [انظر: ۶۳۱۷، ۷۳۸۵، ۷۴۴۲، ۷۴۹۹]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ جب رات میں تہجد کے لئے اٹھتے (یہی ٹکڑا باب سے متعلق ہے) تو (بیدار ہوتے ہی) یہ ذکر کرتے تھے:

ذکر کا ترجمہ: اے اللہ! آپ کے لئے تعریف ہے، آپ آسمانوں کے اور زمین کے اور ان چیزوں کے جو ان میں ہیں سنبھالنے والے ہیں اور آپ کے لئے تعریف ہے آپ آسمانوں کے اور زمین کے اور ان چیزوں کے جو ان میں ہیں نور ہیں اور آپ کے لئے تعریف ہے آپ آسمانوں کے اور زمین کے اور ان چیزوں کے جو ان میں ہیں: بادشاہ ہیں، اور آپ کے لئے تعریف ہے آپ برحق (ثابت) ہیں، اور آپ کا وعدہ برحق ہے، اور آپ سے ملاقات برحق ہے اور آپ کی باتیں برحق

ہیں، اور جنت برحق ہے اور دوزخ برحق ہے، اور تمام انبیاء برحق ہیں اور محمد (ﷺ) برحق ہیں اور قیامت برحق ہے، اے اللہ! میں آپ کا تابعدار ہوں، اور آپ پر ایمان لایا، اور آپ پر بھروسہ کیا، اور آپ کی طرف رجوع کیا، اور آپ کی مدد سے (دشمنوں سے) جھگڑا کرتا ہوں، اور آپ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرتا ہوں، پس بخش دیجئے میرے وہ گناہ جو میں نے پہلے کئے اور جو بعد میں کروں گا، اور وہ پوشیدہ گناہ جو میں نے کئے اور جو علانیہ کئے، آپ ہی آگے کرنے والے اور آپ ہی پیچھے کرنے والے ہیں، کوئی معبود نہیں مگر آپ ہی، یا فرمایا: کوئی معبود نہیں آپ کے سوا ـــــ ابن عیینہؒ کہتے ہیں: عبدالکریم ابو امیہ کی حدیث میں حوقلہ بھی ہے، اور سلیمان بن ابی مسلم نے حضرت طاؤس سے یہ حدیث سنی ہے۔

وضاحت: ابوامیہ عبدالکریم بن ابی المخارق المعلم البصری (متوفی ۱۲۶ھ) پر ابن عیینہ، ابن مہدی، یحییٰ قطان، امام احمد، ابن عدی اور ایوب سختیانی نے جرح کی ہے، بخاری شریف میں اسی ایک جگہ اس کا ذکر ہے، اس کی روایت بخاری میں نہیں ہے، نسائی میں اس کی چند اور ترمذی اور ابن ماجہ میں کافی روایتیں ہیں، اس کی حدیث میں مذکورہ بالا ذکر میں حوقلہ کا اضافہ ہے اور سلیمان بن ابی مسلم سے پہلے قال زائد ہے اور یہ ابن عیینہ کا مقولہ ہے کہ سلیمان احول نے طاؤس سے یہ حدیث سنی ہے، اور سماع کی صراحت اس لئے کی کہ اوپر روایت بصیغۂ عن آئی ہے۔

بَابُ فَضْلِ قِيَامِ اللَّيْلِ

نمازِ تہجد کی اہمیت

امام ترمذی رحمہ اللہ لفظ فضل عام طور پر ثواب کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ اہمیت کے معنی میں۔

حدیث: نبی ﷺ کے زمانہ میں جب کوئی خواب دیکھتا تو فجر کی نماز کے بعد اس کو آپؐ سے بیان کرتا، اور آپؐ اس کی تعبیر بتلاتے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش وہ بھی کوئی خواب دیکھتے اور نبی ﷺ سے بیان کرتے، ایک رات وہ مسجدِ نبوی میں سو رہے تھے کہ انھوں نے خواب دیکھا، یہ ہجرت کے فوراً بعد کا واقعہ ہے، اس زمانہ میں مہاجرین کے پاس رہنے اور سونے کا معقول انتظام نہیں تھا اس لئے نوجوان لڑکے مسجد میں سوتے تھے (تفصیل تحفۃ القاری ۲: ۴۸۳ میں ہے) حضرت ابن عمرؓ نے خواب دیکھا کہ دو فرشتے ان کو لے کر ایک ایسے کنویں پر گئے جس پر مینڈ بنی ہوئی تھی، اس کنویں کے اندر آگ جل رہی تھی، اور اس میں بہت سے مرد اور عورتیں جل رہے تھے، ابن عمرؓ نے اندر جھانک کر دیکھا تو بہت سوں کو پہچانا، وہ ڈرے کہ فرشتے ان کو بھی اندر نہ ڈال دیں، مگر اچانک ایک تیسرا فرشتہ آیا اور اس نے کہا: ڈرو نہیں! اور ان دو سے کہا: ان کو چھوڑ دو، ابن عمرؓ کی آنکھ کھل گئی، خواب ڈراؤنا تھا، اس لئے خود نبی ﷺ سے بیان کرنے کی ہمت نہ ہوئی، انھوں نے اپنی بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا اور کہا کہ وہ حضور ﷺ سے خواب بیان کریں اور تعبیر معلوم کریں، حضور اقدس ﷺ نے خواب سن کر فرمایا: عبداللہ نیک آدمی ہے، کاش وہ تہجد پڑھتا! چنانچہ ابن عمرؓ اس کے

بعد رات کا بہت تھوڑا حصہ سوتے تھے، رات کا اکثر حصہ تہجد اور نفلوں میں گذارتے تھے۔

[۲-] بَابُ فَضْلِ قِيَامِ اللَّيْلِ

[۱۱۲۱-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ح: وَحَدَّثَنِي مَحْمُوْدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ فِيْ حَيَاةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِذَا رَأَى رُؤْيَا قَصَّهَا عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَتَمَنَّيْتُ أَنْ أَرَى رُؤْيَا فَأَقُصَّهَا عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَكُنْتُ غُلَامًا شَابًّا، وَكُنْتُ أَنَامُ فِي الْمَسْجِدِ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَرَأَيْتُ فِي النَّوْمِ كَأَنَّ مَلَكَيْنِ أَخَذَانِيْ، فَذَهَبَا بِيْ إِلَى النَّارِ، فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ، وَإِذَا لَهَا قَرْنَانِ، وَإِذَا فِيْهَا أُنَاسٌ قَدْ عَرَفْتُهُمْ، فَجَعَلْتُ أَقُوْلُ: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ، قَالَ: فَلَقِيَنَا مَلَكٌ آخَرُ، فَقَالَ لِيْ: لَمْ تُرَعْ. [راجع: ۴۴۰]

[۱۱۲۲-] فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ، فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ! لَوْ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ" فَكَانَ بَعْدُ لَا يَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيْلًا.

[انظر: ۱۱۵۷، ۳۷۳۹، ۳۷۴۱، ۷۰۱۶، ۷۰۲۹، ۷۰۳۱]

قولہ: فإذا هي مطوية كطيّ البئر: اچانک وہ آگ مینڈ بنی ہوئی تھی، جس طرح کنویں پر مینڈ بنی ہوئی ہوتی ہے، کنویں دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک پکا کنواں جس پر مینڈ بنی ہوئی ہوتی ہے ایسے کنویں مَطْوِيَّة (مینڈ بنے ہوئے) کہلاتے ہیں، طوی (ض) البئر: کنویں کی من بنانا، اور دوسرا کچا کنواں ہوتا ہے، اس پر مینڈ بنی ہوئی نہیں ہوتی، اس کو جُبّ کہتے ہیں، سورۂ یوسف میں ہے ﴿فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ﴾ (آیت ۱۵): کچے کنوئیں کے اندھیرے حصہ میں۔

قولہ: وإذا لها قرنان: پرانے زمانہ میں کنوئیں پر دو لکڑیاں کھڑی کرتے تھے اور ان کے بیچ میں ایک لکڑی میں چرخی ہوتی تھی، اس سے پانی کھینچتے تھے، یہ کھڑی دو لکڑیاں قرنان ہیں

قولہ: لم تُرَعْ: یہاں سے نبی ﷺ نے یہ تعبیر لی ہے کہ عبداللہ نیک آدمی ہے، مگر فرشتے ان کو جہنم پر لے گئے ہیں اس لئے نبی ﷺ نے تمنا ظاہر کی کہ کاش عبداللہ تہجد پڑھا کرتے، اس سے تہجد کی اہمیت نکلی۔

بَابُ طُوْلِ السُّجُوْدِ فِيْ قِيَامِ اللَّيْلِ

تہجد میں لمبے سجدے کرنا

باب میں یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ تہجد کی نماز میں چالیس پچاس آیتوں کے بقدر سجدہ کیا کرتے تھے، بعض علماء نے

اس کو خارج نماز کا سجدہ قرار دیا ہے، یعنی تہجد سے فارغ ہو کر سجدہ کرتے تھے، اور اس میں دعا کرتے تھے، پس یہ سجدۂ مناجاتیہ (دعائیہ) ہوا، مگر امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کر کے بتلایا کہ یہ تہجد کا سجدہ ہوتا تھا، خارج نماز کا سجدہ نہیں تھا۔

خارج صلوٰۃ دو سجدے ہیں: ایک: سجدۂ مناجات، دوسرا سجدۂ شکر، درمختار میں سجدۂ شکر کو مستحب لکھا ہے، جب کوئی خوشی کی بات پیش آئے یا اچھی خبر پہنچے تو شکر کے طور پر دو نفلیں پڑھنی چاہئیں، یہ شکر کا اعلیٰ درجہ ہے اور صرف سجدہ کرے تو یہ بھی کافی ہے، اور سجدۂ مناجات بدعتیوں کے یہاں رائج ہے، وہ سنتوں اور نفلوں سے فارغ ہو کر سجدہ کرتے ہیں اور اس میں دعا کرتے ہیں یہ سجدۂ مناجات ہے، کبیری میں لکھا ہے کہ یہ بدعت ہے، نبی ﷺ جو چالیس پچاس آیتوں کے بقدر سجدہ کرتے تھے: بدعتی اس کو سجدۂ مناجات قرار دیتے ہیں اور سجدۂ مناجات کی مشروعیت پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، مگر کبیری میں لکھا ہے کہ سجدۂ مناجات بدعت ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی باب میں فی قیام اللیل بڑھا کر شرح کی کہ یہ تہجد کا سجدہ ہوتا تھا، خارج صلوٰۃ کا سجدہ نہیں ہوتا تھا۔

[۳-] بَابُ طُوْلِ السُّجُوْدِ فِيْ قِيَامِ اللَّيْلِ

[۱۱۲۳-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّيْ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، كَانَتْ تِلْكَ صَلَاتُهُ: يَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِيْنَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ، وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ، ثُمَّ يَضْطَجِعُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتّٰى يَأْتِيَهُ الْمُنَادِيْ لِلصَّلَاةِ. [راجع: ۶۲۶]

بَابُ تَرْكِ الْقِيَامِ لِلْمَرِيْضِ

بیمار کا تہجد نہ پڑھنا

اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے تہجد نہ پڑھ سکے تو کچھ مضائقہ نہیں، اور ایسے بندے کو جو تندرستی میں اور جوانی میں تہجد پڑھتا تھا پھر بیماری کی وجہ سے یا بڑھاپے کی کمزوری کی وجہ سے تہجد نہ پڑھ سکے: تہجد کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں: میرا بندہ تندرستی میں جو عمل کرتا تھا، اب وہ بیماری کی وجہ سے نہیں کر پا رہا: پس اس کا ثواب مسلسل لکھتے رہو، اسی طرح بڑھاپے کی کمزوری کی وجہ سے اگر کوئی بندہ تہجد نہ پڑھ سکے تو اس کا ثواب بھی برابر لکھا جاتا رہتا ہے، قربان جایئے: اللہ کی عنایتوں پر!

[۴-] بَابُ تَرْكِ الْقِيَامِ لِلْمَرِيْضِ

[۱۱۲۴-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: سَمِعْتُ جُنْدَبًا يَقُوْلُ: اشْتَكَى النَّبِيُّ

صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَةً أَوْ لَيْلَتَيْنِ. [انظر: ۱۱۲۵، ۴۹۵۰، ۴۹۵۱، ۴۹۸۳]

[۱۱۲۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: احْتَبَسَ جِبْرِيْلُ عليه السلام عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ: أَبْطَأَ عَلَيْهِ شَيْطَانُهُ! فَنَزَلَتْ ﴿وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ [الضحى: ۱-۳] [راجع: ۱۱۲۴]

وضاحت: حضور ﷺ کی ایک چچی تھی، اس کا نام عوراء بنت حرب بن امیہ تھا، وہ ابوسفیان کی بہن اور ابولہب کی بیوی تھی اس کا گھر آنحضور ﷺ کے گھر سے ملا ہوا تھا، جب آپ رات میں تہجد میں قرآن پڑھتے تو وہ سنا کرتی تھی، ایک یا دو راتیں آپ بیماری کی وجہ سے تہجد کے لئے نہ اٹھ سکے تو وہ آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی: آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا! وہ بدبخت عورت حضرت جبرئیل علیہ السلام کو شیطان کہہ رہی ہے، وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ نبی ﷺ جو رات میں قرآن پڑھتے ہیں تو وہ اپنے شیطان سے باتیں کرتے ہیں جیسے عامل اپنے موکل سے باتیں کیا کرتا ہے، اس پر سورۃ والضحیٰ نازل ہوئی، اس کی تیسری آیت ہے: ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾: نہ آپ کو آپ کے پروردگار نے چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا، اس آیت کا شانِ نزول مذکورہ واقعہ ہے۔

ربط: یہاں استدلال یہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے نبی ﷺ تہجد کے لئے نہیں اٹھ سکے، جب عارضی بیماری کی وجہ سے قیام اللیل کا ترک جائز ہے تو دائمی بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے تو بدرجہ اولیٰ ترک جائز ہوگا۔

بَابُ تَحْرِيضِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ وَالنَّوَافِلِ مِنْ غَيْرِ إِيْجَابٍ

نبی ﷺ کا تہجد اور دیگر نوافل کی ترغیب دینا، واجب قرار دیئے بغیر

محشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: باب کے دو جزء ہیں: ایک تحریض، دوسرا وجوب کی نفی۔ بعض روایات پہلے جزء سے متعلق ہیں اور بعض دوسرے جزء سے، مگر اس طرح باب کے دو جزء کرنا ضروری نہیں، اس لئے کہ جب تہجد کی تحریض (ترغیب) ہوگی تو وجوب کی نفی تو خود بخود ہو جائے گی، فرض و واجب کی تحریض نہیں ہوتی، ان کا تو حکم ہوتا ہے، فرض و واجب کے علاوہ کی ترغیب و تحریض ہوتی ہے، اس لئے باب کے دو جزء کرنے کی ضرورت نہیں، باب کی تمام روایات میں تہجد کی ترغیب و تحریض (ابھارنا) ہے۔

ایک روایت ہے جو مختلف طرح سے آئی ہے، اس کا اصل واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کے پاس کہیں سے دو غلام آئے وہ ابھی نابالغ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ابا سے ایک غلام مانگ لاؤ، تمہیں چکی خود پیسنی پڑتی ہے، پانی خود بھرنا پڑتا ہے، گھوڑے کا چارہ پانی خود کرنا پڑتا ہے اور گھر کے دوسرے کام کاج بھی تمہیں خود کرنے پڑتے ہیں، پس اگر غلام ہوگا تو تمہارا ہاتھ بٹائے گا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گئیں مگر اتفاق سے اس وقت آپ کے پاس

کچھ صحابہ بیٹھے تھے، وہ تھوڑی دیر رک کر چلی آئیں، عشاء کے بعد آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے، آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اجازت مانگی، جو مل گئی، حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما لیٹ چکے تھے، جب حضور ﷺ اندر داخل ہوئے تو دونوں نے اٹھنا چاہا، آپ نے منع فرمایا اور آپ دونوں کے بستروں کے درمیان بیٹھ گئے اور حضرت فاطمہؓ سے دن میں آنے کی وجہ دریافت فرمائی، حضرت فاطمہؓ خاموش رہیں، ان کو شرم آئی، حضرت علیؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کو میں نے آپ کے پاس بھیجا تھا کہ آپ کے پاس جو دو غلام آئے ہیں ان میں سے ایک مانگ لائیں تاکہ وہ گھر کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹائے، گھر کے تمام کام کاج ان کو خود کرنے پڑتے ہیں جس سے وہ تھک جاتی ہیں، آپ نے فرمایا: وہ غلام تمہارے لئے نہیں ہیں، فلاں صحابہ جو بدر میں شہید ہوئے ہیں، ان کے بچوں کو وہ غلام دینے کا میرا ارادہ ہے، البتہ تمہیں ایک عمل بتاتا ہوں: رات میں سونے سے پہلے دونوں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ کر سویا کرو، اس عمل کی برکت سے تم گھر کے کاموں سے تھکوگی نہیں، یہ تسبیح فاطمہ ہے اور نمازوں کے بعد جو تسبیح پڑھی جاتی ہے وہ تسبیح فقراء ہے، عوام میں وہ تسبیح فاطمہ کے نام سے مشہور ہوگئی ہے۔

پھر نبی ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ رات بھر سوتے نہیں رہنا چاہئے، رات کے پچھلے حصہ میں تہجد پڑھنا چاہئے (یہ تہجد کی ترغیب ہے اور یہی جزء باب سے متعلق ہے) حضرت علیؓ نے جواب دیا: یارسول اللہ! ہم جب سوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہماری روحیں قبض کرلیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری روحیں چھوڑیں تو ہم اٹھیں! آپ یہ جواب سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾: انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے، یعنی ان کو یہ جواب نہیں دینا چاہئے تھا، یہ کہتے کہ یارسول اللہ! ہم کوشش کریں گے، آپ ہمارے لئے توفیق کی دعا کریں۔ یہ پورا واقعہ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے بعد اس واقعہ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لکھا ہے اور اختصار کی وجہ سے ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے تہجد کے وقت میں دروازہ کھٹکھٹا کر دونوں کو بیدار کیا تھا، جبکہ واقعہ ایسا نہیں ہے۔

[۵-] بَابُ تَحْرِيْضِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَلَى قِيَامِ اللَّيْلِ وَالنَّوَافِلِ مِنْ غَيْرِ إِيْجَابٍ
وَطَرَقَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَاطِمَةَ وَعَلِيًّا لَيْلَةً لِلصَّلاَةِ.

[۱۱۲۶-] حدثنا ابْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اسْتَيْقَظَ لَيْلَةً، فَقَالَ: "سُبْحَانَ اللهِ! مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتْنَةِ! مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ! مَنْ يُوْقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ؟ يَارُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ!

[راجع: ۱۱۵]

معلق حدیث: ایک رات نبی ﷺ نے نماز (تہجد) کے لئے حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

حدیث: ایک رات نبی ﷺ نے خواب دیکھا کہ امت کے لئے خزانوں کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور فتنوں کے دروازے بھی، اس لئے کہ مال اور فتنوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، جب بھی مال آتا ہے فتنے ساتھ لاتا ہے، جب بھی کسی قوم میں خوش حالی آتی ہے تو عام طور پر اللہ کا ڈر اٹھ جاتا ہے، لوگوں کے احوال بگڑ جاتے ہیں، اس رات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی آپ نے فرمایا: کوئی ہے جو ازواج مطہرات کو بیدار کرے تا کہ وہ عبادت میں مشغول ہوں، یہ تہجد کا وقت تھا، اس میں تہجد کی ترغیب ہے، اور اس حدیث میں اشارہ ہے کہ فتنوں سے حفاظت کا سامان اللہ تعالیٰ سے لولگانا اور عبادت میں مشغول ہونا ہے اور اس سے گہرا اشارہ یہ ہے کہ جب لوگوں کے پاس مال آتا ہے تو سب سے پہلے عورتیں فتنے میں مبتلا ہوتی ہیں، ان میں فیشن چل پڑتا ہے پس عورتوں کو فتنے سے بچنے کا سامان زیادہ کرنا چاہئے یعنی ان کو عبادت میں زیادہ مصروف ہونا چاہئے (مزید شرح تحفۃ القاری ۱: ۴۱۰ میں ہے)

[۱۱۲۷-] حدثنا أبو اليمان، قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري، قال: أخبرني علي بن الحسين، أن حسين بن علي أخبره: أن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أخبره: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم طرقه وفاطمة بنت النبي صلى الله عليه وسلم ليلة، فقال: ألا تصليان؟ فقلت: يارسول الله! أنفسنا بيد الله، فإذا شاء أن يبعثنا بعثنا، فانصرف حين قلت ذلك، ولم يرجع إلي شيئا. ثم سمعته وهو مول يضرب فخذه وهو يقول: ﴿ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴾ [الكهف: ٥٤] [انظر: ٤٧٢٤، ٧٣٤٧، ٧٤٦٥]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک رات نبی ﷺ نے ان کا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دروازہ کھٹکھٹایا اور فرمایا: کیا تم دونوں (رات میں) نماز نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا: ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں، جب اللہ ہمیں اٹھانا چاہتے ہیں ہم اٹھتے ہیں۔ پس جب میں نے یہ کہا تو نبی ﷺ واپس پلٹے اور آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا، پھر میں نے آپ کو سنا درانحالیکہ آپ پیٹھ پھیر کر اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے جارہے تھے: ''انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے!'' (یہ حدیث مختصر ہے، تفصیلی واقعہ وہ ہے جو اوپر بیان کیا گیا)

[۱۱۲۸-] حدثنا عبد الله بن يوسف، قال: أخبرنا مالك، عن ابن شهاب، عن عروة، عن عائشة، قالت: إن كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليدع العمل، وهو يحب أن يعمل به، خشية أن يعمل به الناس، فيفرض عليهم، وما سبح رسول الله صلى الله عليه وسلم سبحة الضحى قط، وإني لأسبحها.

[انظر: ۱۱۷۷]

[۱۱۲۹-] حدثنا عبد الله بن يوسف، قال: أخبرنا مالك، عن ابن شهاب، عن عروة بن الزبير، عن عائشة أم المؤمنين: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى ذات ليلة في المسجد، فصلى بصلاته ناس،

ثُمَّ صَلّٰى مِنَ الْقَابِلَةِ، فَكَثُرَ النَّاسُ، ثُمَّ اجْتَمَعُوْا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ، فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ: " قَدْ رَأَيْتُ الَّذِيْ صَنَعْتُمْ، وَلَمْ يَمْنَعْنِيْ مِنَ الْخُرُوْجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ" وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ. [راجع ۷۲۹]

حدیث (۱): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ بعض کام نہیں کیا کرتے تھے درانحالیکہ آپ کو وہ کام پسند ہوتے تھے اس اندیشہ سے کہ لوگ ان پر عمل کریں گے پس وہ کام ان پر فرض کر دیا جائے گا (مثلاً:) نبی ﷺ نے چاشت کی نماز کبھی نہیں پڑھی، اور میں چاشت کی نماز پڑھتی ہوں۔

تشریح:

۱- حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو چاشت کی نماز پڑھنے کا ذکر آیا ہے وہ محتمل ہے، وہ چاشت کی نماز بھی ہوسکتی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ فتح مکہ کے شکریہ میں آپ نے وہ آٹھ رکعتیں پڑھی ہوں، چونکہ وہ چاشت کا وقت تھا اس لئے اس کو چاشت کی نماز سمجھ لیا گیا، تفصیل گذر چکی ہے۔

اور صدیقہؓ نفی کر رہی ہیں کہ آپ نے چاشت کی نماز کبھی نہیں پڑھی، کیونکہ آپ چاشت کی نماز پڑھتے تو صحابہ بھی پڑھتے، پس ممکن تھا: وہ نماز فرض کر دی جاتی اور امت اس کو نباہ نہ سکتی، اس لئے آپ نے خواہش کے باوجود چاشت کی نماز نہیں پڑھی، اور آپؐ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد یہ اندیشہ باقی نہیں رہا اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاشت کی نماز پڑھتی تھیں۔

دوسری مثال: ایک رمضان میں نبی ﷺ نے دو یا تین راتیں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائی، پھر آپؐ نے پڑھانا بند کر دیا، آپ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں تراویح امت پر فرض نہ قرار دیدی جائے، باب میں قیام اللیل کے علاوہ نوافل کا جزء بھی ہے، یہ حدیث اس جزء سے متعلق ہے، آپؐ نے چند روز جو نماز پڑھائی تھی وہ تہجد کی نماز نہیں تھی، بلکہ قیام رمضان (تراویح) تھی، آپ کا ان کو جماعت سے پڑھانا ان کی تحریض ہے۔

۲- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مذکورہ ارشاد سے میں نے یہ بات سمجھی ہے کہ احکام کی تشریع کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ امت کسی حکم کی خواہش کرے اور نبی اس کی تائید کرے، پس اللہ کی طرف سے وہ حکم لازم کر دیا جاتا ہے، جیسے مسلمانوں نے جمعہ کی نماز شروع کی اور نبی ﷺ نے اس کی تائید کی تو جمعہ فرض کر دیا گیا، اور نبی ﷺ نے ہر نماز سے پہلے مسواک کو چاہا آپؐ نے فرمایا: اگر مجھے امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں ہر نماز سے پہلے مسواک کا حکم دیتا مگر امت کی طرف سے کوئی اشتیاق سامنے نہیں آیا تو مسواک فرض نہیں ہوئی، اور اس کی برعکس صورت یہ ہے کہ لوگوں نے تراویح کی انتہائی خواہش کی، مگر نبی ﷺ نے اس کی تائید نہیں کی، آپ چوتھے دن نماز پڑھانے کے لئے تشریف نہیں لائے کیونکہ آپ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ نماز فرض قرار نہ دیدی جائے، پس تراویح فرض نہ ہوئی، غرض بعض احکام کی تشریع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ امت

خواہش کرے اور نبی ﷺ اس کی تائید کریں تو وہ حکم لازم ہوتا ہے، اگر ان میں سے ایک بھی بات مفقود ہو جائے تو فرضیت نہیں آتی، اسی وجہ سے نبی ﷺ بعض کام خواہش کے باوجود نہیں کرتے تھے تاکہ امت پر وہ حکم لازم نہ ہو جائے۔

مسئلہ: مستحب عمل پر مداومت جائز ہے، مثلاً: جوتا دائیں پیر میں پہلے پہننا مستحب ہے اگر کوئی شخص اس پر مداومت کرے تو جائز ہے ہاں اگر التزام شروع ہو جائے تو ناجائز ہے، التزام کے لغوی معنی ہیں: سر لینا، اور مراد یہ ہے کہ اس عمل کو شرعاً ضروری سمجھ لیا جائے تو وہ مستحب کام ناجائز ہو جاتا ہے، اور دلیل حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ نماز کے بعد دائیں جانب سے پھرنے کو ضروری سمجھ کر نماز میں شیطان کا حصہ نہ گردانو، لیکن اگر اس طرح کا التزام نہ ہو تو مستحب پر مداومت جائز ہے۔

ربط: حدیث کا باب سے تعلق اوپر بیان کیا گیا کہ باب میں نوافل کا جزء بھی ہے، قیام لیل سے تہجد مراد ہے اور نوافل عام ہیں، یہ حدیث اسی جزء سے متعلق ہے، غیر مقلدین کو زبردست غلط فہمی ہے کہ آپؐ نے تین دن تہجد کی نماز پڑھائی تھی، اگر ایسا ہوتا تو امام بخاری رحمہ اللہ کو باب میں نوافل کا اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ

نبی ﷺ کا لمبی نفلیں پڑھنا یہاں تک کہ پیروں پر ورم آجاتا

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ احیاء اللیل یعنی پوری رات یا رات کا اکثر حصہ نوافل اور دیگر اذکار میں گذارنا جائز ہے، اگر کوئی ایسا کرے تو کر سکتا ہے، نبی ﷺ کا عمل اس کے لئے اسوہ ہے، آپؐ رات میں تہجد اتنا لمبا پڑھتے تھے کہ پیروں پر ورم آجاتا تھا، ظاہر ہے تھوڑی دیر نماز پڑھنے سے پاؤں پر ورم نہیں آتا بلکہ رات کے اکثر حصہ میں عبادت میں مشغول رہنے سے ایسا ہوتا ہے، اور پہلے (کتاب الایمان باب ۲۹ حدیث ۳۹، تحفۃ القاری ۱: ۲۵۸) حدیث گذری ہے کہ دین آسان ہے اور جو شخص دین میں تشدد اختیار کرتا ہے اس پر دین غالب آجاتا ہے، اس حدیث میں عام لوگوں کے لئے مسئلہ تھا، اور یہ بات خواص کے لئے ہے۔

[٦-] بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ يَقُوْمُ حَتّٰى تَفَطَّرَ قَدَمَاهُ، وَالْفُطُوْرُ: الشُّقُوْقُ، اِنْفَطَرَتْ: انْشَقَّتْ.

[١١٣٠-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، عَنْ زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْمُغِيْرَةَ يَقُوْلُ: إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَيَقُوْمُ أَوْ: لَيُصَلِّيْ حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ أَوْ: سَاقَاهُ، فَيُقَالُ لَهُ، فَيَقُوْلُ: "أَفَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا؟" [انظر: ٤٨٣٦، ٦٤٧١]

لغات: وَرِمَ يَرِمُ وَرَمًا، وَتَوَرَّمَ الجلدُ: سوجنا، الوَرَم: سوجن، جمع: أَوْرَام ...... تَفَطَّرَ (تفعّل) پھٹنا، پہلے پیر سوجتے

ہیں پھر پھٹتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فطور کے معنی ہیں: پھٹنا، قرآن کریم میں ہے: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ ای انشقت: یاد کرو جب آسمان پھٹ جائے گا۔

حدیث: حضور اقدس ﷺ تہجد بہت طویل پڑھتے تھے، اتنے طویل کہ ہمارے لئے ان کا تصور مشکل ہے، ایک رکعت میں پوری سورۂ بقرہ پڑھتے تھے، دوسری میں سورۂ آل عمران۔ اور زندگی کے آخری سال کے علاوہ ہمیشہ کھڑے ہوکر تہجد پڑھتے تھے، اور نماز کی درازی کی وجہ سے پیروں پر یا فرمایا: پنڈلیوں پر ورم آجاتا تھا، عرض کیا جاتا: یارسول اللہ! آپ نماز میں اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں، آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے ہیں؟ آپ جواب دیتے: پس کیا میں شکر گذار بندہ نہ ہوں! یعنی مجھے یہ امتیاز اور یہ عظمت عبادت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے پس کیا میں اس میں اضافہ نہ کروں؟

بَابُ مَنْ نَامَ عِنْدَ السَّحَرِ

جو شخص سحری کے وقت سویا

رات کا آخری چھٹا حصہ سحری کا وقت ہے، تہجد سے فارغ ہوکر آپ کا سونے کا معمول تھا، تاکہ تھکن دور ہوجائے، طبیعت میں نشاط پیدا ہوجائے، اور فجر کی نماز بشاشت کے ساتھ پڑھی جائے۔

باب میں تین حدیثیں ہیں، پہلی حدیث میں ینام سُدُسَہ سے باب ثابت ہوگا، اور آخری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے وہ فرماتی ہیں: جب بھی نبی ﷺ میرے گھر میں ہوتے تو میں نے رات کے آخری حصہ میں یعنی سحری کے وقت میں آپ کو ہمیشہ سوتے ہوئے پایا، اور درمیانی روایت یہ ہے کہ جب مرغ بانگ دیتا تب آپ تہجد کے لئے بیدار ہوتے، مرغ پہلی بانگ آدھی رات کو دیتا ہے پھر جب رات کا آخری چھٹا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو دوسری مرتبہ بانگ دیتا ہے، اس وقت نبی ﷺ تہجد کے لئے اٹھتے تھے، پس پہلی اور تیسری روایت میں دوسری بانگ کے وقت یعنی آخری چھٹے حصہ میں سونے کا ذکر ہے اور درمیانی روایت میں اس وقت تہجد کے لئے اٹھنے کا ذکر ہے۔ یہ تینوں روایتوں کا خلاصہ ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری حدیث سے دلالۃً باب ثابت کیا ہے، اور إذا سمع الصارخ سے پہلی بانگ مراد لی ہے، یعنی جب مرغ پہلی مرتبہ آدھی رات میں بانگ دیتا اس وقت حضور ﷺ تہجد کے لئے اٹھتے، پھر رات کے آخری حصہ میں سوجاتے، حاشیہ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم

[۷-] بَابُ مَنْ نَامَ عِنْدَ السَّحَرِ

[۱۱۳۱-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، أَنَّ عَمْرَو بْنَ أَوْسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِي أَخْبَرَهُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهُ: "أَحَبُّ الصَّلَاةِ

إِلَى اللهِ صَلاَةُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللهِ صِيَامُ دَاوُدَ، وَكَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَيَقُوْمُ ثُلُثَهُ، وَيَنَامُ سُدُسَهُ، وَيَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا"[انظر: ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۹۷۴، ۱۹۷۵، ۱۹۷۶، ۱۹۷۷، ۱۹۷۸، ۱۹۷۹، ۱۹۸۰، ۳۴۱۸، ۳۴۱۹، ۳۴۲۰، ۵۰۵۲، ۵۰۵۴، ۵۱۹۹، ۶۱۳۴، ۶۲۷۷]

ترجمہ: حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ کو سب سے زیادہ پسند داؤد علیہ السلام کی نماز اور ان کے روزے ہیں، حضرت داؤد علیہ السلام آدھی رات سوتے تھے اور ایک تہائی رات تہجد پڑھتے تھے، پھر رات کے آخری چھٹے حصہ میں سوتے تھے (یہ جزء باب سے متعلق ہے) اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن روزہ نہیں رکھتے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں روزوں سے نفل روزے اور نماز سے تہجد کی نماز مراد ہے، حضرت داؤد علیہ السلام جس طرح نماز پڑھتے تھے اور روزے رکھتے تھے اس طرح نماز پڑھنا اور روزے رکھنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

[۱۱۳۲-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَشْعَثَ، قَالَ سَمِعْتُ أَبِيْ، قَالَ: سَمِعْتُ مَسْرُوْقًا، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ: أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَتْ: الدَّائِمُ، قُلْتُ: مَتَى كَانَ يَقُوْمُ؟ قَالَتْ: كَانَ يَقُوْمُ إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ.

حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلاَمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنِ الأَشْعَثِ، قَالَ: إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ قَامَ فَصَلَّى.

[انظر: ۶۴۶۱، ۶۴۶۲]

ترجمہ: مسروقؒ کہتے ہیں: میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: نبی ﷺ کو کونسا عمل سب سے زیادہ پسند تھا؟ انھوں نے کہا: وہ عمل جو پابندی سے کیا جائے (اس سے نوافل اعمال مراد ہیں، نبی ﷺ کو وہ عمل زیادہ پسند تھا جو پابندی سے مسلسل کیا جائے اور زیادہ عمل کی آدمی پابندی نہیں کرسکتا تھوڑے عمل کی پابندی کرسکتا ہے اس لئے رات کے اتنے ہی حصہ میں نماز میں مشغول رہنا چاہئے جس کی پابندی کرسکے) مسروق رحمہ اللہ نے دوسرا سوال کیا: نبی ﷺ تہجد کے لئے کس وقت اٹھتے تھے؟ صدیقہؓ نے فرمایا: جب مرغ بانگ دیتا تھا (یہ روایت شعبہؒ کی ہے اور ابوالاحوصؒ کی روایت میں تفصیل ہے کہ جب مرغ بانگ دیتا ہے اس وقت اٹھ کر تہجد پڑھتے تھے، اس روایت میں اشعث کے بعد روات کا تذکرہ نہیں، اس لئے اس پر نیا نمبر نہیں لگایا)

تشریح: ابھی بتایا ہے کہ مرغ پہلی بانگ آدھی رات میں دیتا ہے اور دوسری جب رات کا آخری چھٹا حصہ باقی رہ جاتا ہے، پس اگر دوسری بانگ مراد لیں تو حدیث باب سے غیر متعلق ہوجائے گی، اس لئے پہلی بانگ مراد لی جائے گی، اور باب دلالۃً ثابت ہوگا اس طرح کہ پہلی بانگ پر یعنی آدھی رات کو آپ تہجد کے لئے اٹھتے تھے پھر آخری چھٹے حصہ میں سوتے تھے،

زندگی کے آخر میں آپ کا یہی معمول تھا۔ واللہ اعلم

[۱۱۳۳-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: ذَكَرَ أَبِيْ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا أَلْفَاهُ السَّحَرُ عِنْدِيْ إِلَّا نَائِمًا، تَعْنِي النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نہیں پایا نبی ﷺ کو سحری کے وقت نے میرے پاس مگر سوتے ہوئے۔ الفاہ کی ضمیر نبی ﷺ کی طرف لوٹتی ہے یعنی جب بھی حضور ﷺ میرے گھر میں ہوتے تھے تو سحری کے وقت سونے کا معمول تھا۔

بَابُ مَنْ تَسَحَّرَ فَلَمْ يَنَمْ حَتّٰى صَلَّى الصُّبْحَ

جس نے سحری کھائی پھر فجر کی نماز تک نہیں سویا

رمضان وغیرہ میں صبح صادق سے متصل سحری کھائی جاتی ہے، اس لئے سحری کے بعد سونے کا وقت نہیں رہتا، پس اگر کوئی رات کے آخری حصہ میں نہ سوئے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں، رمضان میں ایک مرتبہ نبی ﷺ نے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ساتھ سحری کھائی پھر کچھ دیر کے بعد فجر کی نماز پڑھی، لوگوں نے پوچھا: سحری ختم کرنے میں اور نماز شروع کرنے میں کتنا فاصلہ تھا؟ انھوں نے فرمایا: پچاس آیتیں پڑھنے کے بقدر (معلوم ہوا کہ آپ سحری کے بعد سوئے نہیں تھے)

[۸-] بَابُ مَنْ تَسَحَّرَ فَلَمْ يَنَمْ حَتّٰى صَلَّى الصُّبْحَ

[۱۱۳۴-] حدثنا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ عَرُوْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا، فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّيَا، قُلْنَا لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: كَقَدْرِ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ آيَةً. [راجع: ۵۷۶]

بَابُ طُوْلِ الصَّلَاةِ فِيْ قِيَامِ اللَّيْلِ

تہجد کی نماز لمبی پڑھنا

تہجد کی نماز لمبی پڑھنی چاہئے، حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تہجد کی نماز لمبی پڑھا کرتے تھے، قیام طویل فرماتے تھے، باب کے جو الفاظ گیلری میں ہیں: طول القیام فی صلوۃ اللیل: وہ زیادہ واضح ہیں، اور تہجد میں جب قیام طویل ہوگا تو اسی اعتبار سے رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ بھی طویل ہونگے۔

فائدہ: غیر حافظ یا رمضانی حافظ طویل تہجد پڑھنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو جو سورتیں یاد ہیں ان کو بار بار پڑھیں، مثلاً: قُلْ هُوَ اللهُ بار بار پڑھے، اور رکوع وسجود میں تسبیح کی تکرار کرے، اور قومہ میں تحمید کی تکرار کرے اور جلسہ میں اللّٰھم اغفرلی کہتا رہے، نوافل میں ایک رکعت میں سورت کی تکرار مکروہ نہیں۔

[۹-] بَابُ طُوْلِ الصَّلاَةِ فِيْ قِيَامِ اللَّيْلِ

[۱۱۳۵-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَيْلَةً، فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سَوْءٍ، قُلْنَا: وَمَا هَمَمْتَ؟ قَالَ: هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ، وَأَذَرَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک رات نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، یعنی آپ کی اقتداء میں نماز شروع کی، آپ برابر کھڑے رہے یعنی آپ نے قیام لمبا کیا یہاں تک کہ میں نے بری بات کا ارادہ کیا، طلبہ نے پوچھا: آپ نے کس بات کا ارادہ کیا؟ ابن مسعودؓ نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا کہ بیٹھ جاؤں اور نبی ﷺ کو چھوڑ دوں، یعنی نماز توڑ کر بیٹھ رہنے کا ارادہ کیا (مگر پھر ہمت کر کے کھڑے رہے)

[۱۱۳۶-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ. [راجع: ۲۴۵]

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ رات میں جب تہجد کے لئے اٹھتے تھے تو اپنے منہ کو مسواک سے خوب رگڑتے تھے یعنی اہتمام سے مسواک کرتے تھے۔

تشریح: حضرت الاستاذ قدس سرہ نے فرمایا: مسواک کا اہتمام اس لئے ہوتا تھا کہ نیند کے اثرات زائل ہو جائیں، اور جب نیند بالکل زائل ہو جائے گی تو تہجد لمبے پڑھنے میں مدد ملے گی اس مناسبت سے یہ حدیث اس باب میں لائے ہیں۔

بَابٌ: كَيْفَ صَلاَةُ اللَّيْلِ؟ وَكَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ؟

تہجد کی کیفیت کیا ہو؟ اور نبی ﷺ تہجد کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟

دوسرا کیف بمعنی کم ہے، کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں بتلایا تھا کہ کیف کبھی کم کے معنی میں بھی آتا ہے اور ایک نسخہ میں کم ہی ہے، باب کی پہلی حدیث میں کیفیت کا بیان ہے اور بعد کی حدیثوں میں کمیت کا، یعنی تہجد کی مقدار کا بیان ہے کہ نبی ﷺ تہجد کی کتنی رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

[۱۰-] بَابٌ: كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ؟ وَكَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ؟

[۱۱۳۷-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ: إِنَّ رَجُلاً قَالَ: يَارسولَ اللهِ! كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ؟ قَالَ: " مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خِفْتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ" [راجع: ۴۷۲]

وضاحت: یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو پہلے گذری ہے، ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! تہجد کی نماز کس طرح پڑھی جائے؟ آپؐ نے فرمایا: دودو، دودو رکعتیں پڑھو۔

تشریح: یہ کیفیتِ صلوٰۃ کا بیان ہے: تہجد گذاروں کو ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا چاہئے، اگرچہ ایک سلام سے تہجد کی چار، چھ اور آٹھ رکعتیں پڑھنا جائز ہے، مگر بہتر دو دو کرکے پڑھنا ہے اس لئے کہ تہجد بہت طویل پڑھے جاتے ہیں، نبی ﷺ بہت لمبے تہجد پڑھتے تھے اور صحابہ کا بھی یہی معمول تھا اس لئے آپؐ نے یہ ہدایت فرمائی کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرو، اس میں سہولت ہے، پھر کچھ آرام کرکے تازہ دم ہوکر اگلا دوگانہ شروع کرو، چار رکعتیں ایک ساتھ طویل پڑھنے سے آدمی تھک جائے گا، رہی یہ بات کہ تہجد گذاروں کا ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا: مسئلہ ہے یا مصلحت؟ اس میں اختلاف ہے، تفصیل ابواب الوتر کے پہلے باب میں گذر چکی ہے۔

اور دوسری بات آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ جب تم میں سے کسی کو صبح کا اندیشہ ہو یعنی خیال ہو کہ اب صبح ہونے والی ہے تو ایک رکعت کے ذریعہ نماز کو طاق بناؤ (حدیث کے یہ الفاظ اصل ہیں اور ان کے سمجھنے میں فقہاء میں اختلاف ہوا ہے، اور ان کے علاوہ جو الفاظ مروی ہیں وہ روایت بالمعنی ہیں، تفصیل ابواب الوتر کے شروع میں گذر چکی ہے)

[۱۱۳۸-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ جَمْرَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَتْ صَلَاةُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، يَعْنِيْ بِاللَّيْلِ.

وضاحت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث میں گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے جن میں سے آٹھ تہجد کی اور تین وتر کی ہوتی تھیں۔

بعض حضرات نے ان روایتوں میں تطبیق یہ دی ہے کہ ابن عباسؓ کی حدیث میں جو تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے اس میں تین رکعتیں وتر کی اور دو رکعتیں وتر کے بعد کی نفلیں ہیں، جو آپ بیٹھ کر پڑھتے تھے یا تہجد کے شروع میں جو دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے وہ یا فجر کی دو سنتیں شامل ہیں۔

مگر صحیح بات یہ ہے کہ تطبیق دینے کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ نبی ﷺ نے بار بار تہجد پڑھا ہے اور آپ کا تہجد کم

وبیش ہوتا تھا، اور ابن عباسؓ نے اس دن کی رکعتوں کا ذکر کیا ہے، جس دن انھوں نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آپؐ کے ساتھ تہجد پڑھا تھا، اس روایت میں چھ مرتبہ رکعتین ہے، پھر آپؐ نے وتر پڑھے تھے، اس لئے تہجد کے شروع میں جو آپ ہلکی دو رکعتیں پڑھتے تھے، ان کو شامل کرنا چاہئے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اصل تہجد کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ آپؐ گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور دلیل اگلی روایت ہے۔ پس ان روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

[۱۱۳۹-] حدثنا إسحاق، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: أَخْبَرَنِي إِسْرَائِيْلُ، عَنْ أَبِي حَصِيْنٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ وَثَّابٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِاللَّيْلِ، فَقَالَتْ: سَبْعٌ، وَتِسْعٌ، وَإِحْدَى عَشْرَةَ، سِوَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

ترجمہ: مسروق رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کی رات کی نماز (تہجد) کے بارے میں پوچھا: انھوں نے فرمایا: آپؐ رات میں سات، نو اور گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے، فجر کی دوسنتوں کے علاوہ۔

تشریح: آنحضور ﷺ نے تہجد مختلف طریقوں سے پڑھا ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: آپؐ سے کم سے کم نو رکعت اور زیادہ سے زیادہ تیرہ رکعت پڑھنا مروی ہے جن میں تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں، نو میں چھ رکعتیں تہجد کی، اور تین رکعتیں وتر کی، اور تیرہ میں دس رکعتیں تہجد کی اور تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں، مگر امام ترمذیؒ کی یہ دونوں باتیں قابل غور ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث میں کم از کم سات رکعتیں تہجد پڑھنے کا ذکر ہے جس میں چار رکعتیں تہجد کی اور تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں۔

اور تہجد کی زیادہ سے زیادہ سترہ رکعتیں مروی ہیں جن میں چودہ رکعتیں تہجد کی اور تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں، ابن حزم ظاہری نے المحلّی بالآثار میں آنحضرت ﷺ کے تہجد کی سب روایتیں جمع کی ہیں، اور کل تیرہ صورتیں مروی ہیں، اور سب روایات میں اعلیٰ گیارہ رکعتوں والی روایت ہے، یعنی آٹھ رکعتیں تہجد کی اور تین رکعتیں وتر کی، اور صحت میں دوسرے درجہ پر تیرہ رکعتوں والی روایت ہے اور ابھی بتایا ہے کہ بعض حضرات نے دونوں روایتوں کو جمع کیا ہے، تیرہ رکعت والی روایت میں آٹھ رکعت تہجد کی، تین رکعت وتر کی، اور دو رکعتیں وتر کے بعد کی سنتیں ہیں، جن کو آپ بیٹھ کر پڑھتے تھے، دوسری رائے یہ ہے کہ دو رکعتیں فجر کی سنتیں ہیں، ان کو تہجد میں شامل کیا گیا ہے اس طرح تیرہ رکعتیں ہوگئیں، مگر میں نے کہا تھا کہ جمع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، گیارہ رکعتوں والی روایت عمومی احوال کے اعتبار سے ہے اور تیرہ رکعتوں والی روایت ایک خاص رات کے بارے میں ہے، اور باقی کم وبیش تعداد مختلف دنوں کی ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے اپنے دو رسالوں میں: توثیق الکلام میں اور مصابیح التراویح میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ شب معراج میں پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں، پھر تخفیف ہوئی اور پانچ رہ گئیں،

اور نماز درحقیقت ایک رکعت ہے دوسری رکعت اس کے ساتھ ملائی گئی ہے اس لئے اس کو شفعہ (جوڑا) کہتے ہیں، کیونکہ بندہ ایک رکعت کما حقہ پڑھنے پر قادر نہیں، اس لئے دوسری رکعت ملانا ضروری ہوا تاکہ پہلی رکعت میں جو کمی رہ گئی ہے اس کی دوسری رکعت سے تلافی ہوجائے۔

اور جو احکام آسانی کے لئے منسوخ ہوتے ہیں ان کا استحباب باقی رہتا ہے، اس لئے آنحضور ﷺ رات دن میں پچاس رکعتیں پڑھتے تھے، اور ان کو مختلف اوقات میں تقسیم کر رکھا تھا، اور پچاس کی تعداد میں جو کمی رہ جاتی اس کو تہجد میں پورا کرلیتے، اس لئے آپ نے کم وبیش تہجد پڑھا ہے اور چونکہ مغرب کی تین رکعتیں ہیں اس لئے پچاس کی تعداد پوری نہیں ہوگی یا انچاس ہوگی یا اکیاون۔ اس لئے پچاس کی تعداد پوری کرنے کے لئے وتر کی تین رکعتیں بڑھائی گئیں تاکہ ٹھیک پچاس کی تعداد پوری ہوجائے۔

[۱۱۴۰-] حدثنا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلاَثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ.

وضاحت: یہ حدیث بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے، وہ فرماتی ہیں: نبی ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، جن میں تین رکعتیں وتر کی اور دو رکعتیں فجر کی سنتیں ہوتی تھیں، پس تہجد کی آٹھ رکعتیں ہونگی۔

بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِاللَّيْلِ وَنَوْمِهِ، وَمَا نُسِخَ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ

نبی ﷺ کا رات میں اٹھنا اور سونا، اور تہجد کی فرضیت کا منسوخ ہونا

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راتیں دو حصوں میں تقسیم تھیں، ایک حصہ سونے کے لئے تھا اور دوسرا حصہ تہجد پڑھنے کے لئے، رات کا کتنا حصہ قیام اللیل کے لئے تھا؟ اس سلسلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۃ المزمل کی ابتدائی آیتیں لکھی ہیں، ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ قیام اللیل کے لئے رات کا آخری تہائی حصہ متعین تھا، مگر کبھی وہ بڑھ کر نصف اور کبھی اس سے زائد ہوجاتا تھا۔

دوسرا مسئلہ: شروع اسلام میں تہجد فرض تھا، بعد میں فرضیت منسوخ ہوگئی، اور ناسخ یہ ٹکڑا ہے: ﴿فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾: اور نسخ درحقیقت طویل قیام کا ہوا تھا، شروع اسلام میں طویل قیام فرض تھا، اور طویل قیام اصل قیام کے بغیر نہیں ہوسکتا، دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، اصل قیام ہوگا تبھی طویل قیام ہوگا، پھر جب طویل قیام کی فرضیت ختم ہوگئی تو اصل قیام کی فرضیت بھی منسوخ ہوگئی اور استحباب باقی رہا۔

یہ بات کتابوں میں اس طرح لکھی ہے کہ شروع اسلام میں تہجد فرض تھا بعد میں فرضیت منسوخ ہوگئی، یہ بات اگرچہ صحیح ہے مگر اس کو ثابت کرنا مشکل ہے کیونکہ سورۂ مزمل کی آخری آیت میں تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ طول قیام کے نسخ کی بات ہے اس لئے میں نے دوسرے طریقہ سے سمجھایا کہ ابتدائے اسلام میں طویل قیام فرض تھا اور طول قیام اصل قیام کے بغیر نہیں ہوسکتا اس لئے ضمناً وہ بھی فرض تھا، پھر جب طویل قیام منسوخ ہوگیا تو اس کے ضمن میں جو اصل قیام فرض تھا وہ بھی منسوخ ہوگیا، اور جو ضمناً منسوخ ہوتا ہے اس کی دلیل کی ضرورت نہیں اور طویل قیام کے نسخ کی دلیل سورۂ مزمل کی آخری آیت میں ہے۔ (۱)

سورۂ مزمل کی آیات کی تفسیر:

سورۂ مزمل یہاں سے شروع ہوئی ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ اس کا فعل ہے اِزَّمَّلَ، اس کے معنی ہیں: کپڑا اوڑھنا، کپڑے میں لپٹ جانا، نبی پاک ﷺ ایک مرتبہ غار حراء سے تشریف لا رہے تھے، اجیاد سے گذر رہے تھے کہ اچانک آپؐ نے ایک آواز سنی، آپؐ نے دائیں بائیں اور پیچھے دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا پھر سامنے اوپر سر اٹھایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا آپ کے چھ سو بازو تھے اور آپ کے وجود سے سارا افق بھرا ہوا تھا، نبی پاک ﷺ گھبرائے اور جلدی سے گھر پہنچے اور فرمایا: دَثِّرُوْنِیْ دَثِّرُوْنِیْ: مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ، چنانچہ آپؐ کو کمبل اوڑھا دیا گیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام قریب آگئے اور اتنے قریب آگئے کہ آپؐ کے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے درمیان دو کمانوں سے زیادہ فاصلہ نہ رہا ﴿فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی﴾ پھر انھوں نے وحی کی: ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ اے کملی والے ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ اٹھو اور قوم کو وارننگ دو ﴿وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ﴾ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو، ﴿وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ﴾ اور اپنے کپڑوں کو صاف

---

(۱) ابتدائے اسلام میں تہجد اس لئے فرض کیا گیا تھا کہ جتنا قرآن نازل ہوا ہے وہ سارا اللہ پاک کو سنایا جائے، سنانے کے چار درجے ہیں: ایک: بچہ سبق یاد کر کے خود کو سناتا ہے یعنی زبانی پڑھ کر دیکھتا ہے کہ سبق یاد ہوا یا نہیں؟ پھر صبح استاذ کو سناتا ہے، استاذ کو سنانے کے لئے اور پکا ہونا چاہئے چنانچہ صبح اٹھ کر پھر یاد کرتا ہے، استاذ کو سنانے کے لئے رات کا یاد کیا ہوا کافی نہیں، پھر تیسرا اللہ پاک کو سنانا ہے، نماز میں پڑھنا ہے یہ اللہ کو سنانا ہے، یہ سنانا استاذ کو سنانے سے بھی زیادہ مشکل ہے، جو سبق استاذ کو سنایا ہے وہ نماز میں پڑھنے کے لئے کافی نہیں، نماز میں پڑھنے کے لئے اور پکا یاد کرنا پڑتا ہے، تب اللہ پاک کو سنا سکتا ہے ورنہ نماز میں بھولے گا، اور چوتھا لوگوں کو سنانا ہے، فرض نماز میں یا تراویح میں پڑھنا ہے یہ اور بھی مشکل ہے۔

غرض دور اول میں تہجد اسی لئے فرض کیا گیا تھا کہ جتنا قرآن نازل ہوا ہے وہ سارا اللہ پاک کو سنایا جائے کیونکہ بڑی عمر کا حفظ پکا نہیں ہوتا، بچپن کا حفظ پکا ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ بے اختیار ہوتا ہے، جب تک استاذ کہتا ہے رٹتا ہے اور بڑا با اختیار ہوتا ہے خود فیصلہ کرتا ہے اور رٹنا چھوڑ دیتا ہے حالانکہ مطلوبہ مقدار تک رٹے بغیر قرآن پکا نہیں ہوتا، اس لئے صحابہ کو رٹوایا گیا، انہیں نماز میں اللہ کو سنانے کا حکم دیا گیا، پھر جب لوگ اس کے عادی ہوگئے تو تہجد تو باقی رہا مگر اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

کرو، ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ اور گندگی سے دور رہو یعنی بتوں کو لات مارو، چنانچہ اس وحی کے بعد نبی ﷺ نے دعوت کا کام شروع کردیا، جب دعوت کا کام شروع کیا تو کفار کی طرف سے مخالفت ہوئی، اس کے بعد سورۃ المزمل نازل ہوئی، اس کا شانِ نزول حضرت تھانوی قدس سرہ نے بیان القرآن میں یہ لکھا ہے کہ جب نبی ﷺ نے دعوت کا کام شروع کیا تو مشرکین نے جلسہ کیا اور بحث وتمحیص کے بعد طے کیا کہ ہر شخص محمد (ﷺ) کو جادوگر کہے، کیونکہ وہ بھائی کو بھائی سے الگ کردیتا ہے، باپ کو بیٹے سے جدا کردیتا ہے، لہٰذا ہر شخص محمد (ﷺ) کو جادوگر کہے، جب آپؐ کو اس کی خبر ہوئی تو بہت صدمہ ہوا اور آپؐ کپڑا اوڑھ کر لیٹ گئے، اس حال میں یہ آیتیں نازل ہوئیں: ﴿يٰأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ اے کپڑا اوڑھنے والے ﴿قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی رات ﴿نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ﴾ آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ، یعنی تقریباً آدھی رات عبادت میں گذارو اور رات کے کچھ حصہ میں آرام کرو ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ اور قرآن اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، ﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا﴾ ہم عنقریب آپؐ پر بھاری ذمہ داری ڈالنے والے ہیں، ﴿إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نشأ حبشی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں کھڑا ہونا، یعنی رات میں نیند چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑا ہونا روندنے کے اعتبار سے سخت اور بات کہنے کے اعتبار سے زیادہ سیدھا ہے یعنی اس سے نفس خوب رام ہوتا ہے اور منہ سے بات ٹھیک نکلتی ہے۔ ﴿إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا﴾ بیشک آپؐ کے لئے دن میں لمبا پیرنا ہے — پیرنا اور تیرنا مترادف ہیں — یعنی دن میں بہت مشاغل ہیں دعوت کا کام بھی کرنا ہے، ذاتی کام بھی انجام دینے ہیں، علاوہ ازیں دن کے مزاج میں انقباض ہے اور جب طبیعت میں انقباض ہوتا ہے تو آدمی سیدھی اور صاف بات نہیں کہہ سکتا اور رات کے مزاج میں انبساط ہے اور انبساط کی حالت میں سیدھی اور صاف بات کہتا ہے اس لئے دن کے بجائے رات میں تہجد فرض کیا گیا۔

تہجد میں طویل قیام کا نسخ:

پھر آخری آیت میں ارشاد پاک ہے: ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ، وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ، عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ، وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ، وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ، وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا، وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا، وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ، إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾: آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھ والوں میں سے بعض دو تہائی رات اور آدھی رات اور ایک تہائی رات کے قریب تک کھڑے رہتے ہیں، یعنی تہجد پڑھتے ہیں اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کو ہے، اللہ کو معلوم ہے کہ تم اس کو ضبط نہیں کرسکتے، پس تم جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو، اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم میں سے بعض بیمار ہونگے اور بعض تلاش معاش کے لئے ملک

میں سفر کریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، پس تم جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو، اور نماز کی پابندی رکھو، اور زکوۃ دیتے رہو، اور اللہ تعالیٰ کو عمدہ قرض دو، اور تم جو بھی نیک عمل اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس اس سے بہتر اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے، اور اللہ تعالیٰ سے گناہ معاف کراتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

تفسیر: اس آیت سے تہجد میں طویل قیام منسوخ ہوا، اور نفس تہجد باقی رہا، دو مرتبہ فاقرء وا آیا ہے جو امر ہے مگر جب طویل قیام کی فرضیت منسوخ ہوئی تو ضمناً تہجد کی فرضیت بھی منسوخ ہوگئی، صرف استحباب باقی رہا اور اس پر اجماع ہے۔

[۱۱-] بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِاللَّيْلِ وَنَوْمِهِ، وَمَا نُسِخَ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ

وَقَوْلُهُ: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا، نِصْفَهُ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿سَبْحًا طَوِيلًا﴾ [المزمل: ۱-۷]

وَقَوْلُهُ: ﴿عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ، إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [المزمل: ۲۰]

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: نَشَأَ: قَامَ، بِالْحَبَشِيَّةِ. وِطَاءً: قَالَ: مُوَاطَأَةً لِلْقُرْآنِ، أَشَدُّ مُوَافَقَةً لِسَمْعِهِ وَبَصَرِهِ وَقَلْبِهِ، لِيُوَاطِئُوا: لِيُوَافِقُوا.

[۱۱۴۱-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَا يَصُومَ مِنْهُ، وَيَصُومُ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا، وَكَانَ لَا تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ، وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ.

تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ، وَأَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، عَنْ حُمَيْدٍ. [انظر: ۱۹۷۲، ۱۹۷۳، ۳۵۶۱]

لغات:

۱-نَاشِئَةَ اللَّيْلِ: رات میں نماز کے لئے اٹھنا، ناشئة: مصدر بروزن اسم فاعل، فعل نَشَأَ: پیدا ہونا، اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: نَشَأَ حبشی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں: کھڑا ہونا یعنی رات میں بیدار ہونا اور نماز کے لئے کھڑا ہونا، مگر لغت والے اس کو نَشَأَ (عربی مادہ) کے مشتقات میں لکھتے ہیں۔

۲-وَطْأً: مجرد کا مصدر: روندنا، اور مُوَاطَأَةً مزید کا مصدر: موافق ہونا، حضرت ابن عباسؓ نے اس کے بعد للقرآن مقدر مانا ہے یعنی زبان اور دل میں میل اچھی طرح ہوتا ہے، دل و دماغ، آنکھ، کان اور زبان سب قرآن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اگر کچھ مقدر نہ مانا جائے اور وَطْأً کو لغوی معنی میں لیا جائے تو معنی ہونگے: رات کو اٹھ کر قرآن پڑھنا نفس کو بہت زیادہ روندتا ہے یعنی اس سے نفس کی اصلاح خوب ہوتی ہے۔

۳-سورۃ التوبہ (آیت ۳۷) میں ہے: ﴿لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللهُ﴾: تاکہ اللہ نے جو مہینے حرام کئے ہیں گنتی ان

کے موافق ہوجائے، یہ وَطْأ کا مزید ہے اس کے معنی موافق ہونے کے ہیں، پس وَطْأ کے معنی بھی موافق ہونے کے لئے جائیں، مگر اس کے لئے للقرآن مقدر ماننا پڑے گا، اور جو معنی بغیر تقدیر کے ٹھیک ہوجائیں وہ بہتر ہیں۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کسی مہینہ میں نفل روزے نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ ہم گمان کرتے تھے کہ آپ اس مہینہ میں کوئی روزہ نہیں رکھیں گے، اور (کبھی مسلسل) روزے رکھتے تھے، یہاں تک کہ ہم گمان کرتے تھے کہ آپ اس مہینہ میں کوئی روزہ نہیں چھوڑیں گے، اور رات میں آپ جس وقت نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہیں: دیکھ سکتے ہیں، اور رات کے جس حصہ میں آپ نبی ﷺ کو سوتے ہوئے دیکھنا چاہیں: دیکھ سکتے ہیں۔

تشریح: نفل روزوں کے سلسلہ میں اور تہجد کی نماز کے سلسلہ میں نبی ﷺ کا کوئی خاص معمول نہیں تھا، کبھی آپ مسلسل نفل روزے رکھتے تھے، اور کبھی بہت دنوں تک نہیں رکھتے تھے، اسی طرح رات کے ہر حصہ میں آپ نے تہجد پڑھا ہے، جب بھی آنکھ کھل جاتی آپ نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے، کبھی ایک رات میں کئی کئی مرتبہ بھی تہجد پڑھا ہے، پس یہ حدیث باب کے پہلے جزء سے متعلق ہے۔

بَابُ عَقْدِ الشَّيْطَانِ عَلَى قَافِيَةِ الرَّأْسِ إِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ

رات میں نماز نہ پڑھے تو شیطان سر کے پچھلے حصہ میں گرہ لگاتا ہے

جو شخص رات بھر سوتا رہتا ہے، تہجد کے لئے نہیں اٹھتا تو شیطان سونے والے کی گدی پر تین گرہیں لگاتا ہے اور اس پر یہ منتر پڑھتا ہے: سوتا رہ ابھی رات بہت باقی ہے! پھر اگر بندہ بیدار ہوتے ہی اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور طہارت حاصل کرتا ہے یعنی وضو یا غسل کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے، اور آدمی چست ہوجاتا ہے اور اگر یہ کام نہ کرے تو وہ گرہیں لگی رہتی ہیں اور آدمی سست اٹھتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ نشاط اور کسل جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہے، ہر شخص تجربہ کرکے دیکھ سکتا ہے اگر آدمی پہلے طریقہ پر اٹھے گا تو نماز فجر میں خوب جی لگے گا اور نماز کے بعد عبادت کرنے کا یعنی تلاوت اور مطالعہ وغیرہ کرنے کا شوق پیدا ہوگا اور دوسرے طریقہ پر اٹھے گا تو ہارے جی اٹھے گا، نماز میں دلجمعی نہیں ہوگی، نہ کچھ مزہ آئے گا اور نہ نماز کے بعد اچھے کاموں کی طرف طبیعت مائل ہوگی۔

اسی لئے جو لوگ تہجد کے وقت بیدار ہوتے ہیں آنحضور ﷺ نے ان کے لئے یہ مسنون کیا کہ تہجد کے شروع میں دو رکعتیں ہلکی پڑھیں تاکہ بعد میں طویل تہجد نشاط کے ساتھ پڑھا جاسکے، اور مسلمانوں کی اکثریت فجر کے وقت بیدار ہوتی ہے اس لئے ان کے لئے یہ مسنون کیا کہ فجر سے پہلے سنتیں ہلکی پڑھیں تاکہ فرض نشاط کے ساتھ پڑھا جائے، نبی ﷺ تہجد بھی ہلکی دو رکعتوں سے شروع فرماتے تھے اور فجر کی سنتیں بھی مختصر پڑھتے تھے اور آپ نے یہ دونوں عمل لوگوں کی دونوں

قسموں کے لئے مشروع کئے ہیں ورنہ آپ شیطان کے اثر سے محفوظ تھے۔

[۱۲-] بَابُ عَقْدِ الشَّيْطَانِ عَلٰى قَافِيَةِ الرَّأْسِ إِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ

[۱۱۴۲-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلٰى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ، يَضْرِبُ عِنْدَ كُلِّ عُقْدَةٍ: عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيْلٌ فَارْقُدْ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ صَلّٰى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَأَصْبَحَ نَشِيْطًا طَيِّبَ النَّفْسِ، وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيْثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ"

[انظر: ۳۲۶۹]

[۱۱۴۳-] حدثنا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عُلَيَّةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ رَجَاءٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الرُّؤْيَا، قَالَ: "أَمَّا الَّذِيْ يُثْلَغُ بِالْحَجَرِ، فَإِنَّهُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفُضُهُ، وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوْبَةِ"

لغات: عَقَدَ الحبلَ: گرہ لگانا .... القافیة: سر کا پچھلا حصہ .... عُقَد، عُقْدَة کی جمع: گرہ .... نَشِیْط: کام میں پھرتیلا اور مستعد .... طَیِّبُ النفس: اچھی طبیعت کا .... خبیث النفس: دل کا برا .... کسلان: سست .... ثَلَغ (ف) الراسَ: سر کچلنا .... رَفَضَ (ن) رَفْضًا: چھوڑ دینا۔

دوسری حدیث مختصر ہے، کتاب الجنائز میں تفصیلی حدیث (نمبر ۱۳۸۶) آرہی ہے اور یہ منامی معراج ہے، نبی ﷺ نے ایک خواب دیکھا اس میں بہت سے مناظر دکھائے گئے، اس لمبی روایت کا ایک ٹکڑا یہاں لائے ہیں، نبی ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص لیٹا ہوا ہے، اور دوسرا شخص بڑا پتھر لے کر اس کے سر پر مار رہا ہے، جس سے اس کا سر کچل جاتا ہے اور وہ پتھر لڑھک کر دور چلا جاتا ہے، وہ شخص جا کر پتھر لاتا ہے، اتنی دیر میں اس کا سر ٹھیک ہوجاتا ہے چنانچہ وہ پھر مارتا ہے، یہ عمل مسلسل ہورہا ہے، نبی ﷺ نے فرشتوں سے پوچھا، انھوں نے بتایا: وہ شخص جس کا سر کچلا جارہا ہے: اس نے قرآن لیا یعنی وہ قرآن پڑھا ہوا تھا، پھر اس نے قرآن کو چھوڑ دیا اور فرض نماز سے سوتا رہا یعنی عشاء اور فجر نہیں پڑھی، پس اس کو یہ سزا دی جارہی ہے، اور آگے حدیث کے الفاظ ہیں: فرجل علّمه الله القرآن، فنام عنه بالليل، ولم يعمل فيه بالنهار، يُفعل به إلى القيامة: یہ الفاظ باب سے اقرب ہیں۔

بَابٌ: إِذَا نَامَ وَلَمْ يُصَلِّ بَالَ الشَّيْطَانُ فِيْ أُذُنِهِ

جو سوتا رہا اور فجر کی نماز نہیں پڑھی: شیطان اس کے کان میں موت دیتا ہے

ایک شخص رات بھر سوتا رہا، نہ تہجد میں اٹھا نہ فجر کی نماز پڑھی، نبی ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے

فرمایا: "شیطان نے اس کے کان میں موت دیا!"

تشریح: یہ حقیقت ہے یا مجاز؟ ایسی روایتیں جہاں بھی آتی ہیں علماء میں اختلاف ہوجاتا ہے، کوئی حقیقت قرار دیتا ہے، کہ واقعی شیطان نے پیشاب کردیا، پھر سوال ہوتا ہے کہ ہگا کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اگر ہگے گا تو نجاست مسامات میں نہیں گھسے گی، اس لئے موتتا ہے تاکہ نجاست مسامات میں گھسے، لیکن دوسری رائے یہ ہے کہ یہ تمثیل اور پیرایۂ بیان ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے کہ شریعت تمام اچھے کاموں کو اللہ کی طرف اور تمام برے کاموں کو شیطان کی طرف منسوب کرتی ہے، جیسے ارشاد پاک ہے: ﴿مَا أَصَابَكُمْ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ﴾ حالانکہ اچھا اور برا جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اور حدیثوں میں بھی یہی انداز اختیار کیا گیا ہے: اچھے کام اللہ کی طرف اور برے کام شیطان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، پس جو رات بھر سوتا رہا نہ تہجد کے لئے اٹھا نہ فجر کی نماز کے لئے اس نے بہت برا کیا، اور باب میں لم یُصَلِّ کا مطلب ہے: فجر کی نماز کے لئے نہیں اٹھا، کیونکہ تہجد کے لئے اٹھنا ضروری نہیں۔

[۱۳-] بَابٌ: إِذَا نَامَ وَلَمْ يُصَلِّ بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ

[۱۱۴۴-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم رَجُلٌ، فَقِيْلَ: مَازَالَ نَائِمًا حَتّٰى أَصْبَحَ، مَاقَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَقَالَ: "بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ" [انظر: ۳۲۷۰]

ترجمہ: ابن مسعودؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ کے سامنے ایک شخص کا تذکرہ کیا گیا کہ وہ برابر سوتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی (فجر کی) نماز کے لئے بھی کھڑا نہیں ہوا، پس آپؐ نے فرمایا: اس کے کان میں شیطان نے موت دیا! یعنی اس نے آخری درجہ کی نازیبا حرکت کی۔

بَابُ الدُّعَاءِ وَالصَّلٰوةِ فِي آخِرِ اللَّيْلِ

رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھنا اور دعا مانگنا

رات کا آخری حصہ بڑا قیمتی ہے، اس وقت نماز بھی پڑھنی چاہئے اور اللہ سے دعا بھی مانگنی چاہئے، وہ قبولیت دعا کا خاص وقت ہے، اللہ عزوجل متقیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ، وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾: وہ رات کا تھوڑا حصہ سوتے ہیں اور سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں، یہ سورۂ ذاریات کی آیات ۱۷ و ۱۸ ہیں اور ما زائدہ ہے اور یہجعون کے معنی ہیں: ینامون۔

اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ تہجد ہم خرما ہم ثواب عمل ہے، تہجد پڑھنا کارِ ثواب بھی ہے، اور وہ دعا کی قبولیت کا وقت بھی ہے، مگر اس سے وہی فائدہ اٹھائے گا جو تہجد کے لئے اٹھے گا۔

[۱٤-] بَابُ الدُّعَاءِ وَالصَّلٰوةِ فِيْ آخِرِ اللَّيْلِ

وَقَالَ: ﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ﴾: يَنَامُوْنَ. [الذاريات: ۱۷]

[۱۱٤٥-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، وَأَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا، حِيْنَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ، يَقُوْلُ: مَنْ يَدْعُوْنِيْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ؟ مَنْ يَسْأَلُنِيْ فَأُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرَ لَهُ؟" [انظر: ٦٣٢١، ٧٤٩٤]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر رات سمائے دنیا پر نزول فرماتے ہیں جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، وہ آواز دیتے ہیں: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے جس کی دعا میں قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے جس کو میں عنایت کروں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے جس کی میں بخشش کروں؟ (یہاں تک کہ صبح صادق ہوجاتی ہے)

تشریح:

۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب رات کا پہلا تہائی گذر جاتا ہے یعنی غروب شمس اور صبح صادق کے درمیان جو وقت ہے اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے، اس میں سے جب پہلا حصہ گذر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سمائے دنیا پر نزول فرماتے ہیں، یہ حدیث بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے (ترمذی حدیث ۴۵۵) اور دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایک شان دوسری شان سے غافل نہیں کرتی، اور ایک تہائی رات گذرنے پر اترنا یا ایک تہائی رات باقی رہنے پر اترنا حسی اترنا نہیں، جو تعارض ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایات بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہیں، اور عنایات کے متوجہ ہونے میں تشکیک (کمی زیادتی) ہے، ایک تہائی رات گذرنے پر اللہ تعالیٰ کی عنایات بندوں کی طرف متوجہ ہونا شروع ہوتی ہیں، مگر اس وقت کم مبذول ہوتی ہیں، پھر جب دوسرا تہائی گذر جاتا ہے اور آخری تہائی شروع ہوتا ہے تو عنایات پہلے سے زیادہ متوجہ ہوتی ہیں۔

۲- اللہ عز وجل کا سمائے دنیا پر نزول صفات متشابہات میں سے ہے، اور صفاتِ متشابہات کے بارے میں سلف کا مذہب تنزیہ مع التفویض ہے یعنی باری تعالیٰ کے لئے صفات کو ثابت مانا جائے، لیکن اس کی کیفیت کے بارے میں توقف اور سکوت کیا جائے، ان میں غور وخوض نہ کیا جائے، اور خلف کا مذہب تنزیہ مع التاویل ہے، وہ کہتے ہیں: الفاظ کا ظاہری مفہوم مراد نہیں کیونکہ وہ تشبیہ (مخلوق کے مانند ہونے) کو مستلزم ہے اور درجہ احتمال میں ان کے ایسے معانی بیان کئے جائیں

جو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہوں، اور خلف نے تنزیہ مع التاویل کی راہ اس لئے اختیار کی ہے کہ بیمار اذہان کو مطمئن کیا جاسکے اور فلسفیانہ سوچ کو قابو میں لایا جاسکے، ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں گمراہی میں مبتلا ہوجائیں گے، یہ مختصر سی تقریر ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۲: ۵۸۳-۵۸۸) میں ہے۔

مناسبت: اور حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ اللہ جل شانہ رات کے پچھلے پہر سماء دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور صدا دیتے ہیں: کوئی ہے دعا کرنے والا؟ کوئی ہے مانگنے والا؟ کوئی ہے بخشش چاہنے والا؟ پس کچھ بندے کھڑے ہوئے اور انھوں نے رات کے پچھلے پہر اللہ کو پکارا، دعائیں کیں، بخشش چاہی، پس کیا اللہ تعالیٰ ان کو خالی ہاتھ لوٹا دیں گے؟ ہرگز نہیں، یہ باب کے ساتھ مناسبت ہے۔

بَابُ مَنْ نَامَ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَحْيَا آخِرَهُ

شروع رات میں سونا اور آخر رات کو زندہ کرنا

اس باب میں اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ احیاءِ لیل کے لئے رات کے شروع حصہ میں سونا چاہئے پھر اٹھ کر عبادت کرنی چاہئے۔ حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ تھا، ایک مرتبہ حضرت سلمانؓ اپنے بھائی کے گھر گئے، عشاء کے بعد مہمان کے لئے بستر لگا کر حضرت ابوالدرداءؓ جانے لگے، حضرت سلمانؓ نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ انھوں نے کہا: نماز پڑھوں گا، حضرت سلمانؓ نے کہا: ابھی نماز نہیں پڑھنی: سوجاؤ تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھلی تو وہ نماز کے لئے جانے لگے، حضرت سلمانؓ نے کہا: ابھی سوئے رہو، پھر تیسری مرتبہ انھوں نے جانے کا ارادہ کیا، حضرت سلمانؓ نے پھر سلا دیا، پھر رات کے پچھلے پہر حضرت سلمانؓ خود اٹھے اور حضرت ابوالدرداءؓ کو بھی اٹھایا اور دونوں نے تہجد پڑھی، صبح حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے حضرت سلمانؓ سے شکایت کی، آپؐ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور فرمایا: انھوں نے ٹھیک کیا، معلوم ہوا کہ احیاءِ لیل کے لئے رات کے شروع حصہ میں سونا چاہئے، اس سے احیاءِ لیل میں مدد ملے گی۔

[۱۵-] بَابُ مَنْ نَامَ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَحْيَا آخِرَهُ

وَقَالَ سَلْمَانُ لِأَبِي الدَّرْدَاءِ: نَمْ، فَلَمَّا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ، قَالَ: قُمْ، قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "صَدَقَ سَلْمَانُ"

[۱۱۴۶-] حدثنا أَبُو الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، ح: وَحَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَ صَلَاةُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِاللَّيْلِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَنَامُ أَوَّلَهُ

وَيَقُوْمُ آخِرَهُ، فَيُصَلِّيْ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ وَثَبَ، فَإِنْ كَانَتْ بِهِ حَاجَةٌ اغْتَسَلَ، وَإِلَّا تَوَضَّأَ وَخَرَجَ.

ترجمہ: اسودؒ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: رات میں نبی ﷺ کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: آپؐ رات کے شروع حصہ میں سوجاتے تھے اور آخری حصہ میں اٹھ کر نماز پڑھتے تھے (یہ ٹکڑا باب سے متعلق ہے) پھر نماز سے فارغ ہوکر بستر پر تشریف لاتے، پس جب مؤذن اذان دیتا تو آپؐ کود کر کھڑے ہوتے، پس اگر آپؐ کو حاجت ہوتی تو غسل فرماتے، ورنہ وضو کرتے اور نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِاللَّيْلِ فِيْ رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ

رمضان اور غیر رمضان میں نبی ﷺ کا رات میں تہجد پڑھنا

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب میں دو روایتیں لائے ہیں، اور دونوں روایتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ رمضان اور غیر رمضان کا قیام: طویل قراءت اور تعداد رکعات کے اعتبار سے یکساں ہوتا تھا، آپؐ ہمیشہ لمبا تہجد پڑھتے تھے اور اکثر آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے، یہی باب کا مقصد ہے۔

[۱۶-] بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِاللَّيْلِ فِيْ رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ

[۱۱۴۷-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ: كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَاكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهِ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّيْ أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّيْ أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلَاثًا، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوْتِرَ؟ فَقَالَ: "يَا عَائِشَةُ! إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ" [انظر: ۲۰۱۳، ۳۵۶۹]

ترجمہ: ابوسلمہؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ رمضان کی راتوں میں (تہجد کی) کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟ یعنی رمضان کی وجہ سے آپؐ تہجد کی رکعتوں میں اضافہ فرماتے تھے یا نہیں؟ صدیقہؓ نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے (پہلے) چار رکعتیں پڑھتے تھے آپ ان کی عمدگی اور درازی کے بارے میں نہ پوچھیں، یعنی اتنی طویل اور اتنی شاندار پڑھتے تھے کہ الفاظ میں اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی (پھر تھوڑی دیر آرام فرماتے تھے اور سوجاتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ خراٹے سنتی تھیں) پھر چار

رکعت پڑھتے تھے اور وہ بھی نہایت شاندار اور نہایت لمبی پڑھتے تھے (پھر آرام فرماتے تھے) پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے، یعنی پورے سال گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے (یہ اکثری احوال کے اعتبار سے ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپؐ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ نبی ﷺ چار رکعتیں پڑھ کر بھی سوتے تھے اور وتروں سے پہلے بھی سوتے تھے مگر صدیقہؓ نے وہاں سوال نہیں کیا، شاید خیال کیا ہوگا کہ تہجد نفل نماز ہے، اور نوافل میں گنجائش ہے، مگر وتر فرائض کے قریب ہیں یعنی واجب ہیں، اس لئے سوال کیا کہ یارسول اللہ! آپؐ وتروں سے پہلے سو جاتے ہیں، یہاں تک کہ میں خراٹے سنتی ہوں، پھر آپؐ وضو کئے بغیر وتر پڑھتے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا، یعنی میں چوکنا سوتا ہوں اگر ناقض وضو پیش آئے گا تو مجھے اس کا احساس ہو جائے گا، اسی لئے انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں۔

تشریح:

۱- دو نمازیں بالکل ایک دوسرے سے علاحدہ ہیں، ایک: صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد کی نماز، یہ نماز سال بھر پڑھی جاتی ہے، تہجد کے معنی ہیں ترک الھُجُوْد: نیند چھوڑنا، چونکہ یہ نماز رات کے آخری حصہ میں پڑھی جاتی ہے اس لئے اس کا نام تہجد ہے۔ دوسری: قیام رمضان یعنی تراویح، یہ رمضان کی زائد نماز ہے، یہ نماز صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے باقی گیارہ مہینوں میں یہ نماز نہیں پڑھی جاتی اور حدیث صلوٰۃ اللیل سے متعلق ہے، قیام رمضان سے متعلق نہیں۔

۲- جاننا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ تو تراویح کی رکعتوں کی تعداد متعین تھی اور نہ یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی تھی، صرف اس کی ترغیب دی جاتی تھی کہ یہ ایسی نماز ہے جس سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، چنانچہ لوگ رمضان میں سونے سے پہلے از خود یہ نماز پڑھتے تھے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی طریقہ رہا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال سخت آزمائش کے تھے، مسلمان بیک وقت دو سپر پاوروں: ایران اور روم سے جنگ میں مصروف تھے، جب یہ طاقتیں ٹوٹیں اور کچھ سکون ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے آخری چھ سالوں میں ملک وملت کی تنظیم سے متعلق بہت سے اہم کام کئے ہیں ان میں سے ایک کام یہ ہے کہ باقاعدہ جماعت کے ساتھ تراویح کا نظام بنایا، شروع میں امام آٹھ رکعتیں پڑھاتا تھا اور سحری کے وقت تک پڑھاتا تھا، موطا مالک میں روایت ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے گیارہ رکعتیں (آٹھ تراویح اور تین وتر) پڑھانے کا حکم دیا، جن سے لوگ فجر سے کچھ ہی پہلے فارغ ہوتے تھے (موطا مالک ص: ۴۰) اس وقت یہ خیال تھا کہ یہ تہجد کی نماز ہے، اس وجہ سے تہجد کے وقت تک اس کو دراز کیا جاتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ بات آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے جو دو یا تین راتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی ہے وہ بیس رکعتیں پڑھائی ہیں، اور آنحضرت ﷺ تنہا بھی سونے سے پہلے بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بیہقی ۲: ۴۹۶ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے التلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعیؒ الکبیر (۱: ۱۱۹) میں یہ روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دن جماعت سے جو نماز پڑھائی تھی وہ بیس رکعتیں پڑھائی تھیں۔ حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس روایت کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے (فتاوی رحیمیہ ۱: ۲۹۰ قدیم)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نظام بدل دیا اور دونوں اماموں: حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ بیس رکعتیں پڑھائیں اور مختصر پڑھائیں، اور لوگوں کو سونے کا موقع دیں، پھر آخری پہر لوگ خود اٹھ کر تہجد پڑھیں، آگے حدیث (نمبر ۲۰۱۰) آرہی ہے کہ اس نئے نظام کے شروع ہونے کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے، لوگوں کو ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا تو خوش ہوئے اور فرمایا: نِعْمَ البدعةُ هذه: یہ نئی بات بہت اچھی ہے! یعنی جو لوگ اس نماز کو بدعت کہتے ہیں وہ صحیح نہیں، یہ مستحب نماز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کو لوگوں کے خیال کے اعتبار سے بدعت (نئی بات) کہا ہے اور نِعم سے بدعت ہونے کی تردید کی ہے۔

جب تراویح کا باقاعدہ نظام بنا تھا تو لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں کہ یہ کیا نئی چیز شروع ہوئی! جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی پختہ بنائی تو بعض لوگوں نے کہا: یہ کسریٰ کا محل تیار ہوگیا! تراویح کے سلسلہ میں بھی ایسی باتیں ہوئی ہونگی، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خیال کی تردید کی کہ اگر یہ نئی چیز ہے تو بہت اچھی چیز ہے، کیونکہ اس کی اصل موجود ہے، اور وہ آپ کا دو دن یا تین دن باجماعت تراویح پڑھانا ہے۔

غرض: حضرت عمرؓ نے لفظ بدعت لغوی معنی میں استعمال کیا ہے اور بالفرض کلام کیا ہے، لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت: بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے اور بدعت سیئہ بھی، اور اصطلاحی معنی کے اعتبار سے صرف بدعت سیئہ ہوتی ہے، حسنہ نہیں ہوتی۔

پھر آپؓ نے دوسری بات فرمائی: والتی ینامون عنها أفضلُ من التی یقومون: جس نماز سے لوگ سوتے رہتے ہیں وہ اس نماز سے افضل ہے، جس کو وہ پڑھتے ہیں یعنی رمضان میں تراویح سے افضل تہجد ہے، لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ جس طرح تراویح اہتمام کے ساتھ پڑھتے ہیں تہجد کی نماز بھی پڑھیں، اس ارشاد سے یہ بات صاف ہوگئی کہ تراویح تہجد کی نماز نہیں ہے، بلکہ یہ دو الگ الگ نمازیں ہیں ایک کا وقت سونے سے پہلے ہے اور دوسری کا سونے کے بعد، ایک کی بیس رکعتیں ہیں اور دوسری کی آٹھ، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے آج تک امت شرقاً غرباً تراویح جماعت کے ساتھ بیس رکعتیں پڑھتی چلی آرہی ہے، صرف غیر مقلدین اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: تراویح کی بھی آٹھ رکعتیں ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو جو بیہقی اور مصنف ابن ابی شیبہ (حدیث ۷۷۷۴ طبع محمد عوامہ) میں ہے اس کو ضعیف کہتے ہیں، مگر غیر مقلدین کا یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث قیام رمضان (تراویح) سے متعلق نہیں، بلکہ قیام لیل (تہجد) سے متعلق ہے، رسول اللہ

ﷺ یہ نماز سال بھر پڑھتے تھے اور کمیت وکیفیت کے اعتبار سے یکساں پڑھتے تھے، یعنی تعداد رکعات اور طویل قیام پورے سال یکساں ہوتا تھا اور تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں: بیس رکعت تراویح پر چاروں ائمہ، تمام صحابہ، تابعین اور تمام علماء کا اجماع ہے اگر بالفرض حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کو تراویح سے متعلق کیا جائے تو غیر مقلدین سے عرض ہے کہ آنحضور ﷺ اس نماز کو سال بھر پڑھتے تھے آپ بھی سال بھر پڑھیں، تو ہم جانیں کہ آپ 'اہل حدیث' ہیں، یہ کیا کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ، کڑوا کڑوا تھوتھو! اور اگر وہ کہیں کہ نبی ﷺ نے رمضان میں صرف تین دن یا دو دن جماعت سے نماز پڑھی ہے اس لئے ہم رمضان ہی میں پڑھتے ہیں تو سنیں: اگر اس حدیث پر عمل کرنا ہے تو تراویح جماعت کے ساتھ صرف رمضان کے آخر میں دو دن یا تین دن پڑھیں، تاکہ مسجدوں سے فتنہ ختم ہو۔

۳- جاننا چاہئے کہ اہل حق کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہوتا، اور حق و باطل کے درمیان ازل سے ابد تک جھگڑا ہے، چار ائمہ کے ماننے والے ایک جگہ نماز پڑھتے ہیں کوئی رفع یدین کرتا ہے کوئی نہیں کرتا، کوئی زور سے آمین کہتا ہے کوئی آہستہ، کوئی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہے کوئی نہیں پڑھتا مگر ان کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں، اور غیر مقلدین سب کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں، احناف کے ساتھ بھی، شوافع کے ساتھ بھی، مالکیہ کے ساتھ بھی اور حنابلہ کے ساتھ بھی، یہ دلیل ہے کہ ایک حق پر ہے، اور دوسرا باطل پر، دونوں حق پر نہیں، اور اگر کوئی کہے کہ تاریخ میں احناف اور شوافع کے درمیان جھگڑا رہا ہے؟ تو جاننا چاہئے کہ وہ جھگڑا کرسی کا تھا، قاضی اور شیخ الاسلام بننے کا تھا، اب جب اسلامی حکومتیں ختم ہوگئیں اور عہدے ختم ہوگئے تو جھگڑے بھی ختم ہوگئے۔

۴- تراویح کی بیس رکعتوں پر امت کا اجماع ہے اور اجماع دلیل قطعی ہے، پھر کسی ظنی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی، صرف غیر مقلدین اختلاف کرتے ہیں، مگر گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع پر اثر انداز نہیں ہوتا، اگر گمراہ فرقوں کے اختلاف کا اعتبار کیا جائے گا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اجماعی نہیں رہے گی، کیونکہ اس میں شیعہ اختلاف کرتے ہیں۔

ہاں اجماع کے لئے مستند چاہئے، وہ ہے: حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری (۲:۴۲۰) میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے امام اعظم رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تراویح کی بیس رکعتوں کے لئے آنحضرت ﷺ کی جانب سے کوئی عہد (علم) تھا؟ امام صاحبؒ نے فرمایا: حضرت عمرؓ اپنی طرف سے نئی بات گھڑنے والے نہیں تھے، یقیناً ان کے پاس اس کا مستند تھا، چنانچہ میں نے ابھی بتایا ہے کہ حافظ رحمہ اللہ نے **التلخیص الحبیر** میں یہ روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دن جماعت کے ساتھ جو نماز پڑھائی تھی وہ بیس رکعتیں پڑھائی تھیں، حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے (فتاوی رحیمیہ) اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ابھی بیان کی ہے کہ نبی ﷺ ماہ رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے، یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے مگر تعامل سے مؤید

ہے، بلکہ تعامل کی صورت میں سرے سے روایت کی ضرورت نہیں رہتی، مثلاً کلمہ طیبہ لا إلہ إلا اللہ، محمد رسول اللہ کسی روایت سے ثابت نہیں، اگرچہ اس کے دونوں اجزاء قرآنِ کریم میں متفرق جگہ ہیں، مگر دونوں کا مجموعہ کلمہ طیبہ ہے یہ بات کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں، مگر چونکہ پوری امت کا اس پر تعامل ہے، اور اجماع قوی دلیل ہے اس لئے سند کی مطلق حاجت نہیں (۱)

۵- اور غیر مقلدین اس بات کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ وہ 'اہل حدیث' ہیں، وہ قرآن کے بعد صرف حدیثوں کو حجت مانتے ہیں، اور حدیث اور سنت میں فرق بھی نہیں کرتے، پھر اس سے نیچے اجماع امت کو بلکہ اجماع صحابہ کو بھی حجت نہیں مانتے نہ آثار صحابہ (صحابہ کے انفرادی فتاوی) کو حجت مانتے ہیں حتی کہ خلفائے راشدین کی باتوں کو بھی اور ان کے زمانہ میں جو باتیں صحابہ کے اجماع سے طے ہوئی ہیں ان کو بھی حجت نہیں مانتے، اس لئے وہ گمراہ فرقہ ہے اور کسی بھی گمراہ فرقہ کا اختلاف اجماع پر اثر انداز نہیں ہوتا، ورنہ شیعہ بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اختلاف کرتے ہیں، پس کیا ان کی خلافت بھی اختلافی ہو جائے گی؟ توبہ! اس لئے غیر مقلدین کی اس بات سے واقف رہنا ضروری ہے اور وہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث پیش کرتے ہیں تو جاننا چاہئے کہ اس کا تراویح کے مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں۔ اور یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہے کہ وہ روایت تہجد سے متعلق ہے، تراویح سے متعلق نہیں، مگر چونکہ غیر مقلدین کا خلفائے راشدین سے اختلاف ہے، اس لئے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی مرفوع روایت پیش کریں اور کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے سامنے کسی کی بات حجت نہیں، اس لئے انھوں نے کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا ملا کر کنبہ جوڑا ہے۔

۶- اور ایک خاص بات آپ حضرات کے علم میں یہ رہنی چاہئے کہ جب بھی رمضان آتا ہے: غیر مقلدین ایک بڑا پوسٹر شائع کرتے ہیں، اس میں فقہاء اور محدثین کی عبارتیں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اصح ہے، اس طرح وہ عوام کو باور کراتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح صحیح نہیں، فقہاء اور محدثین کی تصریحات کے خلاف ہے۔

پس جاننا چاہئے کہ ائمہ کے متبعین پر ائمہ ہی کا قول حجت ہوتا ہے، بعد کے حضرات کی تحقیقات ان کی انفرادی رائیں ہیں، وہ مذہب کا جزء نہیں، بعد کے حضرات کی وہی رائیں قابل قبول ہوتی ہیں جو مذہب میں لے لی جاتی ہیں، یعنی ان پر فتوی دیا جاتا ہے، لیکن اگر اہل مذہب اس کو قبول نہ کریں تو وہ صرف ایک انفرادی تحقیق ہوتی ہے، جیسے علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے چودہ مسائل میں اپنی الگ تحقیق پیش کی ہے، مگر ان کے شاگرد علامہ قاسم بن قطلوبغا نے ان کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ

(۱) مسئلہ باب میں ابن عباسؓ کی تنہا روایت ہے اس کے معارض کوئی روایت نہیں، اور حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث تہجد سے متعلق ہے، تراویح سے متعلق نہیں، پس حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کو لینا ضروری ہے، اصح مافی الباب کا قاعدہ یہاں جاری نہیں ہوگا۔

یہ استاذ کی انفرادی رائیں ہیں، ان کو مذہب میں نہیں لیا جائے گا، پس علامہ عینی ہوں یا حافظ ابن حجر یا کوئی اور: اگر ان حضرات نے اپنی کوئی ایسی تحقیق پیش کی ہے تو وہ ان کی اپنی تحقیق ہے، مذاہب اربعہ وہ ہیں جو ائمہ اربعہ سے منقول ہیں، اور چاروں ائمہ متفق ہیں کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، اور تراویح کی حدیث الگ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باب کی حدیث تہجد سے متعلق ہے، تراویح سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔

۷- حدیث میں دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں، چونکہ انبیاء کا دل نہیں سوتا یعنی وہ چوکنا سوتے ہیں اس لئے اگر کوئی ناقض وضو بات پیش آئے گی تو ان کو پتہ چل جائے گا، اس لئے انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں، اور امت بھی اگر چوکنا سوئے تو اس کا وضو بھی نہیں ٹوٹتا، اور چوکنا سونا کیا ہے؟ اس کی ظاہری علامت یہ طے کی گئی ہے کہ کھڑے سونا یا رکوع، سجدہ اور قعدہ کی حالت میں سونا یا مقعد زمین پر جما کر سونا چوکنا سونا ہے، اس طرح سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اور ٹیک لگا کر سونا، یا لیٹ کر یا کروٹ پر سونا غفلت والا سونا ہے، یہ نیند ناقض وضو ہے، تفصیل کتاب الوضوء (باب ۵۳ تحفۃ القاری ۱:۵۴۵) میں گذر چکی ہے۔

سوال: جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رک گئے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں تہجد پڑھا تھا تو انھوں نے بھی آپؐ سے یہ سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! آپؐ نماز میں سو گئے تھے؟ پس آپؐ نے جواب دیا: نماز میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، کروٹ پر لیٹ کر سونے سے وضو ٹوٹتا ہے کیونکہ اس صورت میں بدن کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، اور جب حضرت عائشہؓ نے یہی سوال کیا تو آپؐ نے دوسرا جواب دیا کہ میری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا پس یہ ایک طرح کا تعارض ہے۔

جواب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی سوال کے جو دو مختلف جواب دیئے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک کو وہ بات بتائی جو اس کے لائق تھی اور موقع کے مناسب تھی، ابن عباسؓ کی روایت میں واقعہ سجدہ میں سونے کا تھا اس لئے آپؐ نے مسئلہ بتایا کہ اس حالت میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، لیٹ کر سونے سے وضو ٹوٹتا ہے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں لیٹ کر سونے کا واقعہ تھا اس لئے ان کو یہ مسئلہ بتایا کہ انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں کیونکہ وہ غافل نہیں سوتے ان کی صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا، جیسے ہم لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں اور نیند نہ آئے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اس حالت میں اگر کوئی ناقض وضو پیش آئے گا تو اس کا ہمیں احساس ہو جائے گا، اسی طرح انبیاء کو سونے کی حالت میں بھی احساس ہوتا ہے اس لئے ان کا لیٹ کر سونا بھی ناقض وضو نہیں۔

[۱۱۴۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاةِ اللَّيْلِ جَالِسًا، حَتَّى إِذَا كَبِرَ قَرَأَ جَالِسًا، فَإِذَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنَ السُّورَةِ ثَلَاثُونَ آيَةً أَوْ أَرْبَعُونَ آيَةً قَامَ فَقَرَأَهُنَّ، ثُمَّ رَكَعَ. [راجع: ۱۱۱۸]

وضاحت: یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے، نبی ﷺ تہجد ہمیشہ کھڑے ہوکر پڑھتے تھے، البتہ حیات طیبہ کے آخری سال میں بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے آپؐ نے بیٹھ کر تہجد پڑھا ہے، آپؐ بیٹھ کر قراءت فرماتے تھے، جب تیس چالیس آیتیں رہ جاتیں تو کھڑے ہوکر پڑھتے پھر رکوع سجدے کرتے اور دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھتے، یعنی طویل قراءت، تعداد رکعات اور حسن صلوٰۃ آخر تک یکساں رہتا، اور آخری سال میں کمزوری کی وجہ سے کھڑے ہونے میں دشواری ہوئی تو آپؐ بیٹھ کر قراءت فرماتے، لیکن قراءت کی مقدار اور رکعات کی تعداد نہیں گھٹائی .... حَنِیَ کَبِرَ: باب سمع سے ہے: بوڑھا ہونا، اور باب کرم سے کَبُرَ کے معنی ہیں: بڑے مرتبہ والا ہونا، آنحضور ﷺ ہمیشہ سے بڑے مرتبہ والے تھے، اس لئے یہ فعل باب سمع سے ہے۔

بَابُ فَضْلِ الطُّهُوْرِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَفَضْلِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْوُضُوْءِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

شب وروز میں پاکی کی اہمیت اور شب وروز میں وضو کے بعد نماز کی اہمیت

یہ لمبا باب ہے، اور اس پر نسخے بنا رکھے ہیں، کسی نسخہ میں کچھ ہے اور کسی میں کچھ، ہم کتاب میں جو الفاظ ہیں ان کو لے کر چلتے ہیں، اس باب میں وضوء اور تحیۃ الوضوء کی اہمیت کا بیان ہے، چوبیس گھنٹے باوضوء رہنا چاہئے، اور جب بھی آپ وضو کریں تحیۃ الوضوء کی دو رکعتیں ضرور پڑھیں، اس کی بڑی فضیلت ہے۔

سوال: اگر مکروہ وقت ہو؟ جواب: مکروہ وقت احناف کے یہاں ہوتا ہے، محدثین کے نزدیک کوئی مکروہ وقت نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سبب والی نفل نماز ہر وقت پڑھ سکتے ہیں اور تحیۃ الوضوء سبب والی نماز ہے پس اس کو ہر وقت پڑھ سکتے ہیں، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے مطلق فرمایا کہ چوبیس گھنٹے میں جب بھی آپ وضو کریں خواہ نیا وضو کریں یا وضو پر وضو کریں: تحیۃ الوضوء پڑھنی چاہئے اس کا بڑا ثواب ہے، یہ مؤمن کا ہتھیار ہے، شیطان کے شہوانی حملوں سے باوضوء رہنا بچاتا ہے، آدمی برے خیالات نہیں پکاتا۔

[۱۷-] بَابُ فَضْلِ الطُّهُوْرِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَفَضْلِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْوُضُوْءِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

[۱۱۴۹-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ أَبِيْ حَيَّانَ، عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ: " يَابِلَالُ! حَدِّثْنِيْ بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الإِسْلَامِ، فَإِنِّيْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ" قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلاً أَرْجَى عِنْدِيْ أَنِّيْ لَمْ أَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِيْ سَاعَةِ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ، إِلَّا صَلَّيْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا كُتِبَ لِيْ أَنْ أُصَلِّيَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے

پوچھا: مجھ سے اپنا وہ عمل بیان کرو جو اسلام میں تم نے کیا ہے اور جس پر تمہیں ثواب کی سب سے زیادہ امید ہے؟ کیونکہ میں نے جنت میں تمہارے چپلوں کی چاپ اپنے آگے سنی ہے! حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے سب سے زیادہ ثواب کی امید اپنے اس عمل سے ہے کہ میں نے رات یا دن میں جب بھی وضو کیا تو حسب توفیق نماز ضرور پڑھی ہے۔

تشریح: اس خواب کو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ اس طرح بیان کرتے ہیں: آپؐ نے پوچھا: تم کونسے عمل کی وجہ سے جنت میں مجھ سے پہلے پہنچ گئے؟ میں جب بھی جنت میں گیا تو تمہارے قدموں کی چاپ آگے سنائی دی! حضرت بلالؓ نے اپنے دو عمل بیان کئے، ایک: یہ کہ وہ جب بھی اذان دیتے ہیں تو اس کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہیں، دوسرا: یہ کہ وہ ہمیشہ باوضو رہتے ہیں، اور ہر وضو کے بعد دو رکعتیں ضرور پڑھتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: انہی دو عملوں کی وجہ سے! (تم اس درجہ کو پہنچے ہو)

اور پہلے یہ بتایا ہے کہ بڑی معراج کے علاوہ پانچ منامی معراجیں بھی ہوئی ہیں، ان میں سے کسی ایک معراج کا یہ واقعہ ہے، آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے آگے چلتے ہوئے دیکھا، ہر آدمی کا چلنے کا ایک انداز ہوتا ہے جس سے وہ پہچان لیا جاتا ہے، اور اس تقدم سے آپؐ نے رسوخ فی الدین کی تعبیر لی، پس اس سے وضو کی اہمیت نکلی اور تحیۃ الوضو کی بھی۔

سوال: ایک امتی نبی سے پہلے جنت میں کیسے پہنچ گیا؟ اور وہ نبی کے آگے کیسے چل رہا ہے؟

جواب: یہ امتی کا نبی سے آگے ہونا نہیں ہے، بلکہ خادم کا مخدوم سے آگے ہونا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ خادم تھے، اور دنیا میں بھی کبھی آپؐ کے آگے چلتے تھے، وہی خواب میں نظر آیا، خواب میں علوم مخزونہ پیکر محسوس اختیار کرتے ہیں، پس یہ امتی کا نبی سے آگے ہونا نہیں ہے، بلکہ خادم کا مخدوم سے آگے ہونا ہے، اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں۔

اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کی ایک دقیق وجہ بھی بیان فرمائی ہے، اور بخاری کے شروع میں جو شاہ صاحب کے تراجم لگے ہوئے ہیں اس میں بھی اس پر بحث ہے، اور تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۴۹۸:۳) میں ہے۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّشْدِيْدِ فِي الْعِبَادَةِ

عبادت میں سختی ناپسندیدہ عمل ہے

عبادت میں تکثیر مطلوب ہے، مگر بقدر طاقت ہی تکثیر ہونی چاہئے، اس میں تعمق، تشدد اور غلو نہیں ہونا چاہئے۔ اور عوام کے لئے تو تشدد اور تعمق واجب الترک ہے، جاننا چاہئے کہ تشدد مقولۂ کیف سے ہے اور تکثیر مقولہ کم سے، عبادت زیادہ کرنا یہ مقدار کا مسئلہ ہے اور عبادت میں غلو کرنا کیفیت سے تعلق رکھتا ہے، اور عینی رحمہ اللہ نے تشدد کے معنی لکھے ہیں: **تحمُّلُ المشقةِ الزائدة في العبادة**: عبادت میں طاقت سے زیادہ مشقت اٹھانا یہی تشدد اور تعمق ہے[1] .... اور باب کی

(۱) تشدد اور تشدید ایک ہیں، اردو میں اول اور عربی میں ثانی مستعمل ہیں، جیسے تقدیر اور قدر ایک ہیں، اردو میں اول اور عربی میں ثانی مستعمل ہیں ۱۲

حدیثوں میں اس کی دو مثالیں آئی ہیں:

پہلی مثال: نبی ﷺ گھر میں تشریف لائے، آپؐ نے دیکھا: دوستونوں کے درمیان ایک رسّی لٹک رہی ہے، آپؐ نے پوچھا: یہاں رسّی کیسی؟ عرض کیا گیا: حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ رسّی باندھی ہے، رات کو جب وہ تہجد پڑھتی ہیں اور طبیعت میں سستی پیدا ہوتی ہے تو وہ رسّی پکڑ کر لٹک جاتی ہیں پس سستی دور ہو جاتی ہے۔ یہی تشدد اور تعمق ہے، نبی ﷺ نے وہ رسّی کھلوادی اور فرمایا: ''چاہئے کہ تم میں سے ایک نماز پڑھے اپنے نشاط تک پس جب طبیعت میں سستی پیدا ہو جائے تو نماز پڑھنا بند کر دے''

دوسری مثال: ایک خاتون حضرت حولاء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی تھیں کہ نبی ﷺ گھر میں تشریف لائے، آپؐ نے پوچھا: گھر میں کون خاتون ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے بتلایا: فلاں ہیں، یہ رات بھر نماز پڑھتی ہیں، ان کی نماز کا بڑا چرچا ہے، آپؐ نے فرمایا: ''رہنے دو! تم انہی اعمال کو لازم پکڑو جن کو تم نباہ سکو، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اس وقت تک ملول نہیں ہوتے جب تک تم ملول نہ ہو جاؤ'' بندے کا ملول (رنجیدہ) ہونا یہ ہے کہ وہ تھک ہار کر بیٹھ رہے، عمل چھوڑ دے، اور اللہ کا ملول ہونا مشاکلۃً ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب موقوف کر دیتے ہیں۔

اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ اتنے ہی اعمال کو وظیفہ بنانا چاہئے جن کو نباہ سکے، پابندی کر سکے، عبادت میں غلو، تعمق اور تشدد جوانی میں تو نبھ جاتا ہے مگر بڑھاپے میں اس کو نبھانا بہت مشکل ہو جاتا ہے، پس لوگوں کو عبادت میں بے اعتدالی سے بچنا چاہئے اور عبادت میں میانہ روی اختیار کرنی چاہئے (اس حدیث کی مزید شرح تحفۃ القاری ۱: ۲۶۹ میں ہے)

[۱۸-] بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّشْدِيْدِ فِي الْعِبَادَةِ

[۱۱۵۰-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَإِذَا حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ، فَقَالَ: " مَا هٰذَا الْحَبْلُ؟" قَالُوْا: هٰذَا حَبْلٌ لِزَيْنَبَ، فَإِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ، فَقَالَ: النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " لاَ، حُلُّوْهُ، لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ"

[۱۱۵۱-] وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَتْ عِنْدِيْ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِيْ أَسَدٍ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " مَنْ هٰذِهِ" قُلْتُ: فُلاَنَةُ، لاَ تَنَامُ بِاللَّيْلِ، فَذُكِرَ مِنْ صَلاَتِهَا، فَقَالَ: " مَهْ، عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيْقُوْنَ مِنَ الأَعْمَالِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لاَ يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا" [راجع: ۴۳]

قولہ: فذُكِرَ من صلاتها: ان کی نماز کا چرچا ہے کہ وہ رات بھر نماز پڑھتی ہیں .... قولہ: حُلُّوہ: رسّی کھول دو۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ تَرْكِ قِيَامِ اللَّيْلِ لِمَنْ كَانَ يَقُوْمُهُ

جو شخص تہجد پڑھتا تھا اس کا تہجد چھوڑ دینا ناپسندیدہ عمل ہے

کسی محبوب چیز کو اختیار کر کے اس کو چھوڑ دینا عملاً اس کی محبوبیت کا انکار ہے اور اس کا امر منکر اور امر مذموم ہونا ظاہر ہے، اور اس کی نوبت اس وقت آتی ہے جب آدمی عبادت میں تعمق اور تشدد اختیار کرے، اگر طاقت کے بقدر اعمال کرے گا تو اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ پس نوافل اعمال کو وظیفہ بنانے سے پہلے سوچنا چاہئے کہ اس کو نباہ سکے گا یا نہیں؟ اگر نباہ سکے تو ٹھیک ہے، ورنہ ویسے ہی ذکر واذکار کرتا رہے، رات میں آنکھ کھل جائے تو نفلیں پڑھ لے وظیفہ نہ بنائے، جب کسی عمل کو وظیفہ بنالیا تو اب اس کو فرض کی طرح نبھانا ہے، اگر اس کو چھوڑ دے گا تو ضرر پہنچے گا، مثلاً سالکین کو ذکر جہری اس وقت شروع کرنا چاہئے جب وہ اس کی پابندی کر سکیں، پابندی نہیں کریں گے تو سنن مؤکدہ تک پڑھنے کو جی نہیں چاہے گا، یہی پابندی نہ کرنے کا ضرر ہے، پس دونوں بابوں میں ربط یہ ہے کہ بے اعتدالی سے عبادت مت کرو ورنہ نباہ نہ سکو گے۔

[۱۹-] بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ تَرْكِ قِيَامِ اللَّيْلِ لِمَنْ كَانَ يَقُوْمُهُ

[۱۱۵۲-] حدثنا عَبَّاسُ بْنُ الْحُسَيْنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، ح: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه سلم: " يَا عَبْدَ اللهِ! لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ، كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ"

وَقَالَ هِشَامٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الْعِشْرِيْنَ، قَالَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ بْنِ ثَوْبَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُوْ سَلَمَةَ بِهٰذَا مِثْلَهُ، وَتَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ. [راجع: ۱۱۳۱]

حدیث: نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ سے فرمایا: ''عبداللہ! فلاں جیسے نہ ہو جاؤ، وہ رات میں (تہجد کے لئے) اٹھتا تھا، پھر اس نے رات میں اٹھنا چھوڑ دیا!''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تہجد فرض نہیں، ورنہ آپ اس شخص پر سخت نکیر کرتے، نیز باب بھی ثابت ہوا کہ نوافل اعمال پر مداومت ضروری ہے، ورنہ وہ عبادت کرھی سا ابال ہو کر رہ جائے گی، حضرت عبداللہ بن عمروؓ بڑے عابد تھے، ہر دن روزہ رکھتے تھے اور پوری رات نفلیں پڑھتے تھے، نبی ﷺ نے ان کو نصیحت کی کہ اعتدال قائم کرو، اگر نوافل اعمال میں تعمق اور تشدد سے کام لوگے تو تمہارا حال فلاں جیسا ہو جائے گا جو تہجد کے لئے اٹھتا تھا، پھر اٹھنا چھوڑ دیا، معمول کو نباہ نہ سکا، پس تمہارا بھی کہیں یہ حال نہ ہو جائے، اس لئے اعتدال سے کام لو۔

سند کا بیان: امام اوزاعی رحمہ اللہ سے اس حدیث کو متعدد حضرات روایت کرتے ہیں، مبشر بن اسماعیل اور عبداللہ بن المبارک کی حدیث میں یحییٰ براہ راست ابوسلمہ سے تحدیث کی صراحت کے ساتھ روایت کرتے ہیں، اور ابن ابی العشرین (کاتب الاوزاعی) کی سند میں عمر بن الحکم بن ثوبان کا واسطہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ان سندوں سے یہ واضح کرنا ہے کہ یحییٰ ابوسلمہ سے براہ راست بھی روایت کرتے ہیں اور عمر بن الحکم کے واسطہ سے بھی، پس جس سند میں واسطہ ہے: وہ مزید فی متصل الاسناد ہے۔

اور ابن ابی العشرین: امام اوزاعی کے کاتب تھے، ان کی کنیت ابوسعید اور نام عبدالحمید تھا، یہ متکلم فیہ راوی ہے، اس لئے امام بخاریؒ نے تقویت کے لئے متابع پیش کیا، عمرو بن ابی سلمہ بھی عمر بن الحکم کا نام زیادہ کرتے ہیں۔

بَابٌ

عبادت میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے وظیفہ کی مقدار گھٹادی جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں

یہ باب کالفصل من الباب السابق بھی ہوسکتا ہے، پس اوپر والے باب پر حدیث سے استدلال الگ طریقہ سے کریں گے، اور چاہیں تو نیا باب بھی قائم کر سکتے ہیں۔ ایک شخص بہت زیادہ عبادت میں کرتا ہے، وہ اعتدال پیدا کرنے کے لئے اگر کچھ وظیفہ گھٹادے تو یہ مذموم نہیں، سابق باب میں یہ تھا کہ ایک شخص تہجد پڑھتا تھا پھر اس کو چھوڑ دیا، یہ مذموم ہے، لیکن اگر بارہ رکعتیں پڑھتا تھا پھر آٹھ کردیں تو یہ بھی بعض تہجد کا چھوڑنا ہے مگر یہ مذموم نہیں، حضرت رحمہ اللہ یہ باب لائے کہ اگر عبادت میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے کسی نے بعض قیام ترک کردیا تو یہ باب سابق کا مصداق نہیں، ایسا کرنا جائز ہے، نبی ﷺ نے اعتدال پیدا کرنے ہی کے لئے حضرت عبداللہ بن عمرو کا معمول کم کرایا تھا۔

[۲۰-] بَابٌ

[۱۱۵۳-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه سلم: "أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَقُومُ اللَّيْلَ وَتَصُومُ النَّهَارَ؟" قُلْتُ: إِنِّي أَفْعَلُ ذَلِكَ، قَالَ: "فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ هَجَمَتْ عَيْنُكَ، وَنَفِهَتْ نَفْسُكَ، وَإِنَّ لِنَفْسِكَ حَقًّا، وَلِأَهْلِكَ حَقًّا، فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ" [راجع: ۱۱۳۱]

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: کیا میں یہ بات نہیں بتایا گیا کہ تم رات میں نفلوں میں کھڑے رہتے ہو، اور دن میں روزے رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: بیشک میں ایسا کرتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: "اگر تم ایسا کروگے تو تمہاری آنکھیں دھنس جائیں گی اور تمہاری طبیعت سست پڑجائے گی اور بے شک تمہارے نفس کا

حق ہے، اور تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، پس روزے رکھو اور نہ بھی رکھو، اور تہجد پڑھو اور سوؤ بھی۔

تشریح: جب کوئی شخص رات بھر نفلیں پڑھے گا اور آنکھیں مل مل کر نیند اڑائے گا تو آنکھیں دھنس جائیں گی، دیکھنے میں بھی بری معلوم ہونگی اور روشنی پر بھی اثر پڑے گا، اور زیادہ دنوں تک معمول جاری نہیں رکھ سکے گا، تھک ہار کر بیٹھ رہے گا، پس اعتدال پیدا کرنا چاہئے، کیونکہ آدمی پر نفس کا بھی حق ہے، اور بیوی کا بھی، سب کے حقوق ادا کرنا عبادت میں اعتدال قائم کر کے ہی ممکن ہے۔

حدیث کا پس منظر: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اور رات بھر نفلیں پڑھتے تھے، جب ان کی شادی ہوئی تو ایک مہینہ کے بعد ان کے ابا نے بہو سے پوچھا: کیف وجدتِ عبد اللہ؟: عبداللہ سے تمہارا معاملہ کیسا رہا؟ اس نے جواب دیا: رجلٌ صالحٌ صَوّامٌ قَوّامٌ: نیک آدمی ہیں، ہمیشہ روزے رکھتے ہیں اور رات بھر نفلیں پڑھتے ہیں! اور یہ کہتے ہوئے شرم سے نظریں جھکالیں، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بڑے زیرک تھے، سمجھ گئے اور خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور بات آپ کو بتائی، آپ اسی دن یا دوسرے دن سابقہ اطلاع کے بغیر حضرت عبداللہ کے گھر پہنچے، حضرت عبداللہؓ حیرت میں پڑ گئے، اور بیٹھنے کے لئے گدہ پیش کیا، آپؐ نیچے بیٹھے اور حضرت عبداللہ سے کہا: بیٹھ جاؤ، اور ان سے حدیث میں مذکور بات کی تصدیق چاہی، انھوں نے اقرار کیا، پس آپؐ نے فرمایا: تم یہ معمول نہیں نباہ سکو گے آنکھیں دھنس جائیں گی اور طبیعت سست پڑ جائے گی، پس نفس کا بھی حق ہے، رات میں اس کو بھی کچھ آرام پہنچاؤ، اور دیکھو بیوی بھی گھر آئی ہے، اس کا بھی کچھ حق ہے، اسے بھی ادا کرو، اور اللہ کا بھی حق ہے پس سب حقوق ادا کرو، اس طرح آپؐ نے حضرت عبداللہ کے معمول میں اعتدال پیدا کیا۔

لغات: هَجَمَتِ العینُ (ن) آنکھ دھنسنا .... نَفِهَ (ف) نُفُوْهًا: کمزور ہونا، نَفِهَتْ (س) نفسُ فلانٍ: تھکا ماندہ ہونا، طبیعت کا سست پڑنا اور اکتا جانا، فهو نَافِهٌ، والجمع نُفَّهٌ۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى

اس شخص کی فضیلت جو رات میں ذکر کرتا ہوا بیدار ہوا، پھر اس نے نماز پڑھی

آدمی نیند سے کچھ بڑبڑاتا ہوا بیدار ہو تو اس کے لئے فعل تَعَارَّ (مادہ: ع، ر، ر) استعمال ہوتا ہے، اور باب میں رات میں ذکر کرتے ہوئے بیدار ہونا مراد ہے، بندہ جس حال میں سوتا ہے اسی حال میں بیدار ہوتا ہے، جو بیڑی پیتا ہوا سوتا ہے وہ آنکھ کھلتے ہی تکیہ کے نیچے بیڑی ڈھونڈھتا ہے اور جو ذکر کرتا ہوا سوتا ہے وہ ذکر کرتا ہوا بیدار ہوتا ہے، پس جو بندہ تہجد کے وقت ذکر کرتا ہوا بیدار ہو، پھر تہجد پڑھے تو اس کی کیا فضیلت ہے؟

[۲۱-] بَابُ فَضْلِ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى

[۱۱۵۴-] حدثنا صَدَقَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْوَلِيْدُ: هُوَ ابْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَيْرُ ابْنُ هَانِئٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي جُنَادَةُ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَادَةُ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ، فَقَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ، أَوْ دَعَا اسْتُجِيْبَ لَهُ، فَإِنْ تَوَضَّأَ [وَصَلَّى] قُبِلَتْ صَلَاتُهُ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص رات میں بیدار ہوا پس اس نے کہا: لا إله إلا الله إلخ: پھر اس نے کہا: اے اللہ! میری مغفرت فرما، یا کوئی دعا کی تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے، پھر اگر وہ وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کی جاتی ہے، اس کی دعا اور نماز کا قبول ہونا اس کے لئے فضیلت ہے۔

[۱۱۵۵-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي الْهَيْثَمُ ابْنُ أَبِي سِنَانٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، وَهُوَ يَقُصُّ فِي قَصَصِهِ، وَهُوَ يَذْكُرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ أَخًا لَكُمْ لَايَقُوْلُ الرَّفَثَ، يَعْنِي بِذٰلِكَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ:

وَفِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَتْلُوْ كِتَابَهُ ❁ إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ

أَرَانَا الْهُدَى بَعْدَ الْعَمَى فَقُلُوْبُنَا ❁ بِهِ مُوْقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ

يَبِيْتُ يُجَافِيْ جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ ❁ إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِيْنَ الْمَضَاجِعُ

تَابَعَهُ عُقَيْلٌ، وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ: أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَعِيْدٍ، وَالْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. [انظر: ۶۱۵۱]

ترجمہ: ھَیْثَم بن ابی سنان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، درانحالیکہ وہ اپنی باتوں (وعظ) میں بیان کر رہے تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر کر رہے تھے، یعنی آپ ﷺ کے فضائل بیان کر رہے تھے (اس بیان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:) بے شک تمہارے بھائی زن وشوئی کی باتیں نہیں کر رہے، تمہارے بھائی سے وہ عبد اللہ بن رواحہؓ کو مراد لے رہے ہیں (عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی منقبت میں درج ذیل اشعار کہے ہیں:)

۱- اور ہم میں اللہ کے رسول ہیں، جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں ÷ جس وقت مشہور چیز یعنی بلند ہونے والی صبح کی پو پھٹتی ہے، یعنی نبی ﷺ تہجد میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔

۲- ہمیں اندھے پن کے بعد راہ دکھائی، پس ہمارے دل ÷ ان کی بات کا پورا یقین کرنے والے ہیں کہ جو کچھ انھوں

نے فرمایا ہے وہ پیش آنے والا ہے۔

۳- وہ اس حال میں رات گذارتے ہیں کہ اپنے پہلو کو اپنے بستر سے علاحدہ رکھتے ہیں÷ جب مشرکین کے ساتھ خواب گاہیں بوجھل ہوتی ہیں، یعنی وہ مزے کی نیند لے رہے ہوتے ہیں۔

لغات: قِصَص (بکسر القاف) قِصَّۃ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: واقعات، اور قَصَص (بالفتح) کے معنی ہیں: بیان کرنا ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ ہم آپ کے سامنے شاندار انداز میں بیان کرتے ہیں .... رَفَث کے معنی ہیں: زن وشوئی کی باتیں کرنا، ارشاد پاک ہے: ﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾: جس نے اشہر حج میں حج کا احرام باندھا وہ زن وشوئی کی باتیں نہ کرے اور نہ کوئی گناہ کا کام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے، حنفیہ کے نزدیک: اگر بیوی سامنے ہو اور زن وشوئی کی باتیں کرے تو رفث ہے ورنہ نہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خواہ بیوی موجود ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں زن وشوئی کی باتیں کرنا رفث ہے، تفصیل ہدایہ کی کتاب الحج میں ہے......... من الفجر میں من بیانیہ ہے اور فجر سے صبح کاذب مراد ہے......... معروف: جانی پہچانی چیز، ضرورت شعری کی وجہ سے بھرتی کا لفظ لائے ہیں......... ساطعٌ: چڑھنے والی، صبح کاذب چڑھنے والی روشنی ہوتی ہے......... بہ کی ضمیر نبی ﷺ کی طرف راجع ہے۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہترین واعظ تھے، وہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں خطبہ سے پہلے وعظ کہا کرتے تھے، انھوں نے ایک مرتبہ اپنے وعظ میں نبی ﷺ کا ذکر کیا اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار سنائے، ابن رواحہ نبی ﷺ کے شاعر اور انصاری صحابی تھے، قبیلہ خزرج سے ان کا تعلق تھا، بدر واحد میں شریک رہے ہیں اور غزوہ موتہ میں ۸ھ میں شہید ہوئے ہیں، انھوں نے چند اشعار کہے ہیں۔ کتاب الحیض (باب ۷، تحفۃ القاری ۲: ۹۳) میں اس حدیث کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے، جب یہ مسئلہ آیا تھا کہ حالت حیض میں قرآن پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنی باندی سے صحبت کر رہے تھے کہ ان کی بیوی نے دیکھ لیا، وہ چھری لینے گئی اتنی دیر میں وہ صحبت سے فارغ ہوگئے، بیوی خنجر لے کر آئی اور سینہ پر چڑھ بیٹھی، وہ بیچارے مرتے کیا نہ کرتے، انھوں نے بیوی سے کہا: اگر میں نے باندی سے صحبت کی ہے تو میں جنبی ہوں اور تم جانتی ہو کہ جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتا، بیوی نے کہا: ٹھیک ہے، قرآن پڑھ کر دکھاؤ، انھوں نے فی البدیہہ مذکورہ اشعار کہے، اور قرآن کے لہجہ میں پڑھے، بیوی نے ان کو قرآن سمجھا اور وہ یہ کہہ کر اٹھ گئی کہ میری آنکھوں نے غلط دیکھا اور اللہ کے رسول نے صحیح فرمایا، چونکہ بیوی کے سامنے یہ اشعار پڑھے ہیں اس لئے کوئی خیال کر سکتا تھا کہ یہ رفث ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ رفث نہیں ہے، تمہارے بھائی نے رفث نہیں کیا، بلکہ قیمتی باتیں کہی ہیں، نبی ﷺ کی بہترین منقبت بیان کی ہے۔

مناسبت: باب کے دو جزء ہیں، پہلی حدیث فضل من تعار باللیل سے متعلق ہے اور یہ حدیث فضلِ سے متعلق

ہے، اس میں نبی ﷺ کی نماز کا ذکر ہے۔

سند کا بیان: پہلی سند امام زہری رحمہ اللہ کے شاگرد یونس ایلی کی ہے، پھر آخر میں زبیدی کی سند لائے ہیں جو پہلی سند سے مختلف ہے، یہ دونوں سندیں صحیح ہیں اور راجح پہلی سند ہے، کیونکہ عُقیل: یونس کے متابع ہیں۔

[۱۱۵٦-] حدثنا أبو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: رَأَيْتُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، كَأَنَّ بِيَدِيْ قِطْعَةَ إِسْتَبْرَقٍ، فَكَأَنِّيْ لَا أُرِيْدُ مَكَانًا مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا طَارَتْ إِلَيْهِ، وَرَأَيْتُ كَأَنَّ اثْنَيْنِ أَتَيَانِيْ، أَرَادَا أَنْ يَذْهَبَا بِيْ إِلَى النَّارِ، فَتَلَقَّاهُمَا مَلَكٌ، فَقَالَ: لَمْ تُرَعْ، خَلِّيَا عَنْهُ.
[راجع: ٤٤٠]

[۱۱۵۷-] فَقَصَّتْ حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِحْدَى رُؤْيَايَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ، لَوْ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ!" [راجع: ۱۱۲۲]

[۱۱۵۸-] فَكَانَ عَبْدُ اللهِ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ، وَكَانُوْا لَا يَزَالُوْنَ يَقُصُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الرُّؤْيَا: أَنَّهَا فِي اللَّيْلَةِ السَّابِعَةِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيْهَا فَلْيَتَحَرَّهَا مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ" [انظر: ۲۰۱۵، ۶۹۹۱]

ترجمہ: ابن عمرؓ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کے زمانہ میں خواب دیکھا، گویا میرے ہاتھ میں ریشم کا ٹکڑا ہے، پس گویا میں جنت کی کسی جگہ کا ارادہ نہیں کرتا مگر وہ ٹکڑا اس جگہ کی طرف اڑ جاتا ہے یعنی وہ ریشم کا ٹکڑا ابن عمرؓ کو اس جگہ اڑا کر لے جاتا ہے ——— (دوسرا خواب) اور میں نے دیکھا گویا دو آدمی میرے پاس آئے، ان دونوں نے مجھے دوزخ میں لے جانا چاہا، پس ان دونوں سے ایک فرشتہ نے ملاقات کی، پس اس نے کہا: گھبراؤ نہیں، دونوں ان کو چھوڑ دو!

پس حفصہؓ نے نبی ﷺ سے میرے دو خوابوں میں سے ایک خواب بیان کیا، پس آپؐ نے فرمایا: ''عبداللہ بہت اچھا آدمی ہے! کاش وہ رات میں نماز پڑھتا!''

پس عبداللہ رات میں نماز پڑھا کرتے تھے، اور صحابہ برابر نبی ﷺ سے خواب بیان کیا کرتے تھے کہ شب قدر رمضان کی آخری دس راتوں کی ساتویں رات میں ہے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہارے خوابوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آخری دس راتوں پر متفق ہیں، پس جو شخص شب قدر کو ڈھونڈھے پس چاہئے کہ وہ آخری دس راتوں میں ڈھونڈھے''

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دو خواب دیکھے تھے، ایک خواب کی تعبیر واضح تھی اس لئے اس کے بارے میں نبی ﷺ سے نہیں پوچھا اور دوسرے خواب کی تعبیر واضح نہیں تھی، اور وہ ڈراونا خواب بھی تھا اس لئے خود تعبیر نہیں پوچھی بلکہ اپنی بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے تعبیر پوچھنے کے لئے کہا، رہی یہ بات کہ کونسا خواب پہلے

دیکھا؟ یہ معلوم نہیں، بظاہر وہ خواب جو حضور ﷺ کو سنایا ہے وہ پہلا ہے اور اس کے بعد جب انھوں نے تہجد شروع کردیا اور رات کا بیشتر حصہ تہجد میں گذارنے لگے تو دوسرا خواب دیکھا کہ وہ جنت میں ہیں، اور ان کے ہاتھ میں ریشم کا کپڑا ہے وہ کپڑا ان کو جہاں وہ چاہتے ہیں اڑا کر لے جاتا ہے، یہ خواب واضح تھا، اس لئے اس کی تعبیر نہیں پوچھی، اور یہ حدیث بھی باب کے دوسرے جزء سے متعلق ہے، اس میں بھی رات میں نماز پڑھنے کی فضیلت ہے۔

قولہ: خلّيا عنہ: یہ حدیث چند ابواب پہلے گذری ہے، وہاں یہ جملہ نہیں تھا، جو دو فرشتے ابن عمرؓ کو جہنم پر لے گئے تھے ان سے ایک تیسرے فرشتہ نے کہا: ان کو چھوڑ دو...... **فقصّت حفصةُ إحدى رؤياي:** حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے میرے دو خوابوں میں سے ایک خواب نبی ﷺ سے بیان کیا...... **فکان عبد اللہ یُصلی من اللیل:** یہ جملہ باب سے متعلق ہے اور باب کے دوسرے جزء سے متعلق ہے...... **وکانوا لایزالون یقصون:** ایک رمضان میں متعدد صحابہ نے لیلۃ القدر کو خواب میں دیکھا اور سب نے شب قدر کو آخری عشرہ کی ساتویں رات میں دیکھا، یعنی ستائیسویں رات میں دیکھا، اور دیگر مختلف راتوں میں بھی دیکھا، انھوں نے نبی ﷺ سے اپنے خواب بیان کئے تو آپؐ نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب شب قدر کے آخری عشرہ میں ہونے پر متفق ہیں، لہٰذا شب قدر کو آخری عشرہ میں تلاش کرو، اور شب قدر کو تلاش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آخری عشرہ کی ہر رات میں ذکر واذکار، تلاوت، عبادت اور نمازوں کا اہتمام کرو، اور یہی اس باب کا مقصود ہے۔

بَابُ الْمُدَاوَمَةِ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

فجر کی سنتوں کی پابندی کرنا

کتاب التہجد پوری ہوئی، اب ابواب التطوع شروع کررہے ہیں، سنن مؤکدہ بھی نوافل ہیں اور رات گذرنے کے بعد سب سے پہلے فجر کی سنتیں پڑھی جاتی ہیں، اس لئے سب سے پہلے ان کو بیان کرتے ہیں۔

فجر کی دو رکعتیں واجب ہیں یا سنت؟ حضرت حسن بصری اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ واجب ہیں، لیکن جمہور اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک سنت ہیں، اور علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے وجوب کا قول اختیار کیا ہے، مگر احناف کے یہاں مفتی بہ قول سنت مؤکدہ کا ہے۔

اور واجب اور سنت میں فرق یہ ہے کہ واجب کی ابداً قضاء ہے اور سنت کی قضاء نہیں، ہاں بدل ہے، اور ایک وقت تک ہے، پھر وہ بھی نہیں، جیسے تہجد نہ پڑھ سکے تو طلوع شمس کے بعد مکروہ وقت نکلنے کے بعد سے زوال تک تہجد کا بدل پڑھنے کا وقت ہے، اسی طرح فجر کی سنتیں رہ جائیں تو ان کا بدل بھی اس وقت میں پڑھ سکتے ہیں، زوال کے بعد بدل کا وقت بھی نہیں رہتا۔

جاننا چاہئے کہ نبی ﷺ نے فجر کی سنتیں مواظبت تامہ کے ساتھ پڑھی ہیں، زندگی میں ایک بار بھی ان کو ترک نہیں کیا،

اسی لئے حضرت حسن بصریؒ نے ان کو واجب قرار دیا ہے اور امام اعظمؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے، مگر اس پر فتوی نہیں، اس لئے کہ محض مواظبت تامہ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ساتھ وجوب کے قرائن ضروری ہیں اور یہاں قرائن نہیں، امام بخاریؒ نے باب میں لفظ مداومت سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وجوب کے قائلین کی دلیل مواظبت تامہ ہے۔

[۲۲-] بَابُ الْمُدَاوَمَةِ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

[۱۱۵۹-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيْدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ، هُوَ ابْنُ أَبِي أَيُّوْبَ، قَالَ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْعِشَاءَ، ثُمَّ صَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، وَرَكْعَتَيْنِ جَالِسًا، وَرَكْعَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءَيْنِ، وَلَمْ يَكُنْ يَدَعُهُمَا أَبَدًا. [راجع: ۶۱۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر آٹھ رکعتیں پڑھیں، یہ تہجد ہے، اور دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھیں (یہ وتروں کے بعد کی دو نفلیں ہیں جو آپ بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، اور وتر کا ذکر یہاں نہیں) اور دو اذانوں کے درمیان یعنی فجر کی اذان واقامت کے درمیان دو رکعتیں پڑھیں، اور آپؐ نے ان کو کبھی نہیں چھوڑا۔

بَابُ الضَّجْعَةِ عَلَى الشِّقِّ الأَيْمَنِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

فجر کی سنتیں پڑھ کر دائیں کروٹ لیٹنا

بَابُ مَنْ تَحَدَّثَ بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ، وَلَمْ يَضْطَجِعْ

فجر کی سنتیں پڑھ کر باتیں کرنا اور نہ لیٹنا

ان دونوں بابوں کا مقصد یہ ہے کہ فجر کے فرضوں اور سنتوں کے درمیان فصل ہونا چاہئے، لیٹنا ضروری نہیں، غیر مقلدین کے نزدیک لیٹنا ضروری ہے بلکہ بعض کے نزدیک تو لیٹنا نماز فجر کی صحت کے لئے شرط ہے، اگر نہیں لیٹے گا تو فجر کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ امام بخاریؒ نے ان کی تردید کی ہے، اور یکے بعد دیگرے دو باب لائے ہیں کہ فجر کی سنتیں پڑھ کر نبی پاک ﷺ لیٹے بھی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے باتیں بھی کی ہیں، معلوم ہوا کہ لیٹنا ضروری نہیں، فصل کرنا مقصود ہے، اور حضرت الاستاذ علامہ بلیاوی قدس سرہ کی رائے یہ تھی کہ فصل کرنا بھی مقصود نہیں، طبیعت میں نشاط پیدا کرنا مقصود ہے، تھوڑی دیر لیٹنے سے بھی نشاط پیدا ہوتا ہے اور محبوب سے دو گھڑی باتیں کرنے سے بھی نشاط پیدا ہوتا ہے، چونکہ صدیقہؓ آنحضور ﷺ کی محبوبہ تھیں اس لئے آپؐ ان سے باتیں کرتے تھے اس وقت میں دوسری ازواج سے باتیں کرنا مروی نہیں۔

فائدہ (۱): فجر کی نماز اور سنتوں کے درمیان لیٹنا کس درجہ کا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں آٹھ قول ہیں: ابن حزم ظاہریؒ کے

نزدیک فجر کی نماز اور سنتوں کے درمیان لیٹنا فرض ہے، چاہے تھوڑی دیر کے لئے لیٹے، اور یہ لیٹنا نماز فجر کی صحت کے لئے شرط ہے، جو شخص لیٹے بغیر فجر پڑھے گا اس کا فرض صحیح نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت ہے، اور بعض علماء کے نزدیک (غالباً امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک) مستحب ہے، اور احناف کے نزدیک مباح ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بدعت ہے، یہ آٹھ اقوال میں سے چند اقوال ہیں۔

اور اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ یہ لیٹنا امر تشریعی تھا یعنی شرعی حکم تھا یا کسی مصلحت سے تھا؟ جو حضرات وجوب یا سنت یا استحباب کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ شرعی حکم تھا اور قائلین اباحت کے نزدیک یہ تہجد گذاروں کے لئے ایک مصلحت تھی، شرعی حکم نہیں تھا، جو تہجد گذار لمبے تہجد پڑھنے کی وجہ سے تھک جائیں وہ تھوڑی دیر لیٹ جائیں، پھر تھکن دور کر کے فرض پڑھیں۔

فائدہ (۲) بعض حضرات کے نزدیک گھر میں لیٹنا سنت ہے اور مسجد میں لیٹنا بدعت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ گھر میں لیٹے ہیں، مسجد میں کبھی نہیں لیٹے، مگر یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی میں تہجد پڑھنے والوں سے فرمایا ہے کہ جب تم فجر کی سنت پڑھ لو تو دائیں کروٹ لیٹ جاؤ (ترمذی حدیث ۴۲۰) ظاہر ہے یہ حضرات مسجد ہی میں لیٹیں گے، لیٹنے کے لئے گھر نہیں جائیں گے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ لیٹنا تہجد گذاروں کے لئے سنت ہے، سب لوگوں کو لئے سنت نہیں، یہ فرق معقول ہے اور احناف نے جو مباح کہا ہے اس میں سب لوگ شامل ہیں، تہجد گذار بھی اور عام مسلمان بھی۔

[۲۳-] بَابُ الضَّجْعَةِ عَلَى الشِّقِّ الأَيْمَنِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

[۱۱۶۰-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيْدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ أَيُّوْبَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُو الأَسْوَدِ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الأَيْمَنِ. [راجع: ۶۲۶]

[۲۴-] بَابُ مَنْ تَحَدَّثَ بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ، وَلَمْ يَضْطَجِعْ

[۱۱۶۱-] حدثنا بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه سلم كَانَ إِذَا صَلَّى، فَإِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِيْ، وَإِلاَّ اضْطَجَعَ حَتَّى يُؤْذَنَ بِالصَّلَاةِ. [راجع: ۱۱۱۸]

بَابُ مَاجَاءَ فِي التَّطَوُّعِ مَثْنَى مَثْنَى

نفل نماز دو دو، دو دو رکعتیں پڑھنا

یہ مسئلہ پہلے تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک رات اور دن کے نوافل چار چار رکعتیں ایک

سلام سے پڑھنا افضل ہے، اور ایک سلام سے دو رکعتیں پڑھنا جائز ہے، اور صاحبین کے نزدیک رات میں ایک سلام سے دو رکعتیں پڑھنا افضل ہے، اور دن میں چار۔ اور دن میں دو اور رات میں چار پڑھنا جائز ہے، اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک سب نفلیں دو دو افضل ہیں، رات کی نفلیں بھی اور دن کی بھی، اور چار پڑھنا جائز ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک رات میں ایک سلام سے دو سے زیادہ نفلیں پڑھنا جائز نہیں اور دن میں دو دو پڑھنا افضل ہے اور چار پڑھنا جائز ہے، تفصیل ابواب الوتر کے پہلے باب میں گذر چکی ہے۔

چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر سنت ہے اور ان کے نزدیک سنن ونوافل دو دو کر کے پڑھنا افضل ہے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے پڑھی جائیں، دو رکعتیں الگ سلام سے اور ایک رکعت الگ سلام سے، اور حنفیہ کے نزدیک وتر واجب ہیں یعنی فرض کے حکم میں ہیں، اور فرائض میں مغرب کی تین رکعتیں ایک سلام سے ہیں، پس وتر کی بھی تین رکعتیں ایک سلام سے ہیں، دو سلام سے پڑھنا جائز نہیں، دلائل ابواب الوتر میں گذر چکے ہیں۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ ائمہ ثلاثہ کے ساتھ ہیں اور حضرت نے چھ روایتیں ذکر کی ہیں جن سے دو رکعتوں پر سلام پھیرنے کی افضلیت ثابت کی ہے اور چار نفلیں ایک سلام سے پڑھنا حضور ﷺ سے ثابت ہے، وہ روایتیں سنن میں ہیں، سنن والے مجتہد نہیں، وہ اپنے دلائل پیش نہیں کرتے بلکہ فقہاء کے دلائل پیش کرتے ہیں اور فقہاء میں دو رائیں ہیں اس لئے انھوں نے دونوں کے دلائل پیش کئے ہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد ہیں اس لئے ان کی اپنی جو رائے ہوتی ہے اسی کے دلائل لاتے ہیں، مسئلہ کی دوسری جانب سے صرف نظر کرتے ہیں، اس لئے حضرت کی دلیلوں کا کوئی جواب نہیں دینا، وہ سب صحیح ہیں، مگر اس کے بالمقابل چار رکعتیں ایک سلام سے پڑھنے کی بھی صحیح روایتیں موجود ہیں۔

[۲۵-] بَابُ مَاجَاءَ فِي التَّطَوُّعِ مَثْنَى مَثْنَى

[۱-] قَالَ مُحَمَّدٌ: وَيُذْكَرُ ذٰلِكَ عَنْ عَمَّارٍ، وَأَبِي ذَرٍّ، وَأَنَسٍ، وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، وَعِكْرِمَةَ، وَالزُّهْرِيِّ.

[۲-] وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ: مَا أَدْرَكْتُ فُقَهَاءَ أَرْضِنَا إِلَّا يُسَلِّمُوْنَ فِي كُلِّ اثْنَتَيْنِ مِنَ النَّهَارِ.

[۱۱۶۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ، يَقُوْلُ: " إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ، ثُمَّ لْيَقُلْ: اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ، اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ — أَوْ قَالَ: عَاجِلِ أَمْرِيْ وَآجِلِهِ — فَاقْدُرْهُ لِيْ، وَيَسِّرْهُ لِيْ، ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِيْ

فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي – أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ – فَاصْرِفْهُ عَنِّي، وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ" قَالَ:" وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ" [انظر: ۶۳۸۲، ۷۳۹۰]

آثار:

۱-قال محمد: یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا نام ہے، حضرتؒ عام طور پر کنیت لکھتے ہیں، مگر یہاں نام لکھا ہے، فرماتے ہیں: حضرات عمار، ابوذر اور انس رضی اللہ عنہم اور حضرات جابر بن زید ابوالشعثاء، عکرمہ اور زہری رحمہم اللہ نے دو دو رکعت پر سلام پھیرنے کو افضل کہا ہے خواہ دن کی نماز ہو یا رات کی۔

۲-اور یحیٰ بن سعید انصاری (تابعی) کہتے ہیں: میں نے ہمارے علاقہ کے فقہاء کو پایا کہ وہ دن کی نفلوں میں (بھی) دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے۔

حدیث: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہمیں تمام معاملات میں استخارہ سکھاتے تھے جیسا کہ ہمیں قرآن کریم کی سورت سکھاتے تھے، فرماتے تھے: جب تم میں سے کسی کے سامنے کوئی اہم معاملہ آئے تو چاہئے کہ وہ فرض کے علاوہ دو رکعتیں پڑھے یعنی استخارہ کی نیت سے دو نفلیں پڑھے (یہ باب سے متعلق جزء ہے) پھر یہ دعا کرے: اے اللہ! میں آپ سے خیر طلب کرتا ہوں آپ کی صفت علم کے ذریعہ، اور میں آپ سے قدرت طلب کرتا ہوں آپ کی صفت قدرت کے ذریعہ، اور آپ کے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں، پس بیشک آپ قادر ہیں اور میں قادر نہیں، اور آپ جانتے ہیں اور میں جانتا نہیں، اور آپ تمام چھپی چیزوں سے پوری طرح باخبر ہیں، اے اللہ! اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ معاملہ (جب اس جگہ پہنچے تو اگر عربی جانتا ہے تو اپنی حاجت کا تذکرہ کرے مثلاً کوئی چیز بیچنی ہے تو هذا الأمر کی جگہ هذا البيع کہے، اور اگر عربی نہیں جانتا تو هذا الأمر کہتے ہوئے اس کام کا دھیان کرے جس کے لئے استخارہ کر رہا ہے) میرے لئے بہتر ہے میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت میں —— یا کہے: میری دنیا اور میری آخرت میں (عاجل کے معنی: دنیا، اور آجل کے معنی: آخرت) —— تو اس کام کو میرے لئے مقدر فرما، اور اس کو میرے لئے آسان فرما، پھر میرے لئے اس میں برکت فرما، اور اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ معاملہ میرے لئے برا ہے (یعنی اس کا نتیجہ خراب ہے) میرے دین، میری دنیا اور آخرت میں —— یا اس کی جگہ کہے: عاجل أمري و آجله —— تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے، اور میرے لئے بھلائی مقدر فرما جہاں بھی ہو، پھر مجھے اس پر راضی کر دے —— اور فرمایا: جب هذا الأمر پر پہنچے تو اپنی حاجت کا تذکرہ کرے۔

تشریح:

۱-اس دعا کو پڑھ کر کسی سے بولے بغیر پاک جگہ قبلہ کی طرف منہ کر کے باوضو سو جائے، جب اٹھے تو جو بات مضبوطی سے دل میں آئے اس پر عمل کرے، ان شاء اللہ وہی بات بہتر ہوگی، اور کوئی خواب دیکھے اور اس کا مطلب سمجھ میں نہ آئے تو

کسی سے تعبیر معلوم کرے۔

۲- استخارہ: خیر سے باب استفعال ہے، اس کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ سے بہتری طلب کرنا، جو کام فرض یا واجب ہے اس میں استخارہ نہیں، فرض یا واجب کو تو کرنا ہی ہے، اسی طرح جو کام سنت یا مستحب ہیں ان میں بھی استخارہ نہیں، کیونکہ ان کے بالمقابل کام ان سے اچھے نہیں، اسی طرح حرام اور مکروہ تحریمی میں بھی استخارہ نہیں، ان سے تو بہر حال بچنا ہے، پس اب دو قسم کے کام بچے: مباح اور وہ واجب یا مستحب جن کا وقت متعین نہیں، استخارہ صرف انہی دو کاموں کے لئے ہے۔

اور استخارہ اس وجہ سے مشروع کیا گیا ہے کہ بسا اوقات آدمی ایک کام کرنا چاہتا ہے مگر اس کا انجام معلوم نہیں ہوتا، ایسی صورت میں سمجھداروں سے مشورہ کرنا بھی مسنون ہے اور نماز استخارہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے راہنمائی حاصل کرنا بھی مسنون ہے۔

رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی بندے کو کس طرح حاصل ہوگی؟ روایت میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں، اور تجربہ یہ ہے کہ یہ راہنمائی کبھی خواب کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، پھر خواب کبھی واضح ہوتا ہے اور کبھی تعبیر کا محتاج ہوتا ہے، اور کبھی راہنمائی اس طرح کی جاتی ہے کہ اس کام کے کرنے کا شدید داعیہ دل میں پیدا ہو جاتا ہے یا اس سے دل بالکل ہٹ جاتا ہے، پس ان دونوں کیفیتوں کو بھی من جانب اللہ سمجھنا چاہئے —— اور اگر استخارہ کے بعد بھی تذبذب باقی رہے تو استخارہ کا عمل جاری رکھے اور جب تک کسی ایک طرف رجحان نہ ہو جائے عملی اقدام نہ کرے۔

اور استخارہ کرنے کے لئے کوئی مدت متعین نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تدوین حدیث کے معاملہ میں ایک مہینہ تک استخارہ کیا ہے، ایک ماہ کے بعد آپ کو شرح صدر ہو گیا تھا کہ ان کو حدیثیں مدون نہیں کرنی چاہئیں، اگر آپؓ کو شرح صدر نہ ہوتا تو آپؓ آگے بھی استخارہ جاری رکھتے، تفصیل مقدمہ (تحفۃ القاری ۱: ۸۷) میں گذر چکی ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے استخارہ کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی حکمت: زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا: جب کوئی اہم کام کرنا ہوتا تھا، مثلاً سفر یا نکاح یا کوئی بڑا سودا کرنا ہوتا تھا تو وہ لوگ تیروں کے ذریعہ فال نکالا کرتے تھے، یہ تیر کعبہ شریف کے مجاور کے پاس رکھے رہتے تھے، ان میں سے کسی تیر پر أَمَرَنِیْ رَبِّیْ لکھا تھا، اور کسی پر: نہانی ربی. اور کوئی تیر بے نشان ہوتا تھا، اس پر کچھ لکھا ہوا نہیں ہوتا تھا، مجاور تھیلا ہلا کر فال طلب کرنے والے سے کہتا: ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکال، اگر أمرنی ربی والا تیر نکلتا تو وہ شخص وہ کام کرتا اور نہانی ربی والا تیر نکلتا تو وہ کام سے رک جاتا، اور بے نشان تیر نکلتا تو دوبارہ فال نکالا جاتا، سورۂ مائدہ آیت ۳ کے ذریعہ اس کی حرمت نازل ہوئی اور حرمت کی دو وجہیں ہیں: ایک: یہ ایک بے بنیاد عمل ہے، اور محض اتفاق ہے، جب تھیلے میں ہاتھ ڈالیں گے تو کوئی نہ کوئی تیر ضرور نکلے گا۔ دوم: یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء (جھوٹ باندھنا) ہے اللہ پاک نے کب حکم دیا ہے؟ اور کب منع کیا ہے؟ اور افتراء حرام ہے، پس نبی ﷺ نے فال کی جگہ استخارہ کی تعلیم دی اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جب بندہ رب علیم سے راہنمائی کی التجا کرتا ہے اور وہ اپنے معاملہ کو اپنے مولیٰ کے حوالہ کر دیتا ہے اور وہ ان کی مرضی معلوم کرنے کا شدید خواہش مند

ہوجاتا ہے اور وہ اللہ کے دروازے پر جا پڑتا ہے اور اس کا دل ملتجی ہوتا ہے تو ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی راہنمائی نہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضان کا دروازہ کھلتا ہے اور اس پر معاملہ کا راز کھولا جاتا ہے، پس استخارہ محض اتفاق نہیں بلکہ اس کی مضبوط بنیاد ہے۔

دوسری حکمت: استخارہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان فرشتہ صفت بن جاتا ہے، استخارہ کرنے والا اپنی ذاتی رائے سے نکل جاتا ہے اور اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کے تابع کردیتا ہے اور اپنا رخ پوری طرح اللہ کی طرف کردیتا ہے، پس اس میں فرشتوں کی سی خو بو پیدا ہوجاتی ہے، اور وہ رفتہ رفتہ فرشتوں کے مانند ہوجاتا ہے، ملائکہ کے مانند بننے کا یہ ایک تیر بہدف نسخہ ہے جو چاہے آزما کر دیکھ لے۔

[۱۱۶۳-] حدثنا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو ابْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا قَتَادَةَ بْنَ رِبْعِيٍّ الْأَنْصَارِيَّ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ" [راجع: ٤٤٤]

وضاحت: یہ حدیث تحیۃ المسجد کی ہے اور کتاب الصلوٰۃ (باب ۶۰ تحفۃ القاری ۲۸۸:۲) میں آچکی ہے، اور حتی یُصلّی رکعتین سے استدلال ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیرنا افضل ہے۔

[۱۱۶٤-] حدثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفَ. [راجع: ۳۸۰]

وضاحت: یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ (باب ۲۰ تحفۃ القاری ۲۱۸:۲) میں آچکی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نانی ملیکہ رضی اللہ عنہا نے آنحضور ﷺ کی دعوت کی تھی، آپؐ نے کھانا تناول فرمانے کے بعد باجماعت دو نفلیں پڑھی ہیں، معلوم ہوا کہ رات اور دن میں نوافل دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔

[۱۱٦٥-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ. [راجع: ۹۳۷]

وضاحت: یہ حدیث کتاب الجمعہ باب ۳۹ میں آچکی ہے اور رکعتین رکعتین سے استدلال ہے اور مع رسول اللہ میں معیت تعداد میں ہے، جماعت سے پڑھنا مراد نہیں، یعنی جتنی رکعتیں حضور ﷺ نے پڑھیں اتنی ہی رکعتیں میں نے بھی پڑھیں۔

[۱۱۶۶-] حدثنا آدم، قال: أخبرنا شعبة، قال: حدثنا عمرو بن دينار، قال: سمعت جابر بن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يخطب: "إذا جاء أحدكم والإمام يخطب أو: قد خرج فليصل ركعتين" [راجع: ۹۳۰]

وضاحت: یہ حدیث کتاب الجمعہ باب ۳۲ میں آچکی ہے اور فَلْيُصَلِّ رکعتین سے استدلال ہے، اور کتاب الجمعہ میں یہ بحث ہے کہ دورانِ خطبہ آنے والے کو تحیۃ المسجد پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ چھوٹے دو اماموں اور امام بخاری رحمہم اللہ کی رائے میں پڑھنی چاہئے اور حضرتؒ نے وہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی فعلی حدیث پیش کی ہے، جبکہ حضرت جابرؓ کی یہ قولی حدیث موجود تھی، مگر اس کو وہاں پیش نہیں کیا، کیونکہ اس روایت میں شک راوی ہے، جب حضرت سُلیک غطفانی رضی اللہ عنہ آئے تھے تو نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے یا خطبہ کے لئے نکلے تھے؟ اس میں راوی کو شک ہے، پس اس سے یہ استدلال کرنا کہ دورانِ خطبہ آنے والے کو تحیۃ المسجد پڑھنی چاہئے: مشکل تھا، اس لئے اس روایت کو وہاں پیش نہیں کیا۔

اور احناف کے نزدیک اگر امام منبر پر بیٹھا ہے اور اذان ہو رہی ہے اور کوئی تحیۃ المسجد پڑھے تو جائز ہے، البتہ دورانِ خطبہ ممنوع ہے۔

[۱۱۶۷-] حدثنا أبو نعيم، قال: حدثنا سيف بن سليمان المكي، قال: سمعت مجاهدا يقول: أتي ابن عمر في منزله، فقيل له: هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم قد دخل الكعبة، قال: فأقبلت، فأجد رسول الله صلى الله عليه وسلم قد خرج، وأجد بلالا عند الباب قائما، فقلت: يا بلال! أصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم في الكعبة؟ قال: نعم، قلت: فأين؟ قال: بين هاتين الأسطوانتين، ثم خرج، فصلى ركعتين في وجه الكعبة. [راجع: ۳۹۷]

[قال أبو عبد الله:] وقال أبو هريرة: أوصاني النبي صلى الله عليه وسلم بركعتي الضحى، وقال عتبان ابن مالك: غدا علي النبي صلى الله عليه وسلم وأبو بكر وعمر بعد ما امتد النهار، وصففنا وراءه، فركع ركعتين.

وضاحت: حضرت ابن عمر کی یہ حدیث بار بار گذری ہے، پہلی بار کتاب الصلوٰۃ باب ۳۰ میں آئی ہے، تحفۃ القاری (۲۳۲:۲) میں اس کی شرح ہے، اور یہاں استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے کعبہ شریف کے اندر بھی دو نفلیں پڑھیں، اور باہر بھی دو نفلیں پڑھیں، معلوم ہوا کہ نوافل دو دو کر کے پڑھنا افضل ہے، دن میں بھی اور رات میں بھی۔

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے دو حدیثوں کا حوالہ دیا ہے:

ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، نبی ﷺ نے ان کو سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی، ایام بیض کے روزے رکھنے کی اور چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی، یہ حدیث متفق علیہ ہے (مشکوۃ حدیث ۱۲۶۲)

اور دوسری حدیث حضرت عتبان کی ہے، نبی ﷺ نے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ صبح دن چڑھے ان کے گھر جا کر باجماعت دو نفلیں پڑھی ہیں، یہ حدیث بھی بار بار گذری ہے، پہلی بار کتاب الصلوٰۃ باب ۴۵ (تحفۃ القاری ۲:۲۶۰) میں آئی ہے۔

غرض امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ بہت ساری حدیثیں پیش کی ہیں اور ان سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ دن اور رات کی نفلوں میں دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے لیکن حضرتؒ ایک طرفہ روایات لائے ہیں، ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھنے کی روایتیں نہیں لائے، ترمذی شریف میں کئی حدیثیں ہیں:

۱- حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ ظہر سے پہلے چار اور ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، یہ حدیث حسن ہے (نمبر ۴۲۵)

۲- حضرت ام حبیبہؓ سے مروی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے بارہ سنتوں پر مواظبت کی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک حویلی بنائیں گے، ان بارہ سنتوں میں ظہر سے پہلے چار رکعتوں کا ذکر ہے، یہ حدیث حسن صحیح ہے (نمبر ۴۱۵)

۳- نبی ﷺ عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے ان میں جدائی نہیں کرتے تھے، مگر مقرب فرشتوں پر اور جن مؤمنین اور مسلمین نے ان کی پیروی کی ہے ان پر سلام بھیجنے کے ذریعہ، یعنی ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھتے تھے، اور درمیان میں تشہد پڑھتے تھے، اس میں مقرب فرشتوں پر اور مؤمنین و مسلمین پر سلام بھیجتے تھے، سلام نہائی مراد نہیں، حضرت اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے حدیث کی یہ شرح کی ہے، یہ حدیث بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے اور حسن ہے (نمبر ۴۳۰)

۴- عبداللہ بن السائبؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سورج ڈھلنے کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے، یہ حدیث بھی حسن ہے (نمبر ۴۷۸)

اور امام اعظم رحمہ اللہ کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ فرائض رات میں بھی رباعی ہیں اور دن میں بھی، اور فرائض غیر اولیٰ ہیئت پر نہیں ہو سکتے، اور نبی ﷺ کے عمومی عمل کو غیر اولیٰ نہیں کہہ سکتے، تفصیل ابواب الوتر کے پہلے باب میں گذر چکی ہے۔

بَابُ الْحَدِيثِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ (۱)

فجر کی سنتوں کے بعد بات کرنا

یہ باب پہلے آچکا ہے، اور اس باب میں اور گذرے ہوئے باب میں فرق یہ ہے کہ گذشتہ باب میں ولم یَضْطَجِعْ

(۱) یہ باب اور آئندہ دو باب مصری نسخہ میں گذشتہ باب سے پہلے ہیں اور وہی صحیح جگہ ہے، مگر ہندی نسخہ میں بعد میں ہیں، ہم نے اسی طرح پڑھے ہیں، اس لئے اسی جگہ لکھے ہیں، البتہ ابواب اور حدیثوں کے نمبر نہیں بدلے تاکہ حوالے غلط نہ ہو جائیں ۱۲ مرتب

کی قید تھی اور یہاں وہ قید نہیں، اس لئے نیا باب ہو گیا، اتنے معمولی فرق کی وجہ سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ نیا باب قائم کرتے ہیں۔

[۲۶-] بَابُ الْحَدِيْثِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

[۱۱۶۸-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: أَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنِي، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ، فَإِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِيْ، وَإِلَّا اضْطَجَعَ، قُلْتُ لِسُفْيَانَ: فَإِنَّ بَعْضَهُمْ يَرْوِيْهِ: رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، قَالَ سُفْيَانُ: هُوَ ذَاكَ. [راجع: ۱۱۱۸]

وضاحت: قال: ابو النضر میں قال کا فاعل سفیان بن عیینہؒ ہیں، اور ابو اب النضر: حدثنی کا فاعل ہے، سفیان کہتے ہیں: مجھ سے ابوالنضر سالم نے حدیث بیان کی ابوسلمہ سے روایت کرتے ہوئے، پس اب سند اس طرح ہے: سفیان، عن ابی النضر، عن ابی سلمۃ، اور قلتُ لسفیان علی بن المدینی کا مقولہ ہے۔ علی مدینی نے ابن عیینہ سے کہا: بعض لوگ (امام مالکؒ) رکعتین کے بجائے رکعتی الفجر کہتے ہیں، سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا: دونوں کا ایک مطلب ہے۔

بَابُ تَعَاهُدِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، وَمَنْ سَمَّاهَا تَطَوُّعًا

فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) کی دیکھ بھال کرنا، اور جس نے ان کو نفل کہا

تعاھد کے معنی ہیں: نگرانی کرنا، دیکھ بھال کرنا، یعنی فجر کی سنتیں ہمیشہ پڑھنی چاہئیں، مگر بایں ہمہ وہ نفل اور سنت ہیں، واجب نہیں۔ نبی ﷺ نے مواظبت تامہ کے ساتھ یہ سنتیں پڑھی ہیں لیکن صرف مواظبت تامہ دلیل وجوب نہیں ہوتی، بلکہ اس کے ساتھ دیگر قرائن ضروری ہیں، اور یہاں قرائن نہیں، اس لئے جس نے ان کو نفل کہا ہے: صحیح کہا ہے۔

[۲۷-] بَابُ تَعَاهُدِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، وَمَنْ سَمَّاهَا تَطَوُّعًا

[۱۱۶۹-] حدثنا بَيَانُ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ مِنْهُ تَعَاهُدًا عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

ترجمہ: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نفلوں میں سے کسی بھی نماز کا اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کا فرماتے تھے (علی شیئ من النوافل: سے باب کا دوسرا جزء اور أشد منہ تعاھدًا سے پہلا جزء ثابت ہوتا ہے، اور منہ کی ضمیر نبی ﷺ کی طرف لوٹتی ہے)

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ؟

فجر کی سنتوں میں کیا پڑھے؟

نبی ﷺ تہجد بھی دو ہلکی رکعتوں سے شروع فرماتے تھے اور فجر کی سنتیں بھی مختصر پڑھتے تھے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان سونے والے کی گدی پر منتر پڑھ کر تین گرہیں لگاتا ہے ان میں سے تیسری گرہ نماز پڑھنے پر کھلتی ہے، اس لئے آپؐ تہجد کے شروع میں دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے، تاکہ بعد میں طویل تہجد نشاط کے ساتھ پڑھے جاسکیں، اور یہ دو رکعتیں تہجد میں شمار نہیں ہوتی تھیں، اور فجر سے پہلے بھی دو سنتیں ہلکی پڑھتے تھے تاکہ فرض نشاط کے ساتھ پڑھے جاسکیں، اور نبی ﷺ کا عمل امت کے لئے اسوہ ہوتا ہے، اور بعض مسلمان تہجد کے وقت اٹھتے ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت فجر کے وقت بیدار ہوتی ہے، اس لئے آپؐ نے دونوں عمل لوگوں کی دونوں قسموں کے لئے کئے، ورنہ آپؐ شیطان کے اثر سے، اس کے منتر اور فسوں سے محفوظ تھے۔

[۲۸-] بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ؟

[۱۱۷۰-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ ثَلاَثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، ثُمَّ يُصَلِّيْ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ. [راجع: ٦٢٦]

[۱۱۷۱-] حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَمَّتِهِ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، ح: وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى: هُوَ ابْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُخَفِّفُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ صَلاَةِ الصُّبْحِ، حَتَّى إِنِّيْ لَأَقُوْلُ: هَلْ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ؟

حدیث (۱): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے (ان میں دو وتر کے بعد کی نفلیں ہوتی تھیں، جو آپؐ بیٹھ کر پڑھتے تھے، تہجد کے شروع کی دو ہلکی رکعتیں مراد نہیں، وہ تہجد میں شمار نہیں) پھر جب اذان ہوتی تو دو ہلکی رکعتیں پڑھتے (یہ جزء باب سے متعلق ہے کیونکہ جب ہلکی پڑھیں گے تو ان میں قراءت بھی مختصر کریں گے، بلکہ امام مالکؒ تو فرماتے ہیں کہ صرف فاتحہ پڑھے، سورت نہ ملائے، کیونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور سورت ملانا سنت ہے، اور احناف کے نزدیک دونوں واجب ہیں، پس فاتحہ کے بعد قرآن میں سے ہلکی قراءت کریں گے)

حدیث (۲): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ فجر کی سنتیں اتنی ہلکی پڑھتے تھے کہ میں سوچتی تھی کہ آپ نے سورۂ فاتحہ بھی پڑھی یا نہیں؟

تشریح: ظاہر ہے آپ ﷺ فاتحہ بھی پڑھتے تھے اور سورت بھی، مگر نماز ہلکی ہوتی تھی، میرے استاذ شیخ محمود عبدالوہاب محمود مصری قدس سرہ سخت گرمیوں میں مجھے مولسری سے پانی لانے کے لئے بھیجتے تھے اور میرے چلنے کے بعد نفلوں کی نیت باندھتے تھے، جب میں پانی لے کر آتا تو وہ سلام پھیر کر مصلے پر بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، فرماتے: سعید! صَلَّیْتُ أَرْبَعًا، میں سوچتا کہ اتنی جلدی چار رکعتیں کیسے پڑھ لیں! اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی سوچتی تھیں کہ نبی ﷺ نے سورۂ فاتحہ بھی پڑھی یا نہیں؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، نہ یہ مطلب ہے کہ سورت نہیں ملائی، بلکہ یہ محض استعجاب ہے۔

اور حیرت کی وجہ یہ ہے کہ بہت لمبی نماز کے بعد مختصر نماز بہت ہی ہلکی معلوم ہوتی ہے، نبی ﷺ تہجد بہت لمبے پڑھتے تھے، اس لئے فجر کی یہ مختصر سنتیں حضرت عائشہؓ کو بہت ہی ہلکی معلوم ہوتی تھیں۔

بَابُ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ

فرضوں کے بعد نفلیں پڑھنا

حضرت الاستاذ قدس سرہ نے القول النصیح میں اس باب سے پہلے أبواب التطوع کا عنوان لگایا ہے، مگر یہ عنوان بخاری شریف کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے، اور میری ناقص رائے میں باب ۲۲ سے پہلے یہ عنوان ہونا چاہئے، وہاں سے فجر کی سنتوں کا ذکر شروع ہوا ہے، مگر میں نے کتاب التہجد کے ساتھ [والتطوع] بڑھایا ہے، پس آپ جہاں سے چاہیں تطوع (نفل نمازوں) کی ابتداء سمجھیں۔

سنن قبلیہ اور بعدیہ کی حکمت:

جن نمازوں سے پہلے سستی ہوتی ہے وہاں سنن قبلیہ تجویز کی گئی ہیں، اور سستی کی کمی بیشی کا بھی لحاظ کیا ہے، فجر سے پہلے دو رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں، کیونکہ اس وقت آدمی رات بھر سو کر اٹھتا ہے اس لئے سستی کم ہوتی ہے اور ظہر سے پہلے چار سنتیں رکھی گئیں ہیں، کیونکہ قیلولہ مختصر ہوتا ہے، آدمی کچی نیند بیدار ہوتا ہے اس لئے سستی زیادہ ہوتی ہے، اس لئے تعداد بڑھادی تاکہ سنتیں پڑھنے سے سستی دور ہوجائے اور آدمی چاک وچوبند ہوکر فرض پڑھے، اور عصر، مغرب اور عشاء: سستی کے اوقات نہیں ہیں، اس لئے سنن قبلیہ نہیں رکھی گئیں۔

اسی طرح جن نمازوں کے بعد مشاغل ہیں وہاں سنن بعدیہ تجویز ہوئی ہیں، فجر کے بعد سنتیں نہیں رکھی گئیں، کیونکہ اس وقت فوراً کوئی مشغلہ نہیں، علاوہ ازیں: آگے مکروہ وقت آرہا ہے اس لئے اگر کوئی شخص فرض دیر سے پڑھے گا تو سنت مکروہ وقت میں پڑھے گا، اور عصر کے بعد اگرچہ مشغلہ ہے مگر یہاں بھی مکروہ وقت کا لحاظ کرکے سنتیں نہیں رکھی گئیں۔ اور مغرب

کے بعد مشغولیت ہے اور عشاء کے بعد سونے کا تقاضہ ہوتا ہے، جبکہ عشاء تہائی رات پر پڑھی جائے، اس لئے وہاں بعد میں سنتیں تجویز کی گئیں، تا کہ آدمی فرض کی آخری رکعت میں کاروبار شروع نہ کردے، اور عشاء کی آخری رکعت میں سونہ جائے، اور نفلوں کی آخری رکعت میں اگر ذہن کاروبار کی طرف متوجہ ہو جائے تو کچھ حرج نہیں، نوافل میں گنجائش ہے، اور وتر کی نماز درحقیقت عشاء کے بعد کی نماز نہیں ہے بلکہ وہ تہجد کے بعد کی نماز ہے مگر عام لوگوں کی سہولت کے لئے اس کو عشاء کے بعد پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے، اس لئے عشاء کی سنتیں اس سے پہلے رکھی ہیں۔

سنن مؤکدہ کتنی ہیں؟

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سنن مؤکدہ کی کوئی تحدید نہیں، وہ فرماتے ہیں: الصلاۃُ خیرُ موضوع: نماز بہترین کام ہے، پس زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھنے چاہئیں، تحدید سے نقصان ہوتا ہے، آدمی چند ہی نفلیں پڑھتا ہے۔

مگر حضرت رحمہ اللہ کی بات دو وجہ سے غور طلب ہے: ایک: یہ نص کے مقابلہ میں قیاس ہے، دوم: اگرچہ تحدید نہ کرنے میں فائدہ ہے مگر نقصان بھی ہے، تعیین نہ ہونے کی صورت میں، بہت سے لوگ صرف دو چار رکعتیں پڑھیں گے، اور اگر تحدید کی جائے گی تو لوگ کم از کم مقررہ تعداد تو پوری کریں گے۔

غرض عدم تحدید میں صرف خواص کا فائدہ ہے، اور تحدید وتعیین میں عام لوگوں کا فائدہ ہے، اس لئے شریعت نے تحدید کی چنانچہ دوسرے تمام ائمہ سنن مؤکدہ کی تحدید کے قائل ہیں، پھر امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک شب وروز میں بارہ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں، اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک دس رکعتیں، اور یہ اختلاف ظہر سے پہلے کی سنتوں میں ہوا ہے، حنفیہ کے نزدیک ظہر سے پہلے چار سنت مؤکدہ ہیں اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک دو، اور اس اختلاف کی بنیاد نقطۂ نظر کا اختلاف بھی ہے اور روایات کا اختلاف بھی، چونکہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہر نفل نماز خواہ رات کی ہو یا دن کی ایک سلام سے دو دو رکعتیں افضل ہیں، اس لئے انھوں نے ظہر سے پہلے دو سنتوں والی روایت لی، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک دن رات کی ہر نفل نماز ایک سلام سے چار چار رکعتیں افضل ہیں اور صاحبین کے نزدیک دن میں ایک سلام سے چار رکعتیں افضل ہیں اس لئے حنفیہ نے چار سنت مؤکدہ والی روایت لی۔

اور بارہ رکعت سنت مؤکدہ کی بھی روایت ہے اور دس رکعت کی بھی، اور دونوں صحیح ہیں، احناف نے بارہ رکعت والی حدیث کو بایں وجہ اختیار کیا ہے کہ اس کے ضمن میں دس رکعت والی روایت خود بخود آجاتی ہے، کیونکہ ادنی اعلی کا فرد ہوتا ہے، جیسے **خمسٌ من الفطرۃ** اور **عشر من الفطرۃ** میں سب نے دوسری حدیث کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں **خمس من الفطرۃ** والی حدیث خود بخود آجاتی ہے، علاوہ ازیں بارہ رکعت کی روایت لینے میں عبادت بھی زیادہ ہے، ثواب بھی اور احتیاط بھی، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے دس رکعت والی روایت لی ہے، کیونکہ ان کے اصول پر یہی روایت فٹ آتی ہے، اور آنحضور ﷺ سے ظہر سے پہلے جو چار رکعتیں پڑھنا مروی ہے اس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ وہ سب ظہر کی سنتیں نہیں تھیں،

بلکہ دوسنت زوال تھیں اور دوسنت ظہر، نبی ﷺ زوال کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، پھر ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے اس طرح وہ چار ہوئیں۔

اور علامہ بدر الدین عینی اور علامہ کشمیری رحمہما اللہ کا رجحان یہ ہے کہ دونوں روایتیں معمول بہ ہیں، عام احوال میں ظہر سے پہلے چار سنت مؤکدہ ہیں اور وقت میں تنگی ہو، جماعت کھڑی ہونے والی ہو تو پھر دو رکعتیں پڑھ لے، اس سے بھی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

فائدہ: یہ دس یا بارہ رکعتیں سنت راتبہ اور رواتب بھی کہلاتی ہیں، اور وجہ تسمیہ یہ ہے: رَتَبَ رُتُوْبًا کے معنی ہیں: جم جانا، چونکہ حدیث میں مذکور ثواب کا استحقاق مواظبت پر ہوتا ہے، یعنی دو چار مرتبہ پڑھ لینے سے ثواب نہیں ملتا، پابندی سے پڑھنے سے ملتا ہے، اس لئے ان کو سنت راتبہ اور رواتب کہتے ہیں۔

[۲۹-] بَابُ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْمَكْتُوْبَةِ

[۱۱۷۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ، فَأَمَّا الْمَغْرِبُ وَالْعِشَاءُ فَفِيْ بَيْتِهِ. [راجع: ۹۳۷]

[۱۱۷۳-] وَحَدَّثَتْنِيْ أُخْتِيْ حَفْصَةُ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّيْ سَجْدَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ بَعْدَ مَا يَطْلُعُ الْفَجْرُ، وَكَانَتْ سَاعَةً لَا أَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْهَا.

تَابَعَهُ كَثِيْرُ بْنُ فَرْقَدٍ، وَأَيُّوْبُ، عَنْ نَافِعٍ، وَقَالَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ: بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ أَهْلِهِ. [راجع: ۶۱۸]

وضاحت: یہ حدیثیں پہلے گذری ہیں .... قولہ: فاما المغرب و العشاء: نبی ﷺ مغرب اور عشاء کے بعد کی سنتیں گھر میں پڑھتے تھے .... قولہ: وحدثتنی حفصۃ: اور ابن عمرؓ اپنی بہن حضرت حفصہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صبح صادق کے بعد دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے، یہ بات ابن عمرؓ نے اپنی بہن سے اس لئے روایت کی کہ اس وقت میں ازواج مطہرات کے علاوہ حضور ﷺ کے پاس کوئی نہیں ہوتا تھا۔ ساعۃ: موصوف اور خبر ہے، اور اس کے بعد والا جملہ اس کی صفت ہے اور نکرہ کی صفت جب جملہ آئے تو موصوف کے ترجمہ میں 'ایسا ویسا' بڑھاتے ہیں: وہ ایک ایسی گھڑی تھی جس میں میں نبی ﷺ کے گھر میں نہیں جاتا تھا اور کانت کا اسم ھی محذوف ہے۔

سند کا بیان: عبید اللہ عمری کی روایت میں حدیث کا آخری جملہ ہے: فاما المغرب و العشاء ففی بیتہ، اور کثیر اور ایوب ان کے متابع ہیں، ان کی روایت میں بھی یہی جملہ ہے، اور موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں بعد العشاء فی اھلہ ہے،

موسیٰ سے یہ روایت ابوالزناد روایت کرتے ہیں۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ

جس نے فرضوں کے بعد نفل نہیں پڑھے

اگر کوئی شخص کبھی سنن مؤکدہ نہ پڑھے تو کچھ مضائقہ نہیں، وہ سنتیں ہیں، فرض وواجب نہیں، لیکن اگر کوئی مستقل نہ پڑھے یعنی سنن مؤکدہ چھوڑنے کا عادی ہو تو وہ گنہ گار ہوگا اور درمختار (حظر واباحہ کے شروع) میں ہے کہ وہ نبی ﷺ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ باب میں یہ روایت لائے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ (مدینہ میں) ظہرین اور عشائین کے درمیان جمع صوری کیا، یعنی ظہر اور مغرب کے بعد فوراً عصر اور عشاء پڑھ لیں، سنن بعدیہ نہیں پڑھیں، معلوم ہوا کہ اگر کسی وقت سنن ونوافل نہ پڑھے تو مضائقہ نہیں۔

[۳۰-] بَابُ مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ

[۱۱۷٤-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الشَّعْثَاءِ جَابِرًا، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثَمَانِيًا جَمِيْعًا، وَسَبْعًا جَمِيْعًا، قُلْتُ: يَا أَبَا الشَّعْثَاءِ! أَظُنُّهُ أَخَّرَ الظُّهْرَ وَعَجَّلَ الْعَصْرَ، وَعَجَّلَ الْعِشَاءَ وَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ، قَالَ: وَأَنَا أَظُنُّهُ. [راجع: ۵٤۳]

وضاحت: جب ابوالشعثاء جابر بن زید نے یہ حدیث بیان کی تو عمرو بن دینار نے کہا: میرا خیال ہے: نبی ﷺ نے جمع صوری کی ہوگی، ابوالشعثاء نے کہا: میرا بھی یہی خیال ہے — کیونکہ نبی ﷺ نے یہ جمع مدینہ میں کیا تھا، جبکہ دشمن کا خوف تھا نہ بارش تھی، پس یہ جمع صوری ہی ہوسکتی ہے، تفصیل تحفۃ القاری (۲:۴۰۵) میں ہے۔

بَابُ صَلَاةِ الضُّحَى فِي السَّفَرِ

سفر میں چاشت کی نماز

سنن مؤکدہ کے بارے میں درمختار میں ہے کہ اگر کوئی شخص کبھی سنن مؤکدہ نہ پڑھے تو کچھ حرج نہیں، لیکن اگر اس کی عادت بنالے تو مکروہ ہے، یعنی اس پر گناہ ہوگا، اور سنن مؤکدہ سے نیچے جو سنتیں ہیں ان کو پڑھے تو ثواب ملے گا اور نہ پڑھے تو گناہ نہیں ہوگا، چاشت کی نماز بھی سنت غیر مؤکدہ ہے، پس اس کا پڑھنے والا ثواب کا مستحق ہوگا اور نہ پڑھنے والا گنہ گار نہیں ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ نبی ﷺ کا معمول چاشت کی نماز پڑھنے کا نہیں تھا، مگر کبھی آپ نے چاشت کی نماز پڑھی

ہے، حضر میں بھی پڑھی ہے اور سفر میں بھی، نو دس بجے جو بھی نفل نماز پڑھی جائے وہ چاشت کی نماز ہے، اور نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن چاشت کے وقت میں آٹھ رکعتیں پڑھی ہیں، اسی طرح جب آپ کسی سفر سے لوٹتے تھے تو رات میں شہر میں داخل نہیں ہوتے تھے، شہر سے باہر پڑاؤ ڈالتے تھے، پھر صبح شہر میں داخل ہوتے تھے، اور مسجد میں دو نفلیں پڑھتے تھے یہ چاشت کا وقت ہوتا تھا، پس یہ چاشت کی نماز ہوئی، اسی طرح آپؐ نے حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر چاشت کے وقت دو نفلیں پڑھی ہیں، غرض حضور ﷺ نے گاہ بہ گاہ چاشت کی نماز پڑھی ہے سفر میں بھی اور حضر میں بھی، اور صحابہ میں بعض حضرات جیسے حضرت عائشہؓ پابندی سے چاشت کی نماز پڑھتی تھیں اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما کو نبی ﷺ نے اس کی وصیت کی تھی، مگر خود آپؐ نے پابندی سے یہ نماز نہیں پڑھی۔

[۳۱-] بَابُ صَلَاةِ الضُّحَى فِي السَّفَرِ

[۱۱۷۵-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ تَوْبَةَ، عَنْ مُوَرِّقٍ، قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ: أَتُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَعُمَرُ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَأَبُوْ بَكْرٍ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: لَا إِخَالُهُ.

[۱۱۷۶-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى، يَقُوْلُ: مَا حَدَّثَنَا أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي الضُّحَى غَيْرُ أُمِّ هَانِيءٍ، فَإِنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ، فَاغْتَسَلَ، وَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، فَلَمْ أَرَ صَلَاةً قَطُّ أَخَفَّ مِنْهَا، غَيْرَ أَنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ. [راجع: ۱۱۰۳]

وضاحت: پہلی حدیث میں چاشت کی نماز کی نفی ہے، نہ ابن عمرؓ یہ نماز پڑھتے تھے، نہ شیخین رضی اللہ عنہما یہ نماز پڑھتے تھے، اور مورق نے جب نبی ﷺ کے بارے میں دریافت کیا تو ابن عمرؓ نے فرمایا: لَا إِخَالُه: میرا گمان ہے: آپ بھی نہیں پڑھتے تھے (إخَالُ: مضارع واحد متکلم ہے، خَالَ يَخَالُ: گمان کرنا، پس قاعدہ سے واحد متکلم کا ہمزہ مفتوح ہونا چاہئے، مگر یہ لفظ علامت مضارع کے کسرہ کے ساتھ زیادہ فصیح ہے، جیسے ما إِخَالُكَ سَرَقْتَ: میں نہیں سمجھتا کہ تو نے چوری کی ہو، نہایہ فی غریب الحدیث میں ہے یقال: خِلْتُ إِخَالُ: بالكسر والفتح، والكسر أفصح وأكثر استعمالاً، والفتح القياس) اس حدیث میں نبی ﷺ کے چاشت پڑھنے کی ابن عمرؓ نے قطعیت کے ساتھ نفی نہیں کی۔

اور دوسری حدیث ام ہانی رضی اللہ عنہا کی ہے، اس میں فتح مکہ کے دن آپ کا چاشت کے وقت میں آٹھ نفلیں پڑھنا مروی ہے، یہ حدیث ابواب القصر باب ۱۲ میں آچکی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ پہلی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ اس باب میں کیوں لائے ہیں، اس میں تو نماز کی نفی ہے؟

جواب: حضرت الاستاذ نے فرمایا: دونوں روایتوں کے مجموعہ سے سفر میں قلت کے ساتھ چاشت کی نماز کا پڑھنا ثابت ہورہا ہے، اور حضر میں منفی ہے، اور باب سفر میں صلاۃ الضحیٰ کے بارے میں ہے، دوسری حدیث سے اس کا ثبوت واضح ہے، اب سوال ہوگا حضر کے بارے میں تو ابن عمرؓ کی روایت اس باب میں لاکر اس کا صالح محمل تجویز کیا کہ وہ حضر کے بارے میں ہے، اب دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔

بَابُ مَنْ لَمْ يُصَلِّ الضُّحَى، وَرَآهُ وَاسِعًا

جو چاشت کی نماز نہیں پڑھتا، اور وہ اس کی گنجائش سمجھتا ہے

یہ اوپر والے باب کا مقابل باب ہے، اگر کوئی شخص چاشت کی نماز نہ پڑھے تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ یہ سنن مؤکدہ میں سے نہیں ہے۔

[۳۲-] بَابُ مَنْ لَمْ يُصَلِّ الضُّحَى، وَرَآهُ وَاسِعًا

[۱۱۷۷-] حدثنا آدمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وسلم سَبَّحَ سُبْحَةَ الضُّحَى، وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا. [راجع: ۱۱۲۸]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کو کبھی چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر میں یہ نماز پڑھتی ہوں۔

سوال: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا تو نبی ﷺ کا چاشت کے وقت میں نماز پڑھنا روایت کرتی ہیں اور جب آپؐ سفر سے لوٹتے تھے تو حضر میں بھی پڑھتے تھے اور حضرت عتبانؓ کے گھر میں بھی پڑھی ہے، بلکہ مسلم شریف میں روایت ہے (نمبر ۷۱۹) معاذہ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: نبی ﷺ چاشت کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا: چار رکعتیں پڑھتے تھے اور جتنی چاہتے زیادہ بھی کرتے تھے، پھر باب کی روایت میں وہ نفی کیسے کررہی ہیں؟

جواب: باب کی روایت کو دوام پر محمول کریں گے یعنی مداومت کی نفی کررہی ہیں، اور یہ اگرچہ تاویل بعید معلوم ہوتی ہے، مگر اس کے بغیر چارہ نہیں، اگر یہ تاویل نہیں کریں گے تو روایات میں تعارض ہوجائے گا، اس لئے یہ تاویل ضروری ہے۔

بَابُ صَلَاةِ الضُّحَى فِي الْحَضَرِ

حضر میں چاشت کی نماز

پہلے سفر میں صلاۃ الضحیٰ کا ثبوت پیش کیا، اب حضر میں ثبوت پیش کرتے ہیں۔

[۳۳-] بَابُ صَلَاةِ الضُّحَى فِي الْحَضَرِ

قَالَهُ عِتْبَانُ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۱۷۸-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ: هُوَ الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَوْصَانِي خَلِيلِي صلى الله عليه وسلم بِثَلَاثٍ، لَا أَدَعُهُنَّ حَتَّى أَمُوتَ: صَوْمُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَصَلَاةُ الضُّحَى، وَنَوْمٌ عَلَى وِتْرٍ. [انظر: ۱۹۸۱]

[۱۱۷۹-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ - وَكَانَ ضَخْمًا - لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ الصَّلَاةَ مَعَكَ، فَصَنَعَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم طَعَامًا، فَدَعَاهُ إِلَى بَيْتِهِ، وَنَضَحَ لَهُ طَرَفَ حَصِيرٍ بِمَاءٍ، فَصَلَّى عَلَيْهِ رَكْعَتَيْنِ، قَالَ فُلَانُ بْنُ فُلَانِ بْنِ الْجَارُودِ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَ أَنَسٌ: مَا رَأَيْتُهُ صَلَّى غَيْرَ ذَلِكَ الْيَوْمِ. [راجع: ۶۷۰]

حدیث (۱): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے مجھے تین باتوں کی تاکید فرمائی ہے، چنانچہ میں مرتے دم تک ان کو نہیں چھوڑوں گا: ایک: ہر مہینہ میں تین روزے رکھنا، دوم: چاشت کی نماز پڑھنا، سوم: سونے سے پہلے وتر پڑھنا (تفصیل ابواب الوتر کے دوسرے باب میں گذر چکی ہے)

حدیث (۲): یہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، جو بار بار آیا ہے، اور باب کے شروع میں اسی کا حوالہ ہے، نبی ﷺ نے ان کے گھر میں چاشت کے وقت نماز پڑھی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کے صلاۃ الضحیٰ پڑھنے کا یہی ایک واقعہ میرے علم میں ہے، اس کے علاوہ کوئی اور واقعہ میرے علم میں نہیں، غرض نبی ﷺ نے سفر میں اور حضر میں چاشت کی نماز پڑھی ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو اس کی تاکید فرمائی ہے، پس یہ نماز مستحب ہے، اور اس حدیث کی شرح کتاب الصلوٰۃ باب ۳۱ (تحفۃ القاری ۲: ۵۳۳) میں ہے۔

بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ

ظہر سے پہلے دو سنتیں

ظہر سے پہلے دو رکعت سنت مؤکدہ کی روایت بھی ہے اور چار کی بھی، باب میں دونوں روایتیں لائے ہیں، اور علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آنحضور ﷺ نے اکثر احوال میں ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھی ہیں اور کبھی دو رکعتیں بھی پڑھی ہیں، علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے اس تطبیق کو معتدل قرار دیا ہے، پس چار کامل سنت ہیں اور دو بھی سنت ہیں، اس لئے

ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھنی چاہئیں، اور اگر وقت میں تنگی ہو یا موقع نہ ہو تو دو پڑھنا بھی درست ہے۔

[۳۴-] بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ

[۱۱۸۰-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: حَفِظْتُ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَشْرَ رَكَعَاتٍ: رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلاَةِ الصُّبْحِ، وَكَانَتْ سَاعَةٌ لاَ يُدْخَلُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيهَا. [راجع: ۹۳۷]

[۱۱۸۱-] حَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ، وَطَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ. [راجع: ۶۱۸]

[۱۱۸۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ لاَ يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ. تَابَعَهُ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ وَعَمْرٌو، عَنْ شُعْبَةَ.

وضاحت: نبی ﷺ نے فجر کی سنتیں مواظبت تامہ کے ساتھ پڑھی ہیں، اور ظہر سے پہلے کی سنتیں بھی، اور امام اعظم رحمہ اللہ سے فجر کی سنتوں کے بارے میں تو وجوب کا قول مروی ہے مگر ظہر کی سنتوں کے بارے میں ایسا کوئی قول مروی نہیں، ہاں فقہاء نے ان پر وجوب کے احکام جاری کئے ہیں، فقہاء فرماتے ہیں: ظہر کی چار سنتوں کے قعدہ اولیٰ میں صرف تشہد پڑھے، درود اور دعا نہ پڑھے، یہ فرض و واجب کا حکم ہے، سنن و نوافل میں قعدہ اولیٰ میں تشہد، درود اور دعا سب کچھ پڑھا جاتا ہے، لیکن ظہر کی چار سنتوں کے قعدۂ اولیٰ میں صرف تشہد پڑھے گا، اور فقہاء نے ان پر واجب کے احکام اس لئے جاری کئے ہیں کہ نبی ﷺ نے فجر کی سنتوں کی طرح ظہر کی سنتیں بھی پابندی سے پڑھی ہیں۔

بَابُ الصَّلاَةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ

مغرب سے پہلے نماز

مغرب سے پہلے اگر وقت میں گنجائش ہو تو نفل نماز پڑھنا جائز ہے، عصر کے فرضوں کے بعد جو نوافل کی ممانعت شروع ہوتی ہے وہ غروب پر ختم ہو جاتی ہے، مگر مغرب سے پہلے نوافل پڑھنا مسنون نہیں۔

[۳۵-] بَابُ الصَّلاَةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ

[۱۱۸۳-] حدثنا أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنِ الْحُسَيْنِ: وَهُوَ الْمُعَلِّمُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ الْمُزَنِيُّ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "صَلُّوا قَبْلَ صَلاَةِ الْمَغْرِبِ" قَالَ فِي

الثَّالِثَةِ: "لِمَنْ شَاءَ" كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً [انظر: ۷۳۶۸]

[۱۱۸۴-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيْدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ أَيُّوْبَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ بْنُ أَبِيْ حَبِيْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مَرْثَدَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْيَزَنِيَّ، قَالَ: أَتَيْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ الْجُهَنِيَّ، فَقُلْتُ: أَلَا أُعْجِبُكَ مِنْ أَبِيْ تَمِيْمٍ؟ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، فَقَالَ عُقْبَةُ: إِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلَى عَهْدِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقُلْتُ: فَمَا يَمْنَعُكَ الآنَ؟ قَالَ: الشُّغْلُ.

حدیث (۱): حضرت عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے دومرتبہ فرمایا: مغرب کی نماز سے پہلے نماز پڑھو، پھر تیسری مرتبہ لِمَنْ شاءَ بڑھایا، یعنی مغرب کی نماز سے پہلے کوئی نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، راوی کہتے ہیں: آپؐ نے لمن شاء اس لئے بڑھایا کہ لوگ اس نماز کو سنت نہ بنالیں۔

تشریح: ارشاد: صَلُّوْا قبلَ صلاۃ المغرب مسئلہ سمجھانے کے لئے ہے، عصر کے فرض پڑھنے کے بعد جو نفلوں کی ممانعت شروع ہوتی ہے وہ غروب شمس تک ممتد ہے، سورج چھپتے ہی وہ کراہیت ختم ہوجاتی ہے، اب کوئی نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، مگر اس وقت نفلیں پڑھنا مسنون نہیں، صرف جائز ہے، رمضان میں دس منٹ کے بعد نماز کھڑی ہوتی ہے، پس کوئی کھجور سے افطار کرکے نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، لیکن اس کو سنت نہ بنالیا جائے کہ پورے سال دس منٹ کے بعد مغرب کی نماز کھڑی ہو، مغرب کی نماز میں تعجیل (جلدی کرنا) مطلوب ہے، پس یہ حدیث: صرف حدیث ہے، سنت (دینی طریقہ) نہیں، اور دونوں میں فرق مقدمہ میں بیان کیا گیا ہے۔

حدیث (۲): مرثد بن عبداللہ یزنی حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پاس آئے اور کہا: کیا میں آپ کو حضرت ابوتمیم عبداللہ بن مالک جیشانی رحمہ اللہ (مخضرم تابعی) کی ایک حیرت انگیز بات نہ بتلاؤں؟ انھوں نے مغرب سے پہلے دو نفلیں پڑھیں! حضرت عقبہؓ نے کہا: نبی ﷺ کے زمانہ میں ہم اس کو پڑھتے تھے، یعنی اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں، عہد رسالت میں ہم مغرب سے پہلے دو نفلیں پڑھتے تھے۔ مرثد نے کہا: پھر اب آپ کیوں نہیں پڑھتے؟ انھوں نے کہا: مشغولیت مانع ہے۔

تشریح: ابوتمیم رحمہ اللہ کے مغرب سے پہلے دو نفلیں پڑھنے پر مرثد کو جو تعجب ہوا ہے وہ دلیل ہے کہ مسلمانوں میں اس نماز کا رواج نہیں تھا، ورنہ مرثد کو حیرت کیوں ہوتی؟ پس اس واقعہ سے جواز ثابت ہوتا ہے اور جواز تو نبی ﷺ کے ارشاد سے بھی ثابت ہے اور جواز میں کوئی کلام بھی نہیں۔

بَابُ صَلَاةِ النَّوَافِلِ جَمَاعَةً

نوافل باجماعت پڑھنا

نفلوں میں پابندیاں نہیں ہیں، تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ نفلیں پڑھیں، باجماعت نماز پڑھنا بھی ایک طرح کی پابندی

ہے، یہ پابندی نفلوں میں نہیں، پس جماعت کے ساتھ نفل پڑھنا جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ تداعی نہ ہو، تداعی باب تفاعل کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: ایک دوسرے کو بلانا، اور فقہاء نے تداعی کی تعریف کی ہے: اگر امام کے علاوہ تین مقتدی ہوں تو تداعی ہے اور ایک یا دو مقتدی ہوں تو تداعی نہیں، بلانے نہ بلانے پر مدار نہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ تداعی کے لغوی معنی لیتے تھے، آپ رمضان میں اعتکاف کرتے تھے، آپ کے ساتھ سو دو سو آدمی معتکف ہوتے تھے، اور حضرت تہجد میں قرآن پڑھتے تھے، معتکفین بھی جماعت میں شریک ہوجاتے تھے، لوگوں نے اعتراض کیا، حضرت نے یہی جواب دیا کہ تداعی کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو بلانا، میں کسی کو بلاتا نہیں، مسجد میں موجود لوگ شریک ہوجاتے ہیں اور اس موضوع پر حضرت قدس سرہ کی ایک لمبی تحریر ہے جو فتاوی شیخ الاسلام میں مطبوعہ ہے، مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری نے اس کو مرتب کیا ہے اور اس مسئلہ پر ان کا حاشیہ ہے کہ حضرت نے جو تداعی کے معنی بیان کئے ہیں: اس کی فقہ کے کسی جزئیہ سے تائید نہیں ہوتی، اور یہ حضرت کا تفرد ہے۔

غرض نوافل کو تمام قیودات سے آزاد رکھا گیا ہے تاکہ آدمی کو جب موقع ملے نفلیں پڑھ سکے، جماعت کی شرط لگانا بھی ایک طرح کی قید ہے اس لئے تداعی کی صورت میں جماعت کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، اور آنحضور ﷺ کے باجماعت نفل پڑھنے کے جو واقعات ہیں ان میں دو سے زیادہ مقتدی نہیں ہوتے تھے۔

[٣٦-] بَابُ صَلاَةِ النَّوَافِلِ جَمَاعَةً

ذَكَرَهُ أَنَسٌ، وَعَائِشَةُ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[١١٨٥-] حَدَّثَنِيْ إِسْحَاقُ، أَخْبَرَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، حَدَّثَنَا أَبِيْ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ الْأَنْصَارِيُّ: أَنَّهُ عَقَلَ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا فِيْ وَجْهِهِ، مِنْ بِئْرٍ كَانَتْ فِيْ دَارِهِمْ.

[١١٨٦-] فَزَعَمَ مَحْمُوْدٌ، أَنَّهُ سَمِعَ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ، وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، يَقُوْلُ: كُنْتُ أُصَلِّيْ لِقَوْمِيْ بَنِيْ سَالِمٍ، وَكَانَ يَحُوْلُ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ وَادٍ إِذَا جَاءَتِ الْأَمْطَارُ، فَيَشُقُّ عَلَيَّ اجْتِيَازُهُ قِبَلَ مَسْجِدِهِمْ، فَجِئْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقُلْتُ لَهُ: إِنِّيْ أَنْكَرْتُ بَصَرِيْ، وَإِنَّ الْوَادِيَ الَّذِيْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ قَوْمِيْ يَسِيْلُ إِذَا جَاءَتِ الْأَمْطَارُ، فَيَشُقُّ عَلَيَّ اجْتِيَازُهُ، فَوَدِدْتُ أَنَّكَ تَأْتِيْ فَتُصَلِّيْ مِنْ بَيْتِيْ مَكَانًا أَتَّخِذُهُ مُصَلًّى، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "سَأَفْعَلُ" فَغَدَا عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَأَبُوْ بَكْرٍ بَعْدَ مَا اشْتَدَّ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَذِنْتُ لَهُ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى قَالَ: "أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟" فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى الْمَكَانِ

الَّذِیْ أُحِبُّ أَنْ یُصَلِّیَ فِیْهِ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم فَكَبَّرَ، وَصَفَفْنَا وَرَاءَهُ، فَصَلّٰی رَكْعَتَیْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ فَسَلَّمْنَا حِیْنَ سَلَّمَ، وَحَبَسْتُهُ عَلٰی خَزِیْرَةٍ تُصْنَعُ لَهُ، فَسَمِعَ أَهْلُ الدَّارِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم فِیْ بَیْتِیْ، فَثَابَ رِجَالٌ مِنْهُمْ، حَتّٰی كَثُرَ الرِّجَالُ فِی الْبَیْتِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: مَا فَعَلَ مَالِكٌ؟ لَا أَرَاهُ! فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: ذَاكَ مُنَافِقٌ لَا یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم: "لَا تَقُلْ ذٰلِكَ، أَلَا تَرَاهُ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، یَبْتَغِیْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ؟" فَقَالَ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ! أَمَّا نَحْنُ فَوَ اللّٰهِ لَا نَرٰی وُدَّهُ وَلَا حَدِیْثَهُ إِلَّا إِلَی الْمُنَافِقِیْنَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم: "فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَی النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، یَبْتَغِیْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ"

قَالَ مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِیْعِ: فَحَدَّثْتُهَا قَوْمًا فِیْهِمْ أَبُوْ أَیُّوْبَ الْأَنْصَارِیُّ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم، فِیْ غَزْوَتِهِ الَّتِیْ تُوُفِّیَ فِیْهَا، وَیَزِیْدُ بْنُ مُعَاوِیَةَ عَلَیْهِمْ بِأَرْضِ الرُّوْمِ، فَأَنْكَرَهَا عَلَیَّ أَبُوْ أَیُّوْبَ، قَالَ: وَاللّٰهِ! مَا أَظُنُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم قَالَ مَا قُلْتَ قَطُّ، فَكَبُرَ ذٰلِكَ عَلَیَّ، فَجَعَلْتُ لِلّٰهِ عَلَیَّ إِنْ سَلَّمَنِیْ حَتّٰی أَقْفُلَ مِنْ غَزْوَتِیْ، أَنْ أَسْأَلَ عَنْهَا عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ، إِنْ وَجَدْتُهُ حَیًّا فِیْ مَسْجِدِ قَوْمِهِ، فَقَفَلْتُ فَأَهْلَلْتُ بِحَجَّةٍ أَوْ بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ سِرْتُ حَتّٰی قَدِمْتُ الْمَدِیْنَةَ، فَأَتَیْتُ بَنِیْ سَالِمٍ، فَإِذَا عِتْبَانُ شَیْخٌ أَعْمٰی یُصَلِّیْ لِقَوْمِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ مِنَ الصَّلَاةِ سَلَّمْتُ عَلَیْهِ، وَأَخْبَرْتُهُ مَنْ أَنَا، ثُمَّ سَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ الْحَدِیْثِ، فَحَدَّثَنِیْهِ كَمَا حَدَّثَنِیْهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ. [راجع: ٤٢٤]

وضاحت: یہ حضرت محمود بن الربیعؓ کی حدیث ہے، یہ صحابی صغیر ہیں، انھوں نے ایک غزوہ میں (جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قسطنطنیہ پر ہوا تھا جس کا امیر یزید تھا اور اس غزوہ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، اور اسی غزوہ میں آپؓ نے وفات پائی ہے) حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا، پہلے اپنا تعارف کراتے ہیں: ایک مرتبہ نبی ﷺ میرے گھر تشریف لائے اس وقت ان کی عمر پانچ سال تھی، آپؐ نے وضو کے لئے پانی طلب کیا، گھر میں کنواں تھا اس میں سے ڈول بھر کر پانی لایا گیا، آپؐ نے وضو فرمایا پھر چلو بھر کر پانی منہ میں لیا اور کلی محمودؓ کے منہ پر ڈالی، حضرت محمودؓ کہتے ہیں: یہ واقعہ مجھے یاد ہے، پھر انھوں نے حضرت عتبان بن مالکؓ کا واقعہ بیان کیا جو کئی بار آچکا ہے، اس کا یہ جزء باب سے متعلق ہے کہ حضرت عتبانؓ کی درخواست پر ایک صبح دن چڑھے آنحضور ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے اور آپؐ نے ان کے گھر میں باجماعت دو نفلیں پڑھیں، معلوم ہوا کہ نفل نماز کی جماعت جائز ہے، باقی حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب الصلوٰۃ باب ۴۶ (تحفۃ القاری ۲:۲۶۳) میں ہے۔

اس حدیث کے آخر میں ایک مضمون زائد ہے جو پہلے نہیں آیا، جب حضرت محمودؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے: جو شخص لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہے اس پر جہنم کی آگ حرام ہے، پس حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

نے کہا: میرا خیال ہے کہ یہ بات آنحضور ﷺ نے قطعاً نہیں فرمائی (نافرمان مسلمان جو فرائض کے تارک اور کبائر کے مرتکب ہیں، صرف اللہ کی وحدانیت اور نبی ﷺ کی رسالت کی گواہی دینے سے جہنم پر حرام کیسے ہو جائیں گے؟ یہ بات ناممکن ہے، اور تم جو حدیث بیان کرتے ہو میرے خیال میں وہ صحیح نہیں، نبی ﷺ کا یہ ارشاد نہیں ہو سکتا) محمود بن الربیعؓ پر یہ بات بہت بھاری ہوئی، کیونکہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، اس لئے حضرت محمودؓ نے عہد کیا کہ اگر میں جہاد سے صحیح سالم واپس لوٹا اور حضرت عتبانؓ زندہ ہوئے تو میں ان سے یہ حدیث دوبارہ سنوں گا، چنانچہ جہاد سے لوٹنے کے بعد انھوں نے حج یا عمرہ کا ارادہ کیا، پھر حج یا عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے، حضرت عتبانؓ ابھی حیات تھے، اور قوم کی مسجد کے امام تھے، البتہ بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے، حضرت محمودؓ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے ملاقات کی اور اپنا تعارف کرایا، اور حدیث سنانے کی درخواست کی، چنانچہ حضرت عتبانؓ نے حدیث اسی طرح سنائی جس طرح پہلی مرتبہ سنائی تھی (معلوم ہوا کہ حدیث صحیح ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ توحید و رسالت کے قائل پر ابداً جہنم حرام ہے، مزید وضاحت پہلے گذر چکی ہے)

بَابُ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ

گھر میں نوافل پڑھنا

سنن و نوافل کے سلسلہ میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان کو گھر میں پڑھنا افضل ہے، مسجد میں صرف فرض نمازیں پڑھنی چاہئیں، اور اس کے کئی فائدے ہیں، مثلاً:

(۱) نوافل کی کثرت ہوگی، مسجد کی قید ہوگی تو ہر وقت نفل نہیں پڑھ سکے گا، اور گھر میں جب چاہے گا پڑھے گا۔

(۲) بیوی بچوں کو ترغیب ہوگی، وہ بھی نوافل کا اہتمام کریں گے۔

(۳) گھر میں برکت ہوگی۔

ان کے علاوہ اور بھی فوائد ہیں اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: اجعلوا فی بیوتکم من صلوتکم: اپنی کچھ نمازیں گھروں میں گردانو، من تبعیضیہ ہے اور مراد نوافل ہیں، پھر فرمایا: ولا تتخذوھا قبوراً: اور گھروں کو قبریں مت بناؤ — علماء نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

ایک: گھروں میں مردوں کو دفن مت کرو، تدفین گورغریباں میں ہونی چاہئے، اس لئے کہ گھروں میں نماز پڑھنی ہے پس اگر گھروں میں قبریں ہونگی تو ہو سکتا ہے: نماز میں قبر سامنے پڑے، جبکہ قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔

دوم: گھروں کو اعمال سے ویران مت کرو، جیسے قبرستان اعمال سے ویران ہوتا ہے، وہاں کوئی عمل نہیں کرتا، ہر شخص مرا پڑا ہے اس طرح گھروں کو اعمال سے معطل مت کرو، گھروں میں نمازیں پڑھو، اعمالِ صالحہ سے ان کو آباد کرو۔

غرض اس حدیث کی وجہ سے علماء فرماتے ہیں: سنن ونوافل گھر میں پڑھنا اولیٰ ہے، اس میں ریاء وسمعہ کا احتمال نہیں، اصل مسئلہ یہی ہے مگر جب احوال بدلے تو مسئلہ بھی بدلا، جب علماء نے دیکھا کہ لوگوں کے مشاغل بڑھ گئے ہیں اور عبادت کا ذوق وشوق کم ہوگیا ہے تو فتوی دیا کہ سنن مؤکدہ مسجد میں پڑھی جائیں، پھر جب بڑے شہروں کے احوال دیکھے کہ لوگ چھوٹے چھوٹے مکانوں میں رہتے ہیں اور گھر میں نماز میں سکون نہیں ہوتا تو سب نمازیں مسجد میں پڑھنے کا فتوی دیا، اور لوگ سبھی نفلیں مسجدوں میں پڑھنے لگے، غرض یہ احکام عوارض کی وجہ سے بدلے ہیں، اور آج فتوی یہ ہے کہ سنن مؤکدہ اور واجب نمازیں فرائض کے ساتھ ملحق ہیں، ان کو مسجد میں پڑھنا چاہئے، اور جس شخص کو اعتماد ہو کہ گھر جاکر سنتیں پڑھے گا فوت نہیں کرے گا اس کے لئے آج بھی نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

فائدہ: علامہ بنوری رحمہ اللہ نے معارف السنن (۴:۱۱۱) میں تحریر فرمایا ہے کہ فرائض، واجب اور سنن مؤکدہ کے علاوہ نو نوافل مسجد میں پڑھنا افضل ہے: (۱) تراویح (۲) سورج گہن کی نماز (۳) تحیۃ المسجد (۴) احرام کا دوگانہ (۵) طواف کا دوگانہ (۶) معتکف کے سب نوافل (۷) مسافر جب سفر سے لوٹے تو چاہئے کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے مسجد میں جاکر دو رکعت نفل نماز پڑھے (۸) جس شخص کو مشغولیت کی وجہ سے نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو اسے بھی نفل نماز مسجد میں پڑھنی چاہئے (۹) جمعہ کی سنتیں۔

اور میں نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ کوئی نیک آدمی مسجد میں ہو اور اس کی معیت مقصود ہو تو نفلیں مسجد میں پڑھنا افضل ہے، کیونکہ نیکوں کی معیت شرعاً مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھی بنو (التوبہ ۱۱۹) اسی طرح ملکہ سبا کے واقعہ میں ہے کہ اس نے اسلام قبول کرتے وقت کہا تھا: ﴿رَبِّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پروردگار! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا کہ سورج کی پوجا کرتی رہی، اب میں سلیمانؑ کے ساتھ جہاں کے پالنہار پر ایمان لاتی ہوں (النمل ۴۴) ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی معیت مطلوب ہے۔

اسی طرح مسجد کے قریب اگر کسی نیک آدمی کا گھر ہو اور اس کے قرب سے حصول برکت مقصود ہو تو بھی مسجد میں نوافل پڑھنا بہتر ہے، صحابہ کرام اسی وجہ سے تہجد پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں آتے تھے، اسی طرح اگر کوئی متبرک جگہ ہو مثلاً حرمین شریفین تو بھی مسجد میں نفل پڑھنا افضل ہے۔ واللہ اعلم

[۳۷-] بَابُ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ

[۱۱۸۷-] حدثنا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ أَيُّوْبَ، وَعُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "اجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ، وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا"

تَابَعَهُ عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ أَيُّوْبَ. [راجع: ٤٣٢]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[كِتَابُ فَضْلِ الصَّلٰوةِ فِيْ مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ]

اس کتاب کو ابواب التطوع کا تتمہ سمجھنا چاہئے، ہمارے نسخے میں یہاں کوئی عنوان نہیں، البتہ مصری نسخہ میں ہے، مگر یہ عنوان تمام ابواب کو جامع نہیں، اس لئے ان ابواب کو ابواب التطوع کا تتمہ کہنا مناسب ہے۔

بَابُ فَضْلِ الصَّلٰوةِ فِيْ مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ

مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں نماز کی فضیلت

مسجدِ مکہ سے مسجدِ حرام اور مسجدِ مدینہ سے مسجدِ نبوی مراد ہیں، مکہ اور مدینہ کی دوسری مسجدیں مراد نہیں، مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کی کیا فضیلت ہے؟ اس باب میں دو حدیثیں ہیں، ان میں فضیلت کا بیان ہے۔

[كِتَابُ فَضْلِ الصَّلٰوةِ فِيْ مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ]

بسم الله الرحمن الرحيم

[١-] بَابُ فَضْلِ الصَّلٰوةِ فِيْ مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ

[١١٨٨-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ قَزَعَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيْدٍ أَرْبَعًا، قَالَ: سَمِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه سلم، وَكَانَ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً [راجع: ٥٨٦]

[١١٨٩-] ح: وَحَدَّثَنَا عَلِيٌّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ، وَمَسْجِدُ الرَّسُوْلِ صلى الله عليه سلم، وَمَسْجِدُ الْأَقْصَى"

ترجمہ: قزعہ بن یحیی بصری کہتے ہیں: میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے چار حدیثیں سنی ہیں جو انھوں نے نبی ﷺ سے سنی ہیں اور انھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات میں شرکت کی ہے۔

پھر تحویل ہے یعنی دوسری سند ہے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: کجاوے مضبوط نہ باندھے جائیں یعنی لمبا سفر نہ کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف: مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کی طرف (قزعہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے جو چار حدیثیں سنی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہی ہے، ان کی حدیث آخری باب میں آرہی ہے، اس میں چاروں باتوں کا ذکر ہے)

تشریح:

رِحال: رَحْل کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: کجاوہ، پہلے عام طور پر اونٹوں پر سفر ہوتا تھا، قریب کا سفر اونٹ کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر بھی کرتے تھے، اور دور کے سفر کے لئے کجاوا رکھتے تھے اور سفر بہت طویل ہوتا تو کجاوا مضبوط باندھتے تھے۔ پس حدیث میں لمبا سفر کرنے کی ممانعت ہے، قریب کا سفر کر سکتے ہیں۔

کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے لمبا سفر کر کے جانا یا اولیاء کی قبروں کی زیارت کے لئے جانا، یا کسی ولی کے تکیہ (بزرگ کے رہنے اور عبادت کرنے کی جگہ) کی زیارت کے لئے جانا یا کسی اور متبرک مقام کی زیارت کے لئے لمبا سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، بعض مباح کہتے ہیں اور بعض حرام، قائلین اباحت کہتے ہیں: عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں، اور اس حدیث کا مقصد تین مسجدوں کا مہتم بالشان ہونا بیان کرنا ہے اس لئے ان تین مساجد کی طرف لمبا سفر کر کے نماز پڑھنے کے لئے جانے کی ترغیب دی، کیونکہ یہ متبرک جگہیں ہیں، پس اگر لوگ سفر کی زحمت اٹھائیں تو ان تین مقامات میں حاضری کے لئے اٹھائیں، ان کے علاوہ کے لئے بارِ مشقت اٹھانا بے فائدہ ہے، اس حدیث کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ان مقامات کے علاوہ کہیں سفر کر کے جانا جائز نہیں۔

اور دوسری رائے یہ ہے کہ خواہ مسجدیں ہوں یا اولیاء کی قبریں یا کسی ولی کا تکیہ یا کوئی اور متبرک جگہ سب کی طرف لمبا سفر کر کے جانا ممنوع ہے، اس لئے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ایسے مقامات کی زیارت کے لئے اور برکتیں حاصل کرنے کے لئے جاتے تھے، جو ان کے گمان میں معظم و محترم ہوتی تھیں، اور یہ بات دین کی تحریف کا سبب بنی تھی، اس لئے نبی ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ فساد کا دروازہ بند کر دیا کہ تین مساجد کے علاوہ حقیقی یا فرضی متبرک مقامات کے لئے سفر کرنا ممنوع ہے اور مقصد یہ ہے کہ غیر شعائر، شعائر کے ساتھ مل نہ جائیں، اور یہ اسفار غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بن جائیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ کی یہی رائے ہے اور ان کی دلیل کوہ طور کے لئے سفر کے عدم جواز والی روایت ہے، کوہ طور کی وہ جگہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تھا یقیناً ایک متبرک جگہ ہے، سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲ میں اس کو وادی مقدس (پاک میدان) اور سورۃ القصص آیت ۳۰ میں اس کو بقعہ مبارکہ

(مبارک مقام) کہا گیا ہے، پھر بھی اس کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو حضرت ابو بصرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی رو سے ممنوع قرار دیا ہے اور اولیاء کے مزارات پر حاضری کا جو سلسلہ اہل بدعت میں جاری ہے اور اس کے پیچھے جو فاسد عقائد پنہاں ہیں وہ یقیناً دین کی تحریف کا باعث ہیں، پس شاہ صاحبؒ کی بات فہم صحابی سے مؤید ہے۔

پھر ایک نیا مسئلہ قبر اطہر کی زیارت کے لئے سفر کے جواز وعدم جواز کا کھڑا ہوا، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس کے لئے بھی سفر کرنا ناجائز کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی نیت سے سفر کرے پھر روضۂ اقدس پر بھی حاضری دے مگر قبر اطہر کی زیارت کی نیت سے مستقل سفر کرنا جائز نہیں، وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، فرماتے ہیں: حدیث میں استثناء مفرغ ہے یعنی اس کا مستثنیٰ منہ مذکور نہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ استثناء مفرغ میں مستثنیٰ منہ عام پوشیدہ مانا جاتا ہے، پس تقدیر عبارت ہوگی: لاتُشَدُّ الرحالُ إلی مکانٍ مّا: کسی جگہ کا سفر نہ کیا جائے اور اس کے عموم میں قبر اطہر بھی آتی ہے، اس لئے اس کی زیارت کے لئے سفر کرنا بھی جائز نہیں۔

اور جمہور امت کے نزدیک قبر اطہر کی زیارت کے لئے سفر کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ اہم عبادتوں میں سے ہے، اور بڑا ثواب کا کام ہے، اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ بیشک استثناء مفرغ میں مستثنیٰ منہ عام ہوتا ہے مگر وہ مستثنیٰ کی جنس سے ہوتا ہے، پس تقدیر عبارت ہوگی: لاتُشَدُّ الرحالُ إلی مسجدٍ مّا: کسی بھی مسجد کے لئے لمبا سفر نہ کیا جائے۔ اور اس تقدیر کی دلیل ایک حدیث بھی ہے، مسند احمد (۶۴:۳) میں شہر بن حوشب ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث بایں الفاظ روایت کرتے ہیں: لاَیَنْبَغِیْ لِلْمَطِیِّ أَنْ تُشَدَّ رِحَالُہُ إِلیٰ مسجدٍ یَبْتَغِیْ فیہ الصلوۃ غیرَ المسجدِ الحرامِ والمسجدِ الأقصیٰ ومسجدی ھذا، اور شہر بن حوشب میں اگرچہ کلام ہے مگر مجمع الزوائد (۳:۴) میں صراحت ہے کہ ان کی حدیث حسن کے درجہ کی ہوتی ہے۔ غرض اس حدیث میں مستثنیٰ منہ مصرح ہے اور إلی مکانٍ مّا تو مقدر مانا ہی نہیں جاسکتا، ورنہ تجارت کے لئے اور مریض کے علاج کے لئے دور دراز کا سفر کرنا بھی ممنوع ہوجائے گا۔

اور جمہور امت نے اصل استدلال تعامل امت سے کیا ہے کہ دورِ صحابہ سے آج تک ہر حاجی مکہ معظمہ کا ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑ کر چار سو میل کا طویل سفر کرکے مدینہ طیبہ جاتا ہے، ظاہر ہے: حجاج صرف مسجد نبوی کی زیارت کے لئے نہیں جاتے بلکہ قبر اطہر پر حاضری مقصود ہوتی ہے، غرض قبر اطہر کا معاملہ ایک استثنائی معاملہ ہے، جیسے گھر میں تدفین حدیث کی رو سے ممنوع ہے مگر آپ کی تدفین اس سے مستثنیٰ ہے اور قبروں اور تکیوں کے لئے طویل سفر کا عدم جواز تنقیح مناط کے ذریعہ ہے، اور حضرت ابو بصرہ رضی اللہ عنہ نے طور کے لئے سفر کو حدیث کے ذیل میں لیا ہے، کمافی الموطا۔ واللہ اعلم

فائدہ: ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے زندگی بھر بدعات وخرافات سے ٹکر لی ہے، اور دمشق، شام اور مصر ان کے کام کا میدان رہا ہے، اور ان کے مزاج میں شدت تھی، جب انھوں نے دیکھا کہ لوگ اولیاء کی قبروں اور متبرک مقامات کی زیارت کے لئے طویل سفر کرتے ہیں اور وہاں پہنچ کر کرونی ناکردنی کرتے ہیں تو انھوں نے ردعمل میں قبر اطہر کی زیارت کے لئے بھی سفر کو

ناجائز کہدیا، اور ہندوستان بھی بدعات وخرافات سے بھرا پڑا تھا، دارالعلوم دیوبند کی سو سالہ محنت سے اس کی حالت میں کافی حد تک سدھار آیا ہے، مگر اب بھی آدھے سے زیادہ ہندوستان بدعات کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہے، مگر ہمارے اکابر کے مزاج میں اعتدال تھا، چنانچہ انھوں نے ردِ عمل کے طور پر مسئلہ نہیں بگاڑا، قرآن وحدیث کی رو سے جو جائز تھا اس کو جائز کہا اور اس کی بالکل پرواہ نہیں کی کہ جائز کہنے کی صورت میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا! بہر حال اپنے اکابر کے نزدیک قبر اطہر کی زیارت کے لئے طویل سفر کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ اعظم قربات سے ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے اور یہ استثنائی صورت ہے۔

[۱۱۹۰-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ رَبَاحٍ، وَعُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ الأَغَرِّ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " صَلاَةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلاَةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلاَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنا دیگر مساجد میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے، مگر مسجد حرام مستثنیٰ ہے یعنی اُس میں اِس سے بھی زیادہ ثواب ہے۔

تشریح:

۱- ایک ضعیف حدیث میں ہے: گھر میں نماز پڑھنے سے ایک نماز کا ثواب ملتا ہے، اور محلّہ کی مسجد میں پچیس نمازوں کا، اور جامع مسجد میں پانچ سو نمازوں کا، اور مسجد اقصیٰ میں پچاس ہزار نمازوں کا، اور مسجد نبوی میں بھی پچاس ہزار نمازوں کا اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا (رواہ ابن ماجہ، مشکوۃ حدیث ۷۵۲) اور ایک روایت میں مسجد نبوی میں ایک ہزار اور مسجد اقصیٰ میں پانچ سو نمازوں کا ذکر ہے (عمدۃ) اسی طرح مسجد قباء میں بھی نماز کی فضیلت آئی ہے۔

اس فضیلت کی چند وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: ان مساجد میں ثواب کی زیادتی بانیوں کی برکت سے ہے۔ دنیا میں چار ہی مسجدیں ایسی ہیں جو بالیقین نبیوں کی بنائی ہوئی ہیں، ایک: مسجد حرام: جس کے بانی خلیل اللہ ہیں، دوسری: مسجد نبوی: جس کے بانی حبیب اللہ ہیں، تیسری: مسجد اقصیٰ: جس کے بانی سلیمان علیہ السلام ہیں، چوتھی: مسجد قباء: اس کے بانی بھی رسول اللہ ﷺ ہیں، اور بانی کی برکت کا بناء میں اور بنی میں آنا ایک مسلّمہ حقیقت ہے، اسی وجہ سے لوگ مسجد اور مکان وغیرہ کی نیک لوگوں سے بنیاد رکھواتے ہیں۔

دوسری وجہ: نمازیوں کی کثرت فضیلت کا باعث ہے، مسجد حرام میں لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے اور مسجد نبوی میں بھی نمازی لاکھ دو لاکھ سے کم نہیں ہوتے، اور مسجد اقصیٰ میں بھی بڑا مجمع ہوتا ہے، اس وجہ سے نماز کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔

تیسری وجہ: کس مسجد میں کس پیغمبر نے کتنا عرصہ عبادت کی ہے اس کا بھی فضیلت میں اور اس کی کمی بیشی میں دخل ہے،

مسجد حرام میں تمام نبیوں اور رسولوں نے عبادت کی ہے اس لئے اس کا مرتبہ سب سے بلند ہے، اور مسجد نبوی میں دس سال مسلسل آنحضور ﷺ نے قیام فرمایا ہے اور وہاں شب وروز عبادت کی ہے اس لئے اس کا دوسرا نمبر ہے، اور مسجد اقصیٰ میں انبیاءِ بنی اسرائیل نے عبادتیں کی ہیں اس لئے اس کا بھی دوسرا نمبر (ضعیف روایت میں) یا تیسرا نمبر (صحیح روایت میں) ہے، اور قبا کی مسجد بھی آنحضرت ﷺ نے بنائی ہے، اور وہاں پندرہ دن قیام فرمایا ہے، پھر گاہ بہ گاہ وہاں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے اس لئے اس کا چوتھا نمبر ہے، اور جامع مسجد کی فضیلت نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے ہے، اور محلہ کی مسجد کی فضیلت جماعت کی بنا پر ہے، ان کے علاوہ فضیلت کی اور بھی وجوہ ہیں جو رحمۃ اللہ الواسعہ (۴۴۴:۳) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۲- علماء نے فرمایا ہے کہ یہ ثواب فرضوں کا ہے نفلوں کا نہیں، اور دلیل یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نفلیں گھر میں ادا فرماتے تھے اور صحابہ کرام کو بھی آپؐ نے اس کی ترغیب دی تھی، اگر یہ ثواب غیر فرض کے لئے بھی ہوتا تو آپ سنن ونوافل مسجد میں پڑھتے اور صحابہ کرام کو بھی اس کی ترغیب دیتے، علاوہ ازیں نمازیوں کی کثرت وقلت جو فضیلت کا اصل باعث ہے وہ فرض نماز ہی میں متحقق ہے۔

نیز علماء نے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ ان مساجد میں نماز ادا کرنے کا جو ثواب مروی ہے وہ مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے مکہ اور مدینہ میں بھی گھر میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے، حضرت ام حمید ساعدی رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تھا کہ مجھے آپؐ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، آپؐ نے فرمایا: ''تمہارا شوق بہت اچھا ہے، مگر تمہاری نماز کوٹھری میں کمرے کی نماز سے بہتر ہے، اور کمرے کی نماز گھر کے احاطہ کی نماز سے بہتر ہے، اور گھر کے احاطہ کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے، اور محلہ کی مسجد کی نماز میری مسجد کی نماز سے بہتر ہے'' اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مسجد نبوی اور مسجد حرام وغیرہ کا ثواب مردوں کے لئے ہے، عورتوں کے لئے مکہ اور مدینہ میں بھی گھر میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔

(الترغیب والترہیب ۱:۱۷۸)

فائدہ: مگر ہم جب حج یا عمرہ کے لئے جاتے ہیں تو یہ بات عورتوں کو نہیں بتاتے، ان کو حرمین شریفین میں نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں، کیونکہ بے چاری زندگی بھر کی تمنا لے کر جاتی ہے، پس اگر ان کو گھر میں نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے گا تو ان کی تمناؤں کا خون ہوگا، اس لئے ان کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت حرمین میں گذارنا بہتر ہے۔

بَابُ مَسْجِدِ قُبَاءٍ

قبا کی مسجد

قبا: مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا، اب وہ مدینہ میں شامل ہوگیا ہے، یہاں قبیلہ بنی عمرو بن عوف آباد تھا، نبی پاک ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تھی تو پہلی منزل یہی قبا تھا، آپؐ نے کم وبیش پندرہ دن یہاں قیام فرمایا ہے، اس

دوران آپؐ نے گاؤں میں ایک مسجد تعمیر فرمائی، آپؐ نے اس میں بذاتِ خود حصہ لیا ہے، اور اس میں امامت بھی فرمائی ہے، پھر ہر ہفتہ: سنیچر کے دن آپؐ اس مسجد میں تشریف لے جاتے تھے، کبھی پیدل کبھی سوار ہوکر، اس مسجد میں نماز پڑھنے کی روایات بکثرت ہیں، ایک روایت میں ہے کہ اس میں نماز پڑھنے کا ثواب عمرہ کے برابر ہے اور ایک دوسری روایت میں اس میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک غلام آزاد کرنے کے برابر بتایا گیا ہے، غرض دنیا میں چار ہی مسجدیں بالیقین انبیاء کی بنائی ہوئی ہیں، ان میں سے ایک مسجدِ قبا بھی ہے۔

[۲-] بَابُ مَسْجِدِ قُبَاءٍ

[۱۱۹۱-] حدثنا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يُصَلِّيْ مِنَ الضُّحَى إِلَّا فِيْ يَوْمَيْنِ، يَوْمَ يَقْدَمُ بِمَكَّةَ، فَإِنَّهُ كَانَ يَقْدَمُهَا ضُحًى، فَيَطُوْفُ بِالْبَيْتِ ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْمَقَامِ، وَيَوْمَ يَأْتِيْ مَسْجِدَ قُبَاءٍ، فَإِنَّهُ كَانَ يَأْتِيْهِ كُلَّ سَبْتٍ، فَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَرِهَ أَنْ يَخْرُجَ مِنْهُ حَتَّى يُصَلِّيَ فِيْهِ، قَالَ: وَكَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَزُوْرُهُ رَاكِبًا وَمَاشِيًا.

[انظر: ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۷۳۲۶]

[۱۱۹۲-] قَالَ: وَكَانَ يَقُوْلُ لَهُ: إِنَّمَا أَصْنَعُ كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِيْ يَصْنَعُوْنَ، وَلَا أَمْنَعُ أَحَدًا إِنْ صَلَّى فِيْ أَيِّ سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ، غَيْرَ أَنْ لَا يَتَحَرَّوْا طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا.

حدیث (۱): نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چاشت کی نماز نہیں پڑھا کرتے تھے، مگر دو موقعوں پر: ایک: جب آپ مکہ معظمہ آتے تھے، آپؐ چاشت کے وقت مکہ میں داخل ہوتے تھے، پھر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، پھر مقام ابراہیم کے پیچھے طواف کا دوگانہ پڑھتے تھے (چاشت کے وقت میں جو بھی نماز پڑھی جائے گی وہ صلاۃ الضحیٰ ہے) دوسرے: جس دن قبا میں تشریف لے جاتے، آپ مسجدِ قباء میں ہر سنیچر کو جاتے تھے، جب آپؓ مسجد میں داخل ہوتے تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے نکلنے کو ناپسند کرتے (اور وہ چاشت کا وقت ہوتا تھا) اور یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ نبی ﷺ مسجدِ قباء کی زیارت کیا کرتے تھے، سوار ہوکر بھی اور پیدل بھی۔

حدیث (۲): نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن عمرؓ ان سے کہا کرتے تھے: میں نے جس طرح اپنے ساتھیوں کو (دیگر صحابہ کو) عمل کرتے دیکھا ہے میں بھی اسی طرح عمل کرتا ہوں، یعنی صحابہ عام طور پر چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے، صرف ان دو موقعوں پر پڑھتے تھے پس میرا بھی یہی عمل ہے، اور جو شخص دن یا رات کی جس گھڑی میں بھی نماز پڑھتا ہے اس کو منع نہیں کرتا، ہاں طلوع شمس اور غروب شمس کا ارادہ نہ کرے یعنی طلوع، غروب اور استواء کے وقت بالقصد نماز نہ پڑھے۔

ملحوظہ: قباء کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھا گیا ہے، اور علامہ نووی رحمہ اللہ نے منصرف کو ترجیح دی ہے۔

بَابُ مَنْ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ

بَابُ إِتْيَانِ مَسْجِدِ قُبَاءٍ رَاكِبًا وَمَاشِيًا

جو شخص ہر سنیچر کو سوار ہو کر یا پیدل مسجدِ قباء گیا

نبی ﷺ ہر ہفتہ سنیچر کے دن مسجد قباء تشریف لے جاتے تھے، کبھی پیدل اور کبھی سوار ہو کر، اور یہ اوپر والے باب ہی کی حدیثیں ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ افادہ مزید کے لئے ہر حدیث پر نیا عنوان لگا دیتے ہیں۔

[۳-] بَابُ مَنْ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ

[۱۱۹۳-] حدثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا، وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ. [راجع: ۱۱۹۱]

[٤-] بَابُ إِتْيَانِ مَسْجِدِ قُبَاءٍ رَاكِبًا وَمَاشِيًا

[۱۱۹٤-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ رَاكِبًا وَمَاشِيًا.

زَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ: قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ: فَيُصَلِّي فِيهِ رَكْعَتَيْنِ. [راجع: ۱۱۹۱]

بَابُ فَضْلِ مَا بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ

قبر اطہر اور منبر شریف کی درمیانی جگہ کی فضیلت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا وہ حجرہ جس میں حضور اقدس ﷺ آسودہ خواب ہیں، اس کے درمیان اور منبر نبوی کے درمیان جو جگہ ہے اس کو حدیث شریف میں 'جنت کی کیاری' کہا گیا ہے، یہ بیان حقیقت ہے یا تمثیل؟ عام طور پر علماء نے اس کو بیان حقیقت قرار دیا ہے، اور اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن یہ حصہ جنت میں شامل کر لیا جائے گا، یا یہ جنت ہی کا ایک ٹکڑا ہے، جیسے حجر اسود جنت کا ایک پتھر ہے اور قیامت کے دن پھر جنت میں منتقل کر دیا جائے گا، اور بعض علماء نے اس کو تمثیل اور پیرایہ بیان قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں: یہ درحقیقت زمین ہی کا ایک ٹکڑا ہے، جنت کا ٹکڑا نہیں ہے، نہ قیامت کے دن یہ حصہ جنت میں شامل کیا جائے گا، بلکہ یہ برکت والی جگہ ہے اس اعتبار سے اس کو جنت کی

کیاری' کہا گیا ہے۔

اس کی نظیر: عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حجر اسود جنت کا ایک پتھر ہے، اور اس سلسلہ میں ترمذی شریف میں ایک روایت بھی ہے، مگر وہ ضعیف ہے، اور محمد بن الحنفیہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والا تبار صاحبزادے ہیں اور شجاعت و بہادری میں اپنے والد کے مانند تھے، ان کا قول شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کیا ہے کہ حجر اسود دنیا ہی کا ایک پتھر ہے اور اس کو جنت کا پتھر اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ بابرکت پتھر ہے۔

اسی طرح وہ قطعہ جو قبر اطہر اور منبر کے درمیان ہے، زمین ہی کا ایک حصہ ہے، مگر وہ بابرکت جگہ ہے، اس لئے اس کو 'جنت کی کیاری' کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: یہ حدیث لفظ 'بیت' سے بھی آئی ہے اور لفظ 'قبر' سے بھی، صحاح میں لفظ بیت ہے: ما بین بیتی ومنبری اور طبرانی اور بزار میں لفظ 'قبر' ہے: ما بین قبری ومنبری، اور راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث لفظ 'بیت' سے ہے اور 'قبر' روایت بالمعنی ہے، کیونکہ بوقت ارشاد قبر نہیں بنی تھی، ابھی آپ حیات تھے، اور حضور اکرم ﷺ کے نو گھر تھے، اور آخری ایام آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گذارے ہیں اور انہی دنوں میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے، اور لفظ بیت استعمال فرمایا ہے، اور مراد حضرت عائشہؓ کا کمرہ ہے، پھر جب وہاں قبر اطہر بنی تو روایت بالمعنی میں الفاظ بدل گئے، روایت بالمعنی میں ایسی تبدیلی ہوتی ہے۔

[٥-] بَابُ فَضْلِ مَا بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ

[١١٩٥-] حدثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ الْمَازِنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ "

[١١٩٦-] حدثنا مُسَدَّدٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ ابْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي" [١١٨٨، ٦٥٨٨، ٧٣٣٥]

وضاحت: روضۃ کے معنی ہیں: باغ، ہری بھری کیاری، مسجد نبوی کے اس خاص حصہ کو جنت کے باغ سے اس لئے تشبیہ دی ہے کہ اس جگہ میں ہر وقت اللہ کا ذکر، تلاوت قرآن اور نماز کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، اور احادیث میں ذکر کے حلقوں کو جنت کے باغات کہا گیا ہے، اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: "میرا منبر میرے حوض پر ہے" پس اگر یہ بھی تمثیل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو منبر کے قریب ذکر و اذکار کرے گا، اور نمازیں پڑھے گا وہ قیامت کے دن حوض کوثر

کے قریب ہوگا اور اس کے پانی سے سیراب ہوگا، اور اگر یہ بیانِ حقیقت ہے تو مطلب یہ ہے کہ جو منبر مسجد نبوی میں تھا وہی منبر حوض کوثر پر رکھا جائے گا، اور آپ اس پر تشریف فرما ہونگے اور فرشتے آپ کی نگرانی میں امت کو پانی پلائیں گے۔

اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں لفظ "قبر" رکھ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث لفظ قبر کے ساتھ بھی آئی ہے اور اس ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ ریاض الجنۃ میں نماز پڑھنا مسجد نبوی کے دوسرے حصوں میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

بَابُ مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ

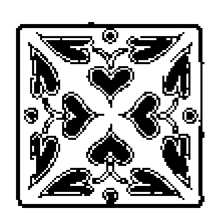
مسجد بیت المقدس

جن مسجدوں میں نماز پڑھنے کی فضیلت آئی ہے ان میں مسجد اقصیٰ بھی ہے، نبی ﷺ نے اس میں نماز پڑھنے کے لئے طویل سفر کر کے جانے کی اجازت دی ہے۔

[٦-] بَابُ مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ

[١١٩٧-] حدثنا أَبُو الْوَلِيْدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، سَمِعْتُ قَزَعَةَ مَوْلَى زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ يُحَدِّثُ بِأَرْبَعٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَعْجَبْنَنِيْ وَآنَقْنَنِيْ، قَالَ: " لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ يَوْمَيْنِ إِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ، وَلَا صَوْمَ فِيْ يَوْمَيْنِ: الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاتَيْنِ: بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى، وَمَسْجِدِيْ "[راجع: ٥٨٦]

ترجمہ: قزعہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے چار حدیثیں سنی ہیں جن کو وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، اور یہ حدیثیں قزعہ کو بہت پسند تھیں، ایک: کوئی عورت شوہر یا محرم کے بغیر دو دن کا سفر نہ کرے، دوسری: دو دن یعنی یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ میں روزہ رکھنا جائز نہیں، تیسری: دو نمازوں کے بعد یعنی فجر اور عصر کی نمازیں پڑھنے کے بعد نوافل جائز نہیں، چوتھی: کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف: مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کی طرف، یہ چاروں حدیثیں پہلے گذر چکی ہیں اور اعجبنني اور آنقنني: کا ایک مطلب ہے یعنی مجھے یہ چاروں حدیثیں بہت پسند ہیں۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَبْوَابُ الْعَمَلِ فِي الصَّلاَةِ

نماز میں عمل کا بیان

نماز میں اقوال بھی ہیں اور افعال بھی، اقوال میں کن باتوں کی گنجائش ہے اور افعال میں کن کاموں کی؟ یعنی کونسے قول وفعل مفسد صلوٰۃ ہیں اور کونسے نہیں؟

جاننا چاہئے کہ ہر وہ قول جو کلام الناس کے قبیل سے ہے، اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اور جو قول کلام الناس کے قبیل سے نہیں ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، مثلاً: نماز میں چھینک آئے، اور بے قصد تحمید کرلے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اگر کسی کو سلام کیا یا سلام کا جواب دیا یا چھینکنے والے کو جواب دے کر خوش کیا تو نماز فاسد ہوجائے گی، کیونکہ سلام میں اور یرحمك الله میں کاف خطاب کا ہے، پس کلام متحقق ہوگیا، اس لئے نماز فاسد ہوجائے گی، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

البتہ اگر کوئی بھول کر نماز کی اصلاح کے لئے کلام الناس کے قبیل کی کوئی بات کرلے تو کیا حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نماز کی اصلاح کے لئے ناسیاً کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مہذب میں اس کے ساتھ غیر طویل کی قید بڑھائی ہے، انھوں نے حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: تحفۃ الالمعی ۲: ۲۳۱)

اور حنفیہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک کلام کی مطلق گنجائش نہیں، خواہ کلام قلیل ہو یا کثیر، عمداً ہو، ناسیاً ہو یا جاہلاً ہو، مطلق کلام مفسد صلوٰۃ ہے، دلائل آگے آرہے ہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ سے متعدد اقوال مروی ہیں، اور وہ آخری بات جس پر ان کی رائے ٹھہر گئی وہ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ہے، یعنی مطلقاً کلام مفسد صلوٰۃ ہے، تفصیل مغنی (۱: ۷۰۲) میں ہے۔ اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کے بھی اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں، اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے امام مالکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نماز میں کلام کی صورت میں نماز کا اعادہ مستحب ہے، اور حارث بن مسکین (مالکی) فرماتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ کے تلامذہ کا اس پر اجماع ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ والی احادیث اسلام کے ابتدائی دور کی ہیں، اور وہ سب منسوخ ہیں (عمدۃ القاری ۴: ۲۶۸) پس مسئلہ میں صرف امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف باقی رہتا ہے۔

اور قلیل عمل نماز کو فاسد نہیں کرتا اور کثیر عمل نماز کو فاسد کرتا ہے، اس پر اجماع ہے، البتہ قلیل وکثیر کی تحدید وتعیین میں اختلاف ہے، اور اس سلسلہ میں فقہاء احناف سے بھی مختلف اقوال مروی ہیں، مثلاً: بعض کہتے ہیں: جو کام دونوں ہاتھوں سے کیا جائے وہ کثیر ہے اور مفسدِ صلوٰۃ ہے اور جو کام ایک ہاتھ سے کیا جائے وہ قلیل ہے اور مفسد صلوٰۃ نہیں، اور بعض کہتے ہیں: جو کام مسلسل تین مرتبہ کیا جائے وہ کثیر ہے اور تین مرتبہ سے کم ہو تو قلیل ہے، اور بعض کہتے ہیں: اگر دیکھنے والا نمازی کے عمل کو کثیر سمجھے تو کثیر ہے اور قلیل سمجھے تو قلیل ہے، مگر ان میں سے کسی قول پر فتویٰ نہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کا مزاج یہ ہے کہ وہ ایسے پیچیدہ مسائل کو رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دیتے ہیں، یعنی نمازی خود فیصلہ کرے، اگر اس کے خیال میں اس نے جو عمل کیا ہے وہ قلیل ہے تو اس کی نماز صحیح ہے اور اگر وہ اپنے عمل کو کثیر سمجھ رہا ہے تو دوبارہ نماز پڑھے۔

الحاصل: عمل کے سلسلہ میں تھوڑی بہت گنجائش ہے مگر کلام الناس مطلقاً مفسد صلوٰۃ ہے اس میں بالکل گنجائش نہیں، البتہ جو کلام نماز کی اصلاح کے لئے ہو اس کی امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تھوڑی سی گنجائش ہے۔

بَابُ اسْتِعَانَةِ الْيَدِ فِي الصَّلَاةِ إِذَا كَانَ مِنْ أَمْرِ الصَّلٰوةِ

نماز میں ہاتھ سے کام لینا، جب کہ کام کا تعلق نماز سے ہو

نماز میں ہاتھ اور دیگر اعضاء سے کام لے سکتے ہیں، مثلاً مچھر نے کاٹا اور ہاتھ سے کھجلایا یا دونوں پیر ملا کر رگڑے تو یہ جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ عمل کثیر نہ ہو، ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی، اور إذا كان من أمر الصلوة کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے اندر وہ کام کرنا ضروری ہو تو ہاتھ اور دیگر اعضاء سے مدد لے سکتے ہیں، بے ضرورت اِدھر اُدھر ہاتھ لے جانا ٹھیک نہیں، اس سے نماز مکروہ ہوگی، بلکہ ضرورت ہو تو گردن گھما کر بھی دیکھ سکتا ہے، ابو داؤد میں روایت ہے: ایک جہاد کے سفر میں نبی ﷺ نے رات میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور گھاٹی کے دہانے پر ایک شخص کو پہرے کے لئے مقرر کیا، صبح صادق کے بعد بھی پہرے دار نہیں آیا تو آپ کو تشویش ہوئی، اور آپ نے فجر کی نماز میں کئی مرتبہ چہرہ گھما کر گھاٹی کی طرف دیکھا، غرض ضرورت ہو تو چہرہ گھما کر بھی دیکھ سکتا ہے، ہاتھ اور دیگر اعضاء سے بھی مدد لے سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تو ہاتھ کی تخصیص کی ہے مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مسئلہ کو عام رکھا ہے وہ فرماتے ہیں: آدمی نماز کے اندر جسم کے جس عضو سے چاہے مدد لے سکتا ہے، اور ابو اسحاق سبیعی (تابعی) رحمہ اللہ کی نماز میں ٹوپی گر گئی تو انھوں نے نماز ہی میں اٹھا کر پہن لی، کیونکہ یہ عمل قلیل ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حالت قیام میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کا گٹا پکڑتے تھے یعنی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے تھے، مگر جب کھجلانے کی یا کپڑا صحیح کرنے کی ضرورت پیش آتی تو آپ ہاتھ استعمال کرتے تھے، امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو قول لکھا ہے: اس کی عبارت غیر واضح ہے، حاشیہ میں مسلم شریف کے حوالہ سے جو الفاظ ہیں وہ واضح ہیں، غرض نماز کے اندر عمل قلیل کی گنجائش ہے۔

۲۱ – [أَبْوَابُ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[۱-] بَابُ اسْتِعَانَةِ الْيَدِ فِي الصَّلَاةِ، إِذَا كَانَ مِنْ أَمْرِ الصَّلٰوةِ

[۱-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَسْتَعِينُ الرَّجُلُ فِي صَلَاتِهِ مِنْ جَسَدِهِ بِمَا شَاءَ.

[۲-] وَوَضَعَ أَبُو إِسْحَاقَ قَلَنْسُوَتَهُ فِي الصَّلَاةِ، وَرَفَعَهَا.

[۳-] وَوَضَعَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَفَّهُ عَلَى رُصْغِهِ الْأَيْسَرِ، إِلَّا أَنْ يَحُكَّ جِلْدًا أَوْ يُصْلِحَ ثَوْبًا.

[۱۱۹۸--] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، وَهِيَ خَالَتُهُ، قَالَ: فَاضْطَجَعْتُ عَلَى عَرْضِ الْوِسَادَةِ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰى انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَجَلَسَ فَمَسَحَ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ خَوَاتِيمَ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا، فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ: فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى يَفْتِلُهَا بِيَدِهِ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ. [راجع: ۱۱۷]

وضاحت: یہ روایت پڑھی ہوئی ہے، آنحضور ﷺ نے دایاں ہاتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سر پر رکھ کر اشارہ کیا اور ان کو بائیں طرف سے دائیں طرف لے لیا، یہ آپؐ نے نماز میں ہاتھ استعمال کیا۔

بَابُ مَا يُنْهٰى مِنَ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں بات چیت کی ممانعت

احناف اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک نماز میں کلام کی مطلق گنجائش نہیں، حضرتؒ نے دو حدیثیں پیش کی ہیں:

پہلی حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں: حبشہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے نبی ﷺ

نماز کے اندر سلام کا جواب دیتے تھے، پھر جب میں حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آیا اور ایک موقعہ پر خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا، آپ نے جواب نہیں دیا، حضرت ابن مسعودؓ پریشان ہو گئے، وہ سمجھے: نبی ﷺ ان سے ناراض ہو گئے ہیں، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جواب دیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں اپنے دین میں احکام بھیجتے ہیں، تمہارے حبشہ جانے کے بعد اللہ نے جو احکام بھیجے ہیں ان میں یہ حکم بھی ہے کہ تم نماز میں بات نہ کرو (ابوداؤد، مشکوۃ حدیث ۹۸۹) اور یہاں حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: إن في الصلاة شغلاً: نماز میں مشغولیت ہے، اس لئے جواب دینے کی گنجائش نہیں۔

دوسری حدیث: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم نماز میں آنحضور ﷺ کے پیچھے بوقت ضرورت بات کرتے تھے، یہاں تک کہ آیت: ﴿قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ نازل ہوئی، پس ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا، اور بات کرنے سے روک دیا گیا۔

تیسری حدیث: مسلم شریف (مشکوۃ حدیث ۹۷۸ باب مالایجوز) میں ہے، وہ سب سے زیادہ واضح ہے، مگر امام بخاریؒ اس کو نہیں لائے، حضرت معاویہ بن الحکم سُلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جماعت میں ایک شخص نے چھینکا، معاویہ نے یرحمك الله کہہ کر تشمیت کی، لوگوں نے ان کو گھورا، وہ نماز میں بولے: مجھے کیوں گھورتے ہو! صحابہ نے رانوں پر ہاتھ مارے تو وہ خاموش ہو گئے، نماز کے بعد آنحضور ﷺ نے ان کو مسئلہ سمجھایا: إن هذه الصلاة لايصلح فيها شيئ من كلام الناس، إنما هي التسبيح والتكبير وقراء ة القرآن: نماز میں انسانی کلام کی مطلق گنجائش نہیں، نماز تسبیح، تکبیر اور قراءت قرآن ہی ہے۔

[۲-] بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الْكَلَامِ فِي الصَّلاَةِ

[۱۱۹۹-] حدثنا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ، فَيَرُدُّ عَلَيْنَا، فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ، سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا، وَقَالَ: " إِنَّ فِي الصَّلاَةِ شُغْلاً" [انظر: ۱۲۱۶، ۳۸۷۵]

حدثنا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ السَّلُوْلِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُرَيْمُ بْنُ سُفْيَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

[۱۲۰۰-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا عِيْسَى: هُوَ ابْنُ يُوْنُسَ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ، عَنِ الْحَارِثِ ابْنِ شُبَيْلٍ، عَنْ أَبِيْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، قَالَ: قَالَ لِيْ زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ: إِنْ كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، يُكَلِّمُ أَحَدُنَا صَاحِبَهُ بِحَاجَتِهِ حَتَّى نَزَلَتْ ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلاَةِ الْوُسْطَى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ [البقرة: ۲۳۸] فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ. [انظر: ٤٥٣٤]

بَابُ مَا يَجُوْزُ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالْحَمْدِ فِي الصَّلَاةِ لِلرِّجَالِ

مردوں کے لئے نماز میں تسبیح اور حمد جائز ہے

تسبیح اور تحمید اذکار ہیں، ان کو اگرچہ کلام الناس کے مقصد سے بولا جائے، نماز فاسد نہیں ہوگی، امام نے غلطی کی، مقتدی نے لقمہ دیا: سبحان اللہ، یا نمازی نے کوئی خوشی کی بات سنی اور الحمد للہ کہا تو یہ جملے اگرچہ کلام الناس کے مقصد سے بولے گئے ہیں پھر بھی نماز فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ یہ ذکر ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں یہی مسئلہ بیان کیا ہے۔ اور للرجال کی قید اس لئے لگائی ہے کہ عورت جب کسی کو تنبیہ کرے گی تو تصفیق کرے گی، تسبیح، تحمید یا تکبیر نہیں کہے گی۔ اور اگر کوئی عورت سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہہ کر لقمہ دے یا امام نے قراءت میں غلطی کی اور عورت نے لقمہ دیا تو بعض مفتی کہتے ہیں: عورت کی نماز فاسد ہوگئی کیونکہ عورت کی آواز ستر ہے پس ننگا پا کھل گیا، مگر یہ بات صحیح نہیں، صوتُ العورۃ عورۃ: ایک معاشرتی مسئلہ ہے، عورتوں کو اپنی آواز اجنبیوں کو نہیں سنانی چاہئے، جیسے عورتوں کے جسم کا حجاب اور پردہ ہے ان کی آواز کا بھی حجاب اور پردہ ہے، اس جزئیہ کا بس اتنا ہی مطلب ہے، پس مذکورہ صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی۔

[۳-] بَابُ مَا يَجُوْزُ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالْحَمْدِ فِي الصَّلَاةِ لِلرِّجَالِ

[۱۲۰۱-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصْلِحُ بَيْنَ بَنِيْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، وَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَجَاءَ بِلَالٌ أَبَا بَكْرٍ، فَقَالَ: حُبِسَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَتَؤُمُّ النَّاسَ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنْ شِئْتُمْ، فَأَقَامَ بِلَالٌ الصَّلَاةَ، فَتَقَدَّمَ أَبُوْبَكْرٍ فَصَلَّى، فَجَاءَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَمْشِيْ فِي الصُّفُوْفِ، يَشُقُّهَا شَقًّا، حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ الْأَوَّلِ، فَأَخَذَ النَّاسُ بِالتَّصْفِيْحِ، قَالَ سَهْلٌ: هَلْ تَدْرُوْنَ مَا التَّصْفِيْحُ؟ هُوَ التَّصْفِيْقُ، وَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَا يَلْتَفِتُ فِي الصَّلَاةِ، فَلَمَّا أَكْثَرُوْا الْتَفَتَ، فَإِذَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي الصَّفِّ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ: مَكَانَكَ! فَرَفَعَ أَبُوْ بَكْرٍ يَدَيْهِ، فَحَمِدَ اللهَ، ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى وَرَاءَهُ، وَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَصَلَّى. [راجع: ۶۸۴]

وضاحت: یہ حدیث پہلے آچکی ہے، قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں کسی بات پر جھگڑا ہوا، آنحضور ﷺ صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے، واپسی میں دیر ہوگئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی درخواست پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانی شروع کی، ابھی پہلی ہی رکعت تھی کہ آنحضور ﷺ تشریف لے آئے، لوگ جگہ دیتے گئے اور آپ پہلی صف میں پہنچ گئے، اس وقت مسجد نبوی میں دو تین صفیں ہی ہوتی تھیں، کیونکہ مدینہ میں اور بھی مسجدیں تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پتا نہیں چلا، لوگوں نے تالیاں بجائیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جھانکا، وہ آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے، آپ نے اشارہ

سے منع فرمایا،مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر آپ کا شکریہ ادا کیا اور صف میں چلے آئے، نبی ﷺ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔

استدلال: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تحمید کرنا کلام الناس ہے، انھوں نے نبی ﷺ کا شکریہ ادا کیا ہے پھر بھی نماز صحیح ہے، اس لئے کہ یہ ذکر ہے، یہ حدیث کی باب سے مناسبت ہے، حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب الصلوۃ باب ۴۸ (تحفۃ القاری ۲: ۵۴۵) میں ہے۔

بَابُ مَنْ سَمَّى قَوْمًا أَوْ سَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى غَيْرِ مُوَاجَهَةٍ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ

نماز میں کسی قوم کا نام لیا یا اس کو سلام کیا، مگر وہ سامنے نہیں ہے، نہ اس کو کچھ پتہ ہے

ایک شخص نماز میں کسی کا نام لے کر اس کو سلام کرتا ہے لیکن وہ آدمی سامنے نہیں ہے، نہ اسے کچھ پتہ ہے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، دورِ اول میں لوگ التحیات میں احباب واعزہ کا نام لے کر ان پر سلام بھیجتے تھے اور قرآنِ کریم میں ہے: ﴿سَلٰمٌ عَلٰى إِلْ يَاسِيْنَ، سَلَامٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهَارُوْنَ﴾ مگر وہاں کوئی مخاطب نہیں ہوتا، اس لئے یہ کلام الناس نہیں، پس نماز فاسد نہ ہوگی، کلام الناس ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کسی سے خطاب ہو، تو نماز فاسد ہوگی۔ اور نبی ﷺ نے قنوت نازلہ میں کفار کے قبائل کے نام لئے ہیں اور کمزور مسلمانوں کے نام لے کر ان کی نجات کے لئے دعا کی ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ کلام الناس نہیں۔

[٤-] بَابُ مَنْ سَمَّى قَوْمًا أَوْ سَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى غَيْرِ مُوَاجَهَةٍ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ

[١٢٠٢-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عِيْسَى، حَدَّثَنَا أَبُوْ عَبْدِ الصَّمَدِ الْعَمِّيُّ: عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: كُنَّا نَقُوْلُ: التَّحِيَّةُ فِي الصَّلَاةِ، وَنُسَمِّيْ، وَيُسَلِّمُ بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ، فَسَمِعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " قُوْلُوْا: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، فَإِنَّكُمْ إِذَا فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ فَقَدْ سَلَّمْتُمْ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ "[راجع: ٨٣١]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نماز میں کہا کرتے تھے: التحیۃ: سلام ہو، اور نام لیا کرتے تھے اور ہمارا بعض بعض پر سلام بھیجا کرتا تھا، پس اس کو نبی ﷺ نے سنا اور فرمایا: کہو: التحیات للہ الخ پس جب تم نے یہ کیا تو آسمان وزمین میں جتنے اللہ کے نیک بندے ہیں ان سب پر سلام بھیج دیا۔

ملحوظہ: تشہد کا ترجمہ اور وضاحت کتاب الصلوۃ باب ۱۴۸ میں ملاحظہ کریں۔

بَابٌ: التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ

عورتوں کے لئے تالی بجانا

امام یا غیر امام کو نماز میں تنبیہ کرنی ہوتو مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں تصفیق کریں، وہ سبحان اللہ نہیں کہیں گی، کیونکہ عورت کی آواز عورت (ستر) ہے یعنی عورت پر بدن کی طرح آواز کو چھپانا ضروری ہے، اجنبیوں کو بے ضرورت آواز سنانا جائز نہیں۔ اور تصفیق کے لغوی معنی ہیں: تالی بجانا، اور یہاں بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں مارنا مراد ہے۔ یہ عمل قلیل ہے اس لئے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

[۵-] بَابٌ: التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ

[۱۲۰۳-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ، وَالتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ"

[۱۲۰۴-] حدثنا يَحْيَى، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ، وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ" [راجع: ٦٨٤]

وضاحت: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مرد و زن سب سبحان اللہ کہیں گے، وہ فرماتے ہیں: آنحضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ امام کو تنبیہ کرنے کے لئے مرد سبحان اللہ کہیں، تالی نہ بجائیں، تالی بجانا عورتوں کا شیوہ ہے۔ مگر یہ حدیث حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، ان کی حدیث کتاب الاحکام (حدیث ۷۱۹۰) میں ہے اس سے امام مالک رحمہ اللہ کے سمجھے ہوئے مطلب کی تردید ہوتی ہے، اس حدیث کے الفاظ ہیں: إِذَا نَابَكُمْ أَمْرٌ فَلْيُسَبِّحِ الرِّجَالُ، وَلْيُصَفِّحِ النساءُ: جب (نماز میں) کوئی بات پیش آئے تو چاہئے کہ مرد تسبیح کہیں اور عورتیں چٹکی بجائیں، اس میں صراحت ہے کہ سبحان اللہ صرف مرد کہیں گے، عورتیں بجائے تسبیح کے تصفیق کریں گی، مگر یہ احتمال ہے کہ یہ روایت بالمعنی ہو، راوی نے جیسا سمجھا اس طرح الفاظ بدل دیئے۔

ملحوظہ: نماز میں تسبیح کہنے کے بہت سے مواقع ہیں، تفصیل تحفۃ القاری (۲: ۵۲۷) میں ہے۔

بَابُ مَنْ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فِي صَلَاتِهِ أَوْ تَقَدَّمَ بِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ

جو شخص نماز میں الٹے پاؤں لوٹا یا آگے بڑھا کسی ایسی بات کی وجہ سے جو پیش آئی

ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی ضرورت پیش آئی، چنانچہ وہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹا یا آگے بڑھا اور سینہ قبلہ سے نہیں پھرا

تو کیا حکم ہے؟ فقہاء کہتے ہیں: اگر مسلسل تین یا زیادہ قدم چلا تو یہ عمل کثیر ہے، نماز باطل ہوجائے گی، اور ایک یا دو قدم چلا تو کچھ مضائقہ نہیں، یہ عمل قلیل ہے، یا ایک یا دو قدم چل کر ایک رکن کے بقدر رک گیا پھر ایک دو قدم چلا اس طرح خواہ کتنا بھی چلے نماز صحیح ہے۔

[۶-] بَابُ مَنْ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فِيْ صَلَاتِهِ أَوْ تَقَدَّمَ بِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ

رَوَاهُ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۲۰۵-] حدثنا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يُوْنُسُ، قَالَ الزُّهْرِيُّ: أَخْبَرَنِيْ أَنَسُ ابْنُ مَالِكٍ: أَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ بَيْنَمَا هُمْ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الإِثْنَيْنِ، وَأَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّيْ بِهِمْ، فَفَجَأَهُمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، وَقَدْ كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ، فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ وَهُمْ صُفُوْفٌ، فَتَبَسَّمَ يَضْحَكُ، فَنَكَصَ أَبُوْ بَكْرٍ عَلَى عَقِبَيْهِ، وَظَنَّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُرِيْدُ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الصَّلَاةِ، وَهَمَّ الْمُسْلِمُوْنَ أَنْ يَفْتَتِنُوْا فِيْ صَلَاتِهِمْ فَرَحًا بِالنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ رَأَوْهُ، فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنْ أَتِمُّوْا، ثُمَّ دَخَلَ الْحُجْرَةَ، وَأَرْخَى السِّتْرَ، وَتُوُفِّيَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۶۸۰]

وضاحت: یہ حدیث گذر چکی ہے، حضور ﷺ نے حیات طیبہ کے آخری دن فجر کی نماز میں حجرہ کا پردہ ہٹایا، اور لوگوں کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ کر مسکرائے، اور چہرۂ انور کی خوبصورتی کا یہ حال تھا: گویا قرآن کریم کا ورق ہے، صحابہ فرط مسرت سے قریب تھے کہ نماز توڑ بیٹھیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ نبی ﷺ نماز پڑھانے کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں، چنانچہ وہ الٹے پاؤں ہٹے کہ صف سے مل جائیں، اسی مناسبت سے یہاں یہ حدیث لائے ہیں، ترجمہ اور شرح کتاب الصلوۃ باب ۴۶ (تحفۃ القاری ۲: ۵۴۴) میں ہے اور حضرت سہل کی حدیث کتاب الصلوۃ باب ۱۸ (تحفۃ القاری ۲: ۲۱۱) میں گذری ہے۔

بَابٌ: إِذَا دَعَتِ الأُمُّ وَلَدَهَا فِي الصَّلَاةِ

جب ماں بچے کو نماز میں پکارے

کوئی نماز پڑھ رہا ہے اور اس کی ماں نے آواز دی تو اسے نماز توڑ کر جواب دینا چاہئے یا نماز پڑھتا رہے؟ حضرت رحمہ اللہ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، کیونکہ یہ بہت الجھا ہوا مسئلہ ہے، حاشیہ بھرا پڑا ہے، میں صرف احناف کی رائے بیان کرتا ہوں، اگر ماں باپ بوڑھے اور معذور ہیں، اور ان کو بچے کا نماز میں ہونا بھی معلوم ہے، پھر بھی انھوں نے پکارا ہے تو یہ علامت ہے کہ انھوں نے ایمرجنسی پکارا ہے، اچانک کوئی ضرورت پیش آئی ہے اس لئے آواز دی ہے، پس نماز توڑ کر فوراً ان کے پاس پہنچے،

اور جو نماز توڑی ہے اگر وہ فرض نماز ہے تو اس کی قضا نہیں، دوبارہ فرض پڑھ لینا کافی ہے اور نفل نماز ہے تو اس کی قضاء کرے اور اگر یہ اندازہ ہو کہ ماں باپ نے ایمرجنسی نہیں پکارا بلکہ ان کو بیٹے/ بیٹی کا نماز میں ہونا بھی معلوم نہیں تو نماز پوری کر کے جواب دے، اور فوری جواب نہ دینے کی معذرت کرے۔ یہ حنفیہ کا مذہب ہے، دیگر فقہاء کے اقوال حاشیہ میں ہیں۔

جریج کا واقعہ: امم سابقہ میں ایک بزرگ تھے، ان کا نام جریج تھا، شہر سے باہر ان کی خانقاہ تھی، وہ اپنی خانقاہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کی ماں نے ان کو آواز دی، انھوں نے سوچا: ماں کو جواب دوں یا نماز پڑھتا رہوں؟ ماں نے پھر آواز دی، وہ پھر کشمکش وپیچ میں رہے، ماں نے تیسری مرتبہ آواز دی، پھر بھی انھوں نے نماز جاری رکھی، پس ماں نے بددعا دی: اے اللہ! جریج کی اس وقت تک موت نہ آئے جب تک وہ رنڈیوں کا منہ نہ دیکھے!

پھر عرصہ کے بعد ایک واقعہ پیش آیا: ایک باندی اپنے آقاؤں کی بکریاں چراتی تھی، اور رات میں جریج کی خانقاہ کے پاس بکریاں بٹھاتی تھی، اس سے ایک چرواہے نے زنا کیا، اور حمل ٹھہر گیا، جب بچہ پیدا ہوا تو لوگوں نے پوچھا: یہ بچہ کس کا ہے؟ اس نے کہا: جریج کا ہے، لوگوں نے کہا: جریج تو کبھی نہیں اترتا، باندی نے کہا: ایک مرتبہ اترا تھا اور اس نے میرے ساتھ زنا کیا اور یہ بچہ اسی کا ہے، پھر کیا تھا سارا گاؤں اس پر ٹوٹ پڑا، اس کی خانقاہ ڈھادی اور اس کو گھسیٹ کر باہر لائے، جریج نے کہا: اس بچہ کو میرے پاس لاؤ، جب بچہ لایا گیا تو جریج نے اس سے پوچھا: بابو! تو کس کا ہے؟ بچہ بولا: میں فلاں چرواہے کا ہوں۔ اس واقعہ سے لوگوں کی عقیدت بڑھ گئی اور وہ اپنی حرکت پر نادم ہوئے اور کہا: ہم آپ کی خانقاہ سونے کی بنادیں گے، جریج نے کہا: پہلے جیسی ہی بنادو۔ غرض نبی ﷺ نے یہ قصہ سنایا، پس یہ ہمارے لئے بھی شریعت بن گئی، مگر اس کا مصداق وہ صورت ہے جب ماں باپ نے ایمرجنسی پکارا ہو۔

[۷-] بَابٌ: إِذَا دَعَتِ الْأُمُّ وَلَدَهَا فِي الصَّلَاةِ

[۱۲۰۶-] وَقَالَ اللَّيْثُ، حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، قَالَ: قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " نَادَتِ امْرَأَةٌ ابْنَهَا وَهُوَ فِي صَوْمَعَتِهِ، قَالَتْ: يَا جُرَيْجُ! قَالَ: اللّٰهُمَّ أُمِّيْ وَصَلَاتِيْ! فَقَالَتْ: يَا جُرَيْجُ! قَالَ: اللّٰهُمَّ أُمِّيْ وَصَلَاتِيْ! قَالَتْ: يَا جُرَيْجُ! قَالَ: اللّٰهُمَّ أُمِّيْ وَصَلَاتِيْ! قَالَتْ: اللّٰهُمَّ لَا يَمُوْتُ جُرَيْجٌ حَتّٰى يَنْظُرَ فِيْ وُجُوْهِ الْمَيَامِيْسِ، وَكَانَتْ تَأْوِيْ إِلٰى صَوْمَعَتِهِ رَاعِيَةٌ تَرْعَى الْغَنَمَ، فَوَلَدَتْ، فَقِيْلَ لَهَا: مِمَّنْ هٰذَا الْوَلَدُ؟ قَالَتْ: مِنْ جُرَيْجٍ، نَزَلَ مِنْ صَوْمَعَتِهِ، قَالَ جُرَيْجٌ: أَيْنَ هٰذِهِ الَّتِيْ تَزْعُمُ أَنَّ وَلَدَهَا لِيْ؟ قَالَ: يَا بَابُوْسُ! مَنْ أَبُوْكَ؟ قَالَ: رَاعِي الْغَنَمِ" [انظر: ۲۴۸۲، ۳۴۳۶، ۳۴۶۶]

وضاحت: صَومعة: راہب کی کٹیا، گرجا، جمع صوامع .... اللّٰهم أُمِّيْ وصلوتي: اے اللہ! میری ماں اور میری نماز! یعنی ایک طرف ماں بلا رہی ہے، دوسری طرف نیت بندھی ہوئی ہے، ماں کو جواب دوں یا نماز جاری رکھوں، یہ سوچتے

رہے .... المیامیس: رنڈیاں، مفرد مُومِسَة (مادّہ: وَمَسَ) .... کانت تأوی: وہ باندی راہب کی کٹیا کے پاس ٹھکانہ پکڑا کرتی تھی یعنی وہاں بکریاں بٹھاتی تھی .... نزل من صومعته: باندی کا مقولہ ہے کہ جریج ایک مرتبہ اترا تھا اوراس نے میرے ساتھ زنا کیا .... بابوس: یہ بابو کی عربی ہے، جب کسی دوسری زبان کے لفظ کو عربی بناتے ہیں تو کبھی کوئی حرف حذف کرتے ہیں اور کبھی کوئی حرف بڑھاتے ہیں، یہاں س بڑھایا ہے، اور ساذج میں ج بڑھایا ہے، وہ سادہ کی عربی ہے، این ھذہ: وہ باندی نومولود بچہ لے کر آئی تو جریج نے رنڈی کا منہ دیکھا اس طرح ماں کی بددعا ردعمل آئی۔

بَابُ مَسْحِ الْحَصَى فِي الصَّلاَةِ

نماز میں کنکریوں کو ہاتھ لگانا

سجدہ کی جگہ کنکریاں تھیں، جب سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو ایک مرتبہ ان پر ہاتھ پھیرا اوران کو ٹھیک کیا تو یہ عمل قلیل ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

[۸-] بَابُ مَسْحِ الْحَصَى فِي الصَّلاَةِ

[۱۲۰۷-] حدثنا أبُو نُعَيمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيىَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُعَيْقِيبٌ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ، قَالَ: " إِنْ كُنْتَ فَاعِلاً فَوَاحِدَةً"

ترجمہ: معیقیبؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جو سجدہ میں جاتے وقت مٹی برابر کرتا ہے فرمایا: اگر برابر کرنا ضروری ہے تو ایک مرتبہ کرے" معلوم ہوا کہ عمل قلیل سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

تشریح: ابتدائی دور میں مسلمان کچھ بچھائے بغیر نماز پڑھتے تھے، ان کو پہننے کے لئے کپڑے میسر نہیں تھے، بچھانے کے لئے مصلی یا کپڑا کہاں سے لاتے؟ اور عرب کی مٹی میں سنگریزے ہوتے ہیں ان پر سجدہ کرنا دشوار ہوتا ہے، اس لئے پہلے ہی سے سجدہ کی جگہ ہموار کر لیتے تھے، پھر نماز شروع کرتے تھے، مگر کبھی جگہ ہموار کرنے کا موقع نہیں ملا، اور کبھی اس کا خیال نہیں رہا، اس لئے نماز میں ایک آدھ مرتبہ ہاتھ پھیر کر سجدہ کی جگہ ہموار کی تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

بَابُ بَسْطِ الثَّوْبِ فِي الصَّلاَةِ لِلسُّجُوْدِ

نماز میں سجدہ کرنے کے لئے کپڑا بچھانا

زمین پر نماز پڑھ رہا ہے، اور زمین گرم ہے، اس لئے جب سجدہ کرتا ہے تو جو چادر اوڑھ رکھی ہے اس کا پلہ بچھا کر اس پر سجدہ کرتا ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں، یہ عمل قلیل۔ ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

[۹-] بَابُ بَسْطِ الثَّوْبِ فِي الصَّلَاةِ لِلسُّجُودِ

[۱۲۰۸-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا غَالِبٌ الْقَطَّانُ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي شِدَّةِ الْحَرِّ، فَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَحَدُنَا أَنْ يُمَكِّنَ وَجْهَهُ مِنَ الْأَرْضِ بَسَطَ ثَوْبَهُ، فَسَجَدَ عَلَيْهِ. [راجع: ۳۸۵]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں: ہم سخت گرمیوں میں نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، پس جب ہم میں سے کسی کے لئے اپنا چہرہ زمین پر جما کر رکھنا مشکل ہوتا تو (گرمی کی تپش سے بچنے کے لئے) اپنا کپڑا بچھاتا اور اس پر سجدہ کرتا۔

بَابُ مَا يَجُوْزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں کیا عمل جائز ہے؟

پہلی حدیث میں نماز میں چوکا دینے کا ذکر ہے، اور دوسری حدیث میں شیطان (بلی) کو دھکا دینے کا، یہ دونوں عمل قلیل ہیں، اس لئے نماز میں جائز ہیں، اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ نماز میں عمل قلیل جائز ہے اور عمل کثیر جائز نہیں۔

[۱۰-] بَابُ مَا يَجُوْزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ

[۱۲۰۹-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَمُدُّ رِجْلِي فِي قِبْلَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يُصَلِّي، فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَرَفَعْتُهَا، فَإِذَا قَامَ مَدَدْتُهَا. [راجع: ۳۸۲]

وضاحت: اس حدیث کی شرح تحفۃ القاری (۲۱۸:۲) میں ہے، اور یہاں استدلال یہ ہے کہ جب نبی ﷺ تہجد پڑھتے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے سامنے قبلہ کی جانب لیٹی ہوئی ہوتی تھیں اور بے خبری میں ان کے پاؤں آپؐ کے سجدہ کی جگہ میں آجاتے تھے، پس جب آپؐ سجدہ کا ارادہ فرماتے تو چوکا دیتے اور عائشہؓ اپنے پاؤں سکیڑ لیتیں، معلوم ہوا کہ عمل قلیل (چوکا دینے) سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

[۱۲۱۰-] حدثنا مَحْمُوْدٌ، حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ صَلَّى صَلَاةً، فَقَالَ: "إِنَّ الشَّيْطَانَ عَرَضَ لِي، فَشَدَّ عَلَيَّ لِيَقْطَعَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ، فَأَمْكَنَنِي اللهُ مِنْهُ، فَذَعَتُّهُ، وَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أُوْثِقَهُ إِلَى سَارِيَةٍ، حَتَّى تُصْبِحُوْا فَتَنْظُرُوْا إِلَيْهِ، فَذَكَرْتُ قَوْلَ سُلَيْمَانَ: ﴿رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي﴾ [ص: ۳۵] فَرَدَّهُ اللهُ خَاسِئًا"

وضاحت: یہ حدیث بھی پہلے آچکی ہے، ایک مرتبہ نبی ﷺ تہجد پڑھ رہے تھے، ایک شیطان بلی کی صورت میں آپؐ کے سامنے آیا اور اس نے آپؐ پر حملہ کیا تاکہ آپؐ کی نماز خراب کرے، اللہ عز وجل نے آنحضور ﷺ کو اس پر قابو دیدیا، مگر آپؐ نے دھکا دے کر اسے بھگا دیا (یہ جزء ترجمۃ الباب سے متعلق ہے) اس موقعہ پر آپؐ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اس کو پکڑ کر مسجد کے ستون سے باندھ دیں تاکہ صبح لوگ اس کو دیکھیں، مگر آپ کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آئی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی: اے اللہ! مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لئے مناسب نہ ہو، چنانچہ چرند و پرند، جنات و انسان اور ہوا وغیرہ پر آپ کی حکومت تھی، اب اگر آنحضور ﷺ اس جن کو پکڑ کر باندھ دیتے تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت رہی، آنحضور ﷺ کی بھی جنات پر حکومت تھی، اس لئے آپؐ نے ارادہ بدل دیا اور اس کو دھکا دیدیا۔

قولہ: ذَعَتُّه: اس کو ذَعَتُّه (بالذال المعجمة) بھی پڑھا گیا ہے، اور دَعَتُّه اور دَعَّتُّه (بالدال المهملة وبتشديد العين وغيرها) بھی پڑھا گیا ہے۔ ذَعَتَ (ف) ذَعْتاً کے معنی ہیں: سخت گلا گھونٹنا، سختی سے ہٹانا، اور دَعَّه (ن) دَعًّا اور دَعَتَ (ف) دَعْتاً کے معنی ہیں: سختی سے دھتکارنا، دھکے مارنا۔

بَابٌ: إِذَا انْفَلَتَتِ الدَّابَّةُ فِي الصَّلَاةِ

جب نماز میں چوپایہ کھل جائے

کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے، اور اس کا جانور کھونٹے سے کھل گیا تو کیا کرے؟ مسئلہ یہ ہے کہ اگر چار آنے کا نقصان ہو رہا ہو تو نماز توڑ دینا جائز ہے، مگر یہ چار آنے پرانے زمانے کے ہیں، اب ان کو چار روپے سمجھنا چاہئے۔ مثلاً کسی نے چولہے پر دودھ رکھ کر فجر کی سنتیں شروع کیں، دودھ ابلنے لگا تو نماز توڑ کر دودھ بچالے، یا کسی نے چادر، رومال، جوتا یا کوئی اور چیز سامنے رکھ کر نماز شروع کی اور چور لے کر چل دیا تو حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: نماز توڑ کر اس کا پیچھا کرے۔

[۱۱-] بَابٌ: إِذَا انْفَلَتَتِ الدَّابَّةُ فِي الصَّلَاةِ

وَقَالَ قَتَادَةُ: إِنْ أُخِذَ ثَوْبُهُ يَتْبَعُ السَّارِقَ وَيَدَعُ الصَّلَاةَ.

[۱۲۱۱-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَزْرَقُ بْنُ قَيْسٍ: كُنَّا بِالْأَهْوَازِ نُقَاتِلُ الْحَرُورِيَّةَ، فَبَيْنَا أَنَا عَلَى جُرُفِ نَهْرٍ إِذَا رَجُلٌ يُصَلِّي، فَإِذَا لِجَامُ دَابَّتِهِ بِيَدِهِ، فَجَعَلَتِ الدَّابَّةُ تُنَازِعُهُ، وَجَعَلَ يَتْبَعُهَا، قَالَ شُعْبَةُ: هُوَ أَبُو بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيُّ، فَجَعَلَ رَجُلٌ مِنَ الْخَوَارِجِ يَقُولُ: اللّٰهُمَّ افْعَلْ بِهٰذَا الشَّيْخِ! فَلَمَّا انْصَرَفَ الشَّيْخُ، قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ قَوْلَكُمْ، وَإِنِّي غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم سِتَّ غَزَوَاتٍ أَوْ سَبْعَ

غَزَوَاتٍ أَوْ ثَمَانِيًا، وَشَهِدْتُ تَيْسِيرَهُ، وَإِنِّي إِنْ كُنْتُ أَنْ أَرْجِعَ مَعَ دَابَّتِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَدَعَهَا تَرْجِعُ إِلَى مَأْلَفِهَا، فَيَشُقُّ عَلَيَّ. [انظر: ٦١٢٧]

ترجمہ: ازرق بن قیسؒ کہتے ہیں: ہم اہواز میں تھے، حروریوں (خوارج) سے جنگ چل رہی تھی، پس اس درمیان کہ میں ایک نہر کے کنارے پر تھا، اچانک ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے، اور اچانک اس کے جانور کی لگام اس کے ہاتھ میں ہے، پس جانور اس کو کھینچنے لگا اور وہ اس کے پیچھے جانے لگا، یعنی جانور جانا چاہتا تھا اور وہ شخص قدم قدم اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ شعبہؒ کہتے ہیں وہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ تھے، پس ایک خارجی کہنے لگا: اے اللہ! اس شیخ کے ساتھ کر! یعنی ان کو کوسا، پس جب شیخ نے نماز پوری کی تو کہا: میں نے تمہاری بات سنی اور میں نے نبی ﷺ کے ساتھ چھ، سات یا آٹھ غزوے کئے ہیں، اور میں نے آپؐ کی آسانی دیکھی ہے اور بے شک میں اپنے جانور کے ساتھ لوٹوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں جانور کو چھوڑ دوں اور وہ اپنی دلچسپی کی جگہ میں یعنی چراگاہ میں چلا جائے، پھر میرے لئے اس کو ڈھونڈھنا دشوار ہو۔

تشریح: اہواز: بصرہ اور فارس کے درمیان ایک جگہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہوا ہے، وہاں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں خوارج کے ساتھ جنگ ہوئی ہے، اس جنگ کا یہ واقعہ ہے، حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ ایک نہر کے کنارے عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، اور گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھے، گھوڑا بڑھنا چاہتا تھا، حضرت بھی اس کے ساتھ قدم قدم چل رہے تھے، اور نماز جاری تھی، ایک خارجی نے آپؓ کو برا بھلا کہا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا: اس گدھے کو دیکھو کیا کر رہا ہے! ازرق اس پر غصے ہوئے اور کہا: یہ صحابی ہیں تو ان کو برا بھلا کہتا ہے؟ جب حضرت ابو برزہؓ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: میں نے تم دونوں کی بات سنی، پھر اپنا تعارف کرایا کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ چھ، سات یا آٹھ جنگوں میں شرکت کی ہے، اور آپؐ کی مسائل میں نرمی دیکھی ہے، پھر فرمایا: میں بوڑھا آدمی ہوں، اگر میری سواری چلی جاتی تو میرے لئے پریشانی کھڑی ہو جاتی، اس لئے میں نے اس کی لگام پکڑ کر نماز پڑھی اس میں کیا حرج ہے؟

استدلال: یہ جو حضرت ابو برزہؓ نے نماز میں گھوڑے کی لگام پکڑ رکھی تھی، اور گھوڑے کے ساتھ قدم قدم چل رہے تھے، یہ عمل قلیل ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، ابھی یہ مسئلہ بتایا ہے کہ ایک دو قدم چلے، پھر ایک رکن کے بقدر رک جائے، پھر اتنا ہی اور چلے تو خواہ نماز میں کتنا بھی چلے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

[۱۲۱۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَرَأَ سُورَةً طَوِيلَةً، ثُمَّ رَكَعَ، فَأَطَالَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ اسْتَفْتَحَ سُورَةً أُخْرَى، ثُمَّ رَكَعَ حَتَّى قَضَاهَا، وَسَجَدَ، ثُمَّ فَعَلَ ذَلِكَ فِي الثَّانِيَةِ، ثُمَّ قَالَ: "إِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَصَلُّوا، حَتَّى يُفْرَجَ عَنْكُمْ، لَقَدْ رَأَيْتُ فِي مَقَامِي هَذَا كُلَّ

شيءٍ وُعِدْتُهُ، حَتّٰى لَقَدْ رَأَيْتُهُ: أُرِيْدُ أَنْ آخُذَ قِطْفًا مِنَ الْجَنَّةِ، حِيْنَ رَأَيْتُمُوْنِيْ جَعَلْتُ أَتَقَدَّمُ، وَلَقَدْ رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا، حِيْنَ رَأَيْتُمُوْنِيْ تَأَخَّرْتُ، وَرَأَيْتُ فِيْهَا عَمْرَو بْنَ لُحَيٍّ، وَهُوَ الَّذِيْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ"

[راجع: ۱۰٤٤]

وضاحت: یہ حدیث ابواب الکسوف میں گذر چکی ہے، یہاں استدلال یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی تو جدار قبلی میں جنت بھی دیکھی اور جہنم بھی، جب جہنم دیکھی تو آپؐ پیچھے ہٹے، اور جب جنت دیکھی تو آپؐ آگے بڑھے، اور آپؐ نے جنت سے انگوروں کا ایک خوشہ لینا چاہا، یہ جو آنحضور ﷺ نماز میں چلے ہیں یہ عمل قلیل ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

اس حدیث میں عمرو بن لحی کا بھی ذکر ہے، عرب میں بت پرستی کا رواج اسی نے ڈالا ہے، اور بتوں کے نام پر جانور چھوڑنے کا سلسلہ بھی اسی نے شروع کیا ہے، نبی ﷺ نے اس کو جہنم میں دیکھا، اس کی آنتیں پیچھے سے نکل کر ڈھیر ہوئی ہوئی تھیں، اور وہ تیلی کے بیل کی طرح آنتوں کے گرد گھوم رہا تھا۔

عبارت کا حل: قوله: حتى لقد رأيته: اريد أن آخذ الخ: مصری نسخہ میں اور گیلری میں حتى لقد رأيت ہے، اور مسلم شریف میں: حتى لقد رأيتني ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس کو اوجہ (زیادہ بہتر) قرار دیا ہے، پس اب ترجمہ ہوگا: بخدا! میں نے اپنی اسی جگہ میں ہر اس چیز کو دیکھا جس کا میں وعدہ کیا گیا ہوں، یہاں تک کہ دیکھا میں نے اپنے آپ کو کہ ارادہ کر رہا ہوں میں کہ جنت سے انگور کا ایک خوشہ لے لوں، جب آپ لوگوں نے مجھ کو دیکھا کہ میں آگے بڑھ رہا ہوں۔

بَابُ مَايَجُوْزُ مِنَ الْبُصَاقِ وَالنَّفْخِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں تھوکنا اور پھونکنا جائز ہے

نماز میں اگر ضرورت پیش آئے تو تھوک بھی سکتے ہیں اور پھونک بھی سکتے ہیں، منہ میں مچھر گھس گیا اس لئے تھوکا یا سجدہ کی جگہ ناصاف تھی اس لئے پھونک کر جگہ صاف کی تو یہ دونوں عمل قلیل ہیں، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ نماز کسوف پڑھاتے ہوئے جب نبی ﷺ نے جہنم دیکھی اور آپ کو جہنم کی گرمی پہنچی تو آپؐ نے پھونکا، معلوم ہوا کہ پھونکنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، اور دوسری حدیث میں ہے کہ نماز میں تھوکنے کی ضرورت پیش آئے تو بائیں طرف بائیں پیر کے نیچے تھوکے، معلوم ہوا کہ نماز میں تھوکنے سے بھی نماز باطل نہیں ہوتی۔

[۱۲-] بَابُ مَايَجُوْزُ مِنَ الْبُصَاقِ وَالنَّفْخِ فِي الصَّلَاةِ

وَيُذْكَرُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو: نَفَخَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ سُجُوْدِهِ فِيْ كُسُوْفٍ.

[۱۲۱۳-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَأَى نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، فَتَغَيَّظَ عَلَى أَهْلِ الْمَسْجِدِ، وَقَالَ: " إِنَّ اللهَ قِبَلَ أَحَدِكُمْ، فَإِذَا كَانَ فِي صَلاَتِهِ فَلاَ يَبْزُقَنَّ، أَوْ قَالَ: لاَ يَتَنَخَّمَنَّ" ثُمَّ نَزَلَ، فَحَتَّهَا بِيَدِهِ، وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: إِذَا بَزَقَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْزُقْ عَلَى يَسَارِهِ. [راجع: ۴۰۶]

[۱۲۱۴-] حدثنا مُحَمَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ فِي الصَّلاَةِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ، فَلاَ يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلاَ عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ عَنْ شِمَالِهِ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى" [راجع: ۲۴۱]

بَابٌ: مَنْ صَفَّقَ جَاهِلاً مِنَ الرِّجَالِ فِي صَلٰوتِهِ لَمْ تَفْسُدْ صَلاَتُهُ

جس مرد نے نماز میں نادانی سے تالی بجائی تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی

ایک شخص نادان ہے، مسئلہ نہیں جانتا، اس نے امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے سبحان اللہ کہنے کے بجائے تصفیق کی تو چونکہ یہ عمل قلیل ہے اس لئے نماز باطل نہیں ہوئی۔

غلطی پر تنبیہ کرنے کے لئے اللہ اکبر کہنا غلطی ہے:

جب امام کوئی غلطی کرتا ہے تو لوگ اللہ اکبر کہتے ہیں، یہ غلطی ہے، اللہ اکبر کا مطلب یہ ہے کہ امام نے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، حالانکہ اس نے غلطی کی ہے، اس موقع پر سبحان اللہ کہنا چاہئے، سبحان اللہ کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ پاک ہیں، جب پیچھے سے یہ بات کہی جائے گی تو امام سوچے گا: اللہ کی پاکی کیوں بیان کی جارہی ہے؟ اس طرح اس کو اپنی غلطی یاد آجائے گی اور وہ اصلاح کرلے گا، پس یہ ذکر بھی ہے اور غلطی پر تنبیہ بھی، یہ اللہ اکبر کہنے کا موقع نہیں ہے۔

[۱۳-] بَابٌ: مَنْ صَفَّقَ جَاهِلاً مِنَ الرِّجَالِ فِي صَلٰوتِهِ لَمْ تَفْسُدْ صَلاَتُهُ

فِيهِ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گذری ہے، حدیث نمبر ۶۸۴ میں ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو متنبہ کرنے کے لئے لوگوں نے تصفیق کی تھی، مگر ان کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا، بلکہ مسئلہ بتایا کہ مردوں کو سبحان اللہ کہنا چاہئے، معلوم ہوا کہ نادانی سے کوئی تصفیق کرے تو نماز باطل نہیں ہوگی۔ علاوہ ازیں: عورتوں کے لئے تصفیق ہے، اور جب عورتوں کی نماز تصفیق سے باطل نہیں ہوتی تو مردوں کی بھی باطل نہیں ہوگی، کیونکہ دونوں صنفوں کے احکام ایک ہیں۔

بَابٌ: إِذَا قِيلَ لِلْمُصَلِّي تَقَدَّمْ أَوِ انْتَظِرْ فَانْتَظَرَ فَلَا بَأْسَ

نمازی سے کہا: آگے بڑھ یا انتظار کر، پس اس نے انتظار کیا تو کوئی بات نہیں

دو آدمی جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں: تیسرا آیا اور اس نے امام سے کہا: آگے بڑھ جائیں میں اقتداء کر رہا ہوں، امام نے تعمیل کی اور لمبا قدم رکھ کر آگے بڑھ گیا تو اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آیا، کلام کرنے سے نماز باطل ہوتی ہے، کلام سننے سے، سمجھنے سے، اور اس کی تعمیل کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

مسئلہ: نماز میں کوئی چیز پڑھنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے مگر اس کو سننے اور سمجھنے سے نماز فاطل نہیں ہوتی، مثلاً چدار قبلی پر کوئی آیت لکھی ہے، نمازی کی اس پر نظر پڑی اور وہ آیت کو سمجھ گیا تو نماز فاسد نہیں ہوئی، لیکن اگر اس کو پڑھ لیا تو اگر چہ وہ قرآن کریم کی آیت ہو نماز باطل ہوجائے گی، اس لئے کہ یہ تلقّی من الخارج ہے، اور پڑھنے کے دو درجے ہیں: سراً اور جہراً، اور سر کا ادنی درجہ تصحیح حروف ہے، یعنی زبان حرکت کرے، مخارج پر لگے اور حروف ادا ہوں اس طرح پڑھنے سے نماز باطل ہوجائے گی، اور اگر صرف آیت کو سمجھ گیا پڑھا نہیں تو نماز باطل نہیں ہوگی۔ اسی طرح کلام کرنے سے نماز باطل ہوتی ہے، کسی کی بات سننے، سمجھنے اور اس کی تعمیل کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، جیسے نماز ہو رہی ہے، کسی نے امام صاحب سے کہا: بہت لوگ آئے ہیں اور وضو کر رہے ہیں آپ قراءت ذرا لمبی کریں، چنانچہ امام صاحب نے ایسا کیا تو اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آیا، کیونکہ کلام کرنے سے نماز باطل ہوتی ہے، کلام سمجھنے سے اور اس پر عمل کرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور یہ فانتظر کی مثال ہے۔

[۱٤-] بَابٌ: إِذَا قِيلَ لِلْمُصَلِّي تَقَدَّمْ أَوِ انْتَظِرْ فَانْتَظَرَ فَلَا بَأْسَ

[۱۲۱۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهُمْ عَاقِدُو أُزْرِهِمْ مِنَ الصِّغَرِ عَلَى رِقَابِهِمْ، فَقِيلَ لِلنِّسَاءِ: "لَا تَرْفَعْنَ رُؤُوسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوسًا" [راجع: ۳٦۲]

وضاحت: یہ حدیث آپ کی پڑھی ہوئی ہے، مسجد نبوی میں مرد و زن ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے، جہاں مردوں کی صفیں ختم ہوتی تھیں وہیں سے عورتوں کی صفیں شروع ہوجاتی تھیں، درمیان میں کوئی پردہ نہیں تھا، اور بعض صحابہ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے، ایسی صورت میں سجدہ میں پیچھے سے آدمی آدھا ننگا معلوم ہوتا ہے، اس لئے عورتوں کو تاکید کی گئی کہ جب تک مرد سجدہ سے سر نہ اٹھالیں عورتیں سجدہ سے سر نہ اٹھائیں۔

اس حدیث سے باب پر استدلال ذرا مشکل ہے، اس لئے کہ آنحضور ﷺ نے یہ ہدایت نماز میں نہیں دی تھی، اگر عورتیں نماز پڑھ رہی ہوتیں، اور آپؐ نے یہ ہدایت دی ہوتی اور انھوں نے نماز میں سن کر تعمیل کی ہوتی تو استدلال ہوسکتا تھا،

پس کہا جائے گا کہ قیل للنساء سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ ہدایت عورتوں کو نماز پڑھتے ہوئے دی ہے اور حضرت رحمہ اللہ کے نزدیک تطبیق کے لئے اتنا ظاہری احتمال کافی ہے۔

یا یہ کہا جائے کہ ہدایت اگرچہ خارج صلاۃ دی ہے، مگر خواتین اس کی تعمیل نماز میں کریں گی، اور پہلے دی ہوئی ہدایت کو پیش نظر رکھ کر تعمیل کریں گی، اور اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، پس اگر یہ ہدایت نماز پڑھتے ہوئے دی جائے اور خواتین سن کر اور سمجھ کر تعمیل کریں تو بھی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، یعنی قیاس کے ذریعہ باب ثابت کیا جائے گا۔

بَابٌ: لَا يَرُدُّ السَّلَامَ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں سلام کا جواب نہ دے

نماز میں سلام کا جواب دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ سلام اور جواب سلام میں خطاب ہوتا ہے، اس لئے وہ کلام الناس ہو گیا، اور حنفیہ کی طرح امام بخاریؒ کے نزدیک بھی نماز میں کلام الناس کی مطلق گنجائش نہیں۔

[۱۵-] بَابٌ: لَا يَرُدُّ السَّلَامَ فِي الصَّلَاةِ

[۱۲۱۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كُنْتُ أُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ، فَيَرُدُّ عَلَيَّ، فَلَمَّا رَجَعْنَا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ، وَقَالَ: "إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا" [راجع: ۱۱۹۹]

[۱۲۱۷-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا كَثِيْرُ بْنُ شِنْظِيْرٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: بَعَثَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي حَاجَةٍ لَهُ، فَانْطَلَقْتُ ثُمَّ رَجَعْتُ، وَقَدْ قَضَيْتُهَا، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ، فَوَقَعَ فِي قَلْبِي مَا اللّٰهُ بِهِ أَعْلَمُ، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي: لَعَلَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَجَدَ عَلَيَّ، أَنِّي أَبْطَأْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ، فَوَقَعَ فِي قَلْبِي أَشَدُّ مِنَ الْمَرَّةِ الْأُوْلَى، ثُمَّ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيَّ، فَقَالَ: "إِنَّمَا مَنَعَنِي أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ أَنِّي كُنْتُ أُصَلِّي" وَكَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ مُتَوَجِّهًا إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ.

ترجمہ: پہلی حدیث پہلے گذر چکی ہے اور دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے: فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے مجھے اپنے کسی کام سے بھیجا، میں گیا اور کام کر کے آیا، پس میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو سلام کیا، آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، پس میرے دل میں آیا وہ جس کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتے ہیں یعنی مجھے بڑا صدمہ پہنچا، اور میں نے دل میں سوچا: شاید رسول اللہ ﷺ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں، اس وجہ سے کہ میں نے آنے میں دیر کر دی ہے (کچھ وقفہ

کے بعد) میں نے پھر سلام کیا تو آپؐ نے پھر بھی جواب نہیں دیا، پس میرے دل کو پہلے سے زیادہ صدمہ پہنچا، میں نے پھر سلام کیا (اس وقت آپؐ نماز پوری کر چکے تھے) تو آپؐ نے جواب دیا، اور فرمایا: مجھے جواب دینے سے اس بات نے روکا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، اور نبی ﷺ سواری پر غیر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے (جس کی وجہ سے حضرت جابرؓ سمجھ نہ سکے کہ آپؐ نماز پڑھ رہے ہیں) ـــــ معلوم ہوا کہ نماز میں کلام کی مطلق گنجائش نہیں، سلام کا جواب دینا بھی جائز نہیں، اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث ابواب العمل کے دوسرے باب میں گذری ہے، اور سواری پر غیر قبلہ کی طرف نفل نماز پڑھنے کا مسئلہ ابواب التقصیر باب ۷ میں گذرا ہے۔

بَابُ رَفْعِ الْأَيْدِيْ فِي الصَّلاَةِ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ

نماز میں کوئی بات پیش آئی جس کی وجہ سے ہاتھ اٹھائے

اگر کوئی شخص نماز میں ہاتھ اٹھا کر کوئی اشارہ کرے تو یہ عمل قلیل ہے اس سے نماز پر اثر نہیں پڑتا، ایک مرتبہ قباوالوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا، آنحضور ﷺ صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے، واپسی میں دیر ہو گئی، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانی شروع کی، ابھی پہلی ہی رکعت تھی کہ آنحضور ﷺ تشریف لے آئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے، آنحضور ﷺ نے اشارہ کیا کہ نماز پڑھاتے رہو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کانوں تک ہاتھ اٹھائے، شکریہ ادا کیا، اور پیچھے ہٹ آئے، یہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اٹھائے ہیں یہی جزء باب سے متعلق ہے۔

[۱۶-] بَابُ رَفْعِ الْأَيْدِيْ فِي الصَّلاَةِ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ

[۱۲۱۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّ بَنِيْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ بِقُبَاءٍ كَانَ بَيْنَهُمْ شَيْءٌ، فَخَرَجَ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فِيْ أُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَحُبِسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَحَانَتِ الصَّلاَةُ، فَجَاءَ بِلاَلٌ إِلَى أَبِيْ بَكْرٍ، فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ حُبِسَ وَقَدْ حَانَتِ الصَّلاَةُ، فَهَلْ لَكَ أَنْ تَؤُمَّ النَّاسَ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنْ شِئْتُمْ، فَأَقَامَ بِلاَلٌ الصَّلاَةَ، وَتَقَدَّمَ أَبُوْ بَكْرٍ، وَكَبَّرَ لِلنَّاسِ، وَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَمْشِيْ فِي الصُّفُوْفِ، يَشُقُّهَا شَقًّا حَتّٰى قَامَ مِنَ الصَّفِّ، فَأَخَذَ النَّاسُ فِي التَّصْفِيْحِ - قَالَ سَهْلٌ: التَّصْفِيْحُ: هُوَ التَّصْفِيْقُ - قَالَ: وَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ لاَ يَلْتَفِتُ فِيْ صَلاَتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ الْتَفَتَ، فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَشَارَ إِلَيْهِ يَأْمُرُهُ أَنْ يُصَلِّيَ، فَرَفَعَ أَبُوْ بَكْرٍ يَدَيْهِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ، ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى وَرَاءَهُ حَتّٰى قَامَ فِي الصَّفِّ، وَتَقَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَصَلّٰى لِلنَّاسِ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ! مَالَكُمْ حِيْنَ نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي الصَّلاَةِ أَخَذْتُمْ بِالتَّصْفِيْحِ؟ إِنَّمَا التَّصْفِيْحُ لِلنِّسَاءِ، مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ

فِيْ صَلَاتِهِ فَلْيَقُلْ: سُبْحَانَ اللّٰهِ" ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَى أَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ: " يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ حَيْثُ أَشَرْتُ عَلَيْكَ؟" قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: مَاكَانَ يَنْبَغِيْ لِابْنِ أَبِيْ قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

[راجع: ٦٨٤]

آخر حدیث کا ترجمہ: جب نبی ﷺ نے نماز پوری فرمائی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "تمہیں کیا ہوا جب تمہیں نماز میں کوئی بات پیش آتی ہے تو تم تالی بجاتے ہو، تالی بجانا عورتوں کے لئے ہے، جس کو نماز میں کوئی بات پیش آئے اس کو چاہئے کہ سبحان اللہ کہے، پھر آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ابوبکر! تمہیں نماز پڑھانے سے کس بات نے روکا جبکہ میں نے اشارہ کیا تھا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: نبی ﷺ کے سامنے ابو قحافہ کے لڑکے کے لئے نماز پڑھانا مناسب نہیں تھا۔

سوال: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کانوں تک ہاتھ اٹھا کر کس طرح شکریہ ادا کیا تھا؟ یعنی اس کی کیا کیفیت تھی؟

جواب: یہ بات مجھے معلوم نہیں، عربوں سے پوچھنی چاہئے، مجھے کسی عرب سے پوچھنے کا موقع نہیں ملا، اور قوموں کے احوال اس سلسلہ میں مختلف ہوتے ہیں، انگوٹھا دکھانا ہمارے یہاں گالی ہے اور یورپ وامریکہ میں انگوٹھا دکھا کر شکریہ ادا کرتے ہیں، اسی طرح عرب انگشت شہادت سے گالی دیتے تھے، اسی لئے اس کو سبابہ کہتے تھے، کس طرح اشارہ کرتے تھے؟ یہ بات مجھے معلوم نہیں، اسلام نے اس کو ختم کردیا اور اس کا نام سَبَّاحَة (تسبیح پڑھنے والی انگلی) رکھا، ہم لوگ اس کو انگشت شہادت کہتے ہیں کیونکہ اس سے تشہد میں اشارہ کیا جاتا ہے۔

بَابُ الْخَصْرِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں کوکھوں پر ہاتھ رکھنا

خاصرۃ کے معنی ہیں: کوکھ، پیٹ کی دونوں جانبوں میں کمر کی جگہ، اور خصر کے معنی ہیں: کوکھوں پر ہاتھ رکھنا —— نماز میں حالت قیام میں ہاتھ کہاں رکھنے چاہئیں؟ احناف کے نزدیک ہاتھ اس طرح باندھنا مسنون ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھے، اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کا حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کے پہنچے کو پکڑے، اور باقی تین انگلیاں کلائی پر پھیلی ہوئی رکھے، اور ہاتھوں کو زیر ناف اس طرح باندھے کہ ناف ہاتھوں کے بالائی حصہ سے لگی رہے، اور شوافع کے نزدیک ناف سے اوپر اور سینہ سے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے، اس طرح کہ ناف ہاتھوں کے زیریں حصہ سے لگی ہوئی ہو (شرح مہذب ۳: ۳۱۰) اور امام احمد رحمہ اللہ کے دونوں اماموں کے موافق اقوال ہیں (مغنی ۱: ۵۱۴) اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ارسال یعنی ہاتھوں کو چھوڑنا مسنون ہے، اور سینہ پر ہاتھ باندھنا کسی امام کے نزدیک مسنون نہیں، غیر مقلدین نے اس کو چلایا ہے اور کوکھوں پر ہاتھ رکھنا بالاجماع مکروہ ہے، اور صرف نماز ہی میں مکروہ نہیں بلکہ نماز

سے باہر بھی اس طرح کھڑا ہونا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ شیطان اور جہنمیوں کے کھڑے ہونے کا انداز ہے، ابن ابی شیبہ میں روایت ہے کہ یہ جہنمیوں کا فعل ہے، یعنی دوزخی جب کھڑے کھڑے تھک جائیں گے تو ستانے کے لئے اس طرح کھڑے ہونگے، اور ابن ابی شیبہ میں یہ روایت بھی ہے کہ جب شیطان زمین پر اترا تھا تو اس ہیئت میں اترا تھا، اور آگے حدیث آرہی ہے کہ اس طرح کھڑا ہونا یہودیوں کا طریقہ ہے (عمدۃ القاری) غرض نماز میں کوکھوں پر ہاتھ رکھ کر نہیں کھڑا ہونا چاہئے، لیکن اگر کوئی نماز میں اس طرح کھڑا ہوا تو نماز باطل نہیں ہوگی۔

[۱۷-] بَابُ الْخَصْرِ فِي الصَّلاَةِ

[۱۲۱۹-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: نُهِيَ عَنِ الْخَصْرِ فِي الصَّلاَةِ.

وَقَالَ هِشَامٌ، وَأَبُو هِلاَلٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم [انظر: ۱۲۲۰]

[۱۲۲۰-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ مُخْتَصِرًا[1]. [راجع: ۱۲۱۹]

وضاحت: اس حدیث کو محمد بن سیرینؒ سے ایوب سختیانی، ہشام اور ابو ہلال روایت کرتے ہیں، ہشام اور ابو ہلال صراحتاً مرفوع کرتے ہیں اور ایوب سختیانی کی حدیث حکماً مرفوع ہے اس لئے کہ منع کرنے والا شارع کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا۔

پہلی حدیث: نماز میں کوکھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونے سے منع کیا گیا۔ دوسری حدیث: نبی ﷺ نے اس بات سے منع کیا کہ آدمی کوکھوں پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھے۔

بَابٌ: يُفَكِّرُ الرَّجُلُ الشَّيْءَ فِي الصَّلاَةِ

آدمی کا نماز میں کوئی بات سوچنا

نمازی اگر نماز میں کوئی بات سوچے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ دماغ کی ریل ہر وقت چلتی رہتی ہے، سوتے وقت بھی چلتی رہتی ہے، اور وہی خواب بنتی ہے، اس لئے آدمی نماز میں کچھ نہ سوچے یہ بات ممکن نہیں، اگر کوئی شخص کوشش کرے کہ نماز میں کچھ نہ سوچے تو وہ یہی بات سوچتا رہے گا کہ نماز میں کچھ نہیں سوچنا چاہئے، اس لئے نماز میں کوئی خیال آئے تو اس سے نماز نہیں بگڑتی، ہاں دو باتیں مضر ہیں: ایک: نماز میں خیال لانا، دوسری: آئے ہوئے خیال میں کھو جانا، یہ دو چیزیں نماز کو ناقص کرتی ہیں۔

پھر خیال دو طرح کا ہوتا ہے، تدریجی اور دفعی، تدریجی خیال یہ ہے کہ سوچ سوچ کر دماغ میں باتیں لائے اور دفعی خیال:

اچانک یکبارگی آنے والا خیال ہے، جب آدمی کا ذہن کسی معاملہ میں مشغول ہوتا ہے تو اچانک خیال آجاتا ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں کبھی نماز میں پورا لشکر تیار کرلیتا ہوں، کیونکہ پہلے سے ذہن مشغول ہوتا ہے کہ فلاں جگہ لشکر بھیجنا ہے اس کا پورا پلان حضرتؓ کا ذہن نماز میں بنالیتا تھا کہ فلاں کو امیر بناتا ہے، اور اتنے فوجی بھیجتے ہیں، یہ دفعی خیال بھی مضر نہیں، کیونکہ انسان اس کے روکنے پر قادر نہیں، ہاں تدریجی خیال سے نماز ناقص ہوتی ہے۔

قصہ: ایک شخص نے گھر میں یا کھیت میں خزانہ دفن کیا، پھر بھول گیا، بہت تلاش کیا مگر نہیں ملا، وہ امام اعظم رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہا: حضرت! کوئی تدبیر بتائیں کہ خزانہ مل جائے، حضرتؒ نے فرمایا: جا اچھی طرح غسل کر، صاف ستھرے کپڑے پہن اور خشوع وخضوع سے دو رکعتیں پڑھ، اور دیکھنا نماز میں کوئی خیال نہ آئے، اس نے ایسا ہی کیا، اچانک نماز میں خیال آیا کہ فلاں جگہ مال دفن کیا ہے، بس نماز توڑ کر بھاگا، اور خزانہ نکال لیا، پھر شکریہ ادا کرنے کے لئے امام صاحب کے پاس آیا اور سارا قصہ سنایا، آپ نے فرمایا: اللہ کے بندے! نماز تو پوری کرلیتا، پھر خزانہ کھودتا! اتنی بھی کیا جلدی تھی!

معلوم ہوا کہ کبھی خیال دفعی آتا ہے جو مضر نہیں، پس اگر کوئی خیال کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں باتیں سوچتے تھے تو یہ خیال صحیح نہیں، وہ خیال دفعتاً آتا تھا اور ساری باتیں یکدم طے ہوجاتی تھیں۔

[۱۸-] بَابٌ: يُفَكِّرُ الرَّجُلُ الشَّيْئَ فِي الصَّلاَةِ

وَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي لَأُجَهِّزُ جَيْشِي وَأَنَا فِي الصَّلاَةِ.

[۱۲۲۱-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ: هُوَ ابْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْعَصْرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ سَرِيْعًا، دَخَلَ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ، ثُمَّ خَرَجَ، وَرَأَى مَا فِي وُجُوْهِ الْقَوْمِ مِنْ تَعَجُّبِهِمْ لِسُرْعَتِهِ، فَقَالَ: "ذَكَرْتُ وَأَنَا فِي الصَّلاَةِ تِبْرًا عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ أَنْ يُمْسِيَ أَوْ: يَبِيْتَ عِنْدَنَا، فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ"[راجع: ۸۵۱]

وضاحت: یہ حدیث آچکی ہے: ایک دن حضور اکرم ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیر کر فوراً صفیں چیرتے ہوئے گھر میں تشریف لے گئے اور سونے کا ایک ٹکڑا لائے اور کسی صحابی کو تقسیم کرنے کے لئے دیا، پھر لوگوں سے فرمایا: مجھے نماز میں یاد آیا کہ گھر میں سونے کا ایک ڈھیلا ہے، اور مجھے ناپسند ہوا کہ گھر میں شام تک سونا رہے یا فرمایا: میرے گھر میں سونا رات گذارے چنانچہ میں نے اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ نماز میں اگر کوئی خیال آجائے تو اس سے نماز میں فرق نہیں پڑتا، تبر کے معنی ہیں: بے ڈھلا سونے کا ڈھیلا، اور حدیث کا ترجمہ کتاب الصلوۃ باب ۱۵۸ میں ہے۔

[۱۲۲۲-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، قَالَ: قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا أُذِّنَ بِالصَّلاَةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضُرَاطٌ، حَتَّى لاَ يَسْمَعَ التَّأْذِيْنَ،

فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ أَقْبَلَ، فَإِذَا ثُوِّبَ أَدْبَرَ، فَإِذَا سَكَتَ أَقْبَلَ، فَلاَ يَزَالُ بِالْمَرْءِ يَقُوْلُ لَهُ: اذْكُرْ، مَالَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ، حَتَّى لاَ يَدْرِيْ كَمْ صَلَّى" قَالَ أَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: إِذَا فَعَلَ أَحَدُكُمْ ذٰلِكَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ قَاعِدٌ، وَسَمِعَهُ أَبُوْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ. [راجع: ۶۰۸]

وضاحت: یہ حدیث گذر چکی ہے: شیطان کو اذان نہایت ناگوار ہے، وہ اذان سن کر پادتا ہوا بھاگتا ہے، اور اتنی دور چلا جاتا ہے جہاں تک اذان کی آواز نہیں پہنچتی، اسی طرح اقامت سن کر بھی بھاگتا ہے، کیونکہ وہ بھی اذان ہے، پھر اقامت کے بعد واپس آجاتا ہے اور لوگوں کی نماز خراب کرتا ہے اور جو باتیں آدمی بھولا ہوا ہوتا ہے وہ یاد دلاتا ہے اور ان میں اتنا مشغول کر دیتا ہے کہ آدمی یہ تک بھول جاتا ہے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھیں!

قولہ: فلیسجد سجدتین وھو قاعد: جب نماز میں بھول ہو جائے اور رکعتوں کی تعداد یاد نہ رہے تو آخر میں سجدۂ سہو کرے، وھو قاعد کا مطلب ہے نماز کے آخر میں، اور سہو کے احکام کتاب السہو میں آرہے ہیں۔

[۱۲۲۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، قَالَ: قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: يَقُوْلُ النَّاسُ: أَكْثَرَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ! فَلَقِيْتُ رَجُلاً، فَقُلْتُ: بِمَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْبَارِحَةَ فِي الْعَتَمَةِ؟ فَقَالَ: لاَ أَدْرِيْ، فَقُلْتُ: أَلَمْ تَشْهَدْهَا؟ قَالَ: بَلٰى، قُلْتُ: لٰكِنْ أَنَا أَدْرِيْ، قَرَأَ سُوْرَةَ كَذَا وَكَذَا.

وضاحت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو کثرت سے حدیثیں بیان کرتے تھے تو اس پر لوگ اعتراض کرتے تھے، پہلے (حدیث ۱۱۸ میں) بھی یہ اعتراض آیا ہے، وہاں حضرت ابو ہریرہؓ نے دوسرا جواب دیا تھا اور یہاں دوسرا۔ ایک معترض سے حضرت ابو ہریرہؓ کی ملاقات ہوئی، آپؓ نے اس سے پوچھا: گذشتہ رات عشاء کی نماز میں نبی ﷺ نے کونسی سورتیں پڑھی تھیں؟ اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں، آپؓ نے پوچھا: کیا آپ نماز میں موجود نہیں تھے؟ اس نے کہا: تھا، حضرتؓ نے فرمایا: مگر مجھے یاد ہے فلاں فلاں سورتیں پڑھی تھیں، یعنی جب تجھے یاد نہیں رہتا تو تو کیا حدیثیں بیان کرے گا، اور مجھے یاد رہتا ہے اس لئے میں بیان کرتا ہوں۔

تشریح: آنحضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر بکثرت حدیثیں بیان کرنے کی وجہ سے اعتراض سمجھ میں نہیں آتا، میرا خیال ہے: یہ دور مابعد کا واقعہ ہے، حضرت ابو ہریرہؓ نے معترض سے پوچھا ہے کہ گذشتہ رات عشاء کی نماز میں امام نے کونسی سورتیں پڑھی تھیں؟ امام کی جگہ رسول اللہ ہو گیا .... بہر حال نماز میں آدمی سوچتا ہے اور اسے یہ تک یاد نہیں رہتا کہ امام نے کونسی سورتیں پڑھیں؟ اس مناسبت سے یہ حدیث یہاں لائے ہیں۔

﴿الحمد للہ! أبوابُ العملِ فِي الصَّلاةِ کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[کِتَابُ السَّهْوِ]

نماز میں بھولنے کا بیان

اب سہو کے مسائل شروع ہو رہے ہیں، اس مسئلہ میں روایات میں اتنا شدید اختلاف ہے کہ کوئی دو امام ایک بات پر متفق نہیں، ہر مجتہد کی رائے الگ ہے:

ائمہ کے نزدیک سجدۂ سہو کی حقیقت:

سب سے پہلے یہ بات جان لینی چاہئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک سجدۂ سہو کی حقیقت: دو سجدے، تشہد اور سلام ہے، چنانچہ مذہب حنفیہ میں سجدۂ سہو کرنے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ پہلے قعدۂ اخیرہ میں سب کچھ پڑھ لے: تشہد بھی، درود بھی اور دعا بھی، اس کے بعد سلام پھیرے، پھر دو سجدے کرے، پھر صرف تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔

مگر جماعت کی نماز میں ایک مصلحت سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ صرف تشہد پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں، پھر سہو کے سجدے کرتے ہیں اور درود و دعا سہو کے قعدہ میں تشہد کے بعد پڑھتے ہیں، اور ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ مسبوق جان لیں کہ یہ ابھی جنسی سلام ہے، پس وہ کھڑے ہونے میں جلدی نہ کریں۔

مگر اب طریقہ یہ چل پڑا ہے کہ ہر نماز میں صرف تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیتے ہیں، بلکہ بعض کتابوں میں بھی یہی مسئلہ لکھ دیا ہے، حالانکہ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کی صحیح صورت وہ ہے جو میں نے بیان کی، ائمہ کے اختلاف کو اور احادیث کے مطلب کو سمجھنے کے لئے مذہب کی اصل صورت جاننا ضروری ہے۔

اور سلام کے بارے میں فقہ حنفی میں تین قول ہیں: ایک: ایک سلام پھیرے، اور وہ بھی سامنے کی طرف، دائیں بائیں منہ نہ موڑے، اس قول پر کسی نے فتوی نہیں دیا، دوم: دائیں بائیں دو سلام پھیرے، صاحب ہدایہ وغیرہ نے اس قول کی تصحیح کی ہے، سوم: ایک سلام پھیرے اور دائیں طرف منہ موڑے، کرخی رحمہ اللہ نے اس قول کی تصحیح کی ہے اور یہی مفتی بہ اور معمول بہ ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سہو کی ہر صورت میں سلام سے پہلے سجدہ کرنا اولیٰ ہے، ان کے نزدیک سجدۂ سہو کی

حقیقت ہے: سجدتان لاتشھُّد ولاسلام: صرف دو سجدے بغیر تشہد اور سلام کے، چنانچہ ان کے یہاں طریقہ یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ میں سب کچھ پڑھ کر سلام پھیرے بغیر دو سجدے کرتے ہیں، پھر کچھ پڑھے بغیر سلام پھیرتے ہیں۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے: الدَّالُ بالدَّال وَالقافُ بالقاف: دال کی صورت میں دال اور قاف کی صورت میں قاف یعنی اگر نماز میں کچھ زیادتی ہوئی ہے تو بعد السلام سجدہ کرنا اولیٰ ہے، اور کمی ہوئی ہے تو قبل السلام، وہ فرماتے ہیں: زیادتی کی صورت میں بعد السلام سجدے اس لئے ہیں کہ وہ نماز سے باہر رہیں، اگر قبل السلام سجدے کئے جائیں گے تو وہ نماز میں شامل ہو جائیں گے، اور زیادتی در زیادتی لازم آئے گی، اور نقصان کی صورت میں قبل السلام سجدے اس لئے ہیں کہ وہ نماز میں داخل ہو کر کمی کی تلافی کریں گے۔

اور امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں: احادیث میں جو صورتیں آئی ہیں ان کی پیروی اولیٰ ہے، احادیث میں پانچ صورتیں آئی ہیں (جن میں سے بعض کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے) پس جن صورتوں میں قبل السلام سجدہ کرنا مروی ہے ان میں سے کوئی صورت پیش آئے تو قبل السلام سجدہ کیا جائے اور جن صورتوں میں بعد السلام سجدہ کرنا مروی ہے وہ صورت پیش آئے تو پھر بعد السلام سجدہ کرنا چاہئے، اور اگر سہو کی کوئی نئی صورت پیش آئے تو پھر امام احمد: امام شافعی رحمہما اللہ کے ساتھ ہیں، اور امام اسحاق: امام مالک رحمہما اللہ کے ساتھ۔

امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب بظاہر اچھا معلوم ہوتا ہے مگر اس پر عمل کرنا ممکن نہیں کیونکہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور ترمذی (حدیث ۳۶۴ باب ماجاء فی الإمام ینهض إلخ) میں ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا پہلے قعدہ کو بھول کر کھڑے ہونے کی صورت میں بعد السلام سجدہ کرنا مروی ہے، اور عبد اللہ بن بُحَینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو باب میں ہے اسی صورت میں آپ نے قبل السلام سجدہ کیا ہے، آنحضور ﷺ ظہر کا پہلا قعدہ بھول کر کھڑے ہوگئے، پھر آپ نے قبل السلام سجدہ کیا، یہ دونوں حدیثیں اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں، پس عمل کرنے کی کیا صورت ہے؟ اور امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ اگرچہ شروع میں ساتھ ہیں مگر بعد میں وہ بھی علاحدہ علاحدہ ہوگئے ہیں۔

فائدہ: تمام ائمہ متفق ہیں کہ سجدہ سہو قبل السلام بھی جائز ہے اور بعد السلام بھی، اختلاف صرف اولیٰ اور افضل کا ہے، مگر چونکہ مسئلہ میں خوب بحث ہوئی ہے اس لئے احناف کے ذہن میں قبل السلام سجدے کی گنجائش نہیں رہی، اور شوافع بعد السلام سجدے کو جانتے نہیں، یہ جو ذہن بن گئے ہیں یہ ٹھیک نہیں، قبل السلام سجدے بھی جائز ہیں اور بعد السلام بھی، اور اختلاف صرف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے، اور بعد السلام سجدے کرنے میں عبادت زیادہ ہے اس صورت میں تشہد دوبارہ پڑھنا پڑتا ہے، اس لئے امام اعظم رحمہ اللہ نے اس کو افضل قرار دیا ہے۔

روایات کا اختلاف:

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ مسئلہ باب میں قولی اور فعلی دونوں طرح کی روایتیں ہیں اور وہ مختلف ہیں، یعنی آنحضرت

ﷺ سے قبل السلام اور بعد السلام دونوں طرح سجدۂ سہو کرنا مروی ہے، اور آپؐ نے قبل السلام سجدہ سہو کرنے کے لئے بھی فرمایا ہے اور بعد السلام بھی، اور قولی روایتوں میں سے بعد السلام والی روایت بخاری (حدیث ۴۰۱ باب التوجہ نحو القبلۃ) اور مسلم (۲۱۲:۱ السہو فی الصلوٰۃ) میں ہے اور قبل السلام والی قولی روایت صرف مسلم (۲۱۱:۱) میں ہے، اور فعلی روایتوں میں سے قبل السلام والی فعلی روایت متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۱۲۲۴، مسلم ۲۱۱:۱) اور بعد السلام والی فعلی روایت بھی اعلیٰ درجہ کی ہے، مگر متفق علیہ نہیں، اور ائمہ ثلاثہ قول وفعل میں تعارض کے وقت فعلی روایت کو لیتے ہیں اور احناف قولی روایت کو، تفصیل (تحفۃ القاری ۴۶۳:۱ میں ہے)

بعد السلام سجدہ کی روایات:

امام اعظم رحمہ اللہ کی ایک دلیل تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو متفق علیہ ہے اور کتاب الصلوٰۃ باب ۳۱ (تحفۃ القاری ۲۳۶:۲) میں گذری ہے اس کے علاوہ دو حدیثیں اور ہیں جو ابوداؤد میں ہیں، ایک حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اس میں قاعدہ کلیہ ہے کہ سہو کی ہر صورت میں سلام پھیرنے کے دو سجدے ہیں (ابوداؤد حدیث ۱۰۳۸) یہ حدیث صحیح ہے اور اسماعیل بن عیاش کی وجہ سے حدیث کی صحت متاثر نہیں ہوتی، کیونکہ ان کا استاذ عبید اللہ کلاعی شامی ہے اور اسماعیل: شامی اساتذہ کی روایتوں میں بالاجماع معتبر ہیں۔

اور دوسری حدیث حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی ہے وہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جسے نماز میں شک ہو جائے تو چاہئے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے'' یہ حدیث بھی صحیح ہے (ابوداؤد حدیث ۱۰۳۳)

بَابُ مَاجَاءَ فِي السَّهْوِ إِذَا قَامَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَرِيْضَةِ

فرض نماز کا پہلا قعدہ بھولنے کا حکم

رباعی یا ثلاثی فرض نماز میں اگر کوئی قعدہ اولیٰ بھول سے چھوڑ دے تو سجدۂ سہو واجب ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قعدہ اولیٰ سنت ہے اور حنفیہ کے نزدیک واجب، اور اس مسئلہ سے حنفیہ کے قولِ وجوب کی تائید ہوتی ہے، سجدۂ سہو واجب چھوڑنے ہی سے لازم آتا ہے، سنت چھوڑنے پر لازم نہیں آتا، اور ابواب الوتر کے شروع میں بتایا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب کا علی وجہ البصیرت کوئی درجہ نہیں، اور احناف کے یہاں وجوب ایک مستقل درجہ ہے جو فرض سے نیچے اور سنتِ مؤکدہ سے اوپر ہے، اور ائمہ ثلاثہ اس درجہ کے احکام کو کبھی فرض کے خانہ میں رکھتے ہیں کبھی سنت کے، چنانچہ ائمہ ثلاثہ نے قعدہ اولیٰ کو سنت قرار دیا، مگر وہ اس پر واجب کے احکام جاری کرتے ہیں، اس کے تارک پر سجدۂ سہو واجب کرتے ہیں۔

ایک قاعدہ: اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عبادتیں دو طرح کی ہیں: ایک وہ عبادت ہے جس میں حقیقت اور ہیئت دونوں

مطلوب ہیں اور دوسری وہ عبادت ہے جس میں صرف حقیقت مطلوب ہے، ہیئت مطلوب نہیں، اور ہیئت کی تکمیل کرنے والی چیزیں واجبات ہیں اور حقیقت کی تکمیل کرنے والی چیزیں سنتیں ہیں، اس لئے وضو میں کوئی واجب نہیں، صرف سنتیں ہیں، کیونکہ وضو میں حقیقت مطلوب ہے ہیئت مطلوب نہیں، وضو میں تین اعضاء کو دھونا اور ایک عضو پر ہاتھ پھیرنا مطلوب ہے، ہیئت یعنی ترتیب وغیرہ مطلوب نہیں، اور نماز میں ہیئت اور حقیقت دونوں مطلوب ہیں، اس لئے ہیئت کی تکمیل کے لئے واجبات اور حقیقت کی تکمیل کے لئے سنتیں رکھی ہیں (یہ قاعدہ حضرت الاستاذ علامہ بلیاوی قدس سرہ نے بیان فرمایا ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۲- [كِتَابُ السَّهْوِ]

[۱-] بَابُ مَاجَاءَ فِي السَّهْوِ إِذَا قَامَ مِنْ رَكْعَتَي الْفَرِيْضَةِ

[۱۲۲۴-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ، أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَكْعَتَيْنِ مِنْ بَعْضِ الصَّلَوَاتِ، ثُمَّ قَامَ فَلَمْ يَجْلِسْ، فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ وَنَظَرْنَا تَسْلِيْمَهُ كَبَّرَ قَبْلَ التَّسْلِيْمِ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ ثُمَّ سَلَّمَ. [راجع: ۸۲۹]

[۱۲۲۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَامَ مِنِ اثْنَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ، لَمْ يَجْلِسْ بَيْنَهُمَا، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ. [راجع: ۸۲۹]

وضاحت: دونوں حدیثیں حضرت عبداللہ بن بُحَینۃ رضی اللہ عنہ کی ہیں اور قبل السلام سجدہ کی ہیں اور کتاب الصلوٰۃ (باب ۱۴۶) میں گذر چکی ہیں، نبی ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی، آپؐ قعدہ اولیٰ بھول گئے، پس آپؐ نے آخر میں قبل السلام دو سجدے کئے۔

قولہ: ونظرنا تسلیمہ: بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہم نے سلام نہائی (آخری سلام) کا انتظار کیا، مگر آپؐ نے سلام نہائی نہیں کیا، سجدۂ سہو کا سلام کر کے سلام نہائی سے پہلے تکبیر کہی اور سجدے کئے، مگر یہ مطلب صحیح نہیں، کیونکہ احناف کے نزدیک سلام نہائی سجدۂ سہو سے پہلے ہے اور سجدوں کے بعد جو سلام ہے وہ سجدۂ سہو کی حقیقت میں داخل ہے۔

ملحوظہ: اعلام متناسبہ (نسب ناموں) میں جو ابن آتا ہے اس کا الف نہ لکھا جاتا ہے نہ پڑھا جاتا ہے، اور اعلام غیر متناسبہ

میں جو ابن آتا ہے اس کا الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا، جیسے عیسیٰ ابن مریم، چنانچہ عبد اللہ ابن بُحَینۃ میں الف لکھا گیا ہے کیونکہ بُحَینۃ اعلام غیر متناسبہ میں سے ہے وہ ان کی والدہ ہیں اور نسب مردوں سے چلتا ہے، نیز اعلام غیر متناسبہ کا ابن پہلے نام کی صفت ہوتا ہے، جیسے عبد اللہ بن أبي ابنُ سلول (رئیس المنافقین) اور ابن بُحَینۃ کے والد کا نام مالک تھا۔

بَابٌ: إِذَا صَلّٰی خَمْسًا

رباعی نماز پانچ رکعتیں پڑھ لیں

اگر رباعی نماز پانچ رکعتیں پڑھ لیں تو کیا حکم ہے؟ حنفیہ کے نزدیک اگر چوتھی رکعت پر قعدہ کیا ہے تو سجدۂ سہو سے نماز صحیح ہو جائے گی، اور اگر چوتھی رکعت پر قعدہ نہیں کیا اور پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا ہے تو پانچویں کو جب تک سجدہ کے ساتھ مؤکد نہ کرے لوٹ آئے اور قعدہ اخیرہ کر کے سجدۂ سہو کرے نماز ہو جائے گی۔ اور اگر پانچویں کا سجدہ کر لیا تو فرض باطل ہو گیا، اب فرض از سر نو پڑھے۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ثلاثی اور رباعی فرض نمازوں کے دونوں قعدے یکساں ہیں، یعنی سنت (بمعنی واجب) ہیں پس ان کے نزدیک دونوں قعدوں میں سے کسی کے بھی ترک کی صورت میں سجدۂ سہو کر لینا کافی ہے۔

اور باب میں یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھا دیں، سلام کے بعد آپؐ سے عرض کیا گیا: نماز میں زیادتی ہوئی یا آپ کو بھول لگی؟ پس صورت حال جان کر آپؐ نے دو سجدے کئے اور یہ سجدے سلام کے بعد کئے، آنحضور ﷺ نے قعدہ اخیرہ کیا تھا یا نہیں؟ اس سے حدیث ساکت ہے، پس یہ حدیث نہ کسی کے موافق ہے نہ مخالف۔

[۲-] بَابٌ: إِذَا صَلّٰی خَمْسًا

[۱۲۲۶-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا، فَقِيْلَ لَهُ: أَزِيْدَ فِي الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: " وَمَا ذَاكَ؟" قَالَ: صَلَّيْتَ خَمْسًا، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ. [راجع: ۴۰۱]

وضاحت: سجدۂ سہو بعد السلام کے مسئلہ میں احناف کا مستدل یہ حدیث نہیں، کیونکہ یہ حدیث اسلام کے ابتدائی دور کی ہے، جب نماز میں کلام جائز تھا، بلکہ احناف کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ قولی حدیث ہے جو متفق علیہ ہے، جو کتاب الصلوٰۃ باب ۳۱ (تحفۃ القاری ۲: ۲۳۶) میں گذر چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کسی شخص کو نماز میں

رکعتوں کی تعداد میں شک ہوجائے تو وہ سوچنے کے بعد جو ظن غالب قائم ہو اس پر عمل کرے، پھر بعد السلام سجدۂ سہو کرے"

بَابٌ: إِذَا سَلَّمَ فِيْ رَكْعَتَيْنِ أَوْ فِيْ ثَلَاثٍ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ مِثْلَ سُجُوْدِ الصَّلَاةِ أَوْ أَطْوَلَ

رباعی نماز میں دو یا تین رکعتوں پر بھول سے سلام پھیر دے

تو نماز کے سجدوں جیسے یا ان سے لمبے دو سجدے کرے

پہلے ایک قاعدہ ذہن نشین کرلیں: اگر نماز میں بھول سے سلام پھیر دے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، عربی میں یہ قاعدہ اس طرح ہے: سلامُ مَن علیه بقیةٌ مِن الصلوةِ لایَقْطَعُ الصلوۃ: پس اگر کوئی رباعی نماز میں دو یا تین رکعتوں پر بھول سے سلام پھیر دے تو نماز ختم نہیں ہوگی، جب تک کوئی منافی صلوۃ عمل نہ کرے، اگر کسی سے بات چیت کرلی، کچھ کھاپی لیا یا قبلہ سے سینہ پھر گیا تو نماز ختم ہوجائے گی، اور اگر کوئی منافی صلوۃ عمل نہیں کیا اور یاد آگیا یا پیچھے سے لقمہ آگیا تو باقی نماز پوری کرے اور بے موقع سلام پھیرنے کی وجہ سے آخر میں سجدہ سہو کرے، نماز ہوجائے گی۔

جیسے مسبوق نے بھول سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو اس کی نماز ختم نہیں ہوئی، جب تک کوئی منافی صلوۃ عمل نہ کرے، اس سے پہلے یاد آجائے تو باقی نماز پوری کرے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

حدیث: ایک مرتبہ نبی ﷺ نے ظہرین میں سے کوئی نماز پڑھائی اور دو یا تین رکعت پر سلام پھیر دیا، اور حجرہ میں تشریف لے گئے، لوگوں میں باتیں ہوئیں مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ آنحضور ﷺ سے اس سلسلہ میں گفتگو کرے، مسجد میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، مگر ان کی بھی ہمت نہ ہوئی، اور کچھ جلد باز لوگ یہ کہتے ہوئے مسجد سے نکل گئے کہ نماز کم ہوگئی، ذوالیدین ایک صحابی تھے وہ آنحضور ﷺ کے پیچھے کمرہ میں گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا نماز میں کمی ہوئی یا آپ کو بھول لگی؟ آپ نے فرمایا: دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں ہوئی، نہ کمی ہوئی نہ بھول لگی، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک بات ضرور ہوئی ہے، آپ نے دو رکعتیں پڑھائی ہیں، چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں سے پوچھا: ذوالیدین کیا کہتے ہیں؟ لوگوں نے تصدیق کی، پس آپ قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور باقی نماز پڑھائی اور آخر میں سلام کے بعد نماز جیسا یا اس سے بھی لمبا سجدہ کیا، آئندہ باب میں اس حدیث میں یہ جزء بھی ہے اور اسی کے پیش نظر یہ باب قائم کیا ہے، اور یہ واقعہ نماز میں کلام منسوخ ہونے سے پہلے کا ہے۔

اور اس حدیث میں دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عروۃ نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز پڑھائی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا، لوگوں نے بتایا کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھائی ہیں، پس انھوں نے ایک رکعت اور پڑھائی اور آخر میں سجدۂ سہو کیا پھر فرمایا: ایسے ہی واقعہ میں نبی ﷺ نے بھی اسی طرح کیا ہے۔ حضرت عروہ تابعی ہیں، شاید نسخ کلام فی الصلوٰۃ کی بات ان کے علم

میں نہیں ہوگی اس لئے انھوں نے ایسا کیا ہوگا۔ واللہ اعلم

[۳-] بَابٌ: إِذَا سَلَّمَ فِي رَكْعَتَيْنِ أَوْ فِي ثَلاَثٍ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ مِثْلَ سُجُودِ الصَّلاَةِ أَوْ أَطْوَلَ

[۱۲۲۷-] حدثنا آدمُ، حدثنا شعبةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الظُّهْرَ أَوِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ: الصَّلاَةُ يَارَسُولَ اللهِ! أَ نَقَصَتْ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِأَصْحَابِهِ: "أَحَقٌّ مَا يَقُولُ؟" قَالُوْا: نَعَمْ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ أُخْرَاوَيْنِ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ.

قَالَ سَعْدٌ: وَرَأَيْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ صَلَّى مِنَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ فَسَلَّمَ، وَتَكَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى مَا بَقِيَ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، وَقَالَ: هٰكَذَا فَعَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۴۸۲]

قولہ: اُخراوَین: خلاف قیاس ہے (قسطلانی) اور ایک نسخہ میں اخریین ہے، یہ قیاس کے موافق ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَتَشَهَّدْ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ

جس نے سہو کے سجدوں کے بعد تشہد نہیں پڑھا

جو حضرات بعد السلام سجدہ کے قائل ہیں ان کے نزدیک سجدۂ سہو کی حقیقت تین چیزیں ہیں: دو سجدے، تشہد اور سلام، اور جو حضرات قبل السلام سجدہ کے قائل ہیں ان کے نزدیک سجدہ سہو کی حقیقت صرف دو سجدے ہیں، نہ تشہد ہے نہ سلام، یہ باب انہی حضرات کے لئے ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی رائے محفوظ رکھی ہے، باب میں مَن لائے ہیں یعنی خود مسئلہ کی ذمہ داری قبول نہیں کی، حضرت انسؓ، حسن بصریؒ اور قتادہؒ کی بھی یہی رائے ہے اور اسی کو ائمہ ثلاثہ نے لیا ہے۔

[۴-] بَابُ مَنْ لَمْ يَتَشَهَّدْ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ

[۱-] وَسَلَّمَ أَنَسٌ وَالْحَسَنُ وَلَمْ يَتَشَهَّدَا.

[۲-] وَقَالَ قَتَادَةُ: لاَيَتَشَهَّدُ.

[۱۲۲۸-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَيْنِ، فَقَالَ لَهُ ذُوالْيَدَيْنِ: أَ قَصُرَتِ الصَّلاَةُ أَمْ نَسِيتَ يَارَسُولَ اللهِ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "أَصَدَقَ ذُوالْيَدَيْنِ؟" فَقَالَ النَّاسُ: نَعَمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَصَلَّى اثْنَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ

كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ. [راجع: ۴۸۲]

حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عَلْقَمَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِمُحَمَّدٍ: فِيْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ تَشَهُّدٌ؟ قَالَ: لَيْسَ فِيْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ.

وضاحت: حضرت انسؓ اور حضرت حسن بصریؒ کی روایتیں فعلی ہیں، دونوں حضرات نے سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دیا، تشہد نہیں پڑھا، اور حضرت قتادہ نے مسئلہ بتایا ہے کہ سجدۂ سہو کے بعد تشہد نہیں ہے۔ اور دوسری حدیث میں سلمہ نے ابن سیرینؒ سے پوچھا: سجدۂ سہو کے بعد تشہد ہے؟ انھوں نے کہا: حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں (پس یہ روایت احناف کے خلاف نہیں، کیونکہ عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں)

بَابٌ: يُكَبِّرُ فِيْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ

سہو کے سجدوں میں تکبیر کہے

جب سجدۂ سہو کرے تو تکبیر کہہ کر سجدہ میں جائے، اور تکبیر کہہ کر سر اٹھائے، جیسے نماز کے سجدوں میں ہے، سجدۂ سہو میں بھی تکبیر کہنا سنت ہے۔

[۵-] بَابٌ: يُكَبِّرُ فِيْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ

[۱۲۲۹-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِحْدَى صَلاَتَيِ الْعَشِيِّ - قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَكْثَرُ ظَنِّيْ أَنَّهَا الْعَصْرُ - رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى خَشَبَةٍ فِيْ مُقَدَّمِ الْمَسْجِدِ، فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا، وَفِيْهِمْ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَهَابَا أَنْ يُكَلِّمَاهُ، وَخَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ، فَقَالُوْا: قَصُرَتِ الصَّلاَةُ، وَرَجُلٌ يَدْعُوْهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ذَا الْيَدَيْنِ، فَقَالَ: أَنَسِيْتَ أَمْ قَصُرَتْ؟ فَقَالَ: "لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ" قَالَ: بَلَى قَدْ نَسِيْتَ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ، فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ. [راجع: ۴۸۲]

[۱۲۳۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ الأَسَدِيِّ، حَلِيْفِ بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَامَ فِيْ صَلاَةِ الظُّهْرِ، وَعَلَيْهِ جُلُوْسٌ، فَلَمَّا أَتَمَّ صَلاَتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، يُكَبِّرُ فِيْ كُلِّ سَجْدَةٍ، وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، وَسَجَدَهُمَا النَّاسُ مَعَهُ مَكَانَ مَا نَسِيَ مِنَ الْجُلُوْسِ، تَابَعَهُ ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ فِي التَّكْبِيْرِ.

قولہ: وأکثر ظنی أنہا العصر: میرا غالب گمان یہ ہے کہ وہ عصر کی نماز تھی .... ثم قام إلی خشبۃ فی مقدم المسجد: مسجد میں آگے جو ستون تھے وہاں آپ ﷺ کھڑے ہوئے .... **قولہ:** فہاباہ أن یکلماہ: مسجد میں شیخین رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، اور وہ دونوں آپؐ سے اس سلسلہ میں بات کرنے سے ڈرے .... **قولہ:** وخرج سَرَعان الناس: پیچھے کچھ جلد باز لوگ یہ کہتے ہوئے مسجد سے نکل گئے کہ نماز میں کمی کردی گئی، صحابہ کی صفوں میں منافقین بھی ہوتے تھے، وہ جلدی نہیں آتے تھے اور نماز میں پیچھے رہتے تھے .... **قولہ:** ثم کبر: یہ جزء باب سے متعلق ہے .... **قولہ:** وسجدہما الناس معہ إلخ: اورلوگوں نے بھی آپؐ کے ساتھ وہ سجدے کئے، یہ سجدے اس قعدہ کی جگہ میں تھے جو آپؐ بھول گئے تھے۔

مسئلہ: امام سے جب بھول ہوئی اس وقت کوئی شخص نماز میں شامل نہیں تھا، بعد میں شامل ہوا تو وہ بھی امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے گا۔

بَابٌ: إِذَا لَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا؟ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ

جس کو رکعتوں کی تعداد یاد نہ رہے کہ تین پڑھیں یا چار تو وہ نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کرے

اگر نمازی کو رکعتوں کی تعداد میں شک ہوجائے تو حنفیہ کے نزدیک تین صورتیں ہیں:

۱- اگر شک پہلی مرتبہ پیش آیا ہے یا شاذ ونادر پیش آتا ہے، سال دو سال میں ایک آدھ مرتبہ پیش آتا ہے تو جس رکن میں ہے اسی رکن میں سلام پھیردے اور نماز از سر نو پڑھے۔

۲- اور اگر شک پیش آتا رہتا ہے، اور وہ صاحب رائے ہے تو تحری (غور وفکر) کرکے کوئی رائے قائم کرے اور ظن غالب پر عمل کرے۔

۳- اور اگر صاحب رائے نہیں ہے تو بناء علی الاقل کرے، اور جہاں قعدۂ اخیرہ کا احتمال ہو قعدہ کرے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

اور ائمہ ثلاثہ ہر صورت میں بناء علی الاقل کے قائل ہیں، اور امام شعبی اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کے نزدیک ہر صورت میں استیناف کرے گا۔ تفصیل تحفۃ القاری (۲: ۲۳۸) میں ہے۔

[۶-] بَابٌ: إِذَا لَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ

[۱۲۳۱-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ أَبِي عَبْدِ اللهِ الدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا نُودِيَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ

وَلَهُ ضُرَاطٌ، حَتّٰى لَا يَسْمَعَ الأَذَانَ، فَإِذَا قُضِيَ الأَذَانُ أَقْبَلَ، فَإِذَا ثُوِّبَ بِهَا أَدْبَرَ، فَإِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ حَتّٰى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ، وَيَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا وَكَذَا، مَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ، حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ إِنْ يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى، فَإِذَا لَمْ يَدْرِ أَحَدُكُمْ كَمْ صَلّٰى ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا، فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ"[راجع: ۶۰۸]

قولہ: فإذا قضي التثويب أقبل إلخ: جب اقامت پوری ہوجاتی ہے تو شیطان واپس آجاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی اور اس کے نفس کے درمیان حائل ہوجاتا ہے اور وسوسہ ڈالتا ہے، کہتا ہے: فلاں بات یاد کر، فلاں بات یاد کر، جو اسے یاد نہیں ہوتی، یہاں تک کہ آدمی (یہ تک) بھول جاتا ہے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھیں، پس جب تم میں سے کسی کو یاد نہ رہے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھیں یا چار تو چاہئے کہ وہ دو سجدے کرے درانحالیکہ وہ بیٹھا ہو یعنی قعدۂ اخیرہ میں۔

بَابُ السَّهْوِ فِي الْفَرْضِ وَالتَّطَوُّعِ

فرض اور نفل نماز میں بھولنا

سجدۂ سہو کے تعلق سے فرض، واجب اور سنن ونوافل کا ایک حکم ہے، یعنی واجب چھٹنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، فرضوں میں بھی، واجب میں بھی، سنتوں میں بھی اور نفلوں میں بھی۔

جاننا چاہئے کہ سنن ونوافل میں ہر شفعہ پر جو قعدہ ہے وہ قعدہ اخیرہ ہے پس اگر کوئی اسے بھول کر کھڑا ہوجائے تو تیسری رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اسے واپس لوٹنا ہوگا، اور جب تیسری رکعت کا سجدہ کرلیا تو پہلا شفعہ باطل ہوگیا، اس کی قضاء کرے، سجدہ سہو سے کام نہیں چلے گا مگر دوسرا شفعہ صحیح ہوگا، کیونکہ تحریمہ باقی ہے، پس پہلے شفعہ کے تحریمہ پر دوسرے شفعہ کی بناء صحیح ہے۔ البتہ اس قاعدہ سے ظہر سے پہلے والی چار سنتیں مستثنیٰ ہیں، اگر ان میں پہلا قعدہ بھول کر کھڑا ہوجائے تو سجدہ سہو کرنا کافی ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ سجدۂ سہو صرف فرضوں میں ہے، سنن ونوافل میں نہیں، ائمہ اربعہ اور امام بخاری رحمہم اللہ اس کے قائل نہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو وتر کی نماز میں بھول لگی، آپؓ نے سجدۂ سہو کیا اور ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ وتر کو سنت کہتے ہیں، معلوم ہوا کہ فرائض کی طرح نوافل میں بھی سجدۂ سہو ہے۔

[۷-] بَابُ السَّهْوِ فِي الْفَرْضِ وَالتَّطَوُّعِ

وَسَجَدَ ابْنُ عَبَّاسٍ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ وِتْرِهِ.

[۱۲۳۲-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي جَاءَ الشَّيْطَانُ، فَلَبَسَ عَلَيْهِ حَتّٰى لَا يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى؟ فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ"[راجع: ۶۰۸]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان آتا ہے اور اس پر معاملہ مشتبہ کر دیتا ہے، یہاں تک کہ اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھیں؟ پس جب تم میں سے کسی کے ساتھ یہ معاملہ پیش آئے تو چاہئے کہ وہ دو سجدے کرے درانحالیکہ وہ بیٹھا ہو۔

تشریح: لَبَسَ کا مضارع اگر یَلبِس (بکسر الباء) ہو تو اس کے معنی ہیں: پہننا، اور اگر مضارع یلبَس (بفتح الباء) ہو تو اس کے معنی ہیں: مشتبہ کرنا —— اور یہ حدیث مطلق ہے، فرض و واجب کی کوئی تخصیص نہیں، پس ہر نماز میں خواہ فرض ہو، واجب ہو، سنت ہو یا نفل ہو بھول کی صورت میں سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

بَابٌ: إِذَا كُلِّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَأَشَارَ بِيَدِهِ وَاسْتَمَعَ

جب کوئی شخص بات کیا گیا، اور وہ نماز پڑھ رہا تھا پس

اس نے بات سنی اور ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا

کسی شخص نے نماز پڑھنے والے سے کوئی بات کہی، نمازی نے اس کو سنا اور اشارہ سے جواب دیا تو یہ بات موجب سجدۂ سہو نہیں۔ استمع کو اشار بیدہ سے پہلے ہونا چاہئے تھا۔

باب کی حدیث میں یہ واقعہ ہے کہ ایک دن عصر کی نماز پڑھا کر حضور اقدس ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لے گئے، یہ ان کی باری کا دن تھا اور وہاں آپ نے نفل نماز شروع کر دی، اس وقت ام سلمہؓ کے پاس کچھ خواتین بیٹھی تھیں، انہیں اور ام سلمہؓ کو عصر کے بعد نبی ﷺ کے نفل پڑھنے سے تعجب ہوا، چنانچہ ام سلمہؓ نے اپنی باندی کو آپؐ کے پاس بھیجا اور اس سے کہا: خدمتِ اقدس میں سلام عرض کر، اگر آپؐ اشارہ کریں تو نماز کے بعد، ورنہ اسی وقت دریافت کر، جب سلام کیا تو آپؐ نے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا (یہی جزء ترجمۃ الباب سے متعلق ہے) جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو باندی نے عرض کیا: ام سلمہؓ سلام عرض کرتی ہیں اور دریافت کرتی ہیں کہ آنجناب عصر کے بعد نفل نماز سے منع فرماتے ہیں پھر یہ نماز کیسی؟ آپؐ نے فرمایا: میرے پاس مال آیا تھا جس کی تقسیم کی مشغولیت کی بناء پر ظہر کے بعد کی سنتیں رہ گئی تھیں وہ میں نے پڑھیں .... غرض جب باندی نے سلام کیا تو نبی ﷺ نے اس کا سلام سنا اور ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا اس مناسبت سے یہ حدیث یہاں لائے ہیں۔

[۸-] بَابٌ: إِذَا كُلِّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَأَشَارَ بِيَدِهِ وَاسْتَمَعَ

[۱۲۳۳-] حدثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ، وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَزْهَرَ: أَرْسَلُوْهُ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا،

فَقَالُوْا: اقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنَّا جَمِيْعًا، وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، وَقُلْ لَهَا: إِنَّا أُخْبِرْنَا أَنَّكِ تُصَلِّيْنَهُمَا، وَقَدْ بَلَغَنَا أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْهُمَا، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَكُنْتُ أَضْرِبُ النَّاسَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْهَا، قَالَ كُرَيْبٌ: فَدَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَبَلَّغْتُهَا مَا أَرْسَلُوْنِيْ، فَقَالَتْ: سَلْ أُمَّ سَلَمَةَ، فَخَرَجْتُ إِلَيْهِمْ، فَأَخْبَرْتُهُمْ بِقَوْلِهَا، فَرَدُّوْنِيْ إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ بِمِثْلِ مَا أَرْسَلُوْنِيْ بِهِ إِلَى عَائِشَةَ، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَنْهَى عَنْهَا، ثُمَّ رَأَيْتُهُ يُصَلِّيْهِمَا حِيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ دَخَلَ عَلَيَّ، وَعِنْدِيْ نِسْوَةٌ مِنْ بَنِيْ حَرَامٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ الْجَارِيَةَ، فَقُلْتُ: قُوْمِيْ بِجَنْبِهِ، قُوْلِيْ لَهُ: تَقُوْلُ لَكَ أُمُّ سَلَمَةَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! سَمِعْتُكَ تَنْهَى عَنْ هَاتَيْنِ، وَأَرَاكَ تُصَلِّيْهِمَا، فَإِنْ أَشَارَ بِيَدِهِ فَاسْتَأْخِرِيْ عَنْهُ، فَفَعَلَتِ الْجَارِيَةُ، فَأَشَارَ بِيَدِهِ، فَاسْتَأْخَرَتْ عَنْهُ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: "يَا ابْنَةَ أَبِيْ أُمَيَّةَ! سَأَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَإِنَّهُ أَتَانِيْ آتٍ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ، فَشَغَلُوْنِيْ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ، فَهُمَا هَاتَانِ" [انظر: ۴۳۷۰]

ترجمہ: کریب سے مروی ہے کہ ابن عباس، مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن ازہر رضی اللہ عنہم نے ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور انھوں نے کہا: ہم سب کی طرف سے ان کو سلام کہنا، اور ان سے عصر کے بعد دو نفلیں پڑھنے کے بارے میں پوچھنا، اور ان سے کہنا: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپؓ عصر کے بعد دو نفلیں پڑھتی ہیں درانحالیکہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے منع فرمایا ہے، اور ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان نفلوں پر لوگوں کو کوڑے مارا کرتا تھا، کریب کہتے ہیں: پس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا اور ان سے عرض کی وہ بات جس کے لئے ان حضرات نے مجھے بھیجا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اس سلسلہ میں آپ ام سلمہؓ سے پوچھیں، پس میں ان حضرات کے پاس واپس آیا اور ان کو حضرت عائشہؓ کے جواب سے آگاہ کیا، تو انھوں نے مجھے جس بات کے لئے حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا تھا اسی بات کے لئے ام سلمہؓ کے پاس بھیجا۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو ان نفلوں سے منع کرتے ہوئے سنا، پھر میں نے آپؐ کو یہ نفلیں پڑھتے ہوئے دیکھا، جب آپؐ نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر میرے گھر میں آئے اور میرے پاس انصار کے قبیلہ بنی حرام کی کچھ عورتیں تھیں، پس میں نے آپؐ کے پاس باندی کو بھیجا، اور میں نے اس سے کہا: نبی ﷺ کے برابر کھڑی ہو کر آپ سے عرض کر کہ ام سلمہؓ کہہ رہی ہیں: اے اللہ کے رسول! میں نے آپؐ کو ان نفلوں سے منع کرتے ہوئے سنا ہے اور میں آپ کو یہ نفلیں پڑھتے ہوئے دیکھ رہی ہوں، پس اگر آپؐ ہاتھ سے اشارہ کریں تو پیچھے ہٹ جانا، پس باندی نے ایسا ہی کیا، پس نبی ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ کیا (یہ جزء ترجمۃ الباب سے متعلق ہے) پس باندی پیچھے ہٹ گئی، جب آپؐ نے نماز پوری کی تو فرمایا: اے ابوامیہ کی بیٹی! (ام سلمہؓ کے والد حذیفہ یا سہیل کی کنیت ابوامیہ تھی) تم نے عصر کے بعد کی دو نفلوں کے بارے میں پوچھا ہے، بیشک میرے پاس قبیلہ عبدالقیس کے کچھ آنے والے آئے

اور انھوں نے مجھے ظہر کے بعد کی دوسنتوں سے مشغول کردیا، پس یہ وہی سنتیں ہیں ...... عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے لئے دیکھئے تحفۃ القاری (۲: ۴۴۰)

بَابُ الإِشَارَةِ فِي الصَّلاَةِ

نماز میں اشارہ کرنا

یہ گذشتہ باب کا بچہ ہے، گذشتہ باب میں دو باتیں تھیں: مصلی کا خارج صلوۃ آدمی کی بات سننا اور ہاتھ کے اشارہ سے جواب دینا، اس باب میں صرف دوسری بات ہے پس نیا باب ہوگیا۔

[۹-] بَابُ الإِشَارَةِ فِي الصَّلاَةِ

قَالَهُ كُرَيْبٌ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۲۳٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَلَغَهُ أَنَّ بَنِيْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ كَانَ بَيْنَهُمْ شَيْئٌ، فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فِيْ أُنَاسٍ مَعَهُ، فَحُبِسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَحَانَتِ الصَّلاَةُ، فَجَاءَ بِلاَلٌ إِلَى أَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ حُبِسَ وَقَدْ حَانَتِ الصَّلاَةُ، فَهَلْ لَكَ أَنْ تَؤُمَّ النَّاسَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، إِنْ شِئْتَ، فَأَقَامَ بِلاَلٌ وَتَقَدَّمَ أَبُوْبَكْرٍ، فَكَبَّرَ لِلنَّاسِ، وَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَمْشِيْ فِي الصُّفُوْفِ، حَتّٰى قَامَ فِي الصَّفِّ، فَأَخَذَ النَّاسُ فِي التَّصْفِيْقِ، وَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ لاَ يَلْتَفِتُ فِيْ صَلاَتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ الْتَفَتَ، فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم! فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، يَأْمُرُهُ أَنْ يُصَلِّيَ، فَرَفَعَ أَبُوْبَكْرٍ يَدَيْهِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَرَجَعَ الْقَهْقَرٰى وَرَاءَهُ، حَتّٰى قَامَ فِي الصَّفِّ، فَتَقَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَصَلّٰى لِلنَّاسِ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: " يَاأَيُّهَا النَّاسُ! مَا لَكُمْ حِيْنَ نَابَكُمْ شَيْئٌ فِي الصَّلاَةِ أَخَذْتُمْ فِي التَّصْفِيْقِ؟ إِنَّمَا التَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ، مَنْ نَابَهُ شَيْئٌ فِيْ صَلاَتِهِ فَلْيَقُلْ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، فَإِنَّهُ لاَ يَسْمَعُهُ أَحَدٌ حِيْنَ يَقُوْلُ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، إِلاَّ الْتَفَتَ، يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ لِلنَّاسِ حِيْنَ أَشَرْتُ إِلَيْكَ؟" فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: مَاكَانَ يَنْبَغِيْ لاِبْنِ أَبِيْ قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ٦٨٤]

وضاحت: یہ حدیث کئی بار آچکی ہے، اور فرفع أبوبكر يديه: سے استدلال ہے۔

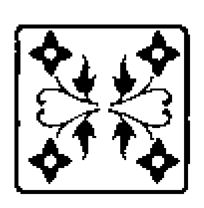
[۱۲۳۵-] حدثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي الثَّوْرِيُّ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ فَاطِمَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ، قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، وَهِيَ تُصَلِّي قَائِمَةً وَالنَّاسُ قِيَامٌ، فَقُلْتُ: مَا شَأْنُ النَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا إِلَى السَّمَاءِ، فَقُلْتُ: آيَةٌ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ: نَعَمْ. [راجع: ۸۶]

وضاحت: نماز کسوف ہورہی تھی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا آئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا بات پیش آئی، یہ بے وقت کی نماز کیسی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کیا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا کوئی نشانی ظاہر ہوئی ہے؟ صدیقہؓ نے سر کے اشارہ سے کہا: ہاں، اسی مناسبت سے یہ حدیث یہاں لائے ہیں (دیکھئے تحفۃ القاری ۱: ۳۶۶)

[۱۲۳۶-] حدثنا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، أَنَّهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي بَيْتِهِ وَهُوَ شَاكٍ جَالِسًا، وَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوْا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: "إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا" [راجع: ۶۸۸]

وضاحت: نبی ﷺ گھوڑے سے گر گئے تھے اور زخمی ہو گئے تھے، اس لئے مسجد میں نماز پڑھانے تشریف نہیں لاتے تھے، ایک دن صحابہ عیادت کے لئے پہنچے تو اتفاق سے آپ نماز پڑھ رہے تھے، صحابہ نے موقع غنیمت جان کر اقتداء کرلی، مگر کھڑے ہو کر اقتداء کی، آپ نے اشارہ سے ان کو بٹھا دیا، اسی مناسبت سے یہ حدیث یہاں لائے ہیں (دیکھئے تحفۃ القاری ۲: ۵۴۹)

﴿الحمدللہ! کتاب السہو کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کِتَابُ الْجَنَائِزِ

موت کے بعد کے احوال

محدثین کرام عام طور پر کتاب الجنائز ادھر اُدھر قائم کرتے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے حج کے بعد ابواب الجنائز رکھے ہیں، اور امام ابوداؤد جلد ثانی میں کتاب الخراج کے بعد اور ایمان ونذور سے پہلے لائے ہیں، مگر امام بخاری رحمہ اللہ کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں کتاب الجنائز لائے ہیں، یہ حضرتؒ کی دقت نظر ہے، فقہاء احناف بھی ایسا ہی کرتے ہیں، کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں کتاب الجنائز رکھتے ہیں اور یہی صحیح جگہ ہے، کیونکہ کتاب الجنائز میں درحقیقت نماز جنازہ کا بیان مقصود ہے، پس یہ کتاب الصلوٰۃ کا تتمہ ہے۔

جَنَزَ الشَّيئَ (ض) جَنْزًا کے معنی ہیں: چھپالینا، ڈھانپ دینا، اور الجنازۃ (بفتح الجیم وکسرھا) کے معنی ہیں: مردہ اور مردے کی چارپائی، اور کچھ حضرات فرق کرتے ہیں: بفتح الجیم مردے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور بکسر الجیم مردے کی چارپائی کے لئے، مگر اہل لغت فرق نہیں کرتے، نہ عرف میں کچھ فرق کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: جنازہ تیار ہوگیا یعنی غسل وکفن ہوگیا، یہاں مردہ (لاش) مراد ہے، اور کہتے ہیں: مسجد سے جنازہ لے آؤ، یعنی مردے کی چارپائی لے آؤ۔ دونوں جگہ بفتح الجیم استعمال کرتے ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي الْجَنَائِزِ، وَمَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

قریب المرگ کا بیان، اور جس کا آخری کلام لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہو

باب میں ایک ہی مسئلہ ہے، اور عطف تفسیری ہے، اور جنازہ سے مراد مُحْتَضَر (قریب المرگ) ہے، اور مسئلہ یہ ہے کہ موت ایمان پر آنی چاہئے، کلمہ نصیب ہوگیا تو بیڑا پار ہے، ورنہ لٹیا ڈوبی! حدیث شریف میں ہے: "جس کا آخری کلام لا إلٰہ إلا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا" اس حدیث کا عام طور پر مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ زندگی میں آخری بات جو منہ سے نکلی

وہ لا إلٰہ إلا اللہ ہوتو وہ جنت میں جائے گا، اور ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ: اپنے مردوں سے لا إلٰہ إلا اللہ کہلواؤ، مردوں سے مراد: مجاز ما یؤل ہے، قریب المرگ مراد ہے، یعنی جس شخص کا نزع شروع ہوگیا، جو تھوڑی دیر میں مرنے والا ہے، اس کو کلمہ کی تلقین کرو، تاکہ اس کا خاتمہ لا إلٰہ إلا اللہ پر ہو، اور وہ جنت میں جائے۔

مگر اس مطلب پر ایک اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ مرتے وقت لا إلٰہ إلا اللہ کہہ لیا اور سیدھا جنت میں پہنچ گیا، حالانکہ اعمال کی اپنی جگہ اہمیت ہے، وہب بن منبہ ؒ جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں، ان کے سامنے کسی نے یہ اعتراض کیا، آپ وعظ میں اعمال کی اہمیت بیان کررہے تھے، اور اعمال پر زور دے رہے تھے، پس کسی نے ان سے کہا: کیا لا إلٰہ إلا اللہ جنت کی چابی نہیں ہے؟ پھر اعمال کی کیا ضرورت ہے؟ جو آپ ان پر اتنا زور دے رہے ہیں؟ وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: بیشک لا إلٰہ إلا اللہ جنت کی چابی ہے مگر چابی میں دندانے ہونے ضروری ہیں، اگر چابی میں دندانے نہ ہوں، چابی سپاٹ ہو تو تالا نہیں کھلے گا۔ اعمال جنت کی چابی کے دندانے ہیں، جس کے پاس چابی بھی ہو یعنی وہ لا إلٰہ إلا اللہ کا قائل ہو اور اس کی چابی میں دندانے بھی ہوں یعنی اس کے پاس اعمال بھی ہوں تو اس کی چابی سے تالا کھلے گا، اور جس کے پاس اعمال نہیں، بصرف لا إلٰہ إلا اللہ ہے تو اس کے پاس سپاٹ چابی ہے، اس سے تالا نہیں کھلے گا!

دوسرا مطلب: اس حدیث کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایمان کا موت کے ساتھ اتصال ضروری ہے، جو آخری سانس تک ایمان پر برقرار رہا وہ جنت میں جائے گا، کیونکہ بہت سے لوگ سوتے ہوئے مرجاتے ہیں اور بہت سے کسی حادثہ کا شکار ہوجاتے ہیں، اور آنا فانا ختم ہوجاتے ہیں، ان کو لا إلٰہ إلا اللہ پڑھنے کا موقع نہیں ملتا تو کیا وہ جنت میں نہیں جائیں گے؟ ضرور جائیں گے، کیونکہ وہ مسلمان مرے ہیں، اس لئے اس حدیث میں ایمان کا موت سے اتصال مراد ہے۔

دوسری توجیہ: وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے جو جواب دیا ہے وہ شاندار جواب ہے، اور اس کا ایک دوسرا جواب بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جنت میں جانے کی دو صورتیں ہیں: دخولِ اوّلی: یعنی مرا اور جنت میں پہنچا! اور دخولِ ثانوی: یعنی گناہوں کی سزا بھگت کر یا معافی کے بعد جنت میں گیا، دخولِ اوّلی کے لئے ایمان کے ساتھ اعمال ضروری ہیں، مثبت پہلو سے بھی اور منفی پہلو سے بھی، یعنی جو مؤمن بندے اعمال صالحہ کرتے ہیں اور اعمالِ سیئہ سے بچتے ہیں ان کو جنت میں دخولِ اوّلی نصیب ہوگا اور جو گنہگار بندے ہیں، مگر مؤمن ہیں، ان کو اپنے برے اعمال کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں جانا پڑسکتا ہے، پھر ان کی نجات ہوگی: غرض اعمال ضروری ہیں ان کے بغیر دخولِ اوّلی کی گارنٹی نہیں۔ پس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لا إلٰہ إلا اللہ مطلقاً جنت کی چابی ہے، دخولِ اوّلی کی چابی ہے: یہ مراد نہیں۔

فائدہ (۱): جو شخص سکرات میں ہے اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین کرنی چاہئے اور تلقین کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص

مریض کے پاس بیٹھ کراتنی زور سے کہ مریض سن لے کلمہ پڑھے، جب مریض کلمہ سنے گا تو وہ خود بھی پڑھے گا، مریض کو کلمہ پڑھنے کے لئے کہا نہ جائے، کبھی سکرات میں سخت تکلیف ہوتی ہے اس لئے ممکن ہے مریض جھلا کر کلمہ پڑھنے سے انکار کردے۔

اور جب مریض ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لے تو تلقین بند کردے پھر اگر وہ کوئی دینی بات بولے یا ذکر کرے تو کوئی حرج نہیں، اور اگر دنیوی بات بولے مثلاً استنجا کرنے کے لئے کہے یا کسی سے ملنے کے لئے یا کچھ کھانے پینے کے لئے کہے تو دوبارہ تلقین کرے، تلقین کے معنی ہیں: کہلوانا یعنی کلمہ پڑھوانا۔ ابن المبارک رحمہ اللہ کو نزع میں کسی نے کلمہ کی تلقین کی آپ نے زور سے کلمہ پڑھا پھر بھی تلقین کرنے والا تلقین کرتا رہا تو آپ نے مسئلہ سمجھایا کہ جب تیرے کلمہ پڑھنے پر میں نے کلمہ پڑھ لیا تو یہ میرا آخری کلام ہے، بار بار مت پڑھوا، مجھے پریشان مت کر، ابن المبارک رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کی شرح کی ہے۔
(تحفۃ الالمعی ۳: ۳۸۰)

اللہ والوں کے بھی عجیب حالات ہیں، نزع میں بھی ہوش کا یہ عالم ہے کہ لوگوں کو حدیث کا مطلب سمجھا رہے ہیں اور مسئلہ کی وضاحت کررہے ہیں، اور اس سے بھی زیادہ عجیب واقعہ حضرت ابو زرعہ رازی رحمہ اللہ کا ہے، بوقت نزع ان کے پاس بڑے بڑے محدثین (شاگرد) بیٹھے ہوئے تھے، مگر کوئی کلمہ تلقین کرنے کی ہمت نہیں کررہا تھا ہر ایک سوچ رہا تھا کہ اتنے بڑے محدث کو کلمہ کی تلقین کیسے کریں؟ ایک صاحب کو ایک ترکیب سوجھی، انھوں نے حدیث بیان کرنی شروع کی: حدثنی هذا الشيخ (اور ابو زرعہؒ کی طرف اشارہ کیا) قال نا فلان، نا فلان: ان النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من كان آخر كلامه اور رک گئے، حضرت ابو زرعہ رحمہ اللہ نے لقمہ دیا: لا إله إلا الله، اور اسی کے ساتھ ان کی روح پرواز کرگئی۔

فائدہ (۲): کیا محمد رسول اللہ کی بھی تلقین ضروری ہے؟ پہلے میری رائے تھی کہ لا إله إلا الله عنوان تعبیری ہے، مراد پورا کلمہ ہے، درمختار میں بھی یہی لکھا ہے، مگر اب میری رائے بدل گئی ہے، صرف لا إله إلا الله کی تلقین بھی کافی ہے، ہدایہ، نُقایہ، وقایہ اور کنز کی تعبیرات اس طرف مشیر ہیں، مگر لا إله إلا الله میں محمد رسول الله شامل ہونا چاہئے، پس عیسائی اور یہودی کا لا إله إلا الله کافی نہیں، کیونکہ اس میں محمد رسول الله شامل نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عقائد کو پھیلائیں تو بہت ہیں، بہشتی زیور میں چھیالیس عقیدے لکھے ہیں مگر ان کا خلاصہ وہ سات عقائد ہیں جو ایمان مفصل میں لئے گئے ہیں، اور ان سات کا خلاصہ دو عقیدے ہیں: اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان، کلمہ طیبہ میں یہی دو عقیدے لئے گئے ہیں، پھر سب کا مرجع پہلا عقیدہ لا إله إلا الله ہے، باقی سب عقیدے اس میں شامل ہیں، اس لئے صرف لا إله إلا الله پڑھنا بھی کافی ہے، مگر وہ لا إله إلا الله پڑھنا ضروری ہے جس میں محمد رسول الله ہو، اگر عیسائی لا إله إلا الله پڑھے تو کافی نہیں، کیونکہ اس کے کلمہ کے پہلے جزء میں عيسى كلمة الله ہے محمد رسول الله نہیں ہے، اسی طرح یہودی کے کلمہ میں موسیٰ کلیم اللہ ہے، عيسى كلمة الله

اورمحمد رسول اللہ نہیں ہے اور مسلمانوں کے کلمہ میں موسیٰ کلیم اللہ بھی ہے، عیسیٰ کلمۃ اللہ بھی ہے اور محمد رسول اللہ بھی ہے، اور اب اسی کلمہ پر نجات کا مدار ہے (تحفۃ القاری ۱:۱۷۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۳- كِتَابُ الْجَنَائِزِ

[۱-] بَابُ مَاجَاءَ فِي الْجَنَائِزِ، وَمَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

وَقِيْلَ لِوَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ: أَلَيْسَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: بَلَى، وَلٰكِنْ لَيْسَ مِفْتَاحٌ إِلَّا لَهُ أَسْنَانٌ، فَإِنْ جِئْتَ بِمِفْتَاحٍ لَهُ أَسْنَانٌ فُتِحَ لَكَ، وَإِلَّا لَمْ يُفْتَحْ لَكَ.

[۱۲۳۷-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُوْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَاصِلٌ الْأَحْدَبُ، عَنِ الْمَعْرُوْرِ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَتَانِي آتٍ مِنْ رَبِّيْ فَأَخْبَرَنِيْ - أَوْ قَالَ: بَشَّرَنِيْ - أَنَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِيْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، فَقُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ"

[انظر: ۱٤۰۸، ۲۳۸۸، ۳۲۲۲، ۵۸۲۷، ٦۲٦۸، ٦٤٤۳، ٦٤٤٤، ۷٤۸۷]

قولہ: من كان آخر كلامه: آخرَ كلامِه کو خبر مقدم اور لا إلٰهَ إلا الله کو اسم مؤخر بھی بناسکتے ہیں اور اس کا برعکس بھی کرسکتے ہیں، اس صورت میں آخرُ: کان کا اسم ہوگا، اور مرفوع ہوگا، مگر اس کو خبر بنانا اولیٰ ہے اس لئے کہ اسم وخبر میں سے اگر ایک جامد ہو اور ایک مشتق تو مشتق کو خبر بنانا اولیٰ ہے۔ آخر: مشتق ہے، لہٰذا اسے خبر بنانا اولیٰ ہے۔

حدیث: حضور ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے ایک آنے والا آیا (حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تھے) اور اس نے مجھے خبر دی یا فرمایا: اس نے مجھے خوشخبری سنائی کہ میری امت میں سے جو بھی اس حال میں مرے گا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا ہوگا: وہ جنت میں جائے گا" نبی ﷺ نے سوال کیا: اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو (پھر بھی جنت میں جائے گا)

تشریح: یہ ایک خواب ہے، اور عام طور پر یہ حدیث اس طرح آئی ہے کہ گویا حالت بیداری میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ خوشخبری سنائی تھی، اور اس حدیث میں بھی مطلق دخول مراد ہے، خواہ اولی ہو یا ثانوی، اگر اس کے پاس مثبت ومنفی پہلو سے اعمال ہیں یعنی اس نے اچھے اعمال کئے ہیں اور برے اعمال سے بچا ہے تو دخول اولی نصیب ہوگا، اور اگر اچھے اعمال نہیں ہیں اور برے اعمال سے نہیں بچا، یا اس کے نامہ اعمال میں اچھے اعمال بھی ہیں اور برے اعمال بھی تو اسے ثانوی

درجہ میں دخول جنت نصیب ہوگا۔

اور کتاب کے شروع میں تفصیل سے میں نے یہ مسئلہ سمجھایا ہے کہ جنت درحقیقت ایمان کا صلہ ہے اور جہنم کفر کا بدلہ، اس لئے ایمان کی جزاء جنت بھی ابدی ہے اور کفر کی سزا جہنم بھی ابدی ہے، اور مسلمانوں کے اعمال صالحہ آخرت میں اس کے ایمان کے تابع کردیے جائیں گے اور اس کی برائیاں ایمان کے تابع نہیں کی جاسکتیں کیونکہ وہ ہم جنس نہیں بلکہ منافی ہیں اس لئے ان کی سزا دنیا میں، قبر میں، میدان حشر میں یا جہنم میں ملے گی، پھر ان کی نجات ہوگی، اور کافر کی برائیاں اس کے کفر کے تابع کردی جائیں گی، کیونکہ وہ ہم جنس ہیں، پس ان برے اعمال کی سزا کافر کو تا ابد بھگتنی ہوگی، اور اس کے نیک اعمال کفر کے تابع نہیں کیے جاسکتے، کیونکہ وہ ہم جنس نہیں، اس لئے ان کا صلہ کافر کو دنیا میں کھلا دیا جاتا ہے، آخرت میں ان کا کچھ بدلہ نہیں ملے گا۔ تفصیل کتاب الایمان کے بالکل شروع میں گذر چکی ہے۔

[۱۲۳۸-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَقِيقٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ دَخَلَ النَّارَ" وَقُلْتُ أَنَا: مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. [انظر: ۴۴۹۷، ۶۶۸۳]

وضاحت: ایک بات میں بار بار کہتا ہوں کہ نصوص میں بعض مرتبہ آدھا مضمون بیان کیا جاتا ہے اور باقی آدھا فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: "جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے تو وہ جہنم میں جائے گا" یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو وہ جنت میں جائے گا (یہ مفہوم مخالف سے استدلال نہیں، بلکہ یہ آدھی بات فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دی گئی ہے)

بَابُ الْأَمْرِ بِاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ

جنازوں کے ساتھ جانے کا حکم

جنازے کے ساتھ جانا حقوق اسلام میں سے ہے، حدیث شریف میں کچھ چیزوں کو حقوق اسلام میں لیا گیا ہے ان میں سے ایک جنازہ کے ساتھ جانا بھی ہے، اور جنازہ کے ساتھ جانے کو حقوق اسلام میں اس لئے لیا گیا ہے کہ اس میں میت کی تکریم ہے، میت کے پسماندگان کی دلجوئی ہے، اور میت کو دفن کرنے میں ان کی امداد واعانت ہے، نیز یہ ایک طریقہ ہے نیک بندوں کے جمع ہونے کا اور میت کے لئے دعا کرنے کا، یعنی لوگ اس بہانے جمع ہوجاتے ہیں اور میت کے لئے جنازہ پڑھ کر دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

[۲-] بَابُ الْأَمْرِ بِاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ

[۱۲۳۹-] حدثنا أبو الوليد، قال: حدثنا شعبة، عن الأشعث، قال: سمعت معاوية بن سويد بن مقرن، عن البراء بن عازب، قال: أمرنا النبي صلى الله عليه وسلم بسبع، ونهانا عن سبع: أمرنا باتباع الجنائز، وعيادة المريض، وإجابة الداعي، ونصر المظلوم، وإبرار القسم، ورد السلام، وتشميت العاطس، ونهانا عن آنية الفضة، وخاتم الذهب، والحرير، والديباج، والقسي، والإستبرق"

[انظر: ۲۴۴۵، ۵۱۷۵، ۵۶۳۵، ۵۶۵۰، ۵۸۳۸، ۵۸۴۹، ۵۸۶۳، ۶۲۲۲، ۶۲۳۵، ۶۶۵۴]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں نبی ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا اور سات باتوں سے منع کیا، ہمیں حکم دیا: جنازوں کے ساتھ جانے کا (یہ جزء ترجمۃ الباب سے متعلق ہے) اور بیماروں کی بیمار پرسی کا، اور دعوت قبول کرنے کا، اور مظلوم کی مدد کرنے کا، اور قسم دینے والے کا کام کردینے کا، اور سلام کا جواب دینے کا، اور چھینکنے والے کو دعا دے کر خوش کرنے کا، اور ہمیں منع کیا: چاندی کے برتن سے، اور سونے کی انگوٹھی سے، اور ریشم، دیبا، قسی اور استبرق کے کپڑے پہننے سے (اور میاثر پر بیٹھنے سے، اس ساتویں چیز کا ذکر آگے حدیث (نمبر ۵۶۳۵ میں ہے)

تشریح: اس حدیث میں سات حقوق اسلام بیان کئے گئے ہیں:

پہلا: جنازہ کے ساتھ جانا، اسی مناسبت سے اس باب میں یہ حدیث لائے ہیں۔

دوسرا: بیمار پرسی کرنا، اس سے مریض کو سکون ملتا ہے اور وہ خود کو بے سہارا محسوس نہیں کرتا۔

تیسرا: دعوت قبول کرنا، بعض لوگ تقریب کے موقعوں پر خاص طور پر شادی بیاہ کے موقعہ پر گڑے مردے اکھاڑتے ہیں اور روٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں اس لئے دعوت قبول کرنے کو بھی حقوق اسلام میں لیا گیا ہے، اس سے اور تقریب میں شرکت کرنے سے گلے شکوے دور ہو جاتے ہیں۔

چوتھا: مظلوم کی مدد کرنا: مظلوم خواہ کوئی ہو، مسلمان ہو یا غیر مسلم، اس سے معرفت ہو یا نہ ہو، جو بھی مظلوم ہو اس کی مدد کرنا ایک اسلامی حق ہے۔

پانچواں: قسم دینے والے کا کام کر دینا، ابرار کے معنی ہیں: نیک کرنا، یہ بِرّ سے مشتق ہے، ابرارُ القسم: قسم کو نیک کرنا، یعنی قسم کو ٹوٹنے نہ دینا، قسم کو پورا کرنا ـــــ جاننا چاہئے کہ کسی کو قسم دینے سے قسم نہیں ہوتی، قسم کھانے سے قسم ہوتی ہے، لیکن یہ اسلامی حق ہے کہ اگر کوئی اللہ کی قسم دے کر کوئی کام کرنے کے لئے کہے تو اگر بس میں ہو تو اس کا کام کر دینا چاہئے، اللہ کے نام کی عظمت کا یہی تقاضہ ہے۔

چھٹا: سلام کا جواب دینا۔

ساتواں: چھینکنے والے کو دعا دے کر خوش کرنا، تشمیت کے معنی ہیں: خوش کرنا، یہ سب چیزیں حقوق اسلام میں سے ہیں۔

اور سات چیزوں سے منع کیا: (۱) چاندی کے برتن سے (۲) اور سونے کی انگوٹھی سے ـــــ مردوں کے لئے سونا اور ریشم مطلقاً حرام ہیں، اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں مزاج میں زنانہ پن پیدا کرتی ہیں اور عیش کوشی اور لذات دنیا میں سرشاری کا ذریعہ ہیں، اور یہ بے جا ٹھاٹھ ہے جو نفس میں غرور و تکبر پیدا کرتا ہے ـــــ اور عورتوں کے لئے سونا اور چاندی صرف زیور میں جائز ہیں، سونے چاندی کے برتن، سرمہ دانی، کنگھی اور آئینہ عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں (۳-۵) اور حریر، دیبا اور استبرق ریشم کی قسمیں ہیں ان سے منع کیا (۶) اور قسی بھی ریشم کی قسم ہے یا ممانعت کی وجہ گیروا رنگ یا سرخ رنگ ہے (۷) اور ساتویں چیز مِیثرَہ ہے، پہلے لوگ گھوڑے کی پیٹھ پر تکیہ رکھ کر بیٹھتے تھے جیسے کار ڈرائیور تکیہ رکھ کر بیٹھتا ہے، اور اس کی ممانعت کی وجہ یا تو اس کا سرخ ہونا ہے یا یہ فضول ٹھاٹھ ہے۔

[۱۲۴۰-] حدثنا مُحَمَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ" تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، وَرَوَاهُ سَلَامَةُ [بْنُ رَوْحٍ] عَنْ عُقَيْلٍ.

وضاحت: اس حدیث میں پانچ حقوق اسلام کا ذکر ہے، اور یہ حصر نہیں، کیونکہ ذکر عدد نفی ماعدا کو مستلزم نہیں، اوپر حدیث میں سات چیزوں کا ذکر تھا اور ساری حدیثیں جمع کی جائیں تو سات سے زیادہ حقوق اسلام ہیں، اور پہلے ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ ایک سلسلہ بیان میں مختلف المدارج احکام اکٹھا ہوتے ہیں، یہ ساتوں حقوق اسلام ایک درجہ کے نہیں ہیں اسی طرح جن سات چیزوں سے منع کیا گیا ہے وہ بھی سب ایک درجہ کی نہیں ہیں۔

اور یہ حدیث حضرت براء رضی اللہ عنہ کی سند سے معروف ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے معروف نہیں، پس کوئی خیال کر سکتا تھا کہ شاید یہ روات کا وہم ہے، یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نہیں، بلکہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے متابعت ذکر کر کے بتایا کہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی بھی حدیث ہے، عبد الرزاق اور سلامۃ بن روح بھی اس کو روایت کرتے ہیں، عبد الرزاقؒ: مصنف عبد الرزاق والے ہیں اور امام زہریؒ کے شاگرد ہیں اور عقیلؒ بھی امام زہریؒ کے شاگرد ہیں۔

بَابُ الدُّخُوْلِ عَلَى الْمَيِّتِ بَعْدَ الْمَوْتِ إِذَا أُدْرِجَ فِيْ أَكْفَانِهِ

موت کے بعد میت کے پاس جانا جب اس کو کفن پہنا دیا جائے

جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے اور لوگوں کو خبر ہوتی ہے تو لوگ فوراً میت کو دیکھنے کے لئے آنا شروع ہو جاتے ہیں، اور

بعض جگہ تو عورتیں بھی آتی ہیں، بلکہ عورتیں زیادہ آتی ہیں، کسی عورت کا انتقال ہوتا ہے تو مرد اس کو دیکھنے کے لئے نہیں آتے، اور مرد کا انتقال ہوتا ہے تو عورتیں بھی دیکھنے کے لئے آتی ہیں، وہ سمجھتی ہیں کہ پردہ حیات تک ہے، جب مر گیا تو اب پردہ کیسا! ان کا یہ سمجھنا غلط ہے، پردہ کے احکام موت کے بعد بھی باقی رہتے ہیں، نبی ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا تھا: لَاتَنْظُرْ إِلٰی فَخِذِ حَيٍّ وَلَامَيِّتٍ: نہ تو زندہ کی ران دیکھو نہ مردہ کی، معلوم ہوا کہ ستر اور حجاب کے احکام مرنے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔

غرض موت کی خبر ہوتے ہی میت کو دیکھنے کے لئے پہنچ جانا ٹھیک نہیں، پہلے میت کو نہلا کر کفن پہنایا جائے پھر زیارت کرنے والے زیارت کریں، کیونکہ میت کبھی گندی ہوتی ہے، اور کبھی لمبی بیماری کی وجہ سے میلی ہوجاتی ہے، ایسی حالت میں دیکھنا ٹھیک نہیں، جب میت کو دھو کر صاف ستھرا کر دیا جائے اور کفن پہنا دیا جائے تب میت کو دیکھنا چاہئے، اس باب کا یہی مقصد ہے۔

اس باب میں تین حدیثیں ہیں:

پہلی حدیث: یہ ہے کہ جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی اور لوگوں کو خبر پہنچی تو ان کے ہوش اڑ گئے، مدینہ میں تہلکہ مچ گیا، جو بھی اس واقعہ کو سنتا حیران رہ جاتا اور فوراً مسجد نبوی پہنچتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور حیرانی تو سب سے زیادہ تھی، وہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہوگئے اور بآواز بلند پکارا کہ حضور ﷺ کا انتقال نہیں ہوا، آپؐ اپنے رب کے پاس گئے ہیں اور واپس آئیں گے اور منافقوں کا قلع قمع کریں گے، پس اگر کسی نے کہا کہ آپؐ کی وفات ہوگئی تو اس کا سر قلم کردونگا، پھر کس کی مجال تھی کہ کہتا: آپ کا انتقال ہوگیا!

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وصال کے وقت حاضر نہیں تھے، دوشنبہ کی صبح کو جب دیکھا کہ آپؐ کو سکون ہوگیا ہے تو اجازت لے کر سُنح گاؤں میں جو مدینہ منورہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر تھا اور وہاں آپؓ کی ایک اہلیہ رہتی تھیں: ان کے پاس تشریف لے گئے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب اس حادثہ کی خبر پہنچی تو فوراً مدینہ آئے، مسجد نبوی کے دروازہ پر سواری باندھ کر سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گئے، آنحضرت ﷺ کو چادر اوڑھادی گئی تھی، چہرۂ مبارک سے چادر ہٹائی، بغور دیکھا، پھر پیشانی کو بوسہ دیا اور رو پڑے، اور فرمایا: طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا: آپؐ جب زندہ تھے تب بھی پاکیزہ تھے اور اب مرنے کے بعد بھی پاکیزہ ہیں! پھر مسجد میں تشریف لائے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیٹھنے کے لئے کہا، مگر وہ نہیں بیٹھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو اسی حال میں چھوڑ دیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۴ پڑھی اور فرمایا: جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ آپؐ وفات پاگئے ہیں، اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہیں، کبھی نہیں مریں گے، جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبانی آیت سنی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے، اور لوگوں کو وفات کا یقین ہوگیا۔

ربط: اس حدیث کا باب سے کیا تعلق ہے؟ اس میں شارحین بہت پریشان ہوئے ہیں کیونکہ ابھی آنحضور ﷺ کو

کفن نہیں دیا گیا تھا، اور باب ہے کفن پہنانے کے بعد میت کے پاس جانے کا۔ میرا خیال ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول: طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا: باب سے متعلق ہے، کیونکہ میت کو نہلانے کفنانے کا مقصد میت کو صاف کرنا ہے، اور آنحضور ﷺ حیات مبارکہ میں بھی پاکیزہ تھے اور مرنے کے بعد بھی اسی طرح پاکیزہ تھے، پس نہلانے کا مقصد حاصل ہے، پھر آپ کو چادر بھی اوڑھا دی گئی تھی، گویا اُدْرِجَ فِيْ أَكْفَانِهِ متحقق ہوگیا، یہی باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت ہے۔

[۳-] بَابُ الدُّخُوْلِ عَلَى الْمَيِّتِ بَعْدَ الْمَوْتِ إِذَا أُدْرِجَ فِيْ أَكْفَانِهِ

[۱۲۴۱و۱۲۴۲-] حدثنا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، وَيُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ سَلَمَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَخْبَرَتْهُ، قَالَتْ: أَقْبَلَ أَبُوْ بَكْرٍ عَلَى فَرَسِهِ مِنْ مَسْكَنِهِ بِالسُّنْحِ، حَتَّى نَزَلَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتَّى دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ، فَتَيَمَّمَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ مُسَجًّى بِبُرْدِ حِبَرَةٍ، فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ، ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ، فَقَبَّلَهُ ثُمَّ بَكَى، فَقَالَ: بِأَبِيْ أَنْتَ يَا نَبِيَّ اللهِ! لَايَجْمَعُ اللهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ، أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِيْ كَتَبَ اللهُ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا.

قَالَ أَبُوْ سَلَمَةَ: فَأَخْبَرَنِيْ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ خَرَجَ وَعُمَرُ يُكَلِّمُ النَّاسَ، فَقَالَ: اجْلِسْ، فَأَبَى، فَقَالَ: اجْلِسْ، فَأَبَى، فَتَشَهَّدَ أَبُوْ بَكْرٍ، فَمَالَ إِلَيْهِ النَّاسُ، وَتَرَكُوْا عُمَرَ، فَقَالَ: أَمَّا بَعْدُ: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَايَمُوْتُ، قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ إِلَى ﴿الشَّاكِرِيْنَ﴾ [آل عمران: ۱۴۴] فَوَاللهِ لَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْلَمُوْنَ أَنَّ اللهَ أَنْزَلَ حَتَّى تَلَاهَا أَبُوْ بَكْرٍ، فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ، فَمَا يُسْمَعُ بَشَرٌ إِلَّا يَتْلُوْهَا"

[الحديث: ۱۲۴۱ – انظر: ۳۶۶۷، ۳۶۶۹، ۴۴۵۲، ۴۴۵۵، ۵۷۱۰]

[الحديث: ۱۲۴۲ – انظر: ۳۶۶۸، ۳۶۷۰، ۴۴۵۳، ۴۴۵۴، ۴۴۵۷، ۵۷۱۱]

ترجمہ: (حدیث ۱۲۴۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے جو سُنح میں تھا گھوڑے پر سوار ہوکر آئے، یہاں تک کہ سواری سے اترے اور مسجد میں داخل ہوئے، پس لوگوں میں سے کسی سے بات نہیں کی یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے، پھر نبی ﷺ کا ارادہ کیا، درانحالیکہ آپ ایک حبری چادر میں چھپا دیئے گئے تھے یعنی آپ کو چادر اوڑھا دی گئی تھی، صدیق اکبرؓ نے آپؐ کے چہرہ کو کھولا، پھر آپ پر جھکے، اور آپ کو چوما، پھر روئے اور فرمایا: میرے ابا آپؐ پر قربان! اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ آپؐ پر دو موتوں کو جمع نہیں کریں گے، رہی وہ موت جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقدر کی تھی وہ آپ کو آچکی (یہاں تک حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، آگے ابوسلمہؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں)

(حدیث ۱۲۴۲) ابوسلمہ کہتے ہیں: مجھے ابن عباسؓ نے بتایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حجرۂ عائشہ سے نکلے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقریر کر رہے تھے، صدیق اکبرؓ نے ان سے فرمایا: بیٹھ جاؤ، فاروق اعظمؓ نے انکار کیا، پھر صدیق اکبرؓ نے بیٹھنے کے لئے کہا، انھوں نے پھر انکار کیا، پس (ان کو ان کے حال پر چھوڑ کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا پس لوگ حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہوگئے، اور حضرت عمرؓ کو چھوڑ دیا، صدیق اکبرؓ نے حمد وصلوۃ کے بعد فرمایا: تم میں سے جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو بیشک محمد ﷺ کا انتقال ہوگیا، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو بیشک اللہ زندہ ہیں مریں گے نہیں، اللہ عزوجل فرماتے ہیں: ''محمد (ﷺ) ایک رسول ہی ہیں، آپ سے پہلے بہت رسول گذر چکے ہیں، پس کیا اگر آپ کا انتقال ہوجائے یا آپ شہید ہوجائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاؤ گے؟ یعنی مرتد ہوجاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ ہرگز اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا، اور اللہ شکر گذاروں کو بدلہ دیں گے'' پس بخدا! ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا لوگ جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھا اور لوگوں نے ان سے اس کو لیا، یعنی جب صدیق اکبرؓ نے یہ آیت پڑھی تو لوگوں کو ایسا لگا جیسے یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے، پس کوئی انسان نہیں سنا گیا مگر وہ اس آیت کو پڑھ رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

دوسری حدیث: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، انھوں نے دو ہجرتیں کی تھیں، زہاد صحابہ میں ان کا شمار ہے، مہاجرین میں سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا ہے، جب ان کی وفات ہوئی اور نہلا کر ان کو کفن پہنا دیا گیا تو حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی، آپ تشریف لائے اور ان کی پیشانی کو چوما، اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے —— یہی باب ہے جب حضرت عثمانؓ کو نہلا کر کفن پہنا دیا گیا تب حضور اقدس ﷺ تشریف لائے۔

مسئلہ: جس طرح زندے کی تقبیل جائز ہے مردے کی تقبیل بھی جائز ہے، مرنے کے بعد اگرچہ میت کا جسم ناپاک ہوجاتا ہے اور اسی لئے غسل دیا جاتا ہے، اس کے بغیر نماز درست نہیں، مگر یہ نجاست حکمی ہے، جیسے جنابت نجاست حکمی ہے، پس ظاہر بدن پاک ہے، اس لئے میت کو چوم سکتے ہیں۔

[۱۲۴۳-] حدثنا يحيى بن بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي خَارِجَةُ ابْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ أُمَّ الْعَلَاءِ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، بَايَعَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، أَخْبَرَتْهُ أَنَّهُ اقْتُسِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ قُرْعَةً، فَطَارَ لَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ، فَأَنْزَلْنَاهُ فِي أَبْيَاتِنَا، فَوَجِعَ وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ، فَلَمَّا تُوُفِّيَ وَغُسِّلَ وَكُفِّنَ فِي أَثْوَابِهِ، دَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقُلْتُ: رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ، فَشَهَادَتِيْ عَلَيْكَ: لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللهُ! فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " وَمَا يُدْرِيْكِ أَنَّ اللهَ أَكْرَمَهُ؟" فَقُلْتُ: بِأَبِيْ أَنْتَ يَارَسُوْلَ اللهِ! فَمَنْ يُكْرِمُهُ اللهُ؟ فَقَالَ " أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِيْنُ، وَاللهِ! إِنِّيْ لَأَرْجُوْ لَهُ

الْخَيْرَ، وَاللّٰهِ مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللّٰهِ مَا يُفْعَلُ بِي" قَالَتْ: فَوَاللّٰهِ لَا أُزَكِّي أَحَدًا بَعْدَهُ أَبَدًا.

حدثنا سعيد بن عفير، قال: حدثنا الليث مثله، وقال نافع بن يزيد، عن عقيل: "ما يفعل به" وتابعه شعيب، وعمرو بن دينار، ومعمر. [انظر: ٢٦٨٧، ٣٩٢٩، ٧٠٠٣، ٧٠٠٤، ٧٠١٨]

ترجمہ: حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا جو انصاری خاتون ہیں، جنھوں نے آنحضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، انھوں نے خارجہ کو بتلایا کہ نبی ﷺ نے مہاجرین کو قرعہ ڈال کر تقسیم کیا، پس ہمارے (قبیلہ کے) حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ آئے، ہم نے ان کو اپنے محلّہ میں بسایا، پس وہ اپنی اس بیماری میں مبتلا ہوئے جس میں ان کی وفات ہوئی، جب وفات ہوگئی، اور غسل دیدیا گیا اور ان کے کپڑوں میں کفن دیدیا گیا تو نبی ﷺ تشریف لائے (یہ جزء باب سے متعلق ہے) پس میں نے (حضرت ام العلاءؓ نے) کہا: اے ابوالسائب! (یہ حضرت عثمانؓ کی کنیت ہے) اللہ آپ پر مہربانی فرمائیں! میں آپؓ کے حق میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ نے آپؓ کا اکرام کیا یعنی بخشش فرمادی! نبی ﷺ نے فرمایا: "تمہیں کیسے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا اکرام کیا؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپؐ پر میرے ابا قربان! پھر اللہ کس کا اکرام کریں گے؟ یعنی اگر ایسے بندہ کا اکرام نہیں کریں گے تو کس کا اکرام کریں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: "رہے وہ تو ان کو یقین آگیا (کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیسا معاملہ کیا؟ کیونکہ انتقال کے بعد دوسری دنیا کے احوال منکشف ہوجاتے ہیں) اور اللہ کی قسم! میں ان کے لئے خیر کی امید رکھتا ہوں، بخدا! میں نہیں جانتا اور میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا!" —— اور دوسری روایت میں بہ ہے یعنی ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے اور اس کے متابعات پیش کئے ہیں —— حضرت ام العلاءؓ نے کہا: بخدا! آج کے بعد میں کبھی کسی کی صفائی نہیں دونگی!

سند کی بحث: یحییٰ بن بکیر (امام بخاری کے استاذ) کی روایت میں بِی ہے اور لیث مصری کے دوسرے تلمیذ سعید بن عفیر کی حدیث بھی اسی کے مثل ہے یعنی ان کی حدیث میں بھی بِی ہے، اور امام لیث کے علاوہ زہری کے دوسرے شاگرد عُقیل کی روایت میں بہ ہے، یہ عُقیل کے شاگرد نافع بن یزید کی روایت ہے، اور شعیب، عمرو بن دینار اور معمران کے متابع ہیں، ان کی روایتوں میں بھی بہ ہے۔

تشریح:

۱۔ حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا کا شمار بڑے درجہ کی صحابیات میں ہے، انھوں نے آنحضور ﷺ سے بیعت سلوک کی ہے، سورۂ ممتحنہ آیت ۱۰ میں اس بیعت کا ذکر ہے، اور یہ بیعت کچھ کر کے جنت کے بلند درجات حاصل کرنے کے لئے ہے، یہ بیعت سب صحابہ اور صحابیات نے نہیں کی تھی، بعض نے کی تھی اور ان کا درجہ بلند تصور کیا جاتا تھا، تفصیل تحفۃ القاری (۱: ۲۲۱) میں ہے۔

۲- جب نبی ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو جو مہاجرین بے آسرا تھے جن کے پاس نہ مکان تھا نہ ٹھکانہ، ان کو انصار کے درمیان قرعہ سے بانٹ دیا، جس قبیلہ کے حصہ میں جو صحابی آئے وہ ان کو ساتھ لے گئے اور انھوں نے ان کی چھوٹی بڑی ضروریات کا خیال رکھا، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا نام حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا کے قبیلہ کے نام نکلا، چنانچہ وہ ان کو لے گئے اور اپنے قبیلہ میں لے جا کر ان کو بسایا۔

۳- ایک مشہور حدیث ہے: نبی ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا، لوگوں نے اس کی تعریف کی، آپؐ نے فرمایا: وَجَبَ، پھر ایک دوسرا جنازہ گذرا، لوگوں نے اس کی برائی کی آپؐ نے فرمایا: وَجَبَ، صحابہ نے وَجَبَ کا مطلب پوچھا، آپؐ نے فرمایا: تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو، جیسے کورٹ میں سرکاری وکیل ہوتا ہے تم زمین میں سرکاری گواہ ہو، جس کے حق میں تم نے اچھی گواہی دی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور جس کے حق میں تم نے بری گواہی دی اس کے لئے جہنم واجب ہوگئی۔

لوگ ظاہری احوال کے اعتبار سے ہی کسی کے اچھے برے ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ظاہری احوال کے پیش نظر گواہی دی، مگر بات یقین سے کہی، حالانکہ غیب اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اس لئے نبی ﷺ نے ان کو تنبیہ کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں مگر میں یقین سے نہیں جانتا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، اگرچہ مجھے ان کے حق میں خیر کی امید ہے، اس طرح خیر کی امید تو ظاہر کر سکتے ہیں مگر علم کے بغیر یقین سے کوئی بات نہیں کہنی چاہئے۔

❁ ❁ ❁

تیسری حدیث: جنگ احد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے، جب ان کو کفن پہنا کر شہداء کے ساتھ ان کا جنازہ رکھ دیا گیا تو حضرت جابرؓ بار بار کفن کھول کر ابا کو دیکھتے تھے، اور روتے تھے، حضرت جابرؓ اس وقت بچے تھے، لوگوں نے ان کو منع کیا مگر نبی ﷺ نے منع نہیں کیا۔ غرض حضرت جابرؓ ابا کو کفن پہنانے کے بعد دیکھ رہے تھے اور یہی باب ہے۔

[۱۲۴۴-] حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: لَمَّا قُتِلَ أَبِی، جَعَلْتُ أَكْشِفُ الثَّوْبَ عَنْ وَجْهِهِ أَبْكِی، وَيَنْهَوْنِی، وَالنَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم لاَ يَنْهَانِی، فَجَعَلَتْ عَمَّتِی فَاطِمَةُ تَبْكِی، فَقَالَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم: "تَبْكِينَ؟ أَوْ: لاَ تَبْكِينَ! فَمَا زَالَتِ الْمَلاَئِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتَّى رَفَعْتُمُوهُ"

وَتَابَعَهُ ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِی مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعَ جَابِرًا. [انظر: ۱۲۹۳، ۲۸۱۶، ۴۰۸۰]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب میرے ابا شہید کئے گئے تو میں ان کے چہرے سے کپڑا ہٹاتا تھا اور

روتا تھا (یہ جزء باب سے متعلق ہے) اور لوگ مجھے منع کرتے تھے اور نبی ﷺ منع نہیں کرتے تھے، پس میری پھوپھی فاطمہ رونے لگیں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "(کیوں) روتی ہو؟ یا فرمایا: مت روؤ! فرشتے ان پر برابر اپنے پروں سے سایہ کئے رہے یہاں تک کہ تم نے ان کے جنازہ کو اٹھایا (یہ روایت شعبہ کی طرح ابن جریج بھی روایت کرتے ہیں، اور شعبہ کی روایت میں سماعت کا ذکر ہے اور ابن جریج کی روایت میں اخبار کا، بس اتنا ہی فرق ہے)

بَابُ الرَّجُلِ يَنْعَى إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ بِنَفْسِهِ

کوئی آدمی میت کے گھر والوں کو بذاتِ خود موت کی اطلاع دے

موت کی اطلاع دینا غم کی اطلاع دینا ہے، اس لئے عقل یہ کہتی ہے کہ میت کے گھر والوں کو ایسی اطلاع خود نہیں دینی چاہئے، مگر نص سے اس کا جواز ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے دو واقعوں میں بذاتِ خود اطلاع دی ہے۔

پہلا واقعہ: جب نجاشی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو حضور ﷺ نے خود صحابہ کو اطلاع دی کہ تمہارے بھائی نجاشی رحمہ اللہ کا حبشہ میں انتقال ہو گیا۔

سوال: باب ہے: میت کے گھر والوں کو اطلاع دینے کا، مدینہ میں نجاشی رحمہ اللہ کے گھر والے کون تھے؟

جواب: حاشیہ میں اس کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "تمہارے بھائی" پس سب مسلمان نجاشی رحمہ اللہ کے گھر والے ہوئے۔

اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ نجاشی رحمہ اللہ کا ایک حقیقی بھتیجہ ذُو مُخَيْمِر نامی تھا، نجاشیؒ نے ان کو خاص حضور اقدس ﷺ کی خدمت کے لئے بھیجا تھا، جب سب مسلمانوں کو اطلاع دی تو ان کو بھی اطلاع دی اور وہ خاندان کے تھے۔

دوسرا واقعہ: غزوۂ موتہ میں جو صحابہ شہید ہوئے تھے ان کے گھر والے مدینہ میں تھے اور نبی ﷺ نے مسجد نبوی کے منبر سے سب کی شہادت کی اطلاع دی ہے، معلوم ہوا کہ بذاتِ خود موت کی اطلاع دینے میں کچھ حرج نہیں۔

[٤-] بَابُ الرَّجُلِ يَنْعَى إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ بِنَفْسِهِ

[١٢٤٥-] حدثنا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ، وَخَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى، فَصَفَّ بِهِمْ، وَكَبَّرَ أَرْبَعًا. [انظر: ١٣١٨، ١٣٢٧، ١٣٢٨، ١٣٣٣، ٣٨٨٠، ٣٨٨١]

[١٢٤٦-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيْبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَأُصِيْبَ،

ثُمَّ أَخَذَهَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ" وَإِنَّ عَيْنَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَتَذْرِفَانِ، "ثُمَّ أَخَذَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ مِنْ غَيْرِ إِمْرَةٍ، فَفُتِحَ لَهُ" [انظر: ۲۷۹۸، ۳۰٦۳، ۳٦۳۰، ۳۷۵۷، ٤۲٦۲]

حدیث (۱): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے نجاشی رحمہ اللہ کی موت کی اطلاع دی، جس دن ان کی وفات ہوئی، آپؐ نماز (جنازہ پڑھنے) کی جگہ تشریف لے گئے اور صحابہ کی صف بنائی اور (نماز جنازہ میں) چار تکبیر کہیں۔

تشریح: نجاشی رحمہ اللہ کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا، وہ ایمان قبول کر چکے تھے، اور ان کی تمنا اور آرزو تھی کہ خدمت اقدس میں حاضر ہوں، مگر حکومت کی ذمہ داری مانع بنی، جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو اطلاع دی، آپ صحابہ کو لے کر مصلّی الجنائز (جنازے پڑھنے کی جگہ) میں تشریف لے گئے، اور صحابہ کی باقاعدہ صفیں بنائیں اور نماز جنازہ پڑھی، جس میں چار تکبیریں کہیں۔

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے، ان کی دلیل یہی حدیث ہے، اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں، ان کے نزدیک نماز جنازہ کے لئے میت کا سامنے ہونا ضروری ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں بہت سے لوگوں کا مدینہ سے باہر انتقال ہوا، مگر آپؐ نے کسی کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، جنگ موتہ میں جو حضرات شہید ہوئے تھے ان کی شہادت کا آپؐ پر بہت اثر تھا مگر ان کی بھی آپؐ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی، اگر غائبانہ نماز جنازہ جائز ہوتی تو نبی ﷺ ان کی نماز جنازہ ضرور پڑھتے، کیونکہ آپ کی نماز سے قبر میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اور نجاشی رحمہ اللہ کی جو نماز پڑھی ہے وہ یا تو نجاشی رحمہ اللہ کی خصوصیت تھی یا آنحضور ﷺ کی، یا دونوں کی، علاوہ ازیں: روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپؐ کے اور نجاشیؒ کے جنازہ کے درمیان سے تمام حجابات اٹھا دیئے گئے تھے، ان کا جنازہ آپؐ کے سامنے کر دیا گیا تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: كُشِفَ للنبي صلى الله عليه وسلم عن سرير النجاشي حتى رآه وصلّى عليه: پس یہ نماز غائبانہ نہیں رہی، اس لئے اس سے استدلال درست نہیں۔ (جنازہ میں کتنی تکبیریں ہیں؟ یہ مسئلہ آگے باب ٦۴ میں آرہا ہے)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: "جھنڈا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے لیا اور وہ شہید ہو گئے، پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے، پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے" اور جب آپؐ جنگ موتہ کے احوال سنا رہے تھے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، "پھر جھنڈا خالد بن الولید نے لیا بغیر امیر بنائے اور ان کے ہاتھ سے فتح ہوئی"

تشریح: موتہ ایک جگہ کا نام ہے، جو ملک شام میں علاقۂ بلقاء میں واقع ہے، نبی ﷺ نے جب سلاطین وامراء کے نام دعوتی خطوط روانہ فرمائے تو شرحبیل بن عمرو غسانی کے نام بھی ایک خط روانہ فرمایا، شرحبیل: قیصر کی طرف سے شام کا گورنر تھا، حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ جب آپ کا خط لے کر مقام موتہ میں پہنچے تو شرحبیل نے ان کو قتل کرادیا، چنانچہ آپؐ نے تین ہزار کا لشکر ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۸ھ میں موتہ کی طرف روانہ کیا، اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور فرمایا: اگر زید شہید ہوجائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر بنیں، اور وہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر بنیں، اور اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو مسلمان جس کو چاہیں امیر بنالیں، شرحبیل کو جب اس لشکر کی روانگی کا علم ہوا تو وہ ایک لاکھ سے زیادہ لشکر لے کر مقابلہ کے لئے آیا، اور ہرقل خود ایک لاکھ فوج لے کر شرحبیل کی مدد کے لئے بلقاء میں پہنچا، جب جنگ ہوئی تو تینوں امراء یکے بعد دیگرے شہید ہوگئے، پھر حضرت خالد بن الولیدؓ نے از خود بڑھ کر جھنڈا لے لیا، اور مسلمان ان کی امارت پر راضی ہوگئے تو وہ امیر بن گئے، وہ جنگی ترکیب سے لشکر کو میدان سے نکال لائے۔ آنحضور ﷺ نے مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھ کر جنگ کا حال سنایا (ماخوذ از سیرت المصطفیٰ ۲: ۴۵۹) یہ آپؐ نے بذات خود ان امراء کی موت کا حال ان کے گھر والوں کو سنایا۔

بَابُ الْإِذْنِ بِالْجَنَازَةِ

جنازے کی اطلاع دینا

رشتہ داروں کو، میت سے تعلق رکھنے والوں کو، شاگردوں اور مریدوں کو اور عام مسلمانوں کو کسی کی موت کی اطلاع دینا تاکہ وہ جنازہ میں شرکت کریں یا میت کے لئے دعائے مغفرت کریں: جائز ہے، البتہ موت کی تشہیر کرنا ممنوع ہے، موت کی تشہیر کے لئے لوگ مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں موت کی تشہیر کا ایک طریقہ یہ تھا کہ رونے والیوں کو بلاتے تھے، وہ روزانہ مدت معینہ تک میت کے گھر آکر روتی تھیں، اور میت کے جھوٹے سچے فضائل بیان کرتی تھیں اور وہ یہ کام اجرت پر کرتی تھیں، اسی طرح نوحہ ماتم کرنا، سینہ کوبی کرنا، سر اور بھوؤں کو منڈادینا اور کپڑے پھاڑنا وغیرہ موت کی تشہیر کے طریقے تھے، اور آج کل اس کے لئے یہ طریقے اختیار کئے جاتے ہیں: اخباروں اور ریڈیو میں اور ٹیلی ویژن پر موت کی خبر نشر کی جاتی ہے، جبکہ مرنے والے کو کوئی نہیں جانتا، یہ سب طریقے فضول ہیں، اور محض اطلاع دینا تاکہ لوگ جنازہ میں شرکت کریں یا میت کے لئے دعائے مغفرت کریں: جائز ہے، مگر کسی کے انتظار میں جنازہ روکنا جائز نہیں۔

اور یہ حدیث پہلے گذری ہے کہ ایک کالی عورت (حبشن) مسجد نبوی کی صفائی کیا کرتی تھی، فناء مسجد میں اس کی کٹیا تھی، جب اس کا انتقال ہوا تو صحابہ نے جنازہ پڑھ کر دفن کردیا، نبی ﷺ کو اس کی خبر نہیں کی، جب آپؐ نے مسجد میں کوڑا دیکھا تو پوچھا: وہ عورت جو مسجد کی صفائی کرتی تھی کہاں ہے؟ لوگوں نے بتایا: اس کا انتقال ہوگیا، آپؐ نے فرمایا: مجھے اطلاع کیوں نہ دی؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! معمولی عورت تھی، رات کا وقت تھا آپ کو کیا تکلیف دیتے، ہم نے خود نماز پڑھ کر

دفن کردیا، نبی ﷺ نے فرمایا: تمہاری قبریں تاریکی سے بھری ہوئی ہوتی ہیں، میرے نماز جنازہ پڑھنے سے ان میں روشنی ہوتی ہے، پھر آپ صحابہ کو لے کر قبرستان گئے اور اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی، معلوم ہوا کہ صلحاء کو کسی کی موت کی خبر دینا جائز ہے، تاکہ وہ نماز جنازہ پڑھیں یا میت کے لئے دعائے خیر کریں۔

[٥-] بَابُ الإِذْنِ بِالْجَنَازَةِ

وَقَالَ أَبُوْ رَافِعٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "أَلاَ آذَنْتُمُوْنِيْ؟"

[١٢٤٧-] حدثنا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَاتَ إِنْسَانٌ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَعُوْدُهُ، فَمَاتَ بِاللَّيْلِ فَدَفَنُوْهُ لَيْلاً، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَخْبَرُوْهُ، فَقَالَ: "مَا مَنَعَكُمْ أَنْ تُعْلِمُوْنِيْ؟" قَالُوْا: كَانَ اللَّيْلُ فَكَرِهْنَا، وَكَانَتْ ظُلْمَةٌ أَنْ نَشُقَّ عَلَيْكَ، فَأَتَى قَبْرَهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ. [راجع: ٨٥٧]

ترجمہ: ابن عباسؓ کہتے ہیں: ایک شخص کا انتقال ہوا، جس کی رسول اللہ ﷺ عیادت کیا کرتے تھے، رات میں اس کا انتقال ہوا تو لوگوں نے رات ہی میں اس کو دفن کردیا اور صبح رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی، آپ نے فرمایا: رات مجھے خبر کرنے سے تمہیں کس چیز نے روکا؟ صحابہ نے عرض کیا: رات تاریک تھی اس لئے ہم نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا، پس آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے، اور اس کی نماز جنازہ پڑھی (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کو موت کی اطلاع دینی چاہئے تاکہ وہ نماز جنازہ پڑھیں یا میت کے لئے دعائے مغفرت کریں)

بَابُ فَضْلِ مَنْ مَاتَ لَهُ وَلَدٌ فَاحْتَسَبَ

جس کا بچہ مرگیا، اور اس نے ثواب کی امید رکھی: اس کا ثواب

اگر کسی کی نابالغ اولاد کا انتقال ہوجائے اور وہ بہ امید ثواب صبر کرے تو اس کے لئے کیا فضیلت ہے؟ ولد: عام ہے، مرنے والا لڑکا ہو یا لڑکی، ایک ہو یا زیادہ، اور ثواب دو باتوں پر موقوف ہے، ایک: اولاد نابالغ ہو، یہ قید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئی ہے۔ دوم: والدین ثواب کی امید سے صبر کریں، اور اس کی دلیل اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ﴾ حدیث میں صبر کرنے کی اور ثواب کی امید رکھنے کی قید نہیں، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت سے قید بڑھائی۔

[٦-] بَابُ فَضْلِ مَنْ مَاتَ لَهُ وَلَدٌ فَاحْتَسَبَ

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ﴾ [البقرة: ١٥٥]

[۱۲۴۸-] حدثنا أبو معمر، قال: حدثنا عبد الوارث، قال: حدثنا عبد العزيز، عن أنس، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ما من الناس من مسلم يتوفى له ثلاثة لم يبلغوا الحنث إلا أدخله الله الجنة بفضل رحمته إياهم" [انظر: ۱۳۸۱]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "نہیں ہے لوگوں میں سے کوئی بھی مسلمان جس کے تین بچے فوت ہوجائیں جو بلوغ کو نہ پہنچے ہوں مگر اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے، بچوں پر اللہ کے مہربانی کرنے کی فضیلت کی بناپر"

تشریح:

۱- رحمتہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے، اور ایاھم کی ضمیر فوت ہونے والے بچوں کی طرف، بچوں پر مہربانی کرنے کا حکم ہے، اللہ تعالیٰ خود بھی ان پر مہربانی فرماتے ہیں، اور اس مہربانی کا اثر والدین کو بھی پہنچتا ہے، جب وہ بچوں کے فوت ہونے پر بہ امید ثواب صبر کریں۔

۲- بچپن میں ماں باپ کا التفات بچوں کی طرف زیادہ ہوتا ہے، اور بچوں کا بھی، اس لئے فوت ہونے پر صدمہ زیادہ ہوتا ہے، جس پر وہ صبر کرتے ہیں، اس لئے ان کے لئے یہ بشارت ہے، اور فضائل کی روایتیں حقیقت میں صالحین کے لئے ہیں، انہی کو کامل فائدہ پہنچتا ہے تفصیل تحفۃ القاری (۱: ۳۹۳) میں ہے۔

[۱۲۴۹-] حدثنا مسلم، قال: حدثنا شعبة، قال: حدثنا عبد الرحمن بن الأصبهاني، عن ذكوان، عن أبي سعيد، أن النساء قلن للنبي صلی الله علیه وسلم: اجعل لنا يوما، فوعظهن، فقال: "أيما امرأة مات لها ثلاثة من الولد كانوا لها حجابا من النار" فقالت امرأة: واثنان؟ قال: "واثنان" [راجع: ۱۰۱]

[۱۲۵۰-] وقال شريك: عن ابن الأصبهاني، حدثني أبو صالح، عن أبي سعيد، وأبي هريرة، عن النبي صلی الله علیه وسلم، قال أبو هريرة: "لم يبلغوا الحنث" [راجع: ۱۰۲]

وضاحت: یہ روایتیں کتاب العلم (باب ۳۵) میں گذر چکی ہیں، خواتین نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا: آپؐ ہمارے لئے کوئی دن مقرر فرمادیں، جس میں ہم آپؐ سے استفادہ کریں یعنی خواتین نے کسی دن کا پروگرام مانگا، چنانچہ آپؐ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمایا، اس دن آپؐ نے ان کو نصیحت کی، اس دن آپؐ نے عورتوں سے جو باتیں فرمائیں ان میں سے ایک بات یہ تھی: "جس کسی عورت کے تین بچے فوت ہوجائیں تو وہ بچے اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جائیں گے" ایک عورت نے پوچھا: دو بچے؟ آپؐ نے فرمایا: دو بھی۔

تشریح: یہ فضیلت صرف ماں کے لئے نہیں ہے، باپ کے لئے بھی ہے، بچپن میں فوت شدہ بچے ماں اور باپ دونوں کے لئے دوزخ سے آڑ بنیں گے، اور جس کا ایک بچہ فوت ہوا ہو اس کے لئے بھی یہ فضیلت ہے (مشکوٰۃ حدیث ۱۷۵۵) البتہ

بچپن میں فوت ہوئے ہوں تو یہ فضیلت ہے، یہ قید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور صبر کرنے کی قید امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت کریمہ سے بڑھائی ہے، اور اس کی حکمت تحفۃ القاری (۱:۳۹۴) میں ہے۔

[۱۲۵۱-] حدثنا عَلِيٌّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "لَايَمُوْتُ لِمُسْلِمٍ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَيَلِجَ النَّارَ إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ" [انظر: ۶۶۰۶]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی مسلمان کے تین بچے فوت ہو جائیں وہ جہنم میں نہیں جائے گا، مگر قسم پوری کرنے کے طور پر''

تشریح: تَحِلَّة: مصدر ہے، اور اس کے معنی ہیں: کھولنا، یعنی قسم پوری کرنا، سورۂ مریم میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا، كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا﴾ نہیں ہے تم میں سے کوئی مگر اسے جہنم میں پہنچنا ہے، میرے رب نے یہ طے کر رکھا ہے، پل صراط جہنم پر بچھایا جائے گا جس سے ہر شخص کو گذرنا ہوگا، جنتی پار ہو جائیں گے اور جنت میں پہنچ جائیں گے اور جہنمیوں کو آنکڑے کھینچ لیں گے اور وہ دوزخ میں گر جائیں گے، یہ جو پل صراط سے گذرنا طے ہے یہی وہ قسم ہے جس کا ذکر سورۂ مریم میں ہے، پس اتنی مقدار تو ماں باپ کو بھی جہنم میں وارد ہونا ہوگا، اس کے علاوہ ماں باپ جہنم میں نہیں جائیں گے۔

بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ الْقَبْرِ: اصْبِرِيْ

آدمی کا عورت سے قبر کے پاس کہنا: صبر کر!

حاشیہ میں اس باب کا مقصد یہ لکھا ہے کہ مرد کے لئے اجنبی عورت کو صبر کی تلقین کرنا جائز ہے، ایک بار حضور اقدس ﷺ قبرستان کے قریب سے گذرے، آپ نے ایک عورت کو قبر پر روتے ہوئے دیکھا، اس کا بیٹا فوت ہو گیا تھا، وہ اس کی قبر پر رو رہی تھی، آپ نے اس کو صبر کی تلقین کی، اس نے آپ کو پہچانا نہیں، اور کہا: جاؤ جاؤ میاں! جو مصیبت مجھ پر آئی ہے، اگر تم پر آتی تو میں جانتی کہ تم کیسا صبر کرتے ہو! آپ آگے بڑھ گئے، بعد میں کسی نے اس عورت کو بتایا کہ وہ آنحضرت ﷺ تھے، اب وہ اپنا غم بھول گئی، دوڑی ہوئی آپ کے گھر پہنچی، آپ گھر پر موجود نہیں تھے، وہ بیٹھ کر رونے لگی، جب آپ تشریف لائے تو اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا، آپ نے فرمایا: الصبر عند الصدمة الأولى: جس وقت صدمہ دل سے ٹکرائے اس وقت صبر کرنے کا ثواب ہے، بعد میں تو ہر کسی کو صبر آہی جاتا ہے ـــــ وہ عورت اجنبی تھی، آپ نے اس کو صبر کی تلقین کی، معلوم ہوا کہ مرد کے لئے اجنبی عورت کو صبر کی تلقین کرنا جائز ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ قاعدہ بھی نکلا کہ جہاں تہمت کا مظنہ (احتمال) نہ ہو وہاں اجنبی عورت سے بات چیت کرنا

جائز ہے، نبی ﷺ کے ساتھ صحابہ تھے، اور تہمت کا کوئی موقع نہیں تھا، اس لئے آپؐ نے اس کو صبر کی تلقین فرمائی، علاوہ ازیں: مصیبت پر صبر کرنے کی فضیلت اس کے لئے ہے جو اس وقت صبر کرے جب پہلی بار مصیبت دل سے ٹکرائے، بعد میں تو ہر کسی کو صبر آ ہی جاتا ہے، اس لئے بھی آپؐ نے صبر کی تلقین فرمائی تاکہ اس کا ثواب ضائع نہ ہو، اور جہاں تہمت کا احتمال ہو وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا بھی جائز نہیں۔

[۷-] بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ الْقَبْرِ: اصْبِرِیْ

[۱۲۵۲-] حدثنا آدم، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِامْرَأَةٍ عِنْدَ قَبْرٍ، وَهِيَ تَبْكِيْ، فَقَالَ: "اتَّقِيْ اللهَ وَاصْبِرِيْ" [انظر: ۱۲۸۳، ۱۳۰۲، ۷۱۵٤]

بَابُ غُسْلِ الْمَيِّتِ وَوُضُوْءِهِ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ

میت کو بیری کے پتے ابالے ہوئے پانی سے وضو اور غسل کرانا

میت کو نہلانے کا کوئی خاص طریقہ نہیں، غسل میت میں اصل یہ ہے کہ مردے کو دھو کر صاف ستھرا کر دیا جائے، یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے جو ترمذی (ابواب الجنائز باب ۱۲) میں آیا ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں: میت کو نہلانے کا کوئی خاص طریقہ ہے، جو شخص طریقہ جانتا ہے وہی نہلا سکتا ہے اور جب تک وہ نہ آئے میت گندی ناپاک پڑی رہتی ہے، یہ بات ٹھیک نہیں، میت کو جلد از جلد نہلا دینا چاہئے، اور نہلانے کا کوئی خاص طریقہ نہیں، غسل میت محمول (لادا ہوا) ہے غسل جنابت پر یعنی زندگی میں آدمی جس طرح غسل جنابت کرتا ہے اسی طرح میت کو نہلاتا ہے، جو احکام غسل جنابت کے ہیں وہی احکام غسل میت کے ہیں، یعنی غسل جنابت میں جو فرائض، سنن اور مستحبات ہیں وہی فرائض، سنن اور مستحبات غسل میت میں بھی ہیں، اور جس طرح سنن و مستحبات کا لحاظ کئے بغیر غسل کرنے سے غسل ہو جاتا ہے اسی طرح میت کے نہلانے میں بھی سنن و مستحبات کا لحاظ نہ کیا جائے تو بھی غسل ہو جائے گا۔ غرض غسل میت میں اصل یہ ہے کہ میت کو اچھی طرح دھو ڈالا جائے اور اس کو صاف ستھرا کر دیا جائے۔

اور میت کو نہلانے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ کا جو بندہ دنیا سے رخصت ہو کر آخرت میں پہنچ گیا: شریعت نے حکم دیا ہے کہ اس کی باڈی کو بھی اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا جائے، اور میت کی تکریم کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ اس کو نہایت پاکیزہ حالت میں نہلا کر اور اچھے کپڑے پہنا کر رخصت کیا جائے۔

اور اس باب میں تین مسئلے ہیں:

۱- میت کو نہلانا فرض ہے، کیونکہ موت سے جنابت حکمی پیدا ہوتی ہے پس نہلائے بغیر نماز جنازہ درست نہیں۔

۲-مردے کو نہلاتے وقت سب سے پہلے وضو کرائیں اور مردے کا منہ اگر بند ہو تو بھیگی ہوئی روئی وغیرہ لے کر مضمضہ کی نیت سے اس کے ہونٹوں پر پھیریں، اور منہ کھلا ہوا ہو تو روئی وغیرہ بھگو کر اس کے منہ کے اندر پھیریں، منہ میں پانی نہ ڈالیں، کیونکہ اس کا نکالنا دشوار ہوگا، اسی طرح ناک کے اندر بھی روئی پھیریں اس سے مضمضہ اور استنشاق ہو جائے گا، پھر پورے بدن پر پانی ڈال کر دھوئیں اور جہاں دایاں بایاں ہے وہاں دائیں کو مقدم کریں جیسے پہلے دائیں کروٹ پر پانی ڈال کر دھوئیں، اور دائیں جانب کو مقدم کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ مردہ کا غسل زندہ کے غسل کی طرح ہو جائے، زندگی میں نہانے کا مستحب طریقہ یہی ہے کہ دائیں جانب سے شروع کرے، اسی طرح مردے کے غسل میں بھی یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے۔

۳-بیری کے پتے ابالے ہوئے پانی سے غسل دیں، اس سے جسم کا میل خوب صاف ہوتا ہے جس طرح لوگ بدن کا میل صاف کرنے کے لئے صابن سے نہاتے ہیں اسی طرح یہ پانی استعمال کیا جاتا تھا، پس اگر بیری کے پتے میسر نہ ہوں تو صابن سے نہلانا بھی کافی ہے۔

ملحوظہ: ان کے علاوہ باب میں چند اور مسائل بھی ہیں جو آثار واحادیث کے ضمن میں آئیں گے۔

[۸-] بَابُ غُسْلِ الْمَيِّتِ وَوُضُوْءِهِ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ

[۱-] وَحَنَّطَ ابْنُ عُمَرَ ابْنًا لِسَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ، وَحَمَلَهُ، وَصَلّٰى، وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

[۲-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: الْمُسْلِمُ لَا يَنْجُسُ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا.

[۳-] وَقَالَ سَعْدٌ: لَوْ كَانَ نَجِسًا مَا مَسِسْتُهُ.

[۴-] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "الْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ"

[۱۲۵۳-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ أَيُّوْبَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ الْأَنْصَارِيَّةِ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ تُوُفِّيَتِ ابْنَتُهُ، فَقَالَ: " اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، إِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ، بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُوْرًا أَوْ: شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِيْ" فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ، فَأَعْطَانَا حِقْوَهُ، فَقَالَ: " أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ" تَعْنِيْ: إِزَارَهُ. [راجع: ۱۶۷]

آثار:

۱-حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی ہیں: ان کے صاحبزادے کا انتقال ہوا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے (غسل کے وقت) اس کی لاش کو اٹھایا، اور اس کو خوشبو لگائی، پھر (فرض) نماز پڑھی اور نیا وضو نہیں کیا، اور موطا مالک میں ہے: ثم دخل المسجد فصلّی ولم یتوضأ: پس صَلّٰی سے نماز

جنازہ پڑھنا مراد نہیں۔

اور ترمذی میں حدیث ہے کہ جو لوگ میت کو نہلائیں ان کو فارغ ہو کر نہا لینا چاہئے اور جو میت کو نہلاتے وقت اٹھائیں ان کو وضو کر لینا چاہئے، نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے (ترمذی حدیث ۹۷۷) اس حدیث کی وجہ سے اصحاب ظواہر کہتے ہیں: میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنا اور اٹھانے والے پر وضو کرنا فرض ہے، مگر جمہور فقہاء کے نزدیک یہ کام مستحب ہیں، حضرت ابن عمرؓ نے جنازہ کو اٹھایا، اور اپنے ہاتھ سے اس کو خوشبو لگائی، پھر وضو نہیں کیا اور نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ وہ استحبابی حکم ہے۔

اور میت کو نہلانے کے بعد نہا لینے کی دو حکمتیں ہیں:

پہلی حکمت: میت کو نہلاتے وقت بدن پر قطرات پڑتے ہیں اور وہ ناپاک ہو سکتے ہیں اور کہاں پڑے ہیں اس کا اندازہ نہیں ہوتا، اس لئے نہالیا جائے تاکہ سارا جسم پاک ہو جائے۔

دوسری حکمت: جو لوگ میت کو نہلانے کے عادی نہیں، جب وہ کسی میت کو نہلاتے ہیں تو ان پر ایک طرح کا خوف طاری ہوتا ہے، نہا لینے سے یہ حالت بدل جاتی ہے، اور وساوس بھی منقطع ہو جاتے ہیں، اور میت کے اٹھانے والوں پر اس کا اثر کم پڑتا ہے اس لئے ان کے لئے صرف وضو کر لینا کافی ہے۔

۲- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''مسلمان ناپاک نہیں ہوتا، نہ زندگی میں اور نہ مرنے کے بعد'' حالانکہ مسلمان کو زندگی میں بھی جنابت لاحق ہوتی ہے، اور مرنے کے بعد بھی، مگر وہ نجاست حکمی ہے، پس مردے کو اٹھانے سے یا غسل دینے سے یا ہاتھ لگانے سے نہ غسل واجب ہے نہ وضو، جمہور فقہاء بشمول امام بخاریؒ اسی کے قائل ہیں، اور المسلم لاینجس تک حدیث ہے، اور حَیًّا وَمَیِّتًا: ابن عباسؓ نے بڑھایا ہے۔

۳- جب حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان کے گھر تشریف لے گئے، وہ عقیق (مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام) میں رہتے تھے، حضرت سعدؓ نے ان کو نہلایا، کفن پہنایا اور خوشبو لگائی پھر ان کا جنازہ پڑھا، تدفین کے بعد گھر آئے اور غسل کیا اور فرمایا: ''گرمی کی وجہ سے میں نے غسل کیا ہے، میت کو نہلانے کی وجہ سے نہیں کیا، اگر میت ناپاک ہوتی تو میں اس کو ہاتھ ہی نہ لگاتا'' معلوم ہوا کہ میت کو جو نجاست لاحق ہوتی ہے وہ حکمی ہے، پس اس کو نہلانے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔

۴- حدیث المؤمنُ لاینجس: درحقیقت زندے کے بارے میں ہے، اس کا شانِ ورود یہ ہے: ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کسی گلی سے گذر رہے تھے، اچانک آنحضور ﷺ سامنے آگئے، حضرت ابو ہریرہؓ جنبی تھے، انھوں نے خیال کیا کہ نبی ﷺ ان سے مصافحہ کریں گے اور وہ جنبی ہیں، اس لئے وہ چپکے سے کھسک گئے، اور غسل کر کے آئے، نبی ﷺ نے پوچھا: کہاں چلے گئے تھے؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ناپاک تھا، غسل کرنے کے لئے گیا تھا، آپؐ نے فرمایا: ''مسلمان ناپاک نہیں ہوتا'' حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے اس کو عام کیا ہے کہ مسلمان نہ زندگی میں ناپاک

ہوتا اور نہ مرنے کے بعد یعنی اس کا ظاہر بدن ناپاک نہیں ہوتا اور اس کو جو جنابت لاحق ہوتی ہے وہ حکمی نجاست ہے۔

حدیث: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہمارے پاس نبی ﷺ تشریف لائے، جب آپ کی صاحبزادی کا انتقال ہوا (یہ صاحبزادی یا تو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں (ابن ماجہ) یا حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں، اور اصح یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت زینبؓ کا ہے (مسلم) جب خواتین ان کو نہلانے کے لئے جمع ہوئیں تو آپؐ نے ان کو یہ ہدایات دیں:) ''میت کو بیری کے جوش دیئے ہوئے پتوں کے پانی سے نہلاؤ، تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا اس سے زیادہ، اگر ضرورت محسوس کرو یعنی اگر تین مرتبہ میں میت صاف نہ ہو تو زیادہ دھوؤ، مگر طاق عدد کا خیال رکھو، اور آخر میں (پانی میں) کافور یا فرمایا: تھوڑا کافور ملاؤ یعنی آخری مرتبہ کافور ملے ہوئے پانی سے دھوؤ، پس جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر کرو'' ام عطیہؓ کہتی ہیں: جب ہم غسل دے چکیں تو ہم نے آپ کو خبر کی، آپؐ نے ہمیں اپنی لنگی دی (حِقو کے اصل معنی ہیں: کمر، اور مجازاً لنگی مراد ہے، کیونکہ لنگی کمر پر باندھی جاتی ہے) اور آپؐ نے فرمایا: ''اس کو میت کے (کفن میں) جسم سے متصل رکھو'' یعنی اس کو کفن میں اس طرح رکھو کہ وہ میت کے بدن سے لگی رہے۔

تشریح: یہ حدیث بہت اہم ہے، تجہیز وتکفین کے اکثر مسائل کا مدار اسی پر ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ بار بار یہ حدیث لائیں گے اور مسائل بیان کریں گے، اور اس حدیث کو حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے محمد بن سیرین اور ان کی بہن حفصہ بنت سیرین روایت کرتے ہیں، اور دونوں کی روایتوں میں چار فرق ہیں جو آئندہ باب میں آرہے ہیں۔

تبرک کا ثبوت:

آنحضور ﷺ نے کفن میں شامل کرنے کے لئے اپنی لنگی برکت کے طور پر عنایت فرمائی تھی، پس یہ حدیث برکت کی اصل ہے، اور برکت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے دودھ نوش فرمایا، دائیں طرف ام ہانی رضی اللہ عنہا تھیں، آپؐ نے بچا ہوا دودھ ان کو دیا، انھوں نے روزہ ہونے کے باوجود اس کو پی لیا، کیونکہ روزہ کی تو قضاء بھی ہوسکتی تھی، اور تبرک ہاتھ سے چلا جاتا تو اگلی پی جاتی، نیز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس ایک جبہ تھا جس کی انھوں نے زندگی بھر حفاظت کی تھی اور وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ مجھے اس جبہ میں کفن دیا جائے، کیونکہ میں نے یہ جبہ پہن کر جنگ بدر لڑی ہے، اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے میری ان مستعمل چادروں میں کفن دینا، گھر والوں نے عرض کیا: ہم آپ کو نئے کپڑوں میں کفن دیں گے؟ آپ نے فرمایا: میں نے ان چادروں میں نمازیں پڑھی ہیں اور آگے روایت آرہی ہے کہ ایک صحابی نے کفن کے لئے آپ کی مستعمل لنگی مانگی تھی جو آپؐ نے ان کو عنایت فرمائی تھی، اور وہ ان کا کفن بنی تھی، غرض تبرک کا پکا ثبوت ہے۔

اور نجدیوں کا یہ خیال کہ تبرک کا مسئلہ نبی ﷺ کے آثار کے ساتھ خاص ہے، صالحین کے آثار سے تبرک جائز نہیں: یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ تخصیص کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ حضرت سعد اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے واقعات تو عموم کی طرف مشیر

ہیں۔ غرض تبرک کا ثبوت ہے مگر تبرک اپنے محل میں کام کرتا ہے، غیر محل میں کام نہیں کرتا۔ نبی ﷺ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو کفن میں پہنانے کے لئے کرتا دیا تھا: اس سے اس کو کیا فائدہ پہنچا!

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ أَنْ يُغْسَلَ وِتْرًا

میت کو نہلانے میں طاق عدد کا خیال رکھنا مستحب ہے

گذشتہ باب میں جو روایت تھی وہی روایت پھر لا رہے ہیں، اس کو محمد بن سیرین اور حفصہ بنت سیرین دونوں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، محمد بن سیرینؒ کی روایت میں لفظ وتر نہیں، حفصہ کی روایت میں ہے، یعنی جو عورتیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نہلا رہی تھیں ان کو آنحضور ﷺ نے بہ طور خاص یہ تاکید کی تھی کہ نہلانے میں طاق عدد کا خیال رکھا جائے، کیونکہ: إِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ: اللہ یگانہ ہیں اور طاق عدد کو پسند کرتے ہیں، یعنی اللہ وتر حقیقی ہیں اور وتر مجازی کو پسند کرتے ہیں۔

[۹-] بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ أَنْ يُغْسَلَ وِتْرًا

[۱۲۵۴-] حدثنا مُحَمَّدٌ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهُ، فَقَالَ: "اغْسِلْنَهَا ثَلاَثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِي الآخِرَةِ كَافُوْرًا، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِيْ" فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ، فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ، فَقَالَ: "أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ" [راجع: ۱۶۷]

فَقَالَ أَيُّوْبُ: وَحَدَّثَتْنِيْ حَفْصَةُ بِمِثْلِ حَدِيْثِ مُحَمَّدٍ، وَكَانَ فِيْ حَدِيْثِ حَفْصَةَ: "اغْسِلْنَهَا وِتْرًا" وَكَانَ فِيْهِ: "ثَلاَثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا" وَكَانَ فِيْهِ: أَنَّهُ قَالَ: "ابْدَءُ وْا بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا" وَكَانَ فِيْهِ: أَنَّ أُمَّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: وَمَشَطْنَاهَا ثَلاَثَةَ قُرُوْنٍ.

محمد بن سیرین اور حفصہ بنت سیرین کی روایتوں میں چار فرق ہیں: جو درج ذیل ہیں:

۱- اغْسِلْنَهَا وِتْرًا: محمد کی روایت میں نہیں، حفصہ کی روایت میں ہے۔

۲- محمد بن سیرین کی روایت میں صرف ثلاثا او خمسا ہے اور حفصہ کی روایت میں سبعا بھی ہے۔

۳- حفصہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "میت کو دائیں جانب سے اور اعضاء وضوء سے نہلانا شروع کرو" یعنی پہلے میت کو وضو کراؤ، پھر نہلاؤ، اور جہاں دایاں بایاں ہے وہاں دائیں کو مقدم کرو، محمد کی روایت میں یہ مضمون نہیں۔

۴- حفصہ کی حدیث میں یہ مضمون زائد ہے: ام عطیہؓ کہتی ہیں: ہم نے صاحبزادی کے بالوں میں کنگھی کرکے تین

چوٹیاں بنائیں" محمد کی روایت میں یہ مضمون نہیں۔

بَابٌ: يُبْدَأُ بِمَيَامِنِ الْمَيِّتِ

میت کی دائیں جانب سے نہلانا شروع کیا جائے

یہ ذیلی باب ہے، جب کسی حدیث میں ایک سے زیادہ مضامین ہوتے ہیں تو امام بخاری رحمہ اللہ ذیلی ابواب لاتے ہیں، صاحبزادی کو غسل دینے کے لئے جو عورتیں جمع ہوئی تھیں ان سے نبی ﷺ نے فرمایا: "میت کی دائیں جانب سے اور اعضاء وضو سے نہلانا شروع کرو" یعنی پہلے میت کو وضو کراؤ، پھر نہلاؤ، اور وضو اور غسل میں دائیں کا خیال رکھو۔

[۱۰-] بَابٌ: يُبْدَأُ بِمَيَامِنِ الْمَيِّتِ

[۱۲۵۵-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي غُسْلِ ابْنَتِهِ: "ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا" [راجع: ۱۶۷]

بَابُ مَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنَ الْمَيِّتِ

میت کے وضوء کے اعضاء سے نہلانا شروع کیا جائے

مردہ کو نہلانے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اعضائے وضوء سے اور دائیں جانب سے نہلانا شروع کیا جائے، زندگی میں نہانے کا مستحب طریقہ بھی یہی ہے کہ پہلے وضوء کیا جائے اور دائیں جانب سے شروع کیا جائے، اسی طرح مردہ کے غسل میں بھی یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے، اس میں دائیں جانب کے اعضاء کا احترام ہے، اور میت کا منہ بند ہو تو کلی کی جگہ بھیگی ہوئی روئی وغیرہ تین مرتبہ میت کے ہونٹوں پر پھیرنے سے مضمضہ ہو جاتا ہے اور منہ کھلا ہو تو اندر کا حصہ بھیگی ہوئی روئی سے صاف کیا جائے اور بھیگی ہوئی روئی سے میت کی ناک اچھی طرح صاف کرنے سے استنشاق ہو جاتا ہے، باقی جو احکام غسل جنابت کے ہیں وہی احکام غسل میت کے ہیں۔

[۱۱-] بَابُ مَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنَ الْمَيِّتِ

[۱۲۵۶-] حدثنا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: لَمَّا غَسَّلْنَا بِنْتَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ لَنَا وَنَحْنُ نَغْسِلُهَا: "ابْدَأُوْا بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا" [راجع: ۱۶۷]

بَابٌ: هَلْ تُكَفَّنُ الْمَرْأَةُ فِي إِزَارِ الرَّجُلِ؟

کیا مرد کی لنگی میں عورت کو کفن دیا جاسکتا ہے؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے مسئلہ کا کوئی فیصلہ نہیں کیا، باب میں ھل استفہامیہ رکھا ہے، اس لئے کہ حدیث میں جو نزع من حقوہ إزارہ ہے یعنی آپ نے اپنی کمر سے اپنی لنگی کھولی اور عنایت فرمائی: یہ بات ابھی تحقیق طلب ہے، کیونکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عون کی یہ روایت نہیں لی، بلکہ عاصم احول کی حضرت حفصہ سے روایت لی ہے، جس میں ہے: فاعطانا حقوہ: نبی ﷺ نے ہمیں اپنی لنگی دی، اس میں صراحت نہیں کہ وہ استعمالی لنگی تھی کیونکہ جو لنگی چادر دھلی ہوئی ہو وہ عام کپڑوں کی طرح ہے، اس میں مرد یا عورت کو کفن دیا جاسکتا ہے، خواہ عورت محرم ہو یا غیر محرم، کیونکہ دھونے سے بدن کے اثرات (پسینہ وغیرہ) ختم ہوجاتے ہیں، البتہ تبرک کی شان باقی رہتی ہے، اور اگر وہ کپڑا بے دھلا ہے اور وہ کسی نیک آدمی کا کپڑا ہے اور مرد یا محرم عورت کو اس میں کفن دیا جائے تو اس کی گنجائش ہے، البتہ غیر محرم عورت کو ایسے کپڑے میں کفن نہیں دینا چاہئے، اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو نبی ﷺ نے جو کرتہ دیا تھا وہ معلوم نہیں استعمالی تھا یا دھلا ہوا۔ اور فقہ میں ایک جزئیہ ہے: اجنبی مرد کا بچا ہوا کھانا پینا عورت کے لئے مکروہ ہے، یہ مسئلہ اس وقت ہے جب عورت کو معلوم ہو کہ فلاں کا بچا ہوا ہے، اور اگر یہ معلوم نہ ہو تو مکروہ نہیں: یہ مسئلہ اسی قبیل سے ہے۔ واللہ اعلم

[۱۲-] بَابٌ: هَلْ تُكَفَّنُ الْمَرْأَةُ فِي إِزَارِ الرَّجُلِ؟

[۱۲۵۷-] حدثنا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: تُوُفِّيَتْ ابْنَةُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ لَنَا: "اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي" فَآذَنَّاهُ، فَنَزَعَ مِنْ حِقْوِهِ إِزَارَهُ، وَقَالَ: "أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ" [راجع: ۱۶۷]

قولہ: أَشْعِرْنَهَا: بچی کے بدن سے متصل رکھو، إیاہ: اس لنگی کو أَشْعَرَ فلانًا: تحتانی لباس پہنانا۔

بَابٌ: هَلْ يُجْعَلُ الْكَافُوْرُ فِي الْأَخِيْرَةِ؟

کیا غسل میت میں آخری مرتبہ میں کافور ملایا جائے؟

حدیث میں ہے: اِجْعَلْنَ فِي الآخرة كافورا أو: شيئا من كافور: میت کو نہلاتے وقت جو آخر میں پانی ڈالا جائے اس میں کافور ملایا جائے یا فرمایا: تھوڑا کافور ملایا جائے، یہ حکم کس درجہ کا ہے: واجب ہے یا سنت؟ اور اس کی حکمت کیا ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے مسئلہ کا فیصلہ نہیں کیا، ھل استفہامیہ لائے ہیں، البتہ فقہاء نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ استحباب کے درجہ کا

حکم ہے، جیسے بیری کے ابالے ہوئے پتوں سے نہلانا استحبابی حکم ہے، اس کا مقصد میل کچیل دور کرنا ہے اور اب صابن کا رواج ہو گیا ہے اور وہ بیری کے پتوں سے ابلغ (زیادہ کارگر) ہے، پس اگر صابن سے نہلا دیا جائے تو کافی ہے، اسی طرح آخری مرتبہ میں کافور ملے ہوئے پانی سے نہلانا بھی مستحب ہے، مگر اس کا کوئی بدل نہیں، لہٰذا پانی میں کافور ملانے کا اہتمام کرنا چاہئے، اس کے چار فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: اس سے جسم جلدی خراب نہیں ہوتا، کافور میں یہ خاصیت ہے کہ جس چیز میں وہ استعمال کیا جاتا ہے اس میں جلدی تغیر نہیں آتا۔

دوسرا فائدہ: کافور لگانے سے موذی جانور، کیڑے وغیرہ پاس نہیں آتے، اسی لئے لوگ کتابوں اور کپڑوں میں کافور کی گولیاں رکھتے ہیں۔

تیسرا فائدہ: کافور ایک سستی خوشبو ہے، جس سے جسم معطر ہو جاتا ہے۔

چوتھا فائدہ: کافور تیز خوشبو ہے، پس اگر اچھی طرح نہلانے کے باوجود جسم میں کچھ بدبو رہ گئی ہوگی تو وہ کافور کی خوشبو میں دب جائے گی۔

[۱۳-] بَابٌ: هَلْ يُجْعَلُ الْكَافُوْرُ فِي الْأَخِيْرَةِ؟

[۱۲۵۸-] حدثنا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: تُوُفِّيَتْ إِحْدَى بَنَاتِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "اغْسِلْنَهَا ثَلاَثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُوْرًا أَوْ: شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي" قَالَتْ: فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ، فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ، فَقَالَ: "أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ" [راجع: ۱۶۷]

[۱۲۵۹-] وَعَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، بِنَحْوِهِ، وَقَالَتْ: إِنَّهُ قَالَ: "اغْسِلْنَهَا ثَلاَثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ" قَالَتْ حَفْصَةُ: قَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ: وَجَعَلْنَا رَأْسَهَا ثَلاَثَةَ قُرُوْنٍ، [راجع: ۱۶۷]

بَابُ نَقْضِ شَعْرِ الْمَرْأَةِ

غسل میت میں عورت کے بالوں کو کھولنا

جب عورت کو نہلائیں گے تو چوٹیاں کھول کر سارے بالوں کو دھوئیں گے، اس لئے کہ غسل میت محمول ہے غسل جنابت پر، اور عورت جب غسل جنابت کرتی ہے تو بالوں کو کھول کر سارے بال دھوتی ہے، پس مردہ عورت کے بھی سارے بال کھول

کردھوئیں گے، محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر میت کے بالوں کو کھول کر دھویا جائے تو گنجائش ہے۔ ابن سیرینؒ کا یہ قول عام ہے، عورت زندہ ہو یا مردہ، بال کھول کر دھونے چاہئیں، آپ حضرات نے ترمذی میں یہ مسئلہ پڑھا ہے کہ عورت پر غسل جنابت میں چوٹیاں کھولنا ضروری نہیں، اگر وہ چوٹیوں کو کھولے بغیر جڑوں کو تر کرلے تو کافی ہے، لیکن اگر چوٹیاں کھول کر سارے بال دھوئے تو سبحان اللہ، یہاں لاباس اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔

[۱۴-] بَابُ نَقْضِ شَعْرِ الْمَرْأَةِ

وَقَالَ ابْنُ سِيرِيْنَ: لَابَأْسَ أَنْ يُنْقَضَ شَعْرُ الْمَرْأَةِ.

[۱۲۶۰-] حدثنا أحمدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ أَيُّوبُ: وَسَمِعْتُ حَفْصَةَ بِنْتَ سِيرِيْنَ، قَالَتْ: حَدَّثَتْنَا أُمُّ عَطِيَّةَ: أَنَّهُنَّ جَعَلْنَ رَأْسَ بِنْتِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ثَلَاثَةَ قُرُوْنٍ، نَقَضْنَهُ، ثُمَّ غَسَلْنَهُ، ثُمَّ جَعَلْنَهُ ثَلَاثَةَ قُرُوْنٍ. [راجع: ۱۶۷]

قولہ: نَقَضْنَہ: باب سے متعلق ہے، نقض (ن) نَقْضَا الحبلَ: رسّی کھولنا، نقض الشعرَ: بال کھولنا، یعنی صاحبزادی کی چوٹیاں بٹی ہوئی تھیں، عورتوں نے ان کو کھول کر بال دھوئے، پھر بالوں کے تین گیسو بنائے یعنی باقاعدہ چوٹیاں نہیں بٹیں، بلکہ بالوں کو تین حصوں میں گول کردیا اور پیچھے کی جانب ڈالا، حدیث کا یہ جزء مرفوع نہیں، غسل دینے والی خواتین کا عمل ہے۔

بَابٌ: كَيْفَ الْإِشْعَارُ لِلْمَيِّتِ؟

میت کو تحتانی لباس کس طرح پہنایا جائے؟

دو لفظ ہیں: شِعار اور دِثار، جو کپڑا بالوں سے لگا ہوا ہو وہ شعار ہے جیسے بنیان بالوں سے لگا ہوا ہے اس لئے شعار ہے، اور اوپر جو کرتا، صدری یا شیروانی پہن رکھی ہے وہ دِثار ہے۔ آنحضور ﷺ نے لنگی عنایت فرمائی اور ہدایت دی کہ اس کو میت کے بدن سے لگا کر رکھو، کپڑا بدن سے لگا کر رکھنے کی بہت سی شکلیں ہوسکتی ہیں مثلاً: لنگی سینہ پر رکھ دی جائے، سر پر باندھ دی جائے وغیرہ اس لئے باب لائے کہ میت کے بدن سے لنگی کس طرح لگائی جائے؟ جواب یہ ہے کہ کفن میں سب سے اوپر لنگی بچھائی جائے، پھر اس پر میت رکھی جائے، اور سب سے پہلے میت پر لنگی لپیٹیں، پھر دوسرے کپڑے لپیٹیں پس لنگی میت کے بدن سے متصل رہے گی، یہ شکل متعین ہے، اس کے علاوہ جو شکلیں ہوسکتی ہیں وہ مراد نہیں۔

تکفین میں کپڑا اوڑھ کر لیٹے ہوئے شخص کو پیش نظر رکھا گیا ہے:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح غسل میت میں غسل احیاء کو پیش نظر رکھا گیا ہے، اسی طرح میت کو کفن دینے میں اس شخص کو پیش نظر رکھا گیا ہے جو کپڑا اوڑھ کر لیٹا ہوا ہے، مرد دو کپڑے پہن

کر اور چادر اوڑھ کر سوتا ہے اس لئے مرد کا سنت کفن تین کپڑے ہیں: تہبند، کرتا اور لفافہ (بڑی چادر) اور کفن کفایت حُلّۃ (دو کپڑوں کا جوڑا) ہے یعنی تہبند اور لفافہ کیونکہ آدمی کبھی کرتا نکال کر بھی سوتا ہے، اور عورت کا کفن بھی یہی ہے البتہ کچھ کپڑے زائد ہیں، کیونکہ عورت زندگی میں کچھ زائد کپڑے پہنتی ہے، وہ سر بند (اوڑھنی) اور سینہ بند بھی استعمال کرتی ہے، اس لئے عورت کا کفن سنت پانچ کپڑے ہیں: تہبند، کرتا، اوڑھنی (سر بند) سینہ بند اور لفافہ، سینہ بند بغلوں سے آدھی ران تک ہو، اور اوڑھنی ڈیڑھ گز لمبی ہو۔

کفن کے کپڑوں کی ترتیب:

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جو اصول لکھا ہے کہ میت کی تکفین میں اس شخص کو پیش نظر رکھا گیا ہے جو کپڑا اوڑھ کر لیٹا ہوا ہے، اس اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ کفن کے کپڑوں کی ترتیب بھی اسی طرح ہونی چاہئے: مرد کے کفن میں سب سے پہلے ازار لپیٹا جائے، پھر کرتا پہنایا جائے پھر لفافہ لپیٹ دیا جائے مگر معمول اس کے خلاف ہے، پہلے کرتا پہناتے ہیں پھر ازار لپیٹتے ہیں، پھر لفافہ لپیٹ کر دونوں سروں سے اور درمیان سے باندھ دیتے ہیں۔

اور عورت کا کفن اس طرح ہو: سب سے پہلے سینہ بند لپیٹا جائے، پھر ازار، پھر کرتا، پھر اوڑھنی پھر لفافہ، اور کرتا لپیٹنے کے بعد سر کے بالوں کے دو حصے کر کے دونوں کندھوں پر سے لے کر سینہ پر ڈال دیئے جائیں، فقہاء کرام نے سر بند اور سینہ بند کی کوئی ترتیب نہیں لکھی، اور لوگوں میں مختلف طریقے رائج ہیں، اور سب درست ہیں۔

حسن بصریؒ کا قول: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پانچویں کپڑے سے کرتے کے نیچے میت کی رانوں کو اور کولہوں کو باندھا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ سینہ بند کرتے سے پہلے ہوگا، مگر اوڑھنی کا کوئی ذکر نہیں۔

اور عورت کا کفن کفایت تین کپڑے ہیں اور مرد وزن دونوں کے لئے کفن ضرورت ایسا ایک کپڑا ہے جس میں ساری میت چھپ جائے یا پھر جس قدر یا جو چیز میسر ہو اسی میں کفن دیا جائے۔

[۱۵-] بَابٌ: كَيْفَ الْإِشْعَارُ لِلْمَيِّتِ؟

وَقَالَ الْحَسَنُ: الْخِرْقَةُ الْخَامِسَةُ: يَشُدُّ بِهَا الْفَخِذَيْنِ وَالْوَرِكَيْنِ تَحْتَ الدِّرْعِ.

[۱۲۶۱-] حدثنا أَحْمَدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَنَّ أَيُّوبَ أَخْبَرَهُ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ سِيرِيْنَ يَقُوْلُ: جَاءَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، مِنَ اللَّاتِي بَايَعْنَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، قَدِمَتِ الْبَصْرَةَ، تُبَادِرُ ابْنًا لَهَا، فَلَمْ تُدْرِكْهُ، فَحَدَّثَتْنَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهُ، فَقَالَ: "اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذَلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُوْرًا، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي" قَالَتْ: فَلَمَّا فَرَغْنَا أَلْقَى إِلَيْنَا حَقْوَهُ، فَقَالَ: "أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ"

وَلَمْ يَزِدْ عَلَى ذٰلِكَ، وَلَا أَدْرِي أَيُّ بَنَاتِهِ؟ وَزَعَمَ أَنَّ الْإِشْعَارَ: أَلْفِفْنَهَا فِيهِ، وَكَذٰلِكَ كَانَ ابْنُ سِيرِينَ يَأْمُرُ بِالْمَرْأَةِ أَنْ تُشْعَرَ، وَلَا تُؤْزَرَ. [راجع: ١٦٧]

وضاحت: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا ایک لڑکا بصرہ میں رہتا تھا، وہ جہاد میں گیا اور زخمی ہو کر لوٹا، حضرت ام عطیہؓ بیٹے سے ملنے کے لئے مدینہ سے بصرہ گئیں، اور تیزی سے سفر کیا، تاکہ لڑکے سے ملاقات ہو جائے، مگر ابھی دو دن کے فاصلہ پر تھیں کہ لڑکے کا انتقال ہو گیا، اور حضرت ام عطیہ کی ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔

حدیث کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ: ابن سیرینؒ کہتے ہیں: ام عطیہؓ آئیں، جو ایک انصاری عورت ہیں، وہ ان خواتین میں سے ہیں جنھوں نے نبی ﷺ سے بیعت کی تھی، وہ بصرہ آئیں سبقت کرتی ہیں اپنے بیٹے سے، یعنی چاہتی تھی کہ بیٹے کی وفات سے پہلے بصرہ پہنچ جائیں، مگر ملاقات نہ ہو سکی۔

حدیث کے آخری حصہ کا ترجمہ: ایوب سختیانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: محمد بن سیرینؒ نے اتنی ہی حدیث بیان کی، اور میں نہیں جانتا کہ وہ صاحبزادی کونسی تھی؟ اور محمد بن سیرینؒ نے فرمایا: اشعار کے معنی ہیں: میت کو لنگی میں لپیٹ دینا، اور اسی طرح ابن سیرین حکم دیا کرتے تھے عورت کے تعلق سے کہ لنگی لپیٹی جائے، لنگی کے طور پر باندھی نہ جائے، پس نبی ﷺ نے جو لنگی عنایت فرمائی تھی وہ صاحبزادی کے بدن پر لپیٹی گئی تھی، لنگی کے طور پر باندھی نہیں گئی تھی۔

بَابٌ: هَلْ يُجْعَلُ شَعْرُ الْمَرْأَةِ ثَلَاثَةَ قُرُونٍ؟

کیا غسل کے بعد عورت کے بالوں کی تین چوٹیاں بنائی جائیں؟

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جن عورتوں نے نہلایا تھا انھوں نے ان کے بالوں کی تین چوٹیاں بنائی تھیں اور ان کو پیچھے ڈالا تھا، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی ہدایت نہیں دی تھی، اس لئے عورت کے بال کس طرح اور کہاں رکھے جائیں؟ اس میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک بالوں کے دو حصے کئے جائیں اور دائیں بائیں کندھے سے لے کر سینہ پر رکھے جائیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بالوں کی تین چوٹیاں بنا کر پیچھے رکھی جائیں، امام بخاریؒ بھی اسی کے قائل ہیں، اور اعلاء السنن (۱۸۲:۴) میں ہے: الأمرُ واسع، یعنی خواہ یوں کر یا دوں: سب درست ہے۔

[١٦-] بَابٌ: هَلْ يُجْعَلُ شَعْرُ الْمَرْأَةِ ثَلَاثَةَ قُرُونٍ؟

[١٢٦٢-] حدثنا قَبِيصَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أُمِّ الْهُذَيْلِ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: ضَفَرْنَا شَعْرَ بِنْتِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، تَعْنِي: ثَلَاثَةَ قُرُونٍ، وَقَالَ وَكِيعٌ: عَنْ سُفْيَانَ: نَاصِيَتَهَا وَقَرْنَيْهَا.

[راجع: ١٦٧]

وضاحت: ضَفَرَ (ض) ضَفْرًا، وَضَفْرُ الشعرَ کے معنی ہیں: بال گوندھنا، چوٹی بٹنا، کنگھی کرنے کا فقہاء میں سے کوئی قائل نہیں، جبکہ پہلے ام عطیہؓ کی روایت میں کنگھی کرنے کا بھی ذکر ہے۔

بَابٌ: يُلْقَى شَعْرُ الْمَرْأَةِ خَلْفَهَا ثَلاَثَةَ قُرُوْنٍ

عورت کے بال تین چوٹیاں بنا کر پیچھے ڈالے جائیں

یہ آخری ذیلی باب ہے، امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک میت کے بالوں کے تین حصے کر کے پیچھے ڈالیں گے اور احناف کے نزدیک دو حصے کر کے سینہ پر رکھیں گے، اور یہ مسئلہ مرفوع روایت میں نہیں ہے۔

[۱۷-] بَابٌ: يُلْقَى شَعْرُ الْمَرْأَةِ خَلْفَهَا ثَلاَثَةَ قُرُوْنٍ

[۱۲۶۳-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، قَالَ: حَدَّثَتْنَا حَفْصَةُ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: تُوُفِّيَتْ إِحْدَى بَنَاتِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَأَتَانَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "اغْسِلْنَهَا بِالسِّدْرِ وِتْرًا، ثَلاَثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ، وَاجْعَلْنَ فِي الآخِرَةِ كَافُوْرًا أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِيْ" فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ، فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ، فَضَفَرْنَا شَعْرَهَا ثَلاَثَةَ قُرُوْنٍ، وَأَلْقَيْنَاهَا خَلْفَهَا. [راجع: ۱۶۷]

بَابُ الثِّيَابِ الْبِيْضِ لِلْكَفَنِ

سفید کپڑوں میں کفن دینا

کفن میں سفید کپڑا یا نیا کپڑا ضروری نہیں، کوئی بھی کپڑا جو پاک صاف ہو اس میں کفن دینا جائز ہے، اور اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو کپڑا زندگی میں پہننا جائز ہے اس میں کفن دینا بھی جائز ہے، اور جس کپڑے کو پہننا مکروہ ہے اس میں کفن دینا بھی مکروہ ہے، اور جس کپڑے کو پہننا حرام ہے اس میں کفن دینا بھی حرام ہے، جیسے عورت کو ریشمی اور سرخ کپڑے میں کفن دینا جائز ہے اور مرد کو حرام اور مکروہ ہے، کیونکہ مرد کے لئے زندگی میں ریشم اور سرخ کپڑا پہننا حرام اور مکروہ ہے، البتہ سفید کپڑوں میں کفن دینا اولیٰ ہے، اور ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس کپڑے کو پہن کر آدمی نے نمازیں پڑھی ہیں اور عبادتیں کی ہیں ان میں کفن دینا مستحب ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے میری ان مستعمل چادروں میں کفن دینا، گھر والوں نے عرض کیا: ہم آپ کو نئے کپڑوں میں کفن دیں گے؟ آپ نے فرمایا: میں نے ان چادروں میں نمازیں پڑھی ہیں، نیز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے اس جبہ میں کفن دینا کیونکہ میں نے یہ

جبہ یمن کر یدر کی جنگ لڑی ہے، معلوم ہوا نئے کپڑے میں اور سفید کپڑے میں کفن دینا ضروری نہیں۔

[۱۸-] بَابُ الثِّيَابِ الْبِيضِ لِلْكَفَنِ

[۱۲٦٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كُفِّنَ فِي ثَلاَثَةِ أَثْوَابٍ يَمَانِيَةٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ، لَيْسَ فِيهِنَّ قَمِيصٌ وَلاَ عِمَامَةٌ. [انظر: ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۳۸۷]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی ﷺ کو تین سوتی، سحولی، سفید یمنی کپڑوں میں کفن دیا گیا، ان میں قمیص تھی نہ پگڑی (سحول: یمن کی ایک بستی ہے)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے کفن کے لئے مختلف کپڑے لائے گئے تھے، اور سات کپڑے اکٹھا ہو گئے تھے، لیکن صحابہ نے ان میں سے تین کپڑوں میں کفن دیا، باقی واپس کر دیئے، اور آپ کو جن تین کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا وہ تینوں سفید تھے ــــــ اور قمیص اور پگڑی کفن میں شامل ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ چند ابواب کے بعد آ رہا ہے۔

بَابُ الْكَفَنِ فِي ثَوْبَيْنِ

دو کپڑوں میں کفن دینا

مرد کے لئے کفنِ کفایت دو کپڑے (ازار اور لفافہ) ہیں، اور عورت کے لئے تین کپڑے (ازار، لفافہ، سربند) بس اتنا کفن دینا بھی کافی ہے اور دو کپڑوں سے کم دینا مکروہ ہے، ہاں مجبوری ہو تو کم دینا بھی درست ہے۔

حجۃ الوداع میں ایک صحابی وقوف عرفہ کے دوران اونٹ سے گر گئے تھے، اور ان کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی جس سے ان کا انتقال ہو گیا، نبی ﷺ نے ان کو احرام کی دو چادروں میں کفن دلوایا، ان کے پاس وہی دو کپڑے تھے، اور یہی باب ہے کہ کفن کفایت دو کپڑے ہیں۔

[۱۹-] بَابُ الْكَفَنِ فِي ثَوْبَيْنِ

[۱۲٦٥-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ وَاقِفٌ بِعَرَفَةَ إِذْ وَقَعَ عَنْ رَاحِلَتِهِ، فَوَقَصَتْهُ أَوْ قَالَ: فَأَوْقَصَتْهُ، قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلاَ تُحَنِّطُوهُ، وَلاَ تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا"

[انظر: ۱۲٦٦، ۱۲٦٧، ۱۲٦٨، ۱۸۳۹، ۱۸٤۹، ۱۸۵۰، ۱۸۵۱]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اس درمیان کہ ایک صحابی وقوفِ عرفہ کئے ہوئے تھے اچانک اپنی سواری سے گر پڑے، پس سواری نے ان کی گردن توڑ دی، نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے نہلاؤ اور اس کو دو کپڑوں میں کفن دو اور اس کو خوشبو مت لگاؤ اور اس کے سر کو (ابو داؤد میں ہے: اور چہرے کو) مت ڈھانکو، پس بیشک وہ قیامت کے دن تلبیہ پڑھتا ہوا اٹھے گا۔

لغت: وَقَصَ العنقَ: گردن توڑنا، أَوْقَصَ (باب افعال) کے بھی یہی معنی ہیں۔

ملحوظہ: حالتِ احرام میں مرنے والے کا احرام باقی رہتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے، اور اس کی تجہیز وتکفین میں احرام کی رعایت کی جائے گی یا نہیں؟ یہ مسئلہ چند ابواب کے بعد آرہا ہے، یہاں بس اتنا استدلال ہے کہ دو کپڑوں میں کفن دینا جائز ہے۔

بَابُ الْحَنُوْطِ لِلْمَيِّتِ

میت کو خوشبو لگانا

حنوط: ایک خاص قسم کی خوشبو تھی، جو چند خوشبودار چیزوں کو ملا کر میت کو لگانے کے لئے بنائی جاتی تھی، وہ صحابی جو اونٹ پر سے گر گئے تھے نبی ﷺ نے ان کو حنوط لگانے سے منع کیا، اس لئے کہ سب صحابہ احرام میں تھے، وہ خوشبو کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے، معلوم ہوا کہ اگر لوگ احرام میں نہ ہوں تو میت کو حنوط یا کوئی دوسری خوشبو لگانی چاہئے۔

[۲۰-] بَابُ الْحَنُوْطِ لِلْمَيِّتِ

[۱۲۶۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ وَاقِفٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِعَرَفَةَ، إِذْ وَقَعَ مِنْ رَاحِلَتِهِ، فَأَقْصَعَتْهُ، أَوْ قَالَ: فَأَقْعَصَتْهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: " اغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْنِ، وَلَا تُحَنِّطُوْهُ، وَلَا تُخَمِّرُوْا رَأْسَهُ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا"

لغت: أَقْصَعَ اور أَقْعَصَ: فوراً مار ڈالنا، مجرد قَصَعَ: مار ڈالنا۔

بَابٌ: كَيْفَ يُكَفَّنُ الْمُحْرِمُ؟

محرم کو کس طرح کفن دیا جائے؟

جس شخص کا احرام کی حالت میں انتقال ہو جائے اس کی تجہیز وتکفین میں احرام کی رعایت کی جائے گی یا نہیں؟ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک مرنے کے بعد بھی احرام باقی رہتا ہے، پس تجہیز وتکفین میں احرام کی رعایت کی جائے گی،

اس کا چہرہ اور سر نہیں ڈھانکا جائے گا، نہ خوشبو لگائی جائے گی۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک موت سے احرام ختم ہوجاتا ہے، حدیث میں ہے: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله: یعنی موت سے اعمال ختم ہوجاتے ہیں پس محرم کی تجہیز و تکفین عام اموات کی طرح کی جائے گی۔

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جو بار بار آرہی ہے، نبی ﷺ نے اس میت کا سر اور چہرہ ڈھانکنے سے منع فرمایا، جس کا حالت احرام میں انتقال ہوا تھا، معلوم ہوا کہ اس کا احرام باقی ہے، اس لئے اس کی تجہیز و تکفین میں احرام کی رعایت کی گئی۔

اور بڑے دو اماموں کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ ہے، ان کے صاحبزادے واقد کا بحالت احرام انتقال ہوا، ابن عمرؓ نے عام اموات کی طرح ان کو کفن پہنایا یعنی ان کے سر اور چہرے کو ڈھانکا اور فرمایا: ہم تجھے خوشبو بھی لگاتے مگر ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم احرام میں ہیں، خوشبو کو ہاتھ نہیں لگا سکتے (موطا مالک ص:۱۲۶)

اور مذکورہ واقعہ میں آنحضور ﷺ نے خوشبو لگانے سے اس لئے منع کیا تھا کہ سب صحابہ احرام میں تھے، اور محرم کے لئے خوشبو کو ہاتھ لگانا جائز نہیں، اور اس کی طرف حدیث میں اشارہ ہے کہ موت سے احرام ختم ہوجاتا ہے، آپؐ نے بیری کے پتے ابالے ہوئے پانی سے نہلانے کا حکم دیا جبکہ یہ پانی بہ منزلہ صابن ہے، اور احرام میں صابن اور اس کے مانند چیزیں استعمال نہیں کرسکتے، معلوم ہوا کہ ان صحابی کا احرام ختم ہوگیا تھا۔

اور آپؐ نے ان کا سر اور چہرہ ڈھانکنے سے اس لئے منع فرمایا کہ ان کو احرام کی چادروں میں کفن دیا گیا تھا، ان کے پاس اور کپڑے نہیں تھے، اور احرام کی چادریں عام طور پر اتنی بڑی نہیں ہوتیں کہ سارا جسم ڈھک جائے، اس لئے آپؐ نے چہرے اور سر کو کھلا رکھنے کا حکم دیا، کیونکہ ان کی موت بے سروسامانی، غریب الوطنی اور لاچاری کی حالت میں ہوئی تھی جس کا ان کو صلہ ملا کہ وہ قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھیں گے، جیسے احادیث میں پچاس سے زائد لوگوں کو شہید حکمی قرار دیا گیا ہے ان کو یہ فضیلت ان کی لاچاری اور حادثاتی موت ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔

اور کفن کا کپڑا چھوٹا ہو تو اصل ضابطہ یہ ہے کہ سر ڈھانکا جائے اور پیروں کو کسی چیز سے چھپایا جائے، جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا گیا تھا، مگر خلاف ضابطہ اس میت کا سر کھلا رکھا گیا، یہ اس کے احرام کی برکت تھی، جیسے اصل ضابطہ یہ ہے کہ شہداء کو دفن کیا جائے مگر آپؐ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بے گور و کفن چھوڑ دینے کا ارادہ فرمایا، یہ خلاف ضابطہ بات تھی، اگر آپؐ ایسا کرتے تو وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہوتی، اسی طرح یہ ان صحابی کی خصوصیت تھی۔

[۲۱-] بَابٌ: كَيْفَ يُكَفَّنُ الْمُحْرِمُ؟

[۱۲۶۷-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ:

أَنَّ رَجُلًا وَقَصَهُ بَعِيرُهُ، وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلَا تُمِسُّوهُ طِيبًا، وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّدًا"

[۱۲۶۸-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرٍو، وَأَيُّوبَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَجُلٌ وَاقِفٌ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِعَرَفَةَ، فَوَقَعَ عَنْ رَاحِلَتِهِ، قَالَ أَيُّوبُ: فَوَقَصَتْهُ، وَقَالَ عَمْرٌو: فَأَقْصَعَتْهُ، فَمَاتَ، فَقَالَ: " اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلَا تُحَنِّطُوهُ، وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا" قَالَ أَيُّوبُ: "يُلَبِّي" وَقَالَ عَمْرٌو: "مُلَبِّيًا"

لغت: مُلَبِّدًا: چپکے ہوئے بالوں کے ساتھ، لَبَّدَ شَعْرَہ: بالوں کو کسی چیز سے چپکانا، گیسو والا جب احرام باندھتا تھا تو کسی لیسدار چیز سے بالوں کو نمدہ کی طرح چپکا دیتا تھا۔

بَابُ الْكَفَنِ فِي الْقَمِيصِ الَّذِي يُكَفُّ أَوْ لَا يُكَفُّ، وَمَنْ كُفِّنَ بِغَيْرِ قَمِيصٍ

سلے ہوئے یا بے سلے کرتے میں کفن دینا، اور جس نے کرتے کے بغیر کفن دیا

لغت: كَفَّ الثوبَ يَكُفُّ كَفًّا (ن) کپڑے کو تر پنا، بخیہ کرنا، سینا، يُكَفُّ (مضارع مجہول) بخیہ کیا ہوا یعنی سیا ہوا، لايُكَفُّ: بخیہ نہ کیا ہوا یعنی بے سلا۔

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ کفن میں قمیص ہونی چاہئے یا نہیں؟ پھر قمیص ہو تو سلی ہوئی ہو یا بے سلی؟ چھوٹے دو اماموں کے نزدیک کفن میں قمیص نام کی کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے، ان کے نزدیک کفن تین لفافے ہیں، اور ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو ابھی گذری کہ نبی ﷺ کو تین یمنی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا، ان میں نہ قمیص تھی نہ پگڑی۔

اور حنفیہ کے نزدیک کفن میں قمیص ہے مگر اس میں آستین اور کلیاں نہ ہوں، یعنی برائے نام قمیص ہے، اور ان کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، جو ابوداؤد (۴۴۹:۱) میں ہے: كُفِّنَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ نَجْرَانِيَّةٍ: الْحُلَّةُ: ثوبان، وقميصه الذى مات فيه: رسول اللہ ﷺ کو تین نجرانی کپڑوں میں کفن دیا گیا، حلّہ (سوٹ) میں جو دو کپڑے ہیں اور آپ کی اس قمیص میں جس میں وفات ہوئی، آپ ﷺ کی قمیص غسل کے وقت نہیں نکالی گئی تھی، اسی کو کفن میں شمار کیا گیا۔

اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں قمیص معتاد کی نفی ہے، مطلق قمیص کی نفی نہیں، اور میت کی قمیص میں نہ آستین ہوتی ہے نہ کلیاں، اور نہ وہ سلی ہوئی ہوتی ہے، بلکہ وہ گلے سے پاؤں تک ایک کپڑا ہوتا ہے جس کا ایک حصہ میت کے اوپر ڈالا جاتا ہے

اور دوسرا نیچے ہوتا ہے، اور کندھے پر سے اس کو سی دیا جاتا ہے اور اوپر کے حصہ میں چاک کھول دیتے ہیں، تاکہ اس کو گردن میں پہنایا جاسکے۔

یا کہا جائے گا کہ قمیص کا انکار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے علم کے اعتبار سے ہے، کیونکہ وہ تجہیز و تکفین کی جگہ موجود نہیں تھیں، اس لئے ابن عباسؓ کی روایت کو ترجیح دی جائے گی جس میں قمیص کا اثبات ہے۔

اور بعض کہتے ہیں: میت کو باقاعدہ سلا ہوا کرتا پہنائیں گے، اس میں آستینیں اور کلیاں بھی ہونگی، کیونکہ کفن زینت ہے، مگر ائمہ اربعہ میں سے کوئی اس کا قائل نہیں، کیونکہ میت زینت کی محتاج نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں سب مذاہب جمع کئے ہیں: **القمیص الذی یُکَفُّ**: سلی ہوئی قمیص، یہ آخری رائے ہے جو صحیح نہیں، **القمیص الذی لا یُکَفُّ**: بے سلی قمیص، یہ حنفیہ کی رائے ہے، **بغیر قمیص**: یہ شوافع کا مذہب ہے۔

[۲۲-] بَابُ الْكَفَنِ فِي الْقَمِيْصِ الَّذِيْ يُكَفُّ أَوْلاَ يُكَفُّ، وَمَنْ كُفِّنَ بِغَيْرِ قَمِيْصٍ

[۱۲۶۹-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَ بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ: لَمَّا تُوُفِّيَ جَاءَ ابْنُهُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: أَعْطِنِيْ قَمِيْصَكَ أُكَفِّنْهُ فِيْهِ، وَصَلِّ عَلَيْهِ، وَاسْتَغْفِرْ لَهُ، فَأَعْطَاهُ قَمِيْصَهُ، فَقَالَ: " آذِنِّيْ أُصَلِّ عَلَيْهِ" فَآذَنَهُ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ جَذَبَهُ عُمَرُ، فَقَالَ: أَلَيْسَ اللهُ نَهَاكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ؟ فَقَالَ: " أَنَا بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ" قَالَ: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْلاَ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ﴾ [التوبة: ۸۰] فَصَلَّى عَلَيْهِ، فَنَزَلَتْ ﴿وَلاَ تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلاَ تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾ [التوبة: ۸۴]. [انظر: ۴۶۷۰، ۴۶۷۲، ۵۷۹۶]

[۱۲۷۰-] حدثنا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو: سَمِعَ جَابِرًا قَالَ: أَتَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ بَعْدَ مَا دُفِنَ، فَأَخْرَجَهُ فَنَفَثَ فِيْهِ مِنْ رِيْقِهِ، وَأَلْبَسَهُ قَمِيْصَهُ.

[انظر: ۱۳۵۰، ۳۰۰۸، ۵۷۹۵]

وضاحت: یکف اور لا یکف کو تین طرح پڑھا گیا ہے:

اول-اگر یہ فعل مضاعف ہے تو معروف و مجہول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں: یَکُفّ اور لا یَکُفّ (معروف): روکے اور نہ روکے، اور یُکَفُّ اور لاَ یُکَفُّ (مجہول): روکا جائے اور نہ روکا جائے یعنی سلا ہوا ہو یا بے سلا، یہ قراءت بہتر ہے۔

۳-فعل معتل ہو، اور اصل کفی یکفی ہو، تو صرف معروف پڑھیں گے، یعنی یکفِ اور لایکف: کرتا کافی ہو یا نہ ہو، عذاب روکے یا نہ روکے، نبی ﷺ نے رئیس المنافقین کو جو کرتا پہنایا تھا وہ عذاب کو روکے گا یا نہیں؟ اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ قراءت تصحیف ہے، کاتبوں نے یہ اڑا دی ہے، یا مطلب یہ ہے کہ کرتا کافی ہو یا نہ ہو یعنی میت کے قد کے برابر ہو یا

چھوٹا ہو۔

اور باب کا دوسرا جزء ہے: من کفن بغیر قمیص: یعنی کفن میں سرے سے قمیص نہ ہو، چھوٹے دو امام اسی کے قائل ہیں۔

حدیث (۱): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب عبداللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا حضور ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: آپ مجھے اپنا کرتا عنایت فرمائیں، میں اس میں ابا کو کفن دوں گا، اور آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں، اور اس کے لئے دعائے مغفرت کریں، نبی ﷺ نے اپنا کرتا عنایت فرمایا اور فرمایا: (جب جنازہ تیار ہو جائے) مجھے اطلاع دینا میں اس کی نماز پڑھاؤں گا، چنانچہ جنازہ تیار ہونے پر آپ کو اطلاع دی گئی، آپ نے نماز پڑھانے کا ارادہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا کپڑا پکڑ کر کھینچا اور عرض کیا: کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے منافقین کا جنازہ پڑھنے سے منع نہیں کیا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے دو اچھی باتوں میں اختیار دیا گیا ہے'' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ استغفار کریں گے تو بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشیں گے'' پس نبی ﷺ نے اس کی نماز پڑھائی، پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''آپ منافقین میں سے جو مرے اس کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھائیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں''

حدیث (۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ عبداللہ بن ابی کے پاس آئے، اس کو دفن کیے جانے کے بعد یعنی قبر میں اتارے جانے کے بعد پس آپ نے اس کو قبر سے نکالا، اور اس پر لعاب ڈالا اور اس کو اپنا کرتا پہنایا۔

تشریح:

۱۔ ملعون عبداللہ بن ابی بن سلول منافقوں کا سردار تھا، اور اس کے لڑکے کا نام بھی عبداللہ تھا، اور وہ مخلص مسلمان تھے، جب ابن سلول کا انتقال ہوا تو بیٹے کی دلجوئی کے لئے نبی ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور کفن میں شامل کرنے کے لئے اپنا کرتا عنایت فرمایا، جب نبی ﷺ نے نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو روکا، اور عرض کیا: اللہ عزوجل نے آپ کو منافقین کے لئے استغفار کرنے سے منع کیا ہے، آپ اس کی نماز نہ پڑھائیں، نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے منع نہیں کیا، بلکہ دوراہے پر کھڑا کیا ہے، استغفار کرنے اور نہ کرنے کے درمیان اختیار دیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھ رہے تھے کہ نماز جنازہ استغفار ہے، جو منافقین کے لئے بے فائدہ ہے، پس اس کی نماز پڑھنے سے کیا فائدہ؟ اس لئے انھوں نے آپ کو روکا۔ اور آنحضور ﷺ سمجھ رہے ہیں کہ آیت کریمہ میں استغفار کرنے اور نہ کرنے کے درمیان اختیار دیا گیا ہے، پس منافق کی نماز جنازہ پڑھنے کی گنجائش ہے خواہ اس کا فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے، پس دونوں باتیں صحیح ہیں مگر بعد میں سورۂ توبہ ہی کی آیت ۸۴ نازل ہوئی، اور ایک راہ متعین کر دی کہ منافق کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھی جائے، نہ اس کی قبر پر کھڑا ہوا جائے، کیونکہ اس میں اس کا ایک طرح کا اعزاز ہے، جو نہیں ہونا چاہئے۔

۲۔ آنحضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کی جو نماز پڑھائی تھی اس میں بیٹے کی دلجوئی کے علاوہ منافقین کی تالیف قلوب

بھی مقصود تھی، جیسے آنحضور ﷺ نے ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، کیونکہ مدینہ میں یہودی بہت تھے اور ان کا قبلہ بیت المقدس تھا، اس لئے آپ نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی تاکہ یہود قریب آئیں مگر یہود بے یہود قریب تو کیا آتے الٹا انھوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) آہستہ آہستہ ہمارے دین کے قریب آرہے ہیں اور بہت جلد یہودیت اختیار کرلیں گے، اسی طرح آپؐ نے ابن سلول کی نماز جنازہ پڑھائی، کیونکہ مدینہ میں منافقین کی بڑی تعداد تھی اور ابن سلول ان کا سردار تھا اس لئے آپؐ نے اس کو کرتا بھی عنایت فرمایا، لعاب مبارک بھی ڈالا اور نماز جنازہ بھی پڑھائی تاکہ منافقین قریب آئیں اور اس کا خاطر خواہ فائدہ ہوا، چنانچہ آنحضور ﷺ کی وفات کے وقت مدینہ میں صرف بارہ منافق رہ گئے تھے اور آپؐ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کے نام بتادیئے تھے، ان بارہ کے علاوہ سب منافقین نے دل سے اسلام قبول کرلیا تھا۔

اور آنحضور ﷺ نے جو اپنا کرتا عنایت فرمایا تھا علماء نے اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں میں آنحضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے اور وہ دراز قد تھے اور ابن سلول بھی دراز قد تھا اور اس نے حضرت عباسؓ کو پہننے کے لئے اپنا کرتا دیا تھا، آپؐ نے اس کے کفن میں شامل کرنے کے لئے اپنا کرتا عنایت فرما کر اس کا احسان چکا دیا۔

۳- ابن عمرؓ کی روایت میں ہے: نبی ﷺ نے جنازہ تیار ہونے سے پہلے ہی کرتا عنایت فرمایا تھا اور ابن سلول کو کفن میں وہ کرتا پہنایا گیا تھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب وہ قبر میں رکھ دیا گیا تب آپؐ نے اس کو نکالنے کا حکم دیا اور اس کو اپنا کرتا پہنایا اور لعاب مبارک ڈالا، یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے، اس سے صرف نظر کئے بغیر چارہ نہیں۔ رہا یہ سوال کہ اصل واقعہ کیا تھا: ابن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے وہ، یا جابرؓ کی روایت میں آیا ہے وہ؟ اس کو اب طے کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ آیت ۸۴ نے نازل ہو کر اس سارے معاملہ کو قصہ پارینہ کر دیا ہے۔

اور کفن میں قمیص ہونی چاہئے یا نہیں؟ اور سلی ہوئی ہو یا بے سلی؟ ان مسائل میں اس حدیث سے کسی کا بھی استدلال درست نہیں، یہ حدیث تکفین کی نہیں ہے، تبرک کی ہے۔ اور تبرک کا ثبوت ہے، مگر تبرک اپنے محل میں کام کرتا ہے، غیر محل میں کام نہیں کرتا، نبی ﷺ نے جو کرتا عنایت فرمایا تھا وہ ابن سلول کے لئے بے فائدہ تھا۔

بَابُ الْكَفَنِ بِغَيْرِ قَمِيْصٍ

قمیص کے بغیر کفن دینا

یہ مسئلہ اوپر ضمناً آیا تھا اب صراحۃً آیا ہے کہ چھوٹے دواماموں کے نزدیک کفن میں قمیص نام کی کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے، ان کے نزدیک تین کپڑے: تین لفافے ہیں، ان میں میت کو لپیٹ دیا جائے، اور احناف کے نزدیک جو کفن میں قمیص ہے وہ برائے نام ہے، نہ اس کو سلا جاتا ہے نہ اس میں آستین اور کلیاں ہوتی ہیں۔

[۲۳-] بَابُ الْكَفَنِ بِغَيْرِ قَمِيْصٍ

[۱۲۷۱-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُفِّنَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ أَثْوَابٍ سُحُوْلٍ كُرْسُفٍ، لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَلاَ عِمَامَةٌ. [راجع: ۱۲۶٤]

[۱۲۷۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كُفِّنَ فِيْ ثَلاَثَةِ أَثْوَابٍ، لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَلاَ عِمَامَةٌ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ: أَبُوْ نُعَيْمٍ لاَ يَقُوْلُ: ثَلاَثَةٌ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ الْوَلِيْدِ، عَنْ سُفْيَانَ، يَقُوْلُ: ثَلاَثَةٌ.

وضاحت: اس حدیث کو ہشام سے یحییٰ بھی روایت کرتے ہیں اور سفیان ثوری بھی، پھر سفیان سے دو حضرات روایت کرتے ہیں: ابونعیم (امام بخاریؒ کے استاذ) اور عبداللہ بن الولید، عبداللہ کی روایت میں ثلاثۃ اثواب ہے اور یحییٰ کی روایت میں بھی یہ لفظ ہے مگر ابونعیم کی روایت میں یہ لفظ نہیں ہے۔ اور ہمارے نسخہ میں ہے مگر اس پر نسخہ بنا رکھا ہے یعنی یہ لفظ کسی ایک نسخہ میں ہے، اور جس نسخہ میں یہ لفظ نہیں ہے وہی صحیح ہے، اس لئے ہم نے اس کو حذف کیا ہے۔

بَابُ الْكَفَنِ بِلاَ عِمَامَةٍ

پگڑی کے بغیر کفن دینا

یہ باب امام مالک رحمہ اللہ پر تعریض ہے، وہ فرماتے ہیں: میت کے عمامہ بھی باندھا جائے، مگر سوڈان کے بعض مالکی طلبہ جو یہاں پڑھ کر گئے ہیں، میں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے انکار کیا، انھوں نے کہا: ہمارے یہاں اس کا رواج نہیں، پس یہ امام مالکؒ کا کوئی قول ہوگا۔

[۲٤-] بَابُ الْكَفَنِ بِلاَ عِمَامَةٍ

[۱۲۷۳-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كُفِّنَ فِيْ ثَلاَثَةِ أَثْوَابٍ بِيْضٍ سَحُوْلِيَّةٍ، لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَلاَ عِمَامَةٌ.

بَابُ الْكَفَنِ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ

کفن جمیع ترکہ سے دیا جائے

میت کی تجہیز و تکفین جمیع ترکہ سے ہوگی، کیونکہ یہ میت کا اپنا ذاتی خرچ ہے، اور زندگی میں اپنی ذات پر خرچ مقدم ہے، پس تجہیز و تکفین سب سے مقدم ہوگی اور جمیع ترکہ سے ہوگی، قرضے بعد میں ادا کئے جائیں گے اور وصیتیں اس کے بعد نافذ

کی جائیں گی۔

اور تجہیز وتکفین میں جو شرعا جائز خرچ ہیں وہ سب آتے ہیں، مثلاً: نہلانے والے کی اجرت، گورکن کی اجرت وغیرہ، اور جو بدعات ورسوم کے قبیل کے خرچ ہیں ان کو میت کے مال میں سے لینا جائز نہیں۔

آثار:

۱-حضرات عطاء بن ابی رباح، زہری، عمرو بن دینار اور قتادہ رحمہم اللہ کی یہی رائے ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

۲-عمرو بن دینارؒ کہتے ہیں: جیسے کفن کا کپڑا میت کے جمیع مال سے ہوگا اس کو لگائی جانے والی خوشبو بھی جمیع مال سے ہوگی۔

۳-ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کفن سے شروع کیا جائے یعنی سب سے پہلے تجہیز وتکفین کی جائے، تجہیز کے معنی ہیں: تیار کرنا اور تکفین کے معنی ہیں: کفن دینا، کفن دفن کے تمام جائز خرچے میت کے جمیع ترکہ سے لئے جائیں گے، پھر جو بچے گا اس سے قرضے ادا کیے جائیں گے، اور باقی ماندہ سے اگر میت نے وصیت کی ہے تو تہائی مال سے وصیت نافذ کی جائے گی اور باقی مال ورثاء کے لئے ہوگا۔

۴-سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں: گورکن اور نہلانے والے کا خرچہ بھی کفن میں شمار ہوگا ــــ غرض جو جائز خرچے ہیں وہ سب میت کے جمیع ترکہ سے لئے جائیں گے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

مسئلہ: بیوی کی تجہیز وتکفین شوہر کے ذمہ ہے، کیونکہ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے، اور تجہیز وتکفین از قبیل نفقہ ہے پس بیوی کی تجہیز وتکفین شوہر کے ذمہ ہے۔

[۲۵-] بَابُ الْكَفَنِ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ

[۱-] وَبِهِ قَالَ عَطَاءٌ، وَالزُّهْرِيُّ، وَعَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، وَقَتَادَةُ.

[۲-] وَقَالَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ: الْحَنُوطُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ.

[۳-] وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: يُبْدَأُ بِالْكَفَنِ، ثُمَّ بِالدَّيْنِ، ثُمَّ بِالْوَصِيَّةِ.

[٤-] وَقَالَ سُفْيَانُ: أَجْرُ الْقَبْرِ وَالْغَسْلِ: هُوَ مِنَ الْكَفَنِ.

[۱۲۷٤-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أُتِيَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ يَوْمًا بِطَعَامٍ، فَقَالَ: قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ، وَكَانَ خَيْرًا مِنِّي، فَلَمْ يُوجَدْ لَهُ مَا يُكَفَّنُ فِيهِ إِلَّا بُرْدَةٌ، وَقُتِلَ حَمْزَةُ أَوْ: رَجُلٌ آخَرُ خَيْرٌ مِنِّي، فَلَمْ يُوجَدْ لَهُ مَا يُكَفَّنُ فِيهِ إِلَّا بُرْدَةٌ، لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ قَدْ عُجِّلَتْ لَنَا طَيِّبَاتُنَا فِي حَيَاتِنَا الدُّنْيَا، ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِي. [انظر: ۱۲۷۵، ٤٠٤٥]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کبھی کھانا لایا گیا، انھوں نے فرمایا: مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے اور ان کے پاس کفن کے لئے ایک چادر کے علاوہ کچھ نہیں تھا، اور حضرت حمزہ رضی اللہ

عنہ شہید کئے گئے یا کہا: ایک اور شخص شہید کیا گیا (مراد حضرت حمزہؓ ہیں) اور وہ مجھ سے بہتر تھا اور اس کے پاس بھی کفن کے لئے ایک چادر کے علاوہ کچھ نہیں تھا، بخدا! واقعہ یہ ہے کہ میں ڈرتا ہوں: کہیں ہمیں ہماری نیکیاں دنیا کی زندگی میں جلدی تو نہیں کھلائی جارہی؟

تشریح: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، اور مالدار صحابہ میں سے ہیں، کبھی ایسا ہوتا تھا کہ افطاری کے لئے دستر خوان بچھایا جاتا، وہ کھانا دیکھ کر رونے لگتے اور حضرات مصعب بن عمیر اور حمزہ رضی اللہ عنہما کو اور ان کی عسرت کو یاد کرتے اور فرماتے: یہ حضرات مجھ سے بہتر تھے، دونوں جنگ احد میں اس حال میں شہید ہوئے کہ ان کی ملکیت میں ایک چادر کے علاوہ کچھ نہیں تھا، اسی میں ان کو کفن دیا گیا، اور ہم زندہ رہے اور ہمارا پھل پک گیا، جس کو ہم چن رہے ہیں، بخدا! مجھے ڈر لگتا ہے: کہیں ایسا تو نہیں کہ مجھے میری نیکیاں دنیا میں کھلائی جارہی ہوں! اگر ایسا ہے تو میں گھاٹے میں رہا۔ یہ سوچ کر اتنا روتے کہ ایک لقمہ بھی نہ کھا سکتے۔

غرض حضرت مصعبؓ اور حضرت حمزہؓ کی ملکیت میں ایک ایک چادر تھی اسی میں ان کو کفن دیا گیا، اور نبی ﷺ نے دریافت نہیں کیا کہ ان پر قرض ہے یا نہیں؟ انھوں نے کوئی وصیت کی ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ تجہیز و تکفین جمیع ترکہ سے ہوگی، اور دین و وصیت سے مقدم ہوگی۔

بَابٌ: إِذَا لَمْ يُوجَدْ إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ

جب ایک ہی کپڑا میسر ہو تو اسی میں کفن دیا جائے

پہلے بتایا ہے کہ مرد اور عورت: دونوں کے لئے کفن ضرورت ایسا ایک کپڑا ہے جس میں سارا بدن چھپ جائے یا پھر جس قدر یا جو چیز میسر ہو اسی میں کفن دیا جائے، حضرت حمزہ اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہما کو ایک ایک کپڑے میں کفن دیا گیا تھا۔ اور وہ چھوٹا تھا، چنانچہ سر چھپایا گیا اور پیروں پر گھاس ڈالی گئی۔

[۲۶-] بَابٌ: إِذَا لَمْ يُوجَدْ إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ

[۱۲۷۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِيهِ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ أُتِيَ بِطَعَامٍ، وَكَانَ صَائِمًا، فَقَالَ: قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّي، كُفِّنَ فِي بُرْدِهِ، إِنْ غُطِّيَ رَأْسُهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ، وَإِنْ غُطِّيَ رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهُ. وَأُرَاهُ قَالَ: وَقُتِلَ حَمْزَةُ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّي، ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ، أَوْ قَالَ: أُعْطِينَا مِنَ الدُّنْيَا مَا أُعْطِينَا، وَقَدْ خَشِينَا أَنْ تَكُونَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا، ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِي حَتّٰى تَرَكَ الطَّعَامَ" [راجع: ۱۲۷۴]

قولہ: ثم بُسِطَ: پھر ہمارے لئے دنیا پھیلائی گئی جو پھیلائی گئی، یا فرمایا: ہمیں دنیا میں سے دیا گیا جو دیا گیا، اور بخدا!

ہم ڈرتے ہیں کہ ہماری نیکیاں ہمیں جلدی دے دی گئی ہیں، پھر روتے یہاں تک کہ کھانا چھوڑ دیتے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے اعمال کا اجر اس دنیا میں نہیں رکھا، آخرت میں رکھا ہے، اگر دنیا میں اعمال کا اجر دیا جاتا تو مؤمن کا بڑا نقصان ہوتا۔ غور کرو! ایک آدمی نے پندرہ سال کی عمر سے نماز پڑھنی شروع کی اس کی نماز کا بدلہ اگر اسی دنیا میں دیدیا جائے تو وہ کتنے دن ثواب سے متمتع ہوگا؟ ساٹھ سال، ستر سال، اسی سال، نوے سال، سو سال، پھر تو مرے گا؟ پس اس نے پچاس سال اپنی نماز کے ثواب سے فائدہ اٹھایا اور جو نماز اس نے مرنے سے ایک دن پہلے پڑھی اس کے ثواب سے تو ایک ہی دن فائدہ اٹھایا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے اعمال کا اجر اس دنیا میں نہیں رکھا، سارا اجر آخرت میں رکھا ہے، تاکہ آخرت میں جب وہ اجر پائے تو اسے تا ابد استعمال کرے، اب وہ اجر کبھی ختم نہیں ہوگا، اور یہ مضمون اللہ تعالیٰ نے سورۂ یوسف (آیت ۵۷) میں بیان کیا ہے ﴿وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾: اور آخرت کا اجر کہیں زیادہ بہتر ہے ایمان داروں اور تقوی شعار لوگوں کے لئے (تفصیل علمی خطبات ۱: ۲۵۸ میں ہے)

اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ غایت تقوی سے دنیا کی نعمتوں کو اعمال کا بدلہ سمجھ رہے ہیں اور دلیل خَشِينَا ہے یعنی یہ بات احتمالی ہے یقینی نہیں، جیسے: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو وصیت کی کہ کسی کو میری موت کی خبر نہ کرنا، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ موت کی تشہیر نہ ہوجائے، اور نبی ﷺ نے موت کی تشہیر سے منع فرمایا ہے (ترمذی حدیث ۹۷۰) یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا غایت تقوی تھا، ورنہ اقارب کو، اصحاب کو، اہل خیر کو اور عام لوگوں کو کسی کی موت کی خبر دینا تاکہ وہ جنازہ میں شرکت کریں یا دعائے خیر کریں: جائز ہے، ممنوع تشہیر میں یہ بات داخل نہیں، اسی طرح حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بھی انتہائی تقوی کی وجہ سے یہ بات فرمائی ہے۔

بَابٌ: إِذَا لَمْ يَجِدْ كَفَنًا إِلَّا مَا يُوَارِيْ رَأْسَهُ أَوْ قَدَمَيْهِ غُطِّيَ بِهِ رَأْسُهُ

جب کفن کے لئے نہ ہو مگر ایسا کپڑا جس سے سر یا پیر چھپ سکیں تو اس سے میت کا سر چھپایا جائے

اگر ایک ہی کپڑا ہے اور وہ چھوٹا ہے میت کا پورا جسم اس میں نہیں چھپ سکتا تو سر چھپائیں گے کیونکہ وہ اہم ہے اور پیروں پر گھاس وغیرہ ڈالیں گے۔ حضرت مصعب اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کو جن چادروں میں کفن دیا گیا تھا وہ چادریں چھوٹی تھیں، سر ڈھانپتے تھے تو پیر کھل جاتے تھے، اور پیر ڈھانپتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، نبی ﷺ نے سر ڈھانپنے کا حکم دیا اور پیروں پر اذخر گھاس ڈالی گئی، اور وہ صحابی جن کا حجۃ الوداع میں اونٹ پر سے گرنے کی وجہ سے انتقال ہوا تھا ان کا سر کھلا رکھا گیا، وہ ان کی خصوصیت تھی، اور ان کے احرام کی برکت تھی۔

[۲۷-] بَابٌ: إِذَا لَمْ يَجِدْ كَفَنًا إِلَّا مَا يُوَارِيْ رَأْسَهُ أَوْ قَدَمَيْهِ غُطِّيَ بِهِ رَأْسُهُ

[۱۲۷۶-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَقِيْقٌ،

قَالَ: حَدَّثَنَا خَبَّابٌ، قَالَ: هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، نَلْتَمِسُ وَجْهَ اللهِ، فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللهِ، فَمِنَّا مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا، مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ، وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا، قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ فَلَمْ نَجِدْ مَا نُكَفِّنُهُ بِهِ إِلَّا بُرْدَةً، إِذَا غَطَّيْنَا بِهَا رَأْسَهُ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ، وَإِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَأْسُهُ، فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهُ، وَأَنْ نَجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ مِنَ الْإِذْخِرِ.

[انظر: ۳۸۹۷، ۳۹۱۳، ۳۹۱۴، ۴۰۴۷، ۴۰۸۲، ۶۴۳۲، ۶۴۴۸]

ترجمہ: حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت کی، ہم اللہ کی خوشنودی ڈھونڈ رہے تھے یعنی محض دینی جذبہ سے ہجرت کی، کوئی دنیوی فائدہ پیش نظر نہ تھا، پس ہمارا اجر اللہ کے یہاں ثابت ہو گیا، پھر ہم میں سے بعض مرے درانحالیکہ انھوں نے اپنے اجر میں سے کچھ نہیں کھایا، یعنی دنیا میں ہجرت اور نیک عمل کا کچھ صلہ نہیں پایا، فتوحات کا دور نہیں دیکھا، ان میں سے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا پھل پک گیا، پس وہ اس کو توڑ رہے ہیں یعنی دنیا میں ان کو ان کے نیک اعمال کی برکت پہنچی جس سے وہ متمتع ہو رہے ہیں، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہید کئے گئے، پس نہیں پائی ہم نے ان کے لئے وہ چیز جس میں ہم ان کو کفن دیتے، سوائے ایک چادر کے، جب ہم اس چادر سے ان کا سر ڈھانکتے تو ان کے پیر کھل جاتے، اور جب پیر ڈھانکتے تو سر کھل جاتا، پس ہمیں نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ہم ان کا سر ڈھانکیں اور ان کے پیروں پر اذخر گھاس ڈالیں۔

بَابُ مَنِ اسْتَعَدَّ الْكَفَنَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَلَمْ يُنْكَرْ عَلَيْهِ

جس نے نبی ﷺ کے زمانہ میں اپنا کفن تیار کیا، پس اس پر نکیر نہیں کی گئی

اپنی حیات ہی میں پہلے سے کفن تیار کر کے رکھنا جائز ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، نص سے یہ بات ثابت ہے، ایک خاتون نے ایک چادر بُنی، اس چادر کے کناروں میں جھالر تھے، بہت خوبصورت چادر تھی، وہ خدمتِ اقدس میں چادر لے کر حاضر ہوئی، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے یہ چادر اپنے ہاتھوں سے بُنی ہے، تاکہ آپ اس کو پہنیں، اتفاق سے اس وقت آنحضور ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی، آپؐ نے وہ ہدیہ قبول فرمایا، اور جمعہ کے دن لنگی کی جگہ اس چادر کو باندھ کر تشریف لائے، نماز کے بعد ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کتنی شاندار چادر ہے، آپؐ یہ مجھے عنایت فرمادیں، صحابہ نے اس سے کہا: تم نے اچھا نہیں کیا، تم دیکھ رہے ہو: نبی ﷺ کو اس کی ضرورت ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ نبی ﷺ کبھی سوال رد نہیں کرتے، ان صحابی نے کہا: میں نے پہننے کے لئے آپؐ سے چادر نہیں مانگی، بلکہ میں اس کو حفاظت سے رکھوں گا تاکہ جب میں مروں تو اس چادر میں مجھے کفن دیا جائے، خیر! آنحضور ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور پرانی لنگی باندھ کر وہ چادر ان صحابی کے پاس بھیج دی، پھر جب ان کا انتقال ہوا تو اسی چادر میں ان کو کفن دیا گیا، معلوم ہوا کہ زندگی میں کفن تیار

کر کے رکھنا جائز ہے، اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

[۲۸-] بَابُ مَنِ اسْتَعَدَّ الْكَفَنَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ

[۱۲۷۷-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلٍ: أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بِبُرْدَةٍ، مَنْسُوجَةٍ فِيهَا حَاشِيَتُهَا ـــ تَدْرُونَ مَا الْبُرْدَةُ؟ قَالُوا: الشَّمْلَةُ، قَالَ: نَعَمْ ـــ قَالَتْ: نَسَجْتُهَا بِيَدِي، فَجِئْتُ لِأَكْسُوَكَهَا، فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مُحْتَاجًا إِلَيْهَا، فَخَرَجَ إِلَيْنَا وَإِنَّهَا إِزَارُهُ، فَحَسَّنَهَا فُلَانٌ، فَقَالَ: اكْسُنِيهَا، مَا أَحْسَنَهَا! فَقَالَ الْقَوْمُ: مَا أَحْسَنْتَ، لَبِسَهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مُحْتَاجًا إِلَيْهَا، ثُمَّ سَأَلْتَهُ وَعَلِمْتَ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ؟ قَالَ: إِنِّي وَاللهِ مَا سَأَلْتُهُ لِأَلْبَسَهُ، إِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِتَكُونَ كَفَنِي، قَالَ سَهْلٌ: فَكَانَتْ كَفَنَهُ. [انظر: ۲۰۳۶، ۵۸۱۰، ۲۰۳۶]

ترجمہ: ایک عورت نبی ﷺ کے پاس ایک چادر لائی، اس کے کناروں میں جھالر بنے ہوئے تھے ـــ راوی نے طلبہ سے پوچھا: جانتے ہو بُرْدۃ کس کو کہتے ہیں؟ طلبہ نے کہا: شَمْلة (چادر) کو کہتے ہیں، راوی نے کہا: ہاں ـــ اس عورت نے عرض کیا: میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے بُنا ہے، اور اس لئے لائی ہوں کہ آپ اس کو زیب تن فرمائیں، پس نبی ﷺ نے اس کو لیا ضرورت مند ہونے کے طور پر، پس آپؐ ہماری طرف نکلے درانحالیکہ وہ چادر آپ کی لنگی تھی یعنی لنگی کی جگہ آپؐ نے وہ چادر باندھ رکھی تھی، پس فلاں شخص نے اس چادر کی تعریف کی، اور عرض کیا: یہ چادر مجھے عنایت فرمادیں، یہ چادر کتنی اچھی ہے! پس لوگوں نے کہا: تو نے اچھا نہیں کیا، نبی ﷺ نے اس کو ضرورت مند ہونے کے طور پر پہنا ہے، پھر تو نے آپؐ سے وہ چادر مانگ لی جبکہ تو جانتا ہے کہ نبی ﷺ سوال رد نہیں کرتے، اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے چادر آپؐ سے اس لئے نہیں مانگی کہ میں اس کو پہنوں گا، بلکہ میں نے صرف اس لئے مانگی ہے کہ وہ میرا کفن بنے۔ سہل بن سعدؓ کہتے ہیں: پس وہ چادر اس کا کفن بنی یعنی اس بندے نے زندگی بھر اس کی حفاظت کی اور جب اس کا انتقال ہوا تو اس کو اس چادر میں کفن دیا گیا۔

ملحوظہ: چادر کو پہلے بُردۃ کہتے تھے، قصیدہ بردہ میں یہی لفظ ہے پھر اس کو شَمْلة کہنے لگے، اس لئے راوی حدیث نے طلبہ سے پوچھا: جانتے ہو بردہ کس کو کہتے ہیں؟ طلبہ جانتے تھے، انھوں نے کہا: اب اس کو شملہ کہتے ہیں۔

بَابُ اتِّبَاعِ النِّسَاءِ الْجَنَازَةَ

عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانا

تین مسئلے ہیں: ایک: عورت کا بزرگوں کی قبروں پر جانا۔ دوم: عورتوں کا رشتہ داروں کی قبروں پر جانا۔ سوم: عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانا، یہ تینوں مسئلے بالکل جدا جدا ہیں، حاشیہ میں تینوں مسئلے گڈمڈ ہوگئے ہیں، اور اس باب میں تیسرا مسئلہ ہے کہ عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانا جائز نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک جنازہ میں تشریف لے

جارہے تھے، آپؐ نے چند عورتوں کو ایک جگہ بیٹھا ہوا دیکھا، پوچھا: یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم ایک جنازہ کا انتظار کررہی ہیں، آپؐ نے پوچھا: تم نے جنازہ کو نہلایا؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، آپؐ نے پوچھا: تم جنازہ کو کندھا دوگی؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، آپؐ نے پوچھا: تم جنازہ کو قبر میں اتاروگی؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: پس واپس جاؤ گناہوں کا بوجھ لے کر، ثواب سے خالی ہاتھ! (ابن ماجہ حدیث ۱۵۷۸) اس سوال وجواب سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا جنازہ میں کوئی کام نہیں، پس ان کی شرکت بے فائدہ ہے، اوران کی شرکت میں مفاسد کا اندیشہ ہے، وہ شوروشغب کریں گی، واویلا مچائیں گی، بے صبری کا مظاہرہ کریں گی، اور بے پردگی بھی ہوگی، اس لئے عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا ہے ــــ اور دوسرے دو مسئلے ترمذی میں آئیں گے (دیکھئے تحفۃ الالمعی ۳: ۴۶۷)

[۲۹-] بَابُ اتِّبَاعِ النِّسَاءِ الْجَنَازَةَ

[۱۲۷۸-] حدثنا قَبِيْصَةُ بْنُ عُقْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أُمِّ الْهُذَيْلِ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: نُهِيْنَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ، وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا. [راجع: ۳۱۳]

ترجمہ: ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہمیں جنازہ کے ساتھ جانے سے روکا گیا مگر تاکید کے ساتھ نہیں روکا گیا، یعنی عورت میت کو دفن کرنے کے لئے جنازہ کے ساتھ جاسکتی ہے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو ابن ماجہ میں ہے تاکید کے ساتھ روکا گیا ہے، چنانچہ اس کا رواج نہیں، عورتیں جنازہ کے ساتھ نہیں جاتیں۔

بَابُ إِحْدَادِ الْمَرْأَةِ عَلَى غَيْرِ زَوْجِهَا

شوہر کے علاوہ دوسرے رشتہ دار پر عورت کا سوگ کرنا

إحداد: (افعال) مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: روکنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: سوگ کرنا، یعنی ترک زینت۔

مسئلہ: مرد کے لئے سوگ کرنا مطلقاً جائز نہیں، اور عورتوں کے لئے غیر شوہر پر تین دن سوگ کرنا جائز ہے، عورتوں کو رشتہ داروں کی موت کا غم زیادہ ہوتا ہے، اس لئے ان کو تین دن تک سوگ کرنے کی اجازت دی گئی، اس سے زیادہ جائز نہیں، اس میں شوہر کی حق تلفی ہے، البتہ شوہر پر سوگ کرنا واجب ہے، اور یہ سوگ عورت چار مہینے دس دن کرے گی، اور اگر عورت حاملہ ہے تو وضع حمل تک کرے گی۔

اور سوگ یعنی ترک زینت یہ ہے کہ عورت زیور نہ پہنے، بناؤ سنگھار نہ کرے، اور شوخ رنگین کپڑا نہ پہنے، سادہ رنگین کپڑا پہن سکتی ہے، سفید کپڑے ہی پہننے ضروری نہیں اور جاہلوں میں سوگ کا جو مطلب سمجھا جاتا ہے کہ عورت عدت میں سورج نہ دیکھے، ہاتھوں کی چوڑیاں توڑدے (سونے کی چوڑیاں اتارلیتی ہیں کانچ کی توڑتی ہیں) یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں، شریعت

مطہرہ کا ان فضول باتوں سے کچھ تعلق نہیں۔

[۳۰-] بَابُ إِحْدَادِ الْمَرْأَةِ عَلَىٰ غَيْرِ زَوْجِهَا

[۱۲۷۹-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ عَلْقَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ: تُوُفِّيَ ابْنٌ لِأُمِّ عَطِيَّةَ، فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الثَّالِثُ دَعَتْ بِصُفْرَةٍ، فَتَمَسَّحَتْ بِهِ، وَقَالَتْ: نُهِينَا أَنْ نُحِدَّ أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثٍ، إِلَّا لِزَوْجٍ. [راجع: ۳۱۳]

وضاحت: پہلے بتایا ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا ایک لڑکا جہاد میں زخمی ہو کر گھر لوٹا تھا، حضرت ام عطیہؓ اس سے ملنے کے لئے مدینہ منورہ سے بصرہ گئیں، ابھی دو دن کی مسافت پر تھیں کہ صاحبزادے کا انتقال ہو گیا، اور ماں کی بیٹے سے ملاقات نہ ہو سکی، اس موقعہ پر جب تین دن پورے ہوئے تو حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے صفرہ منگوایا، یہ خاص قسم کی عورتوں کی خوشبو ہے، اس میں جز غالب زعفران ہوتا ہے، ام عطیہؓ نے وہ خوشبو لگائی پھر فرمایا: ہمیں شوہر کے علاوہ کا تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے روکا گیا ہے، یعنی صرف تین دن غیر شوہر کا سوگ کرنے کی اجازت ہے، اس سے زیادہ نہیں، اس لئے ام عطیہؓ نے خوشبو لگا کر عملی طور پر سوگ ختم کیا۔

[۱۲۸۰-] حدثنا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ نَافِعٍ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَتْ: لَمَّا جَاءَ نَعْيُ أَبِي سُفْيَانَ مِنَ الشَّامِ، دَعَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِصُفْرَةٍ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ، فَمَسَحَتْ عَارِضَيْهَا وَذِرَاعَيْهَا، وَقَالَتْ: إِنِّي كُنْتُ عَنْ هَذَا لَغَنِيَّةً، لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: "لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ، فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا. [انظر: ۱۲۸۱، ۵۳۳۴، ۵۳۳۹، ۵۳۴۵]

ترجمہ: زینب بنت ابی سلمہ کہتی ہیں: جب شام سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر آئی تو ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے تیسرے دن زرد خوشبو منگوائی اور اسے اپنے رخساروں اور کلائیوں پر لگائی، پھر فرمایا: بیشک میں اس سے بے نیاز ہوں (یعنی خوشبو لگانے کی مجھے حاجت نہیں، کیونکہ بناؤ سنگھار شوہر کے لئے کیا جاتا ہے اور نبی ﷺ نہیں رہے، پس میں کس کے لئے خوشبو لگاؤں؟) مگر میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "کسی بھی عورت کے لئے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، تین دن سے زیادہ کسی میت کا سوگ کرنا جائز نہیں، مگر شوہر مستثنیٰ ہے، پس بیشک عورت اس کا سوگ چار مہینہ دس دن تک کرے گی۔

تشریح:

۱- ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے ہیں، وہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے،

اور یہاں حدیث میں وہم ہے، صحیح یہ ہے کہ شام سے یزید بن ابی سفیان کی موت کی خبر آئی تھی، وہ شام کے امیر تھے اور حضرت ابوسفیانؓ کا انتقال ۳۲ یا ۳۳ ہجری میں مدینہ میں ہوا ہے، حافظ رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے، تفصیل فتح الباری میں ہے۔

جب یزید بن ابی سفیان کی موت کی خبر آئی تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے تیسرے دن خوشبو منگوا کر استعمال کی، اور فرمایا: مجھے خوشبو لگانے کی ضرورت نہیں، مگر چونکہ نبی ﷺ نے شوہر کے علاوہ کسی بھی میت کا تین دن سے زیادہ سوگ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، اس لئے میں نے خوشبو لگا کر عملی طور پر سوگ ختم کیا۔

۲- تؤمن بالله والیوم الآخر: یوم آخر کا تذکرہ اس لئے کیا کہ عمل پر ابھارنے والا یہی عقیدہ ہے، اگر واقعی قیامت کا یقین ہو تو بندہ نہ کوئی نیک عمل چھوڑے اور نہ کوئی گناہ کرے، اور جب یہ عقیدہ کمزور ہوتا ہے تو آدمی نمازیں تک نہیں پڑھتا، اور برائی بے جھجک کرتا ہے، اس لئے عمل پر ابھارنے کے لئے اس عقیدہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

[۱۲۸۱-] حدثنا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِيْ سَلَمَةَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلٰى أُمِّ حَبِيْبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " لَايَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا"[راجع: ۱۲۸۰]

[۱۲۸۲-] ثُمَّ دَخَلْتُ عَلٰى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ أَخُوْهَا، فَدَعَتْ بِطِيْبٍ فَمَسَّتْ بِهِ، ثُمَّ قَالَتْ: مَالِيْ بِالطِّيْبِ مِنْ حَاجَةٍ، غَيْرَ أَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَايَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُحِدُّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا"[انظر: ۵۳۳۵]

وضاحت: جب ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی کا انتقال ہوا تو انھوں نے بھی تیسرے دن خوشبو لگا کر عملی طور پر سوگ ختم کیا اور فرمایا: مجھے خوشبو لگانے کی ضرورت نہیں تھی، مگر چونکہ نبی ﷺ نے شوہر کے علاوہ پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا ہے، اس لئے میں نے خوشبو لگا کر عملی طور پر سوگ ختم کیا، اس واقعہ کی راویہ بھی زینب بنت ابی سلمہ ہیں۔

قولہ: ثم دخلت: یہ ثُمَّ بمعنی واؤ ہے، یعنی یہ دو الگ الگ واقعے ہیں، کونسا واقعہ پہلے ہے کونسا بعد میں اس سے قطع نظر۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تحفۃ القاری کی جلد سوم تمام ہوئی۔ جلد چہارم کتاب الصلاۃ (الجنائز)[۳۱-] زیارۃ القبور سے ان شاء اللہ شروع ہوگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کو بخاری شریف کی تفویض پر

اظہارِ مسرت

——— از رشحہ قلم: ظفرؔ جنگ پوری قاسمی

ہُوا یہ سعید! آپ پر فضلِ باری ❁ ملی جامعہ میں تُمہیں جو بُخاری

ہراِیک پڑھنے والے کو اچھا لگے گا ❁ تمہارا حسیں طرز درسِ بُخاری

یقیناً ہر اک سے نرالا ہی ہوگا ❁ تمہارا وہ اندازِ درسِ بُخاری

تمنا تھی ہر طالبِ علمِ دیں کی ❁ تمہی کو ملے جامعہ میں بُخاری

تمہیں شادماں ہوکے برزخ میں دیگی ❁ بہت داد و تحسین، روحِ بُخاری

تمہی پیکرِ خُلق وزُہد و ورع ہو ❁ تمہیں زیب دیتا ہے درسِ بُخاری

ظفرؔ ایک مدت سے، محوِ دعا تھا

ملے جامعہ میں تمہی کو بخاری

نذر گزارِ خلوص: سید عبدالعزیز ظفرؔ جنگپوری قاسمی الحسینی غفرلہ

امام وخطیب شاہی مسجد خواجہ پیر ۵۹۔ڈی فرینڈس کالونی نئی دہلی ۱۱۰۰۶۵